



محاکنِ ترمذی

مبتخر و شرح ابرقو

جامع ترمذی

جلد چہارم

مؤلف

امام ابو نعیم حاکم بن محمد بن عیسیٰ نزمذی رحمہ اللہ

مبتخر و شرح

مفتی عطاء الرحمن ملتان دہت بکاش



مکتبہ رحمانیہ (پرائیویٹ)

محاسنِ ترمذی

ترجمہ و شرح ابن کثیر

جامع ترمذی

جلد چہارم

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ

مترجم و شراح

مفتی عطاء الرحمن ملتانی دہشت بکاشہ

مکتبہ رحمانیہ (رمز)

راقد اسٹریٹ عرفی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں



مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

۱۵۹۹۹۸

نام کتاب

محان ترمذی رحمہ اللہ جامع ترمذی

(جلد چہارم)

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اقرا سنٹر عرفی سٹریٹ۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھ ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام ترمذہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست عنوانات

۵۹.....	کھمبی اور کھجور کا بیان
۶۲.....	غیب کی باتیں بتلانے والے کی اجرت
۶۷.....	کوڑی وغیرہ باندھنے کی ممانعت
۷۱.....	پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنا
۷۳.....	دودھ پلانے کے زمانہ میں صحبت کرنا
۷۵.....	پہلو کے درد (نمونیا کا علاج)
۷۷.....	درد کی ایک جھاڑ
۷۸.....	سنا کا بیان
۷۸.....	شہد کا بیان
۸۰.....	بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کا ایک طریقہ
۸۱.....	راکھ سے علاج کرنے کا بیان
۸۳.....	مریض کو زندگی کی امید دلانا

۸۴	أَبْوَابُ الْفَرَائِضِ
----	------------------------

۸۴.....	فرائض کے بیان میں
۸۴.....	آدمی جو مال چھوڑ کر جائے وہ اس کے اہل خانہ کو ملے گا
۹۰.....	فرائض کی تعلیم کا بیان
۹۱.....	لڑکیوں کی میراث (کے حکم) کے بارے میں ہے
۹۴.....	عربی بیٹی کے ساتھ پوتی کی میراث کا ذکر ہے
۹۶.....	حقیقی بھائیوں کی میراث
۹۹.....	بیٹیوں کی میراث بیٹیوں کے ساتھ
۱۰۰.....	بہنوں کا حصہ
۱۰۱.....	یہ باب عصبہ کی میراث کے بارے میں ہے

۱۷	أَبْوَابُ الطَّبِّ
----	--------------------

۱۷.....	علاج معالجہ کا بیان
۲۱.....	پرہیز کا بیان
۲۳.....	دوا دارو کی ترغیب
۲۷.....	جس میں اس چیز کا ذکر ہے جو بیمار کو کھلائی جاتی ہے
۲۸.....	بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور مت کرو
۲۹.....	کلونجی کا بیان
۳۰.....	حرام اشیاء سے علاج کرانے کا شرعی حکم
۳۱.....	زہر وغیرہ سے خودکشی کرنے کا بیان
۳۵.....	نشہ آور چیز سے علاج کرانے کی ممانعت
۳۶.....	ناک میں دوا ٹپکانے وغیرہ علاج کا بیان
۳۹.....	گرم لوہے سے داغنے کی ممانعت
۴۰.....	گرم لوہے سے داغنے کی اباحت
۴۱.....	پچھنے لگوانے کا بیان
۴۴.....	مہندی سے علاج کرنا
۴۵.....	جھاڑ پھونک کی ممانعت
۴۶.....	جھاڑ پھونک کی اجازت
۴۸.....	معوذتین (سورہ فلق اور سورہ ناس) سے جھاڑنا
۴۹.....	نظر بد سے جھاڑ کا بیان
۵۱.....	نظر برحق ہے اور اس کے لئے دھونا
۵۵.....	تعویذ پر اجرت لینے کا بیان
۵۸.....	جھاڑ پھونک اور علاج معالجہ کا بیان

- ۱۳۴..... ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے
 ۱۳۷..... ولاء بیچنا اور بخشش کرنا ممنوع ہے
 غیر آقاؤں سے تعلق قائم کرنا اور غیر باپ کی طرف منسوب ہونا
 ۱۳۷.....
 اولاد کے نسب کا انکار کرنا
 ۱۳۹.....
 قیافہ شناسوں کا بیان
 ۱۴۰.....
 نبی کریم ﷺ نے ہدیہ کرنے پر برا بیغختہ کیا ہے
 ۱۴۱.....
 ہبہ کر کے واپس لینا مکروہ ہے
 ۱۴۲.....

أَبْوَابُ الْقَدَرِ

۱۴۵

- تقدیر کے بیان میں
 ۱۴۵.....
 تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثہ اور گفتگو کرنے کی (ممانعت کی) شدت کے بارے میں ہے
 ۱۵۲.....
 آدم و موسیٰ علیہما السلام میں ایک مناظرہ
 ۱۵۵.....
 بدبختی اور خوش بختی کے بارے میں
 ۱۵۷.....
 اخروی انجام آخری اعمال کے مطابق ہوگا
 ۱۵۹.....
 ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے
 ۱۶۱.....
 تقدیر کو دعائی پھیر سکتی ہے
 ۱۶۳.....
 دل رحمان کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں
 ۱۶۵.....
 اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور جہنمیوں کے نام رجسٹروں میں لکھ لئے ہیں
 ۱۶۶.....
 چھوٹ کی بیماری، مقتول کے سر کا پرندہ اور صفر کی نحوست
 بے اصل باتیں ہیں
 ۱۶۹.....
 بھلی بُری تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے
 ۱۷۰.....
 آدمی وہاں ضرور پہنچتا ہے جہاں موت مقدر ہوتی ہے
 ۱۷۲.....
 جھاڑ پھونک اور دوا دار و تقدیر کو ٹال نہیں سکتے
 ۱۷۳.....
 منکرین تقدیر کا حکم
 ۱۷۴.....

- دادے کی میراث کے (حکم کے) بارے میں
 ۱۰۲.....
 دادی کا میراث میں حصہ
 ۱۰۴.....
 جدہ کے بیٹے کی موجودگی میں اس کا حصہ
 ۱۰۸.....
 ماموں کی میراث کے بارے میں
 ۱۰۸.....
 اس شخص (کی میراث کے حکم) کے بارے میں ہے جو مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو
 ۱۱۰.....
 آزاد شدہ کا میراث میں حصہ
 ۱۱۲.....
 مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے
 ۱۱۲.....
 دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے
 ۱۱۴.....
 میراث و رثاء کے لئے ہے اور دیت خاندان پر ہے
 ۱۱۴.....
 جو کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے اس کا حکم
 ۱۱۷.....
 اس شخص کے بارے میں ہے جو ولاء کا وارث ہوتا ہے
 ۱۱۹.....

أَبْوَابُ الْوَصَايَا

۱۲۱

- وصیتوں کے بیان میں
 ۱۲۱.....
 تہائی مال کی وصیت کا حکم
 ۱۲۱.....
 تہائی مال میں وصیت کے بارے میں ہے
 ۱۲۳.....
 وصیت میں وراثت کو نقصان پہنچانا
 ۱۲۶.....
 وصیت پر ابھارنے کے بارے میں ہے
 ۱۲۷.....
 نبی کریم ﷺ نے وصیت نہیں کی
 ۱۲۸.....
 وارث کے لئے وصیت جائز نہیں
 ۱۲۹.....
 اس شخص کے حکم کے بارے میں ہے جو موت کے وقت صدقہ کرے یا غلام آزاد کرے
 ۱۳۲.....
 قرضہ وصیت سے پہلے چکا یا جائے گا
 ۱۳۲.....

أَبْوَابُ الْوَلَاءِ وَالْهَبَةِ

۱۳۴

- ہبہ اور ولاء کے بیان میں
 ۱۳۴.....

قیامت تک پیش آنے والی باتیں نبیؐ نے صحابہؓ کو بتادیں ... ۲۴۱	فیصلہ خداوندی پر راضی رہنا ۱۸۴
اہل شام کی فضیلت ۲۴۵	۱۸۶
میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں ۲۴۶	آزمائشوں کا بیان ۱۸۶
جب فتنے سر اُبھاریں تو جوان میں کم سے کم حصہ لے وہ بہتر ہے ۲۴۷	کسی مسلمان کا قتل مجز تین وجوہ کے جائز نہیں ۱۹۱
عنقریب شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنے ہوں گے! ۲۴۹	تمہاری جانیں تمہارا مال آپس قابل احترام ہیں ۱۹۳
قتل کی گرم بازاری ۲۵۲	کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو گھبرائے ۱۹۶
لکڑی کی تلوار بنانے کے بارے میں ۲۵۴	کسی بھی مسلمان کو ہتھیار دکھانا ۱۹۷
علامات قیامت کا بیان ۲۵۶	سونتی ہوئی تلوار دینے کی ممانعت ۱۹۸
میں اور قیامت ایک ساتھ مبعوث کئے گئے ہیں ۲۶۳	جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی گارنٹی میں ہے ۱۹۸
ترکوں کے ساتھ جنگ کا تذکرہ ۲۶۴	جماعت کے ساتھ لگا رہنا ۱۹۹
جب شہنشاہ ایران ختم ہوگا اور کوئی شہنشاہ نہیں ہوگا ۲۶۵	منکر کو مٹایا نہ جائے تو عذاب آئے گا ۲۰۴
قیامت سے پہلے حجاز کی طرف سے ایک آگ نکلے گی ۲۶۷	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان ۲۰۶
قیامت سے پہلے جھوٹے نبی پیدا ہوں گے ۲۶۸	منکر کو ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے روکنا ۲۰۹
قبیلہ ثقیف میں بڑا جھوٹا اور ہلاک ہوگا ۲۶۹	منکرات میں مداہنت کرنے والے کی مثال ۲۱۲
تبع تابعین کا بیان ۲۷۰	ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے ۲۱۳
خلفاء کا بیان ۲۷۲	نبی ﷺ نے امت کے لئے تین دعائیں مانگیں ۲۱۴
خلافت راشدہ کا بیان ۲۷۴	فتنوں کے زمانہ میں آدمی کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ ۲۱۷
قیامت تک خلفاء قریش میں سے ہوں گے ۲۷۶	امانت داری کا فقدان ۲۲۰
گمراہ کرنے والے سربراہ ہوں کا تذکرہ ۲۷۸	لوگ انگلوں کی روش پر ضرور چلیں گے ۲۲۳
حضرت مہدی کا تذکرہ ۲۷۹	دردندوں کا لوگوں سے باتیں کرنا ۲۲۵
نزول عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ۲۸۲	معجزہ شق القمر کا بیان ۲۲۶
دجال کا بیان ۲۸۵	زمین دھنسے کا ذکر ۲۲۷
دجال کہاں سے نکلے گا ۲۸۹	سورج کا مغرب سے نکلنا ۲۳۱
خروج دجال کی نشانیاں ۲۹۰	یا جوج و ماجوج کا خروج ۲۳۴
دجال کے فتنے کا تذکرہ ۲۹۱	خوارج کا حال ۲۳۸
	ترجیح دینے کا بیان ۲۴۰

- ۳۲۱..... مؤمن کا خواب نبوت کا چھیا لیسواں حصہ ہے
- ۳۲۵..... نبوت تکمیل پذیر ہوگئی اور خوش کن باتیں باقی ہیں
- ۳۲۶..... مؤمنین کے لیے دنیوی زندگی میں خوشخبری ہے
- ۳۲۶..... جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھے دیکھا
- ۳۲۸..... جب ناپسندیدہ خواب نظر آئے تو کیا کرے؟
- ۳۲۹..... خوابوں کی تعبیر کا بیان
- ۳۳۰..... جب ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کیا کرے؟
- ۳۳۰..... جھوٹا بنانے پر وعید
- ۳۳۱..... خواب میں دودھ دیکھنا
- ۳۳۲..... نبی ﷺ کا خواب میں گرتے دیکھنا
- ۳۳۲..... ترازو اور ڈول میں نبی ﷺ کا خواب
- ۳۳۲..... سفید لباس جنتی ہونے کی علامت
- ۳۳۲..... سفید کے علاوہ سبز رنگ بھی اہل جنت کا لباس ہے
- ۳۳۵..... پراگندہ سروالی کالی عورت و باء کا پیکر محسوس
- ۳۳۶..... مؤمن کا سچا خواب
- ۳۳۶..... سونے کے کنگن جھوٹے مدعیان نبوت کا پیکر
- ۳۳۸..... ایک خواب جس کی تعبیر صدیق ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دی
- ۳۴۰..... خواب پیش بینی کا ذریعہ

۳۴۱	أَبْوَابُ الشَّهَادَاتِ
-----	-------------------------

- ۳۴۱..... گواہیوں کے بیان میں
- ۳۴۲..... گواہ کون سے اچھے؟
- ۳۴۳..... کن لوگوں کی گواہی مقبول نہیں؟
- ۳۴۳..... جھوٹی گواہی پر وعید

۳۴۷	أَبْوَابُ الزُّهْدِ
-----	---------------------

- ۳۴۷..... دنیا سے بے رغبتی کا بیان

- ۲۹۶..... دجال کی نشانی
- ۲۹۷..... دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا
- ۲۹۸..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنا
- ۲۹۹..... ابن صیاد کے بارے میں
- ۳۰۵..... ہوا کو برا کہنے کی ممانعت
- ۳۰۵..... کسی جزیرہ میں مقید دجال اور جساسہ کی روایت
- ۳۰۷..... خود کو رسوا نہ کرو
- ۳۰۷..... ظالم کی بھی مدد کرو اور مظلوم کی بھی
- ۳۰۷..... بادشاہ کی نزدیکی باعث فتنہ ہے
- ۳۰۸..... خوش حالی بھی کبھی فتنوں کا سبب بنتی ہے
- ۳۰۸..... وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے
- ۳۱۱..... امراء کی ہاں میں ہاں ملانا حوض کوثر سے محرومی کا سبب ہے
- ۳۱۲..... دین کو تھا مٹا چنگاری تھا مٹنے کی طرح ہوگا
- ۳۱۲..... بہتر اور بدتر لوگ
- جب امت میں اتر اہٹ آجائے تو برے لوگ مسلط ہو جائیں گے
- ۳۱۳..... عورتوں کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں
- ۳۱۴..... بہترین اور بدترین امراء
- ۳۱۵..... جن امراء کے کام معروف و منکر دونوں طرح کے ہوں
- ۳۱۵..... ان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟
- ۳۱۶..... جینے میں مزہ کب تک ہے؟
- ۳۱۶..... فتنوں کے زمانہ میں عمل کی اہمیت
- ۳۱۷..... فتنے مشرق سے سر اُبھاریں گے
- ۳۱۷..... مہدی دجال کا پیچھا کہاں سے کہاں تک کریں گے؟

۳۱۹	أَبْوَابُ الرُّوِّيَا
-----	-----------------------

- ۳۱۹..... خوابوں کے بیان میں

نادر مہاجرین مالداہوں سے پہلے جنت میں جائیں گے ... ۳۷۲	تندرستی اور فارغ بالی دوائیسی نعمتیں ہیں، جن میں اکثر
نبی ﷺ اور آپ کے گھر والوں کا گزارہ ۳۷۳	لوگ دھوکہ خوردہ ہیں ۳۷۹
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزارہ ۳۷۵	ممنوعات سے پرہیز کرنا بڑی عبادت ہے ۳۷۹
مالداری دل کی بے نیازی ہے ۳۸۰	عمل کرنے میں دیر مت کرو ۳۵۰
برحق طور پر مال حاصل کرنا ۳۸۰	موت کو بکثرت یاد کرو ۳۵۱
مال کا پجاری ملعون ہے! ۳۸۱	قبر آخرت کی پہلی منزل ہے ۳۵۲
مال و جاہ کی حرص تباہ کن ہے ۳۸۱	جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اسے ملنا پسند کرتے ہیں ۳۵۳
مؤمن کو دنیا میں کس طرح رہنا چاہئے؟ ۳۸۲	نبی ﷺ کا اپنی قوم کو ڈرانا ۳۵۳
صحبت اثر انداز ہوتی ہے ۳۸۲	اللہ تعالیٰ کے ڈر سے رونے کی فضیلت ۳۵۴
اعمال ہی آخر تک ساتھ دینے والے ہیں ۳۸۳	اگر لوگوں پر حقائق کھل جائیں تو وہ ہنسنا بھول جائیں! ۳۵۴
پُر خوری کی ناپسندیدگی ۳۸۳	لوگوں کو ہنسانے والی باتیں کرنا ۳۵۵
ریاء و سمعہ (نیک عمل دکھانے اور سنانے) کا بیان ۳۸۴	دین کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لایعنی باتیں چھوڑ دے ۳۵۶
دکھاوا کرنے والے قراء (علماء) کا انجام ۳۸۵	کم بولنے کی فضیلت ۳۵۶
عمل کھل جانے پر خوش ہونا ریاء نہیں ۳۸۸	اللہ کے نزدیک دنیا کی بے قدری ۳۵۷
محبت آخرت میں معیت کا ذریعہ ہے ۳۸۹	دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کا باغ ہے ۳۵۹
اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنا ۳۹۱	دنیا کا حال چار شخصوں کے حال جیسا ہے ۳۶۰
نیکی اور گناہ کا بیان ۳۹۲	دنیا کی فکر اور اس کی محبت کا بیان ۳۶۱
اللہ کے لئے محبت کرنے کا بیان ۳۹۲	حسن عمل کی توفیق مل جائے تو زندگی بڑی نعمت ہے ۳۶۲
محبت کی اطلاع دینا ۳۹۴	اس امت کی عمریں ساٹھ تا ستر سال ہیں ۳۶۳
تعریف کی اور تعریف کرنے والوں کی ناپسندیدگی ۳۹۴	تقارب زمان کا بیان ۳۶۴
نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا ۳۹۵	آرزو مختصر رکھنے کا بیان ۳۶۴
آفتوں پر صبر کرنا ۳۹۶	اس امت کا خاص فتنہ مال ہے ۳۶۵
ناہینا ہو جانے پر ثواب ۳۹۸	دولت کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی ۳۶۶
مصیبت زدوں کا اجر قابل رشک ہے ۳۹۸	بوڑھے کا دل دو باتوں میں جوان ہوتا ہے ۳۶۶
موت کے بعد ہر شخص پچھتائے گا ۳۹۹	دنیا سے بے رغبتی کا بیان ۳۶۷
دین کے پردے میں دنیا کمانے والے آزمائشوں میں	بقدر ضرورت روزی پر صبر کرنا ۳۶۹
بتلا ہوتے ہیں ۳۹۹	ناداری کی فضیلت ۳۷۰

۴۳۳	چستی کے بعد سستی آ جاتی ہے
۴۳۴	اُمیدیں کوتاہ کرنے کا بیان
۴۳۴	آخری زندگی میں مال اور حیات دراز کی حرص بڑھ جاتی ہے
۴۳۵	انسان اسباب موت میں گھرا ہوا ہے
۴۳۵	آخرت کی تیاری اور کثرت درود شریف کی فضیلت
۴۳۶	اللہ سے شرم کرو، جیسا شرم کرنے کا حق ہے
۴۳۷	عقل مند آدمی نفس کا محاسبہ کرتا ہے
۴۳۷	باب: قبر مردے سے کیا کہتی ہے؟
۴۳۸	سادہ زندگی اختیار کرو
۴۳۹	دنیا میں منافست تباہ کن ہے
۴۳۹	برکت والا اور بے برکتی مال
۴۴۱	خوش حالی میں پامردی مشکل ہوتی ہے
۴۴۱	طالب آخرت کا دل مطمئن ہوتا ہے، اور طالب دنیا کا پریشان
۴۴۲	دل کش چیزوں سے دور رہا جائے
۴۴۳	جو اللہ کے لئے خرچ ہو گیا وہی بچ گیا
۴۴۳	ایک ماہ تک کھجور پانی پر گزارہ
۴۴۴	آدھا وق جو پر بہت دنوں تک گزارہ
۴۴۴	چند مٹھی توشے پر ایک ماہ تک گزارہ
۴۴۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ناداری کا حال
۴۴۶	حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی خستہ حالی
۴۴۹	صحابہ رضی اللہ عنہم کا فقر وفاقہ
۴۵۰	دنیا کا شکم سیر، آخرت کا بھوکا!
۴۵۱	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لباس کی حالت
۴۵۱	خاکساری کے طور پر زینت کا لباس چھوڑنا
۴۵۲	بے ضرورت تعمیر پر خرچ کرنا
۴۵۳	دین دار مسلمان کے ساتھ حسن سلوک کرنا
۴۵۴	جنت میں لے جانے والے چند کام

۴۰۰	زبان کی حفاظت کا بیان
۴۰۲	حقوق کی ادائیگی بھی زہد میں شامل ہے
۴۰۳	اللہ کی خوشنودی چاہئے اگرچہ لوگ ناراض ہو جائیں

أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ

۴۰۵	قیامت کے احوال کا بیان
۴۰۵	قیامت کے احوال، دل کو موم کر نیوالی اور پرہیزگاری کی باتیں
۴۰۷	حساب اور بدلے کا بیان
۴۰۸	قیامت کے دن لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے
۴۰۹	قیامت کے دن مخلوق کو جمع کرنے کا بیان
۴۱۰	اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان
۴۱۳	صور اسرافیل علیہ السلام کا بیان
۴۱۴	پل صراط کا بیان
۴۱۶	شفاعت کبریٰ کا بیان
۴۲۱	شفاعت صغریٰ کا بیان
۴۲۳	حوض کوثر کے احوال
۴۲۵	حوض کوثر کے برتنوں کے احوال

أَبْوَابُ الرِّقَائِقِ

۴۲۷	دل نرم کرنے کے بیان میں
۴۲۷	اللہ پر بھروسہ کر نیوالے بے حساب جنت میں جائیں گے
۴۲۹	دین پر صحیح طرح عمل ضروری ہے
۴۳۰	چند بُرے لوگوں کا تذکرہ
۴۳۱	غریبوں کو کھلانے، پلانے اور پہنانے کی فضیلت
۴۳۱	جنت نہایت قیمتی سامان ہے
۴۳۲	آدمی پرہیزگار کب بن سکتا ہے؟
۴۳۲	دین کا دلولہ دائم قائم نہیں رہتا

۴۷۱..... جنت میں لے جانے والے تین کام..... ۴۷۱
وہ کام جن سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے..... ۴۷۱

۴۷۳ أَبْوَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ

۴۷۳..... جنت کے احوال کا بیان..... ۴۷۳
۴۷۴..... جنت کے درختوں کا حال..... ۴۷۴
۴۷۵..... جنت کا اور اس کی نعمتوں کا حال..... ۴۷۵
۴۷۷..... جنت کے بالا خانوں کا حال..... ۴۷۷
۴۷۸..... جنت کے درجات کا حال..... ۴۷۸
۴۷۹..... جنتیوں کی عورتوں کا حال..... ۴۷۹
۴۸۱..... جنتیوں کی مجامعت کا حال..... ۴۸۱
۴۸۱..... جنتیوں کے احوال..... ۴۸۱
۴۸۲..... جنتیوں کے کپڑوں کا حال..... ۴۸۲
۴۸۳..... جنت کے پھلوں کا حال..... ۴۸۳
۴۸۴..... جنت کے پرندوں کا حال..... ۴۸۴
۴۸۵..... جنت کے گھوڑوں کا حال..... ۴۸۵
۴۸۶..... جنتیوں کی عمروں کا بیان..... ۴۸۶
جنتیوں کی کتنی صفیں ہوں گی؟ (اور ان میں اس امت کی
نسبت کیا ہوگی؟)..... ۴۸۶
۴۸۷..... جنت کے دروازوں کا حال..... ۴۸۷
۴۸۸..... جنت کے بازار کا تذکرہ..... ۴۸۸
۴۹۰..... جنت میں دیدار الہی..... ۴۹۰
۴۹۳..... اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی نعمت ہے..... ۴۹۳
۴۹۳..... جنتی بالا خانوں میں سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے..... ۴۹۳
۴۹۴..... جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے..... ۴۹۴
۴۹۸..... جنت ناگواریوں اور جہنم خواہشات کے ساتھ گھیری گئی ہے..... ۴۹۸
۴۹۹..... جنت اور دوزخ کا آپس میں مباحثہ..... ۴۹۹

۴۵۴..... حسن سلوک اور غم خواری کے جواب میں دعا دینا..... ۴۵۴
۴۵۵..... کھا کر شکر بجالانے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے..... ۴۵۵
وہ شخص جس پر جہنم کی آگ حرام ہے..... ۴۵۵
گھر کے کام میں حصہ لینا..... ۴۵۵
ملاقات اور مجلس میں بیٹھنے کا ادب..... ۴۵۶
متکبروں کا بُرا انجام..... ۴۵۶
غصہ پی جانے کی فضیلت..... ۴۵۸
کمزور کے ساتھ نرمی کرنے وغیرہ کی فضیلت..... ۴۵۸
تمام نعمتیں اللہ کے پاس ہیں، اور وہ بڑے سخی ہیں..... ۴۵۸

۴۶۱ أَبْوَابُ الْوَرَعِ

۴۶۱..... پرہیزگاری کے بیان میں..... ۴۶۱
کفل کی مغفرت کا واقعہ..... ۴۶۱
گناہوں کے تعلق سے مؤمن اور بدکار کا حال..... ۴۶۲
خاموشی میں نجات ہے..... ۴۶۳
مسلمان کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا..... ۴۶۳
کسی کی مصیبت پر خوش ہونا وبال لاتا ہے..... ۴۶۴
لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کی فضیلت..... ۴۶۵
باہمی معاملات بگاڑنا دین کا ناس کر دیتا ہے..... ۴۶۵
ظلم اور قطع رحمی کی سزا..... ۴۶۶
صبر و شکر کا جذبہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟..... ۴۶۷
احوال دائمی نہیں ہوتے..... ۴۶۸
ایمان کامل کی علامت..... ۴۶۹
صرف اللہ تعالیٰ نافع اور ضار ہیں..... ۴۶۹
تدبیر اور توکل میں منافات نہیں..... ۴۷۰
کھٹک والی بات چھوڑو اور بے کھٹک بات اختیار کرو..... ۴۷۰
ورع کا مقام عبادت سے بلند ہے..... ۴۷۱

اس وقت تک جنگ ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ کی	معمولی جنت کی تعظیم کتنی ہوگی..... ۵۰۰
گو اہی نہ دیں..... ۵۲۷	جنت میں گوری بڑی آنکھوں والی عورتوں کا گانا..... ۵۰۱
اسلام کے ارکان پانچ ہیں..... ۵۲۷	جنت کی نہروں کا حال..... ۵۰۲
حضرت جبریلؑ کے سوالات اور نبی ﷺ کے جوابات..... ۵۲۸	متفرق احادیث..... ۵۰۲
ایمان، اسلام، احسان، وقت قیامت اور علامات قیامت	جنت کے لئے دعا کرنا اور جہنم سے پناہ چاہنا..... ۵۰۲
کا بیان..... ۵۲۸	مشک کے ٹیلوں پر بیٹھنے والے تین آدمی..... ۵۰۳
فرائض کی ایمان کی طرف نسبت..... ۵۳۲	وہ لوگ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں..... ۵۰۳
ایمان کی تکمیل اور اس میں کمی بیشی کا بیان..... ۵۳۳	جب دریائے فرات میں خزانہ ظاہر ہو تو اس کو کوئی
حیا ایمان کا جز ہے..... ۵۳۶	نہ لے..... ۵۰۴
نماز کی عظمت و تقدیس کا بیان..... ۵۳۷	
نماز چھوڑنے پر سخت وعید..... ۵۳۸	
ایمان کب مزہ دیتا ہے؟..... ۵۳۹	
حالت ایمان میں زنا کا صدور نہیں ہوتا..... ۵۴۰	
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں..... ۵۴۲	
اسلام کی ابتدا کسمپرسی کی حالت میں ہوئی ہے، اور آگے	
بھی یہی حال ہو جائے گا..... ۵۴۲	
منافع کی علامتیں..... ۵۴۳	
مسلمان کو گالی دینا بدکاری ہے..... ۵۴۴	
مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا بدترین گناہ ہے..... ۵۴۵	
جس کی موت عقیدہ توحید پر آئے وہ جنتی ہے..... ۵۴۵	
امت میں گروہ بندیاں..... ۵۴۷	

۵۰۵	أَبْوَابُ صِفَةِ جَهَنَّمَ
-----	----------------------------

دوزخ کے بیان میں..... ۵۰۵
دوزخ کا حال..... ۵۰۵
جہنم کی گہرائی کا بیان..... ۵۰۶
جہنمی عظیم الجثہ ہوں گے..... ۵۰۷
جہنمیوں کے مشروب کا بیان..... ۵۰۸
جہنمیوں کے کھانے پینے کی چیزوں کا بیان..... ۵۱۰
دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے..... ۵۱۲
دوزخ کے دو سانس، اور یہ بات کہ کون سا مسلمان
دوزخ سے نکلے گا؟..... ۵۱۳
دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی..... ۵۱۸
وہ جہنمی جسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا..... ۵۱۹
خاکساری اچھا وصف ہے اور گھمنڈ بُرا..... ۵۱۹

۵۵۱	أَبْوَابُ الْعِلْمِ
-----	---------------------

علم کے بیان میں..... ۵۵۱
اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ خیر منظور ہوتی ہے اس کو دین کی
سمجھ عطا فرماتے ہیں..... ۵۵۴
تحصیل علم کی فضیلت..... ۵۵۵

۵۲۱	أَبْوَابُ الْإِيمَانِ
-----	-----------------------

ایمان کے بیان میں..... ۵۲۱
ایمان قبول کرنے پر جنگ بند کرنا ضروری ہے..... ۵۲۳

۵۷۶..... سلام کو رواج دینے کا بیان	۵۵۶..... علم چھپانے پر وعید
۵۷۷..... سلام کی فضیلت (اجر و ثواب)	۵۵۷..... طالبین علم کے ساتھ حسن سلوک کرنا
۵۷۷..... اجازت تین مرتبہ طلب کی جائے	۵۵۸..... علم اٹھ جانے کا بیان
۵۷۹..... سلام کا جواب کس طرح دینا چاہئے	۵۵۹..... جو شخص اپنے علم سے دنیا کو طلب کرے
۵۷۹..... کسی سے سلام کہلوانا	۵۶۰..... پڑھی ہوئی حدیثیں دوسروں تک پہنچانے کی فضیلت
۵۸۰..... سلام میں پہل کرنے کی فضیلت	۵۶۲..... جھوٹی حدیث بیان کرنے کا وبال
۵۸۰..... ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنے کی ممانعت	جس حدیث کے بارے میں خیال ہو کہ وہ جھوٹ ہے،
۵۸۱..... بچوں کو سلام کرنے کا بیان	۵۶۲..... اس کو روایت کرنا جائز نہیں
۵۸۱..... عورتوں کو سلام کرنے کا بیان	حدیث سن کر یہ کہنا کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے،
۵۸۲..... جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرے	۵۶۳..... خطرناک گمراہی ہے
۵۸۲..... گفتگو سے پہلے سلام	۵۶۳..... حدیث لکھنے کی ممانعت
۵۸۳..... ذمی (غیر مسلم) کو سلام کرنا مکروہ ہے	۵۶۴..... بحديث لکھنے کی اجازت (تدوین حدیث کا مسئلہ)
۵۸۳..... ایسے مجمع کو سلام کرنا جس میں مسلم اور غیر مسلم ہوں	۵۶۵..... اسرائیلیات بیان کرنے کا حکم
۵۸۴..... سوار کا پیدل کو سلام کرنا	خیر کے کام کی راہنمائی کرنے والا خیر کے کام کرنے
۵۸۵..... آتے وقت اور جاتے وقت سلام کرنا	۵۶۶..... والے کی طرح ہے
۵۸۶..... گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنا	۵۶۷..... ہدایت یا گمراہی کی دعوت دی جس کی لوگوں نے پیروی کی
۵۸۷..... اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں جھانکنا	۵۶۸..... سنت پر عمل اور بدعت سے احتراز کا بیان
۵۸۷..... اجازت طلبی سے پہلے سلام کرنا	۵۶۹..... منہیات سے احتراز لازم ہے
۵۸۸..... سفر سے رات میں اچانک گھر پہنچنا ممنوع ہے	۵۷۰..... مدینہ کے عالم کی فضیلت
۵۸۹..... لکھے ہوئے پر مٹی چھڑکنے کا بیان	۵۷۰..... عبادت پر فرقہ (فہم دین) کی برتری
۵۸۹..... کان پر قلم رکھنے کا فائدہ	۵۷۲..... عالم کے لئے ایک جامع نصیحت
۵۹۰..... سریانی زبان سیکھنے کا بیان	۵۷۳..... عالم دین میں دو باتیں ہونی چاہئیں
۵۹۰..... مشرکین کے ساتھ خط و کتابت	۵۷۳..... مؤمن کا خیر سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا
۵۹۱..... مشرک کو خط کیسے لکھا جائے	۵۷۳..... دانشمندی کی بات جہاں بھی ملے لینی چاہئے
۵۹۲..... خط پر مہر لگانے کا بیان	
۵۹۳..... سلام کرنے کا طریقہ	
۵۹۳..... استنجاء کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے	

أَبْوَابُ الْإِسْتِئْذَانِ وَالْأَدَابِ

۵۷۴

اجازت طلبی اور سلیقہ مندی کا بیان ۵۷۴

- ۵۹۴..... علیک السلام کے الفاظ سے سلام کرنا مکروہ ہے
- ۵۹۵..... دینی مجلس میں بیٹھنا!
- ۵۹۷..... راستے پر بیٹھنے والے کی کیا ذمہ داری ہے؟
- ۵۹۷..... مصافحہ کا بیان
- ۶۰۰..... معافقہ اور چومنے کا بیان
- ۶۰۱..... ہاتھ اور پاؤں چومنا
- ۶۰۲..... خوش آمدید کہنا
- ۶۰۴..... چھینکنے والے کو دعادینا
- ۶۰۴..... جب کسی کو چھینک آئے تو کیا کہے؟
- ۶۰۵..... چھینکنے والے کو کیا دعادی جائے؟
- ۶۰۶..... جب چھینکنے والا تحمید کرے تو تشمیت واجب ہے
- ۶۰۷..... جب چھینک آئے تو آواز پست کرے، اور چہرہ ڈھانک لے
- ۶۰۷..... اللہ کو چھینک پسند ہے، اور جمابہی ناپسند
- ۶۰۸..... نماز میں چھینک آنا شیطانی فعل ہے
- ۶۰۸..... کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا مکروہ ہے
- کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھے، پھر واپس آئے، تو وہ
- ۶۰۹..... اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے
- دو شخصوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا
- ۶۰۹..... مکروہ ہے
- ۶۰۹..... حلقہ کے بیچ میں بیٹھنا مکروہ ہے
- ۶۱۱..... ناخن تراشنے کا بیان
- ۶۱۲..... کتنی مدت میں ناخن کاٹنا اور مونچھ لینا ضروری ہے؟
- ۶۱۳..... مونچھ کاٹنے کا بیان
- ۶۱۴..... ایک مشیت سے زائد ڈاڑھی کاٹنے کا بیان
- ۶۱۵..... ڈاڑھی کو بڑھانے کا بیان
- ۶۱۶..... چت لیٹنے کی حالت میں ایک پیر کو دوسرے پر رکھنا
- ۶۱۶..... باب اس کی کراہت کے بارے میں
- ۶۱۷.....
- ۶۱۷..... پیٹ کے بل اوندھالیٹنے کی ممانعت
- ۶۱۷..... ستر کی حفاظت کا بیان
- ۶۱۸..... ٹیک لگانے کا بیان
- اجازت کے بغیر کسی کی مخصوص نشست گاہ پر بیٹھنا ممنوع
- ۶۱۹..... ہے
- ۶۱۹..... جانور پر آگے بیٹھنے کا زیادہ حق مالک کا ہے
- ۶۱۹..... پلنگ پوش غالیچے کا استعمال جائز ہے
- ۶۲۰..... ایک سواری پر تین آدمیوں کا سوار ہونا
- ۶۲۰..... اچانک نظر پڑنے کا بیان
- ۶۲۱..... عورتوں کا مردوں سے پردہ کرنا
- ۶۲۲..... شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کے پاس جانا ممنوع ہے
- ۶۲۲..... عورتوں کا فتنہ سنگین فتنہ ہے
- ۶۲۳..... دوسرے کے بال اپنے بالوں میں ملانا مکروہ ہے
- بالوں میں بال ملانے والی، ملوانے والی، اور بدن گودنے
- ۶۲۳..... والی، اور گدوانے والی ملعون ہیں
- مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر، اور عورتوں
- ۶۲۴..... کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت
- ۶۲۵..... عورت کا خوشبودار ہو کر گھر سے نکلتا ممنوع ہے
- ۶۲۶..... مردوں اور عورتوں کی خوشبوؤں کا بیان
- ۶۲۶..... خوشبولوٹانا مکروہ ہے
- مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے بغیر حائل کے جسم
- ۶۲۷..... لگانا ممنوع ہے
- ۶۲۷..... ستر کی حفاظت ضروری ہے
- ۶۲۸..... ران بھی ستر ہے
- ۶۲۹..... نظافت و صفائی کا بیان
- ۶۲۹..... صحبت کے وقت پردہ کرنا
- ۶۳۰..... نہانے کے ہوٹل میں جانا

۶۳۹	نبی ﷺ کے نام اور کنیت کو جمع کرنے کی ممانعت
۶۵۰	بعض اشعار پر حکمت ہوتے ہیں
۶۵۱	زور سے اشعار پڑھنا
	اشعار سے پیٹ بھرنے سے بہتر ہے پیپ سے پیٹ
۶۵۲	بھرننا
۶۵۳	فصاحت و بیان کا بیان
۶۵۴	خوش حالی اور خشک سالی میں سفر کرنے کا طریقہ
۶۵۵	سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت
۶۵۵	وعظ کہنے میں لوگوں کے نشاط کا خیال رکھا جائے
	اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہے جو مسلسل کیا جائے، اگرچہ
۶۵۵	تھوڑا ہو

۶۵۶	أَبْوَابُ الْأَمْثَالِ
-----	------------------------

۶۵۶	مثالوں کے بیان میں
۶۵۶	اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے ایک مثال بیان فرمائی
۶۵۷	فرشتوں نے نبی ﷺ کی ایک مثال بیان کی
	نبی ﷺ نے اپنی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال
۶۶۰	بیان فرمائی
۶۶۱	شرک، نماز، روزہ، صدقہ اور ذکر اللہ کی مثالیں
۶۶۲	مؤمن کی دو مثالیں
	باب قرآن پڑھنے اور قرآن نہ پڑھنے والے مؤمن
۶۶۳	کی مثال
۶۶۵	پانچ نمازوں کی مثال
۶۶۶	آدمی اس کی موت اور اس کی آرزو کی مثال

۶۶۹	أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ
-----	--------------------------------

۶۶۹	قرآن کریم کے فضائل کا بیان
-----	----------------------------

	جس گھر میں جاندار کی تصویر ہو یا کتا ہو اس میں فرشتے
۶۳۱	داخل نہیں ہوتے
۶۳۳	مردوں کے لئے گیروا (گہرا گلابی) کپڑا مکروہ ہے
۶۳۴	سفید کپڑا پہننے کا بیان
۶۳۴	مردوں کے لئے سرخ کپڑا پہننا جائز ہے
۶۳۵	سبز کپڑے کا بیان
۶۳۵	کالے کپڑے کا بیان
۶۳۵	پیلے کپڑے کا بیان
۶۳۶	مردوں کے لئے زعفرانی خوشبو مکروہ ہے
۶۳۷	ریشم اور دیبا کی ممانعت
۶۳۷	قبا (چوغے) کا بیان

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندے پر اللہ کی نعمت کا

۶۳۸	اثر دیکھیں
۶۳۹	سیاہ موزے کا بیان
۶۳۹	سفید بالوں کو چننا ممنوع ہے
۶۴۰	جس سے مشورہ لیا جاتا ہے اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے
۶۴۰	بدشگونی (نحوست) کا بیان
۶۴۲	تیسرے کو چھوڑ کر دو شخص سرگوشی نہ کریں
۶۴۳	وعدے کا بیان
۶۴۳	نبی ﷺ کا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کہنا
۶۴۴	نبی ﷺ کا: اے میرے پیارے بچے! کہنا
۶۴۵	نومولود کا نام جلدی رکھنا
۶۴۵	اچھے نام کون سے ہیں؟
۶۴۶	نا پسندیدہ نام کون سے ہیں؟
۶۴۷	نہایت بیہودہ نام
۶۴۷	برے ناموں کو بدل دینا
۶۴۸	نبی ﷺ کے ناموں کا بیان

قرآن کریم اور اس کے متعلقات کے فصائل کا

- بیان ۶۶۹
- سورۃ الفاتحہ کی فضیلت ۶۷۱
- سورۃ البقرہ اور آیت الکرسی کی فضیلت ۶۷۴
- سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت ۶۷۶
- سورۃ آل عمران کی فضیلت ۶۷۸
- سورۃ الکہف کی فضیلت ۶۷۹
- یس شریف کی فضیلت ۶۸۰
- سورۃ دخان کی فضیلت ۶۸۱
- سورۃ الملک کی فضیلت ۶۸۱
- سورۃ الاخلاص اور سورۃ الزلزال کی فضیلت ۶۸۲
- سورۃ الاخلاص کی فضیلت ۶۸۴
- پناہ میں رکھنے والی دوسورتوں کی فضیلت ۶۸۶
- قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کی فضیلت ۶۸۷
- قرآن کریم کی فضیلت ۶۸۹
- قرآن کریم کی تعلیم کا اجر ۶۹۱
- جو شخص قرآن مجید کا ایک حرف پڑھے اس کے لئے کتنا ثواب ہے؟ ۶۹۲
- قرآن کریم اللہ کے تقرب کا بہترین ذریعہ ہے ۶۹۳
- جو پیٹ قرآن سے خالی ہے وہ اجڑا ہوا گھر ہے ۶۹۳
- قرآن کریم کو بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے ۶۹۳
- قرآن کریم کے ذریعہ سوال نہ کیا جائے ۶۹۴
- قرآن کریم جہراً پڑھنا افضل ہے یا سرا؟ ۶۹۴
- سونے سے پہلے کون سی سورتیں پڑھے؟ ۶۹۵

- سورۃ الحشر کی آخری تین آیتوں کی فضیلت ۶۹۶
- نبی ﷺ کس طرح قرآن پڑھتے تھے؟ ۶۹۶
- باب ۱۶: قرآن کریم کی دو خاص فضیلتیں ۶۹۶

أَبْوَابُ الْقِرَاءَةِ

۶۹۹

- قراءتوں کے بیان میں ۶۹۹
- مَالِکِ اور مَلِکِ کی قراءتیں ۷۰۱
- العین (مرفوع) کی قراءت ۷۰۲
- هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبُّكَ کی قراءت ۷۰۲
- اِنَّهٗ عَمَلٌ غَدُوٌّ صَالِحٍ کی قراءت ۷۰۳
- مِنْ لَدُنِّي عَذْرًا کی قراءت ۷۰۳
- فِي عَيْنٍ حَیْثَہٗ کی قراءت ۷۰۳
- غُلِبَتِ الرُّومُ کی قراءت ۷۰۴
- مِنْ ضَعْفٍ کی قراءت ۷۰۴
- فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ کی قراءت ۷۰۵
- فَرَوْحٌ (بضم الراء) کی قراءت ۷۰۵
- وَالَّذِکْ وَالْاُنْفٰی کی قراءت ۷۰۵
- اِنِّیْ اَنَا الرَّزَّاقُ کی قراءت ۷۰۶
- سُکْرٰی کی قراءت ۷۰۶
- قرآن کریم کو یاد رکھنے کی تاکید ۷۰۷
- قرآن کریم سات حرفوں پر اتارا گیا ہے ۷۰۷
- اس بارے میں قرآن سات قراءتوں پر نازل ہوا ۷۰۸
- قرآن پڑھنے پڑھانے کی فضیلت ۷۱۰
- قرآن کریم کتنے دن میں ختم کیا جائے؟ ۷۱۱



أَبْوَابُ الطِّبِّ

علاج معالجہ کا بیان

رسول اللہ ﷺ سے طب سے متعلق ہدایات وغیرہ کے ابواب



طب نبوی کی روایات پڑھنے سے پہلے چند باتیں جان لیں:

پہلی بات: وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے لکھی ہے کہ احادیث کی دو قسمیں ہیں: ① ایک وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر وارد ہوئی ہیں۔ ② وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں، بلکہ وہ دنیوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، علاج معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات قسم قسم دوم کی ہیں اس لئے ابواب الطب کی روایات پڑھتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ احکام شرعیہ نہیں ہیں۔

دوسری بات: بیماریاں اور دوائیں دو قسم کی ہیں: مفرد اور مرکب، جو بیماریاں مفرد غذا کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے مفرد دوائیں کافی ہیں، اور جو بیماریاں مرکب غذاؤں کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے مرکب دوائیں ضروری ہیں، مفرد دواؤں سے ان کا علاج ممکن نہیں، اور قدیم زمانہ میں لوگ سادہ زندگی گزارتے تھے اور مفرد غذا نہیں کھاتے تھے، اس لئے حدیثوں میں جو مفرد علاج آئے ہیں وہ کارگر تھے مگر اب جبکہ لوگ مرکب (طرح طرح کی) غذا نہیں کھانے لگے ہیں تو اب مفرد دوائیں زیادہ کارگر نہیں، اب مرکب دواؤں کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات معمول بہ نہیں ہیں۔

تیسری بات: پہلے جب حکماء اور ڈاکٹر صاحبان کم تھے تو ہر شخص حکیم ڈاکٹر تھا، ایک ایک بیماری کے کئی کئی علاج لوگ جانتے تھے، جس کے سامنے بھی بیماری کا تذکرہ کیا جائے ایک نئی دوا بتاتا تھا اور اب شہروں کا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ لوگ نزلے کی دوا بھی نہیں جانتے، اس کے لئے بھی حکیم ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں، غرض قدیم زمانہ میں لوگ عام طور پر بیماریوں کے علاج خود کرتے تھے اور نئی نسل بڑوں سے علاج معالجہ اور دواؤں کا علم حاصل کرتی تھی، ابواب الطب کی روایات اسی قبیل کی ہیں، نبی ﷺ نے تجربہ سے یا بڑوں سے جو باتیں جانی تھیں وہ امت کو بتلائیں تاکہ امت ان سے استفادہ کرے۔

چوتھی بات: ابواب الطب کی روایت پر عمل کرنے کے لئے دو باتیں جانی ضروری ہیں:

① مرض کی پہچان: بعض امراض پیچیدہ ہوتے ہیں اور بعض امراض متشابہ (ملتے جلتے) ہوتے ہیں، اس لئے آنکھ بند کر کے کسی نسخہ پر

عمل نہیں کیا جاسکتا۔

② دوا کے استعمال کا طریقہ جاننا ضروری ہے یعنی یہ علم ضروری ہے کہ دوا مفرد استعمال کی جائے یا مرکب؟ پھر ہر دوا کی مقدار کیا ہو؟ اور دوا کتنی مقدار میں اور کتنی مرتبہ استعمال کی جائے؟ ان سب باتوں کا علم ضروری ہے مگر یہ سب تفصیلات روایات میں نہیں آئیں، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل ممکن نہیں، جیسے حدیث میں آیا ہے کہ چار علاج مفید ہیں (۱) سعوٹ (ناک میں دوا ڈالنا) (۲) لدود (گوشہ فم میں دوا ڈالنا) (۳) بچھنے لگوانا (۴) مسہل لینا، مگر یہ بات مروی نہیں کہ سر کی کس بیماری میں ناک میں دوا ڈالی جائے؟ اور کون سی دوا ڈالی جائے؟ اسی طرح کس بیماری میں لدود کیا جائے؟ اور کون سی دوا سے لدود کیا جائے؟ جبکہ اس روایت پر عمل کرنے کے لئے یہ باتیں جانی ضروری ہیں، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل نہیں کیا جاسکتا۔

پانچویں بات: لوگ پہلے بیماریوں کا علاج خود کیا کرتے تھے کیونکہ حکیم ڈاکٹر کی جنس نایاب تھی اور تیار دوائیں بھی بازار میں دستیاب نہیں تھیں، اور اب صورت حال بدل گئی ہے، گاؤں گاؤں ڈاکٹر پھیل گئے ہیں، اور دوا ساز کمپنیاں ہر مرض کی دوا بازار میں لے آئی ہیں، اس لئے جب روٹی ملے یوں تو کھیتی کرے کیوں؟ لوگ اب از خود علاج کرنے کا ذوق نہیں رکھتے، اس لئے بھی لوگ طب نبوی پر عمل پیرا نہیں کیونکہ یہ احکام شرعیہ نہیں۔

چھٹی بات: علاج دو ہیں: جسمانی اور روحانی، جو علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے وہ جسمانی ہے اور جو علاج دعا تعویذ سے کیا جاتا ہے وہ روحانی ہے کیونکہ بیماریاں دو طرح کی ہیں، زیادہ تر بیماریاں دواؤں کی ہیں، وہ دواؤں کا اثر جلد قبول کرتی ہیں، اگرچہ دعا تعویذ بھی ان میں پہنچاتا ہے اور کچھ بیماریاں جھاڑ کی ہیں جیسے سانپ بچھو کا زہر: جھاڑ زیادہ سنتا ہے، دوا اس میں کم اور دیر سے اثر کرتی ہے اس لئے ان ابواب میں دونوں علاجوں کا ذکر ہے۔

طب کے لغوی و اصطلاحی معنی:

لفظ طب مثلث الطاء ہے باب ضرب و نصر دونوں سے مستعمل ہے جس کے معنی علاج کرنا اور اس کا اطلاق جسمانی، روحانی دونوں طرح کے علاج پر ہوتا ہے، اصطلاح میں علم طب وہ علم کہلاتا ہے جس میں جسمانی امراض کے علاج و معالجہ کا بیان اور حفظان صحت کی تدابیر مذکور ہوں۔

طب کا موضوع: اس فن کا موضوع بدن انسانی یا ابدان ذی روح ہے من حیث الصحة والمرض۔
طب کی غرض و غایت:

حفظان صحت کے اصول و امراض سے شفاء حاصل کرنے کی تدابیر معلوم کرنا، بالفاظ دیگر جسمانی امراض سے بچنا۔
علم طب کی ابتداء اور اس کی مختصر تاریخ:

فن طب الہامی فن ہے مختلف انبیاء علیہم السلام کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ علم حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا پھر ان کے واسطے سے حضرت شیث علیہ السلام کو پھر بنی آدم میں اس علم کی اشاعت ہوتی چلی گئی، چنانچہ حضرات مفسرین نے آیت قرآنی ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ...﴾ (البقرہ: ۳۱)

کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی نافع و مضر چیزیں اور ان کے خواص و آثار ہر جاندار اور ہر قوم کے مزاج و طبائع اور ان کے آثار وغیرہ سب بتادیئے تھے۔ لہذا سب سے پہلے فن طب کی معلومات حضرت آدم علیہ السلام کو ہوئی ان کے بعد ان کی اولاد کو ہوتی چلی گئی۔

② بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس فن کی ابتداء حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوئی ہزار اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے اور کوئی بیڑ سامنے ہوتا تو نماز کے بعد اس بیڑ سے نام پوچھتے اور یہ بھی معلوم کرتے کہ تجھ کو کس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو وہ بیڑ اپنے خواص بتا دیتا تھا جس کو لکھ لیا جاتا اس طرح جڑی بوٹیوں کے خواص کا علم ہوا اور اس فن کی ابتداء ہوئی۔

③ سدیدی میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہوئے انہوں نے بیماری کا علاج نہ کیا بلکہ انکار کیا حق تعالیٰ کی طرف سے نداء آئی کیا تم چاہتے ہو کہ توکل پر میری حکمت بیکار کر دو؟ میرے سوا کون ہے جس نے عقاقیر اور حشائش میں یہ منافع رکھے ہیں، صحت نہیں دی جائے گی جب تک ان دواؤں کو استعمال نہ کرو گے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے علاج کیا اور ٹھیک ہو گئے، یہودیوں نے اسی وجہ سے اس علم کی ایجاد موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کی ہے۔

④ تفسیر عزیزی میں ہے کہ جالینوس کے جگر میں درد ہوا ہر چند گونا گوں معالجات سے جدوجہد کوشش و جوشش کی مگر اچھا نہ ہوا خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نورانی اس کو حکم دیتا ہے کہ اس شیریان (دائیں ہاتھ کی پشت پر انگوٹھے اور سبابہ کے درمیان ایک رگ ہے) سے خون نکالو اس سے بیماری کو شفاء ہو گئی جالینوس نیند سے اٹھا اس شخص کو تلاش کیا اور فصد کرایا چنانچہ اچھا ہو گیا۔ یہ سب اقوال درست معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ اس علم کو روحانی معاملات سے خاص تعلق ہے جس طبیب میں جس قدر روحانیت محسوس کی جاتی ہے اسی قدر اس کی تشخیص و تجویز موثر ہوتی ہے جیسا کہ مشاہدہ اور تجربہ بھی ہے۔

پھر آہستہ آہستہ یہ علم مختلف ممالک میں پہنچا اور ہر ملک والوں نے اس کی ابتداء کی نسبت اپنے اپنے پیشواؤں کی طرف کی مثلاً اہل ہند نے اس کی ابتداء برہما جی نے کی ہے اہل چین نے کہا ادویہ کے استعمال کا اول رواج دینے والا پہلا شخص شہنشاہ ہورنگ کی ہے جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 3687 سال قبل ہے پھر اس سے دیگر اشخاص نے سیکھا، بابل والے کہتے ہیں سب سے پہلے اہل بابل نے اس کی ابتداء کی ہے لوگوں کے سامنے مریض کو لایا جاتا اور ہر شخص اپنی اپنی تجویز سے اس کا علاج کرتا تھا جس سے فائدہ ہوتا اس کو تانے اور چاندی کی تختیوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور اس کو اپنے بت کے گلے میں ڈال دیتے تھے اس طرح اہل بابل نے اس کو ایجاد کیا ہے، عبرانیوں اور بنی اسرائیل نے اس کی ابتداء حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کی ہے اہل مصر کہتے ہیں کہ قدیم مصری بادشاہ آتھوس نے اس علم کو ایجاد کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 6 ہزار سال قبل بادشاہ تھا علم طب پر اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی، اہل یونان کا کہنا ہے کہ اس کی ابتداء اسقلیپوس سے ہوئی ہے اہل یونان ابوالطب کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ اس پر یہ فن خدا کی طرف سے الہام ہوا تھا اس نے اپنی اولاد کو یہ فن سکھایا اور اس کے خاندان میں بڑے بڑے حکماء و اطباء پیدا ہوئے ہیں پھر فیساغورس جو حضرت مسیح سے 580 سال قبل پیدا ہوا تھا اس نے اس فن کو رواج دیا لیکن ابھی تک یہ فن مدون نہیں ہوتا تھا۔

تدوین علم طب:

اسقلیبوس کی سولہویں نسل میں تقریباً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 460 سال قبل حکیم بقراط پیدا ہوا جو یونانیوں میں پہلا شخص ہے جس نے دیگر علوم کی طرح فن طب کو باقاعدہ مرتب کیا اور اس پر کتابیں لکھیں۔ بقراط کے بعد ارسطو طالیس حکیم ہوا جس کی علمی تحقیقات اور کوششوں سے علم طب میں بہت کچھ اضافہ ہوا اس کے بعد حکیم جالینوس کا دور آیا جس نے دیگر نامور اطباء کے ساتھ مل کر علم الادویہ پر قابل قدر کتابیں لکھیں۔

اس زمانہ کے مشہور اطباء ثاؤفرسطس اور ویسقوریوس، برمانیدس اور افلاطون وغیرہ ہیں، اس کے بعد یونانی زبان سے عربی زبان میں اس کو منتقل کیا گیا مسلمانوں کے عروج کے زمانہ میں اس علم میں بہت ترقی ہوئی اور اضافہ و ترمیم بھی کی گئی، دمشق میں مسیحی اور یہودی استادوں کی مدد سے اس یونانی طب کی تعلیم پر پوری کوشش کی گئی بغداد میں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک بڑا دارالعلوم قائم کیا گیا جو برسوں تک خوب چلتا رہا، دولت امویہ اور عباسیہ میں بقراط و جالینوس کی بہت سی کتابیں درس گاہ میں داخل درس تھیں، اسلامی طب کا عروج ابو بکر محمد بن زکریا رازی 850ء سے شروع ہوتا ہے جس نے بغداد میں تحصیل علوم کی اور علم طب کو حکیم ابوالحسن بن زید طبری صاحب کتاب فردوس الحکمة سے تحصیل کیا موصوف کی تصنیفات سو سے زائد ہیں۔ علم طب پر حاوی کبیر نہایت عمدہ کتاب ہے جس کی شہرت آج تک قائم ہے، رازی کے بعد ابوعلی ابن سینا کا دور آیا تو اس فن کو مزید ترقی ہوئی، اسلامی اطباء میں مشہور حکماء ابو القاسم زہراوی ابومروان عبدالملک اور ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مشہور طبیب ہوا ہے۔ اس نے فلسفہ اور طب پر کتابیں لکھیں چنانچہ اسلامی فلسفہ کو اس کے نام کے ساتھ خاص تعلق ہے ان کے علاوہ اور بھی نامور اطباء گزرے ہیں مثلاً ابن بیطار، داؤد انطاکی، ابوعلی بن عیسیٰ، علی بن عباس قرشی، سمرقندی، ارزانی اور مؤمن وغیرہ۔

قرآن وحدیث سے طب کا ثبوت:

نصرانی طبیب ہارون رشید یحییٰ ع نے علی بن حسین بن واقد سے کہا کہ تمہارے قرآن میں کوئی چیز طب سے نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے تمام طب کو قرآن حکیم کی اس آیت میں جمع فرمادیا ہے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ (الاعراف: ۳۱) اس نے پھر کہا کہ تمہارے نبی کی تعلیم میں طب کا ذکر نہیں ہے تو علی بن حسین نے جواباً فرمایا کہ حضور ﷺ نے اپنے فرمان المعدة (یہ آپ ﷺ کی طرف محض شہرہ منسوب ہے ورنہ یہ حارث بن کلدہ کا قول ہے) بیت کل داء والحمة راس۔ کل دوا میں طب کو بیان کیا گیا ہے تو یحییٰ ع نے کہا پھر تو تمہارے نبی نے جالینوس کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔

عقلاء کا فیصلہ ہے کہ ضروریات زندگی اور علوم مفیدہ فنون نافعہ قاطبہ مذہب اسلام میں بتلائے گئے ہیں، روحانیت، تمدن، اخلاق، صحت بدنی، معاشرت ومعیشت اور حسن زندگی کے تمام قوانین اس میں موجود ہیں چنانچہ اہل ایمان نے تمام علوم وفنون اپنے پیغمبر کی ہدایت کے مطابق علیحدہ علیحدہ مرتب فرمادیئے ہیں اور علم طب بھی انہیں علوم میں سے ہے آج بھی جو اصول حفظان صحت کے ڈاکٹروں نے قائم کئے ہیں وہ پہلے ہی سے اسلام میں موجود ہیں۔ الغرض کوئی خوبی اور کوئی حسن و جمال علمی و عملی ایسا نہیں جو اسلام میں نہ ہو۔

درحقیقت نبی کریم ﷺ نے امت کو جہاں احکام شرع کی تبلیغ فرمائی ہے ساتھ ہی ساتھ آپ نے آداب معاشرت ومعیشت کو

بھی واضح انداز میں بیان فرمایا ہے کتب احادیث میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں آداب نہ بیان کئے گئے ہوں اور اسی کے ساتھ جسمانی علاج کے لئے بھی آپ ﷺ نے بہت سی اشیاء و ادویہ کو بیان فرمایا ہے اسی کو طب نبوی ﷺ کہا جاتا ہے حضرات محدثین رحمہم کی عادت ہے کہ وہ اپنی تالیفات میں ابواب الطب کا عنوان قائم کر کے ان احادیث کو ذکر فرماتے ہیں جو علاج و معالجہ سے متعلق حضور ﷺ سے مروی ہے۔

امام ترمذی رحمہم نے بھی اپنی جامع ترمذی میں ابواب الطب عن رسول اللہ ﷺ کا عنوان قائم فرمایا ہے اور اس کے تحت مختلف باب قائم کر کے آپ ﷺ کے فرامین کو جمع کیا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَمِيَّةِ

باب ۱: پرہیز کا بیان

(۱۹۵۹) إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا أَحْمَاهُ اللَّهُ نِيًّا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَهُ الْمَاءَ.

ترجمہ: حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے اسی طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔

(۱۹۶۰) دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُّعَلَّقَةٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِعَلِيٍّ مَهْ مَهْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّكَ نَافِقٌ قَالَ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَأْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سَلْقًا وَشَعِيرًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا عَلِيُّ مِنْ هَذَا فَاصْبِ فَإِنَّهُ أَوْفَى لَكَ.

ترجمہ: حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے ہمارے گھر میں کھجوروں کے خوشے لٹکے ہوئے تھے نبی اکرم ﷺ نے ان کو کھانا شروع کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو کھانا چاہا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! رک جاؤ رک جاؤ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے اور نبی اکرم ﷺ اسے کھاتے رہے پھر اس کے بعد ان حضرات کے لیے چھندر اور جو تیار کیے گئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے علی اسے کھاؤ کہ تمہاری طبیعت کے لیے موافق ہے۔

تشریح: بیماری میں مضر اشیاء سے پرہیز کرنے کا حکم:

ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو، یا بیماری سے صحت کے بعد طبیعت میں نقاہت اور کمزوری ہو تو اسے ایسی تمام چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے جو اس کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے، پرہیز نہ کرنا خلاف سنت عمل ہے، لہذا ایسی چیز کھانی چاہئے جو صحت کے لئے فائدہ مند ہو، نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نیم پختہ کھجور کھانے سے اس لئے منع کیا تھا کہ یہ ذرا ثقیل ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی ہی بیماری سے شفا یاب ہوئے تھے، طبیعت میں کافی کمزوری تھی، خطرہ ہے کہ اگر کھجوریں کھالیں تو کہیں دوبارہ بیمار نہ ہو جائیں، اس لئے آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور جب ام منذر رضی اللہ عنہا نے چھندر اور جو تیار کر دیئے تو پھر آپ ﷺ

نے انہیں کھانے کا حکم دیا کہ یہ چیزیں تم کھاؤ، یہ خفیف اور ہلکی غذائیں ہیں، یہ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہیں۔
 بیماری میں پرہیز کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾ (النساء: ۴۳) سے بھی ہوا ہے کہ اگر تم بیمار یا مسافر ہو، بیماری میں پانی کا استعمال نقصان دہ ہو یا سفر میں پانی میسر نہ ہو تو تیمم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے یہ آسانی اسی لئے دی ہے تاکہ انسان اپنی صحت کا خیال رکھے اور ہر ایسی چیز سے پرہیز کرے جو صحت کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔
طب کی تین بنیادیں ہیں:

حفظان صحت، پرہیز اور استفراغ مادہ فاسد اور تینوں کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا۔

إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا سَحَّاهُ الدُّنْيَا: دنیا سے بچانے کی دو صورتیں ہیں:

① سرے سے صالح بندے کو دنیا دی ہی نہ جائے، اس کو غریب رکھا جائے۔

② دنیا دی تو جائے اور خوب دی جائے مگر اس کے دل کو مال میں نہ اٹکایا جائے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے عظام ایسے گزرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صاحب ثروت (مال و دولت والا) بنایا تھا، مگر ان کے دل دولت میں پھنسے ہوئے نہیں تھے۔

ایک واقعہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے، جب رمضان آتا اور شام کو ان کے سامنے دسترخوان بچھایا جاتا تو افطاری دیکھ کر رونا شروع کر دیتے اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد کرتے جو غربت کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، پھر سارا دسترخوان غریبوں کو بانٹ دیا جاتا خود اس میں سے کچھ بھی نہیں کھاتے تھے۔

دوسرا واقعہ: پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بڑے مالدار تھے، آپ ایک سپورٹ اور امپورٹ کا کاروبار کرتے تھے، ایک مرتبہ مجلس میں منیجر نے اطلاع دی کہ فلاں جہاز جو فلاں ملک جا رہا تھا ڈوب گیا، آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمد للہ! لوگوں کو حیرت ہوئی، کیونکہ یہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کا موقع تھا مگر کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ مجلس ہی میں منیجر نے اطلاع دی کہ فلاں ملک سے جو جہاز مال لے کر آیا تھا وہ پہنچتے ہی دو گئے نفع پر بک گیا تو آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمد للہ! اب لوگوں سے صبر نہ ہوسکا اور پوچھ ہی لیا کہ حضرت! دونوں موقعوں پر آپ نے تحمید کی اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ دونوں موقع مختلف تھے، آپ نے فرمایا: میں نے پہلی مرتبہ الحمد للہ نقصان ہونے پر نہیں کہا تھا، نہ اب نفع ہونے پر کہا ہے بلکہ جب نقصان کی خبر ملی تو میں نے سر جھکا کر دل کا جائزہ لیا کہ اس کو صدمہ پہنچایا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ قلب نقصان سے متاثر نہیں ہوا اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اب جبکہ نفع کی خبر ملی تو بھی میں نے دل کا جائزہ لیا کہ اس کو خوشی ہوئی یا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ دل اس سے بھی متاثر نہیں ہوا اس پر میں نے الحمد للہ کہا ہے۔

تیسرا واقعہ: خواجہ عبداللہ احرار رحمہ اللہ بھی بہت مالدار تھے، جب وہ خدام کے ساتھ نکلتے تھے تو بادشاہ کا جلوس ماند پڑ جاتا تھا، میں نے آپ کی قبر کی زیارت کی ہے اور اس سے متصل خانقاہ بھی دیکھی ہے، ان کے یہاں بزرگی کا شہرہ سن کر ایک مرید آیا اور آپ کا ٹھاٹھ دیکھ کر بدگمان ہو گیا، اس نے خانقاہ کے دروازے پر لکھ دیا: نہ مر داست آنکہ دنیا دوست دارد! وہ کیسا بزرگ جو دولت جمع کئے ہوئے ہے! کسی مرید نے حضرت کو اطلاع دی کہ نو وارد مہمان نے خانقاہ کے دروازے پر یہ لکھا ہے، آپ نے فرمایا: اس کے نیچے لکھ دو: دگر دارد برائے دوست دارد! یعنی اگر کوئی اللہ کے لئے اور حاجت مندوں پر خرچ کرنے کے لئے دنیا رکھتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے!

اور دنیا سے بچانے کی یہ دونوں صورتیں اسی حدیث سے سمجھ میں آتی ہیں، اس طرح کہ آپ ﷺ نے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح تم میں سے ہر شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے اور ظاہر ہے: پانی ہر مریض کے لئے مضر نہیں گردے کی پتھری میں تو پانی خوب پلایا جاتا ہے اور عرب تو بخاری کو پانی سے نہلاتے ہیں، یہی حال مال کا بھی سمجھنا چاہئے، وہ ہر حال میں مضر نہیں۔

سند کی بحث: پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ اس کے راوی صرف فلیح بن سلیمان ہیں، مگر یہ بات صحیح نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں اس کی ایک اور سند بھی ذکر کی ہے۔ (تحفۃ الاشراف مزی 108:13)

اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ فلیح اس حدیث کو عثمان بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں اور ایوب بن عبد الرحمن سے بھی، پھر ایوب کی سند لکھی ہے اور دونوں کی روایتوں میں ذرا سا فرق ہے، عثمان کی روایت میں فانہ اوفق لك ہے اور ایوب کی روایت میں فانہ انفع لك ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے..... اور پہلی حدیث کی دونوں سندوں کے آخر میں جو عبارت ہے: وقال محمد بن بشار فی حدیثہ الی آخرہ۔ اس عبارت کا مطلب واضح نہیں، کیونکہ محمد بن بشار ایوب بن عبد الرحمن کے شاگرد نہیں ہیں کہ کہیں: مجھ سے ایوب نے حدیث بیان کی (ممکن ہے حدثنیہ سے پہلے قال رہ گیا ہو یعنی فلیح نے کہا: مجھ سے ایوب نے یہ حدیث بیان کی کیونکہ پہلے عن سے روایت آئی ہے، اب یہ سماع کی صراحت کی تاکہ یہ احتمال ختم ہو جائے کہ شاید ایوب کا تذکرہ سند میں وہم ہو)۔

اور دوسری حدیث کی بھی دو سندیں لکھی ہیں: پہلی سند موصول ہے اور دوسری مرسل، اس کے آخر میں حضرت قتادہ کا تذکرہ نہیں اور یہ قتادہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے انخیانی بھائی ہیں اور حضرت محمود بن لبید صحابی صغیر ہیں۔

فائدہ: علاج کے سلسلہ میں یونانی اور ایلوپیٹھقی یعنی انگریزی طریقہ علاج مختلف ہیں، طب میں سبب کا علاج کیا جاتا ہے اور جب بیماری کا سبب ختم ہو جاتا ہے تو مسبب یعنی بیماری خود بخود ختم ہو جاتی ہے، وہ دوبارہ نہیں لوٹتی اور انگریزی طریقہ علاج میں مسبب کا علاج کیا جاتا ہے تا آنکہ اس کا سبب ختم ہو جائے، چنانچہ یونانی دواؤں سے فوراً بیماری نہیں دیتی اور انگریزی دواء کی پہلی خوراک ہی اثر دکھاتی ہے، نیز یونانی دوا کا کوئی کورس نہیں ہوتا بلکہ جب تک بیماری کا سبب ختم نہ ہو: دوا کھانی پڑتی ہے اور سبب کے ختم ہونے کی علامت یہ ہے کہ مسبب یعنی بیماری ختم ہو جائے اور انگریزی طریقہ علاج میں دواؤں کا کورس ہوتا ہے، جس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ بیماری عود کر آنے کا احتمال رہتا ہے کیونکہ سبب ابھی باقی ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: دیوار میں درخت نکل آیا اس کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک تیزاب سے اس کی جڑیں جلادی جائیں، درخت خود بخود سوکھ جائے گا اور پھر کبھی نہیں اگے گا۔ دوسرا: پہلے درخت کی ٹہنیاں کاٹی جائیں، پھر تنا نکالا جائے پھر جڑیں کھودی جائیں تو بھی درخت ختم ہو جائے گا، لیکن اگر ذرا سی جڑ بھی باقی رہ گئی تو درخت دوبارہ اُگ آئے گا۔

لغات: طب: (طا کے نیچے زیر) جسمانی و ذہنی علاج، دوا، علم، علاج۔ أم المسنذر: یہ حضور ﷺ کی خالہ ہیں، ان کا نام سلمیٰ بنت قیس ہے۔ دوال دالیۃ کی جمع ہے: کچھ چھجور کے خوشے، جنہیں پکنے کے لئے گھر میں لٹکا دیا جائے۔ معلقہ لٹکائے ہوئے۔ مہ مہ: یہ اسم فعل ہے، اس کے معنی ہیں: رک جا، رک جا، ٹھہر ٹھہر۔ ناقہ: یہ نقہ (باب سمع) سے اس فاعل کا صیغہ ہے، وہ ضعف اور کمزوری جو بیماری سے صحت یاب ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ سلقا: (سین کے نیچے زیر اور لام کے سکون کے ساتھ) چقندر، ایک قسم کی سبزی جس کے پتے لمبے اور جڑ گہری ہوتی ہے، پکا کر کھائی جاتی ہے۔ شعیر: جو۔ أصب: (ہمزے پر زبر اور صاد کے نیچے

زیر کے ساتھ) صیغہ امر ہے: تم لے لو، کھا لو۔ حماء: اللہ تعالیٰ اس کو بچاتے ہیں، محفوظ رکھتے ہیں۔ سقیم: مریض، بیمار۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّوَاءِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ

باب ۲: دوا دارو کی ترغیب

(۱۹۶۱) قَالَ قَالَتِ الْأَعْرَابُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا نَتَدَاوَى قَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللَّهِ تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً أَوْ قَالَ دَوًّا أَلَا دَاءٌ وَاحِدًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُوَ قَالَ الْهَرَمُ.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں: کچھ دیہاتیوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم دوائی استعمال نہ کیا کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندو! دوائی استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کے لیے شفا بھی رکھی ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اس کے لیے دوا بھی رکھی ہے البتہ ایک بیماری ایسی ہے (جس کی کوئی دوا نہیں) لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کون سی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا برہا پا۔

تشریح: دنیا دار الاسباب ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے۔ پس بیماری کے لئے بھی اسباب پیدا کئے ہیں اور شفاء کے بھی اسباب بنائے ہیں، پھر جو اسباب ظاہری ہیں ان کو اختیار کرنا مامور بہ ہے، اس لئے بیماری کا علاج کرنا مسنون ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں۔

لعنات: الحث علیہ: علاج کرانے کی ترغیب۔ الاندای: کیا ہم علاج نہ کرائیں۔ تداووا (یہ امر کا صیغہ ہے) تم علاج کراؤ۔ لَمْ يَضَعْ: نہیں پیدا کی، نہیں اتاری۔ الہرم: (ہاء اور راء پر زبر کے ساتھ) بڑھاپا۔ یہاں بڑھاپے سے مراد موت ہے، بڑھاپا اس کی تمہید ہے، اور موت ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

اعتراض: قرآن وحدیث میں توکل (اللہ کی ذات پر اعتماد کرنے) کی تعلیم دی گئی ہے اور اس حدیث میں علاج کا حکم دیا گیا ہے، بظاہر یہ دونوں باتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں،

جواب: جب یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے تو صحت کے اسباب اختیار کرنا اور مرض کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، ورنہ اسباب بے فائدہ ہوں گے، البتہ اسباب تین قسم کے ہیں: ظاہری، خفی اور اخفی، سبب ظاہر وہ ہے جس کا سبب ہونا ہر شخص جانتا ہے، اور سبب خفی: سبب ظنی کا نام ہے اور سبب اخفی وہ سبب ہے جس کا سبب ہونا عام طور پر لوگ نہیں جانتے، جیسے روٹی سے آدمی شکم سیر ہوتا ہے اور پانی سے سیراب، اور دوا سے شفا حاصل ہوتی ہے، یہ اسباب ظاہرہ ہیں، اور جھار پھونک سے بھی فائدہ ہوتا ہے مگر یہ سبب خفی ہے اور علویات کے سفلیات یعنی انسانی حوادث (صحت، مرض، عزت، ذلت وغیرہ) پر اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ سبب اخفی ہے، اس کا ادراک نجومیوں کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا اور نجومیوں کی باتیں انکس بچو ہوتی ہیں اس لئے شریعت نے سبب اخفی کی تو قطعاً ممانعت کر دی، فرمایا:

”جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخصوں کی وجہ سے بارش ہوئی وہ شخصوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں،

”وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑتے ہیں اور نہ جھڑواتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

خلاصہ یہ ہے کہ اسباب ظاہرہ اختیار کرنے کے ساتھ اللہ پر اعتماد ضروری ہے، پس اسباب ظاہرہ کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، جس طرح اسباب کا اختیار کرنا تقدیر کے منافی نہیں، کیونکہ اسباب بھی تقدیر کا ایک حصہ ہیں، تفصیل ابواب القدر میں آئے گی۔

خلاصہ کلام: اسباب کی اقسام جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے علماء نے اسباب کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

اول: اسباب مقطوعہ یعنی یقینیہ یہ وہ اسباب ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم و مشیت سے مسبب کا تعلق ہے ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں ہوتا ہے مثلاً جب تک کھیت میں کاشت نہیں کرے گا غلہ نہیں اگے گا کوئی یہ کہے کہ بغیر غلہ بوئے کھیت

میں غلہ پیدا ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے خلاف ہے یہاں بھی کاشت کرنا پڑے گی اس پر اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے مطابق پیداوار کا ترتیب ہوگا، اگر جلب منفعت کے ان ظاہری یقینی اسباب کو ترک کر کے کوئی شخص توکل کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا اسی طرح دفع مضرت کے لئے اسباب مقطوعہ یقینیہ کا اختیار کرنا لازم ہے مثلاً پانی کے ذریعہ پیاس کی شدت دور ہوتی ہے روٹی کے ذریعہ بھوک کا ضرر دور ہوتا ہے اگر پیاسا پانی نہ پیئے اور بھوکا نہ کھائے تو گنہگار ہوگا۔

دوسری قسم: اسباب ظنیہ ہے یعنی غالب یہ ہے کہ مسببات ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتے مثلاً کوئی مسافر جنگل بیابان میں سفر کرتا ہو تو اس کو چاہئے کہ توشہ راہ ضرور ساتھ لے چونکہ غالب گمان ہے کہ جنگل میں ضروریات اکل و شرب میں میسر نہ ہوں گی لہذا ایسے اسباب ظنیہ کا اختیار کرنا سنت مؤکدہ ہے ان اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔

تیسری قسم: اسباب موہومہ یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعہ مسببات تک پہنچنا وہمی ہے ضروری نہیں ہے کہ تدبیر کے بعد طلب حاصل ہو مثلاً مال حاصل کرنے کی بڑی بڑی تدبیریں کی جاتی ہیں اور وسیع تر منصوبے بنائے جاتے ہیں حالانکہ ان منصوبوں سے مال کا حصول یقینی و ظنی نہیں بلکہ وہمی ہے بسا اوقات تمام منصوبے بے کار ہو جاتے ہیں اسی طرح دفع مضرت کے لئے اسباب موہومہ جیسے، داغ لگوانا وغیرہ ان اسباب کا ترک بہتر ہے اس لئے کہ ان سے توکل حاصل نہ ہوگا۔

بہر حال علاج و معالجہ اسباب ظنیہ میں سے ہے جو توکل کے خلاف نہیں ہے۔

تداووا: حضور ﷺ نے علاج و دوا کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج نازل فرمایا ہے خود حضور ﷺ سے اپنا علاج کرنا ثابت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ اس قدر دوائیں کس طرح جانتی ہیں فرمایا کہ حضور ﷺ کے کثرت علاج و معالجہ کی وجہ سے یہ سب دوائیں مجھے یاد ہو گئیں۔ نیز کتب احادیث کے ابواب الطب صراحۃ استجاب تداوی پر ردال ہے۔

فائدہ: امام غزالی رحمہ اللہ نے چند ایسے اسباب بیان فرمائے ہیں جن کی وجہ سے اگر علاج نہ کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے نیز بعض حضرات سلف رحمہ اللہ نے بھی ایسا فرمایا ہے۔

اول: مریض اہل کشف میں سے ہوں اس کو بذریعہ کشف حقیقی یا غلبہ ظن یا رویائے صالح سے معلوم ہو جائے کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہو جائے گا۔

دوم: مریض خوف عاقبت یا اپنے حال میں ایسا مستغرق ہے کہ اس کو مرض کی تکلیف کا احساس ہی نہیں اور دوا و علاج کی فرصت نہیں۔

سوم: مرض انتہائی پرانا ہے جو دوائیں اس کے لئے تجویز کی جاتی ہیں ان کی افادیت وہمی ہے جیسے داغ وغیرہ۔

چہارم: کوئی شخص مرض کی اذیت پر صبر کر کے اجر حاصل کرنا چاہتا ہے یا اپنے نفس کا امتحان لینا چاہتا ہے۔

پنجم: امراض کے تکفیر ذنوب ہونے کی وجہ سے علاج نہیں کرنا چاہتا۔

ششم: زیادہ صحت مند رہنے سے غرور و کبر کا اندیشہ ہے اس وجہ سے علاج نہیں کرتا، بہر حال ان چھ وجوہ کی بناء پر بعض حضرات نے ترک علاج کی اجازت دی ہے۔

اللہم بفتح الہاء والراء: بڑھا پہ مرض لا علاج کیوں ہے؟

① علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہر یعنی بڑھا پہ کو ایسا مرض فرمایا جس کی کوئی دوا نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

جس طرح امراض کے ذریعہ آدمی کمزور و لاغر ہو کر موت تک پہنچ جاتا ہے ایسے ہی بڑھاپے کے ذریعہ بھی آدمی موت تک پہنچ جاتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں گویا بڑھاپہ اعلیٰ قسم کا مرض ہے،

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہرم سے مراد موت ہے بڑھاپہ کو موت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس طرح موت کے ذریعہ صحت بدن ختم ہو جاتی ہے اسی طرح بڑھاپے کے ذریعہ بھی آہستہ آہستہ صحت ختم ہو جاتی ہے یا بڑھاپہ موت کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ بوڑھا آدمی صحت سے مایوس ہوتا ہے بالآخر موت پر اس کی زندگی پوری ہو جاتی ہے۔

③ بعض حضرات فرماتے ہیں یہاں استثناء ہے بمعنی لکن الہرم لا دواء لہ۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُطْعَمُ الْمَرِيضُ

باب ۳: جس میں اس چیز کا ذکر ہے جو بیمار کو کھلائی جاتی ہے

(۱۹۶۲) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ الْوَعَاكَ أَمَرَ بِالْحِسَاءِ فَصُنِعَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ وَكَانَ يَقُولُ إِنَّهُ لَيَرْتُقِي فُؤَادَ الْحَزِينِ وَيَسْرُو عَنْ فُؤَادِ السَّقِيمِ كَمَا تَسْرُو إِحْدَاكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ کی کسی اہلیہ کو اگر بخار ہو جاتا تو آپ ﷺ ان کے لیے حریرہ تیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور پھر انہیں یہ ہدایت کرتے تھے کہ وہ گھونٹ گھونٹ کر کے اس پیئیں آپ ﷺ یہ فرماتے تھے یہ غمگین دل کو تقویت پہنچاتا ہے اور بیمار شخص کے دل کی تکلیف کو دور کرتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی عورت پانی کے ذریعہ اپنے چہرے کا میل دور کرتی ہے۔

تشریح: مریض کو ”حساء“ کھلایا جائے: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعہ اس بات کی تعلیم دی ہے کہ مریض کو ہلکی غذا کھلائی جائے تاکہ وہ اس کے معدے پر بوجھ نہ ہو، خاص طور پر جب بخار یا ایسا کوئی مرض ہو جس سے کمزوری زیادہ ہو جاتی ہے، ایسے میں ثقیل غذائیں عموماً نقصان پہنچاتی ہیں، اس لئے ایسی غذا استعمال کی جائے جو صحت کے لیے مفید ہو اور جس سے طبیعت پر بوجھ بھی نہ ہو، حدیث باب میں جس کھانے کا ذکر ہے، اس کی افادیت حضور اکرم ﷺ نے بتائی کہ یہ کھانا دل کو طاقت فراہم کرتا ہے اور اس سے دل کے رنج و غم زائل ہو جاتے ہیں اور سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس کھانے کے فائدے کو سمجھانے کے لئے عورتوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس طرح تم میں سے کوئی پانی سے اپنے چہرے کی میل کو دور کرتی ہے اسی طرح وہ کھانا آدمی کے غم کو دور کرتا ہے،

بیمار کی دو حالتیں ہیں، کبھی اس کو کھانے کی خواہش نہیں ہوتی اور کبھی بھوک نہیں ہوتی۔ پہلی صورت میں اس کو حریرہ پلانا چاہئے اور دوسری صورت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے کیونکہ اس وقت طبیعت مرض کی مقاومت (مقابلہ) کر رہی ہوتی ہے، پس اس کو کھانے کی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ اطباء سخت بخار میں اور بحرانی کیفیت میں غذا دینے سے منع کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں جب مریض کا کھانے کو جی نہ چاہ رہا ہو اس وقت کا حکم ہے اور دوسرے باب میں جب

مریض بالکل کھانے کے لئے تیار نہ ہو اس وقت کا حکم ہے۔

بخاری (حدیث 5417) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: التلبینة حجة لفواد المريض، تذهب ببعض الحزن: تلبینہ یعنی بھوسی یا چھنے ہوئے آٹے میں دودھ اور شہد ملا کر بنایا ہوا حریرہ بیمار کی دلجوئی کا ذریعہ ہے، اور اس کا کچھ غم دور کرتا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہی حدیث ہے، کبھی مریض کو بھوک تو ہوتی ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا، ایسی صورت میں تھوڑے گھی میں آٹا بھون لیا جائے، پھر اس میں کافی دودھ ڈال کر پکالیا جائے اور اس کو ایسا پتلا رکھا جائے کہ اس کو گھونٹ گھونٹ پیا جاسکے، مریض اس کو دل نہ چاہنے کے باوجود پی لے تو اس کے دل سے بوجھ ہٹ جائے گا اور یہ خیال نکل جائے گا کہ اس نے کچھ نہیں کھایا اور غذا بھی پیٹ میں پہنچ جائے گی، جس سے اس کو قوت ملے گی۔

لعنات: الوغک: بخار، شدید بخار، تپ۔ حساء یہ کھانے کی ایک قسم ہے جو آٹے، دودھ یا پانی اور گھی سے بنایا جاتا ہے، کبھی اسے میٹھا کرنے کے لئے شکر یا شہد بھی ملایا جاتا ہے، یعنی حلوا بنا لیا جاتا ہے، اہل مکہ اسے ”حریرہ“ کہتے ہیں، بعض روایات میں اسے ”تلبینہ“ بھی کہا گیا ہے، گویا اس کھانے کے لئے تین لفظ حساء ”حریرہ“ اور ”تلبینہ“ استعمال کئے جاتے ہیں، معنی سب کے ایک ہی ہیں۔ حسو امنہ: وہ اس حساء کو تھوڑا تھوڑا کر کے پیتے، چسکی لگا کر پیتے۔ لیو تو: قوت دیتا ہے، طاقت پہنچاتا ہے۔ فواد: دل۔ الحزین: غمگین آدمی۔ یسرو: (بیمار کے دل سے) غم دور کرتا ہے۔ تیسرو: وہ ہٹاتی اور زائل کرتی ہے (یعنی دھوتی ہے)۔

بَاب مَا جَاءَ لَا تُكْرَهُهُوَ أَمْرًا ضَاكُمَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

باب ۴: بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور مت کرو

(۱۹۶۳) لَا تُكْرَهُهُوَ أَمْرًا ضَاكُمَ عَلَى الطَّعَامِ فَإِنَّ اللَّهَ يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيهِمْ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا پلاتا ہے۔

تشریح: لا تکرہوا: تم زبردستی اور جبر نہ کرو۔ مرضی: مریض کی جمع ہے: بیمار مریض کو زبردستی کوئی چیز نہیں کھلانی چاہئے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا تکرہوا مرضاً کم علی الطعام، فان الله تبارک و تعالیٰ یطعمہم ویسقیہم“ اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور مت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتے پلاتے ہیں، یعنی ان کو نہ کھانے سے ضعف لاحق نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا مدد کر دیتے ہیں اور اگر اس شدید ناگواری کی حالت میں زبردستی کھلاؤ گے تو اس کی طبیعت کھانے کے نظم و انتظام کی طرف متوجہ ہوں گی اور وہ مرض کی مقاومت نہیں کر سکے گی، مگر دو کیفیتوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

ایک: مریض کو بھوک تو ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا، اس حالت میں اس کو حریرہ دینا چاہئے اور دوسری حالت یہ ہے کہ مریض بالکل کھانا ہی نہیں چاہتا، اس کو بھوک ہی نہیں، پس ایسی حالت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے اور اللہ کے کھلانے پلانے کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ مریضوں کو ایسی قوت عطا فرماتے ہیں جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنے پر صبر عطا فرماتے ہیں۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس ارشاد میں بڑا اہم ادب بیان فرمایا ہے جو اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جب کوئی مریض کھانے پینے سے گریز کرتا ہے تو اس وقت اس کی طبیعت مرض کے مقابلے میں مشغول ہوتی ہے، اگر اس وقت اس کو زبردستی غذا دی جائے تو مرض کے مقابلے سے طبیعت ہٹ جائے گی، فائدے کے بجائے نقصان ہوگا، یہی وجہ ہے کہ بعض بیماریوں میں مریضوں کو مخصوص ایام میں کھانے پینے سے منع کیا جاتا ہے، کیونکہ مریض کی طبیعت اس دن مرض کے مقابلے میں زیادہ مشغول ہوتی ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا کرو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

باب ۵: کلونجی کا بیان

(۱۹۶۴) عَلَيَّكُمْ هَذِهِ الْحَبَّةُ السَّوْدَاءُ فَإِنْ فِيهَا شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ وَالسَّامُ الْمَوْتُ.

تو کہتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم کلونجی استعمال کیا کرو کیونکہ اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے (حدیث میں استعمال ہونے والے لفظ) سام سے مراد موت ہے۔

تشریح: کیا کلونجی ہر بیماری کا علاج ہے؟

حدیث باب میں ہے کہ فان فیہا شفاء امن کل داء کلونجی میں ہر مرض کا علاج ہے، اس سے کیا مراد ہے، کیا اس میں عموم ہے کہ ہر مرض کا اس میں علاج ہے یا بعض کا، اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

① علامہ خطابی اور علامہ طبری رحمہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم اگرچہ عام ہے لیکن یہ خاص طور پر انہی امراض میں زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے جو رطوبت اور بلغم سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ کلونجی کی تاثیر خشک اور گرم ہوتی ہے، اس لئے یہ ان بیماریوں کا علاج میں مفید ہوتی ہے جو اس کی ضد ہوں۔

② علامہ کرمانی، عینی اور حضرت گنگوہی رحمہم فرماتے ہیں کہ حدیث میں عموم ہی مراد ہے کہ کلونجی تمام بیماریوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں موت کا استثناء کیا گیا ہے کہ کلونجی موت کے علاوہ تمام امراض کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے اس سے عموم ثابت ہوتا ہے، چنانچہ کلونجی بعض امراض میں تنہا مفید ہوتی ہے جبکہ بعض میں کسی اور دوا کے ساتھ ملا کر، بشرطیکہ خاص مقدار اور مناسب ترکیب کے ساتھ اسے شامل کیا جائے۔

③ ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ میں گو کہ عموم ہے لیکن اس سے اکثر امراض مراد ہیں کہ کلونجی اکثر بیماریوں میں مفید ہوتی ہے، جس طرح کہ شہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ﴾ (الخل: ۶۹) اس سے بظاہر عموم معلوم ہوتا ہے کہ شہد تمام امراض کا علاج ہے حالانکہ یہ مراد نہیں ہے کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ بعض بیماریوں میں شہد فائدے کے بجائے نقصان دہ ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ شہد تمام امراض کے لئے نہیں بلکہ اکثر امراض کے لئے مفید ہوتا ہے، ایسے

ہی کلونجی بھی تمام امراض میں نہیں بلکہ اکثر امراض میں فائدہ مند ہوتی ہے۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مریض کے حال کو دیکھ کر علاج تجویز فرماتے تھے ممکن ہے جس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو، اس وقت آپ کے سامنے ایسا کوئی مریض ہو جس کے لئے کلونجی ہی مفید تھی، آپ نے اس کے مزاج اور مرض کا اندازہ لگا کر فرمایا: فان فیہا شفاء من کل داء۔ گویا یہ اس مخصوص مریض کی حالت کے اعتبار سے ہے۔ ابن ابی جمرۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ہم اہل طب کے تجربات پر اعتماد کرتے ہیں اور علاج ان کی تجاویز کے مطابق کرتے ہیں تو ہم کو چاہئے کہ آپ ﷺ کے اس فرمان میں کوئی شک و شبہ نہ کریں بلکہ آپ رحمہ اللہ کے فرمان کی تصدیق کریں اور یقین کرتے ہوئے جملہ امراض کے لیے کلونجی کو شافی مانیں صاحب محیط اعظم فرماتے ہیں کہ اہل عرب کی غذا چونکہ عموماً راطبہ اور حامضہ ہوتی ہے اس لئے ان کو اکثر امراض بادہ لاحق ہوتے ہیں لہذا ان کے جملہ امراض کے لئے کلونجی مفید ہے گویا آپ کے اس فرمان میں عموم نوعی ہے یہ جملہ اقوال متقارب ہیں۔

کلونجی کے فوائد:

کلونجی گرم و خشک ہوتی ہے، رطوبت کو خشک کرتی ہے، قوت باہ کو پختہ اور معتدل کرتی ہے، خلطوں کو خارج کرتی ہے، پیشاب و حیض کو جاری کرتی ہے، قاطع بلغم بھی ہے اور محلل ورم بھی، نزلہ کے لئے بھی مفید ہے، نہار منہ استعمال کرنے سے پیٹ کے کیڑوں کے لئے نافع ہے، نیز سانس کی بیماریوں کے لئے بھی مفید ہے اور مرض یرقان کے لئے سعوطاً نافع ہے، البتہ یہ خنثاق اور درد سر پیدا کرتی ہے اس کے لئے سرکہ اور کثیر المصلح ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي شَرْبِ أَبْوَالِ إِبْلِ

باب ۶: حرام اشیاء سے علاج کرانے کا شرعی حکم

(۱۹۶۵) اَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَاجْتَوَوْهَا فَبَعَثَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي إِبْلِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ اشْرَبُوا مِنْ الْبَائِيَةِ وَأَبْوَالِهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرینہ قبیلے کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے وہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں زکوٰۃ کے اونٹوں کی طرف بھیج دیا اور ارشاد فرمایا تم ان کا دودھ اور پیشاب (دوائی کے طور پر) پیو۔

تشریح: تداوی بالحرمت جائز ہے یا نہیں؟

اضطراری حالت میں یعنی جان کا خطرہ ہو تو تداوی بالحرام بالاتفاق جائز ہے جیسے کہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَقَدْ فَضَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّتُمْ إِلَيْهِ﴾ (الانعام: ۱۱۹) اور جان کا خطرہ نہ ہو صرف مرض کے علاج کے لیے تداوی بالحرام میں اختلاف ہے اور کئی مذاہب ہیں: ① امام صاحب رحمہ اللہ حنابلہ کے ہاں مطلقاً جائز نہیں ہے۔ ② امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں مطلقاً جائز ہے۔ ③ شوافع تداوی بالحرمت المسکر جائز نہیں لیکن تداوی بالحرمت غیر المسکرہ جائز ہے۔ ④ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر

حالت ضرورت ہو تو تدوی بالحرّام جائز ہے اور حالت ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ طبیب حافظ فیصلہ کرے کہ تدوی بالحرّام کے علاوہ علاج ممکن نہیں۔

اختلاف کی وجہ: احادیث تعارض کا ہے۔ واقعہ عرینین سے تدوی بالحرّام کا جواز معلوم ہوتا ہے اور ”لا شفاء فی الحرّام“ ان اللہ لم يجعل شفاء کم فیما حرّم علیکم“ (صحیح بخاری ص: ۸۴۰ ج: ۲ باب شرب الحلواء والعسل) اور ابو داؤد میں ہے لا تتداووا بالحرّام اب تطبیق یہ ہے کہ جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں ضرورت کی حالت پر اور جن سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں ضرورت کے علاوہ کی حالت پر اور یہ واقعہ عرینین دلیل سے امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا جواب ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اطلاع دی گئی ہوگی کہ ان کی شفاء انہی چیزوں میں ہے لیکن دیگر اطباء ظنی فیصلہ کریں گے اور مزید جوابات اس حدیث کے ابھی گذشتہ مسئلہ میں ملاحظہ کر لیں۔

حنفیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ حرّام اور نجس اشیاء سے علاج اس وقت جائز ہے جب کوئی ماہر ڈاکٹر بتا دے کہ اس مرض کا علاج حرّام اور نجس دوا ہی سے ہو سکتا ہے، حلال اور پاک دوا اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہے، لہذا اگر کسی مسلمان کو ایسا کوئی مرض لگ جائے جو حلال دوا سے نہیں بلکہ حرّام سے درست ہو سکتا ہے تو اسے چاہئے کہ کسی مسلمان ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرے اور حرّام دوا اسی قدر استعمال کرے جس قدر اسے ضرورت ہو، ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْ غَيْرِهِ

باب ۷: زہر وغیرہ سے خودکشی کرنے کا بیان

(۱۹۶۲) مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخْلَدًا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخْلَدًا أَبَدًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے انہوں نے مرفوع حدیث کے طور پر بیان کیا ہے (یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے) جو شخص لوہے کے ذریعے خودکشی کرے گا وہ قیامت کے دن آئے گا تو لوہے کی چیز اس کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اس چیز کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا اور جو شخص زہر کے ذریعے خودکشی کرے گا وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اسے پیتا رہے گا۔

(۱۹۶۷) مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخْلَدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخْلَدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخْلَدًا فِيهَا أَبَدًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص لوہے کے ذریعے خودکشی کرے گا وہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا اور جو شخص زہر کے ذریعے خودکشی کرے گا وہ زہر اس کے

ہاتھ میں ہوگا جسے وہ جہنم میں ہمیشہ پیتا رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے نیچے گر کر خودکشی کرے گا تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ نیچے گرتا رہے گا۔

(۱۹۶۸) تَهْلِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الدَّوَاءِ الْحَبِيثِ. قَالَ أَبُو عِيسَى يَعْنِي السَّم.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے خبیث دوائی استعمال کرنے سے منع کیا ہے (امام مہدی بیان کرتے ہیں) اس سے مراد زہر ہے۔

تشریح: خودکشی کیوں حرام ہے؟

در اصل انسان اپنی ذات کا خود مالک نہیں ہے کہ جس طرح چاہے اسے میں تصرف کرے بلکہ یہ جسم اللہ کی امانت ہے بندہ کو اس سے صرف انتفاع کا اختیار دیا گیا ہے اسی لئے اگر بندہ بیمار ہو جائے تو اس کی حفاظت کے لئے علاج معالجہ کا حکم ہے لہذا اگر کوئی شخص اللہ کی اس امانت میں خیانت کرتا ہے اور اپنے اختیار سے اس کو ہلاک کرتا ہے اور خودکشی کر لیتا ہے تو یہ شخص خائن کہلائے گا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اس پر جہنم کی سزا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خودکشی کو حرام فرمایا ہے۔۔۔ پھر خودکشی کا فائدہ کچھ نہیں، آدمی سمجھتا ہے کہ میں مرکز مصیبتوں سے نجات پاؤں گا حالانکہ آدمی مرکز بھی نہیں مارتا۔

موت بدن سے روح کے جدا ہونے کا نام ہے:

حضرت امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے یہ بات واضح کی ہے کہ موت بدن سے روح کے جدا ہونے کا نام ہے، پس بدن تو مرتا ہے مگر روح نہیں مرتی، اس کو جسم سے نکلنے کے بعد جزا و سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر خودکشی کرنے سے کیا فائدہ؟ ہو سکتا ہے آگے اور بھی سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے اس لئے مومن کو کبھی یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے۔

تشریح: یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ عبیدہ بن حمید رحمہ اللہ کو شک ہے، وہ کہتے ہیں: ارادہ رفعہ: میرا گمان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے، لیکن آگے عموں رحمہ اللہ کے دوسرے تلامذہ کی جو سندیں آرہی ہیں، ان میں یہ حدیث بالاتفاق مرفوع ہے۔
③ اور تیسری بات یہ ہے: ومن تردی من جبل، فقتل نفسه، فهو يتردى: فی نار جہم، خالد الخلد فیہا ابدًا: اور جو شخص کسی پہاڑ سے گرا، پس اس نے اپنے آپ کو مار ڈالا تو وہ پہاڑ سے گرے گا: وہ دوزخ کی آگ میں لمبے عرصہ تک رہے گا، بہت دنوں تک رہے گا، ہمیشہ ہمیش رہے گا۔

تشریح: اس حدیث کو اعمش رحمہ اللہ سے وکیع اور ابو معاویہ رحمہ اللہ بھی شعبہ کی طرح روایت کرتے ہیں یعنی وہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صحیح حدیث ہے، اور پہلی حدیث سے صحیح تر ہے، اعمش رحمہ اللہ کے دیگر متعدد تلامذہ نے بھی یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے، پس عبیدہ کو جو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک تھا وہ صحیح نہیں، یہ حدیث بالیقین مرفوع ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسُوءٍ اور مذکورہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند سے بھی مروی ہے: محمد بن عجلان رحمہ اللہ، سعید مقبری رحمہ اللہ سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسُوءٍ

عذب فی نار جہنم: جس نے اپنے آپ کو کسی زہر سے مار ڈالا وہ دوزخ کی آگ میں سزا دیا جائے گا۔ اس حدیث میں خالد بن مخلد فیہا ابدًا نہیں ہے، اور یہ حدیث اسی طرح ابوالزناد: عبد الرحمن بن ہرمز اعرج سے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یعنی ابوالزناد کی سند سے بھی حدیث میں خالد بن مخلد ابدًا نہیں ہے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ تیسری روایت صحیح ترین ہے، جس میں خالد بن مخلد فیہا ابدًا نہیں ہے کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ گنہگار مومنین دوزخ میں جائیں گے مگر بعد میں وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور کسی روایت میں یہ بات نہیں آئی کہ مومنین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اس لئے صحیح روایت یہ تیسری ہے، جس میں خالد بن مخلد ابدًا نہیں ہے۔

تَمْلِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الدَّوَاءِ الْحَبِيطِ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے گندی دواء سے یعنی زہر کے ذریعہ علاج کرنے سے منع فرمایا۔

تشوہیح: یہ حدیث اس باب میں لا کر اشارہ کیا کہ زہر کے ذریعہ خودکشی کرنا عام ہے، خواہ مرنے کے لئے زہر پیا ہو، یا علاج کے طور پر زہر پیا ہو اور مر گیا ہو، دونوں صورتوں میں خودکشی کرنے کا گناہ ہوگا کیونکہ خطرناک دوائیں ماہر حکیم کے مشورے کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں، بے احتیاطی کی صورت میں حکیم اور بیمار دونوں کو قتل نفس کا گناہ ہوگا مگر اس حدیث میں دوائے خبیث کی تفسیر زہر سے متعین نہیں کیونکہ یہ تفسیر یا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے یا نیچے کے کسی راوی نے کی ہے بہر حال حدیث کا جز نہیں اور حرام اور ناپاک دوا سے بھی اس کی تفسیر کی جاسکتی ہے، پس حدیث عام ہوگی، زہر کے ساتھ خاص نہ رہے گا۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان سے ان کے تین شاگرد روایت کرتے ہیں، ابوصالح ذکوان، سعید مقبری اور عبد الرحمن بن ہرمز اعرج، پھر اعرج سے ابوالزناد روایت کرتے ہیں، یہ روایت بخاری (حدیث 1265) میں ہے، اس میں: خَالِدًا مَخْلَدًا فیہا ابدًا نہیں ہے، اور سعید مقبری رحمہ اللہ سے محمد بن عجلان رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، اس میں بھی یہ بات نہیں ہے۔ اور ابوصالح ذکوان رحمہ اللہ سے سلیمان اعمش رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، پھر ان سے چار تلامذہ روایت کرتے ہیں:

① عبیدہ بن حمید رحمہ اللہ، جن کو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے، باقی تین تلامذہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں اور اس حدیث کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہے۔

② اور شعبہ رحمہ اللہ کی حدیث بخاری (حدیث 5778) میں اور نسائی (حدیث 1965) میں ہے۔

③ اور ابو معاویہ رحمہ اللہ کی حدیث ابوداؤد (حدیث 3873) میں اور مسند احمد (2:254) میں ہے۔

④ اور کعبہ رحمہ اللہ کی روایت مسلم (حدیث 109) اور ابن ماجہ (حدیث 3460) میں ہے، ان تمام روایات میں خَالِدًا مَخْلَدًا فیہا ابدًا ہے۔ پس ان سب روایات کو جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں غیر صحیح کہنا جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ممکن نہیں ہے اس لئے اشکال اپنی جگہ باقی ہے۔

کیا خودکشی کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

”خَالِدًا مَخْلَدًا اَبَدًا“ اس جملے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگر خودکشی کر لے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اسی سے استدلال کر کے معتزلہ (ایک گمراہ فرقہ) کہتے ہیں کہ جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لے تو وہ دائمًا جہنم میں رہے گا لیکن اہل سنت

والجماعت کہتے ہیں کہ مومن اپنے گناہوں کی سزا پا کر بالآخر ضرور جنت میں داخل کیا جائے گا، دائماً جہنم میں نہیں رہے گا۔ اس لئے اہل السنۃ والجماعۃ نے اس قسم کی روایات کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب: یہ حدیث مستحل کے بارے میں ہے، یعنی جو شخص خودکشی وغیرہ گناہوں کو حلال سمجھ کر کرتا ہے وہ کافر ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ ہر گناہ کو حلال سمجھنا کفر نہیں ہے بلکہ صرف اس گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے جس کی حرمت لعینہ ہو اور اس کا ثبوت ایسی دلیل قطعی سے ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو اور خودکشی اگرچہ حرام ہے مگر اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں اور ارشاد پاک ﴿لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ اگرچہ نص قطعی ہے مگر ظنی الدلالۃ ہے، نفس سے مراد دیگر مومنین بھی ہو سکتے ہیں، ای لا یقتل بعضکم بعضاً اور انفسکم سے ان کو اس لئے تعبیر کیا ہے کہ سب مومنین کنفس واحدۃ ہیں۔

دوسرا جواب: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”خلود“ سے وہ مدت مراد ہے جس میں اسے عذاب دیا جائے، عذاب جہنم میں ہمیشہ رہنا مراد نہیں ہے۔ خلود سے مکث طویل مراد ہے۔ خلد بالمكان کے معنی ہیں: دیر تک قیام کرنا، اور خلدہ کے معنی ہیں: عمر بھر قید رکھنا، سورۃ النساء آیت 93 میں کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے والے کے بارے میں ﴿فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ آیا ہے یعنی اس کی سزا جہنم ہے جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہوگا اس آیت کی تفسیر مکث طویل سے کی گئی ہے، یعنی خلود سے لمبی مدت تک جہنم میں رہنا مراد ہے۔ اور الابد مطلق زمانہ کے لئے بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے طال الابد علی لبد: یعنی اس پر ایک طویل زمانہ گزر چکا ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ وعید کی حدیث ہے اور زجر و توبیخ کے طور پر وارد ہوئی ہے، یعنی اس گناہ کی اصل سزا تو یہی ہے مگر دیگر نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ مومنین پر یہ سزا جاری نہیں ہوگی جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ کبھی نہ کبھی جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

دوا خبیث سے کیا مراد ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے ”خبیث دوا“ کے استعمال سے منع فرمایا ہے، ”خبیث دوا“ سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں شارحین حدیث کے اقوال درج ذیل ہیں: (۱) اس سے حرام چیز مراد ہے کہ اس سے علاج جائز نہیں مثلاً زہر وغیرہ۔ (۲) ناپاک اور نجس چیز۔ (۳) وہ دوا جسے کھانے سے طبیعت گھن کرے اور کھانے پر مائل نہ کرے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ ”دوا خبیث“ سے زہر مراد لی جائے کیونکہ بعض روایات میں اس کی تفسیر ”زہر“ سے کی گئی ہے۔

زہر کا شرعی حکم:

علامہ ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زہر کے بارے میں تفصیل ہے، اس کی چار صورتیں ہیں جن کے الگ الگ احکام ہیں:

- ① ایسا تیز زہر جس کی تھوڑی سی مقدار بھی ہلاکت کا سبب بن جائے، اس کا استعمال علی الاطلاق حرام ہے، علاج کے لئے بھی اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرہ: ۱۹۵) (تم اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔
- ② اگر زہر اس قسم کا ہو کہ اس کی کثیر مقدار تو یقیناً ہلاکت کا باعث ہو، لیکن اگر قلیل ہو تو اس میں ہلاکت کا خطرہ نہ ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ کثیر تو حرام ہے، البتہ قلیل مقدار کا استعمال دوا کے طور پر کیا جاسکتا ہے، تاہم زہر کے علاوہ اس کا اور کوئی متبادل تلاش کرتے رہنا چاہئے۔

③ ایسا زہر جس کے بارے میں گمان غالب ہو کہ اس سے موت واقع ہو جائے گی، کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے کہ اس کے استعمال سے موت واقع نہیں ہوتی، اس کا حکم بھی دو نمبر کی طرح ہے۔

④ اگر زہر اس قسم کا ہو کہ اس کے استعمال سے غالب گمان ہے کہ موت واقع نہیں ہوگی تاہم موت کا امکان ضرور ہے، یہ زہر اگر علاجا مفید ہو تو دوا کے طور پر اسے استعمال کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اسے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لغات: یتوجا میجا: (یاء اور جیم پر زبر): چھبری یا اور کوئی شے مارتا ہے۔ یتحسنا: وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر پئے گا۔ تودی: جو شخص پہاڑ سے گرا۔ سم: کی سین پر تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں اور خود کشی حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، حدیثوں میں اس بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّدَاوِي بِالْمُسْكِرِ

باب ۸: نشہ آور چیز سے علاج کرانے کی ممانعت

(۱۹۶۹) أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَأَلَهُ سُؤْيِدُ بْنُ طَارِقٍ أَوْ طَارِقُ بْنُ سُؤْيِدٍ عَنِ الْخَمْرِ فَتَنَاهَا عَنْهُ فَقَالَ إِنَّا نَشَدَاوِي بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهَا دَاءٌ.

ترجمہ: علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ اس وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے جب حضرت سوید بن طارق یا شاید طارق بن سوید نے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کو استعمال کرنے سے منع کر دیا انہوں نے عرض کی ہم اسے دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔

تشریح: ابواب الاشریہ کے شروع میں یہ حدیث گزری ہے کہ کل مسکر حرام: ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور حرام اور ناپاک چیز سے علاج کے بارے میں ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ ممنوع ہے لیکن اگر نشہ آور چیز میں علاج منحصر ہو اور دوسرا کوئی علاج معلوم نہ ہو تو مجبوری میں حرام اور ناپاک چیز سے بھی علاج کرانے کی گنجائش ہے اور شامی میں ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے۔

فائدہ: چار قسم کی شرابیں بالاتفاق ناپاک اور حرام ہیں، وہ چار یہ ہیں (۱) انگور کی کچی شراب (۲) اور انگور کی پکی شراب (۳) اور منقہ کی شراب (۴) اور کھجور کی شراب، ان کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، گھر میں رکھنا اور کسی کام میں لانا جائز نہیں۔

اور دیگر نشہ آور چیزوں میں سے جو خشک ہیں وہ پاک ہیں اور شدید ضرورت کے وقت علاج کے طور پر طبیب کے مشورہ سے اتنی مقدار کھانا جس سے نشہ نہ ہو درست ہے اور جو نشہ آور چیزیں سیال ہیں یعنی رقیق ہیں جن کو شراب کہتے ہیں، ان میں سے مذکورہ چار شرابیں تو قطعی حرام ہیں اور ان کے علاوہ کا حکم یہ ہے کہ بعض روایات سے ان کا بھی حرام اور نجس ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے ان کا پاک ہونا اور دواء کے طور پر اتنی مقدار میں پینا۔

نشہ آور چیز سے علاج کرنے کا حکم:

حرام چیز خواہ وہ نشہ آور ہو یا نہ ہو، عام حالات میں اس سے علاج کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر ایسی کوئی بیماری لگ جائے، جس

میں حلال اور پاک دوا کارگر نہیں ہے اور ہر ماہر مسلمان ڈاکٹر کی رائے ہے کہ حرام دوا کے استعمال سے فائدہ یقینی ہے، تو پھر بقدر ضرورت اسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس مسئلے کی مزید تفصیل ایک باب پہلے باب ماجاء فی شرب ابوالابلی میں ”حرام اشیاء سے علاج کرانے کا شرعی حکم“ کے تحت گزر چکی ہے، اسے دیکھ لیا جائے۔

مَا جَاءَ فِي السَّعُوطِ وَغَيْرِهِ

باب ۹: ناک میں دوا ٹپکانے وغیرہ علاج کا بیان

(۱۹۷۰) إِنْ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوطُ وَاللَّدُوْدُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ فَلَمَّا اشْتَكَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَدَا أَصْحَابَهُ فَلَمَّا فَرَّغُوا قَالَ لَدُوْدُهُمْ قَالَ فَلَذُوا كُلُّهُمْ غَيْرَ الْعَبَّاسِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہم لوگ جو علاج کے طریقے استعمال کرتے ہیں ان میں ناک میں دوا ڈالنا منہ کے ایک طرف سے دوائی پلانا پچھنے لگوانا اور اسہال سب سے بہترین طریقے ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کے گھر والوں نے آپ ﷺ کے منہ میں دوائی ڈالی جب وہ لوگ اس سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ان سب کے منہ میں دوائی ڈالو۔ راوی بیان کرتے ہیں پھر ان سب کے منہ میں دوائی ڈالی گئی صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے منہ میں نہیں ڈالی گئی۔

(۱۹۷۱) إِنْ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ وَخَيْرُ مَا أَكْتَحَلْتُمْ بِهِ إِلَّا تُمِدُّ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ قَالَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَهُ مَكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: تم لوگ جو علاج کرتے ہو ان میں سب سے بہترین منہ میں دوائی پلانا ہے ناک میں دوائی ڈالنا ہے پچھنے لگوانا ہے اور اسہال (کی دوائی دینا) ہے تم لوگ سرے کے طور پر جو چیز آنکھ میں ڈالتے ہو اس میں سب سے بہترین اشد ہے یہ نظر کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے آپ ﷺ سوتے وقت سرمہ لگایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ہر آنکھ میں تین مرتبہ سرمہ ڈالتے تھے۔

اعترافات وجوابات: آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے علاج کے لئے فرمایا کہ بہترین دوا سعوط، لدود، حجامہ اور مشی ہے، چنانچہ حضور ﷺ جب بیمار ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے منہ میں دوا ٹپکائی بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اشارہ سے منع فرمایا چونکہ آپ نے لدود کی تعریف فرمائی اس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے لدود کیا کہ شاید آپ کو اس سے افاقہ ہو جائے مگر جب لوگ اس سے فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ جنہوں نے میرے منہ میں دوا ٹپکائی ہے ان سب کے منہ میں بھی دوا ٹپکائی جائے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب کے منہ میں دوا ٹپکائی گئی اس پر سوال ہوتا ہے کہ آپ نے ان سب کے منہ میں دوا

پکانے کا حکم کیوں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل آپ نے اگرچہ لدود کی تعریف فرمائی تھی مگر آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اس مرضی میں میری وفات ہونے والی ہے، لہذا لدود سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لئے آپ نے اشارہ کر کے منع فرمادیا تھا جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے فاشاران لاتدونی، لہذا صحابہ رضی اللہ عنہم کو لدود نہیں کرنا چاہئے تھا مگر انہوں نے یہ سمجھ کر کہ شاید آپ ٹھیک ہو جائیں بیمار تو اس طرح کا عذر کرتا ہی ہے لدود کر دیا گیا گویا یہ ایک قسم کی نافرمانی پائی گئی اس پر تعزیراً آپ نے حکم دیا کہ ان کے منہ میں دوا پکائی جائے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل آپ کو جو بیماری تھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو ذات الجنب کی بیماری خیال کیا اور اس کے لئے لدود تجویز کر لیا حالانکہ یہ وہ بیماری نہ تھی اس وجہ سے آپ نے ان کو لدود سے منع فرمایا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ شاید آپ طبعاً دوا سے کراہت فرما رہے ہیں اس وجہ سے لدود کر دیا اس پر آپ نے قصداً صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی لدود کرایا تاکہ دنیا ہی میں ان کو اس کی سزا مل جائے اور آخرت میں اس کے بدلے سے بچ جائیں گے مگر اصح قول یہ ہے کہ آپ نے انتقاماً لدود نہیں کرایا بلکہ تعزیراً لدود کرایا تھا۔

اعتراض: غیر عباس رضی اللہ عنہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لدود کرنے کا حکم آپ نے نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ بوقت لدود حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے کہا و رد فی مسلم لفظہ فائدہ لہد یشہد کہ، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ ابن اسحاق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لدود کا حکم کرنے والے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی تھے کہا و رد فی روایۃ فلما افاق قال من صنع هذا بی قالوا یا رسول اللہ عمک، اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے امر تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کیا ہو مگر بوقت لدود حاضر نہ ہوں اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہوا اور قاعدہ ہے کہ مرتکب کے ہوتے ہوئے متشبہ پر مواخذہ نہیں ہوتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے چچا ہیں جو بمنزلہ باپ کے ہیں کہا و رد فی روایۃ عم الرجل صنوا بیہ آپ نے تعظیماً و تکریماً ان کے لدود نہیں کرایا مگر اشکال یہ ہے کہ اگر یہ لدود تعزیراً من اللہ ہو تو پھر تعزیر مانع تعظیم نہیں ہوتی اس میں جلیل و حقیر سب برابر ہیں بعض حضرات نے فرمایا دراصل حضرت عباس رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے اس لئے ان کو مستثنیٰ فرمادیا مگر اس پر یہ وہم ہوتا ہے کہ افطار کے بعد یا ایک دو دن میں تعزیراً لدود ہو سکتا تھا اس لئے کہ عذر کی بناء پر تعزیر میں تاخیر جائز ہے نیز بعض از وارج مطہرات (حفصہ رضی اللہ عنہ) کو باوجود صائمہ ہونے کے لدود کیا گیا کہا و رد فی روایۃ۔

لغات: الاثمد: بکسر الهمزة وسکون المثلثة وکسر المیم، یہ ایک قسم کا پتھر ہے جو سرنخی کی طرف مائل ہوتا ہے، عربی بلاد میں ہوتا ہے، سب سے بہتر وہ پتھر ہے جو اصفہان سے لایا جاتا ہے قالہ الحافظ، بعض نے فرمایا وہ اصفہانی سرمہ ہے جو آنکھوں کی صحت و قوت کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے بالخصوص بوڑھوں اور بچوں کے لئے زیادہ مفید ہے۔

الشعر: بفتح الشین والعین المہملۃ ویجوز اسکان الشین اس سے مراد پلک ہیں جو آنکھوں کے اوپر بال ہوتے ہیں جن سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ مکحلة: بضم المیم وفتح الحاء وینہما ساکنۃ اسم آلہ الکحل و ہوا لیل مگر یہاں مراد سرمہ دانی ہے، یجلو: ماخوذ من الجلاء از باب نصر: آنکھوں کو خوبصورت کرنا، روشن کرنا۔

سرمہ کے فوائد اور اس کے استعمال کی تاکید:

نبی کریم ﷺ نے سرمہ استعمال کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس کے فوائد بیان کئے ہیں کہ اس سے آنکھوں کی بیماری دور

ہوتی ہے، آنکھوں کی بینائی بڑھتی ہے، اس سے پلکوں کے بال بڑھتے ہیں جس سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے، اس لئے خود حضور ﷺ نے سرمہ مستقل طور پر استعمال فرمایا ہے، جیسا کہ روایت مذکورہ میں فرمایا کہ آپ ﷺ کی سرمہ دانی تھی جس سے آپ تین تین بار آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ سرمہ لگاتے وقت وتر کا خیال رکھو۔

سرمہ لگانے کا طریقہ:

اول: یہ ہے کہ دونوں آنکھوں میں تین، تین سلائی سرمہ لگایا جائے۔
دوم: دونوں آنکھوں میں ملاطاف بار ہو یعنی ایک آنکھ میں تین مرتبہ اور دوسری میں دو مرتبہ داہنی آنکھ سے شروع کرنا اور داہنی پر ختم کرنا یہ مستحب ہے۔

فائدہ: ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سرمہ لگانے کی دو صورتیں ہیں اول زینت کے لئے دوم منفعت کے لئے، اگر منفعت کے لئے ہو تو اس کے لئے آپ ﷺ کا معمول اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ روزانہ رات کے وقت سرمہ لگانا زیادہ بہتر و نافع ہے چونکہ سرمہ لگانے کے بعد آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور آنکھ میں سرمہ زیادہ دیر تک رہتا ہے جس سے تمام گرد و غبار اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے۔

مذہب فقہاء: ① امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے سرمہ لگانا مکروہ ہے مگر تداوی و معالجہ کے لئے مباح ہے کیونکہ حضور ﷺ نے علاج کی تاکید فرمائی ہے،

② جمہور فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے بھی بغیر علاج جائز ہے البتہ نیت اس میں اتباع سنت کی ہو اگر اس کے ساتھ کوئی دنیوی منفعت بھی حاصل ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے اور اگر تزئین مقصود ہو اور دن میں لگایا جائے تو مکروہ غالباً امام مالک رحمہ اللہ کے قول کا محمل بھی یہی ہے۔

فائدہ: ① دماغی بیماریوں کے لئے ناک میں دوا ڈالنا بہترین علاج ہے، رہی یہ بات کہ کس دماغی بیماری میں کون سی دوا ناک میں چکائی جائے، یہ بات لوگ جانتے تھے، اس لئے حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں آیا اور آج بھی بہت سے لوگ جانتے ہیں یا طب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کے مطابق حکیم علاج کرتے ہیں۔

② اور نمونیا وغیرہ میں زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دوا ڈالتے ہیں، اس کا نام لدود ہے، یہ بھی بہترین طریقہ علاج ہے۔

③ سینگ لگانا فساد خون کا بہترین علاج ہے، مگر گرم خشک ممالک ہی میں یہ علاج مفید ہے، بارد اور مرطوب خطوں میں یہ علاج مفید نہیں، جب خون میں زیادتی ہوتی ہے تو جسم کی خاص حصوں میں سینگ لگاتے ہیں اور خون چوس کر نکالتے ہیں، اس سے خون کا پریش کر ہو جاتا ہے اور خون کی بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

④ مسہل لینا بھی بہترین طریقہ علاج ہے مگر لوگ اس کی اہمیت نہیں جانتے، حالانکہ مہینہ میں ایک مرتبہ کوئی ہلکا مسہل لیا جائے تو پیٹ صاف ہو جائے گا اور معدہ کی بیماریوں سے حفاظت ہو جائے گی۔

لعنات: السعوط: (بح السین) اسم ہے، ناک میں ڈالنے کی دوا، اور السعوط (بضم السین) مصدر ہے۔ سعط الدواء: ناک میں دوا چڑھانا (یہ فرق الطہود اور الطہود کی طرح ہے) لدود (بفتح اللام) اسم ہے، منہ زبان کی ایک جانب سے ڈالنے کی دوا،

لِدَوْدَ (بضم اللام) مصدر ہے، لد المریض: بیمار کی زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دوا ڈالنا۔ الحجامۃ: پچھنے لگانا، سینگ لگانا، یعنی سینگ کے ذریعہ خراب خون چوسنا۔ المشی: مسہل دوا، امشی الدواء فلائاً: دوا سے کسی کو دست آنا، استمشی فلان اور استمشی بالدوا: مسہل (دست آور) دوا لینا، جلاک لینا۔ تداوی: دوا لینا، اپنا علاج کرنا۔ جلا یجلو بصرہ بالکحل: نگاہ کو سرمہ سے صاف کرنا، جلا دینا۔ المکحلة: سرمہ دانی، اکتحل الرجل: سرمہ لگانا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْكَيِّ

باب ۱۰: گرم لوہے سے داغنے کی ممانعت

(۱۹۷۲) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْكَيِّ قَالُ قَابِثُ لَيْنَا فَا كَتَوْنَا فَمَا أَفْلَحْنَا وَلَا أُنْجَحْنَا.

ترجمہ: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے داغ لگوانے سے منع کیا ہے۔
راوی بیان کرتے ہیں: جب ہم بیمار ہوئے ہم نے (علاج کے طور پر) داغ لگوائے لیکن بیماری سے چھٹکارا نہیں ملا اور ہم کامیاب نہیں ہوئے۔

(۱۹۷۳) قَالَ نُهِينَا عَنِ الْكَيِّ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمیں داغ لگوانے سے منع کیا گیا ہے۔
امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے احادیث منقول ہیں۔

تشریح: الکئ، الکئیۃ مصدر ہیں، کواہ یکوی: لوہا تپا کر کھال کو داغنا، اسی سے کپڑوں کی پریس کو المکواة کہتے ہیں۔
داغ لگا کر علاج کرانے کا شرعی حکم؟

گزشتہ زمانہ میں کچھ بیماریوں کا علاج داغنا تھا، اور یہ نہایت تکلیف دہ علاج تھا، اگرچہ من کرنے والی دوا لگا کر داغنتے تھے مگر جب من کرنے والی دوا کا اثر ختم ہو جاتا تھا تو بے چین کرنے والی تکلیف شروع ہو جاتی تھی۔ اس لئے نبی ﷺ نے علاج کے اس طریقہ سے منع فرمایا اور مکروہ ہے۔

پہلے باب میں ممانعت کی روایت ہے، مگر آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ اس طریقہ سے علاج کیا بھی ہے، دوسرے باب میں یہ روایت ہے، پس نہایت سخت مجبوری ہو لیکن اگر کسی مرض کا اور کوئی علاج مفید نہ ہو اور ماہر مسلمان ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ اس مرض کا آخری علاج صرف ”داغنا“ ہی ہے اور اس سے فائدہ بظاہر یقینی ہے تو پھر داغنے کا علاج بغیر کسی کراہت کے درست ہوگا۔ کیونکہ علاج سنت ہے مگر کوئی خاص طریقہ علاج سنت نہیں، اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخَصَةِ فِي ذَلِكَ

باب ۱۱: گرم لوہے سے داغنے کی اباحت

(۱۹۷۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَوَىٰ أَسْعَدَ بْنَ زُرَّارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پھوڑے پر داغ لگوا دیا تھا۔

(۱۹۷۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَوَاهُ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے نبی اکرم ﷺ نے انہیں داغ لگوائے تھے۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”کئی“ کے بارے میں دو باب قائم کئے ہیں پہلے باب میں اسے استعمال کرنے کی کراہت کا ذکر ہے جبکہ دوسرے باب میں علاج کے اس طریقے کے رخصت اور اجازت کا بیان ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں روایات دونوں طرح کی ہیں،

روایات اباحت و رخصت:

بعض روایات میں نبی کریم ﷺ نے داغ کے ذریعہ علاج کرانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے پہلے باب میں روایات ذکر فرمائی ہیں، آپ نے یہ طریقہ علاج پسند نہیں فرمایا، اس طرح کی روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، دوسری طرف وہ روایات ہیں جن میں داغ کے ذریعے علاج کی اجازت کا ذکر ہے، جیسا کہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے دوسرے باب میں روایت ذکر کی ہے صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر جابر کو داغ لگایا تھا، ایسے ہی طلحہ کو عہد رسالت میں نمونہ کی وجہ سے داغ لگایا گیا، دیگر بہت سے واقعات ہیں جن میں بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے داغ لگانے کا ذکر ہے، ان تمام روایات سے اباحت اور جواز معلوم ہوتا ہے، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے۔

- (۱) ممانعت کی احادیث سے خلاف اولیٰ اور مکروہ مراد ہے جبکہ اس مرض کا اور کوئی بہتر علاج موجود ہو۔
- (۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”داغ لگانا“ دو طرح کا ہوتا ہے۔ کی الصحیح: تندرست آدمی جسے کوئی مرض نہ ہو، حفاظت کے طور پر پیشگی ”داغ“ لگوائے تو یہ ممنوع ہے، اسی کے بارے میں کہا گیا ہے: لحد یتوکل من اکتوی (جو داغ لگائے، وہ متوکل نہیں)۔

کی الجرح: وہ شخص جو واقعی کسی مرض میں مبتلا ہو یا کسی زخم سے دوچار ہو، جس کا علاج ”داغ“ کے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر اس میں کوئی ممانعت اور کراہت نہیں ہے۔

- (۳) ممانعت کا حکم اس رسم سے متعلق ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھی، اہل عرب داغنے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اس میں

اس قدر مبالغہ تھا کہ کسی ڈاکٹر اور طبیب سے مشورہ کے بغیر ہر مرض کے لئے داغنے کو ضروری قرار دیتے تھے، اسی وجہ سے یہ مجاورہ کہا جانے لگا: اخو لدواء الکی (آخری علاج داغنا ہے) لیکن ان کا یہ طریقہ درست نہیں تھا کیونکہ ہر مرض کے لئے یہ طریقہ علاج مفید نہیں، نیز اہل عرب اس طریقے سے داغنے تھے کہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا تھا، یوں اس مریض کو گویا عذاب دیا جاتا تھا، اس طریقہ کار سے اسلام نے منع کیا۔

حدیث: انس رضی اللہ عنہ فی الباب ان النبی ﷺ کو ی اسعد بن زرارۃ من الشوکتہ، حدیث جابر رضی اللہ عنہ اخرجه مسلم، و حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ ان کے علاوہ اور بھی آثار ہیں۔

روایت کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو داغ لگوانے سے منع فرمایا مگر ہم نے داغ لگوا دیا تو کامیابی نہ ہوئی، دراصل آپ ﷺ نے بلا ضرورت شدیدہ داغ سے منع فرمایا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غیر ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہوئے داغ لگوا لیا تو شفاء نہ ہوئی ورنہ آپ کے منع فرمانے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخالفت کا تصور نہیں ہو سکتا بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر کا مرض تھا ان کے لئے داغ لگوانا مضر تھا حضور ﷺ نے خاص طور پر ان کو منع فرمایا تھا جب مرض زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے مجبوراً داغ لگوا لیا مگر شفاء نہ ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِجَامَةِ

باب ۱۲: پچھنے لگوانے کا بیان

(۱۹۷۶) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَاحْدَى وَعِشْرِينَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سر کی دونوں جانب میں اور کندھے کے درمیان والے حصے میں پچھنے لگوائے ہیں آپ ﷺ نے یہ عمل سترہ انیس یا اکیس تاریخ کو کیا تھا۔

(۱۹۷۷) حَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ لَيْلَةَ أُسْرَى بِهِ أَنَّهُ لَمْ يَمُرَّ عَلَى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا أَمَرُوهُ أَنْ مَرَّ أَمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنا معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی آپ ﷺ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرے انہوں نے آپ ﷺ سے صرف یہی گزارش کی کہ آپ ﷺ اپنی امت کو (علاج کے طور پر) پچھنے لگوانے کی ہدایت کریں۔

(۱۹۷۸) كَانَ لِابْنِ عَبَّاسٍ غِلْمَةٌ ثَلَاثَةٌ حَجَّامُونَ فَكَانَ اثْنَانِ يُغْلَانِ عَلَيْهِ أَهْلُهُ وَوَاحِدٌ يَحْجِمُهُ وَيَحْجِمُ أَهْلَهُ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نِعْمَ الْعَبْدُ الْحَجَّامُ يَذْهَبُ بِالْذَّمِّ وَيُخَفُّ الصَّلْبُ وَيَجْلُوا عَنِ الْبَصَرِ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَحَيْثُ عَرَجَ بِهِ مَأْمَرٌ عَلَى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ

وَقَالَ إِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُونَ فِيهِ يَوْمَ سَبْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمَ أَحَدَى وَعِشْرَيْنِ وَقَالَ إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوطُ وَاللَّدُودُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشْيُ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَدَةُ الْعَبَّاسِ وَأَصْحَابُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَدَنِي فَكُلُّهُمْ أُمْسَكُوا أَفَقَالَ لَا يَبْقَى أَحَدٌ مِّنْ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لَدَغِي عَمِيهِ الْعَبَّاسِ قَالَ النَّصْرُ اللَّدُودُ الْوَجُورُ.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تین غلام تھے جو کچھ لگایا کرتے تھے ان میں سے دو اجرت پر کام کرتے تھے ایک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کو کچھ لگانے کے لیے مخصوص تھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کچھ لگانے والا غلام بہترین ہوتا ہے جو خون نکال دیتا ہے اور پشت کو ہلکا کر دیتا ہے اور نظر کو صاف کر دیتا ہے۔ انہوں نے یہ بات بھی بیان کی ہے جب نبی اکرم ﷺ معراج کے لیے تشریف لے گئے آپ ﷺ کا گزر فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی ہوا انہوں نے آپ ﷺ سے یہی گزارش کی (آپ ﷺ اپنی امت سے یہ کہیں) تم لوگ کچھ لگوا دیا کرو۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بھی بیان کی ہے کچھ لگانے کی بہترین تاریخ سترہ تاریخ ہے انیس تاریخ ہے یا اکیس تاریخ ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم لوگ جو علاج کرتے ہو ان میں سے بہتر ناک میں دوا ڈالنا ہے منہ میں دوا ڈالنا ہے کچھ لگوانا ہے اور اسہال (کی دوا دینا ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات بھی بیان کی ہے ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے نبی اکرم ﷺ کی بیماری کے دوران زبردستی آپ ﷺ کے منہ میں دوا ڈالی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا گھر میں موجود ہر شخص کے منہ میں دوا ڈالی جائے البتہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس کے منہ میں نہ ڈالی جائے۔

نصر نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے لدود کا مطلب منہ کے ایک طرف سے دوائی پلانا ہے۔
تشریح: سینگ لگوانا فساد خون کا بہترین علاج ہے: رہی یہ بات کہ سینگ جسم کے کس حصہ میں لگائی جائے؟ اور کن بیماریوں میں لگائی جائے؟ اور کن تاریخوں میں لگائی جائے؟ یہ باتیں اس فن کے ماہرین جانتے ہیں۔

کچھ لگانے کے مناسب اوقات:

اس باب کی احادیث میں کچھ لگانے کی ترغیب کو بیان کیا گیا ہے اور اس کا کہ سینگ کس دن اور کن اوقات میں لگانا زیادہ موزوں اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں جسم سے زائد خون نکالنے کا یہی طریقہ رائج تھا، عرب کا علاقہ چونکہ آب و ہوا کے لحاظ سے گرم ہے، وہاں کے لوگوں کی غذا بہت مقوی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان کے بدن میں خون کی فراوانی ہو جاتی، پھر سینگ کے ذریعہ اس خون کو نکالا جاتا، تاکہ جسم سے بھاری پن، سستی اور مختلف امراض سے بچاؤ ہو سکے، کیوں کہ اطباء نے اپنے تجربات کی روشنی میں لکھا ہے کہ بدن کے مختلف حصوں پر مختلف بیماریوں کے لئے کچھ لگانا نہایت ہی مفید ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے بھی ایک سے زیادہ بار جسم کے مختلف مقامات پر سینگ لگوائی ہے، آپ کے صحابہ کے ہاں بھی یہ طریقہ علاج عام تھا، اس لئے کسی ماہر مسلمان ڈاکٹر سے مشورہ کے بعد آج بھی اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو بہر حال مفید ہوگا۔

یوں تو یہ سیٹگی ضرورت کے وقت کسی بھی وقت اور کسی بھی دن اور تاریخ میں لگائی جاسکتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے رات کے وقت اور روزے کی حالت میں بھی پچھنے لگوانا ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سیٹگی کسی بھی وقت لگوائی جاسکتی ہے تاہم احادیث میں خاص طور پر ان اوقات اور ایام کو بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں اگر سیٹگی لگائی جائے تو اس کا فائدہ عام اوقات اور ایام کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ حدیث میں مہینے کی سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو پچھنے لگانا زیادہ بہتر قرار دیا ہے، اسی طرح جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار اور پیر کے دن پچھنے لگوانے چاہئیں، بدھ اور ایک روایت میں منگل کے دن اس کی ممانعت آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: منگل کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں جاری ہونے والا خون بند نہیں ہوتا۔

فائدہ: ”حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اطباء کے ہاں دن کے دوسرے اور تیسرے حصے میں پچھنے لگانا زیادہ بہتر اور فائدہ مند ہوتا ہے، غسل اور ہمبستری کے بعد پچھنے لگانا درست نہیں، ایسے ہی زیادہ بھوک یا زیادہ شکم سیری کی حالت میں بھی ٹھیک نہیں، مہینہ کے آخری پندرہ دنوں میں یہ لگائے جائیں، چودہ تاریخ سے 23 تاریخ تک کے دن اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوتے ہیں کیونکہ جسم کے اخلاط (خون، سودا، اصغر اور بلغم) میں مہینے کی ابتداء میں ہیجان اور جوش ہوتا ہے جبکہ مہینے کے آخر میں یہ سکون ہوتے ہیں اس لئے درمیان کا عرصہ بہتر ہے کیونکہ وہ اخلاط کے اعتدال کا زمانہ ہوتا ہے۔

باب کی پہلی حدیث نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگوانے کا ذکر ہے کہ آپ نے گردن کی دونوں طرف کی پوشیدہ رگوں اور کندھے پر پچھنے لگوائے، اور آپ ﷺ سترہ، انیس، اور اکیس تاریخ میں لگواتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو فرشتوں کی جس جماعت کے اس سے آپ کا گزر ہوتا تو وہ آپ سے گزارش کرتے کہ اپنی امت کو پچھنے لگانے کا حکم دے دیجیے۔ اس میں لفظ ”مُر“ کو کہ صیغہ امر ہے، لیکن اس سے وجوب مراد نہیں بلکہ استعجاب مراد ہے کہ سیٹگی کے یہ خون کا نکالنا بہتر اور مستحب ہے، ضروری نہیں، البتہ اگر کوئی مرض ایسا ہو کہ اس کا علاج سیٹگی لگائے بغیر نہ ہو سکتا ہو تو پھر پچھنے لگوانا شرعاً ضروری ہو جاتا ہے۔

فائدہ: پچھنے لگوانا ان لوگوں کے لئے مفید ہوتا ہے جن کے مزاج میں حرارت ہو، برودت نہ ہو، لہذا جن لوگوں کے مزاج میں ٹھنڈک زیادہ ہو، حرارت نہ ہو، ان کے لئے پچھنے لگوانا زیادہ مفید نہیں، چنانچہ امام طبری نے سند صحیح کے ساتھ ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ”جب آدمی کی عمر چالیس سال کو پہنچ جائے تو پچھنے نہ لگائے جائیں“ کیونکہ اس کی طبیعت میں کمزوری اور ضعف شروع ہو چکا ہے، اب ہر دن اس کا قدم مزید بڑھاپے کی طرف بڑھ رہا ہے، اب اگر اسے سیٹگی لگائی گئی تو اس کا ضعف اور بڑھ جائے گا، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس عمر میں اسے پچھنا نہ لگایا جائے۔

لغات: الحجامۃ: پچھنے لگانا یعنی سیٹگی کے ذریعہ خراب خون چوسنا۔ یحتجم: آپ ﷺ پچھنے لگواتے تھے۔ احدعین: یہ تشبیہ ہے اخذ عکا: گردن کے دونوں طرف دو پوشیدہ رگیں۔ الکاهل: کندھا۔ اسری بہ: (ماضی مجہول کا صیغہ ہے) آپ ﷺ کورات کے وقت لے جایا گیا۔ حجامون: حجام کی جمع ہے: پچھنے لگانے والے۔ یغلان: وہ دونوں پچھنے لگا کر (حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل و عیال کے پاس) آمدنی لاتے ہیں۔ یحجم: وہ پچھنے لگاتا ہے۔ نضر کہتے ہیں کہ لدود اور وجور دونوں ہم معنی ہیں یعنی منہ کی ایک جانب دواؤ الناجبکہ بعض حضرات نے ان میں فرق بیان کیا ہے کہ لدود کے معنی تو یہی ہیں اور ”وجور“ اس دوا کو کہا جاتا ہے جو گلے میں

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّادَوِي بِالْحِنَاءِ

باب ۱۳: مہندی سے علاج کرنا

(۱۹۷۹) مَا كَانَ يَكُونُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ إِلَّا أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَضَعَّ عَلَيْهَا الْحِنَاءَ.

ترجمہ: علی بن عبید اللہ اپنی دادی کا یہ بیان نقل کرتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتی تھیں وہ فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ کو جب بھی کوئی زخم وغیرہ لگ جاتا تو آپ مجھے یہ ہدایت کرتے تھے کہ میں اس پر مہندی لگا دوں۔

تشریح: مہندی: انار جیسا ایک درخت ہے، اس کے پتے سنا کے پتوں کے مشابہ ہیں، ان کو پیس کر عورتیں ہاتھوں پر لگاتی ہیں جس سے سرخ رنگ پیدا ہوتا ہے، اس کا مزاج سرد اور گرم دو جواہروں سے مرکب ہے، جن میں گرم جو ہر غالب ہے، مگر سرد جو ہر کی قوت بہت جلد نمایاں ہوتی ہے اور اس کا مزاج سرد خشک بیان کیا جاتا ہے، مہندی مُسکن الم اور مخفف ہے، درموں کو تحلیل کرتی ہے، مدربول اور مصفی خون ہے، اس کو پانی میں پیس کر ہاتھ پاؤں کی سوزش کو رفع کرنے کے لئے ہتھیلی اور تلوؤں پر لگاتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف بیماریوں میں مختلف طرح سے استعمال کی جاتی ہے۔ (مخزن مفردات، کتاب الادویہ)

مہندی سے زخموں کا علاج:

مہندی کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے، اس لئے یہ زخم کی حرارت اور درد کو کم کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زخم کے علاج کے لئے مہندی کا استعمال فرماتے تھے، مہندی خارش، بدن کی سوزش اور پیروں کے تلوؤں کے لئے بھی نافع ہوتی ہے اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کی خارش کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے، بسا اوقات انگلیوں کے درمیان جو کھال گلنے لگتی ہے، اس کے لئے بھی یہ مفید ہوتی ہے۔

راوی کا تعارف: اس حدیث کو حضرت سلمیٰ بنتیہؓ سے ان کے پوتے عبید اللہ بن علی بن ابی رافعؓ روایت کرتے ہیں، بعض راویوں نے ان کا نام الٹ کر علی بن عبید اللہ کر دیا ہے، یہ صحیح نہیں اور غلط فہمی کی وجہ یہ بنی کہ حضرت ابو رافعؓ کے ایک صاحبزادے عبید اللہ نامی بھی تھے جو حضرت علیؓ کے سکرٹری تھے، لوگوں نے اس علی کو ان کا لڑکا قرار دے دیا، حالانکہ حضرت ابو رافعؓ کے علی نامی بھی ایک لڑکے تھے جن کے عبید اللہ نامی یہ لڑکے ہیں، پھر ان سے فوائد روایت کرتے ہیں جو ابو رافع کے خاندان کے آزاد کردہ ہیں، امام ترمذیؒ نے پہلے شاگرد حماد کی سند لکھی ہے جس میں علی بن عبید اللہ ہے جو صحیح نہیں، پھر فائدہ کے دوسرے شاگرد زید بن حبابؓ کی سند پیش کی ہے جس میں صحیح نام عبید اللہ بن علی ہے۔

لغات: الحناء: مہندی، مہندی کے پتے۔ قرحہ: زخم جو تلو اور چھری سے ہو۔ نكبة: وہ زخم جو پتھر کاٹنے کی وجہ سے ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّقِيَّةِ

باب ۱۴: جھاڑ پھونک کی ممانعت

(۱۹۸۰) مَنْ اِكْتَوَىٰ اَوْ اِسْتَوٰى فَقَدْ بَرِيَ عَمَّنِ التَّوَكُّلِ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے داغ لگوا یا یادم کروا یا وہ توکل سے بری الذمہ ہو گیا۔

تشریح: من اکتوی... من التوکل اس کے دو مطلب ہیں: ① جو شخص بغیر کسی ضرورت اور مجبوری کے اسباب صحت میں خوب مبالغہ کرتا ہے یا وہ جو اپنی بیماریوں کو جھاڑ پھونک کے ایسے کلمات سے دور کرنے میں مبالغہ کرتا ہے جو کلمات نہ تو کتاب اللہ کے ہیں، نہ اللہ تعالیٰ کے اسماء یا صفات میں سے ہیں اور نہ ہی مسنون اذکار ہیں تو ایسا شخص توکل کے مقام سے گر جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کے بجائے اسباب پر جمی ہوئی ہے، وہ اسباب و ذرائع اختیار کرنے میں زیادہ منہمک ہے، حالانکہ مومن کے ایمان کامل کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی نظر ہر معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو اور اسباب پر صرف ذرائع کی حد تک ہو، اس لئے امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے وقت دروازے پر تالہ لگائے اور اس کے باوجود پڑوسی کو بھی خیال رکھنے کی تاکید کرے تو ایسا شخص متوکل لوگوں کی فہرست سے نکل جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر اسباب پر مبالغہ کی حد تک پہنچ چکی ہے جو مقام توکل کے بہر حال منافی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عام مسلمانوں کو امراض و آفات کے دفعیہ کے لئے اسباب و ذرائع اختیار کرنے چاہئیں، یہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کے منافی نہیں جبکہ انہیں مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے، ہاں اگر کوئی شخص ولایت اور بزرگی کے بلند مقام پر اس طرح پہنچ جائے کہ دنیا کے ساز و سامان اور اسباب سے بالکل اعراض کرتا ہو، دنیا کی کسی چیز کے ساتھ اس کا لگاؤ نہ ہو تو ایسا شخص اسباب و ذرائع اختیار کرنے سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے، یہ توکل کا سب سے اعلیٰ مقام ہوتا ہے جو ہر شخص کو حاصل بھی نہیں ہوتا، ایک روایت کے مطابق ایسے ستر ہزار لوگوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا یہ لوگ امراض کے علاج کے لئے نہ تو داغ لگواتے تھے اور نہ جھاڑ پھونک کراتے، محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور توکل کرتے رہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس مقام کو حاصل کرنے کا انسان مکلف نہیں ہے اور ویسے بھی اس زمانے میں امراض وغیرہ میں ترک اسباب کیا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ طبیعتوں میں کمزوری اور ضعف غالب ہے، اس لئے احکام شریعت پر اعتدال کے ساتھ عمل کرتے رہنا چاہئے اور امراض وغیرہ سے دفاع کے لئے اسباب کی حد تک علاج وغیرہ ضرور کرایا جائے لیکن نظر ہر موقع پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی رہے کیونکہ وہی ہر مرض سے شفاء اور ہر غم سے نجات دینے والے ہیں، ہر موقع پر اسی کو پکارا جائے اور اسی سے مانگا جائے، یہی چیز دنیا اور آخرت میں کامیابی کا باعث ہے۔

② بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص یہ نظریہ رکھے کہ بیماری سے شفاء اور صحت ان دو چیزوں یعنی

داغنے اور جھار پھونک کرانے میں ہی منحصر ہے، صرف انہی سے ہی شفاء حاصل ہوتی ہے تو ایسا شخص توکل سے بری ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی سبب کے بغیر بھی شفا دینے پر قادر ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

باب ۱۵: جھاڑ پھونک کی اجازت

(۱۹۸۱) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَخَّصَ فِي الرُّقِيَّةِ مِنَ الْحُمَةِ وَالْعَيْنِ وَالْثَّمَلَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بچھو کے کاٹنے اور پھوڑے پھنسیوں میں دم کرنے کی اجازت دی ہے۔

(۱۹۸۳) لَا رُقِيَّةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دم صرف نظر لگنے کی صورت میں اور بچھو کے کاٹنے کی صورت میں کیا جاسکتا ہے شعبہ نے اس روایت کو حصین کے حوالے سے شعبی کے حوالے سے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: دونوں بابوں کی تشریح: دم اور جھاڑ پھونک کے بارے میں روایات چونکہ دونوں طرح کی ہیں، بعض سے اس کا جواز جبکہ دوسری بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، اس لئے امام ترمذی نے یہاں دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں ان روایات کا ذکر ہے جن سے جھاڑ پھونک کی کراہت اور دوسرے باب کی احادیث سے اس کی اجازت ثابت ہوتی ہے، پس اس رخصت کو پہلے باب کی وجہ ممانعت کے تناظر میں دیکھنا ہوگا یعنی پہلے باب کی حدیث میں نہی کی وجہ ہوگی جواز کی حدیث میں اس وجہ کی نفی رخصت کی علت ہوگی۔

- (۱) ممانعت کی روایات اس جھاڑ پھونک سے متعلق ہیں جس کے الفاظ غیر عربی ہوں اور ان کے معنی معلوم نہ ہوں کیونکہ اس میں بسا اوقات کفر کا اندیشہ ہوتا ہے اور جواز والی احادیث سے وہ دم مراد ہے جو قرآنی آیات یا منقول کلمات اور اذکار سے کیا گیا ہو۔
- (۲) جھاڑ پھونک کی حرمت ان لوگوں سے متعلق ہے جو اسے موثر بالذات اور سبب حقیقی سمجھتے ہوں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا نظریہ یہ تھا، چونکہ جھاڑ پھونک سے علاج میں کامیابی کی صورت میں آدمی کا عقیدہ کچھ نہ کچھ متزلزل ہونے کا قوی اندیشہ رہتا ہے اگرچہ خواص اس سے محفوظ رہتے ہیں مگر عوام بیچارے تو فائدے کو دیکھتے ہیں اور ظاہری فائدہ جس چیز سے حاصل ہوتا ہے عوام اسی کو مفید بلکہ موثر سمجھنے لگتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ یہ ظن غلبہ اختیار کرتا رہتا ہے اس لئے پہلے باب کی حدیث میں ان دونوں سے روکا گیا، پس مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ کامل توکل سے محروم ہو جاتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بغیر اضطراب اور ضرورت کے ایسا کرے گا تو وہ توکل میں نقصان اٹھائے گا یا پھر یہ روایت اس وقت سے متعلق ہے جب لوگ نئے نئے مسلمان ہو رہے تھے اور قرآنی تعلیمات ابھی ابتدائی حالت میں تھیں جب لوگوں نے عقائد کی تفصیل معلوم کر لی تو پھر یہ حکم منسوخ ہوا

علیٰ ہذا اس ممانعت کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن دوسرے میں اس کی رخصت بیان ہوئی ہے

جھاڑ پھونک کا شرعی حکم:

دم اور جھاڑ پھونک شرعاً جائز ہے جبکہ اس میں تین شرطیں پائی جائیں:

- (1) یہ جھاڑ پھونک قرآن مجید کی کسی آیت یا اللہ تعالیٰ کے اسماء یا صفات میں سے کسی سے کیا جائے۔
- (2) یہ کلمات عربی زبان میں ہوں، جن کے معنی معلوم اور شریعت کے موافق ہوں، یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہوں لیکن ان کا مفہوم واضح ہو اور شریعت کے خلاف نہ ہو، لہذا ایسے کلمات جو کفر و شرک کے معنی پر مشتمل ہوں یا جو بے معنی اور غیر واضح ہوں ان سے دم کرنا جائز نہیں۔ البتہ بعض ایسے دم اور منتر جن کے الفاظ و کلمات صحیح احادیث میں منقول ہیں لین ان کے معنی اور مفہوم معلوم نہیں ہیں تو ان کے ذریعہ دم اور جھاڑ پھونک کرنا شرعاً جائز ہے۔
- (3) جھاڑ پھونک کو مؤثر بالذات اور سبب حقیقی نہ سمجھا جائے۔ جبکہ اسے اسباب کے درجہ میں مان کر اعتماد صرف اللہ پر ہو مگر یہ قدرت عوام کو شاید حاصل ہونا مشکل ہو، لہذا جھاڑ پھونک کے وقت ان کو بتانا چاہئے کہ شفا دینے والا صرف اللہ ہے اسی نے اپنے کلام میں شفاء رکھی ہے۔

لارقیۃ الامن عین او حمة: اس حدیث میں جھاڑ پھونک کا ذکر اگرچہ دو چیزوں میں ہے لیکن اس سے حصر مراد نہیں ہے، ایسے ہی پہلی حدیث میں تین چیزیں یعنی حمہ، عین اور نملہ کا ذکر فرمایا، اس سے دوسرے امراض وغیرہ میں جھاڑ پھونک اور دم کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے، ان چیزوں میں چونکہ دم اور جھاڑ پھونک کا اثر زیادہ مفید اور زیادہ بہتر ہوتا ہے اس لئے ان احادیث میں خاص طور پر انہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

زہریلے جانور یعنی سانپ بچھو وغیرہ کے ڈسنے کا دم:

جب کوئی زہریلا جانور ڈس لے تو احادیث میں اس پر دم کرنے کے مختلف اذکار منقول ہیں، ان میں سے کوئی بھی کیا جاسکتا ہے:

- (1) سانپ وغیرہ ڈس لے تو اس پر سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر لیا جائے۔
- (2) ایک دفعہ دوران نماز بچھو نے نبی کریم ﷺ کو ڈس لیا، آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ بچھو پر خدالی لعنت ہو، نہ نماز پڑھنے والے کو چھوڑتا ہے نہ کسی دوسرے کو، اس کے بعد پانی اور نمک منگایا اور نمک کو پانی میں گھول کر ڈسنے کی جگہ پر پھیرتے رہے، ساتھ ساتھ سورہ کافرون اور معوذتین یعنی آخری دو سورتیں پڑھتے رہے۔

زخم اور پھوڑے پھنسی کا دم:

نبی کریم ﷺ زخم اور پھوڑے پھنسی پر ان کلمات سے دم فرماتے: بسم اللہ تربة ارضنا، بريقة بعضنا، ليشفى به سقيمنا، باذن ربنا۔ میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، یہ ہماری زمین کی مٹی ہے، جو ہم میں سے بعض کے لعاب دہن سے ملی ہوئی ہے، تاکہ اس کے ذریعے ہمارا مریض ہمارے رب کے حکم سے شفا یاب ہو جائے۔ اس دم کا طریقہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ شہادت کی انگلی سے لعاب مبارک لیتے، پھر اسے مٹی میں رکھتے، اور مٹی لگ جانے کے بعد اس انگلی کو مریض کے زخم یا پھنسی پر رکھ کر مذکورہ کلمات ارشاد فرماتے، اس لئے جب کبھی دم کرنا ہو تو اسی مسنون طریقے کے مطابق کرنا چاہئے۔

مٹی کی تاثیر چونکہ ٹھنڈی اور خشک ہوتی ہے، اس لئے اس سے زخم کی جگہ اور پھوڑے پھنسی ٹھیک ہو جاتے ہیں اور زخم خشک ہونے لگتا ہے، اسی طرح لعاب میں بھی یہ خصوصیت ہے۔ لیکن امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان طبی توجیہات اور تاویلات کی سرے سے ضرورت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کا اثر ہوتا ہے کہ مریض کا زخم اور پھوڑے پھنسی درست ہو جاتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّقِيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ

باب ۱۶: معوذتین (سورہ فلق اور سورہ ناس) سے جھاڑنا

(۱۹۸۴) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِ وَعَيْنِ الْإِنْسَانِ حَتَّى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتَا أَخَذَ بِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر لگ جانے سے پناہ مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ معوذتین نازل ہوئیں۔ جب یہ دونوں نازل ہوئیں تو آپ نے انہیں (پڑھ کر دم کرنا) اختیار کر لیا اور دیگر دعاؤں کو ترک کر دیا۔

معوذتین سے جھاڑ پھونک کا ذکر:

چونکہ نظر بد ایک حقیقت ہے اور ہر ایک کو لگ سکتی ہے اس لئے آنحضور ﷺ جنات کے شر اور نظر بد کے ضرر سے بچنے کے لئے دعا مانگتے مثلاً: "أعوذ بالله من الجان وعين الإنسان" پھر جب لبید بن اعصم یہودی اور اس کی بیٹیوں نے آپ ﷺ پر جادو کیا تو اس سے شفاء کے لئے یہ دونوں سورتیں نازل ہو گئیں جس کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے تب آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کا پڑھنا معمول بنایا اور باقی معوذات کا پڑھنا کم کر دیا کیونکہ اس سورتوں میں جو جامعیت اور برکت ہے وہ دوسری ادعیہ تعوذ میں نہیں ہے لہذا باقی تعوذات ماثورہ کا پڑھنا بدستور جائز ہے منسوخ نہیں۔

قال ابن العربي رحمه الله في العارضة: "إذا كان الفضل الرقية بكتاب الله فالفاتحة اصل ... و

بالمعوذتين... او بکلمات المروية عنه في تعويذ الحسن وفي تعويذ جبريل وثابت"

معوذتین کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں مگر یاد رہے کہ کسی سورت یا آیت کا مکرر نازل ہونا ممنوع نہیں۔ ان میں سے پہلی سورہ یعنی سورہ فلق میں دنیاوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے، اور دوسری سورہ یعنی سورہ ناس میں اخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے، حقیقت یہ ہے بہت سی مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں۔

① حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیرتے تھے، پھر جب مرض وفات میں آپ کی بیماری میں شدت آگئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی، آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے، میں یہ کام اس لئے کرتی تھی کہ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں

کا بدل میرے ہاتھ نہیں ہو سکتے تھے۔

② ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

③ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول ﷺ نے معوذتین پڑھائیں، پھر انہیں مغرب کی نماز میں بھی پڑھا اور پھر فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کو سوتے وقت بھی پڑھا کرو اور اٹھتے وقت بھی۔ حاصل نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے اہتمام سے انہیں پڑھا کرتے، اس لئے تمام مسلمانوں کو ان سے استفادہ کرنا چاہئے، کیونکہ ان دونوں سورتوں کی جادو کے توڑ، نظر بد اور تمام روحانی اور جسمانی آفات کو دور کرنے میں بڑی تاثیر ہے، تو ہر نماز کے بعد انہیں ضرور پڑھنا چاہئے۔

لغات: عوذ اور عیاذ پناہ اور پناہ میں آنے کو کہتے ہیں جبکہ تعوذ پناہ میں آنے اور پناہ لینے کو کہا جاتا ہے۔ قولہ ”المعوذتان“ اصطلاح میں سورہ فلق اور سورہ الناس دونوں کہتے ہیں۔

المعوذۃ: اس فاعل واحد مؤنث، پناہ دینے والی، المعوذتان (تثنیہ) سورہ فلق اور سورہ ناس جو سحر وغیرہ دفع کرنے کے لئے اکسیر ہیں، یہ دونوں سورتیں چونکہ بندے کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں اس لئے ان کا یہ نام ہے۔ العوذۃ: تعویذ، گنڈا وغیرہ جو بیماری دور کرنے کے لئے یا سحر جن کو دفع کرنے کے لئے قرآنی آیات یا اللہ کا نام لکھ کر یا پڑھ کر تیار کیا جاتا ہے، اسی کو تعویذ بھی کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقِيَةِ مِنَ الْعَيْنِ

باب ۱۷: نظر بد سے جھاڑ کا بیان

(۱۹۸۵) اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ اِلَيْهِمُ الْعَيْنُ اَفَاَسْتَوْقِي لَهُمْ فَقَالَ نَعَمْ فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرِ لَسَبَقْتُهُ الْعَيْنُ.

ترجمہ: سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو نظر بڑی جلدی لگ جاتی ہے کیا میں ان پر دم کر دیا کروں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاسکتی ہے تو وہ نظر لگنا ہے۔

(۱۹۸۶) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ يَقُولُ أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَا مَمَّةٍ وَيَقُولُ هَكَذَا كَانَ اَبْرَاهِيمُ يُعَوِّذُ اسْحَقَ وَاسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَام.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے ہوئے یہ پڑھا کرتے تھے۔ ”میں تم دونوں کو ہر شیطان ہر تکلیف اور ہر لگنے والی نظر سے اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں۔“

نبی اکرم ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے حضرت ابراہیم بھی حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق (علیہم السلام) کو ان الفاظ کے ذریعے دم کیا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بصیغہ تصغیر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں، یہاں سوال اپنے ہی بچوں کے بارے میں مراد ہے مگر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کو سوال میں اُجاگر کرنا مقصود ہے تاکہ نظر بد لگنے کی وجہ بھی ساتھ ساتھ ذکر کر دیں کیونکہ

”الولید سرلابیہ“ یعنی میرے بچوں کو خوبصورتی کی وجہ سے نظر بد لگتی ہے کیونکہ آخر وہ جعفر ہی کے بچے ہیں نظر کیوں نہ لگے گی، پھر ولد بفتختین مفرد اور جمع ایک تا دس مذکر اور مؤنث سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کا بہترین ترجمہ اردو میں ”اولاد“ ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا اجازت دینا ان کی خصوصیت نہیں بلکہ عام اذن ہے بشرطیکہ وہ کلمات ماثور یا کم از کم معنی صحیح پر مشتمل ہوں اور جہاں تک جواب میں اضافے کا تعلق ہے تو یہ مبالغے کے لئے ہے تاکہ لوگ نظر بد سے بچنے کی تدبیر کریں جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو تدبیر بتلائی تھی

نظر بد: اور اگر نظر بد لگ جائے تو اس کے لئے جھاڑ پھونک کریں کیونکہ نظر بد کی مستعار تاثیر اتنی قوی ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب آسکتی ہے تو نظر وہ چیز ہے جو غالب آجاتی مگر اللہ کا فضل ہے کہ کوئی چیز تقدیر کو مغلوب نہیں کر سکتی ہے کیونکہ یہ سب تقدیر کا حصہ ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ نظر بد کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے وہ نقل اور عقل دونوں کے خلاف چلتے ہیں اور یہ کہ یہ تاثیر دراصل روح کی ہوتی ہے اسی بناء پر نابینا شخص کی بھی نظر بد لگتی ہے

قولہ: ”التامة“ اس سے کلمات کی توصیف اس لئے کی گئی کہ اللہ کا کلام پورا اور مکمل ہے اس میں کسی طرح کا نقصان نہیں ہے یا اس لئے کہ وہ تعوذ کے لئے کافی ہے، پھر کلمات سے مراد کلام بھی ہو سکتا ہے جو کہ قرآن ہے اور اسماء و صفات بھی ہو سکتی ہیں۔

قولہ: ”ہامة“ ہر وہ زہریلا جانور جس کے کاٹنے سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے جبکہ اس سے کم درجے کا جانور سام کہلاتا ہے یعنی اس کا زہر قاتل نہیں۔ ہامة، ہم معنی فکر سے بھی ہو سکتا ہے یعنی ہر اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو پریشان کرنے والی ہو۔

قولہ: ”لامة“ لامہ، جنون کی ایک قسم یا درجہ ہے، جب آدمی کو نظر بد لگتی ہے تو وہ معیون پاگل اور مجنون جیسا حواس باختہ محسوس ہوتا ہے وہ خود بھی اپنی حالت صحیح طور پر نہیں جانتا کہ مجھے کیا ہوا ہے؟

قرآن وحدیث سے نظر بد کے علاج کی تفصیل یہ ہے:

① سورة الاخلاص، سورة الفلق اور سورة الناس پڑھ کر اس پر دم کیا جائے۔

② سورہ قلم کی آخری آیات: ﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۖ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝﴾ (القلم: ۵۱-۵۲)

③ نظر لگانے والا اگر ﴿مَا شَاءَ اللَّهُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ کہہ دے تو اس کی وجہ سے بھی نظر بد کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔

④ باب کی دوسری روایت میں ہے: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ... الخ یہ پڑھ کر اس پر دم کیا جائے۔

⑤ بسم اللہ ارقیک من کل شئی یوذیک و من شر کل نفس او عین حاسد، اللہ یشفیک، بسم اللہ ارقیک۔ ترجمہ: ”میں اللہ کے نام سے تیرا علاج کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو تجھے تکلیف پہنچائے، ہر نفس کے شر اور حاسد نظر سے، اللہ ہی تجھے شفاء دے گا، میں اللہ کے نام سے آپ پر دم کر رہا ہوں“ یہ ذکر پڑھ کر اس پر دم کیا جائے۔

⑥ بسم اللہ ارقیک، واللہ یشفیک من کل داء فیک من شر النفاثات فی العقد، و من شر حاسد اذا حسد۔ ترجمہ: ”میں اللہ کے نام سے آپ پر جھاڑ پھونک کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفاء دے گا اور گرہوں پر پڑ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (ان تمام شرور و آفات سے

محفوظ رکھے گا)

⑦ بِسْمِ اللَّهِ اَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفُكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ عَيْنٍ -

ترجمہ: ”میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کی ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتا ہوں، اللہ ہی آپ کو شفا دے گا، ہر حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے اور ہر نظر کے شر سے (محفوظ رکھے گا)۔“

لعنات: العین: نظر بد خواہ دشمنی یا حسد کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔ نظر لگانے والے کو ”عائن“ اور جس شخص کو نظر لگتی ہے اسے ”معیون“ اور ”معدین“ کہتے ہیں۔ ولد: (واؤ پر پیش اور لام کے سکون کے ساتھ): اولاد۔ سرع: نظر جلدی لگ جاتی ہے۔ افاسترقی: تو کیا میں جھاڑ پھونک کر اسکتی ہوں۔ سابق القدر: تقدیر سے سبقت کرنے والی۔ کلمات اللہ: اس سے قرآن مجید مراد ہے، بعض نے کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی اسماء اور عیب سے پاک ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس بے اللہ تعالیٰ کی اسماء اور صفات مراد ہیں۔ التامة: علامہ جزری فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلمات کو ”تامہ“ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ نقص اور عیب سے پاک ہیں۔ بعض نے کہا کہ ”تامہ“ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کلمات پناہ مانگنے والے کے لئے نافع اور مصائب و آفات سے حفاظت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ہامہ: (میم کی تشدید کے ساتھ) ایسا زہریلا جانور جس کے کاٹنے سے انسان ہلاک ہو جائے جیسے سانپ اس کی جمع ”ہوامہ“ ہے اور جو جانور زہریلا ہو لیکن اس کے کاٹنے سے عام طور پر ہلاکت نہ ہوتی ہو تو اسے ”سامہ“ کہا جاتا ہے، مثلاً بچھو، بھر وغیرہ اور کبھی ”ہامہ“ کا لفظ ہر اس جانور کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو زمین پر چلتا ہے جیسے حشرات الارض وغیرہ۔ کل عین لامہ: اس سے ہر وہ بد نظری مراد ہے جو باعث ضرر اور تکلیف ہو۔ ”نہایہ“ میں ہے کہ ”لمہ“ جنوں اور پاگل پنی کی ایک قسم ہے جو انسان کو عارض ہوتی ہے، ترجمہ یہ ہوگا: ہر اس نظر بد سے پناہ مانگتا ہوں جو جنوں پیدا کر دے۔

سند کی بحث: یہ روایت سفیان کے علاوہ ایوب سختیانی بھی عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایت میں: ان اسماء کے بجائے عن اسماء ہے، یعنی عبیدہ واقعہ بیان نہیں کرتے، کیونکہ وہ اس وقت موجود نہیں تھے بلکہ وہ یہ حدیث حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت کرتے ہیں، پس یہی سند صحیح ہے مگر سند میں انقطاع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَأَنَّ الْغُسْلَ لَهَا

باب ۱۸: نظر برحق ہے اور اس کے لئے دھونا

(۱۹۸۷) لَا شَيْءَ فِي الْهَامِ وَالْعَيْنِ حَقٌّ.

ترجمہ: حبیہ بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میرے والد نے مجھے یہ بات بتائی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہام کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نظر لگ جانا حق ہے۔

(۱۹۸۸) لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرِ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَإِذَا اسْتَغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاسکتی ہے تو نظر اس پر

سبقت لے جاسکتی ہے اور جب تم سے غسل کرنے کے لیے کہا جائے تو تم غسل کر لو۔

تشریح: ہام کے بارے میں کچھ کہانی زمانہ جاہلیت کے اہل عرب میں مشہور و مرسوم تھی، اس حدیث میں اس کی صریح نفی کی گئی، اس کے بعد اس قسم کی واہیات کا زعم کسی طرح جائز نہیں اسی طرح بعض مسلمانوں میں ارواح کے متعلق جو قصے مشہور ہیں کہ روح کبھی طوطے کی شکل میں کسی پنجرے میں بند ہوتی تھی اور کبھی موتی بن کر سانپ کے منہ میں محفوظ کر دی جاتی وغیرہ وغیرہ یہ ہندوؤں کے عقائد کا حصہ ہیں جو کہ تناخ کے قائل ہیں لہذا پریوں، دیو اور شہزادوں کے اس قسم کے مفروضی بلکہ من گھڑت قصہ خوانیوں سے پرہیز لازمی ہے کہ اس سے عقیدہ خراب ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام میں تناخ کے عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

”ہام“ کے بارے میں تین اقوال: ”ہام“ ① زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا خیال تھا کہ جو آدمی قتل کیا جائے، اور اس کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس مقتول کے سر سے ”ہامہ“ یعنی ایک کیڑا نکلتا ہے جو اس کی قبر پر گردش کرتا رہتا ہے، اور کہتا ہے استقونی استقونی (مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ، میرا بدلہ لو) اگر اس کا انتقام لے لیا جائے تو چلا جاتا ہے، ورنہ اوپر ہی رہتا اس تفسیر کے اعتبار سے ”لا شئ فی الہام“ کے معنی ہوں گے: ”اس عقیدے کی کوئی اصل نہیں کہ مقتول کے سر سے ہامہ یعنی کیڑا نکلتا ہے۔

② ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ ”ہام“ سے ایک پرندہ مراد ہے ”جسے اردو میں ”الو“ کہتے ہیں، اہل عرب اس سے بدشگونی لیتے تھے، ان کا خیال تھا کہ الوجس گھر پر آ کر بیٹھ جائے تو اس میں کوئی موت ضرور واقع ہوتی ہے اور اس میں غم و حزن اور تباہی آ جاتی ہے۔ ”لا شئ فی الہام“ کے معنی ہوں گے: لا شوم بالومۃ (الو میں کوئی بدشگونی اور نحوست نہیں) اس لئے عربوں کا خیال غلط ہے۔

③ ابو عبید کہتے ہیں کہ عرب یہ سمجھتے تھے کہ میت کی ہڈیاں یا اس کی روح ”ہام“ یعنی ایک پرندے کی شکل اختیار کر لیتی تھی، اس پرندے کو ”صدی“ کہا جاتا تھا پھر یہ پرندہ اڑتا رہتا تھا۔ اس معنی کے اعتبار سے ”لا شئ فی الہام“ کے معنی ہوں گے: لا حیۃ الہامۃ لمیت، میت کے ہامہ یعنی پرندے کی کوئی زندگی نہیں ہوتی لہذا یہ بے اصل بات ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

نظر کی تاثیر ایک حقیقت ہے؟

”والعین حق“ اس سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ نظر بد کا لگ جانا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، یہ زمانہ جاہلیت کے دوسرے باطل اوہام و نظریات کی طرح کوئی باطل چیز نہیں بلکہ حق اور ثابت ہے، بعض لوگ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ ”سب کچھ تقدیر سے ہوتا ہے، نظر بد کچھ نہیں کر سکتی“ ان کی یہ بات دو وجہ سے درست نہیں: بلاشبہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے مگر اس کے ساتھ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اشیاء کی تاثیرات تولیدی نہیں اور نہ ہی تاثیرات کا دار و مدار اعداد پر ہے بلکہ عادی ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اشیاء میں بعض اثرات پیدا فرمائے ہیں، یہ اشیاء بمنزلہ اسباب ہوتے ہیں، ان کے استعمال یا رونما ہونے سے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی سنت جاریہ کے مطابق کچھ اثرات پیدا فرماتے ہیں، اس مسئلہ کی تفصیل ”باب ماجاء فی کراہیۃ البول فی المختسل“ میں گزری ہے۔

نظر بد آنکھ کا اثر ہے یا روح کا؟

اس کے بارے میں ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے:

ولیس العین ہی الفاعلة وانما التأثير للروح ولشدۃ ارتباطها بالعین نسب الفعل الیہا وروح

الحاسد موزية للمحسود اذني بيتاً ولهذا امر الله رسول ان يستعين به من شره... الخ. (مختصر زاد المعاد ص ٢٣٧، فصل في الحجة ابي بكر رضي الله عنه)

یعنی نظر بد آنکھ کی تاثیر نہیں بلکہ دراصل روح کی تاثیر ہوتی ہے مگر آنکھ سے گہرے تعلق کی بناء پر نسبت آنکھ کی طرف کی جاتی ہے چنانچہ حسد کرنے والا شخص محسود کو سخت تکلیف پہنچاتا ہے یعنی نظر بد لگاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے اجسام و ارواح میں مختلف خصوصیتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں، جن کا مختلف انداز سے ظہور ہوتا ہے، ایک شخص کا چہرہ شرم کی وجہ سے سرخ ہو جاتا ہے، خوف کے وقت چہرہ زرد پڑ جاتا ہے، مریض کو دیکھ کر بعض لوگ بیمار ہو جاتے ہیں، یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں میں بہت سی تاثیرات رکھی ہیں، لیکن چونکہ نظر کا تعلق روح کے ساتھ انتہائی گہرا ہوتا ہے تو فعل کی نسبت روح کی بجائے نظر کی طرف کردی جاتی ہے، اس وجہ سے نہیں کہ نظر مؤثر بالذات ہے بلکہ صرف اتصال اور قرب کی وجہ سے، ورنہ تاثیر تو روح کی وجہ سے ہوتی ہے اور ارواح طبائع، قوی، کیفیات اور خواص کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، بعض روحيں بغیر کسی اتصال کے اپنی شراغیزی کی وجہ سے محض دیکھنے سے ہی دوسرے کے بدن پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاثیر جسمانی اتصال پر منحصر نہیں ہے، کبھی تو اس کی وجہ سے ہوتی ہے، کبھی آمنے سامنے ملاقات سے، کبھی محض دیکھنے سے، کبھی روح کی توجہ ڈالنے سے، اور بسا اوقات یہ تاثیر محض توہم اور تخیلات کی وجہ سے بھی واقع ہو جاتی ہے، گویا نظر لگانے والے کی آنکھ سے معنوی طور پر ایک تیر نکلتا ہے جو دوسرے کے بدن پر لگ کر اثر انداز ہو جاتا ہے اور تباہی پھیلا دیتا ہے۔

بہر حال نظر ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا تاہم اس کی ماہیت کیا ہے تو یہ جاننا خاصا مشکل ہے ممکن ہے کہ جس طرح آج کل لیزر شعاعیں غیر مرئی حقیقت اور موثر قوت ہیں، اسی طرح یہاں بھی کوئی غیر مرئی طاقت خفیہ طریقہ سے وار کرتی ہو اور اس قسم کے حقائق کا کارخانہ قدرت میں وجود کوئی ناممکن نہیں، دیکھئے کبھی ایک بات سے اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

پھر غسل کا طریقہ حاشیہ میں تفصیل سے بتلایا ہے کہ عائن کے پاس جب پانی لایا جائے تو وہ پہلے چلو میں پانی لے کر مضغہ کر کے کلی کا پانی اسی برتن میں ڈالے، پھر چہرہ دھو لے، پھر بائیں ہاتھ سے پانی لے کر دائیں پر ڈالے و بالعکس، پھر بائیں ہاتھ سے پانی داہنی کہنی پر ڈالے، و بالعکس، پھر بائیں ہاتھ سے پانی لے کر سیدھے پاؤں پر ڈالے، و بالعکس یعنی پھر سیدھے ہاتھ سے پانی لے کر بائیں پیر پر ڈالے، پھر اسی طرح گھٹنے دھوئے اور پھر داخل الازار یعنی شرم گاہ اور ازار باندھنے کی جگہ کے درمیانی حصے کو دھوئے، یہ سارا مستعمل پانی اس برتن میں جمع ہونا چاہئے، فراغت کے بعد یہ سب پانی یک بارگی معین کے اپر پشت کی جانب سے ڈالے وہ اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جائے گا۔ تاہم ابن العربی رحمہ اللہ نے عارضہ میں دھونے کی اس تفصیل سے اتفاق نہیں کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

”ومن قال لا يجعل الاناء في الارض ويغسل كذا بكذا وكذا بكذا، فهو كله تحكم وزيادة“ (العارضة)

دھونا جیسے بھی ہو کافی ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس وضو کے پانی کا نظر کے ازالہ سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے بعض اسباب انتہائی مخفی ہوتے ہیں تو پھر ان کے اثر کے ازالے کا طریقہ بھی باریک ہوتا ہے جس کا عام مشاہدہ کیا جاسکتا ہے دیکھئے جادو وغیرہ اور ریاضی کے اصول وغیرہ کو وہ کتنی باریکی پر مبنی ہوتے ہیں چنانچہ کچھ اجسام کو مخصوص زاویہ پر رکھنے سے ان میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک آدمی باقاعدہ ایک گھنٹے کے بعد آکر گھنٹی بجاتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے حالانکہ وہ کوئی انسان نہیں ہوتا ہے، آپ نظام شمسی پر غور کریں کہ مخصوص زاویہ پر واقع ہونے پر یہ اجرام فلکیہ کس طرح رواں دواں ہیں؟ جب آدمی اللہ عزاسمہ کے کارخانہ قدرت میں معلومات کی روشنی میں غور کرتا ہے تو اس قسم کے عجائبات کا مشاہدہ روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے۔

علاج کے اسباب کیا ہیں؟

اس بارے میں کئی آراء ہیں: ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد تجربے پر ہے ممکن ہے کہ یہ تمام اسباب بیک وقت مفید ہوں، علیٰ ہذا نظر بد سے اشفاء اس تجربے کے تناظر میں نامعقول نہیں کہ اس قسم کے تجربات قدیم زمانے سے چلے آ رہے ہیں، مذکورہ تجربہ بھی زمانہ قدیم کا نسخہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے باقی رکھا، علاوہ ازیں روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب کوئی چیز دیکھنے سے پسند آجائے تو آدمی برکت کی دعا کرے یا ”ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ“ کہے تو نظر کے ضرر سے تحفظ ہو سکتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نظر کے حوالے سے جو طریقے مختلف اقوام میں معمول بہا رہیں اور وہ مفید بھی ثابت ہوئے ہیں تو اگر ان میں کسی شرعی امر کا ارتکاب نہ آتا ہو یا وہ اصول سے متصادم نہ ہوں تو وہ بھی قابل عمل ہیں مثلاً ہمارے ہاں یہ طریقہ ہے کہ عائن اپنے بدن پر سوتی کپڑا ملتا ہے پھر اس کی بتی بنا کر آگ لگا دی جاتی ہے اور معین اس دھوئیں کے اوپر کھڑا ہو جاتا ہے اور دھواں سوگھتا ہے، اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ شفاء بھی عنایت فرماتے ہیں۔

نظر بد لگانے کے عادی کو مجبوس کیا جاسکتا ہے؟ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو شخص نظر بد لگانے میں مشہور و معروف ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور نہ ہی اس کے سامنے آنا چاہئے اور اسلامی حکومت کے سربراہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسے شخص پر گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دے تاکہ وہ لوگوں کے آمنے سامنے نہ آئے اور ان کے ساتھ نشست و برخاست نہ کر سکے اور اگر وہ شخص غریب و فقیر ہو تو بیت المال سے اس کے اخراجات کے بقدر وظیفہ مقرر کر دے تاکہ وہ اس سے گزر اوقات کر سکے کیونکہ اس کا ضرر بہت سخت ہے، اس سے لوگوں کو بچانا چاہئے، اس کا ضرر پیاز و تھوم کھانے کی بدبو سے، جزائی اور موذی جانور کے ضرر سے کہیں زیادہ ہے، جس طرح شریعت میں یہ ضرر قابل برداشت نہیں، ان کے ازالے کے لئے تدابیر اختیار کی گئیں ہیں ایسے ہی اس ضرر کے ازالے کے لئے بھی تدبیر اختیار کرنی چاہئے اور وہ یہی ہے کہ اسے حتی الامکان لوگوں سے دور رکھا جائے، تاکہ لوگ اس کی نظر بد کے ضرر سے محفوظ رہ سکیں۔

عائن کے لئے خاص ذکر:

جس شخص کی نظر اکثر لگ جاتی ہو، اسے ان امور کا اہتمام کرنا چاہئے: ① برکت کی دعائے دے، یوں کہے: اللہم بارک علیہ۔

② یا یوں کہے: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔ ان اذکار کا فائدہ یہ ہے کہ پھر اس کی نظر بد کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

لغات: ہام جمع ہے ہامۃ کی بروزن ساعۃ یعنی میم کی تخفیف کے ساتھ۔ بعض نے تشدید کو بھی جائز کہا ہے۔ ہام یا ہامہ سر اور کھوپڑی کو بھی کہتے ہیں اور ”بومہ“ یعنی آلو کو بھی کہا جاتا ہے اور ایک چھوٹے سے پرندے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو رات کو قبرستان میں رہتا ہے۔ قاموس الوحید وغیرہ میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا اعتقاد تھا کہ مقتول کی کھوپڑی سے ایک پرندہ نکل کر گھر آتا ہے اور ”اسقونی، اسقونی“ پکارتا ہے یعنی مجھے سیراب کرو اور مراد بدلہ لینا ہوتا ہے چنانچہ وہ مسلسل انتقال لینے تک یہ پکارا رہتا ہے، اسلام نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا جیسا کہ حدیث باب مصرح ہے۔

’استغسلتم‘ بصیغہ مجہول طلب غسل مراد ہے یعنی جب کسی کی نظر لگ جائے اور معین یا اس کے گھر والے عائن سے کہیں کہ تم اپنے اعضاء دھو کر وہ مستعمل پانی ہمیں دے دو تو ایسا کرنا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الْأَجْرِ عَلَى التَّعْوِيزِ

باب ۱۹: تعویذ پر اجرت لینے کا بیان

(۱۹۸۹) بَعَثْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي سِرِّيَّةٍ فَانْزَلْنَا بِقَوْمٍ فَسَأَلْنَاهُمْ الْقِرَىٰ فَلَمْ يَقْرُوا نَافِلِدُغَ سَيِّدُهُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوا هَلْ فِيكُمْ مَنْ يَزِي قِيَّ مِنَ الْعَرَبِ قُلْتُ نَعَمْ أَنَا وَلَكِنْ لَا أَرْقِيهِ حَتَّىٰ تُعْطُونَا غَنَمًا قَالُوا فَإِنَّا نُعْطِيكُمْ ثَلَاثِينَ شَاةً فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ الْحَمْدَ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَبَرَأَ وَقَبَضْنَا الْغَنَمَ قَالَ فَعَرَضُ فِي أَنْفُسِنَا مِنْهَا شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا تَعْجَلُوا حَتَّىٰ تَأْتُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَيْهِ ذَكَرْتُ لَهُ الَّذِي صَنَعْتُ قَالَ وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُا رُقِيَّةٌ أَقْبَضُوا الْغَنَمَ وَاضْرِبُوا إِلَىٰ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کیا ہم نے ایک قوم کے ہاں پڑاؤ کیا ہم نے ان سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی ان کے سردار کو بچھونے ڈنک مار دیا وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور دریافت کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو بچھو کے کاٹے کا دم کرتا ہو میں نے جواب دیا جی ہاں میں ہوں لیکن میں اسے دم نہیں کروں گا جب تک تم ہمیں بکریاں نہیں دو گے انہوں نے کہا ہم آپ کو تیس بکریاں دیں گے ہم نے انہیں قبول کر لیا میں نے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا ہم نے وہ بکریاں لیں پھر ہمیں اس بارے میں کچھ الجھن محسوس ہوئی تو ہم نے کہا تم لوگ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرو جب تک نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤ۔

راوی بیان کرتے ہیں جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے میں نے اپنے طرز عمل کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ دم ہے؟ تم لوگ بکریوں کو اپنے قبضے میں لے لو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ رکھو۔

(۱۹۹۰) أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَرُّوا بِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَلَمْ يَقْرُواهُمْ وَلَمْ يُضَيِّفُوهُمْ فَاشْتَكَى سَيِّدُهُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوا هَلْ عِنْدَكُمْ دَوَاءٌ قُلْنَا نَعَمْ وَلَكِنْ لَمْ تَقْرُوا نَافِلِدُغَ سَيِّدُهُمْ فَفَعَلْنَا حَتَّىٰ تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا فَجَعَلُوا عَلَىٰ ذَلِكَ قَطِيعًا مِنَ الْغَنَمِ قَالَ فَجَعَلَ رَجُلٌ مِّنَّا يَقْرَأُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَبَرَأَ فَلَمَّا آتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ

ذَكَرْنَا ذَلِكَ لَهُ قَالَ وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهُارُ قِيَّةٍ وَلَمْ يَذْكُرْ نَهْيًا مِنْهُ وَقَالَ كُلُّوْا وَاضْرِبُوا إِلَى مَعَكُمْ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے اصحاب سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ عربوں کے ایک قبیلے کے پاس سے گزر رہے ان لوگوں نے ان حضرات کی مہمان نوازی نہیں کی پھر ان کا سردار بیمار ہو گیا تو وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور دریافت کیا تمہارے پاس کوئی دوا ہے ہم نے جواب دیا جی ہاں لیکن تم لوگوں نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی تو ہم اس وقت تک ایسا نہیں کریں گے جب تک تم ہمیں معاوضہ نہیں دو گے تو ان لوگوں نے انہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دینے کا وعدہ کیا تو ہم میں سے ایک شخص سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کرنے لگا تو وہ ٹھیک ہو گیا جب ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ دم کرنے کا طریقہ ہے اس روایت میں آپ کے منع کرنے کا ذکر نہیں ہے پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اسے کھا لو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھو۔

تشریح: علاقہ بن صحار تمیمی کے دم کا واقعہ:

واضح رہے کہ اس قسم کا ایک واقعہ نسائی میں بھی مروی ہے جس سے تعارض کا شبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہے کہ وہ آدمی مجنون اور پاگل تھا جبکہ یہاں لدیغ کا ذکر ہے لیکن وہ الگ واقعہ ہے کہ یہاں راتی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں اور اس میں حضرت علاقہ بن صحار رضی اللہ عنہ تھے۔ دم اور جھاڑ پھونک کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ سنن ابی داؤد میں حضرت خارجہ کے چچا علاقہ بن صحار تمیمی سے بھی منقول ہے: ”وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے، اسلام قبول کیا، صحبت نبوی سے استفادہ کر کے گھر کا سفر شروع کر دیا، راستے میں ایک ایسی قوم پر گزر رہا تھا جنہوں نے ایک مجنون آدمی کو لوہے سے باندھا ہوا تھا، ان کے قابو میں نہیں آ رہا تھا، بے بس اور انتہائی تنگ تھے، وہ لوگ حضرت علاقہ سے کہنے لگے کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ تمہارے ساتھی یعنی نبی کریم ﷺ خیر لے کر مبعوث ہوئے ہیں، تم بھی ان کی صحبت پا کر آ کر رہے ہو تو کیا تمہارے پاس کوئی دم، کوئی منتر ہے جس سے تم ہمارے اس مریض کا اعلان کر سکو؟ حضرت علاقہ کہتے ہیں، میں نے سورہ فاتحہ سے اس پر دم کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا، اس پر انہوں نے مجھے ایک سو بکری دی، میں حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور یہ سارا واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا کہ واقعی تم نے اس پر سورہ فاتحہ سے ہی دم کیا ہے، میں نے کہا جی ہاں اسی سے کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ناجائز دم اور جھاڑ پھونک سے اجرت حاصل کرتا ہے وہ اس پر وبال اور عذاب ہوتا ہے اور جو جائز طریقے سے یعنی قرآن و سنت سے دم اور منتر کرے تو اس پر اجرت لینا جائز ہے،۔۔۔ یہ واقعہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا واقعہ جسے حدیث باب میں بیان کیا گیا ہے، یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں، اس واقعہ میں وہ مریض مجنون ہے جبکہ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں بچھو سے ڈسے ہوئے پر دم کرنے کا ذکر ہے، اس لئے یہ دونوں قصے جدا جدا ہیں۔

فائدہ: نبی ﷺ کا ارشاد: وما علمت انہا رقیہ؟ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ جھاڑ ہے؟ یہ حوصلہ افزائی اور ستائش ہے کہ آپ نے صحیح سمجھا، فاتحہ میں صرف دینی فائدے ہی نہیں ہیں، دنیوی پریشانیوں، بیماریوں اور بلاؤں کا علاج بھی ہے۔ داری میں روایت ہے کہ سورہ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفاء ہے، چنانچہ میں ہر بیماری کو سورہ فاتحہ سے جھاڑتا ہوں اور الحمد للہ فائدہ ہوتا ہے، ایک مرتبہ میری بھتیجی کو کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا، میں نے اس کو سورہ فاتحہ سے جھاڑا اور وہ اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو گئی، البتہ عمل

کی تاثیر کے لئے اکل حلال اور صدق مقال ضروری ہے اور قرآن و حدیث میں جو دعائیں آئی ہیں ان کی تاثیر پر یقین بھی ضروری ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مریض کا یقین ضروری ہے یہ قطعاً غلط ہے، عامل کا یقین ضروری ہے، اگر پختہ ایمان کے ساتھ سورہ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جائے تو انشاء اللہ ہر بیماری میں جھاڑ مفید ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو کیسے معلوم ہوا؟ کہ اس لدیخ کو فاتحہ سے شفاء ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب ابن العربی رحمہ اللہ نے عارضہ میں دیا ہے کہ انہوں نے ”ام الکتاب“ کے نام اور جامعیت مضمون سے معلوم کیا تھا یعنی قرآن میں شفاء تو ہے اور فاتحہ ام الکتاب ہے، لہذا اس میں بھی شفاء کی خاصیت ہے، پھر آپ ﷺ نے ان کے اجتہاد کی تردید نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ ان کا اجتہاد صحیح تھا اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں اجتہاد و استنباط فرماتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مسافر کے پاس کھانے پینے کا انتظام نہ ہو تو وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام نے انطاکیہ والوں سے کیا تھا، عارضہ میں ہے کہ رقیہ کی اقل مقدار تین بار پڑھنا ہے اور اکثر سات مرتبہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اکثر پر عمل کیا

”غبة“ فی تحصیل البر والاحذ بالاثق: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی حکم میں شک پڑ جائے تو یقین کے حصول تک توقف کرنا چاہئے اور یہ کہ تحصیل یقین میں کوشش تیز کرنی چاہئے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رقیہ پر اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے العرف الشذی میں بحوالہ شاہ عبد العزیز صاحب نقل کیا ہے کہ امر دنیاوی کی غرض سے ختم القرآن یا بخاری پر بھی عوض لینا جائز ہے جبکہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے ”شفاء العلیل“ میں لکھا ہے کہ ایصال ثواب کے لئے تلاوت پر اجرت لینا حرام ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر شرح عقود رسم الفتی میں بھی بحث کی ہے بلکہ اس مسئلہ کا ذکر ان امثلہ میں کیا ہے جو مصنفین حوالہ جات میں اصل کتاب کے مراجعت کے بغیر نقل کرتے ہیں جن کی تعداد علامہ شامی نے تلاش اور تتبع کے بعد (20) بیس ذکر کی ہے چنانچہ متعدد کتابوں میں تلاوت مجردہ یعنی بغیر تعلیم کی غرض سے تلاوت پر اجرت لینے کو جائز لکھا ہے حالانکہ یہ خطا ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی ص: 6، 7 یا شفاء العلیل و بل الغلیل فی بطلان الوصیۃ بالاحتمات والتہالیل)

البیۃ تعلیم القرآن پر اجرت لینا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو جائز ہے ہی مگر متاخرین فقہائے حنفیہ نے بھی ضرورتاً جائز لکھا ہے گو اصل مذہب میں جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ اجرت علی الطاعات کے اوپر مبنی ہے۔

حبہور کا استدلال: باب کی حدیث سے ہے جو بطور قیاس تعلیم پر اجرت کو جائز مانتے ہیں،

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ رقیہ امر مباح ہے جبکہ تعلیم فرض ہے گو کفایہ ہے، نیز رقیہ کا نفع دنیوی و جسمانی ہے جبکہ تعلیم کا نفع اخروی اور دینی ہے، تعلیم عبادت ہے جو حق اللہ ہے اس پر مخلوق سے اجرت لینے کا کیا مطلب؟ چونکہ مال محبوب ترین عند اکثرین ہے اس لئے اجرت لینے میں اہل علم، لوگوں میں مبغوض شمار ہوتے ہیں کہ محبوب کی طمع رکھنے سے توحید و عداوت یقینی چیز ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام آتے ہی اعلان فرماتے:

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا... الْآیۃ﴾ (الانعام: ۹۰)

بہر حال اب مسئلہ پر اتفاق ہو چکا ہے اس لئے فریقین کے دلائل ذکر کرنے میں کوئی معتد بہ فائدہ نہیں، نیز اس کی وضاحت کسی

حد تک پہلے گزری ہے۔ (باب ماجاء فی کرایۃ ان یاخذ المودن علی اذانه اجرا)

اس حدیث سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ رقیہ سے تقدیر میں تبدیلی آجاتی ہے کیونکہ رقیہ، دعا اور دوا یہ سب تقدیر کا حصہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے جو بھی بیماری مقدر فرمائی ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی متعین فرمایا کہ یہ شخص فلاں ذریعہ اختیار کرے گا تو ٹھیک ہو جائے گا جبکہ بعض کے بارے میں یہ فیصلہ ہے کہ وہ باوجودیکہ اسباب اختیار کریں گے مگر ان کو فائدہ نہ ہوگا جیسا کہ اگلے باب میں آئے گا۔

لعنات: ”تعویذ“ باب تفعیل کا مصدر ہے، تحفظ کے پیش نظر یا شفاء کی غرض سے اسماء حسنی وغیرہ کلمات خیر لکھنا یا پڑھنا ”فی سریۃ“، بکسر الراء وتشدید الیاء المستوح، لشکر کا وہ دستہ جس کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار سو افراد پر مشتمل ہو، یہاں جس سریہ کا ذکر ہے۔ روایات کے مطابق یہ تیس نفوس پر مشتمل تھا۔

اصحاب السیر کی اصطلاح میں وہ لشکر جس کے ساتھ آنحضور ﷺ بنفس نفیس شامل نہ ہوں سریہ کہلاتا ہے۔ ”القری“ بکسر القاف والفاء المقصورة، ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ قری اور ضیافت دونوں قریب المعنی الفاظ ہیں۔ البتہ ”ق، ری“ مادہ میں جمع کے معنی پائے جاتے ہیں جبکہ ”ض، ی، ف“ میں میلان کے معنی ہیں۔ گویا میزبان اپنے مہمان کی خاطر محبت، خدمت، ٹھکانہ اور کھانا جمع کرتا ہے، اسی طرح وہ مہمان کی جانب مائل بھی ہوتا ہے۔

”فلدغ“ بصیغہ مجہول، لدغ بچھو کے ڈنگ مارنے اور سانپ کے ڈسنے کو کہتے ہیں۔ ”من یرقی“ یرقی، رقیًا، جھاڑ پھونک کو کہتے ہیں۔ ”وما علمت انہا رقیۃ“ اگلی روایت میں ہے ”وما یدریک انہا رقیۃ“ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ”بہ“ مقدر ہے۔ ”جعلًا“ بالضم، اجرت، ”قطیًا“ لگہ، ریوڑ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقَى وَالْأَدْوِيَةِ

باب ۲۰: جھاڑ پھونک اور علاج معالجہ کا بیان

(۱۹۹۱) سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوِي بِهِ وَتُقَاتَلُ نَتَقِيهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ شَيْئًا قَالَ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ

ترجمہ: ابوخرز امہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ کا دم کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے ہم دم کریں یا دوا استعمال کریں یا پرہیز کریں کیا یہ تقدیر کے لکھے کو ٹال سکتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر میں شامل ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں سوال کا مطلب تو واضح ہے کہ جب کوئی چیز تقدیر میں مقدر و مقرر ہو جیسے موت اور قتل وغیرہ تو پھر اس کے روکنے کی تدبیر سے کیا وہ فیصلہ تبدیل ہو جاتا ہے؟ اور جواب کا مطلب یہ ہے کہ نہیں ہرگز نہیں قضاء میں کسی طرح تبدیلی ممکن نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اسباب اور دفاع کا سامان بھی تقدیر ہی میں سے ہے کہ اللہ نے جس طرح کسی مرض وغیرہ کی تقدیر فرمائی ہے تو ساتھ ساتھ یہ بھی مقدر فرمایا کہ فلاں کی بیماری فلاں ڈاکٹر کے علاج سے ٹھیک ہوگی یا فلاں جھاڑ پھونک سے شفاء نصیب ہوگی اور

فلاں دشمن کا حملہ فلاں ہتھیار سے پسپا ہوگا، لہذا ان میں تعارض نہ سمجھا جائے۔ تاہم یہ اسباب بہر حال مؤثر نہیں ہیں کیونکہ بعض اسباب و ذرائع کے بارے میں اگرچہ یہ مقدر ہوتا ہے کہ ان کے استعمال سے فائدہ ہوگا مگر بعض کے متعلق یہ بھی فیصلہ ہوتا ہے کہ ان سے کوئی فائدہ نہ ملے گا جبکہ بعض امراض وغیرہ کے بارے میں یہ ہوتا ہے کہ یہ بغیر دوا و دعا کے ختم ہوں گے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے:

وَذَاكَ لِانِ اللّٰهِ خَلَقَ الْاَشْيَا..... لَانْدَرُ كَهَا فَقْدِي كُونُ شِفَاءٍ مِنْ غَيْرِ دَوَاءٍ وَقْدِي كُونُ سَقَمٍ

بعد دوا و قدی کون شفاء بعد دوا و قدی کون کفایۃ بغیر تقیۃ۔

یعنی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوا سے مرض مزید شدید ہو جائے جیسا کہ بعض مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، لہذا تقدیر میں یہ تمام صورتیں مندرج ہوتی ہیں، کسی بھی امر موجود کو تقدیر کے منافی قرار دینا درست نہیں۔

قولہ ”وقد لوی عن ابن عیینۃ“... الخ یعنی اس حدیث کے بعض طرق میں ”عن ابن ابی خزامۃ“ آیا ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب القدر کے ”باب ماجاء لاترد الرقی والباء من قدر اللہ شیئاً“ میں اسی سند سے ذکر کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ”عن ابن ابی خزامۃ“ ہی ہے جیسا کہ زیر بحث باب کی سند میں ہے۔ عارضہ میں ہے کہ حدیث کا معنی بالا جماع صحیح ہے۔

سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ کون ہیں؟ ابو خزامہ رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے بیٹے ابن ابی خزامہ رحمۃ اللہ علیہ؟ پہلی سند میں عن ابی خزامۃ ہے اور دوسری سند میں عن ابن ابی خزامۃ ہے، اور صحیح سند پہلی ہے کیونکہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر تلامذہ عن ابی خزامۃ، عن ابیہ کہتے ہیں اور حضرت ابو خزامہ کی یہی ایک حدیث ہے۔

لغات: ”ابو خزامۃ“ بکسر الخاء وتخفيف الزاء۔ ”ارأیت“ ای اخیڑنی، ”رقی“ جمع رقیۃ۔ قولہ ”نسترفیہا“ سین و طلب کے لئے ہیں ”ای نقرعہا لطلب الرقیۃ۔ ”دواء“ رقی پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ”نشد اوئی بہ“ ای نستعملہ۔ ”تقاہ“ بضم التاء ووقی اور وقایہ سے ہے یعنی سامان حفاظت جیسے ڈھال اور باقی ہتھیار وغیرہ۔ قولہ: ”نتقیہا“ ای نجد ذر بسبہا یعنی ان سے اپنی حفاظت کرتے ہیں اور بطور احتیاط رکھتے ہیں۔ قولہ ”ہی من قدر اللہ“ یعنی یہ تینوں اسباب بھی تقدیر میں سے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَمَاءِ وَالْعَجْوَةِ

باب ۲۱: کھمبی اور کھجور کا بیان

(۱۹۹۲) الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيهَا شِفَاءٌ مِنَ السُّمِّ وَالْكُمَاءُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عجمہ جنت سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں زہر کے لیے شفا ہے اور کھمبی من (وسلوی) کا ایک حصہ ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفاء ہے۔

(۱۹۹۳) الْكُمَاءُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ.

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں۔ کھمبی من (وسلوی) کا حصہ ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔

(۱۹۹۴) أَنَّ نَاسًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا الْكُمَاةُ جُدِرَتْ الْأَرْضُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْكُمَاةُ مِنَ النَّارِ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِيَ شِفَاءٌ مِّنَ السَّمِّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے اصحاب سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد نے عرض کی کہمیں زمین کی چپک ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہمیں من (وسلوی) کا حصہ ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفاء ہے جبکہ عجوہ جنت سے تعلق رکھتی ہے اور یہ زہر کے لیے شفاء ہے۔

(۱۹۹۵) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثْتُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَخَذْتُ ثَلَاثَةَ أَكْمُوٍ أَوْ خُمْسًا أَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُهُنَّ فَجَعَلْتُ مَاءَهُنَّ فِي قَارُورَةٍ فَكَحَلْتُ بِهِ جَارِيَةً لِي فَبَرَأَتْ.

ترجمہ: قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے یہ حدیث سنائی گئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے تین پانچ یا سات کہمیں لے کر میں نے انہیں نچوڑا اور ان کا پانی ایک شیشی میں رکھ لیا پھر میں نے اسے ایک لڑکی کی آنکھوں میں سرے کے طور پر لگایا تو وہ ٹھیک ہو گئی۔

(۱۹۹۶) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ الشُّونِيزُ دَوَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ قَالَ قَتَادَةُ يَأْخُذُ كُلُّ يَوْمٍ إِحْدَى عَشْرِينَ حَبَّةً فَيَجْعَلُهُنَّ فِي خِرْقَةٍ فَيَنْقَعُهُ فَيَسْتَعِطُّ بِهِ كُلُّ يَوْمٍ فِي مَنْعَرِهِ الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةٌ وَالثَّانِي فِي الْأَيْسَرِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الثَّالِثِ فِي الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ روزانہ کلونجی کے اکیس دانے لیتے تھے اور اسے ایک کپڑے میں رکھتے تھے اسے پانی میں تر کر لیتے تھے پھر ناک کے دائیں نٹھنے میں دو قطرے بائیں میں ایک قطرہ دوسرے دن دائیں نٹھنے میں ایک قطرہ بائیں میں دو قطرے اور تیسرے دن دائیں نٹھنے میں دو قطرے اور بائیں میں نٹھے میں ایک قطرہ ڈالا کرتے تھے۔

تشریح: عجوہ کھجور کے جنتی ہونے کا مطلب کیا ہے؟

- ① اس بارے میں محشی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک تشبیہ ہے جس سے مراد اس کی عمدگی بیان کرنا ہے۔
- ② دوسری رائے یہ ہے کہ یہ حقیقی اطلاق ہے اور محشی کو کب نے ”جمع الفوائد“ سے بحوالہ بزار و کبیر روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے تھے تو اپنے ہمراہ کچھ جنتی پھل لے آئے تھے پھر ان کی گھلیوں سے موجودہ عجوہ وغیرہ معرض وجود میں آئی ہے تاہم دنیا میں آنے کے بعد جنت کے اثرات دنیاوی ماحول کی وجہ سے کم یا ختم ہو گئے ہیں، دنیا کا ماحول بعض اشیاء پر زیادہ اثر انداز ہوا ہے جبکہ بعض پر کم۔ عجوہ کافی حد تک محفوظ ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: عجوہ میں زہر اور سحر سے شفاء بعض کے نزدیک اس کی خاصیت و تاثیر ہے مگر بذل الجہود میں ہے کہ امام خطابی رحمہ اللہ نے اس کی ذاتی خاصیت کی نفی کر کے فرمایا ہے کہ یہ اثر آنحضور ﷺ کی دعا کی برکت ہے، علاوہ ازیں عجوہ دل کی بیماری کے لئے مفید ہے؛

چنانچہ ابو داؤد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بیمار ہو گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کی غرض سے تشریف لائے پھر اپنا دست مبارک میری دونوں چھاتیوں کے درمیان (یعنی دل پر) رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی، پھر فرمایا ”انک رجل مفعود“ یعنی تجھے دل کی بیماری ہے۔ جاؤ حارث بن کلدہ کے پاس وہ طب کا کام کرنے والا آدمی ہے، تو وہ عجوہ کی سات کھجوریں مدینہ کی لے کر گٹھلیوں سمیت کوٹ لے اور تمہیں کھلا دے، نیز سحر اور زہر کے لئے بھی سات کھائے (جیسا کہ ابو داؤد میں ہے، باب فی تمرۃ العجوة من کتاب الطب)۔

فائدہ: بذل الجہود میں ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے ”الاصابة“ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ دونوں نے فرمایا ہے کہ حارث بن کلدہ (طیب) کا مسلمان ہونا صحیح روایت سے ثابت نہیں، لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل ذمہ میں سے ڈاکٹر و طبیب سے علاج کروانا درست ہے۔ نیز اس حدیث میں طبیب کو کیفیت بھی بتلا دی۔

قوله ”والکباء من السن“ جیسا کہ باب کی تیسری حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں یہ تاثر بیان ہوا جو عربوں کا زعم تھا کہ کھمبی زمین کا چیچک ہے یعنی فاسد مادہ سے پیدا ہوتی ہے تو آنحضور ﷺ نے اس زعم کو رد فرمایا اور کھمبی کی مدح فرمائی اور جدید تحقیق سے بھی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ چیچک خراب خون یا مادہ کی وجہ سے نہیں نکلتا بلکہ ایک دائرے کے حملے سے ہوتا ہے۔ اور اگر عربوں کی اس اصطلاح کا مقصد محض تشبیہ ہو کہ جس طرح چیچک جسم کے ظاہری حصے پر ہوتے ہیں اسی طرح کھمبی دانوں کی شکل میں روئے زمین پر نکلتی ہے تو پھر حدیث میں اس تشبیہ کی نفی مراد ہوگی کیونکہ اچھی چیزوں کے لئے بری مثال بیان نہیں کرنی چاہئے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کا استعمال کس طرح ہے تو اس کے لئے مابعد والی حدیث میں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین یا پانچ یا سات کھنبیاں لیں اور ان کو نچوڑا اور ان کا پانی ایک بوتل (شیشی) میں ڈالا پھر اس سے اپنی باندی کو بطور سرمہ لگا تا رہا یعنی ڈالتا رہا تو وہ ٹھیک ہو گئی۔ طبرانی نے حضرت جابر سے روایت نقل کی ہے کہ ”عہد رسالت“ میں کھمبی کی پیداوار بڑھ گئی تو لوگوں نے اس کا کھانا یہ کہہ کر ترک کر دیا کہ یہ زمین کی چیچک ہے، نبی کریم ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: کھمبی زمین کی چیچک نہیں ہے، وہ ”من“ کی ایک قسم ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھمبی کو زائد فضلات اور فاسد رطوبتوں کی وجہ سے گویا مذمت کے طور پر ”زمین کی چیچک“ قرار دیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ زمین کا فاسد مادہ یعنی چیچک نہیں بلکہ وہ ”من“ کی ایک قسم ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی محنت و مشقت اور بغیر کاشت کے پیدا فرمایا، جس طرح کہ بنی اسرائیل پر یہ ”من“ بغیر کسی محنت و تکلیف کے ان پر نازل ہوتا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے جس پر اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ کھمبی کے پانی کی شفاء میں اس اعتبار سے اختلاف ہے کہ اسے کیسے استعمال کیا جائے؟

و ماء ہا شفاء للعين کا مطلب دو طرح کی ہوتی ہے: ① بالکل سیاہ یا سفید و سرخ، یہ دونوں صحت کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ② خالص سفید، یہ صحت اور بالخصوص آنکھوں کے لئے اس کا پانی بہت نفع بخش ہوتا ہے۔

چند اقوال ہیں: ① علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی کا پانی تنہا آنکھ میں استعمال نہ کیا جائے کیونکہ یہ نقصان پہنچاتا ہے، اس سے سرمہ یا ایسی کوئی چیز تیار کر لی جائے جس میں اس پانی کو ڈالا جائے، اور پھر سے بطور سرمہ کے

استعمال کیا جائے تو وہ مفید ہوگا۔

② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محض کھنٹی کا پانی آنکھ کو شفاء بخشتا ہے اور فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک دیندار عالم نابینا ہو گئے تھے، انہوں نے سانپ کی چھتری کو علاج کے طور پر استعمال کیا، اللہ نے ان کی بینائی واپس عطا فرمادی تھی لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض دوسرے مشائخ نے اس پانی کو استعمال کیا تو آنکھیں ٹھیک ہونے کے بجائے مزید خراب ہو گئیں، اس لئے امام نووی رحمہ اللہ کا قول ایسے آدمی سے متعلق ہے جو حدیث پر پورا اعتقاد کر کے یہ علاج کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذات اسے شفاء عطا فرماتی ہے۔

③ ابن عربی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر آنکھ میں حرارت کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس کے لئے کھنٹی کا خالص پانی شفاء ہوتا ہے اور اگر صرف حرارت کی وجہ سے تکلیف نہ ہو بلکہ دوسرے اسباب مرض بھی ہوں و پھر دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر اس کا پانی مفید رہتا ہے۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کے خالص پانی کو نچوڑ کر پکالیا جائے تو پھر اسے آنکھ میں ڈالا جاسکتا ہے، کیونکہ آگ پر پکانے کی وجہ سے اس کے فضلات، رطوبتیں اور فاسد مادے ختم ہو جاتے ہیں اور اس میں صرف نفع بخش اجزاء باقی رہ جاتے ہیں۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صرف یہ بتایا کہ کھنٹی کا پانی آنکھ کے لئے مفید ہوتا ہے، اسے کیسے استعمال کیا جائے، کیا تنہا آنکھ میں ڈالا جائے، یا کسی اور چیز کے ساتھ ملا کر، ان طبی تفصیلات کو آپ نے بیان نہیں فرمایا اور ان کا بیان کرنا آپ کی شرعی ذمہ داری بھی نہیں، کیونکہ یہ امور نبوت میں سے نہیں، اس لئے مذکورہ چار اقوال میں سے کوئی قول قطعی اور یقینی طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، بسا اوقات اس کا استعمال تنہا مفید ہوتا ہے اور کبھی مرکب کر کے، بعض امراض کے لئے نفع بخش ہوتا ہے اور بعض کے لئے مضر مختلف افراد کے اعتبار سے اس کا اثر بھی مختلف ہو سکتا ہے، لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کھنٹی کا ہر پودا، ہر مرض کے لئے، ہر وقت، ہر جگہ اور ہر انسان کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے، اس لئے ہر بیماری میں از خود اسے استعمال کرنے کے بجائے کسی طبیب سے رجوع کر کے علاج تجویز کرانا چاہئے، تاہم اگر کوئی مسلمان حضور ﷺ کے اس ارشاد پر کامل یقین رکھتے ہوئے سانپ کی چھتری کو ہر مرض کے علاج کے لئے استعمال کرے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اسے شفاء فرمائیں گے۔

حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے ”المسک الذکی“ میں اگلے سے پیوستہ ”باب ما جاء فی تبزید الحمی بالماء“ میں فرمایا ہے: ”پختگی عقیدے سے حق تعالیٰ شفاء دے ہی دیتے ہیں، عقیدے کا انجام حوائج میں بڑا دخل ہے۔“

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شونیز (کلونجی) ہر مرض کی دوا ہے سوائے موت کے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ روزانہ اکیس دانے لے کر کپڑے میں لپیٹ دے اور پانی میں بھگو دے پھر اس (کے پانی) سے ناک کے دائیں نیتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ڈالے، اور دوسرے دن بائیں دو قطرے اور دائیں میں ایک قطرہ پکادے، اور تیسرے دن دائیں میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ڈالے۔

یہ روایت ابو نعیم نے طب میں مرفوعاً نقل کی ہے، اس بارے میں پیچھے مستقل باب ”الحبة السوداء“ کے عنوان سے گزرا ہے۔

کھمبی اور کلونجی کو استعمال کرنے کا ایک ایک طریقہ:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب کے آخر میں حضرت قتادہ کی دو روایتیں ذکر کی ہیں، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، پہلی حدیث میں کھمبی کے استعمال کا ایک طریقہ مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین، پانچ یا سات کھمبیاں لے کر ان کا پانی نچوڑا، پھر وہ عرق باندی کی آنکھ میں ڈالا تو اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے، اسے استعمال کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ کلونجی بکے اکیس دانے لیکر کسی کپڑے میں کر کے بھگو دے، ساری رات بھگے رہیں، پھر اس کے پانی سے پہلے دن ناک کے دائیں سوراخ میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکائے، دوسرے دن صبح بائیں سوراخ میں دو اور دائیں میں ایک دائیں میں ایک قطرہ ٹپکائے اور تیسرے دن دائیں میں دو اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ دونوں طریقے درست ہیں اور ان کی افادیت میں بھی کوئی شبہ نہیں لیکن چونکہ ہر شخص کا مزاج، مرض اور اسباب مرض مختلف ہوتے ہیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ کسی ماہر ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر ان چیزوں کا استعمال اپنی طرف سے نہ کیا جائے۔

اعتراف: یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کی آخری حدیث کو جس میں کلونجی کا ذکر ہے، اس باب سے کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ اس باب میں کھمبی اور عجمہ کا ذکر ہے جبکہ اس روایت میں ان دو چیزوں میں سے کسی کا کوئی ذکر نہیں تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت اس باب میں کس وجہ سے ذکر کی ہے؟

یہ درست ہے کہ ظاہراً اس حدیث کو باب سے مناسبت نہیں ہے، البتہ یوں تاویل کی جاسکتی ہے:

② الکبأة من البن، وماءها شفاء للعين: کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے مفید ہے (اور من وہ میٹھا گوند تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور غذا بنی اسرائیل پر نازل کیا تھا)۔

احادیث کا خلاصہ: باب کی پہلی حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے دونوں مضمون ہیں اور دوسری حدیث میں جو سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ہے صرف دوسرا مضمون ہے، پھر تیسری حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے: حدیث کا شان درود بھی ہے، پھر اس کے بعد کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انہوں نے تین، پانچ یا سات کھمبیاں لیں اور ان کو نچوڑ لیا اور ان کا پانی ایک شیشی میں بھر لیا پھر ان کی ایک چندھیا باندی تھی اس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ اچھی ہو گئی۔

اس کے بعد آخری روایت باب سے بے جوڑ ہے، قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: مجھ سے بیان کیا گیا (یعنی درمیان میں کوئی مجہول واسطہ ہے) کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شو نیز یعنی کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے، پھر قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کا طریقہ استعمال بیان کیا کہ ہر دن اکیس دانے لے کر کپڑے میں پوٹلی باندھ لی جائے پھر اس کو پانی میں بھگو دیا جائے، پھر پہلے دن دائیں نٹھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اگر ایک دن میں بیماری دور نہ ہو تو پھر اکیس دانے باندھ کر بھگوئے جائیں اور دوسرے دن بائیں نٹھنے میں دو قطرے اور دائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اب بھی اگر شفا نہ ہو تو تیسرے دن پھر اکیس دانے بھگوئے جائیں اور دائیں نٹھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اسی طرح شفاء ہونے تک عمل جاری رکھا جائے،

مگر یہ علاج کس بیماری کا ہے؟ یہ بات بیان نہیں کی، اس لئے بات بے فائدہ ہے، نیز باب سے اس کا جوڑ بھی نہیں، اس کو کلونجی کے باب میں آنا چاہئے تھا۔

لغات: کماۃ ابن اعرابی نے اس کے برعکس کما واحد ہے اور کماۃ خلاف قیاس جمع ہے بعض حضرات کی رائے ہے کہ کماۃ کا لفظ واحد اور جمع دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع اکو بھی آتی ہے۔ یہ ایک گھاس اور پودا ہے جس کا پتہ اور تنہا نہیں ہوتا، زمین سے بغیر کسی محنت اور کاشت کے نکلتا ہے۔ اسے اردو میں ”کھمبی“ ”سانپ کی چھتری“ یہ کھمبی برسات کے موسم میں اگتی ہے اور انڈے کی طرح سفید ہوتی ہے اہل عرب اسے ”نبات الرعد (کڑک اور بجلی کا پودا) بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بادل کی گرج اور کڑک کی وجہ سے زمین سے نکلتی ہے۔ عجوۃ: (عین کی زبر اور جیم کے سکون کے ساتھ) مدینہ کی عمدہ قسم کی ایک کھجور۔ من (میم کی زبر اور نون کی تشدید کے ساتھ) ترنجبین وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور غذا نبی اسرائیل پر نازل کیا تھا۔ ”جلدی الارض“ بضم الجیم وفتح الدال وکسر الراء وتشدید الیاء چپک کو کہتے ہیں یہ ایک وبائی بیماری تھی جو انتہائی مہلک تھی، بقول سائنس دانوں نے چپک زدہ مرض کے ساتھ کمرے میں صرف پانچ سینڈ رہنے سے اس کا وائرس منتقل ہو جاتا ہے اور پھر مریض میں انتہائی سرعت سے پھیل جاتا ہے اس سے کبھی کبھار اتنی اموات ہو جاتیں کہ پوری کی پوری بستی خاموش ہو جاتی۔

حادث (مجہول کا صیغہ ہے) مجھے حدیث بیان کی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ قارور۔ۃ شیشی، بوتل ج قواریر۔ حلت بہ: میں وہ عرق سرمہ کے طور پر لگایا۔ برأت: اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ شو فیذ: (شین پر پیش، واؤ کے سکون، اور نون کی زیر کیساتھ) کالا دانہ، کلونجی۔

قوله ”الشونیز“ بضم الشین وسکون الواؤ وکسر النون کلونجی کو کہتے ہیں اور اسے حبثہ السوداء بھی کہتے ہیں۔

قوله ”السام“ بروزن عام موت کہتے ہیں وقدر۔ قوله ”فینقہ“ بفتح الیاء منقح پانی میں بھگوئی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ پھر ان کو پانی میں اچھی طرح بھگوئے۔ قوله ”فیستعط“ سوط سے ہے، ناک میں ڈالنے والی دوا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَجْرِ الْكَاهِنِ

باب ۲۲: غیب کی باتیں بتلانے والے کی اجرت

(۱۹۹۷) تَهْلِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کتے کی قیمت فاحشہ عورت کی کمائی اور کاہن کے معاوضے کو استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ان تینوں اجرتوں کی ممانعت معلوم ہو گئی البتہ ثمن الکلب ہمارے نزدیک مقید و مشروط بشرط ہے جبکہ باقی دونوں کی تحریم پر اجماع ہے، یہ تینوں مسائل محاسن ترمذی میں اپنے اپنے متعلقہ ابواب میں گزری ہے۔ ”باب ماجاء فی ثمن الکلب، باب ماجاء فی کراہیۃ مہر اور حلوان الکاهن کے لئے دیکھئے مذکورہ باب کے علاوہ، باب ماجاء فی کراہیۃ اتیان

الحائض ج ۱، ص: ۳۱۲.

کاہن کی تین قسمیں: (۱) جو دعویٰ کرے کہ مجھے جنات اخبار غیب بتلاتے ہیں۔ (۲) جو مقدمات سے نتائج اخذ کرنے کا دعویٰ کرے چاہے سائل کی باتوں، کپڑوں، ناخن وغیرہ سے کرے یا کسی اور ذریعہ سے۔ (۳) جو نجوم کی حرکات سے معلوم کرنے کا دعویٰ کرے جس کو عرف میں نجومی کہتے ہیں۔ حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے عرافہ کو بھی کہانت کی ایک قسم کہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”یہ عمل عرافہ ہے جو کہانت کی ایک قسم ہے اور محض حرام ہے۔ نیز فی نفسہ حرمت کے ساتھ عوام کے فتنہ میں پڑنے اور گمراہ کا موج بھی ہے اور دل میں آجانا القاء شیطانی ہے، یہ جواب انہوں نے ایک فتویٰ میں دیا ہے، سائل کہتا ہے کہ دو خصمین

کے نام اور عمر اگر مجھے معلوم ہو جائے تو میں جان لیتا ہوں کہ کون غالب ہوگا۔“ (تحفۃ العلماء ص: 530)

اسی طرح علم رمل کے متعلق لکھتے ہیں: ”کہ متعارف رمل کی تعلیم و تعلم حرام ہے۔“ (ایضاً ص: 532)

جبکہ مسمریزم اور علم الارواح والحاشرات کو قوت خیالیہ کا تصرف قرار دیا۔ تو وہ اس کی عقل کی کمی کی نشانی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر عاملوں کا شکار عورتیں ہوتی ہیں۔

علم غیب اللہ کا خاصہ ہے:

تاہم جو خاصہ ہے وہ حقیقی علم غیب ہے اس تک کسی بھی مخلوق کی رسائی ممکن نہیں اس کا دعویٰ کرنے والا کافر ہے خواہ اپنے لئے اثبات کا دعویٰ کرے یا کسی مقرب فرشتے یا بشر کے لئے جبکہ دوسری قسم مجازی اور اضافی علم غیب کہلاتا ہے اس کا دعویٰ حرام ہے اور کاہن اسی زمرے میں آتا ہے۔

فائدہ: ① امور غیبیہ دو طرح کے ہیں: ایک کا تعلق احکام سے ہے اور دوسرے کا اکوان سے، علم احکام آنحضور ﷺ کو عطاء ہوا ہے جبکہ امور تکوینیہ میں آپ ﷺ کو قسیم حصہ ملا ہے، تاہم علم کلی طور پر یہ کہنا چاہئے کہ اس کے اصول اور کلیات کا علم اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاصہ ہے، جزئیات منتشرہ لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی گئی ہے لیکن یہ تمام جزئیات اللہ کے علم کے مقابلے میں قطرہ بمقابلہ سمندر سے بھی کم ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

”یا موسیٰ ما نقص علمی و علمک من علم اللہ تعالیٰ الا سئل علیٰ حقہ هذه العصفور فی البحر.“

”اے موسیٰ علیہ السلام! میرے علم اور آپ کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنا بھی کم نہیں کیا جتنا کہ اس چڑیا کے چونچ بھرنے

سے سمندر میں کمی آتی ہے۔“ (بخاری جلد اول ص: ۲۳، کتاب العلم)

قابل غور ہے کہ ان دو انبیاء علیہم السلام کے پاس انتہائی وسیع علم تھا مگر پھر بھی انہوں نے یہ تشبیہ تقریب الی الفہم کے لئے دی ہے ورنہ اللہ کا علم تو لامتناہی ہے جبکہ سمندر متناہی ہے لہذا یہ نظیر ہے مثال نہیں ہے۔ ہر ہر ذرے اور پتے کا علم صرف اللہ کو ہے، البتہ انبیاء علیہم السلام کو جتنا حصہ ملا ہے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ ان کے پاس علم بذریعہ وحی آتا ہے اور وحی ذرائع معرفت اور اسباب علم میں سب سے زیادہ مضبوط اور سو فیصد یقینی سبب ہے جبکہ کاہنوں اور نجومیوں کا دعویٰ محض خیال یا فراڈ اور دھوکہ پر مبنی ہوتا ہے، اس کے پاس کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہوتا پس جو چیز اندازوں اور اٹکلوں پر مبنی ہو اس کا دعویٰ کرنا یا اثبات کرنا غیر حقیقی غیر شرعی اور

غیر عقلی کہلانے کا مستحق ہے، یہ کوئی علم نہیں بلکہ تخمین اور دھوکہ دہی ہے۔ لہذا اس پر اجرت لینا بلا عوض لینے کی وجہ سے حرام ہے اگرچہ کوئی خوشی سے دے کیونکہ دھوکہ اسی کو تو کہتے ہیں کہ کسی کو ایسا چکر دے جس سے اس کے اوسان خطا ہو جائیں۔

تنبیہ ②: آلات کے ذریعہ جو چیز معلوم کی جاتی ہے جیسے الٹرا ساؤنڈ میں مرض یا رحم کے احوال معلوم کرنا، ہوا میں نمی کا تناسب معلوم کرنا یا نبض سے بیماری یا دیگر آلات سے دل کی حرکات وغیرہ معلوم کرنا یہ علم غیب کے زمرے میں نہیں آتے، لہذا ان آلات کے ذریعہ کسی چیز کو معلوم کرنے کا دعویٰ علم غیب کے دعویٰ میں نہیں آتا کیونکہ آلات انسانی دماغ اور عقل کے نتائج ہیں، لہذا ان کا حکم وہی ہے جو انسانی اعضاء کا ہے کہ فرع تابع اصل ہوتی ہے تو جس طرح کسی شے کا علم آنکھوں سے حاصل ہونا علم غیب نہیں تو اسی طرح عینک دور بین اور ایکسرے وغیرہ سے حاصل کردہ علم بھی علم غیب نہیں۔

استراض: سورہ لقمان آیت نمبر 34 میں ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ (لقمان: ۳۴)

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رحم کے اندر کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

جواب: اس میں لفظ ”ما“ عام ہے اس سے نقطہ لڑکے یا لڑکی ”من“ ہونے کا علم نہیں بلکہ نطفے کی ابتدائی احوال سے لے کر بچے کی ولادت تک تمام حالیہ حالات اور مستقبل کے احوال حسین و جمیل ہونا، فصیح و بلیغ ہونا اور باقی تمام انسانی کردار کی استعدادات کا علم حتیٰ کہ اس کے علوم اور موت و حیات کی صلاحیت نطفے کے اندر معلوم ہونا سب مراد ہے جبکہ انسانی ساخت کے آلات یہ جاننے سے قاصر ہیں اگر فی الجملہ کچھ ظاہری شکل نظر آجائے یا نطفے کے جین کی کچھ صلاحیتیں معلوم ہو جائیں تو اس سے تمام تکوینی امور کا علم کہاں لازم آتا ہے۔ اور یہ اگر شک نہیں تو زیادہ سے زیادہ ظن ہے جبکہ علم کی تعریف شرح العقائد میں یوں کی گئی ہے: ہو صفة يتجلى بها المذکور لمن قامت هي به۔ دوسری تعریف میں ہے: صفة توجب تمييزاً لا يحتمل النقيض اور پہلی تعریف کو دوسری کی طرف راجع کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولكن ينبغي ان يحمل التجلي على الانكشاف التام الذي لا يشمل الظن لان العلم عندهم مقابل للظن۔ (شرح العقائد ص: 10) کون کہہ سکتا ہے کہ لیبارٹری رپورٹ میں نقیض کا احتمال نہیں ہے۔

تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غیب کے دو معنی ہیں: حقیقی اور اضافی۔ حقیقی: وہ ہے جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہ ہو، یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کے لئے اس کا حصول حرام کی بنا پر شرعی ہے۔ غیب اضافی وہ ہے جو کسی ذریعہ سے بعض کو معلوم کر دیا جائے، کسی (عمل) سحر یا کسی جن کے واسطے سے یا کسی بجوی یا کسی پنڈت کے واسطے سے کسی خبر کا یقین کر لینا خصوصاً جب کہ اس خبر سے کسی بری شخص کو مہتمم کر دیا جائے ایسا شدید حرام ہے کہ کفر کے قریب ہے۔ جب ان ذرائع کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں اور جو ذرائع شریعت کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے، ان پر حکم لگانا کس درجہ سخت گناہ ہوگا جیسے حضرات کرنا، چور کا نام نکالنے کے لئے لونا گھمانا یا آج کل جو عمل مسمریزم شائع ہوا ہے یا تو بالکل مہمل اور خرافہ یا حرام میں اکثر جگہ تو عامل کا دھوکہ ہی ہوتا ہے اور بعض عامل تو دھوکہ باز نہیں ہوتا مگر وہ خود دھوکہ میں ہوتا ہے، اس کو ان اعمال کی حقیقت معلوم نہیں، اول تو چور کا نام نکالنا اس عمل سے اس کا کچھ تعلق نہیں، یہ عامل کے یا کسی صاحب مجلس کے خیال کا تصرف ہے، اس کا سمجھنا مسمریزم کے جاننے پر موقوف ہے اور حضرات وغیرہ جو عامل لوگ کرتے ہیں، وہ اگر سب نہیں تو اکثر اسی قبیل سے ہے۔

پھر یہ جو نام نکلتا ہے اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں اکثر ایسا ہوتا ہے جب چاہے آزمایا جائے کہ ایک عامل کے عمل سے ایک شخص کا نام نکل آیا دوسرے کے عمل سے دوسرے شخص کا خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب تصرفات قوت خیالیہ کے ہیں، تو جیسے کوئی شخص کسی واقعہ میں فکر و خیال کو صرف کر کے کوئی رائے قائم کرے، بس اس سے زیادہ ان اعمال کی خوئی حقیقت نہیں اور اس سے دھوکہ نہ ہو کہ بعض اعمال میں آیات قرآنیہ پڑھی جاتی ہیں، بات یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت قوت خیالیہ کے دور کرنے کا محض حیلہ ہے در نہ اصل فعل قوت خیالیہ کا ہے گو آیات نہ پڑھی جائیں جب بھی وہ تصرفات کرتے ہیں اور اگر صرف آیات پڑھی جائیں اور خیال کو دوسری طرف متصرف کر دیا جائے تو ہرگز یہ تصرفات نہ ہوں اور اس سے دھوکہ نہ ہو کہ فلاں دفعہ (عمل) اس کے مطابق نکلا، یوں تو آدمی کچھ بھی نہ کرے یوں شروع کر دے کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو ہی جاتی ہے، اسی طرح ان خرافات میں اگر ایک دفعہ کوئی بات سچ ہے تو سو دفعہ جھوٹ نکلتی ہے... الخ۔

کن مقاصد کے لئے کتا پالا جاسکتا ہے؟

چند مواقع پر کتا رکھنے اور پالنے کی شرعاً اجازت ہے جبکہ اس کی ”حاجت“ اور ضرورت ہو، شکار کے لئے، کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لئے اور گھر کی چوکیداری کے لئے کتا پالنا اور رکھنا جائز ہے تاہم اگر کتا رکھے بغیر کسی اور طریقے سے یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہو تو کتا رکھنے سے احتراز کرنا بہتر ہے، گو کہ مذکورہ مقاصد کے لئے کتا رکھا جاسکتا ہے لیکن چونکہ اس کے لعاب وغیرہ کے جراثیم انتہائی زہریلے ہوتے ہیں، عموماً طرح طرح کی امراض کا وہ شکار ہوتا ہے، اس کے مزاج میں لہو و لعب اس انداز کا ہوتا ہے کہ شیطان کی بات کو قبول کرتا ہے، نجاست سے پرہیز نہیں کرتا اور دوسرے لوگوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے اس لئے کتا پالنے سے اجتناب کرنا زیادہ مناسب ہے، مذکورہ مقاصد کے علاوہ محض اپنے شوق کو پورا کرنے کے لئے کتا پالنا، جیس کہ اس زمانے میں عموماً شہروں میں لوگ شوقیہ طور پر کتے پالتے ہیں، شرعاً یہ جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں ان کے گھر میں رحمت کے فرشتے بھی داخل نہیں ہوتے کیونکہ حدیث میں ہے کہ اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو اور ضرورت کی بنیاد پر جب مذکورہ مقاصد کے لئے کتا رکھا جائے تو پھر وہ اس وعید میں نہیں آتا۔

لغات: ”مہر البغی“ نفی بروزن قوی، فاحشہ اور زنا کار عورت کو کہتے ہیں، یہاں مہر سے مراد اجرت ہے۔ ”خلوان“ بروزن غفران، میٹھی چیز کو کہتے ہیں، اس سے مراد اجرت ہے چونکہ یہ بغیر تعب و مشقت کے حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کو شیرینی سے تعبیر کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بلا عوض مفت میں ملتی ہے۔ ”الکاهن“ جو آدمی غیب کی خبر دینے کا دعویٰ کرتا ہے تاثر دیتا ہو جیسے آج کل کے اکثر عامل کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّغْلِيْقِ

باب ۲۳: کوڑی وغیرہ باندھنے کی ممانعت

(۱۹۹۸) ذَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ أَبِي مَعْبِدٍ الْجُهَنِيِّ أَعُوذُ بِهِ مُمَرَّةً فَقُلْنَا أَلَا تَتَعَلَّقُ شَيْئًا قَالَ الْمَوْتُ أَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ.

ترجمہ: محمد بن عبد الرحمن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں میں حضرت عبد اللہ بن عکیم یعنی حضرت ابو عبد جہسنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوا ان کے جسم پر سرخی موجود تھی میں نے کہا آپ کوئی تعویذ کیوں نہیں ڈال لیتے انہوں نے فرمایا موت اس سے زیادہ قریب ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی تعویذ لکھائے گا اسے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔
تشریح: تعویذ کا شرعی حکم:

دم اور جھاڑ پھونک چند شرائط کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے، جن کی تفصیل باب ماجاء فی کراہیۃ الرقیۃ کے تحت گزر چکی ہے، البتہ بعض حضرات تعویذ لکھنے، پلانے اور گلے میں لٹکانے کو جائز نہیں سمجھتے، وہ حضرات اسے شرک قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے:

- ① حدیث باب جس میں عبد اللہ بن عکیم نے گلے میں تعویذ نہیں لٹکائے اور کہا کہ موت اس سے زیادہ قریب ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کچھ تعویذ لکھ لے تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے، پھر اس کے ساتھ تائید غیبی اور مدد نصرت نہیں ہوتی۔
- ② سنن ابی داؤد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:
”ان الرقی والتائم والتولة شرک“
”بیشک جھاڑ پھونک، تعویذات اور تولہ شرک ہے۔“

تائم، تمیمۃ کی جمع ہے، تعویذ کو کہتے ہیں، جسے اس حدیث میں شرک کہا گیا ہے۔

لیکن جمہور صحابہ، تابعین اور علماء امت کے نزدیک تعویذ لکھنا، پینا، پلانا اور گلے میں باندھنا جائز ہے بشرطیکہ قرآنی آیات یا احادیث میں منقول کلمات سے تعویذ لکھا جائے اگرچہ ان کے معنی معلوم نہ ہوں، یا ایسے الفاظ و کلمات سے تعویذ لکھا جائے جو کفر و شرک کے معنی پر مشتمل نہ ہوں، معنی واضح اور شریعت کے موافق ہوں، مہمل بے معنی الفاظ نہ ہوں اور تعویذات کو نفع و نقصان وغیرہ پہنچانے میں مؤثر حقیقی نہ سمجھا جائے۔

حبہور کا استدلال: ① ابن ابی شیبہ اور امام ابو داؤد رحمہما نے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آیت نقل کی ہے کہ جو شخص خواب میں ڈرتا ہو، حضور اکرم ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا کہ وہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے:
”بسم اللہ“ اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه و سوء عقابه، و من شر عبادہ، و من ہمزات الشیاطین، و ان یحضر وں“

”میں اللہ کے نام سے دم کرتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے واسطے سے پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب اور بُرے عذاب سے، اس کے بندوں کے شر اور شیاطین کے دوسوں سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔“

روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے سمجھ دار بچوں کو یہ کلمات سکھا دیتے تھے اور جو بچے سیکھنے کے قابل نہ ہوتے تو یہ کلمات لکھ کر ان کے گلے میں تعویذ بنا کر لٹکا دیتے۔

- ② حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ درود میں بتلا عورت کے لئے ان کلمات کو مفید سمجھتے تھے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، ﴿كَانَ لَهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا كَمْ يَلْبَتُونَ إِلَّا وَعْشِيَةً أَوْ ضُحًى﴾ (النازعات: ۴۶)

﴿كَانَ لَهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ كَمْ يَلْبَتُونَ إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلَّغٌ فَعَلَبَ يَهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (الاحقاف: ۳۵)
 ”اس دن وہ اس کو دیکھیں گے وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر اس کی ایک صبح یا شام، گویا کہ وہ اسے دیکھیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے وہ نہیں ٹھہرے مگر اس کی صبح یا شام۔ پہنچانا ہے نہیں ہے ہلاکت مگر فاسق قوم کے لئے۔“
 اسی روایت میں ہے کہ ان کلمات کو کچی سیاہ روشنائی سے لکھ کر عورت کو پلا دیا جائے۔

③ تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء، مجاہد، محمد بن سیرین، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر، اور امام ضحاک رحمہم اللہ سے تعویذات کا جواز منقول ہے۔

④ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں تعویذات کے جواز کی تصریح فرمائی ہے۔
 جمہور کی طرف سے حدیث باب کا جواب: یہ دیا گیا ہے کہ اس میں ان تعویذات کا ذکر ہے جو شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے اور انہی کو نفع و نقصان پہنچانے کا سبب حقیقی سمجھا جاتا تھا، ظاہر ہے اس طرح کے تعویذات کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے، چنانچہ صاحب بذل الجہود لکھتے ہیں:

قوله: شرك اى من افعال المشركين اولانه يفضى الى الشرك اذا اعتقدان له تأثيراً حقيقة، (بذل ص: 7 ج: 6)
 ”شُرک کیا یعنی یہ مشرکین کے افعال میں سے ہے یا اس وجہ سے کہ یہ شرک کی طرف لے جاتا ہے جب اس بات کا اعتقاد رکھے کہ حقیقتاً اس کا اثر ہے۔“

ترمذی کی حدیث کا جواب حضرت گنگوہی رحمہم اللہ نے الکوکب الدری میں یہ دیا ہے کہ یہ عمل توکل کے اعلیٰ درجات یا توکل مطلق کے منافی ہے، مطلب نہیں کہ اس میں گناہ ہے۔

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ”رقی“ اور ”تمائمہ“ کو جو شرک کہا ہے، اس سے وہی دم اور تعویذ مراد ہیں جو خلاف شرع کلمات پر مشتمل ہوں ان میں شرکیہ کلمات ہوں اور یا اسے کوئی مؤثر حقیقی سمجھتا ہو، اس کی تائید اس روایت کے باقی حصے سے بھی ہوتی ہے، اس میں ہے کہ ”عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں کہ تعویذ اور جھاڑ پھونک شرک ہے، واقعہ یہ ہے کہ میری آنکھ آشوب چشم میں مبتلا تھی، میں فلاں یہودی سے دم کراتی تو میری آنکھ ٹھیک ہو جاتی، اس پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سب کچھ شیطانی عمل ہے، وہ یہودی شیطان سے مدد لے کر دم کرتا ہے تھوڑی دیر کے لئے وہ آنکھ درست ہو جاتی ہے، آپ وہ کلمات پڑھا کریں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے:

اذهب البأس، رب الناس، اشف انت الشافي، لا شفاء الا شفاءك شفاء لا يغادر سقماً.

”مصیبت ختم کر دے اے لوگوں کے رب شفا دے دے کوئی شفا دینے والا نہیں شفا مگر تیری طرف ہے ایسی شفا عطا فرما جس کے بعد بیماری نہ ہو۔“

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ جھاڑ پھونک اور تعویذ وہ ممنوع ہے جو اہل شرک کے ہاں رائج تھا جس میں وہ شیطانی

اور جنات سے مدد مانگتے تھے، لیکن اگر دم اور تعویذات قرآنی آیات اور احادیث میں منقول کلمات سے ہوں، یا ایسے الفاظ سے جن کا مفہوم واضح اور شریعت کے موافق ہو تو ان میں کوئی حرج نہیں، یہ جائز ہیں۔

تنبیہ: آج کل کے غیر مقلدین اور عربوں میں سے حنابلہ حضرات اس کو شرک کہتے ہیں حالانکہ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت تعویذ کے جواز کی ہے۔ دیکھئے تحفۃ الاحوذی:

اختلف العلماء ... فی جواز تعلیق التائم التي من القرآن و اسماء الله تعالى و صفاته فقالت طائفة يجوز ذلك و هو قول ابن عمرو بن العاص و هو ظاهر ما روى عن عائشة و به قال ابو جعفر الباقر و احمد فی رواية ... الخ۔

”علماء نے اختلاف کیا ہے تعویذ لٹکانے کے بارے میں جن تعویذوں میں قرآن اور اللہ تعالیٰ کا نام ہو اور اس کی صفات ہوں ایک جماعت کہتی ہے یہ جائز ہے یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور یہ ظاہر ہے اور وہ ظاہر جو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور ابو جعفر الباقر اور احمد رحمہما بھی یہی کہتے ہیں۔“

غیر مقلدین کی مستدل حدیث کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔ فلیتذکر

عملیات کا حکم:

دم، منتر، جھاڑ پھونک اور تعویذات ذکر کردہ شرائط کے ساتھ جائز ہیں، یہی حکم عام عملیات کا ہے، مختلف کلمات، مختلف وظائف کو بعض لوگ مخصوص تعداد اور خاص پابندیوں کے ساتھ پڑھتے ہیں، شرعاً ایسے عملیات کا حکم یہی ہے کہ اگر ان میں کوئی شرکیہ کلمہ اور غیر واضح لفظ نہ ہو تو جائز ہے۔

یہ دراصل لوگوں کے اپنے اپنے تجربات ہیں، کسی نے خاص مقصد کے لئے کوئی کلمہ ایک لاکھ مرتبہ رات کے وقت پڑھ لیا اور اس کا کام ہو گیا، اس نے پھر تجربہ کیا اور کامیاب رہا، اس طرح وہ شخص اس کو باقاعدہ ایک وظیفہ اور ایک عمل کی شکل دے دیتا ہے، اسے کوئی شرعی حکم نہیں سمجھنا چاہئے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مختلف جڑی بوٹیوں کی تاثیر لوگوں کے تجربات کر کے معلوم کی ہے اور مختلف امراض میں ان کا انفرادیاً استعمال مفید رہتا ہے۔

لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ عملیات سے کوئی قطعی حکم ثابت نہیں ہوتا مثلاً بعض لوگ چور معلوم کرنے کے لئے عمل کرتے ہیں، تو صرف اس عمل کی وجہ سے کسی شخص کو واقعتاً چور سمجھ لینا اور اس پر چوری کے احکام لاگو کرنا جائز نہیں۔

لعنات: تعلیق: لٹکانا، گلے میں تعویذ لٹکانا۔ حمرہ: خسرہ، ایک جلدی بیماری جس میں بدن سرخ یا اس پر دانے نکل آتے ہیں اور اس میں بخار بھی شدید ہوتا ہے۔ الا تعلق شیعئاً: تم کچھ تعویذ کیوں نہیں لٹکاتے ”تعلق“ باب تفعیل سے ہے، بعض حضرات نے اسے باب تفعیل سے قرار دیا ہے۔ ترجمہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ وکل الیہ: (باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے) اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے، یعنی اگر ان تعویذات وغیرہ کو مؤثر حقیقی سمجھے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ نہیں ہوتی، اسے بس ان تعویذات کے ہی سپرد کر دیا جاتا ہے۔ ”اعودہ“ عیادت بیمار پر سی کو کہتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَبْرِيدِ الْحُمَّى بِالْمَاءِ

باب ۲۴: پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنا

(۱۹۹۹) الْحُمَّى فَوْرٌ مِنَ النَّارِ فَأَبْرِدُوهَا بِالْمَاءِ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں بخار آگ کا جوش ہے اسے پانی کے ذریعے ٹھنڈا کرو۔

(۲۰۰۰) إِنَّ الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوهَا بِالْمَاءِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بخار جہنم کی تپش کا حصہ ہے تم اسے پانی کے ذریعے ٹھنڈا کرو۔

(۲۰۰۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُهُمُ مِنَ الْحُمَّى وَمِنْ الْأَوْجَاعِ كُلِّهَا أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ الْكَبِيرِ أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِزْقٍ نَعَارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو بخار اور دردوں کے بارے میں یہ دعا بتائی تھی کہ وہ یہ پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے جو سب سے بڑا ہے میں عظیم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ہر پھڑکنے والی رگ اور جہنم کی تپش کے شر سے۔

تشریح: بخار کو آگ یا دوزخ کی آگ کا اثر اور بھڑاس قرار دینے کا مطلب اس کی شدت حرارت بیان کرنا ہے جو تشبیہ کی ایک قسم ہے جیسے محاورہ میں کسی تنگ جگہ کو قبر اور محبوس جگہ کو جیل کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر زمانہ قدیم کے اطباء نے حدیث شریف پر اعتراض کیا تھا کہ غسل کرنے سے اور بخار والے مریض پر پانی ڈالنے سے تو بخار اور بھی بڑھ جاتا ہے پھر یہ کیسی صحیح ہو سکتی ہے؟ اس کے جواب میں علماء کرام اور شارحین عظام نے مختلف اور متعدد توجیہات کی ہیں مثلاً یہ زم زم کے پانی کے بارے میں ہے، یا حجاز کے بخار کے متعلق ہے جیسے ”شرقوا وغربوا“ الحدیث سب کے لئے نہیں یا گرمی سے لگنے والے بخار کے بارے میں ہے وغیرہ وغیرہ۔

بخار کے لئے غسل، جدید تحقیق کی روشنی میں:

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ آج کل سائنسی دور ہے اور نئی نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں، ان تحقیقات سے ایک طرف قدیم نام نہاد حکماء کے بہت سارے نظریات غلط ثابت ہوئے تو دوسرے جانب پیغمبر اسلام کے ارشادات کی تائید در تائید ہوئی، اگر ایسے مسائل کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم جلد بن جائے گی۔

آج سے چند سال قبل تک ڈاکٹروں کی رائے یہ تھی کہ جب بخار تیز ہو جائے تو مریض کے جسم پر برف کے ٹکڑے رکھے جائیں یا ٹھنڈے پانی کی پیٹی کی جائے مگر اب حال ہی میں انہوں نے مندرجہ بالا ضابطہ کی طرف لوٹ کر تسلیم کیا ہے کہ برف کا تجربہ غلط تھا، ہونا یہ چاہئے کہ نارمل پانی سے تیز بخار کا ازالہ کیا جائے یعنی اگر موسم گرم ہو تو ٹل کا پانی تیز بخار والے مریض پر ڈالا جائے اس سے جسم کے

مسامات کھل جائیں گے تو اندر کی حرارت مسامات کے ذریعے نکل کر بھاپ اور بخارات بن جائیں گی، اس طرح اندر ان درجہ حرارت کم ہو جانے سے جو عبارت ہے بخار سے خود بخود مریض کو افاقہ نصیب ہوگا اور یہ طریقہ کار ہر بخار اور ہر مرض کے لئے مفید ہے بشرطیکہ بخار تیز ہو جس کی طرف حدیث الباب میں اشارہ واضح موجود ہے لہذا نہ تو یہاں کسی مکان کی قید کی ضرورت ہے اور نہ زمان کی، اور نہ ہی بخار کی تقسیم کی ضرورت ہے، اس بارے میں غلط فہمی کی بنیاد کم بخار یا ٹھنڈے پانی کے استعمال پر تھی۔ فبذلک فلیفرحوا اس کی مزید وضاحت ”باب التداوی بالرماد“ سے پہلے والے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ کون سے بخار میں پانی کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

اعتراض: یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ بخاری کی بعض قسموں میں ٹھنڈا پانی جسم میں استعمال کرنا مفید نہیں ہوتا، خاص کر سردی لگنے کی وجہ سے جو بخار آتا ہے اس میں پانی کا استعمال نقصان دہ ہوتا ہے، تو پھر حضور ﷺ نے مطلقاً یہ کیسے ارشاد فرمایا کہ بخار میں پانی استعمال کرو؟

جواب: یہ ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد مطلقاً ہر بخار کے لئے نہیں، بلکہ یہ بخار کی ان قسموں سے متعلق ہے جن میں پانی سے جسم کو ٹھنڈا کرنا مفید ہوتا ہے، عموماً جو بخار گرمی اور گرم لو لگنے کی وجہ سے ہوتا ہے، اس میں پانی کا استعمال بہت مفید رہتا ہے اور چونکہ حجاز گرم علاقہ ہے تو وہاں لوگوں کو عموماً گرمی اور تپش کی وجہ سے بخار ہو جاتا تھا، اس لئے حضور ﷺ کا یہ ارشاد اس سے متعلق ہے، ہر قسم کے بخار کے بارے میں نہیں۔

بخار میں ٹھنڈا پانی کیسے استعمال کیا جائے:

حدیث میں بخار کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو کیا اس ٹھنڈک پہنچانے کا کوئی مخصوص طریقہ ہے یا کسی بھی طرح پانی استعمال کیا جاسکتا ہے؟ مختلف احادیث میں بخار ٹھنڈا کرنے کے چند طریقے منقول ہیں:

- ① اس کا ایک طریقہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ وہ بخار والے شخص کے سینے پر پانی چھڑک دیا کرتی تھیں۔
- ② امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، اس میں ایک اور طریقہ بیان کیا گیا ہے، اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بخار میں مبتلا شخص صبح کی نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کسی نہر میں اتر جائے اور جس طرف سے پانی بہہ کر آ رہا ہے، ادھر چہرہ اور سینہ کر دے اور بسم اللہ، اللھم اشف عبدک وصدق رسولک۔ کہہ کر اس میں تین ڈبکیاں لگائے، تین دن یہ عمل کرے، ٹھیک ہو جائے گا، ورنہ پانچ دن یا پھر سات دن اور یا پھر نو دن یہ عمل دہرائے، نو دن کے اندر اندر یہ بخار انشاء اللہ ضرور جاتا رہے گا۔
- ③ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بخار میں پانی کا مشکیزہ منگواتے اور اسے اپنے سر کے بالوں پر ڈال کر غسل فرماتے۔

④ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ بخار زدہ شخص پر صبح کے وقت ٹھنڈا پانی تین دن تک چھڑکا جائے۔

⑤ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ مغرب و عشاء کے درمیان کسی وقت بخار زدہ آدمی پر پانی بہا دیا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث کی رو سے بخار میں پانی کا استعمال مفید ہوتا ہے، تاہم علم طب چونکہ ایک پیچیدہ اور مشکل علم ہے، بسا اوقات ایک دوا ایک مریض کے لئے ایک وقت میں فائدہ مند ہوتی ہے اور دوسرے وقت میں اس کے لئے وہی دوا نقصان دہ

ہو جاتی ہے اور اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک ہی مرض کا علاج عمر، وقت، جگہ، موسم، عادت، غذا، تاخیر اور طبیعت و مزاج کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اس لئے بخار زدہ شخص کو از خود پانی کا استعمال نہیں کرنا چاہئے، جب تک کہ وہ کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ نہ کر لے۔

لغات: تبوید: ٹھنڈا کرنا۔ حمی: بخار۔ فود: تپش، شعلہ، لپٹ، بھڑک۔ فابردوھا امر ہے باب نصر: تم اس بخار کو ٹھنڈا کرو۔ حافظ ابن حجر، امام نووی، قاضی عیاض اور امام قرطبی رحمہم اللہ کے نزدیک یہی تلفظ رائج ہے جبکہ بعض حضرات نے اسے باب افعال سے قرار دیا ہے یعنی ہمزہ قطعی اور ا کے نیچے زیر کے ساتھ، لیکن پہلے قول کو فصاحت کے لحاظ سے رائج قرار دیا گیا ہے۔ فیج: لپٹ، بھڑک۔ اوجاع: وجع کی جمع ہے، درد۔ ان یقول: اس کا قائل بیمار ہے یا تیمار دار یا بیمار پرسی کرنے والا۔ عروق: رگ۔ نعار یہ اسم مبالغہ ہے: بہت چیخ و پکار کرنے والا۔ اور ”عرق نعار“ سے وہ رگ مراد ہے جس سے خون نکلتے وقت آواز ہوتی ہے، جوش مارنے والی رگ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغِيَلَةِ

باب ۲۵: دودھ پلانے کے زمانہ میں صحبت کرنا

(۲۰۰۲) اَرَدْتُ اَنْ اَنْهِيَ عَنِ الْغِيَالِ فَاِذَا فَارِسٌ وَالرُّومُ يَفْعَلُونَ وَلَا يَقْتُلُونَ اَوْلَادَهُمْ.

ترجمہ: جد امہ بنت وہب بیان کرتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں لوگوں کو عورت کے بچے کو دودھ پلانے کے دوران اس کے ساتھ صحبت کرنے سے منع کر دوں لیکن ایرانی اور رومی ایسا کرتے ہیں اور اس سے ان کے بچوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا اس لیے میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

(۲۰۰۳) لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَنْهِيَ عَنِ الْغِيَلَةِ حَتَّى ذَكَرْتُ اَنَّ الرُّومَ وَفَارِسَ يَصْنَعُونَ ذَلِكَ فَلَا يَضُرُّ اَوْلَادَهُمْ قَالَ مَالِكٌ وَالْغِيَلَةُ اَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ وَهِيَ تُرَضِعُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ جد امہ بنت وہب اسدیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ بات نقل کرتی ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ بچے کو دودھ پلانے کے دوران عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے منع کروں پھر مجھے پتہ چلا کہ ایرانی اور رومی ایسا کرتے ہیں اس سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غیل کی وجہ سے بچے کے مزاج میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے، اس کے قوی ضعیف ہو جاتے ہیں، پھر اس خرابی کو کمزوری کا اثر صرف بچپن ہی تک نہیں بلکہ بالغ ہونے کے بعد تک رہتا ہے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ بڑا ہونے کے بعد جب میدان کارزار میں جاتا ہے تو دشمن کے مقابلے میں سست اور کمزور پڑ جاتا ہے اور گھوڑے سے گر پڑتا ہے اور یہ چیز اس بچے کے حق میں ایسی ہی ہے جیسا کہ اسے مقابلے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا ہو اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم غیلہ نہ کرو تا کہ اس کی وجہ سے تم اپنے بچے کے قتل کا سبب نہ بن جاؤ۔

فائدہ: حمل کے زمانہ میں شروع میں تو عورت کا دودھ ٹھیک ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد جب عورت کا دودھ پیلا پڑ جائے تو وہ بچے

کے لئے ناموافق ہو جاتا ہے اس لئے جب حمل پر کچھ عرصہ گزر جائے اور دودھ میں تغیر آجائے تو دودھ پلانا بند کر دینا چاہئے، نیز دودھ پلانے والی عورت سے شوہر کا صحبت کرنا چونکہ استقرار حمل کا سبب ہے اس لئے بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے مگر ایک بیوی والا کیا کرے.....! آپ ﷺ نے اہل فارس اور رومیوں پر قیاس کرتے ہوئے اس نہی کو جزوی طور پر منسوخ فرمایا کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے ورنہ تورومی اور فارسی لوگ گھوڑے پر تھننے سے قاصر ہوتے، نیز ان لوگوں کی طب پر نظر ہے اور آبادی بھی بڑی تعداد میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ نقصان کا اندیشہ بہت کم ہے اس لئے اجازت عنایت فرمائی، ہاں عربوں کے مقابلے میں وہ کمزور تھے اس لئے پہلے منع فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ قیاس اور اجتہاد فرماتے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ (کذا فی البذل)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ کبھی نہیں کی حکمت دفع مفسدہ ہوتا:

وبین فی مواضع ان الحکمة مفسدة کالنهی عن الغيلة انما هو مخافة ضرر الولد. (قاله فی مقدمه کتابه)
 ”ان جیسی جگہوں میں حکمت دفع مفسدہ ہے جیسا کہ غیلہ سے منع کیا ہے غیلہ کہتے ہیں کہ بچے کو ضرر سے بچانے کے خوف سے۔“

لعنات: غیلہ: بکسر الغین اس کی تفسیر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی باب میں امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کی ہے:
 والغیال، والغلیة ان یطال الرجل امراته وہی ترضع.

”غیال اور غیلہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے اس حالت میں جماع کرے کہ وہ حاملہ ہو۔“

یعنی جب عورت بچے کو دودھ پلاتی ہو تو ان دنوں میں اس سے ہم بستری کرنا غیلہ اور غیال ہے۔ علیٰ ہذا غیال بھی بکسر الغین ہے۔
تشریح: عربوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب عورت کے ساتھ دوران رضاعت مجامعت کی جائے تو چونکہ اس سے حمل ٹھہرنے کا امکان رہتا ہے پھر دودھ خراب یعنی نرم اور فاسد ہو جاتا ہے جس سے دودھ پیتے بچے کو صحیح غذا نہ ملنے کی وجہ سے نقصان اور ضعف لاحق ہو جاتا ہے، پھر کل وہ گھوڑے پر شہسواری میں کمزور ہوتا ہے اور یہ بات فی الجملہ کسی حد تک صحیح تھی کہ جن لوگوں کے بچے جلدی جلدی پیدا ہوتے ہیں وہ ماں کا دودھ پوری مدت تک نہیں پی سکتے، اگر پیتے بھی ہیں تو دونوں صورتوں میں ان کی ہڈیاں اور پٹھے مضبوط و طاقتور نہیں ہوتے اس لئے آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا جیسا کہ نسائی والبوداد میں ہے:

”لا تقتلوا اولادکم سرا فان الغیل یدرک الفارس فیدعثره عن فرسه“

(لفظہ لابی داؤد، باب فی الغیل، کتاب الطب)

یعنی اپنی اولاد کو خفیہ طریقے سے قتل مت کرو کہ زمانہ رضاعت میں جماع کا اثر گھڑسوار پر ظاہر ہو کر اسے گھوڑے سے بچھاڑتا ہے۔

سند کی بحث: پہلی حدیث میں جو محمد بن عبدالرحمن بن نوفل ہیں انہی کی رکنیت ابو الاسود ہے، امام مالک رحمہ اللہ ان سے ہی روایت کرتے ہیں، اس لئے دوسری حدیث میں ہمارے نسخہ میں عن ابی الاسود کے بعد جو داؤد ہے وہ غلط ہے، مصری نسخہ میں نہیں ہے اس لئے اس کو حذف کیا ہے۔ اور باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول دو مرتبہ آیا ہے کیونکہ وہ دونوں روایتوں میں مذکور ہے (دونوں حدیثیں امام مالک رحمہ اللہ کی سند سے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَوَائِ ذَاتِ الْجَنْبِ

باب ۲۶: پہلو کے درد (نمونیا کا علاج)

(۲۰۰۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْعَثُ الزَّيْتِ وَالْوَرَسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ. قَالَ قَتَادَةُ يَلْدُهُ وَيَلْدُهُ مِنَ الْجَنْبِ الَّذِي يَشْتَكِيهِ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے زیتون اور ورس کو نمونیا کا علاج قرار دیا ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یہ بیمار کے منہ میں دوا کے طور پر ڈالا جائے گا۔

(۲۰۰۵) أَمَرَ تَارِسُ بْنُ سُوْلٍ اللَّهِ ﷺ أَنْ تَتَدَاوَى مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی تھی کہ ہم نمونیا کے مریض کو قسط بحری یا زیتون دوا کے طور پر دیں۔

تشریح: ذات الجنب کا علاج:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس بات کے تحت جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں نبی کریم ﷺ نے مرض ذات الجنب کے لیے دو علاج ذکر فرمائے ہیں:

- ① روغن زیتون اور ورس کے ذریعہ اس کا علاج کیا جائے، اور جس پہلو میں درد ہو، اسی طرف منہ میں انہیں پٹکایا جائے، روغن زیتون اور ورس کو ایک ساتھ تیار کر کے اکٹھا بھی لہو دیا جاسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کو الگ الگ منہ میں پٹکایا جائے۔
- ② عود ہندی اور روغن زیتون سے علاج کیا جائے جس کا طریقہ یہ ہے کہ عود ہندی کو پیس کر بالکل باریک کر کے زیتون کو گرم تیل میں ملا لیا جائے اور درد کی جگہ مالش کی جائے، یا اس کا لعوق یعنی چاٹنے کی دوا بنا کر چاٹا جائے تو انشاء اللہ ذات الجنب کی مرض سے شفاء ہو جائے گی۔

ذات الجنب کی قسمیں: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کی دو قسمیں ذکر کی ہیں:

- ① ذات الجنب حقیقی: یہ قسم ورم یعنی سوجن کی شکل میں ہوتی ہے، انسان کی پسلیوں کے اندرونی پٹھوں میں ورم آ جاتا ہے، جس کی وجہ سے مریض پانچ تکلیفوں میں مبتلا ہوتا ہے، شدید بخار، کھانسی، نخس (دباؤ) سانس کی تنگی و تکلیف اور نبض منشاری یہ ذات الجنب کی خطرناک قسم ہے، اس سے نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر پناہ مانگی ہے۔
- ② ذات الجنب غیر حقیقی: اس وہ درد مراد ہے جو گیس کی وجہ سے آدمی کے پہلو میں اٹھتا ہے۔ حدیث میں ذات الجنب سے یہی دوسری قسم مراد ہے، اس کے علاج میں عود ہندی مفید ہوتا ہے، کیونکہ وہ گیس کو رفع کرتا ہے اور باطنی اعضاء کو تقویت دیتا ہے، البتہ اگر پہلی قسم بلغم کی وجہ سے پیدا ہو تو ایسی صورت میں عود ہندی اس علاج کے لیے بھی مفید ہوگا۔

عود ہندی: ایک مفید جڑی بوٹی ہے، جس کی خوشبودار لکڑی دوا اور دھونی کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، اس کو اردو میں ”کوٹ“ یا ”کوٹھ“

اس کی پیداوار ملک چین اور برصغیر میں کشمیر کے علاقے میں زیادہ ہوتی ہے، اس کی عموماً دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک سفید اور دوسری سیاہ، سفید کو عود بحری یا قسط بحری کہتے ہیں اور سیاہ کو قسط ہندی یا عود ہندی کہتے ہیں، ان دونوں کی تاثیر گرم و خشک ہے، البتہ عود ہندی کی تاثیر، عود بحری کے مقابلے میں زیادہ گرم ہوتی ہے۔

قسط بحری: (سمندری عود) میں قسط کی نسبت ”بحر“ (سمندر) کی طرف اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ لکڑی دوسرے ممالک اور علاقوں سے سمندری راستے سے عرب پہنچتی ہے، اس لئے بحر کی طرف اس کی نسبت کی جانے لگی۔

عود ہندی کے فوائد: عود ہندی چونکہ عموماً دواء کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، اس لئے اطباء نے اس کے بہت فوائد لکھے ہیں مثلاً نفاس والی عورتیں اس کی دھونی لیں تو رکاوٹ ہوا فاسد خون جاری ہو جاتا ہے، مضر اور زہریلے جراثیم کو یہ دور کرتی ہے۔ دماغ، گردے اور جگر کو قوت دیتی ہے، گیس کو ختم کرتی ہے، دماغی بیماریوں جیسے لقوہ اور ریشہ کے لیے مفید ہے، پیٹ کے کیڑے باہر نکالتی ہے، متاثرہ جگہ پر اس کو ملنے سے چھائیاں اور دھبے جاتے رہتے ہیں، زکام کی حالت میں اس کی دھونی لینا بہترین علاج ہے، نیز اس کی دھونی سے سحر و جادو کے اثرات بھی جاتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علم طب کی کتابوں میں اس کے بہت زیادہ فوائد لکھے ہیں، اسی لئے ایک حدیث میں اسے ”سب سے بہتر دواء“ فرمایا گیا ہے۔

لعنات: ”ذات الجنب“ یہ تسمیۃ الحال باسم الحِل ہے، ذات الجنب: ہر اس درد کو کہتے ہیں جو انسان کے پہلو میں اٹھے، یہ درد بسا اوقات گیس کے جمع ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک مرض ہے جس میں پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں، ان میں پانی پڑ جاتا ہے، نمونیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”ذات الجنب“ کی تفسیر ”سل“ سے کی ہے۔

بسل کے معنی انتہائی ضعف اور کمزوری کے ہیں، اور اصطلاح میں ”سل“ اس خاص بیماری کو کہا جاتا ہے جس میں پھیپھڑوں میں زخم ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ سے شدید بخار رہتا ہے اور مریض بہت ہی ناتواں اور کمزور ہو جاتا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کا مقصد اس تفسیر سے یہ نہیں کہ ”ذات الجنب“ بعینہ ”سل“ ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب قسط بحری اور روغن زیتون کے ذریعہ مرض سل سے شفاء ہو جاتی ہے، جو کہ ایک سخت مرض ہے، تو ذات الجنب میں بھی یہ دونوں ضرور نافع ہوں گی کیونکہ یہ تو مرض سل کے مقابلے میں ذرا کم ذرے کا مرض ہے۔

وَرَس: ایک قسم کا زرد رنگ کا پودا جو زعفران کی طرح ہوتا ہے اور رنگائی کے کام میں لایا جاتا ہے، اور ہندوستان و عرب اور ملک حبشہ میں پیدا ہوتا ہے، اس کی تاثیر گرم اور خشک ہوتی ہے، داغ، کھجلی اور پھنسیوں کے لیے جسم پر لگانا اور برص کی بیماری کے لیے اس کو پینا مفید ہوتا ہے، یہ اپنے خواص اور منافع کے اعتبار سے عود ہندی کے قریب قریب ہے۔ یلد (یاء پر پیش اور لام کی زبر کے ساتھ) منہ کی ایک جانب دوا ٹپکائی جائے، یشنکیہ: وہ مرض اس کو لاحق ہے۔

سند پر بحث: دونوں حدیثوں کو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، ان کا نام میمون ہے، باپ کا صحیح نام معلوم نہیں، کچھ لوگ ”استاذ“ بتاتے ہیں، یہ بصرہ کے رہنے والے تھے اور ضعیف راوی ہیں، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک اچھے ہیں، اس لئے ان کی دونوں حدیثوں کی تصحیح کی ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ میمون سے متعدد ذی علم حضرات نے یہ حدیث روایت کی ہے، پس یہ ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

باب

باب: درد کی ایک جھاڑ

(۲۰۰۶) اَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَبِي وَجَعٌ قَدْ كَانَ يُهْلِكُنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اَمْسَحْ بِيَمِينِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَقُلْ اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ وَسُلْطَانِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ قَالَفَفَعَلْتُ فَاَذْهَبَ اللَّهُ مَا كَانَ بِي فَلَمْ اَزَلْ اَمُرُّ بِهِ اَهْلِي وَغَيْرَهُمْ.

تو جچہنہا: حضرت عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے مجھے اتنی تکلیف تھی جو مجھے ہلاک کر دے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اپنا دایاں ہاتھ سات مرتبہ (اپنی تکلیف والی جگہ پر پھیرو) اور یہ پڑھو میں اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت اور اس کے غلبہ کی پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں محسوس کر رہا ہوں۔
راوی بیان کرتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری اس تکلیف کو ختم کر دیا اس کے بعد میں اپنے گھسروالوں اور دوسرے لوگوں کو اسی کی ہدایت کرتا ہوں۔

روحانی علاج ہے جس کے متعلق ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد ”طب نبوی“ میں لکھتے ہیں کہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ جب روح میں قوت آ جاتی ہے تو نفس اور طبیعت دونوں قوی ہو جاتے ہیں اور بیماری کے دور کرنے میں اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے میں پوری مدد دیتی ہے، اس سے چند سطور پہلے لکھتے ہیں: ادویہ قلبیہ ادویہ روحانی قوت قلب، اعتماد علی اللہ، اسی سے سب کچھ مانگنا، اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اقرار، اپنی بے کسی کا اظہار، بے چارگی کا بیان، صدقہ، دعا، توبہ، استغفار، مخلوق کے ساتھ بھلائی، دردمندوں کی فریادری، مصیبت زدگان کی یادری، یہ سارے طریقے علاج کے جو خود مذہب اسلام نے اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے متبعین نے بار بار آزمائے ہیں، ان میں شفا کا وہ انداز، تاثیر کی وہ تیزی انہیں نظر آئی کہ دنیا کے بڑے سے بڑے تجربہ کار اور حاذق طبیب بھی اس تک نہ پہنچ سکے۔ (طب نبوی ص: ۳۱۰ فصل ۳)

درد دور کرنے کی دعا:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کے جسم کے کسی حصے پر درد ہو تو درد کی جگہ پر دایاں ہاتھ سات دفعہ پھیر کر یہ دعا پڑھے: اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ وَسُلْطَانِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ، تو اس سے اس کا درد انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اس حدیث کے راوی حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں یہ دعا اپنے اہل و عیال اور دیگر لوگوں کو سکھاتا اور بتاتا رہا، کیونکہ اس دعا میں اللہ کی عظمت و بڑائی اور شرور آفات سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، پھر جس طرح بیماری میں بار بار دوائی کھائی جاتی ہے، اسی طرح دعا میں بھی تکرار ہوتا ہے، اور سات کا عدد چونکہ طاق ہے اور بہت ہی خصوصیات کا حامل ہے، اس لئے اس حدیث میں سات کا عدد ذکر کیا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: تین دفعہ بسم اللہ پڑھے، اور سات دفعہ یہ دعا پڑھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث کتاب الطب میں اس لئے ذکر کی ہے کہ اس میں دعا کے ذریعہ درد کا علاج بیان کیا گیا ہے،

اس لحاظ سے اس حدیث کو کتاب الطب سے مناسبت ہو جاتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّنَا

باب: سنا کا بیان

(۲۰۰۷) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَأَلَهَا بِمَ تَسْتَمِشِينَ قَالَتْ بِالشَّبْرِ ثُمَّ قَالَ حَارٌّ جَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمِشَيْتُ بِالسَّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ أَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيهِ شِفَاءٌ مِّنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان سے دریافت کیا تم کس چیز کو مسہل کے طور پر استعمال کرتی ہو تو انہوں نے عرض کی شبرم کو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تو بہت گرم اور سخت ہوتا ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں پھر میں نے سنا کی کو اس کے لیے استعمال کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر کسی چیز میں موت سے شفا ہوتی تو اس میں ہوتی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْغَسَلِ

باب ۲۸: شہد کا بیان

(۲۰۰۸) جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أَخِي اسْتَظْلَقَ بَطْنَهُ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ سَقَيْتُ عَسَلًا فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتَظْلَا قَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اسْقِهِ عَسَلًا فَقَالَ فَسَقَاهُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ سَقَيْتُهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتَظْلَا قَا قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَدَقَ اللَّهُ وَكَذَّبَ بَطْنُ أَخِيكَ فَسَقَاهُ عَسَلًا فَبَرَأَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میرے بھائی کو پیچس لگے ہوئے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اسے شہد پلاؤ اس نے اسے پلایا پھر آیا عرض کی میں نے اسے شہد پلایا ہے لیکن اس سے پیچس زیادہ ہو گئے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اسے شہد پلاؤ راوی بیان کرتے ہیں اس نے پھر شہد پلایا پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کی میں نے شہد پلایا ہے لیکن اس کے نتیجے میں پیچس زیادہ ہو گئے ہیں راوی بیان کرتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے راوی بیان کرتے ہیں اس شخص نے اسے پھر شہد پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

(۲۰۰۹) مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَعُوذُ مَرِيضًا لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ فَيَقُولُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيكَ إِلَّا عُوِيَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کسی ایسے بیمار کی عیادت کرے جس کا آخری وقت ابھی نہ

آیا ہوا اور وہ سات مرتبہ یہ کلمات پڑھے: میں عظیم اللہ تعالیٰ جو عظیم عرش کا پروردگار ہے سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا عطا کر دے۔ تو اس شخص کو شفا نصیب ہو جائے گی۔

تشریح: سنا کا پودا: جنگلی کے نیل کے مشابہ ہوتا ہے، اور دو بالشت تک بلند ہوتا ہے، اس کے پتے مہندی کے پتوں کی مانند اور پھول کسی قدر نیل گول ہوتے ہیں، اس کی پھلی چبٹی ہوتی ہے، اور اس کے اندر چٹا، لمبوتر اور کسی قدر خمیدہ چھوٹا سانچ ہوتا ہے، اس کا مزاج گرم خشک ہے، اور یہ ملیں اور مسہل ہے، اس کے پتے دواء کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، سب سے بہتر وہ سنا ہے جو بلاد حجاز سے آتی ہے، اس لئے وہ سنا کی کے نام سے مشہور ہے۔

سنا کو اگر بغرض تلمین استعمال کرنا ہو تو مقدار قلیل میں مثلاً تین ماشہ دیتے ہیں، اور زیادہ مقدار میں استعمال کر کے مسہل قوی کا کام لیتے ہیں، اخلاط فاسدہ کو خارج کرنے کے لیے بہترین مسہل ہے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد بیماریوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ (مخزن مفردات ص: 233)

سنا کے فوائد: اطباء نے ”سنا“ کے بہت فوائد لکھے ہیں مثلاً پیٹ کی صفائی کے لیے نہایت معتدل گھاس ہے، صفرا، سودا اور بلغم کے اسہال کے لیے بہت مفید ہے، دماغ اور جلد کو صاف کرتی ہے، اور دل کو بہت ہی طاقت فراہم کرتی ہے، سوداوی اور بلغمی امراض کے لیے فائدہ مند ہے، جنون کو ختم کرتی ہے اور مرگی سے شفاء کا ذریعہ ہے، خارش، پھوڑا پھنسی کے لیے، اور سب سے اہم یہ کہ ”سوداوی“ کے لیے اس کا استعمال بہت ہی نافع اور مفید ہوتا ہے۔

استطلاق بطن کا علاج شہد کے ذریعہ کیسے؟

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دست کے علاج کے لئے شہد پینے کا فرمایا، اس پر طبی لحاظ سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ شہد خود مسہل یعنی پیٹ کو جاری کرتا ہے اور یہاں جب اس شخص کا پیٹ پہلے سے جاری تھا، تو پھر اس کے علاج کے لئے شہد کیونکر تجویز کیا گیا؟

جواب ①: یہ شبہ محض جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک ہی مرض کا علاج عمر، عادت، وقت، جگہ، غذا، تدبیر اور مزاج و طبیعت کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور دست اسہال کا مرض بھی مختلف اسباب کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی اعتبار سے ان کے علاج کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں اور جو جلاب اور دست بدہضمی کی خرابی کی وجہ سے جاری ہوں، ان کے علاج میں شہد مفید ہوتا ہے، لہذا حضور اکرم ﷺ کا اسے شہد پلانے کا حکم دینا اصول طب کے عین مطابق تھا۔

جواب ②: حضور اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اس شخص کو شہد ہی سے شفاء ملے گی۔

جواب ③: بعض ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسہال کے علاج کے لئے جو شہد پلانے کا علاج تجویز فرمایا، یہ علاج بالمثل کے طور پر تھا کہ ایک مرض کا علاج اس کے مثل سے کیا گیا، یہ طب کے اصول کے بالکل مطابق ہے، کیونکہ ہومیو پیتھک میں علاج بالمثل ہی اساس اور بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے۔ سنا: ایک پودا جو دواؤں میں استعمال ہوتا ہے، اور مسہل اور دست آور ہے، یہ گھاس زیادہ تر حجاز میں ہوتا ہے، اور ”سنائے کی“ فائدے اور نفع بخش ہونے میں زیادہ مشہور ہے۔

بما تستمشین: تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو، کون سی دست آور دواء پیتی ہو اور دست آور دواء۔ شبہہ: یہ ایک گھاس اور پودا ہے جو دست آور ہے، اس کا درخت چھوٹا اور بڑا دونوں قسم کا ہوتا ہے، بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ”شبہہ“ سے اس گھاس

کے دانے مراد ہیں جو چنے کے برابر ہوتے ہیں، اور اسہال کے لیے ان دانوں کو پانی میں جوش دے کر اس کو پیا جاتا ہے، اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ شہرم کسی درخت کی جڑ کا چھلکا ہے جو گرم خشک ہوتا ہے۔ بخار۔ جاز یہ جڑ سے ہے، کھینچنے والا۔

باب

باب: بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کا ایک طریقہ

(۲۰۱۰) إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمُ الْحُمَّى فَإِنَّ الْحُمَّى قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيُطْفِئْهَا عَنْهُ بِالْمَاءِ فَلْيَسْتَنْقِعْ نَهْرًا جَارِيًا لِّيَسْتَقْبِلَ جَرِيَّتَهُ فَيَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُولَكَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ فَلْيَغْتَسِمْ فِيهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي ثَلَاثٍ فَخَمْسٍ وَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي خَمْسٍ فَسَبْعٍ فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي سَبْعٍ فَتِسْعٍ فَإِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا يَإِذْنَ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب کسی شخص کو بخار ہو جائے تو بے شک بخار آگ کا ایک حصہ ہے تو وہ اسے پانی کے ذریعے بجھائے اور بہتی ہوئی نہر میں اتر کر جس طرف سے پانی آ رہا ہو اس طرف رخ کرے اور یہ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اے اللہ تو اپنے بندے کو شفاء عطا کر اور اپنے رسول ﷺ کی تصدیق کر دے۔ وہ یہ عمل صبح کی نماز کے بعد اور سورج نکلنے سے پہلے کرے اور اس میں تین مرتبہ ڈبکی لگائے اور ایسا تین دن تک کرے اگر تین دن میں ٹھیک نہیں ہوتا تو پانچ دن تک کرے اگر پانچ دن میں ٹھیک نہیں ہوتا تو سات دن کرے اور اگر سات دن میں ٹھیک نہیں ہوتا تو نو دن تک یہ عمل کرے ان شاء اللہ نو دن سے زیادہ کی نوبت نہیں آئے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی اجل پوری نہ ہوئی ہو اور وہ یہ دعا ”اَسْئَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ“ الخ سات مرتبہ پڑھے تو اس کو ضرور شفاء ہوگی۔ پہلے یہ بات گزری ہے کہ بخار آگ کا جوش ہے، پس اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو، مگر وہاں ٹھنڈا کرنے کا طریقہ مذکور نہیں، بخار کو ٹھنڈا کرنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً نہانا، کپڑا بھگو کر سر پر رکھنا یا پیروں سے لگانا وغیرہ اور اس کا ایک طریقہ اس باب میں مذکور ہے۔

بسم اللہ اشف عبدک، وصدق رسولک: عرب میں جاری نہریں نہیں ہیں، اس لئے اس حدیث کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

سند: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی سعید بن زرعہ حمصی جزار خزانف مستور راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ ہر بخار میں ہر ملک میں یہ طریقہ مفید نہیں، گرم ملکوں میں لو لگنے سے جو بخار ہو جاتا ہے اسی میں یہ طریقہ مفید ہے۔

تفصیل ”باب ماجاء میں تبزید الحی بالماء“ میں گزری ہے وہیں مزید یہ ہے کہ جو ضابطہ وہاں بتلایا گیا تھا اس کے مطابق اصل بات جسم کی اندرونی گرمی کو خارج کرنا اور درجہ حرارت کو کسی نہ کسی طرح کم کرنا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ عزوجل

نے انسان کے جسم میں ایک خود کار لیول ودیعت فرمایا ہے، اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ جسم کے اندر 6.98 فارن ہیٹ درجہ حرارت کو محفوظ رکھتا ہے خواہ باہر کا موسم کیسا ہی ہو یعنی شدید گرمی ہو یا سخت سردی ہو مگر اندر کا درجہ حرارت اسی طرح 36 سینٹی گریڈ رہتا ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جسم کے اندر اس قسم کے جراثیم داخل ہو جاتے ہیں جو اس لیول کو متاثر کرتے ہیں۔ نتیجتاً جسم کی اندرونی گرمی کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور کھال کی سطح پر ٹھنڈ کی وجہ سے مسامات بند ہو جاتے ہیں اس طرح گرمی کے اخراج کا عمل قفل ہو جاتا ہے چونکہ قوت حاسہ کھال میں ہے اس لئے بخار میں مریض کو سردی لگتی ہے اگرچہ اندر شدید گرمی ہوتی ہے، بخار کے اتارنے کے لئے جو ادویات دی جاتی ہیں: ① اس میں دو طرح کے اثرات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو ان جراثیم کو ختم کر دیں۔ ② جو اس لیول کے عمل کر کے گرمی کا بیرون جسم منتقل کرنے کا عمل بحال کر کے گرمی کا اخراج کریں۔

صاف پانی میں اللہ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ ان جراثیم کو چُن چُن کر ہلاک کر دیتا ہے، دوسرے اس سے مسامات کھل جانے سے اندر کی گرمی بھاپ بن کر خارج ہو جاتی ہے۔ لہذا حدیث باب میں جو طریقہ بتلایا گیا ہے وہ کئی فوائد پر مشتمل ہے مثلاً صبح کے وقت پانی صف ستھرا بھی ہوتا ہے اور صبح کے وقت غسل سے آدمی ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہو جاتا ہے جس کا اپنا اثر بھی ہے اور نفسیاتی اعتبار سے بھی مفید ہے، نیز دعا اور سنت کے مطابق روحانی علاج کے ثمرات بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

بَابُ التَّدَاوِي بِالرَّمَادِ

باب ۲۹: راکھ سے علاج کرنے کا بیان

(۲۰۱۱) سَيَّلَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَأَنَا أَسْمَعُ بِأَبِي شَيْبَةَ دُوِيَ جَرَحُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِثْلِي كَانَ عَلَيَّ يَأْتِي بِالْمَاءِ فِي ثَوْبِهِ وَقَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْهُ الدَّمَ وَأُحْرِقَ لَهُ حَصِيرٌ فَمَشَاهُ جُرْحَهُ.

ترجمہ: ابو حازم بیان کرتے ہیں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا میں اس بات کو سن رہا تھا نبی اکرم ﷺ کو کون سی چیز زخم پر لگانے کے لیے دوا کے طور پر دی گئی تھی تو انہوں نے جواب دیا اب کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا جو اس بات کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لے کے آئے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے خون کو دھویا تھا اور میں نے آپ ﷺ کے لیے چٹائی کو جلایا تھا جسے آپ ﷺ کے زخم پر لگا دیا گیا تھا۔

(۲۰۱۲) إِنَّمَا مِثْلُ الْبَرِيضِ إِذَا بَرَأَ وَصَحَّ كَالْبُرْدَةِ تَقَعُ مِنَ السَّمَاءِ فِي صَفَائِهَا وَلَوْ فِيهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بیمار شخص جب تندرست اور ٹھیک ہو جائے تو صفائی اور رنگت کے حوالے سے وہ آسمان سے نازل ہونے والے اولوں کی طرح ہو جاتا ہے۔

تشریح: یہ روایت بخاری کی کتاب المغازی (ص: 584، جلد: 2) پر بھی آئی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ جب اس زخم پر راکھ لگا دی گئی تو "فاستمسك الدم و كسرت رباعية يومئذ و جرح وجهه و كسرت البيضة رأسه" مگر واضح رہے کہ

آپ ﷺ کا رباعی دانت پورا شہید نہیں ہوا تھا بلکہ صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا الگ ہو گیا تھا اور ساتھ نچلا ہونٹ مبارک بھی زخمی ہوا تھا، یہ عتبہ بن ابی وقاص کے تیر لگنے کی وجہ سے ہوا تھا، اس خون دھونے کی وجہ بخاری کی روایت کے مطابق اسے روکنا تھا جہاں تک حصیر یعنی چٹائی یا بوریا اور ٹاٹ جلا کر اس کی راکھ زخم پر ڈالنے کا تعلق ہے تو یہ بھی بخاری کی روایت کے مطابق خون روکنے کے لئے تھا۔

جدید تحقیق: انسانی جسم میں کسی عضو کے زخمی ہونے کی صورت میں اور بالخصوص زنگ آلود لوہے یا آلودہ چیز سے چوٹ آنے سے زخم میں جراثیم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جن سے تشنج (ٹینس) کا خطرہ ہوتا ہے جس کے لئے آج کل ٹیکے لگائے جاتے ہیں مگر آگ میں اللہ عزوجل نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ اگر کوئی جگہ یا چیز آگ سے جلادی جائے تو وہ جراثیم مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں گویا پھر ٹیکہ لگوانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

زخم کا علاج راکھ کے ذریعہ:

زخم اگر معمولی قسم کا ہو تو پانی سے دھو لینے سے بھی درست ہو جاتا ہے، لیکن اگر زخم گہرا ہو، خون اس سے ابل رہا ہو تو پھر اسے پانی سے دھونا کافی نہیں ہوتا، اس کے علاج کے لئے کسی دوا کا استعمال ضروری ہوتا ہے، اس زمانے میں زخم سے خون کا روکنا چونکہ راکھ کے ذریعہ مشہور تھا اس لئے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے آپ ﷺ کا وہ زخم بھر دیا گیا، جس سے خون رک گیا، کیونکہ راکھ کسی بھی چیز کی ہو، اس میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اگر اسے زخم پر لگا دیا جائے تو خون رک جاتا ہے۔ یہ واقعہ غزوہ احد میں پیش آیا تھا، اس میں آپ ﷺ کا چہرہ انور زخمی اور خون آلود ہو گیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لا رہے تھے اور حضرت فاطمہ چہرہ انور سے خون دھوتی تھیں، لیکن جب دیکھا کہ خون رک نہیں رہا بلکہ پانی کی وجہ سے مزید بڑھ رہا ہے تو ایک چٹائی کو لے کر جلایا اور اس کی راکھ سے وہ زخم بھر دیا تو خون رک گیا۔

حاشیہ بخاری پر بحوالہ کرمانی اس حدیث سے کچھ اور مسائل بھی مستنبط کئے گئے: ① اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پر آزمائشیں اور بیماریاں آتی تھیں تاکہ وہ اس کا اجر بھی حاصل کریں۔ ② اور تاکہ امت کو اس پر چلنا یعنی صبر کرنا آسان ہو۔ ③ اور یہ کہ معلوم ہو کہ انبیاء بھی بشر ہیں ان کو وہ تمام عوارض لاحق ہو سکتے ہیں جو عام انسانی جسموں کو لاحق ہوتے ہیں۔ ④ اور یہ کہ یقین ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام مخلوق ہیں اس طرح وہ معجزات دیکھنے سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ (جیسا کہ بعض لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض نے نبی علیہ السلام کی بشریت سے انکار کر دیا ہے) ⑤ اس میں خود وغیرہ ہتھیار پہننے کا استحباب معلوم ہوا اور یہ کہ یہ توکل کے منافی نہیں۔ (بخاری ص: 584، جلد: 2، حاشیہ نمبر 2)

لغات: ”الرماد“ بالکسر راکھ کو کہتے ہیں۔ ”دووی“ مجہول کا صیغہ ہے جیسے نودی۔ ”جرح“ بضم الجیم، چوٹ اور زخم کو کہتے ہیں، جمع جروح آتی ہے۔ ”ترسہ“ بضم التاء ترس، سپر اور ڈھال کو کہتے ہیں۔ ”حصیر“ کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی چٹائی اور بوریا، ٹاٹ۔ ”فحشی“ بضم فہول حشو بھرتی کو کہتے ہیں یعنی وہ چیز جس سے کسی چیز کو بھرا جائے جیسے تکیہ میں روئی وغیرہ۔

باب

باب: مریض کو زندگی کی امید دلانا

(۲۰۱۳) إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَتَنَفَسُوا لَهُ فِي أَجَلِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَزِيدُ شَيْئًا وَيُطَيِّبُ نَفْسَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کی درازی عمر کے لیے دعا کرو یہ چیز تقدیر کو تو نہیں بدل سکتی لیکن اس بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے۔

(۲۰۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَادَ رَجُلًا مِّنْ وَعَاكَ كَانَ بِهِ فَقَالَ أَبَشِّرْ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ هِيَ نَارِي أُسَلِّطُهَا عَلَى عِبَادِي الْمُنْذِبِ لَتَكُونُ حَقْلَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بخار میں مبتلا ایک شخص کی عیادت کی تو فرمایا تمہارے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے یہ میری آگ ہے جو میں اپنے گنہگار بندے پر مسلط کر دیتا ہوں تاکہ یہ جہنم سے (نجات کے لیے) اس کا کفارہ بن جائے۔

(۲۰۱۵) عَنِ الْحَسَنِ قَالَ كَانُوا يَزْتَجُونَ الْحُمَّى لَيْلَةً كَفَّارَةً لِّمَا نَقَصَ مِنَ الذُّنُوبِ.

ترجمہ: حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پہلے لوگ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ایک رات کے بخار کو کفارہ سمجھتے تھے کیونکہ اس کی وجہ سے گناہ کم ہو جاتے ہیں۔

لغات: ”نفسو الہ“ تنفیس سے ہے، اس کے صلہ میں ”عن“ بھی آتا ہے، اس کے معنی خوش کرنے، تسلی دینے اور سکون بخشنے کے ہیں۔ بیمار پرسی کا ایک ادب:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بیمار پرسی کا ایک ادب بیان فرمایا ہے کہ مریض کی عیادت کے وقت ایسی باتیں کرنی چاہئیں جس سے اس کا دل خوش ہو، خاص طور پر زندگی کے بارے میں اسے تسلی دو کہ ”کوئی حرج نہیں، بیماری سے ان شاء اللہ تمہارے گناہ معاف ہو رہے ہیں، یا یوں کہے: اللہ تیری عمر دراز کرے، تمہیں شفاء اور عافیت عطا فرمائے“ اس سے اس کا دل خوش ہو جائے گا۔ علامہ طبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”نفسو الہ“ کے معنی یہ ہیں کہ اسے لمبی عمر کی امیدیں دلاؤ کہ تمہاری یہ بیماری عنقریب ختم ہو جائے گی اور ایک طویل عرصہ تم حیات رہو گے۔

مذکورہ کلمات اور تسلی سے گو کہ اس کی تقدیر کے فیصلے رد نہیں ہو سکتے اگر تقدیر میں موت لکھی ہے تو وہ ضرور آ کر رہے گی، لیکن اس گفتگو سے تھوڑی دیر اسے خوشی ضرور حاصل ہوگی اور اس کا دل باغ باغ ہو جائے گا اور کسی مسلمان کا دل خوش کرنا بھی یقیناً نیکی ہے۔



أَبْوَابُ الْفَرَائِضِ

فرائض کے بیان میں

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلْيُورَثْهُ

باب ۱: آدمی جو مال چھوڑ کر جائے وہ اس کے اہل خانہ کو ملے گا

(۲۰۱۶) مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ ضَيَاعًا فَلِإِيٍّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آدمی جو مال چھوڑ کر جائے وہ اس کے اہل خانہ کو ملے گا اور جو شخص کوئی چیز چھوڑ کر نہ جائے تو اس کے اہل خانہ کا خرچ میرے سپرد ہوگا۔
تشریح: وجہ تسمیہ: فرائض جمع فریضۃ بمعنی مقدرات چونکہ سہام مقدور معین من جانب اللہ ہیں اس وجہ سے ان کو فرائض سے تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فرض بمعنی قطع آتا ہے اور سہام مقدور ہونے کے ساتھ ساتھ مقطوعہ بدلیل القطعی بھی ہے اس وجہ سے ان کو فرائض کہا جاتا ہے:

فاجتمع فیہ معنی اللغوی والشرعی لانہا ثابتۃ بدلیل قطعی ای کتاب والسنة والاجماع.
علم فرائض کی تعریف:

ان اصول وقواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ میت کا ترکہ مستحقین شرعی کو تقسیم کیا جائے۔
موضوع: میت کا ترکہ اور مستحقین شرعیہ۔

معرض: ایصال الحقوق الی اہل الاستحقاق ترکہ کے مستحقین اور ان کے شرعی حقوق کی مقدار کو معلوم کرنا۔
ارکانہ: الوارث، المورث، الموروث.

شرائط: موة المورث، حیاة الوارث حقیقۃ اور حکماً.

مرتبہ علم اور اس کی اہمیت:

اس کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے نیز نبی کریم ﷺ نے اس علم کے حصول کی طرف ترغیب دی ہے فرمایا:

تعلّموا الفرائض وعلّمواہا للناس فانہا نصف العلم، رواہ الدارمی والدارقطنی وابن ماجہ و
الحاکم کما فی الجامع الصغیر عن ابی ہریرۃؓ وفیہ زیادۃ قولہ وهو اول علم ینزع من امتی.
”تم فرائض کا علم سیکھو اور اُسے لوگوں کو سکھاؤ بیشک یہ نصف علم ہے۔“

ایک روایت میں ہے فرمایا:

وهو سنتی وهو اول شئ ینزع من سنتی. معین الفرائض بحوالہ مجمع الانہر عن عمرؓ قال
تعلّموا الفرائض فانہ من دینکم. (مشکوٰۃ شریف)

”وہ پہلی سنت ہے جو میری اُمت سے اُٹھالی گئی۔ مجمع الانہار میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں تم فرائض سیکھو
اس لئے کہ وہ تمہارے دین میں سے ہے۔“

اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جو شخص قرآن سیکھے اس کو فرائض بھی سیکھ لینا چاہئے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے
فرمایا جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسے بے چہرے کا سر ہے بہر حال اس علم شریف کی اس نوع سے بھی اہمیت ہے
کہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جو شرعاً بہت اہم مؤکد حقوق ہیں۔

علم فرائض بہت اہم فن ہے اور اس کی اصطلاحات بھی ہیں جو کتب فرائض میں مذکور ہیں ہم یہاں بعض اصول کو بیان کرتے
ہیں جن کا جاننا طلبہ علم فرائض کے لئے مفید ہے۔

اول: زمانہ جاہلیت میں صرف ان مردوں کو میراث دی جاتی تھی جو میدان جنگ کے قابل ہوتے تھے صرف تین علاقوں سے میراث دی
جاتی تھی علاقہ نسب، معاہدہ، تہنی۔ ابتدائے اسلام میں زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر ان تین علاقوں سے میراث ملتی رہی اس کے بعد دو علاقے
اور زائد ہوئے پھر پانچ علاقوں سے میراث ملتی رہی علاقہ نسب، تہنی، معاہدہ مواخاۃ، ہجرت، جب مہاجرین کے قرابت دار مسلمان ہو گئے
تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ قدرتی رشتہ اس بھائی چارے سے مقدم ہے۔ لہذا علاقہ مواخاۃ و ہجرت اور تہنی کو منسوخ فرمایا دیا: کما
قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الانفال: ۷۵)

”اولوالارحام بعض بعض سے اولیٰ ہیں اللہ کی کتاب میں۔“

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا﴾ (الاحزاب: ۶)

”مؤمنین اور مہاجرین کے ساتھ تم موالات کرو معروف طریقے پر۔“

﴿كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا﴾ (الاسراء: ۵۸)

”اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے۔“

ہاں البتہ سلوک واحسان ان رفیقوں سے بھی کئے جاؤ مگر وصیت کو اس وقت لازم کر دیا گیا تھا۔ کہا قال تعالیٰ:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمَتَّقِينَ﴾ (البقرہ: ۱۸۰)

”تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پر ہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔“

لوگوں میں دستور تھا کہ مرد کا تمام مال اس کی بیوی، اولاد اور بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا، ماں، باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے اس آیت میں حکم ہوا کہ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ دینا چاہئے مرنے والے پر اس کے موافق وصیت کرنا فرض ہوئی اور یہ وصیت اس وقت تک فرض تھی جس وقت تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی جب حصص مقرر ہو گئے تو وارثین کے حق میں وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا: لا صیۃ لوارث۔

دوم: آیت میراث کا نزول حضرت اوس بن ثابت اور سعد بن الربیع رضی اللہ عنہما کی میراث کے سلسلہ میں ہوا جس کی تفصیل احادیث میں آئے گی کہ آپ ﷺ نے نزول آیت کے بعد بیوی کا بھی حصہ دلایا ہے اس طرح سب سے پہلی میراث بطریق شرعی سعد بن الربیع کی تقسیم ہوئی اب علاقہ میراث صرف تین رہ گئے۔ ① نسب ② نکاح ③ ولاء البتہ حنفیہ کے یہاں چوتھا علاقہ معاہدہ بھی ہے جبکہ مرنے والے کا کوئی اقرب اور ابعد وارث نہ ہو باہم معاہدہ کرنے والے بھی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کہا سیأتی۔ سوم: مرنے والے نے وہ املاک جو بوقت موت اپنی ملکیت میں چھوڑی ہیں اس کو ترکہ کہا جاتا ہے اور اس میں میراث جاری ہوگی، مستعار اشیاء، امانت، مخصوبات وغیرہ میں میراث جاری نہ ہوگی۔

چہارم: میت کے مال میں ترتیب وار حقوق مندرجہ ذیل طریقہ پر ہیں:

سب سے پہلے میت کے مال سے تجہیز و تکفین کا تعلق ہے لہذا میت کی حیثیت کے مطابق کپڑا لیا جائے نہ ادنیٰ ہو کہ میت کی تحقیر ہو اور نہ قیمتی ہو کہ جس سے حقوق ورثہ میں کمی آئے اس کی حیثیت کا معیار یہ ہے کہ میت اکثر جیسا کپڑا پہن کر مسجد، بازار اور ملاقات احباب کو جاتا تھا ویسا ہی کفن دیا جاتا ہے اس کے بعد ترکہ سے قرض ادا کیا جائے پھر قرض کی تین قسمیں ہیں:

قرض قوی: جو میت کی صحت میں مرض وفات سے پہلے میت کے اقرار یا بحالت مرض وصحت گواہوں کی گواہی سے یا لوگوں کے مشاہدہ سے ثابت ہو۔

قرض ضعیف: وہ قرض ہے جو میت کے مرض وفات میں صرف میت کے اقرار سے ثابت ہو۔

قرض خداوندی: وہ قرض ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرض ہے جیسے زکوٰۃ قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ ان کی ادائیگی میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے۔

تجہیز و تکفین اور قرض کے بعد وصیت کے نفاذ کا حکم قال تعالیٰ:

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُؤْطَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ أَعْيَدَ مُضَآءً ۚ وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ (النساء: ۱۲)

”وصیت کے بعد کہ جس کی وصیت کی گئی ہے یا دین نقصان پہنچانے والا نہ ہو وصیت ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ علم

اور حکمت والے ہیں۔“

اگر اس آیت میں وصیت قرض پر مقدم ہے مگر آنحضور ﷺ نے قرض کو وصیت پر مقدم کیا ہے۔

قال علی بن ابی طالبؑ رأیت رسول اللہ ﷺ بدأ بالدين قبل الوصية۔ (ترمذی شریف)

”حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا انہوں نے دین سے ابتداء کی وصیت سے پہلے۔“

وصیت کا نفاذ تہائی مال سے ہوگا اگر تہائی سے ادائیگی نہیں ہوتی تو وارثوں پر اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

ان تینوں کے بعد اب ترکہ وارثوں کے درمیان تقسیم ہوگا ورثہ میں اول ذوی الفروض ہیں یعنی وہ ورثہ جن کا حصہ اور میراث کی مقدار شرعاً متعین ہے اور وہ بارہ ہیں چار مرد اور آٹھ عورتیں، باب دادا، شوہر، اخیانی بھائی، زوجہ، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاقائی بہن، اخیانی بہن، والدہ، دادی، ثانی ان ذوی الفروض کے مختلف حالات ہیں جن میں ان کے حصے متعین ہیں کتب فرائض میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں۔

ان کے بعد عصبات ہیں، عصبہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو اصحاب فرائض بقیہ حصہ لیتے ہیں اور تنہا ہونے کی صورت میں کل مال کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

پھر عصبہ کی دو قسمیں ہیں نسبی، سببی، نسبی وہ عصبہ ہیں جن کا تعلق میت کے نسب سے ہو ورنہ عصبہ سببی ہیں، پھر عصبات نسبی کی تین قسمیں ہیں: (1) عصبہ بنفسہ (2) عصبہ بغیرہ (3) عصبہ مع غیرہ۔

عصبہ بنفسہ: اصل عصبہ یہی ہے وہ مذکر مرد ہے جس کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو درمیان میں عورت کا واسطہ نہ ہو۔

عصبہ بغیرہ: وہ عورتیں جن کا حصہ میراث میں متعین ہے لیکن یہ عورتیں جب اپنے بھائیوں کے ساتھ آتی ہیں تو ﴿لِلَّذَکِوَ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَیَّیْنَ﴾ (النساء: ۱۱) کے طریقہ سے ترکہ میں شریک ہو جاتی ہیں یہ صرف چار عورتیں ہیں۔ بنت، بنت الابن، اخت عینی، اخت علاقائی اختصار آیوں بھی کہا جاسکتا ہے میت کا جزء مؤنث جیسے بیٹیاں، پوتیاں، میت کے باپ کا جزء، مؤنث جیسے علاقائی اور حقیقی بہنیں۔

عصبہ مع غیرہ: وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں اور وہ صرف دو عورتیں ہیں اخت عینی اور اخت علاقائی جب میت کی بیٹی و پوتی کے ساتھ جمع ہو جاتی ہیں تو بمطابق ارشاد نبوی ﷺ اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ مع غیرہ (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ مع غیرہ بناؤ) ہو جاتی ہیں۔

عصبہ کی دوسری قسم: عصبہ سببی ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے میت کو اس کے غلام ہونے کی صورت میں آزاد کیا ہو اگر عصبات نسبی میں سے کوئی نہ ہو تو آخری مرتبہ میں اس آزاد کرنے والے کو مال دیا جائے گا اور اگر خود موجود نہ ہو تو اس کے عصبات کو مال دیا جائے گا اور اسی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے گا یہ بھی واضح رہے کہ اس کے عصبات میں سے صرف مردوں کو ترکہ پانے کا استحقاق ہے عورتوں کو نہیں اس کے بعد رد ذوی الفروض ہے یعنی پہلے ذوی الفروض اس کے بعد عصبات ہیں اگر عصبات میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر ذوی الفروض پر ہی ان کے حصوں کے اعتبار سے مال تقسیم کیا جائے گا لیکن یہ رد ذوی الفروض نسبی پر کیا جاتا ہے ذوی الفروض سببی یعنی زوجین پر رد نہیں ہوتا اس کے بعد اگر ذوی الفروض و عصبات ہر دو قسموں میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام ترکہ کے مستحق ہوں گے۔

ذوی الارحام: (ذوی الارحام فی الشریعة ہو کل قریب لیس بذی سهم ولا عصبۃ..... "ذوی الارحام شریعت میں ہر وہ قریبی ہے جو ذی سهم ہو عصبہ نہ ہو۔" (شامی ۵/۵۹) وہ ورثہ ہیں کہ ان میں اور میت میں عورت کا واسطہ ہو جیسے نانا، ماموں، خالہ، پھوپھی، نواسہ، بھانجہ قال تعالیٰ:

و اولوا الارحام بعضهم اولیٰ بعض فی کتب اللہ وقال علیہ السلام الخال وارث من لا وارث له، و قال ایضاً ابن اخت القوم منهم.

"اولوا الارحام بعض بعض سے اولیٰ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں آپ ﷺ نے فرمایا ماموں وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔"

پھر اس کے اقسام ہیں کمافی کتب الفرائض اس کے بعد مولی المولا یہ وہ شخص ہے جس کے ساتھ میت نے عقد موالات کیا میری وفات کے بعد تم میرے مال کے حق دار ہو اگر مجھ سے کوئی قصور ہو جو موجب دیت وغیرہ ہو اس کا تاوان تم کو دینا ہے اب اگر یہ مجہول النسب مرجائے تو اس کا ترکہ اس کے مولی المولات کو دیا جائے گا۔

اس کے بعد مقررہ بالنسب علی الغیر: وہ شخص جس کی نسبت میت نے اپنے نسب میں شریک ہونے کا اقرار اس طرح کیا ہو کہ اس کی تکمیل غیر کے نسب پر رہی ہو اور اصل نسب والے نے اس کا اقرار نہ کیا ہو اور نہ اس پر گواہ موجود ہوں اور میت اس نسب کے اقرار کو آخری وقت تک مانتا رہا ہو تو جو شخص اس قسم کے اقرار سے وارثوں میں داخل ہوا ہے اس کو اس میت کی میراث مل جائے گی جیسے زید ایک مجہول النسب لڑکے کے بارے میں کہتا ہے یہ میرا بھائی ہے تو یہ لڑکا زید کے باپ کا بیٹا ہوا لیکن زید کے باپ نے کبھی اقرار نہیں کیا اور نہ گواہ ہے اور زید اخیر وقت تک بھائی مانتا رہا تو زید کے حق میں یہ اقرار درست ہوگا اور زید کے مرنے کے بعد اس کو میراث مل جائے گی بشرطیکہ مستحقین بالا میں سے کوئی نہ ہو پھر موصیٰ لہ بجمع المال ہے، میت نے کسی شخص کو کل ترکہ کی وصیت کی تھی مگر اصول وصیت کے مطابق اس کو تہائی ترکہ دیا گیا اور دو تہائی باقی حقداروں کے لئے روکا گیا اب دیکھا گیا کہ کوئی نہیں تو باقی دو تہائی بھی اس موصیٰ لہ بجمع المال کو دے دیا جائے گا۔

اس کے بعد زوجین: عام کتب فقہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا ورثہ میں سے کوئی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال کو دے دیا جائے لیکن علماء متاخرین نے بھی دیکھا کہ اس زمانہ میں نہ تو کوئی شرعی بیت المال ہے اور نہ اس قسم کے مال کو شرعی مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے تو انہوں نے لکھا کہ اگر زوجین میں سے کوئی موجود ہو اور ان کے حصہ سے باقی ماندہ مال کے لئے مستحقین مذکورہ بالا میں سے کوئی نہ ہو تو باقی ماندہ حصہ بھی زوجین میں سے کسی ایک کو دے دیا جائے گا۔

آخری درجہ بیت المال کا ہے اگر مذکورہ بالا ورثہ میں سے کوئی نہ ہو تو پھر میت کا ترکہ بیت المال یعنی اسلامی خزانہ میں جمع کر دیا جائے جو کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ ہوگا جیسے دریاؤں کے لئے پل، مسافر خانہ، ناداروں کا علاج اور ان کی تجہیز و تکفین۔

پنجم موانع وارث: بعض مرتبہ ایسے عوارض پیش آ جاتے ہیں جن کی وجہ سے ورثاء میراث سے محروم ہو جاتے ہیں ایسے عوارض کو موانع ارث کہا جاتا ہے اور وہ چار ہیں۔ (۱) غلامی (۲) قتل (۳) اختلاف مذہب (۴) اختلاف ملک۔

غلامی: خواہ کامل ہو یا ناقص جیسے مکاتب، مدبرام ولد وغیرہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اس کا مال اور خود مولیٰ کی ملکیت ہے۔

قتل: وارث مورث کا قاتل ہے بشرطیکہ اس قتل پر قصاص یا کفارہ و دیت واجب ہو قتل عمد، قتل شبه عمد، قتل خطا، یہ تینوں مانع ارث ہیں۔

اختلاف مذہب: یعنی میت اور وارث میں سے ایک مسلم دوسرا غیر مسلم ہو تو وہ ایک دوسرے کے ترکہ کے مستحق نہیں ہوں گے۔

اختلاف ملک: اس سے ایسے دو ملک مراد ہیں یا دو جگہیں جہاں کے باشندے باہم مختلف ہوں اور حفاظت جان کے لئے ان میں باہمی کوئی معاہدہ نہ ہو بلکہ ہر جگہ کا شخص دوسری جگہ کے شخص کو موقع پر قتل کر دیتا ہو اگر وہ باہم متفق ہو کر حفاظت نفس کی غرض سے کسی معاہدہ پر قائم ہو جائیں اور آپس میں صلح کر لیں تو ایک ہی دار کہلائیں گے اور آپس میں میراث جاری ہوگی۔

نوٹ: اختلاف دار کی بناء پر ترکہ سے محروم ہونے کا حکم صرف کفار کے ساتھ مخصوص ہے مسلمان اس سے مستثنیٰ یہیں دو مسلمان ہر صورت میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں خواہ دنیا میں کہیں بھی رہتے ہوں۔

ششم: عدم موانع ارث، صغریٰ، نکاح ثانی، نافرمانی و بدکاری۔

صغریٰ: کم عمر ہونے سے میراث میں کمی نہیں آتی بلکہ اسلام نے تو حمل کو وارث بنایا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

نکاح ثانی: سے عورت اپنے شوہر کی میراث سے محروم نہیں ہوتی بلکہ جس قدر چاہئے حسب شرع نکاح کرے اپنے وفات یافتہ شوہروں سے مہر اور میراث کی مستحق ہے۔

نافرمانی: یہ میراث کو نہیں روکتی ایک لڑکا فرمانبردار ہے اور دوسرا نافرمان ہے تو دونوں لڑکے برابر کے میراث کے حقدار ہوں گے۔

تنبیہ: جو امور اوپر بیان کئے گئے ہیں وہ سب تفصیل کے محتاج ہیں جو کتب فرائض میں موجود ہیں۔

میت کا ترکہ وارثوں کے لئے: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

① اگر کوئی شخص موت کے وقت مال و دولت اور ساز و سامان وغیرہ چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کو ملے گا ان طریقوں کے مطابق جو قرآن و سنت میں بیان کئے گئے ہیں، لہذا اس ترکہ کو تقسیم نہ کرنا اور ناجائز طریقے سے بعض رشتہ داروں کا اس پر قبضہ کر لینا ناجائز اور حرام ہے، اس لئے وارثوں پر شریعت کی طرف سے یہ حکم عائد ہوتا ہے کہ ترکہ کی شرعی طریقے کے مطابق تقسیم کریں، تاکہ کسی وارث پر کوئی ظلم اور اس کی حق تلفی نہ ہو۔

اس وقت ہمارے مسلم معاشرے میں اس بارے میں بہت ہی لاپرواہی اور کوتاہی پائی جاتی ہے، بہت سے لوگ دوسرے سے وارثت تقسیم ہی نہیں کرتے، کئی سالوں کے بعد حصے بانٹتے جاتے ہیں۔

② اگر کوئی شخص اپنے پیچھے مال و دولت چھوڑ کر نہ جائے، صرف اس کی محتاج اولاد یا عیال ہو تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا نان نفقہ اور خرچہ میرے ذمے ہے۔

نادار میت کا قرضہ بیت المال سے:

صحیح بخاری کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے: ومن ترک دینا فاعلی قضاء کا جو شخص اس طرح وفات پائے کہ اس پر قرض ہو لیکن ادائیگی کے لئے کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے، میں اسے بیت المال سے ادا کروں گا۔

یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے ذریعہ وسعت عطا فرمائی اور بیت المال میں اس قدر گنجائش

پیدا ہو گئی کہ اس طرح کے بندے کا قرض اس سے ادا کیا جائے، یہی حکم تمام مسلم حکمرانوں کے لئے ہے کہ جب بیت المال میں وسعت موجود ہو تو نادار میت کا قرض اس سے ضرور کیا جائے، اس کے فرائض میں سے ہے، وسعت کے باوجود قرض ادا نہ کیا گیا تو اللہ کے ہاں اس حاکم سے باز پرس ہو سکتی ہے۔

یہاں فرائض سے مراد میراث اور اس کے مطابق عمل درآمد ہے، اس علم کی اہمیت اگلے باب میں بیان کی گئی ہے۔ مگر امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسا کہ حاشیہ پر ہے کہ یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے، آج کسی حکومت کی ذمہ داری نہیں کہ وہ (بغیر کفالت کے) لوگوں کے دیون ادا کرتی ہے۔

ان تقسیمات کا ایک بڑا حصہ یہاں ترمذی کے ابواب الفرائض میں بیان ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ

باب ۲: فرائض کی تعلیم کا بیان

(۲۰۱۷) تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَالْفَرَائِضَ وَعَلَّمُوا النَّاسَ فَإِنِّي مَقْبُوضٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے وراثت اور قرآن کا علم حاصل کرو لوگوں کو اس کی تعلیم دو کیونکہ میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

تشریح: علم فرائض اور اس کے سیکھنے اور سکھانے کی اہمیت: اس حدیث میں علم فرائض کی فضیلت اور اس کے سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دی گئی ہے، اور آپ ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ علم فرائض کو سیکھنے کا حکم الگ سے دیا ہے۔

① ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید اور علم فرائض کو سیکھو اور سکھاؤ، عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا جس میں دو آدمی میراث کے مسئلے میں بحث مباحثہ کریں گے، لیکن وہ کسی ایسے آدمی کو نہیں پائیں گے جو اس کے اختلافی مسئلہ میں فیصلہ کر سکے۔

② عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم تو تین ہی ہیں، ان کے علاوہ باقی سب زائد ہیں۔ ایک آیت محکمہ یعنی قرآن، دوسرا سنت قائمہ یعنی علم حدیث اور تیسرا فریضہ عادلہ یعنی علم فرائض۔

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ وہ نصف علم ہے، اور میری امت میں سب سے پہلے اسے بھلایا اور چھینا جائے گا۔

”الفرائض“ فریضہ کی جمع ہے، مکامر: اس سے مراد یا علم فرائض ”نصف علم“ کیسے ہے:

جواب ①: انسان کی دو حالتیں ہیں، ایک زندگی اور دوسری موت کی حالت، دیگر علوم میں زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور اس سے متعلق احکام کا ذکر ہوتا ہے جبکہ علم فرائض میں موت کے بعد کی حالت کا ذکر ہوتا ہے کہ موت کے بعد وارث اس علم پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اس لحاظ سے علم فرائض گویا نصف علم ہے۔

جواب ②: بعض نے کہا کہ علم میراث کو نصف علم اس کی عظمت شان اور اہمیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

جواب ③: علم فرائض کی صورتیں اور مسائل چونکہ بہت زیادہ ہیں اور مختلف پہلو رکھتے ہیں، لہذا مسائل کی تعداد اور مقدار کے اعتبار سے نصف حصہ ایک مسائل کا ہے اور نصف حصہ میراث کے مسائل کا، اس لئے فرائض کو نصف علم قرار دیا گیا۔

جواب ④: شرعی احکام دو چیزوں سے ثابت ہوتے ہیں نصوص یعنی قرآن و سنت سے، اور قیاس و اجتہاد سے اور فرائض کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے تمام مسائل قرآن و سنت سے ثابت ہے، قیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں، اس خاص وصف کی وجہ سے علم فرائض کو نصف علم کہا گیا ہے۔

لعنات: فرائض: فریضہ کی جمع ہے، اس کے چند معانی ہیں: ① بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا عمل اور قانون۔ یعنی اللہ کی مقرر کی ہوئی وہ حد جس کا بندوں کو پابند بنایا گیا ہے، یا اس سے روکا گیا ہے، یعنی اوامر و نواہی۔ ② کسی انسان کے ذمہ لازم کیا ہوا کام یا حصہ مال ③ ڈیوٹی اور فرض ④ میراث۔

تعلّموا: تم سیکھو، فرائض سے علم میراث مراد ہے، بعض نے کہا کہ اس سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کئے ہوئے ہیں۔ عَلِّمُوا تَمَّ سَكَّاءَ۔ مقبوض: وفات پانے والا ہوں۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں محمد بن القاسم اسدی ضعیف راوی ہے، فضل بن دہم بھی کچھ اچھا راوی نہیں اور عوف اعرابی کے تلامذہ میں سخت اختلاف ہے، کوئی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے اور ابو اسامہ سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں، مگر اس میں ایک مجہول راوی بھی ہے، اس کے لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ النِّسَاءِ

باب ۳: لڑکیوں کی میراث (کے حکم) کے بارے میں ہے

(۲۰۱۸) جَاءَتْ امْرَأَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ ﷺ قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْيَتَامَى فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى عَمَّهُمَا فَقَالَ أَعْطِ ابْنَتِي سَعْدِ الثَّلَاثِينَ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثَّمَنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اپنی دو بیٹیوں کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں ان کے والد آپ کے ہمراہ غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے ہیں ان دونوں بچیوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے اور ان کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑا تو ان دونوں کی شادی تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب ان کے پاس مال موجود ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں اللہ نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ دیا اور

وراثت سے متعلق آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے چچا کو بلوایا اور فرمایا سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچ جائے وہ تمہیں ملے گا۔

تشریح: اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملتا ہے اور اگر میت کے بیٹے ہوں تو بیٹے اور بیٹیاں عصبہ بنتے ہیں اور بیٹے کو دو ہر اور بیٹی کو اکہر ملتا ہے، اور قرآن کریم میں اگرچہ دو سے زیادہ بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ مقرر کیا گیا ہے مگر سورۃ النساء کی آخری آیت میں دو بہنوں کا حصہ دو تہائی مقرر کیا گیا ہے، اس لئے یہی حصہ دو بیٹیوں کو بھی ملے گا، غرض بیٹیوں کے تمام احوال قرآن میں مذکور ہیں، اس لئے حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، باب میں جو روایت ہے وہ آیت میراث کا شان نزول ہے۔

تشریح: جو بات قرآن کریم سے دلائل النص کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی وہ اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہوئی کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔

احکام میراث کا نزول:

اسلام سے پہلے پوری دنیا میں بچوں اور عورتوں پر طرح طرح کا ظلم و ستم رائج تھا، معاشرے میں ان کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اور عرب نے تو یہ اصول مقرر کیا ہوا تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو گھوڑ سوار ہو اور دشمنوں سے مقابلہ کر کے اس کا مال غنیمت جمع کرے، اس لئے ان کے ہاں صرف نوجوان بالغ لڑکا ہی وارث ہو سکتا تھا، لڑکی مطلقاً وارث نہ سمجھی جاتی تھی، خواہ بالغ ہو یا نابالغ اور لڑکا بھی اگر نابالغ ہوتا تو وہ بھی وراثت کا مستحق نہ تھا۔

اسلام نے سب سے پہلے اس کمزور طبقے کو حقوق دلائے، ان پر ظلم و ستم کے دروازے بند کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کا مکمل انتظام بھی کیا، چنانچہ ان کے حق میں اس صریح ظلم کے خاتمہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک صحابی حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور دو لڑکیاں، ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوی وارث چھوڑے، مگر عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچا زاد بھائیوں (یا بعض روایات کے مطابق سکے بھائیوں) نے مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کر لیا، اولاد اور بیوی میں سے کسی کو کچھ نہ دیا کیونکہ ان کے نزدیک عورت تو مطلقاً وراثت کی مستحق نہ تھی، اس لئے بیوی اور دونوں لڑکیاں تو یوں محروم ہو گئیں اور لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے محروم کر دیا گیا، لہذا پورے مال کے وارث دو چچا زاد بھائی ہو گئے۔

مرحوم کی بیوہ نے یہ بھی چاہا کہ چچا زاد بھائی جو پورے ترکہ پر قبضہ کر رہے ہیں تو ان دونوں لڑکیوں سے شادی بھی کر لیں تاکہ ان کی فکر سے فراغت ہو جائے مگر انہوں نے یہ بھی قبول نہ کیا، تب اوس بن ثابت کی بیوہ نے رسول کریم ﷺ سے عرض حال کیا اور اپنی اور اپنے بچوں کی بے کسی اور محرومی کی شکایت کی، اس وقت تک چونکہ قرآن کریم میں آیت میراث نازل نہ ہوئی تھی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں جواب دینے میں توقف فرمایا، انہیں تسلی دی کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو کیونکہ آپ کو اطمینان تھا کہ وحی کے ذریعہ اس ظالمانہ قانون کو ضرور بدلا جائے گا، چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
أَوْ كَثُرُ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ (النساء: ۷)

”مردوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو، حصہ (بھی ایسا جو) قطعی طور پر مقرر ہے۔“

اس آیت کے نازل ہونے سے اتنا معلوم ہو گیا کہ وراثت میں جس طرح مردوں کا حق ہے، اسی طرح عورتوں اور بچوں کا بھی ہے، اس سے انہیں محروم نہیں کیا جاسکتا، لیکن چونکہ اس آیت میں حصوں کا تعین اور تفصیل نہیں تھی اس لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت اوس بنی ہاشم کے ترکہ پر قبضہ کرنے والوں سے فرمایا کہ تم اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتے جب تک کہ اس بارے میں کوئی واضح حکم نہ آجائے۔

چنانچہ اس واقعہ کے کچھ ہی عرصے کے بعد دوسرا واقعہ پیش آیا جو امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں باب میں ذکر فرمایا ہے جب حضرت سعد بن ربیع بنی ہاشم غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو زمانہ جاہلیت کے رائج دستور کے مطابق ان کے چچا زاد بھائیں نے ان کے سارے ترکہ پر قبضہ کر لیا، یوں حضرت سعد کی بیوہ اور دونوں بیٹیاں محروم رہ گئیں، تب مرحوم کی بیوہ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت عرض کی تو آپ نے فرمایا: صبر کرو، اللہ تعالیٰ اس بارے میں ضرور فیصلہ فرمائیں گے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ آیت میراث نازل ہوئی: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي كَرَّمَ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ...﴾ (النساء: ۱۱) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ اب جب تمام وارثوں کے حصوں کا تعین ہو گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سعد کے بھائیوں کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیش نظر اپنے بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی لڑکیوں کو حصہ دیدو، آٹھواں حصہ ان کی ماں کو، اور اس کے بعد جو کچھ بچے وہ تم لے لو، تقسیم اس طرح ہوگی کہ سعد نے جو کچھ چھوڑا ہے پہلے اس کے چوبیس حصے کر لو، پھر ان چوبیس حصوں میں سے آٹھ آٹھ حصے دونوں لڑکیوں کو اور تین حصے ان کی ماں کو دیدو اور باقی پانچ حصے تم لے لو۔

میراث میں بیٹی کے حصے:

بیٹی اپنے والد کی میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتی، اس کی تین حالتیں ہیں:

① اگر صرف ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا نہ ہو تو میت کے ترکے میں اس کو نصف ملتا ہے اور اگر میت کا اور کوئی وارث بالکل ہی نہ ہو تو باقی نصف بھی اسی کو مل جاتا ہے۔

② اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکہ میں دو تہائی ملے گا، یہ بیٹیاں اس دو تہائی کو آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

③ اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ جس قدر بیٹے کو ملے گا اس سے نصف ہر ایک بیٹی کو ملے گا، خواہ ایک بیٹی ہو یا دو چار ہوں، اس حالت میں بیٹیاں ذوی الفروض نہیں ہوں گی بلکہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بالغیر ہوں گی اور اسی اعتبار سے ان کو حصے ملیں گے۔

جمہوری علماء کے نزدیک دو لڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک دو لڑکیاں بھی ایک لڑکی کی طرح نصف میراث کی حقدار ہوتی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو تہائی دو لڑکیوں سے زائد کے لئے بیان کیا گیا ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَكُلْنَ ثُلُثًا مِمَّا تَرَكَ ۖ﴾ (النساء: ۱۱) اور دو لڑکیوں کا حصہ قرآن میں مذکور نہیں ہے، لہذا دو لڑکیوں کا حکم

بھی ایک کی طرح ہوگا، یعنی انہیں بھی نصف ملے گا، جمہور فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ دولڑکیوں سے زائد کا حکم تو مذکورہ آیت میں ہے، لیکن چونکہ دو کا حکم اس آیت میں واضح نہیں تھا، محض احتمال کے درجے میں تھا اس لئے حدیث باب نے اس حکم کو واضح کر دیا کہ ”دو تہائی مال“ جس طرح دولڑکیوں سے زائد لڑکیوں کے لئے ہے اسی طرح دولڑکیوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

حدیث باب جمہور کے موقف کے مطابق ہے ممکن ہے یہ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نہ پہنچی ہو یا ان کے نزدیک یہ روایت صحیح نہ ہو اس لئے انہوں نے ظاہر آیت سے یہ اخذ کیا کہ دولڑکیوں کا حکم بھی ایک لڑکی کی طرح ہوگا۔

ضابطہ: باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۖ وَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ...﴾ (النساء: ۱۱)

اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کے حصے دیئے جائیں، ذوی الفروض سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے قرآن میں حصے مقرر کئے گئے ایسے لوگ کل ملا کر بارہ ہیں، چار مرد اور آٹھ عورتیں۔

مرد یہ ہیں: ① باپ ② جد صحیح یعنی دادا ③ ماں شریک بھائی اور ④ شوہر۔

عورتیں یہ ہیں: ① بیوی ② بیٹی ③ پوتی اگر چہ دور والی ہو ④ سگی بہن ⑤ سوتیلی بہن ⑥ ماں شریک بہن ⑦ ماں۔

⑧ جدہ صحیحہ (دادی اور نانی)۔

اگر ان سے مال بچ جائے یا ذوالفروض نہ ہوں تو پھر باقی پہلی صورت میں اور سارا ترکہ دوسری صورت میں عصبہ کو ملتا ہے، عصبہ کی متعدد صورتیں ہیں مگر اولین ترجیح عصبہ نسبہ کو حاصل ہے ان میں الاقرب فالاقرب کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

(باب معرفۃ الفروض الخ و باب العصبات، من سراجی)

یہاں یہ ضابطہ قابل لحاظ ہے کہ میراث میں تمام نسبتیں میت کی طرف ہوتی ہیں اور یہ کہ دو بنات اور دو سے زیادہ کا حکم ایک ہوتا ہے یعنی ایک کو نصف اور زیادہ کو ثلثان یہ اس وقت ہے کہ ان کے ساتھ مرد نہ ہو یعنی بلا تعصب ورنہ تو پھر عورت کا حصہ مرد کے آدھے کے برابر ہوگا سوائے ماں شریک بہن کے کہ جب آدمی کلالہ ہو یعنی اس کے اصول و فروغ نہ ہوں اور ایک بہن اور بھائی ماں شریک ہوں تو ہر ایک کا حصہ سدس ہوگا اور اگر زیادہ ہوں تو سب ثلث مال میں برابر کے شریک ہوں گے جیسا کہ نساء آیت نمبر 12 میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ ابْنِ مَعَ بِنْتِ الصُّلْبِ

باب ۴: صلبی بیٹی کے ساتھ پوتی کی میراث کا ذکر ہے

(۲۰۱۹) جَاءَ رَجُلٌ إِلَى أَبِي مُوسَى وَسَلَّمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَسَأَلَهُمَا عَنِ ابْنَتِهِ وَابْنَةِ ابْنِ وَأُخْتِ لَابٍ وَأُمِّ فَقَالَ لِلابْنَةِ النِّصْفُ وَلِلأُخْتِ مِنَ الْآبِ وَالْأُمِّ مَا بَقِيَ وَقَالَ لَهُ انْطَلِقْ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَاسْأَلْهُ فَإِنَّهُ سَيُنَا بَعْنَا فَأَتَى

عَبْدُ اللَّهِ قَدْ كَرَّ ذَلِكَ لَهُ وَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَدْ ضَلَلْتُ إِذَا وَمَا أَتَا مِنَ الْمُتَحَدِّثِينَ وَلَكِنْ أَقْضَى فِيهِمَا كَمَا قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِلْجَنَّةِ النِّصْفَ وَلِلْبَنَةِ الْإِثْنَيْنِ الشُّدُسَ تَكْبِيلَةَ الثَّلَاثِينَ وَلِلْأُخْتِ مَا بَقِيَ.

ترجمہ: ہنریل بن شرجیل بیان کرتے ہیں ایک شخص ابو موسیٰ اور سلیمان بن ربیعہ کے پاس آیا اور ان دونوں حضرات سے ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن (کے وراثت میں حصے) کے بارے میں دریافت کیا تو ان دونوں حضرات نے یہ جواب دیا بیٹی کو نصف حصہ ملے گا جو باقی بچ جائے گا وہ سگی بہن کو ملے گا پھر ان دونوں حضرات نے اس شخص کو ہدایت کی وہ حضرت عبداللہ بن ابی شیبہ کے پاس جائے اور ان سے دریافت کرے تو وہ ہمارے جیسا جواب دیں گے وہ شخص حضرت عبداللہ بن ابی شیبہ کے پاس آیا اور ان کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا اور یہ بتایا کہ ان دونوں حضرات نے جو جواب دیا ہے تو حضرت عبداللہ بن ابی شیبہ نے فرمایا (اگر میں یہ جواب دوں) پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور میں ہدایت پانے والا نہ رہوں گا میں اس کے بارے میں وہ فیصلہ دوں گا جو نبی اکرم ﷺ نے دیا تھا بیٹی کو نصف مال ملے گا پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تاکہ یہ دونوں مل کر دو تہائی کو مکمل کریں اور باقی بچ جانے والا مال بہن کو مل جائے گا۔

تشریح: پوتی اور بیٹی کی میراث کا مسئلہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مرحوم کی بیٹی، پوتی اور حقیقی بہن ہو تو اس کے ترکے کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو چھٹا حصہ اور باقی ماندہ حقیقی بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل جائے گا، یہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سائل کو بتایا، جس نے حضرت ابو موسیٰ اور سلیمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما سے یہی مسئلہ پوچھا تھا اور انہوں نے بیٹی اور بہن کو آدھا آدھا دینے کا بتایا تھا اور پوتی کو محروم کیا تھا، جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ ان دونوں نے یہ جواب دیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں بھی یہی جواب دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں ہوں گا لہذا میں اس مسئلے کا وہی جواب دوں گا جو نبی کریم ﷺ نے اس مسئلے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ ان دونوں حضرات نے قرآن مجید کے ظاہر سے استدلال کیا، کیونکہ بیٹی کے بارے میں قرآن مجید میں ہے: ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (النساء: ۱۱) اور بہن کے بارے میں یہ فیصلہ اس لئے فرمایا کہ قرآن کریم میں آیت کلالہ میں ہے: ﴿إِنْ أَمْرًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَكِدٌ وَلَهُ أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ (النساء: ۱۷۶) (اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو) (یعنی نہ مذکر نہ مؤنث اور نہ ماں باپ ہوں) اور اس کی ایک بہن ہو تو (بہن) کو اس کے تمام ترکہ کا حصہ ملے گا۔

انہوں نے ”ولد“ سے یا تو عربی استعمال کے اعتبار سے مذکر مراد لیا ہے کیونکہ عربی محاورے میں عموماً ولد سے مذکر مراد لیا جاتا ہے اور اس دلیل سے کہ قرآن کی آیت ﴿وَهُوَ يَرِثُهَا﴾ (النساء: ۱۷۶) میں ولد سے بیٹا ہی مراد ہے، یا ان حضرات نے یہ سمجھا کہ بنت تو نصف لیکر الگ ہو چکی ہے اور دوسرا نصب بہن کا ہے، اور باقی مال نہیں اس لئے پوتی محروم ہو گئی، نیز پوتی کی وراثت کا ذکر قرآن میں بھی نہیں ہے، یہ حضرات چونکہ شرعی مسئلہ کا حل بتانے میں مخلص تھے، اس لئے سائل سے کہا کہ آپ یہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی جا کر پوچھ لیں، وہ بھی ہماری موافقت کریں گے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا فیصلہ اس میں وہی ہے جو اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مذکورہ صورت میں بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ تاکہ یہ دونوں حصے دو تہائی کے برابر ہو جائیں اور باقی ماندہ بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل

جائے گا کیونکہ بہن بیٹیوں کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہے۔

سند کی بحث: مسئلہ بنات میت کا حصہ متعدد ہونے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ مثلثان ہے کما تقدم اور بنات الابن بھی بنات ہی میں داخل ہیں لہذا ایک بیٹی قرب قرابت کی بناء پر نصف کی مستحق ہوئی تو دوثلث پورا کرنے کے لئے صرف اس صورت میں سدس رہ گیا اس لئے یہ سدس پوتی کو دے کر ثلثین کی تکمیل کی جائے یہ بھی واضح رہے کہ پوتی ایک ہو یا متعدد ان کو صرف سدس ہی دیا جائے گا، لقوله تعالى: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثُ مَا تَرَكَ...﴾ (النساء: ۱۱)

اس کے بعد جو باقی رہ گیا وہ اخت کا حصہ ہے بر بناء عصبہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ آیت قرآنیہ کی روشنی میں ہے اور آپ ﷺ کے فیصلہ کے مطابق ہے چنانچہ دارقطنی کی روایت کے الفاظ وقد سمعت رسول الله ﷺ يقول فذکر... الخ۔ اس پر دال ہیں۔ (ہذا حدیث صحیح أخرجه البخاری والبوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی والخطاوی)

ابوموسیٰ اور سلیمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے اس مسئلے کا حکم بتایا تھا، جب انہیں اس کا صحیح حل بتایا گیا تو انہوں نے اپنے مسئلے سے رجوع کر لیا، ابن عربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے علم سے پہلے قیاس پر عمل کیا جاسکتا ہے اور جب خبر اور حدیث آجائے تو پھر اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور قیاس پر مبنی حکم ختم ہو جاتا ہے جبکہ وہ قرآن و سنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو۔ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا امیر مقرر کیا تھا، ان سے قبل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر تھے، بعد میں ابوموسیٰ سے پہلے انہیں معزول کر دیا گیا تھا۔

تصحیف: ترمذی میں سلیمان بن ربیعہ ہے مگر یہ تصحیف ہے، اس نام کا کوئی آدمی نہیں، اور ابوداؤد (حدیث 2893) اور ابن ماجہ (حدیث 2721) اور جامع الاصول (10:273) میں سلمان بن ربیعہ ہے اور یہی صحیح ہے اور یہ حدیث بخاری (حدیث 6736) میں بھی ہے مگر اس میں صرف ابوموسیٰ کا ذکر ہے، البتہ مسند احمد (1:389) میں سلیمان بن ربیعہ ہے مگر صحیح سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْإِخْوَةِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ

باب ۵: حقیقی بھائیوں کی میراث

(۲۰۲۰) أَنَّهُ قَالَ إِنَّكُمْ تَقْرَأُونَ هَذِهِ الْآيَةَ (مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ تَوَصَّوْنَ بِهَا أَوْ ذَيْنِ) وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَطَعَ بِالذَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَإِنَّ أَغْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ أَخَاهُ لِأُمِّهِ وَأُمُّهُ دُونَ أَخِيهِ لِأُمِّهِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تم لوگ اس آیت کی تلاوت کرتے ہو۔ یہ اس کی وصیت کے بعد ہے جو تم نے کی ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہے۔ جبکہ نبی اکرم ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور حقیقی بھائی وراثت ہوں گے جبکہ علاقائی بھائی وراثت نہیں ہوں گے آدمی اپنے اس بھائی کا وارث بنتا ہے جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہو صرف باپ کی طرف سے شریک بھائی وراثت نہیں بن سکتا۔

(۲۰۲۱) قَطِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمَيَّةِ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَاءِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ دیا تھا حقیقی بھائی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے سوتیلے بھائی نہیں ہوں گے۔

تشریح: ماں اور باپ دونوں میں شریک حقیقی بھائی ہیں اور صرف باپ میں شریک علاقائی بھائی ہیں اور صرف ماں میں شریک اخیانی بھائی ہیں، اول دو بھائی عصبہ ہیں اور اخیانی بھائی بہن ذوالفروض ہیں، پس وہ تو اپنا مقررہ حصہ پائیں گے مگر جب عصبہ کا نمبر آئے گا تو حقیقی بھائی وارث ہوں گے اور علاقائی بھائی محروم ہوں گے، کیونکہ حقیقی بھائیوں کے میت سے دور شتے ہیں، باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی، اور علاقائی بھائیوں سے صرف ایک رشتہ ہے، باپ کی طرف سے اور میراث کا قاعدہ ہے۔

الاقرب فالاقرب: پس حقیقی اقرب ہوئے، اس لئے وہ عصبہ ہوں گے اور وارث ہوں گے، اور علاقائی محروم رہیں گے، ہاں ایک حقیقی بھائی نہ ہوں تو پھر علاقائی بھائی حصہ بنیں گے۔

استراض: یہاں ایک اشکال ہے کہ حقیقی اور علاقائی تو ایک باپ کی اولاد ہیں، پس حقیقی عصبہ ہوئے اور علاقائی محروم رہے ایسا کیوں ہوا؟ جواب: یہ ہے کہ حقیقی اقرب ہیں اس لئے وہ وارث ہوئے، جیسے باپ اور دادا دونوں ہوں تو باپ وارث ہوتا ہے اور بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹا وارث ہوتا ہے کیونکہ وہ اقرب ہے اور حقیقی اور علاقائی دونوں کے تعلق سے تو یکساں ہیں مگر یہاں میت بھائی ہے، اس کے تعلق سے حقیقی اقرب ہیں اور علاقائی ابعد، اس لئے صرف حقیقی وارث ہوں گے۔

دوسرا اشکال: یہ ہے کہ اخیانی کا رشتہ صرف ماں کی طرف سے ہے، پھر وہ حقیقی اور علاقائی بھائیوں کے ساتھ وارث کیسے ہوئے؟ جواب: یہ ہے کہ اخیانی ذوی الفروض ہیں اور حقیقی اور علاقائی عصبہ ہیں، پس یہ دو الگ الگ جہتیں ہیں اور الاقرب فالاقرب کا ضابطہ ایک طائفہ میں چلتا ہے، یا یہ کہیں کہ یہ قاعدہ صرف عصبات میں چلتا ہے، ذوی الفروض میں نہیں چلتا۔

حدیث: ① حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو باتیں فرمائیں: پہلی بات: فرمایا آپ حضرات یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصَوْنَ بِهَا أَوْ دِينَ﴾ (النساء: ۱۲) یعنی وصیت نکالنے کے بعد جس کی تم وصیت کر جاؤ یا دین کے بعد۔ یعنی وصیت کا نفاذ دین سے پہلے ہوگا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض چکایا ہے، چنانچہ مسئلہ یہی ہے: میت کی تجہیز و تکفین کے بعد جو ترکہ بچے گا اس کے جمع سے میت کے قرضے چکائے جائیں گے، پھر باقی ماندہ کے تہائی سے وصیت نافذ ہوگی اور جو باقی بچے وہ وراثت میں تقسیم ہوگا اور آیت کریمہ میں وصیت کی تقدیم کی تاکید کے لئے ہے، یعنی وصیت کو قرض سے زیادہ اہم سمجھنا چاہئے کیونکہ قرض مانگنے والے تو دوسرے دن گھر آ کر بیٹھ جائیں گے اور موصی لہ یعنی جس کے لئے وصیت کی ہے وہ کوئی خاص تقاضہ نہیں کر سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بیان میں اس کو مقدم کیا۔

دوسری بات: نبی ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ: اعیان بنی الامریتو وارثون، دون بنی العلات: حقیقی بھائی بہن وارث ہوں گے نہ کوئی علاقائی بھائی بہن۔

تشریح: اعیان کی اضافت بنی الامر کی طرف اضافہ بیان یہ ہے اور اس کا لفظی ترجمہ ہے: ”ماں کے بیٹوں کے خالص“، یعنی حقیقی

بھائی اور مراد حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں ہیں، ابن کو تغلیباً ذکر کیا ہے اسی طرح بنو العلات سے علاقائی بھائی اور علاقائی بہنیں مراد ہیں، ابن کو یہاں بھی تغلیباً ذکر کیا ہے، اور یتوار ثون: کے معنی ہیں: ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور حقیقی اور علاقائی میں وجہ ترجیح چونکہ ماں کا رشتہ ہے اس لئے حدیث میں اعیان کے ساتھ بنی الام (ماں کے لڑکے) کا اضافہ فرمایا۔

پھر اسی مضمون کو دوسرے جملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح ادا کیا:

الرجل یرث اخا لا بیہ وامہ، دون اخیه لا بیہ.

”آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے، نہ کہ اپنے علاقائی بھائی کا۔“

اس جملہ کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلے جملہ کا ہے اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمائی بلکہ یہ نبی ﷺ کا فیصلہ ہے، اس کی دوسری حدیث میں صراحت ہے اور یہ روایت اگرچہ حارث اعور کی ہے جو متکلم فیہ راوی ہے، مگر پوری امت نے اس حدیث کو قبول کیا۔ معلوم ہوا کہ روایت کی قوت اور ضعف کا دار و مدار صرف راویوں کی حالت پر نہیں ہے بلکہ امت اور مجتہدین کا تعامل بھی قابل لحاظ ہے:

”قال السخاوی فی فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، و کذا اذا تلقت الامۃ الضعیف بالقبول یعمل بہ علی الصحیح حتی انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ المقتطوع بہ ولہذا قال الشافعی رحمہ اللہ فی حدیث: لا وصیۃ لوارث انه لا یثبتہ اہل الحدیث ولکن العامۃ تلقتہ بالقبول و علموا بہ حتی جعلوا ناسخاً لآیۃ الوصیۃ“ (ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ ص: ۲۴)

امام سخاوی رحمہ اللہ فتح المغیث فی الحدیث میں فرماتے ہیں جب امت ضعیف حدیث کو قبول کرے اور اس پر عمل بھی صحیح طریقے سے کرے تو وہ متواتر کے درجے میں پہنچ جاتی ہے اور وہ مقتطوع بہ کو منسوخ کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ایک حدیث لا وصیۃ لوارث والی حدیث اہل حدیث سے ثابت نہیں ہے لیکن امت نے اسے قبول بھی کیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے یہاں تک کہ یہ وصیت والی آیت کے لئے ناسخ کے درجے میں ہے۔“

فائدہ: علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کبھی کسی چیز کو اہمیت اور مقتضائے حال کی بناء پر مقرر کیا جاتا ہے چونکہ انسان طبعاً بخیل ہوتا ہے اور وصیت میں مطالبہ کرنے والے لوگ بھی عموماً نہیں ہوتے ہیں بخلاف دین کے دائنین خود اس کو وصول کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں اور ورثہ کے لئے روکنا ممکن یا آسان نہیں ہوتا، اس لئے وصیت کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لئے اور تاکید کرنے کے لئے آیت میں اس کا ذکر دین پر مقدم کیا، غرض تقدیم ذکر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حکماً بھی مقدم ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی قاعدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صریح منقول پیش کر رہے ہیں تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

پھر اس آیت میں ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء: ۱۲) لفظ ”او“ بمعنی واؤ کے ہے کیونکہ کبھی دونوں بھی ہوتے ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ ”او“ مانعۃ الجمع کے لئے نہیں ہے۔

آپ حضرات یہ آیت تلاوت کرتے ہیں: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ اس میں گو کہ لفظ وصیت مقدم ہے، لیکن عملی طور پر حضور اقدس ﷺ نے اس کو قرض کے بعد رکھا ہے۔

بَابُ مِيرَاثِ الْبَنِيْنَ مَعَ الْبَنَاتِ

باب ۶: بیٹوں کی میراث بیٹیوں کے ساتھ

(۲۰۲۲) جَاۤءَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْوِدُنِي وَاَنَا مَرِيضٌ فِي بَيْتِي سَلَمَةً فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ كَيْفَ اَقْسِمُ مَا لِيْ بِبَيْنٍ وَلَدِيْ فَلَمْ يَزِدْ عَلَيَّ شَيْئًا فَزَلْتُ (يُوصِيْكُمْ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِهِ كُمْ لِلَّذِيْ كَرِهْتُمْ لِلَّذِيْ كَرِهْتُمْ لِلَّذِيْ كَرِهْتُمْ) الْاَيَةُ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے میں بنو سلمہ کے محلے میں بیمار تھا میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی میں اپنا مال اپنی اولاد کے درمیان کیسے تقسیم کروں تو آپ ﷺ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں یہ حکم دیتا ہے ایک مذکر کو دو مؤنث جتنا حصہ ملے گا۔
تشریح: بنو سلمہ بفتح السین وکسر اللام، خزرج کی شاخ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے۔

پہلا اشکال: یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس وقت تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہ تھی بلکہ نو (۹) بہنیں تھیں جیسا کہ اگلے باب کی روایت میں ہے اور صحیحین کی روایت میں ہے:

فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! اِنَّمَا يَرْتَنِيْ كَلَالَةٌ. ”میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کلالہ مجھ سے وارث ہے۔“

اور بخاری کی ایک اور روایت میں بھی بہنوں کی تصریح ہے: ”انمالي اخوات“ تو اس طرح ان روایات میں تعارض آگیا۔
جواب: یہ ہے کہ یا تو ”ولدی“ کا لفظ حدیث باب میں راوی ہے ”وہم“ پر مبنی ہے یا پھر چونکہ وہ بہنیں عمر میں ان سے چھوٹی تھیں اور چھوٹوں پر اولاد اور بچوں کا اطلاق ہوتا ہے گویا زائد ہوتا ہے۔ (قالہ الكنکوهی فی الکوکب)

دوسرا اشکال: یہ ہے کہ ”يُوصِيْكُمْ اللّٰهُ... الخ“ یہ آیت تو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی کے استفسار کے جواب میں نازل ہوئی تھی اور خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی سابقہ ”باب ما جاء فی میراث البنات“ میں اس کی تصریح کرتی ہے جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں تو سورہ نساء کی آخری آیت نازل ہوئی تھی تو یہ بھی تعارض ہے، ابوداؤد میں بھی اس کی تصریح ہے:

”قَالَ فَنَزَلَتْ اَيَةُ الْمِيرَاثِ“ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكُلَّةِ﴾ (النساء: ۱۷۶)

(باب فی الکلالۃ، اول کتاب الفرائض وایضاً باب من کان لیس لہ الخ ص: ۳۹۹) اور ترمذی کے اگلے باب میں بھی ایسا ہی ہے۔
پہلا جواب: اس کا ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ترمذی کی اس باب والی حدیث میں راوی سے وہم ہو گیا ہے، پس کہا جائے گا کہ اس حدیث میں دو موقعوں پر وہم پایا جاتا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس روایت میں ﴿يُوصِيْكُمْ اللّٰهُ... الْاَيَةُ﴾ (النساء: ۱۱) سے مراد میراث کا حکم ہے جو سب کو شامل ہے۔ فلا اشکال۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ کبھی ایک حکم کے نزول کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں لہذا کبھی راوی ایک سبب کا ذکر کرتا ہے اور کبھی دوسرا۔ (قالہ السیوطی فی الاتقان)

بَابُ مِيرَاثِ الْأَخَوَاتِ

باب ۷: بہنوں کا حصہ

(۲۰۲۳) مَرَضْتُ فَأَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُوذُنِي فَوَجَدَنِي قَدْ اغْتَمِي عَلَى فَأَتَانِي وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَحُمَرُ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَصَبَّ عَلَى مَنْ وَضُوهُ فَافْقُتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي أَوْ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي فَلَمْ يُجِبْنِي شَيْئًا وَكَانَ لَهُ تِسْعُ أَخَوَاتٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ الْآيَةُ قَالَ جَابِرٌ فِي نَزَلَتْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں بیمار ہو گیا نبی اکرم میری عیادت کرنے کے لیے میرے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے مجھے اس حالت میں پایا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری تھی جب آپ میرے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے یہ حضرات پیدل آئے تھے نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی ﷺ میں اپنے مال کے بارے میں کیا فیصلہ کروں راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں؟ تو آپ ﷺ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا راوی بیان کرتے ہیں اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نو بہنیں تھیں یہاں تک کہ وراثت سے متعلق آیت نازل ہو گئی۔ لوگ تم سے دریافت کرتے ہیں تم فرما دو اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں تمہیں یہ حکم دیتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

لغات: یعوذنی: آپ ﷺ میری عیادت کرنے لگے۔ اغتمی علی: (ہنرے پر پیش کے ساتھ) باب افعال سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مجھ پر غشی ایک ایسا مرض ہے جو طویل تھکاوٹ کی وجہ سے طاری ہوتا ہے، یہ گویا اغماء سے خفیف ہے جبکہ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ غشی اور اغماء دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ اور ”اغماء“ ”جنون“ اور نوم یعنی نیند میں یہ فرق ہے کہ بے ہوشی میں عقل مغلوب ہو جاتی ہے اور پاگل پن میں عقل سلب ہو جاتی ہے اور نیند میں عقل مستور یعنی پوشیدہ کر دی جاتی ہے۔ صب علی: آپ ﷺ نے میرے اوپر (پانی ڈالا)۔ وضوءہ: (داؤ پر زبر کے ساتھ) وہ پانی جس سے وضو کیا جائے۔

حدیث باب میں اس سے مراد وضو کا مستعمل پانی ہے جسے غسلہ کہا جاتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہو۔

کلالہ کی تفسیر: ”کلالہ“ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے اور چار قول مشہور ہیں:

① جمہور کے نزدیک کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، ایسی صورت میں اس کے بھائی وارث ہوں گے۔

② کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جن میں کوئی ولد اور والد نہ ہو، اس صورت میں میت کے بھائی کلالہ ہوں گے۔

③ تیسرا قول یہ ہے کہ کلالہ اسم مصدر ہے اور اس میت کی وراثت کو کہتے ہیں جس کا ولد اور والد نہ ہو۔

④ چوتھا قول یہ ہے کہ کلالہ اس میت کے مال موروث کا نام ہے جس میت کا ولد اور والد دونوں نہ ہوں۔

لیکن قرآن کریم اور حدیث میں کلالہ کا لفظ میت اور وارث دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے چنانچہ حدیث باب میں مذکور آیت اور ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُوَدُّ كَلَالَةً﴾ (النساء: ۱۲) میں کلالہ کا لفظ میت کے لئے استعمال ہوا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث: انما يرثي كلاله (میرا وارث کلالہ ہوگا) میں کلالہ سے وارث مراد ہے۔ اس لئے جمہور علماء کے نزدیک کلالہ کا لفظ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے تاہم زیادہ تر اس سے وہ میت مراد ہوتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، البتہ کبھی اس کا اطلاق وارث اور مال موروث پر بھی کر دیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے ایک طرف عیادت کی سنیت معلوم ہوئی اور دوسری طرف پیدل چلنے کی فضیلت یعنی ہو سکے تو پیدل چلنا افضل ہے جیسا کہ جمعے کے بارے میں ”ولعید کب“ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ کہ وضو کا مستعمل پانی پاک ہے گو کہ اس میں آپ ﷺ کی خصوصیت الگ ہے کہ ان کے مستعمل پانی میں اللہ نے شفاء رکھی تھی، تاہم عام لوگوں کے مستعمل پانی سے بچنا افضل ہے چنانچہ ”الاشباہ والنظائر“ میں ہے ”الاولی ان لا یصلی علی من دیل الوضوء الذی یمسح بہ“۔ (الاشباہ ص: 166، کتاب الصلوٰۃ) اسی طرح داڑھی وغیرہ کا پانی بھی مسجد میں نہ جھاڑے، اس حدیث سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت معلوم ہوئی اور یہ کہ بڑے بھی چھوٹوں کی عیادت کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْعَصَبَةِ

باب ۸: یہ باب عصبہ کی مراث کے بارے میں ہے

(۲۰۲۴) الْحَقُّوْا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوَّلَى رَجُلٍ ذَكَرَ.

تو جمعہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں فرائض ان کے حق داروں کو دو جو باقی بچ جائے وہ قریبی مرد رشتے دار کا ہوگا۔

قوله ”العصبۃ“ لغت میں عصب پٹھے کو کہتے ہیں جو ایک مضبوط واصل کو کہتے ہیں، مراد وہ ورثہ ہیں جو ذوی الفروض کے بعد باقی اور ان کی عدم موجودگی میں سارا مال لیتے ہیں۔ ”الحقوا“ بفتح الهمزة وکسر الحاء ”ای اوصلو“ یعنی پہنچاؤ اور دلاؤ ادا کرو وغیرہ۔ قوله ”لاولی“ ”ای لا قرب“ یعنی میت کے سب سے قریب تر۔ قوله ”ذکر“ یہ تفسیر اس لئے ہے کہ مرد عصبوت میں اصل ہے اور عورت مرد کی وجہ سے عصبہ بنتی ہے گویا یہ رجل کی تاکید ہے تاکہ ذکر ت کو اجاگر کیا جائے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب فروض جب اپنے اپنے مقررہ حصے لے لیں اور پھر بھی کچھ بچ جائے تو اگر عصبہ موجود ہوں تو وہ بچا ہوا مال دوبارہ ذوی الفروض پر تقسیم نہ ہوگا بلکہ وہ عصبہ کو دیا جائے گا پھر عصبہ سے اولاً اس کا حق بنتا ہے جو میت سے اقرب ہو ثم الاقرب فالاقرب مثلاً اگر میت کا بیٹا ہو تو وہ پوتے پر اور باقی بھائیوں اور چچا وغیرہ پر مقدم ہے، پھر پوتا ہے پھر باپ ہے۔

اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ عصبہ نسبیہ جو اصل ہے عصوبت میں، تین طرح کے ہیں: (1) عصبہ بنفسہ (2) بغیرہ (3) مع غیرہ۔ عصبہ بنفسہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان کسی عورت کا واسطہ نہ ہو لہذا کہا جائے گا کہ یہ قسم اول وہ مرد ہے جس کا نسب میت سے، بغیر واسطہ عورت کے ہو جبکہ دوسری اور تیسری قسمیں دونوں عورتوں پر مشتمل ہیں، پھر عصبہ بغیرہ جیسے بہن اپنے بھائیوں کی وجہ سے عصبہ بنتی ہے اور عصبہ مع غیرہ جیسے بہن، بیٹی کی وجہ سے عصبہ بنتی ہے، پھر عصبہ بنفسہ کی آپس میں چار قسمیں ہیں، سراجی میں ہے:

”أما العصبۃ بنفسہ فکل ذکر لا تدخل فی نسبۃ الی المیت انثی و ہم اربعۃ اصناف:

① جزء المیت ② واصلہ ③ و جزء ابیہ و جزء جدۃ الاقرب فالاقرب“

”بہر حال عصبہ بنفسہ ہر وہ مذکر ہے کہ جب اُس کی میت کی طرف نسبت کریں تو کوئی مؤنث داخل نہ ہو۔ اور وہ چار قسموں پر ہے۔ ① میت کا جز ② اور اس کے اصول ③ اس کے باپ کے اجزاء ④ اُس کے تعداد کے اجزاء۔ الاقرب فالاقرب یعنی جو زیادہ قریب ہوں۔“

یعنی میت کی اولاد، اس کے اصول باپ دادا، میت کے باپ کے اجزاء یعنی بھائی اور اس کے دادا کے اجزاء یعنی چچا، اور اس کے ساتھ ان سب کے اصول و فروع۔

وان علاون سفلو:“ قال یرجون بقرب الدرۃ اعنی اولہم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنو ہم و ان سلفو اثم اصلہ ای الاب ثم المجد، ای اب الاب و ان علاثم جزء ابیہ ای الاخوة ثم بنو ہم و ان سلفو اثم جزء جدۃ ای الاعمام ثم بنو ہم و ان سلفو اثم یرجون بقوة القرابة اعنی بہ ان ذا القرابتین اولی من ذی قرابة واحدة ذکر اکان او انثی... الخ. (سراجی ص: ۱۴، باب العبات)

”اور اگرچہ اس سے اوپر ہوں یا نیچے ہوں۔ فرماتے ہیں کہ وہ قریب کے درجے کو ترجیح دیتے ہیں میری مراد جو میراث میں ان سے پہلے ہوں میت کا جزء یعنی بیٹے پھر ان کے بیٹے اگرچہ اس سے نیچے ہوں پھر ان کے اصول یعنی باپ پھر دادا یعنی باپ کا باپ اور اگر اس سے اوپر ہوں پھر اپنے باپ کا جزء یعنی بھائی پھر ان کے بیٹے پھر جو ان سے نیچے ہوں۔ پھر اپنے دادا کا جزء یعنی چچے پھر ان کے بیٹے اور اگرچہ نیچے ہوں پھر قرابت کی قوت کو ترجیح ہوگی۔ میری مراد اس سے دو قرابتوں والے اولیٰ ہیں ایک کے مقابلے میں خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔“

باب کی روایت اگرچہ مرسل ہے مگر کثرت طرق کی طرف سے اور بعض اسانید میں موصول ہونے کی بناء پر قابل عمل و قابل حجت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْجَدِّ

باب ۹: دادے کی میراث کے (حکم کے) بارے میں

(۲۰۲۵) جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ ابْنِي مَاتَ فَمَا لِي فِي مِيرَاثِهِ قَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا وَلَّى دَعَا

فَقَالَ لَكَ سُدُسٌ آخَرٌ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاكَ قَالَ إِنَّ السُّدُسَ الْآخَرَ طُعْمَةٌ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے مجھے اس کی وراثت میں سے کیا ملے گا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں چھٹا حصہ ملے گا جب وہ مڑ کر گیا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا تمہیں دوسرا چھٹا حصہ بھی ملے گا جب وہ مڑ کر جانے لگا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا دوسرا چھٹا حصہ تمہیں اضافی طور پر ملے گا۔

تشریح: عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے اس کے ترکہ میں سے مجھے کتنا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے چھٹا حصہ ہے، جب وہ (یہ جواب سن کر) واپس ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ تمہیں چھٹا حصہ ملے گا، پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ نے بلایا اور ارشاد فرمایا: یہ دوسرا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے۔

میراث میں دادے کا حصہ:

اس پر اجماع ہے کہ دادا اصحاب فرائض میں سے ہے اور اسے بطور فرض کے چھٹا حصہ ملتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے بھی کچھ مل جاتا ہے اور دادا باپ کی عدم موجودگی میں باپ کے مثل ہوتا ہے اور اگر باپ موجود ہو تو پھر دادا محروم ہوتا ہے۔ حدیث باب میں حضور اکرم ﷺ نے میت کے ترکہ سے دو تہائی اس کی بیٹیوں کو دیا، ان کی تصریح گو کہ حدیث میں نہیں لیکن ان کو یہ معلوم تھیں اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا، باقی ایک تہائی میں سے پہلا چھٹا حصہ اس دادا کو جو سائل تھا، ذوی الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے دیا اور دوسرا چھٹا حصہ اسے عصبہ ہونے کی حیثیت سے دیا، اس طرح اس شخص کو گویا کل ترکہ سے پورا ایک تہائی مل گیا، نبی کریم ﷺ نے ایک ہی دفعہ اسے تہائی مال نہیں دیا بلکہ ابتداء اسے پہلا چھٹا حصہ دیا پھر وہ چلا گیا، دوبارہ بلا کر دوسرا چھٹا حصہ دیا، اس طرف توجہ دلانے کے لئے کہ یہ تہائی اسے ذی فرض ہونے کی حیثیت سے نہیں ملا بلکہ پہلا حصہ اسے بطور فرض کے ملا ہے اور دوسرا حصہ عصبہ ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے حصے کو ”طعمہ“ فرمایا کیونکہ پہلا حصہ تو شرعاً متعین ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا لیکن عصبہ والے حصے میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے چنانچہ اگر مذکورہ صورت میں میت کے دوسرے اصحاب الفرائض ہوتے تو پھر دادا کو دوسرا چھٹا حصہ نہ ملتا۔

علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا جس کے وارثوں میں دو بیٹیاں تھیں اور ایک یہ سائل یعنی دادا تھا، چنانچہ میت کے ترکہ میں سے اس کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی مال دیا گیا، باقی ایک تہائی سے آدھا یعنی کل ترکہ کا چھٹا حصہ دادا کو ذی فرض ہونے کی حیثیت سے ملا اور پھر دوسرا چھٹا حصہ بھی دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل گیا یوں ایک پورا تہائی مال میت کے دادا کو حاصل ہو جائے گا۔

اس مسئلہ کی تصویر یہ ہے کہ جیسا کہ حاشیہ پر ہے کہ میت کی دو بیٹیاں تھیں اور ایک دادا، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ لڑکیوں کو مثلثان سے زیادہ نہیں ملتا دوسری طرف دادا بمنزلہ باپ کے ہے اس لئے اولاد کی صورت میں اس کا حصہ سدس یعنی چھٹا بنتا ہے۔

قال الله تعالى: ﴿وَلَا يُوْنِيْهِ لِحْظٌ وَاحِدٌ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهَا وَلَدٌ﴾ (النساء: ۱۱)

”والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے ترکہ میں سے اگر اولاد موجود ہو۔“

اس لئے مسئلہ صحیح چھ سے ہوئی، بیٹیوں کو ثلثین یعنی چار حصے ملے اور سدس یعنی چھٹا دادا کو بطور فرض دیا، ایک بیچ گیا وہ دادا کو بطور تعصیب دیا کیونکہ دادا ذوی الفروض اور عصبہ دونوں میں سے ہے۔

مسئلہ 6

ع	جد	بہتان
1=6	1	4

آپ ﷺ نے اس کو دونوں حصے ایک ساتھ اس لئے نہیں دیئے کہ ایسا کرنے سے سابقہ حکم کی تنبیخ کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا، اس لئے دونوں حکموں کو اجاگر کرنے کے لئے الگ الگ کر کے دیئے تاکہ صاف طور سے معلوم ہو کہ جد کا حصہ ثلث نہیں بلکہ سدس ہے اور دوسرا سدس بطور تعصیب کے ہے، پھر اس کو طعمۃ سے تعبیر کیا تاکہ مزید تصریح ہو کہ اس سے پہلا فرض متغیر نہ ہوگا وہ بدستور سدس ہی ہے اور رہے گا۔

ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ جد کا مسئلہ انتہائی مشکلات میں سے ہے اور اس سے اصول شرع میں نظر اور قیاس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ دین میں قیاس ایک زرین اصول ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ منصوص نہیں ہوتا ہے یعنی بعض مسائل مستنبط بھی ہوتے ہیں، غیر مقلدین کو یہ نکتہ نوٹ کر لینا چاہئے کہ قیاس کتنا اہم ہے، نیز اہل قرآن کے نام سے جو لوگ انتشار پھیلاتے ہیں وہ بھی بتائیں کہ قرآن میں جد کا حصہ کیا ہے؟

”العرف الشذی“ میں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک دادا باپ کی طرح بھائیوں کے لئے حاجب بنتا ہے جبکہ صاحبین رحمہ اللہ کے نزدیک دادا بھائیوں کے ساتھ شریک ہوگا یعنی ان کا حصہ ساقط نہیں کر سکتا۔ امام صاحب کی طرح قول، ابو بکر صدیق، ابن عباس، حضرت عائشہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابو داؤد اور بہت سے تابعین کا قول بھی یہی ہے کہ: ”ان الجد یسقط الاخوة والاخوات کالاب“ جبکہ جمہور کا مذہب وہی ہے جو صاحبین رحمہ اللہ کا ہے۔ (کذا فی التحفۃ) میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ مسئلہ اختلافی رہا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل المنقبہ صحابی بھی اس میں بحث سے بچتے تھے۔

قال و هذا التحذیر والو عیدو ما قیل فی شأنہ فی ذالک الوقت انما هو قبل تدوین المذاهب الاربعة واستقرار الامر علیہا عند کل مجتہد من الائمة الاربعة ومقلدیہم ولا صعوبة حینئذ فی الافتاء... الخ

تفصیل کے لئے دیکھئے تحفۃ الاحوذی اسی باب کی شرح میں۔ غیر مقلدین کو ائمہ مجتہدین کے کام کی اہمیت کو تسلیم کر لینا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْجَدَّةِ

باب ۱۰: دادی کا میراث میں حصہ

(۲۰۲۶) قَالَ جَاءَتْ الْجَدَّةُ أُمُّ الْأُمِّ وَأُمُّ الْأَبِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ إِنَّ ابْنِ ابْنِي أَوْ ابْنَ بَنِي مَاتَ وَقَدْ أُخْبِرْتُ

أَنَّ لِي فِي كِتَابِ اللَّهِ حَقًّا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا أَجِدُ لَكَ فِي الْكِتَابِ مِنْ حَقٍّ وَمَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَطُّ لَكَ بِشَيْءٍ وَسَأَلْتُ النَّاسَ قَالَ فَسَأَلَ النَّاسَ فَشَهِدَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْطَاهَا السُّدُسَ قَالَ وَمَنْ سَمِعَ ذَلِكَ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ فَأَعْطَاهَا السُّدُسَ ثُمَّ جَاءَتْ الْجَدَّةُ الْأُخْرَى الَّتِي تَخَالَفُهَا إِلَى عُمَرَ .

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ذویب بیان کرتے ہیں دادی یا شاید نانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور بولی میرے پوتا (راوی کو شک ہے شاید) نواسہ فوت ہو گیا ہے مجھے یہ پتا چلا ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق مجھے بھی اس میں کوئی حصہ ملے گا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے بارے میں حصے کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ملا میں نے اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کی زبانی بھی کوئی بات نہیں سنی تاہم میں اس بارے میں تمہارے حق میں کوئی فیصلہ کرتا ہوں میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کر لیتا ہوں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے یہ گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسی رشتہ دار خاتون کو چھٹا حصہ عطا کیا تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تمہارے ہمراہ کس نے اس حدیث کو سنا ہے؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا نبی اکرم ﷺ نے ایسی خاتون کو چھٹا حصہ دیا تھا پھر ایک اور دادی یا نانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔

(۲۰۲۷) عَنْ قَبِيصَةَ بِنِ ذَوَيْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَسَأَلَتْهُ مِيرَاثًا فَقَالَ لَهَا مَالُكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ شَيْءٌ وَمَالُكَ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ شَيْءٌ فَأَرْجِعِي حَتَّى أَسْأَلَ النَّاسَ فَسَأَلَ النَّاسَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرَى إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَسَأَلَتْهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ مَالُكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ شَيْءٌ وَلَكِنْ هُوَ ذَلِكَ السُّدُسُ فَإِنْ اجْتَمَعْنَا فِيهِ فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَإِيتَاكُمَا خَلَّتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا .

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ذویب بیان کرتے ہیں ایک دادی یا نانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے وراثت کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی سنت میں بھی تمہارے لیے کچھ نہیں ہے تم واپس جاؤ میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کروں گا پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا میں اس وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا جب آپ نے ایسی رشتہ دار خاتون کو چھٹا حصہ عطا کیا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا تمہارے علاوہ اور بھی تمہارے ساتھ کوئی اس کی گواہی دے گا تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسی کی مانند ذکر کیا جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون رشتہ دار کے بارے میں اس حکم کو نافذ کر دیا۔

پھر ایک اور دادی یا نانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے اپنی وراثت کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لیے کوئی حصہ نہیں ہے لیکن یہ چھٹا حصہ ہے اگر تم دونوں اس میں اکٹھی ہو

جاتی ہو تو یہ تم دونوں کو ملے گا اور اگر تم دونوں میں سے کوئی ایک بھی ہو تو یہ اسے مل جائے گا۔

جاءت الجدة ام الام و ام الاب. ”نانی آئی تھی یا دادی حاضر خدمت ہوئی تھی۔“

راوی کو شک ہے قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والی دادی یا نانی تھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والی دادی یعنی ام الاب تھی۔

تدل علیہ روایۃ ابن ماجہ کذا فی تلخیص۔ لفظہ ثم جاءت التي تخالفها فی نسخہ الجدة الاخری

وفی روایۃ ابن ماجہ ثم جاءت الجدة الاخری من قبل الاب الی عمر رضی اللہ عنہ تسال میرا شہما۔

”اس پر ابن ماجہ کی روایت دلالت کرتی ہے تلخیص میں یہ الفاظ ہیں پھر وہ دادی آئی جو اس کے مقابل ہے اور ایک نسخے

میں الجدة الاخری (یعنی دوسری دادی ہے) ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ ہے پھر دوسری دادی ہے جو باپ کی

طرف سے ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے میراث پوچھنے لگی۔“

وایتکما ان فردت به ای باعتبار الوجود بان لم تکن الا واحدة یا اس کے معنی ہیں ان فردت باعتبار

دنو القربة بان تكونا اثنتين احدهما اقرب الی المیت تاخذو تحرماً الی بعد۔

میراث جدات کا مسئلہ طویل ہے یہاں صرف چند امور بیان کئے جاتے ہیں جن سے ان کی میراث کا مسئلہ واضح ہو سکتا ہے۔

(1) عربی زبان میں دادی نانی کو جدہ کہا جاتا ہے۔

(2) دادی صرف باپ کی ماں مراد نہیں بلکہ دادی کی ماں کو بھی جدہ کہا جاتا ہے اسی طرح نانی سے صرف ماں کی ماں مراد نہیں بلکہ ماں

کی نانی، نانی کی نانی بھی جدہ ہے۔

(3) دادیاں اور نانیاں دو قسم کی ہوتی ہیں جدہ صحیحہ اور جدہ فاسدہ، دوسری قسم ذوی الارحام میں سے ہے۔

جدہ صحیحہ: وہ عورتیں ہیں جو میت کے سلسلہ نسب میں داخل ہوں اور جب میت کی طرف ان کی نسبت کی جائے تو نانا درمیان میں نہ

واقع ہو جیسے باپ کی ماں، باپ کی دادی، باپ کی پردادی، باپ کی نانی، باپ کی پر نانی۔

جدہ فاسدہ: اگر نانا درمیان میں واقع ہو تو جدہ فاسدہ ہے جیسے نانا کی ماں، نانا کی دادی، نانا کی نانی وغیرہ، یہ نسب ذوی الارحام میں

سے ہیں۔

(4) جدہ کی میراث سدس ہے مگر اس کے وارث ہونے کی شرائط ہیں: (۱) جدہ اس وقت وارث ہوگی جب کہ وہ صحیحہ ہو۔ (۲) اگر

جدہ متعدد ہوں تو ان کے وارث ہونے کے لئے متخاویہ اور متقابلہ ہونا ضروری ہے اگر ایک جدہ دوسری جدہ کے ساتھ ہو اور ایک

اوپر کے درجہ کی ہو اور دوسری نیچے کے درجہ کی تو نیچے والی محروم ہو جائے گی کیونکہ قرب درجہ باعث ترجیح ہے۔

(5) چند اصول مزید محفوظ رکھیں تاکہ میراث جدات میں تشہید ذہن ہو۔

اول: واسطہ کے ہوتے ہوئے ذو واسطہ محروم ہو جاتا ہے جیسے پوتا بیٹے کے ہوتے ہوئے محروم ہے اور دادا باپ کے ہوتے ہوئے

محروم ہے ایسے ہی ماں کے سامنے نانی اور باپ کے سامنے دادی محروم ہو جائے گی اولاد ام اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے وہ ماں

کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہیں۔

دوم: درجات کے مختلف ہونے کے وقت سبب کا اتحاد بھی حرام کا سبب ہے جیسے ”دادی“ ماں کے ہوتے ہوئے محروم ہوگی اگرچہ ماں یہاں واسطہ نہیں ہے مگر اتحاد سبب کی وجہ سے دادی محروم ہوگی یعنی ان کے وارث ہونے کا سبب ماں ہونا ہے اور وہاں ماں کے اندر دادی سے زیادہ موجود ہے اسی کو اتحاد سبب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سوم: دادیاں مختلف ہو سکتی ہیں بلکہ دادی سے اوپر چار رشتوں تک چودہ جدات صحیحہ نکل سکتی ہیں جن میں سے چار نانیاں اور دس دادیاں ہو سکتی ہیں اب یہ یاد رہے کہ قربی، بعدی کی محرومی کا سبب جیسے نانی پر دادی کو محروم کر دے گی چونکہ یہ قربی ہے نیز قریب والی خواہ خود وارث ہو یا نہ ہو بہر صورت بعدی کو محروم کر دے گی جیسے نانی پر باپ ہوتے ہوئے محروم نہ ہوگی لیکن دادی کے ہوتے ہوئے محروم ہو جائے گی اگرچہ باپ کے ہوتے ہوئے دادی خود محبوب ہے الحاصل حاجب بننے کے لئے خود وارث ہونا ضروری نہیں بلکہ وارث و محبوب دونوں حاجت بن سکتے ہیں۔

چہارم: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر جو کہ مفتی بہ ہے کہ اگر چند جدات ایک درجہ کی جمع ہو جائیں اور ایک کی میت سے ایک قسم کی قرابت اور دوسری سے زیادہ تو ایسی صورت میں اصل قرابت کا لحاظ ہوتا ہے تعدد قرابت کا لحاظ نہیں البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تعدد قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اگر دو جدات ہیں ان میں سے ایک سے ایک قرابت اور دوسری سے دو قرابت تو شیخین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر سدس دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر فرماتے ہیں کہ سدس کے تین حصوں میں سے ایک قرابت والی کو اور ۲/۳ دو قرابت والی کو ملے گا۔

مسئلہ: ایک عورت نے اپنے پوتے کا نکاح اپنی نواسی سے کر دیا پھر اس پوتے اور نواسی سے ایک بچہ زید پیدا ہوا تو ظاہر ہے کہ دادی زید سے دو قرابت رکھتی ہے کیونکہ یہ بچہ کی پردادی بھی ہے اور نانی بھی اور اس بچہ کی ایک جدہ جو اس کی دادی کی ماں ہے تو اس سے ایک درجہ قرابت ہے شیخین رحمۃ اللہ علیہ تو اصل قرابت کو ملحوظ رکھتے ہیں نہ کہ تعدد قرابت کو خلافاً ل محمد رحمۃ اللہ علیہ کما مر۔

پنجم: ماں جدات ابویات اور امویات دونوں کو محروم کر دے گی اور باپ صرف ابویات کو ساقط کرے گا امویات کو نہیں کیونکہ یہاں نہ واسطہ کا مسئلہ ہے اور نہ اتحاد سبب کا اسی طرح دادا بھی تمام ابویات کو محروم کرے گا بشرطیکہ دادا کا واسطہ ہونا ثابت ہو جائے ورنہ دادا کی موجودگی میں دادی اور پردادا کی موجودگی میں پردادی وارث ہوگی کیونکہ یہاں واسطہ نہیں اور سبب کا اتحاد بھی نہیں کیونکہ دادا کے وارث کا سبب اور ہے اور دادی کا اور ہے (یہ مذکورہ تفصیلات سراجی کی بعض شروع سے ماخوذ ہیں)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے حدیث کا مضمون واضح ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجتماع و افراد سے مراد حدیث مذکور میں دونوں قرابت و درجہ ہے۔

حدثنا الانصاری... الخ: سے روایت کا دوسرا طریق ذکر فرمایا ہے: هذا حدیث حسن صحیح: اخرجہ مالک و احمد و اصحاب السنن و ابن حبان و الحاکم البتہ قبیصہ نے ابوبکرہ کا زمانہ پایا ہے۔ کہا قال ابن عبدالبر و قدامہ عبدالحق تبعاً لابن حزم بالانقطاع۔

و هذا اصح من حدیث ابن عیینہ: کیونکہ مالک اقن و اثبت ہیں بہ نسبت سفیان بن عیینہ کے، و فی الباب عن بریدہ رحمۃ اللہ علیہ اخرجہ ابوداؤد والنسائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا

باب ۱۱: جدہ کے بیٹے کی موجودگی میں اس کا حصہ

(۲۰۲۸) قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا اَوَّلُ جَدَّةٍ اَطْعَمَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سُدَسًا مَعَ ابْنِهَا وَابْنُهَا حَيٌّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باپ کی موجودگی میں دادی کے بارے میں فرماتے ہیں سب سے پہلی دادی جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے اس کے بیٹے کی موجودگی میں فیصلہ دیا تھا اسے چھٹا حصہ دیا گیا تھا جبکہ اس کا بیٹا زندہ تھا۔
تشریح: ماں تمام جدات کے لئے حاجب ہے خواہ پدری ہوں یا مادری..... اور باپ فقط پدری جدات کے لئے حاجب ہے..... اور جد صحیح صرف ان جدات کے لئے حاجب ہے جن کے درمیان وہ واسطہ بنتا ہے، یعنی جو دادیاں جد صحیح کے واسطہ سے دادیاں ہیں وہ جد صحیح کی وجہ سے ساقط ہوں گی مگر باب کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اس حدیث میں باپ اپنی ماں کے لئے حاجت نہیں بن رہا۔
سند کی بحث: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں محمد بن سالم ہمدانی ابو سہل کوئی ہے جو ضعیف ہے اور مسئلہ میں اختلاف ہے، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ باپ کو حاجب مانتے ہیں اور اس کی وجہ سے پدری جدہ کو ساقط کرتے ہیں، یہی جمہور علماء کی یعنی چاروں ائمہ کی رائے ہے اور حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نزدیک باپ کی ماں، باپ کی موجودگی میں وارث ہوتی ہے اور اس رائے کو قاضی شریک، حسن بصری اور ابن سرین رحمہم اللہ نے لیا ہے اور اس ضعیف حدیث کی تین توجہیں کی جاسکتی ہیں۔
پہلی توجیہ: شریفیہ شرح سراجیہ میں ہے کہ میت کا باپ غلام یا کافر ہوگا اس لئے اس کو دادی کے لئے حاجب نہیں مانا ہوگا مگر یہ توجیہ دور کی کوڑی ہے۔

دوسری توجیہ: حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کی ہے کہ جدۃ کا بیٹا میت کا باپ نہیں تھا بلکہ یہ جدہ نانی تھی اور اس کا بیٹ میت کا ماموں تھا اور ماموں اپنی ماں کے لئے حاجب نہیں بنتا، یہ بہترین توجیہ ہے مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر صحابہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں دادی وارث ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں صحابہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ اگر یہ حدیث نانی اور ماموں سے متعلق تھی تو مسئلہ میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا۔

تیسری توجیہ: میری ناقص رائے میں یہ دادی کا بیٹا میت کا باپ تھا اور شروع اسلام میں اس حالت میں دادی کو وارث بنایا گیا تھا مگر بعد میں یہ حکم ختم ہو گیا اور جن صحابہ کو نسخ کا علم نہیں ہوا وہ سابقہ رائے پر برقرار رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْخَالِ

باب ۱۲: ماموں کی میراث کے بارے میں

(۲۰۲۹) كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ وَالْخَالُ

وَارِثٌ مِّنْ لَا وَارِثَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا تھا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ اور اس کے رسول اس شخص کے مولیٰ ہیں جس کا کوئی مولیٰ نہ ہو اور ماموں اس کا وارث ہوگا جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

(۲۰۳۰) الْحَالُ وَارِثٌ مِّنْ لَا وَارِثَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ماموں اس کا وارث بنے گا جس کا اور کوئی وارث نہ ہو۔
تشریح: ”ذوی الارحام“ فقہی اصطلاح میں ان رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جو نہ ذوی الفروض میں سے ہوں اور نہ عصبات میں سے ہوں، میت کا ترکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ میت کے عصبات یعنی جدی رشتہ داروں کو درجہ بدرجہ دیا جائے گا یعنی قریبی عصبہ کو بعید کے مقابلے میں مقدم رکھا جائے گا اور اگر عصبات میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو دیا جاتا ہے۔
اقسام ذوی الارحام: ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں:

(۱) فرع میت (۲) اصل میت (۳) فرع اب میت (۴) فرع جد وجده میت۔

اول فرع میت: جو میت کی طرف منسوب ہے بیٹی و پوتی کی اولاد خواہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے اور خواہ کتنے ہی نیچے کے طبقے کے ہوں۔
دوم اصل میت: اجداد فاسدہ و جدات فاسدہ جن کی طرف خود میت منسوب ہے یعنی میت کے نانا اور جدات فاسدہ خواہ کتنے ہی اوپر کے طبقے کے ہوں۔

سوم فرع اب و ام میت: جو میت کے باپ کی طرف منسوب ہے یعنی ہر قسم کی بہنوں اور انخیانی بھائیوں کی اولاد اور عینی و علاتی بھائیوں کی لڑکیاں۔

چہارم فرع جدہ و جدہ میت: جو میت کے دادا، دادی، نانا، نانی کی طرف منسوب ہے یعنی پھوپھیاں، انخیانی چچا، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد اور عینی و علاتی چچا کی لڑکیاں (۱) اگر یہ اصناف سب موجود ہوں پہلے صنف اول پھر صنف دوم پھر صنف سوم پھر صنف چہارم کو ترکہ ملے گا۔ (۲) اگر مستحق صنف کے متعدد افراد موجود تو اقرب کو ترجیح ہوگی۔ (۳) اگر درجہ میں برابر ہوں تو قوت قرابت کو ترجیح ہوگی۔ (۴) اگر یہ سب متحد ہوں تو سب مساوی طور پر مستحق ہوں گے البتہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ مِثْلِ الْاُنْثٰی﴾ (النساء: ۱۱) کے مطابق تقسیم ہوگا۔

مذہب فقہاء: ذوی الارحام کے وارث ہونے کا مسئلہ: ”ذوی الارحام“ کو وارث قرار دیا جائے یا نہیں؟ اس میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے اختلاف چلا آرہا ہے، اکثر صحابہ کرام، حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ اور تابعین میں سے علقمہ، نخعی، شریح، حسن، ابن سیرین رضی اللہ عنہم وغیرہ اور آئمہ میں سے حنفیہ اور حنابلہ اس بات کے قائل ہیں کہ ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں۔

البتہ صحابہ میں سے حضرت زید بن ثابت اور تابعین میں سے سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم اور فقہاء میں سے امام مالک

اور امام شافعیؒ نے اس بات کے قائل ہیں کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہیں، ایسی صورت میں اس میت کا ترکہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

جمہور کا آیات اور احادیث سے استدلال: ① ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ (النساء: ۷) (ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی) اس میں رجال، نساء اور اقربوں کے الفاظ ”ذوی الارحام“ کو بھی شامل ہیں۔

② حدیث باب جس میں حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کو تیرے قتل کر دیا، اس مقتول کا ماموں کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تھا، یہ مسئلہ حضرت ابو عبیدہؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرت عمر فاروقؓ سے رابطہ کیا، حضرت عمر فاروقؓ نے اس کا حکم ابو امامہ بن ہبلؓ کے ذریعہ ان کی طرف بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول اس شخص کے منتظم ہیں جس کا کوئی منتظم نہ ہو اور ماموں اس شخص کا وارث ہوتا ہے جس کا اور کوئی وارث نہ ہو۔ مذکورہ آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوی الارحام کو ذوی الفروض اور عصبہ نہ ہونے کی صورت میں میراث سے حصہ دیا جاتا ہے یہی جمہور کا موقف ہے اور اسی پر امت کا تعامل چلا آ رہا ہے۔

شافعیہ کے دلائل: ① اللہ تعالیٰ نے آیات میراث میں صرف ذوی الفروض اور عصبہ کے حصے بیان فرمائے ہیں، ذوی الارحام کا کوئی حصہ ذکر نہیں کیا، اگر ان کا کوئی حصہ ہوتا تو اسے ضرور بیان کیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ② حضور اکرم ﷺ سے پوچھو بھی اور خالہ کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ پھوپھی اور خالہ کے لیے میراث نہیں ہے۔

دلائل کا جواب: ① آیات میراث میں گو کہ ذوی الارحام کا ذکر صراحتہ نہیں ہے لیکن اس سے ان کے وارث بننے کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ اولوالارحام والی آیت اور مذکورہ احادیث میں ان کے وارث ہونے کا واضح ثبوت ہے، نیز احکام میراث حالات کے اعتبار سے تغیر و تبدل کے ساتھ بتدریج نازل ہوئے ہیں، ایسے میں کسی حکم کا آیات میراث میں نہ ہونا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ حکم ثابت نہیں ہے۔

② جمہور اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ﴾ (الاحزاب: ۷۵) والی آیت کریم کے نزول سے پہلے کی ہو، یا اس کی مراد یہ ہے کہ پھوپھی اور خالہ اس وقت وارث نہیں ہوں گی جب میت کے ذوی الفروض اور عصبہ رشتہ داروں میں کوئی موجود ہو ورنہ ہوں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يَمُوتُ وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ

باب ۱۳: اس شخص (کی میراث کے حکم) کے بارے میں ہے جو مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو

(۲۰۳۱) أَنَّ مَوْلَى لِلنَّبِيِّ ﷺ وَقَعَ مِنْ عِنْدِي تَخْلَةٌ فَمَاتَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ انْظُرُوا أَهْلَ لَهُ مِنْ وَارِثٍ قَالُوا لَا قَالَ

فَادْفَعُوْهُ اِلَى بَعْضِ اَهْلِ الْقَرْبَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ کا آزاد کردہ ایک غلام بھور کے درخت سے گر کر فوت ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دیکھو اس کا کوئی وارث ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کوئی نہیں ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کا مال اس کی بستی والوں کو دے دو۔

تشریح: ترکہ سے ترتیب وار چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، سب سے پہلے ترکہ سے میت کا کفن دفن کیا جاتا ہے، پھر باقی سے میت کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے، پھر باقی کے تہائی سے میت کی وصیت نافذ کی جاتی ہے، پھر باقی ماندہ ترکہ میت کے وراثہ میں تقسیم کیا جاتا ہے اور وراثہ میں پہلا نمبر وادی الفروض کا ہے، پھر عصبہ نسبی کا، پھر عصبہ سبی کا، پھر ذوی الارحام کا، پھر مولی الموالات کا، یعنی جس سے میت نے دوستی کی ہو، احناف کے نزدیک میراث میں یہ عقد معتبر ہے اور شوافع کے نزدیک معتبر نہیں، پھر اگر مذکورہ وراثہ میں سے کوئی نہ ہو تو وہ شخص وارث ہوگا جس کے لئے میت نے اپنے غیر سے نسب کا اقرار کیا، مثلاً یہ کہا ہے کہ وہ میرا بھائی ہے یا چچا ہے اور موت تک وہ اپنے اقرار پر برقرار رہا ہے، پھر اگر مذکورہ وراثہ میں سے کوئی نہ ہو اور میت نے کسی کے لئے تہائی سے زائد کی یا سارے ترکہ کی وصیت کی ہے تو وہ زائد یا سارا ترکہ وصی کو دیا جائے گا اور اگر وہ بھی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال میں یعنی اسلامی حکومت کے خزانہ میں رکھ دیا جائے گا جو غریبوں پر خرچ ہوگا۔

کیا انبیاء علیہم السلام وارث ہوتے ہیں؟

اس بات میں تو جمہور کا اتفاق ہے کہ انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اگر کوئی نبی مال چھوڑ کر جائے تو وہ رشتہ داروں میں بطور میراث تقسیم نہیں ہوتا بلکہ وہ غرباء اور مساکین پر صدقہ کرنے کا حکم ہے، انبیاء کی وراثت مال میں نہیں، علم میں جاری ہوتی ہے، چنانچہ قرآن میں جہاں بھی انبیاء کے ذکر میں وراثت کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے وراثت مال نہیں بلکہ وراثت علم مراد ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے عزیز واقارب کے وارث ہوتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں دو نکتے پیش نظر ہیں:

① شافعیہ، مالکیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہم کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اپنے عزیز واقارب کے وارث ہو سکتے ہیں، دلیل میں دو باتیں ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) حدیث میں لا نورث (ہم وارث نہیں بناتے) کے الفاظ ثابت ہیں لیکن لانرث کا لفظ (ہم وارث نہیں ہوتے) ثابت نہیں، یہ کسی راوی کا تصرف ہے، اس لئے ”لانرث ولا نورث“ والی حدیث سے اس بات پر استدلال کرنا انبیاء وارث نہیں ہوتے، درست نہیں۔

(۲) حضور اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ ترکہ میں کچھ غلام اور بکریاں چھوڑ گئے تھے، آپ ﷺ کو یہ چیزیں والد کی میراث سے ملی تھیں۔

ان دلائل سے استدلال کر کے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے عزیز واقارب کے وارث ہوتے ہیں۔

② حنفیہ اور دیگر حضرات کے نزدیک حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے عزیز واقارب کے وارث نہیں ہوتے کیونکہ حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: نحن معاشر الانبياء لانرث ولا نورث (ہم یعنی انبیاء علیہم السلام کی جماعت نہ وارث ہوتے ہیں

اور نہ وارث بناتے ہیں) یہ حدیث صحیح ہے، اسی مسلک پر اکثر حضرات کا اتفاق ہے، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا عمل بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کو اپنے والد سے میراث چونکہ نبی بننے سے پہلے ملی تھی، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔
لعنات: مولیٰ: آزاد کردہ غلام۔ وقع: گر گئے۔ عذق: (عین کے نیچے زیر اور ذال کے سکون کے ساتھ) شاخوں والی ٹہنی اور اگر عین پر زبر ہو تو اس کے معنی ”کھجور کے پھل دار درخت“ کے ہوتے ہیں۔ عذق نخلة: العذق بالفتح النخلة و بالكسر العرجون بمافیہ من الشماریخ اور اس کی جمع عذاق آتی ہے کھجور کا ایسا درست جو شاخوں والا ہو یا شاخ ہی مراد ہو۔

بَابُ فِي مِيرَاثِ الْمَوْلَى الْأَسْفَلِ

باب ۱۴: آزاد شدہ کا میراث میں حصہ

(۲۰۳۲) أَنَّ رَجُلًا مَاتَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا إِلَّا عَبْدًا هُوَ أَعْتَقَهُ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ ﷺ مِيرَاثَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص فوت ہو گیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا صرف ایک غلام تھا جسے اس نے آزاد کیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی وراثت اس غلام کو دے دی۔

تشریح: جمہور فقہاء فرماتے ہیں عتیق معق کا وارث نہیں ہوتا اور معق عتیق کا وارث ہوتا ہے، اگر اس کا کوئی رشتہ دار زندہ نہ ہو تو اس کا ترکہ مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا تا کہ مسلم حکمران مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں اسے صرف کر سکے، قاضی شریح اور حضرت طاؤس نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر کہا کہ جس طرح آزاد کرنے والا اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث ہوتا ہے، ایسے ہی آزاد شدہ بھی اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہو سکتا ہے کمافی عکس۔

چنانچہ حدیث باب میں بھی نبی کریم ﷺ نے مرحوم آقا کے آزاد کردہ غلام کو اس کا ترکہ تبرع اور احسان کے طور پر اسی وجہ سے دیا کہ وہ مستحق تھا، اس وجہ سے نہیں دیا کہ وہ غلام مرحوم آقا کے ترکہ کا وارث ہے۔

قال اللکنکو ہی دفعہ هذا الاستحقاقه من بیت المال لا توریثًا۔ وہ ممالک اور علاقے جہاں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال نہ ہو یا بیت المال کا نظام اسلامی نہ ہو وہاں اس قسم کے مال کو مساجد و مدارس کی ضروریات میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ الْمِيرَاثِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ

باب ۱۵: مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

(۲۰۳۳) لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا اور کوئی کافر

کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

تشریح: موانع ارث چار ہیں: غلامی، قتل، اختلاف دین اور اختلاف ملک (صرف کفار کے حق میں) غلام خواہ کسی طرح کا ہو وارث نہیں ہوتا اور قاتل بھی مقتول کا وارث نہیں ہوتا اور قتل کی پانچ قسمیں ہیں، عمد، شبه عمد، خطا، شبہ، خطا اور قتل بالسبب، پہلی چاروں قسموں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان میں قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے، اور پانچویں قسم (قتل بالسبب) میں قاتل وارثت سے محروم نہیں ہوتا۔ (تفصیل طرازی شرح سراجی ص: 19 کے حاشیہ میں ہے)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کو وارث نہیں ہو سکتا اسی طرح مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا ہے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین وغیرہ اسی کے قائل ہیں البتہ بعض حضرات معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابن المسیب رضی اللہ عنہ اور مسروق رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔

قائلین توریت نے نبی کریم ﷺ کے فرمان ”الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ“ سے استدلال کیا۔

جمہور رضی اللہ عنہم جواب میں فرماتے ہیں کہ اس روایت سے مقصود فضیلت اسلام کو بیان کرنا ہے میراث مقصود نہیں جبکہ روایت الباب جمہور علماء کا صریح مستدل ہے، لعل هذا الطائفة لم يبلغها هذا الحديث.

اختلف اهل العلم في توريت المرتد... الخ: اس پر اجماع ہے کہ مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا البتہ مرتد کے مال کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں۔

مذاہب فقہاء:- (1) امام شافعی و ربیعہ و ابن لیلیٰ رحمہم فرماتے ہیں کہ مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مال فی المسلمین ہوگا۔ (2) امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مال مسلمانوں کے لئے ہے البتہ اگر مرتد نے اس لئے ارتداد کو اختیار کیا ہو، تاکہ ورثہ کو محروم کر دے تو پھر ورثہ محروم نہ ہوں گے بلکہ ان کو وارث بنایا جائے گا۔

(3) امام ابو یوسف رحمہ اللہ و محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد کا مال ورثہ مسلمین کو دیا جائے گا۔ علقمہ اور بعض تابعین رحمہم فرماتے ہیں کہ اس کے مال کے مستحق وہ اہل دین ہوں گے جن کے دین کی طرف وہ منتقل ہوا ہے قال داؤد الظاہری یختص بورثة من اهل الدين الذي انتقل اليه۔

(4) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد تو حکماً میت ہے تو اس کی موت کا حکم وقت ردت کی طرف منسوب ہوگا لہذا ردت اختیار کرنے تک تو مسلمان تھا اب مرتد ہو کر وہ میت ہو گیا تو اب تک کا جو مال اس کے پاس ہے وہ بحالت اسلام کمایا ہوا ہے تو ورثہ مسلمین اس کے وارث ہوں گے کیونکہ یہ توریت المسلم للمسلم ہوئی اور ردة کے بعد جو مال اس نے حاصل کیا وہ کفر کی حالت کا ہے اب مسلمان کو اس وارث نہیں بنایا جائے گا ورنہ توریت المسلم للكافر لازم آئے گا بلکہ اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

فائدہ: یہ حکم مرتد مرد کے مال کے بارے میں ہے اور مرتدہ کے بارے میں اجماع ہے کہ اس کا مال جو بحالت اسلام ہو یا بحالت ارتداد ورثہ مسلمین کا ہے۔ لانہا لا تقتل عندنا بل تحبس حتی تسلم او تموت۔

بَابُ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ

باب ۱۶: دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

(۲۰۳۴) لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں دو مذہبوں سے تعلق رکھنے والے افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

مذہب فقہاء: ① احناف اور شوافع کے نزدیک: اسلام کے علاوہ سارے مذاہب ایک ملت ہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں لکھا ہے: الکفر ملة واحدة يتوارثون به: یعنی اسلام کا انکار کرنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ کفر کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

② امام مالک رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ الگ الگ ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور مشرکین اور مورتیاں پوجنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باب کی حدیث میں احناف کے نزدیک دو ملتوں سے کفر و اسلام مراد ہیں، پس اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو گذشتہ باب کی حدیث کا ہے اور یہاں مصری نسخہ میں باب ہے جو بڑھایا گیا ہے۔ اور ابو داؤد (حدیث 2911) میں بھی یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اعتراض: غیر مذہب والوں کی توریث سے اسلام کو کیا لینا ہے؟ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں یا نہ ہوں، یہ اسلامی مسئلہ نہیں ہے، پھر وہ حدیثوں میں کیوں زیر بحث آیا ہے؟

جواب: غیر مذہب کے لوگ بھی اسلامی مملکت کے شہری ہوتے ہیں اور وارث اور مورث میں سے ایک اسلامی ملک کا شہری ہو اور دوسرا دار الکفر کا شہری ہو ایسا بھی ہوتا ہے، پس انتظام مملکت کی حیثیت سے اسلامی حکومت کو یہ مسئلہ درپیش آ سکتا ہے، اس لئے اس مسئلہ سے بحث ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمِيرَاثَ لِلْوَرَثَةِ وَالْعَقْلَ عَلَى الْعَصْبَةِ

باب ۱۷: میراث و رثاء کے لئے ہے اور دیت خاندان پر ہے

(۲۰۳۵) الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قاتل وارث نہیں بنے گا۔

باب

باب ۱۸: اسی سے متعلق باب

(۲۰۳۶) قَالَ عُمَرُ الدِّيَّةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَّةِ زَوْجِهَا شَيْئًا فَأَخْبَرَهُ الضَّعَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِيَّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِثَ امْرَأَةً أَشِيَمَ الضَّبَابِيَّ مِنْ دِيَّةِ زَوْجِهَا.

ترجمہ: سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے دیت کی ادائیگی خاندان کے ذمے ہوگی اور کوئی بھی عورت اپنے شوہر کی دیت میں سے کسی چیز کی وارث نہیں ہوگی تو ضحاک بن سفیان کلابی نے انہیں یہ بات بتائی کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں خط میں لکھا تھا وہ اشیم ضبابی کی اہلیہ کو ان کے شوہر کی دیت میں وارث بنائیں۔

باب

باب ۱۹: اسی کے متعلق باب

(۲۰۳۷) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَضَى فِي جَنَيْنٍ امْرَأَةٍ مِّنْ بَنِي الْحَيَّانِ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الْيَتِي قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُؤَقِّمَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا وَأَنَّ عَقْلَهَا عَلَى عَصْبَتِهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بنو حلیان سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کے پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں ایک غلام یا کنیز تاوان کے طور پر ادا کرنے کا فیصلہ کیا تھا جو بچہ مردہ پیدا ہوا تھا پھر جس عورت کے خلاف تاوان کی ادائیگی کا فیصلہ دیا گیا تھا اس کا انتقال ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس کی وراثت اس کے بچوں اور شوہر کو ملے گی اور اس کی طرف سے دیت کی ادائیگی اس کے خاندان والوں کے ذمے لازم ہوگی۔

تشریح: یہ مسئلہ اجماعی ہے ابواب الدیات باب ۱۵، حدیث ۱۳۹۵) میں گزر چکا ہے کہ میراث کے حق دار وراثہ ہیں اور دیت خاندان پر ہوتی ہے، اگرچہ بات الغنم بالغرم کے خلاف ہے، یعنی ضابطہ یہ ہے کہ جو تاوان بھرے وہی فائدہ اٹھائے، جب خاندان نے دیت ادا کی ہے تو میراث بھی ان کو ملنی چاہئے، مگر مسئلہ یہ نہیں ہے، نبی ﷺ نے بنو حلیان کی ایک عورت کے پیٹ کی بچہ کے بارے میں جو مردہ گر گیا تھا غرہ کا فیصلہ فرمایا، یعنی ایک بردہ (غلام یا باندی) ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ دیت ڈنڈا مارنے والی عورت کے عاقلہ پر لازم کی پھر جب اس عورت کی وفات ہوئی تو نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور شوہر کے لئے ہے، اور اس کی دیت اس کے خاندان پر ہے۔

اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ وراثت کی بنیاد تعان، تناصر اور ہمدردی پر ہے اور خاندان کے لوگ ہی ایک دوسرے کو نفع و ضرر کو اپنا نفع و ضرر سمجھتے ہیں اور وہی ایک دوسرے کی ہر طرح مدد کرتے ہیں، اس لئے وہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور دیت کا مدار ہاتھ پکڑنے پر ہے یعنی برائی سے روکنے پر ہے، پس جو لوگ گناہ کرنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں وہی اگر گناہ سے نہیں روکیں گے تو

سزا بھگتیں گے اور وہ سزا یہ ہے کہ ان کو دیت ادا کرنی ہوگی اور ظاہر ہے یہ طاقت قبیلہ ہی میں ہوتی ہے اس لئے دیت ان پر لازم ہوتی ہے، غرض میراث اور دیت کی جہتیں مختلف ہیں اس لئے احکام بھی مختلف ہیں۔

مقتول شوہر کی بیوی دیت میں بھی وارث ہوگی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابتداء میں یہ نظریہ تھا کہ اگر کوئی شخص قتل ہو جائے تو اس کی بیوی کو دیت میں سے بطور میراث کے کچھ نہیں دیا جائے گا، ان کا منشا یہ تھا کہ دیت ”عاقلہ“ سے وصول کی جاتی ہے اور عاقلہ میں صرف مرد داخل ہوتے ہیں، خواتین نہیں۔ لہذا جب دیت دینے میں خواتین شامل نہیں تو لینے میں کیوں ہوں لیکن پھر جب حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں اشیم ضبابی غلطی سے قتل ہو گئے تھے تو آپ نے حکم دیا کہ اس کی دیت میں اس کی بیوی کو بھی وارث بناؤ۔ یہ حدیث سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور بیوی کو شوہر کی دیت میں سے حصہ دار بنانے لگے، چنانچہ اب تمام فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ دیت میں مقتول کے تمام وارث حقدار ہوتے ہیں خواہ رشتہ دار مرد ہوں یا خواتین، لہذا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مقتول شوہر کی بیوی دیت میں دیگر رشتہ داروں کی طرح وارث ہوگی، اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ اور اولاد ہو تو آٹھواں حصہ اسے ملے گا۔

اعتراض: یہ ہے کہ عاقلہ کون لوگ ہوں گے؟ خاص طور پر ہمارے زمانے میں یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے، جب قبائلی زندگی کا رواج تھا اس وقت تو عاقلہ کا تعین آسان تھا کہ قبیلے کے لوگ آپس میں قریب قریب رہتے تھے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون و تناصر اور مدد و نصرت کا سلسلہ رہتا تھا لیکن موجودہ دور میں اور خاص طور پر شہری زندگی میں عاقلہ کس کو قرار دیا جائے؟

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ ہونے کا دار و مدار آپس میں مدد و نصرت پر ہے لہذا جن لوگوں کے درمیان ایک دوسرے کی مدد کا سلسلہ ہو، وہ اس کی عاقلہ ہے اور جہاں قبائلی نظام منظم ہو اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے تو ایسی صورت میں وہ قبیلہ ہی اس کا عاقہ ہوگا اور اگر قبیلہ نہیں ہے لیکن منظم برادری ہے تو وہ دیت ادا کرے اور اگر برادری بھی نہیں ہے تو پھر جیسے آج کل ”ٹریڈ یونین“ ہوتی ہے اور اس کے درمیان آپس میں مدد و نصرت کا سلسلہ ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہو سکتی ہے، اس کی دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ہے جو انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا تھا، اس میں ”اہل دیوان“ کو عاقلہ مقرر کیا تھا، اہل دیوان کا مطلب یہ ہے کہ جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوں۔ مثلاً ایک ہی محکمے کے ملازم ہیں، یا مثلاً ایک فوجی یونٹ کے سپاہی ہیں، ان سب کو آپس میں ایک دوسرے کی عاقلہ قرار دے دیا تھا، چاہے قبیلے کے اعتبار سے وہ متحد ہوں یا نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مدار مدد و نصرت پر ہے جس گروہ کے درمیان پیشے اور کاروبار وغیرہ کے اعتبار سے باہم تعاون پایا جائے گا، اس کو اس کی عاقلہ کہہ سکتے ہیں اور اگر اس طرح کا کوئی سلسلہ نہ ہو تو پھر اس کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی جبکہ اس میں گنجائش ہو، اس میں گنجائش نہ ہو تو پھر قاتل کے مال میں ہی دیت لازم ہوگی۔

یہ دیت عاقلہ پر اس لئے واجب ہوتی ہے تاکہ وہ اس کو اس قسم کے جرائم کے ارتکاب سے باز رکھے اور اس کی تربیت اس طرح کرے کہ وہ قتل پر آمادہ نہ ہو اور اگر کبھی وہ قتل پر آمادہ ہو جائے تو عاقلہ اسے منع کرے، یہ دیت تین سال میں وصول کی جائے گی اور ایک سال میں ایک آدمی سے تین درہم سے زیادہ وصول نہیں کئے جائیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسَلِّمُ عَلَى يَدِي الرَّجُلِ

باب ۲۰: جو کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس کا حکم

(۲۰۳۸) سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ يُسَلِّمُ عَلَى يَدِي رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هُوَ أَوَّلَى النَّاسِ بِمَحْيَاكَ وَمَمَاتِكَ.

ترجمہ: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا وہ مشرک شخص جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیتا ہے اس کے بارے میں حکم کیا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کی زندگی اور موت میں دیگر سب لوگوں کے مقابلے میں وہ زیادہ مستحق ہوگا۔

باب

باب ۲۱: اسی سے متعلق دوسرا باب

(۲۰۳۹) أَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِمَحْرَمَةٍ أَوْ أَمَةٍ فَأُولَئِكَ لَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر کوئی شخص کسی آزاد عورت یا کسی کنیز کے ساتھ زنا کرے تو بچہ ولد الزنا شمار ہوگا نہ وہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ کوئی اس کا وارث ہوگا۔

مولی الموالات کی میراث؟

اس باب میں مولی الموالات کی میراث کا مسئلہ ہے، موالات ایک خاص قسم کی دوستی کا نام ہے اور وہ اس طرح کی جاتی ہے کہ جس کا کوئی والی وارث نہ ہو، دوسرے سے کہے: آپ میرے مولیٰ (ذمہ دار) بن جائیں، میں آپ کو اپنا وارث بناتا ہوں، اگر مجھ سے کوئی موجب دیت امر سرزد ہو تو آپ دیت دیں، دوسرا اس کو قبول کرے۔ یہ ”عقد موالات“ ہے اور قبول کرنے والا ”مولی الموالات“ ہے (یہ عقد جانبین سے بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں دونوں ایک دوسرے کے مولی الموالات اور وارث ہوں گے) یہ عقد احناف کے نزدیک معتبر ہے، شوافع کے نزدیک معتبر نہیں اور اس عقد کے چند شرائط ہیں۔ موالات کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ موالات کرنے والا آزاد، عاقل، بالغ ہو، وہ کسی کا آزاد کیا ہوا نہ ہو، نہ پہلے کسی سے عقد موالات کر چکا ہو اور عقد میں دیت اور وراثت کی صراحت ہو اور موالات قبول کرنے کے لئے صرف عاقل ہونا شرط ہے۔

اس عقد کا ذکر سورۃ النساء آیت ۳۳ میں ہے:

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيبُهُمْ﴾ (النساء: ۳۳)

ترجمہ: اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، ہم وارث مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دو۔“

یعنی اگر ورثاء موجود ہوں تو عقد موالات غیر معتبر ہے، رشتہ دار ہی وارث ہوں گے، اور اگر کوئی وارث نہ ہو اور میت نے کسی سے عقد موالات کر رکھا ہو تو میراث کا وہی حقدار ہوگا، حدیث میں ضابطہ ہے: الغنم بالغرم: نفع بعوض تاوان ہے۔

مسئلہ: اور جب کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ خاندان سے جدا ہو جاتا ہے اور بے آسرا رہ جاتا ہے، چنانچہ وہ اس مسلمان سے جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے یہ عقد کر لیتا ہے، پس اگر اس نو مسلم نے ایسا عقد کیا ہو تو وہ اصلی مسلمان جبکہ اس نو مسلم کا کوئی بھی وارث نہ ہو وارث ہوگا، یہ احناف کا مسلک ہے۔

تشریح: اس حدیث سے مولی الموالات کی توریث ثابت ہوتی ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے اور جو حضرات توریث کے قائل نہیں وہ ایک دوسری حدیث سے استدلال کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: انما الولاء لمن اعتق: ولاء (میراث) صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے حصر کر دیا ہے، پس مولی الموالات وارث نہیں ہوگا یعنی جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس شخص کو اس نو مسلم کی میراث ملے گی، کیونکہ ولاء آزاد کرنے والے ہی کے لئے ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اس حدیث میں جس ولاء (میراث) کا حصر کیا گیا ہے وہ ولاء عتاقہ ہے، یعنی آزاد کرنے کی وجہ سے جو میراث ملتی ہے وہ صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے اور مولی الموالات کو جو میراث ملتی ہے اس کی بنیاد دوسری ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کرنے والے نے اس نو مسلم کو کفر سے نکالا ہے اور اسلام میں داخل کیا ہے، پس گویا اس نے مردہ کو زندہ کیا ہے پھر اس نو مسلم نے اس مسلمان کرنے والے کے ساتھ عقد موالات کیا ہے اور وہ اس نو مسلم کی زندگی بھر مدد کرتا رہا اور قاعدہ ہے: الغرم بالغنم: اس لئے وہ مسلمان اس نو مسلم کی زندگی اور موت میں اس سے سب سے زیادہ قریب ہے اس لئے جب اس نو مسلم کا کوئی بھی وارث نہیں ہوگا تو میراث بیت المال میں نہیں رکھی جائے گی بلکہ اس مسلمان کرنے والے کو ملے گی کیونکہ اس کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: مولی الموالات وارث نہیں ہوگا، پس ترکہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک قرآن کا مذکورہ حکم آیت پاک ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الانفال: ۷۵) سے منسوخ ہو گیا ہے (سورۃ الانفال آخری آیت) اور باب کی حدیث کے بارے میں وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

سند: ① یہ روایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے عبد اللہ بن موہب روایت کرتے ہیں، یہی نام صحیح ہے اور بعض روایات عبد اللہ بن وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ صحیح نہیں۔

② یہ روایت عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن موہب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس کی ایک دوسری سند ابو داؤد (حدیث 2918) میں ہے، عبد العزیز بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن موہب سے سنا، وہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کر رہے تھے، قبیسہ بن ذویب سے روایت کرتے ہوئے، پھر امام ابو داؤد کے استاذ ہشام بن عمار کہتے ہیں: عن تمیم الداری۔ اور دوسرے استاذ یزید بن خالد کہتے ہیں: ان تمیم: یعنی پہلے استاذ کی روایت میں قبیسہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے استاذ کی روایت میں قبیسہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں، تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کرتے، یہی یحییٰ بن حمزہ کی روایت ہے جس کا امام ترمذی رحمہ اللہ نے حوالہ دیا ہے، پھر امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ حدیث متصل نہیں، کیونکہ قبیسہ اور عبد اللہ بن موہب کی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے بخاری شریف کتاب الفرائض

باب ۲۲ میں فرمایا ہے: یذکر عن تمیم الداری، رفعہ، قال: هو اولى الذاس بمحياء و حماة و اختلفوا في صحة الخبر: یعنی تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”وہ مسلمان جس کے ہاتھ پر کسی نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس نو مسلم کی زندگی اور موت میں لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہی،، اور محدثین میں اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے (اکثر محدثین جیسے امام ترمذی اور امام بخاری حدیث کو صحیح نہیں مانتے، چنانچہ امام بخاری نے یذکر فعل مجہول استعمال کیا اور ابو زرہ دمشقی کہتے ہیں: هذا حديث حسن متصل، لم ارا احداً من اهل العلم يدفعه (بذل مجہود ۱۰: ۹۳۱ طبع جدید) چنانچہ بعض حضرات اس کو وارث قرار نہیں دیتے اور اس کا ترکہ بیت المال میں داخل کرتے ہیں اور یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ملفوظ: شریفیہ شرح سراجی کے حواشی میں ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ: الرجل یسلم علی یدی و یوالینی۔ یعنی ایک آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے اور میرے ساتھ موالات کرتا ہے۔ الخ، یہ قید ملحوظ رہنی چاہئے، صرف مسلمان کرنے سے احناف کے نزدیک وارث نہیں ہوگا، بلکہ جب عقد موالات کرے گا تب قرآن کریم کی رو سے وارث ہوگا اور قرآن کریم کے اس حکم کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور سورۃ الانفال کی آخری آیت اس نو مسلم کے بارے میں ہے جس کے مسلمان ورثاء ہیں اور زیر بحث مسئلہ اس نو مسلم کا ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہے اور اس نے جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا موالات کر رکھی ہے اور یہ حدیث جیسی بھی ہے اس بات کی تائید کرتی ہے کہ وہ حکم باقی ہے۔

ولد الزنا کا حکم:

زنا کی وجہ سے جو بچہ پیدا ہو وہ نہ تو زنا کرنے والے کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے کسی رشتہ دار کی میراث اسے ملتی ہے کیونکہ وراثت نسب کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے جبکہ ولد الزنا اور زنا کرنے والے کے درمیان نسب کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اسی طرح زانی اور اس کے رشتہ دار اس بچے کی میراث نہیں پاسکتے، البتہ ولد الزنا کی ماں اس کی وارث ہوتی ہے اور ایسے ہی وہ اپنی ماں کی میراث کا مستحق ہوتا ہے۔

لغات: ما السنۃ: کیا سنت ہے، کیا حکم ہے۔ یسلم: اسلام قبول کرتا ہے۔ علی یدی الرجل: مسلمان کے ہاتھ پر۔ ہوا ولی: وہ زیادہ حقدار اور لائق ہے۔ بمحیاء: اس کی زندگی میں۔ عاہر: زنا کرے۔ (لا یورث) (راء پر زبر کے ساتھ): اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا۔

بَابُ مَنْ يَرِثُ الْوَلَاءَ

باب ۲۲: اس شخص کے بارے میں ہے جو ولأء کا وارث ہوتا ہے

(۲۰۴۰) يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ولأء کا وارث وہ شخص بنے گا جو مال کا وارث ہوگا۔

باب

باب ۲۳:

(۲۰۴۱) الْمَرْأَةُ تَحْزُ ثَلَاثَةَ مَوَارِيثَ عَتِيقَهَا وَلَقِيطَهَا وَوَلَدَهَا الذِّي لَا عَتَتْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت وائلہ بن اسحق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے عورت تین (قسم کے) ترکوں کی وارث ہوتی ہے اپنے آزاد کیے ہوئے غلام کے ترکے کی جس بچے کو اس نے اٹھا کر پالا ہو اس کی (وارث بنتی ہے) اور اس کی وہ اولاد جس کے حوالے سے اس نے اپنے شوہر کے ساتھ لعان کیا ہو۔

تشریح: ولاء کی وراثت کا مسئلہ:

ولاء العتق اس سے مراد ہے کسی کا آزاد کردہ غلام مرجائے اگر اس کے ذوی الفروض اور عصباء نسبی نہ ہوں تو پھر معتق آزاد کنندہ اس کا عصبی سہبی ہے وہ وارث ہوگا اور اگر معتق نہ ہو تو معتق کے ورثہ کو اس کی میراث ملے گی لیکن اس ورثہ کا عصباء نسبی ہونا ضروری ہے اور عصباء نسبی کا بھی مذکر ہونا ضروری ہے مؤنث رشتہ دار کو یہ میراث نہیں ملے گی کیونکہ عورتیں صرف اپنے آزاد کردہ یا آزاد کردہ کے آزاد کردہ سے وراثت پاسکتی ہیں یعنی جس غلام کو اس نے آزاد کیا اس کی میراث عورت حاصل کر سکتی ہے۔

لقولہ: علیا السلام الولاء لمن اعتق:

لقیظہا: یعنی عورت نے جو بچہ راستہ سے اٹھایا یا اس کی پرورش کی اب انتقال کر گیا تو اس کا مال اس ملحقہ کو دیا جائے گا اسحاق بن راہوہ اسی کے قائل ہیں البتہ جمہور امت نے فرمایا کہ لقیظ کی میراث ملحقہ کو نہیں دی جائے گی بلکہ بیت المال میں جمع کر دی جائے گی چونکہ لقیظ بچہ آزاد ہوتا ہے اور آزاد کی کوئی ولاء نہیں ہوتی میراث کا استحقاق یا تونب سے ہے یا آزاد کرنے سے اور ظاہر ہے کہ لقیظ و ملحقہ کے درمیان نہ نسب ہے اور نہ آزاد کرنے کے معنی فلا میراث اسحاق ابن راہوہ رحمہ اللہ نے حدیث الباب سے استدلال کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں یا روایت کے معنی یہ ہیں کہ اصل تو اس میت کا مال بیت المال میں جانا چاہئے اور مصالح المسلمین میں خرچ کیا جانا چاہئے مگر یہ عورت جس نے اس کو پالا ہے اس کے زیادہ قریب ہے اس لئے اس کو دینا بہتر ہے۔

ولدها التی لا عتت عنہ: یعنی جس بچہ کے بارے میں اس نے لعان کیا ہے اس کی وراثت بھی اس عورت کو ملے گی کیونکہ اس بچہ کا نسب اس عورت سے ثابت ہے۔ تحقیق لغوی: الولاء: بفتح الواو تحوز: عورت جمع کر سکتی ہے۔ موارث میراث کی جمع ہے، ترکہ، متروکہ مال۔ عتیق: آزاد کردہ۔ لقیظ: راستے سے اٹھایا ہوا بچہ۔ لا عتت عنہ: جس بچے کی وجہ سے اس عورت نے لعان کیا۔



أَبْوَابُ الْوَصَايَا

وصیتوں کے بیان میں

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ بِالثَّلَاثِ

باب ۱: تہائی مال کی وصیت کا حکم

(۲۰۴۲) مَرَضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَأَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُودُنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا أَوْلَيْتُ يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَتِي فَأَوْصِي بِمَا لِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَتَلْتُمَنِي مَا لِي قَالَ لَا قُلْتُ فَالْشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالْثُلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْتَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدْعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً إِلَّا أُجِرْتَ فِيهَا حَتَّى اللَّقْمَةُ تَرْفَعَهَا إِلَى فِي أَمْرَاتِكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْلَفَ عَنْ هِجْرَتِي قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُخْلَفَ بَعْدِي فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَرِيدُ بِهِ وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أَرَدَدْتَ بِهِ رِفْعَةً وَدَرَجَةً وَلَعَلَّكَ إِنْ تُخْلَفَ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ اللَّهُمَّ أَمْضِ لَأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ لَكِنَّ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ يَرِثُنِي لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ.

ترجمہ: عامر بن سعد اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں غزوہ فتح مکہ کے سال میں بیمار ہو گیا اتنا بیمار ہوا کہ موت کے قریب پہنچ گیا نبی اکرم ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت سا مال ہے اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے کیا میں اپنے تمام مال کی (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے) کی وصیت کر دوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی اپنے دو تہائی مال کے بارے میں وصیت کر دوں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی نصف مال کے بارے میں کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی ایک تہائی کے بارے میں کر دوں آپ ﷺ نے فرمایا ایک تہائی کے بارے میں کر دو ویسے ایک تہائی بھی زیادہ ہے تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تم انہیں غریب چھوڑ کر جاؤ اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر

ملے گا یہاں تک کہ جو کچھ بھی تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے (تمہیں اس کا بھی اجر ملے گا)۔

راوی بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اپنی ہجرت میں پیچھے رہ جاؤں گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم میرے بعد بھی زندہ رہو گے اور ایسا عمل کرو گے جس کے ذریعے تم اللہ کی رضا چاہو گے اس کے نتیجے میں تمہاری قدر و منزلت اور مرتبے میں اضافہ ہوگا ہو سکتا ہے تم میرے بعد بھی زندہ رہو اور بہت سے لوگ تم سے نفع حاصل کریں اور بہت سے لوگوں کو تمہارے ذریعے نقصان حاصل ہو (پھر آپ ﷺ نے دعا کی) اے اللہ میرے ساتھیوں کی ہجرت کو برقرار رکھ اور انہیں ایڑھیوں کے بل واپس نہ لوٹا۔

تشریح: وصیت کا حکم اور اس کے اقسام:

جمہور ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک بعض موقع پر وصیت واجب ہے جبکہ اس کے ذمہ قرض ہو یا امانات ہوں یا کوئی حق واجب ہو خواہ وہ حق اللہ یا حق العبد ہو خواہ حق وارث ہو یا حق غیر وارث ہو اور اگر کوئی واجب نہ ہو تو وصیت واجب نہیں بھی اسی کے قائل ہیں۔ داؤد ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اقرباء جو اس کی میراث کے حق دار نہ ہوں ان کے لئے بہر صورت وصیت واجب ہے ابن جریر، مسروق، قتادہ رحمہ اللہ طاؤس بھی اسی کے قائل ہیں۔ داؤد ظاہری وغیرہ نے آیت شریفہ

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ...﴾ (البقرہ: ۲۸۰)

”تمہارے اوپر وصیت کو فرض کر دیا ہے جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہے اچھی وصیت....“

سے استدلال کیا ہے نیز انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان

”ما حق امرء مسلم يبیت ليلتين وله شئ يوصي منه الا وصيته مكتوبة عنده“

”کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں راتیں اس حال میں گزارے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو

جس کی وصیت کی جاسکتی ہو مگر وہ وصیت نہ کرے۔“

سے استدلال کیا ہے۔

جواب: جمہور فرماتے ہیں کہ یہ آیت حکماً منسوخ ہے میراث کا حکم نازل ہونے سے پہلے وصیت واجب تھی منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں وصیت للوالدین کا ذکر ہے اور اب وصیت للوالدین بالاجماع منسوخ ہے نیز آپ ﷺ نے فرمایا: لا وصية لوارث۔

حدیث کا جواب: یہ ہے کہ یہی روایت مسلم میں ہے جس کے الفاظ ما حق امرء مسلم له شئ يوصي يريدان يوصي منه وارد ہے اس کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو وصیت کا ارادہ کرے اگر وصیت واجب ہوتی تو ارادہ کے ساتھ مقید نہ ہوتی۔ غیر وارث کے لئے وصیت مستحب ہے تاکہ اس کا ثواب اس کو مل جائے نیز وصیت ناجائز اور مکروہ بھی ہوتی ہے مثلاً کوئی وصیت کرے ایسے امور کی جو شرعاً ناجائز ہوں۔

مصلحت وصیت: اللہ کی راہ میں بطور وصیت مال خرچ کر کے ثواب حاصل کرنا یا دوست و احباب اور رشتہ داروں کو دے کر ان کو خوش کرنا۔

قاعدہ وصیت: کفن دفن اور ادائے قرض کے بعد جو ترکہ باقی رہا اس کے تہائی میں وصیت پوری کی جائے گی اس کے بعد باقی ماندہ مال وارثوں کا ہے اگر ایک تہائی میں وصیت پوری نہ ہو تو وارثوں پر اس کا پورا کرنا واجب نہیں اگر وارث پورا کرنا چاہیں تو دشرطوں کے ساتھ پورا کر سکتے ہیں۔ (1) سب وارث موجود ہوں اور ان کی رضامندی ہو۔ (2) سب وارث عاقل و بالغ ہوں نابالغ و مجنون کی رضامندی معتبر نہیں۔

وصیت کے شرائط: وصیت کرنے والا عاقل و بالغ اور آزاد ہونا چاہئے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جس کے لئے وصیت کی ہے وہ بوقت وصیت زندہ ہو نیز جس کے لئے وصیت کی ہے وہ وصیت لینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ جس چیز کی وصیت کی ہو وہ چیز وصیت کے وقت موجود بھی ہو نیز قابل تسلیم ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ موصی، وارث نہ ہو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی نہ ہو جس کا نہ کوئی وارث ہو اور نہ قرض ہو ایسا شخص اپنے پورے مال کی وصیت کر سکتا ہے سب سے پہلے وصیت واجبہ کو پورا کیا جائے گا۔

اسلام میں سب سے پہلی وصیت:

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی وصیت سب سے پہلی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی میرے مال کا تہائی حصہ نبی کریم ﷺ کو پیش کیا جائے ان کے وارثین نے تہائی مال پیش کر دیا جس کو قبول فرما کر آپ ﷺ نے ان کے وارثہ کو واپس کر دیا تھا۔

لعنات: وصایا: وصیت کی جمع ہے مثل ہدایا و ہدیہ و صایا: ”وصیۃ“ کی جمع ہے، وہ خاص عہد جس پر عمل درآمد وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ وسمیت الوصیۃ لانہ وصل ما کان فی حیاتہ مما بعدہ بعض نے اس طرح تعبیر کیا وہو عہد خاص مضاف الی ما بعد الموت۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ بِالثَّلَاثِ

باب ۲: تہائی مال میں وصیت کے بارے میں ہے

(۲۰۴۳) إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ الْمَرْأَةَ بِطَاعَةِ اللَّهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُ هُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ. ثُمَّ قَرَأَ عَلَى أَبِي هُرَيْرَةَ (مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنِ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ) إِلَى قَوْلِهِ (ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ فرمان نقل کرتے ہیں کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے رہتے ہیں پھر جب موت ان کے قریب آتی ہے تو وہ وصیت میں وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی۔ وصیت کے بعد جو کی گئی ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ آیت یہاں تک ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، بلکہ تہائی سے کم کی وصیت مستحب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے تہائی کو ”بہت“ قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ دو وجہ سے تو وصیت جائز ہی نہیں ہونی چاہئے۔

پہلی وجہ: ایک: عرب و عجم کی قوموں میں میت کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ ان کے نزدیک فطری بات اور لازمی امر جیسا ہے اور اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں، پس جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے اور موت اس کو نظر آنے لگتی ہے تو ورثاء کی ملکیت کی راہ کھل جاتی ہے، یعنی مرض الموت میں میت کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، پس غیروں کے لئے وصیت کر کے ورثاء کو اس چیز سے مایوس کرنا جس کی وہ امید باندھے بیٹھے ہیں: ان کے حق کا انکار اور ان کے حق میں کوتاہی ہے۔

دوسری وجہ: حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ میت کا مال اس کے بعد اس کے ان قریب ترین لوگوں کو ملے جو اس کے سب سے زیادہ حقدار، سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ غم خوار رہے ہوں، اور ایسا ماں باپ اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہیں، اس وجہ سے دور اول کے ہنگامی حالات میں جو موالات (آپس کی دوستی) اور مواخات (بھائی چارگی) کی وجہ سے میراث ملتی تھی اس کو ختم کر دیا گیا اور رشتہ داری کی بنیاد پر توریث کا حکم نازل ہوا، سورۃ انفال آیت 75 میں ارشاد پاک ہے۔

تَوْحِیْطُہُمْ: ”اور جو لوگ رشتہ دار ہیں: کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں۔“

مگر باہیں ہم بارہا ایسی باتیں پیش آتی ہیں کہ رشتہ داروں کے علاوہ لوگوں کی غم خواری ضروری ہو جاتی ہے، اور بہت سی مرتبہ مخصوص حالات مقتضی ہوتے ہیں کہ ان کے علاوہ کو ترجیح دی جائے، اس لئے وصیت کی اجازت دی گئی، مگر دوسروں کے لئے وصیت کی کوئی حد مقرر کرنی ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے تجاوز نہ کریں، شریعت نے وہ حد ایک تہائی مقرر کی ہے کیونکہ ورثاء کو ترجیح دینا ضروری ہے، اور اس کی یہی صورت ہے کہ ان کو آدھے سے زیادہ دیا جائے، اس لئے ورثاء کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا۔

تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا بالاتفاق ناجائز ہے، ہاں اگر کوئی تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا چاہے اور وارث اس کی اجازت بھی دیں تو پھر یہ وصیت نافذ ہوگی بشرطیکہ وارثوں میں کوئی پاگل اور نابالغ نہ ہو لیکن اگر وصیت کرنے والے کا کوئی وارث نہ ہو نہ ذوی الفروض اور عصباء میں سے اور نہ ذوی الارحام میں سے، تو پھر اس کی وصیت علی الاطلاق جائز ہے اگرچہ وہ تہائی سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی تہائی سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوگی بلکہ تہائی مال تک وصیت نافذ کرنے کے بعد بقیہ مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات منقول ہیں جن میں وارث نہ ہونے کی صورت میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب وارث نہ ہوں تو تہائی سے زیادہ کی بھی وصیت کی جاسکتی ہے اور حدیث باب میں گو کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وصیت کرنے والے کے وارث موجود ہوں اور جس کا کوئی وارث نہ ہو، آیا اس کی وصیت تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگی؟ اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے لہذا حدیث باب سے یہ استدلال کرنا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت علی الاطلاق ناجائز اور باطل ہے، درست نہیں ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ واقعہ کب پیش آیا:

حجۃ الوداع میں یا فتح مکہ کے موقع پر، جمہور کے نزدیک رائج یہ ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا، صرف ابن عیینہ کی روایت میں فتح مکہ کا ذکر ہے جسے محدثین نے ان کا ”وہم“ قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی

بیماری کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو، ایک مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر اور دوسری بار حجۃ الوداع کے زمانے میں، پہلی مرتبہ حضرت سعد کا کوئی وارث نہیں تھا اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان کی لڑکی وارث تھی، اس طرح دونوں کی روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

والثلث کشیدہ: (تہائی بہت ہے) اس کے تین معنی بیان کئے گئے ہیں:

- (1) وصیت کا انتہائی درجہ تہائی ہے، اس سے زائد درست نہیں، اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ تہائی سے بھی کم میں وصیت کی جائے۔
- (2) یا معنی یہ ہیں کہ تہائی مال کی وصیت یا اسے صدقہ کرنا کامل ترین درجہ ہے جس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔
- (3) تہائی بھی کثیر ہے قلیل نہیں ہے،

شافعیہ نے تیسرے معنی کو ترجیح دی ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک پہلا معنی رائج ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ اخلف عن ہجرتی۔ (اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں ہجرت کے ثواب کا کامل) سے پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ اس سوال کا منشا یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ ہجرت کے بعد کسی اور جگہ رہائش اور وفات کو پسند نہیں کرتے تھے، اسے ہجرت کے ثواب میں نقص اور کمی شمار کرتے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ سفر حج میں چونکہ مکہ مکرمہ میں شدید بیمار ہو گئے تھے، اس لئے پوچھنے لگے کہ کیا میں آپ کی معیت میں مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ نہیں جاؤں گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری یہیں وفات ہو جائے، یوں میری ہجرت میں نقص واقع ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے انہیں تسلی دی کہ اگر تم مرض کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جاسکو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم اس کے بعد جو بھی نیک عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرو گے اس سے تمہارے درجات بلند ہوں گے اور آپ کے زعم کے مطابق ہجرت کے ثواب میں جو کمی واقع ہوگی وہ یوں پوری ہو جائے گی۔

حتی ینتفع بک اقوام ویضربک الآخرون: نبی کریم ﷺ نے انہیں پیشین گوئی دی کہ تم میرے بعد زندہ رہو گے، کچھ لوگوں کو تم سے فائدہ جبکہ بعض دوسروں کو نقصان ہوگا، نفع مسلمانوں کو ہوگا کہ تمہارے ذریعہ کفار و مشرکین کے علاقے عراق وغیرہ فتح ہوں گے، غنیمتیں حاصل ہوں گی اور کافروں کو تمہاری وجہ سے ضرر پہنچے گا، وہ مسلمانوں کے سرنگوں اور ماتحت ہو جائیں گے اور ان کی سرزمین پر اہل اسلام کا تسلط ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کے ذریعہ عراق وغیرہ فتح ہوئے، بہت سے لوگوں کو اس طرح بھی فائدہ ہوا کہ وہ پہلے مرتد ہو گئے تھے انہوں نے اپنے ارتداد سے توبہ کی اور راہ راست پر آ گئے اور جو ارتداد سے باز نہ آئے، انہیں قتل کر دیا، انہیں گویا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ضرر پہنچا، حاصل یہ کہ ”نفع“ میں وہ تمام فوائد داخل ہیں جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مسلمانوں کو پہنچے اور ”ضرر“ میں وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن کی وجہ سے کافر مشرکین اور مرتد لوگوں کو ضرر لاحق ہوا۔

ولکن البائس سعد بن خولہ: خستہ حال اور ضرر والا تو سعد بن خولہ ہے، کیونکہ ان کی وفات مدینہ کے بجائے مکہ مکرمہ میں ہوئی، انہوں نے ہجرت کی تھی یا نہیں؟

اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی، غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے، مگر پھر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے تھے اور پھر وہیں پر فوت ہوئے، اس اعتبار سے یہ جملہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے بطور رحم کے ہوگا کہ آپ ﷺ ان پر ترس کھا رہے ہیں کہ ان کی وفات مدینہ کے بجائے مکہ میں ہوئی ہے اور ان کے خیال کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں نہ ہو سکی۔

لعنات: اشفیت منہ: میں مرض کی وجہ سے (موت) کے قریب ہو گیا، کنارے پہنچ گیا، ولیس یرثنی: میرا (اصحاب فروض میں سے) کوئی وارث نہیں، فأوصی: کیا میں (سارا مال صدقہ کرنے کی) وصیت کر دوں۔ شطر: نصف، قال الثلث، آپ نے فرمایا: ہاں تہائی مال کی وصیت کر سکتے ہو، تذد: تو چھوڑ دے۔ انک ان تذد: اس میں ”ان“ حرف شرط اور حرف ناصب دونوں ہو سکتا ہے، اگر اسے حرف شرط قرار دیا جائے تو تذد شرط ہونے کی وجہ سے حالت جزم میں ہوگا، اور اس کی جزاء تقدیر عبارت کے بعد یوں ہوگی فہو خیر من ان تذدھم، اور اگر ان مصدر یہ ہو تو پھر ”تذد“ منصوب ہوگا یہ صورت بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں مخذوف عبارت نکالنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اور تقدیر عبارت سے احتراز بہر حال بہتر ہے۔ عالتہ: عائل کی جمع ہے، محتاج و فقیر، کثیر العیال۔ یتکفون: مانگنے کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اخلف عن ہجرتی: کیا مجھے ہجرت کے ثواب سے پیچھے چھوڑ دیا جائے گا (یعنی اگر میری وفات ہجرت کے بعد مدینہ کے بجائے مکہ میں مرض کی وجہ سے ہوگئی تو کیا میری ہجرت قبول نہیں ہوگی؟) أجرت: ماضی مجہول کا صیغہ ہے: تجھے اجر و ثواب دیا جائے گا۔ أمض: باب افعال کا صیغہ امر ہے: تو مکمل کر دے، پایہ تکمیل تک پہنچا دے۔ ولا تردهم علی اعقابہم: اور تو ان کو ایڑیوں کے بل نہ لوٹا، یعنی ان کی ہجرت کے ثواب میں کوئی کمی نہ کر۔ لعلک: شاید کہ آپ، ایس الگتا ہے کہ آپ، ”لعل“ اگرچہ عموماً امید کے معنی میں ہوتا ہے لیکن جب اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو یا رسول کریم ﷺ تو پھر یہ ”یقین“ اور امر واقع کے معنی میں ہوتا ہے، یہاں یہی مراد ہے۔ بئس: قابل رحم، خستہ حال، ضرر والا۔ یرثی لہ: آپ ﷺ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ پر رحم اور ترس کھاتے تھے۔ یضاران: وہ دونوں ضرر اور نقصان پہنچاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الضَّرَافِ الْوَصِيَّةِ

باب: وصیت میں ورثاء کو نقصان پہنچانا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللَّهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُ هُمُ الْمَوْتُ فَيُضَارُّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَأَ عَلَى أَبِي هُرَيْرَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يُوْصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مَضَارٍّ وَصِيَّةٍ مِنَ اللَّهِ إِلَى قَوْلِهِ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتنے ہی مرد اور عورتیں ساٹھ برس تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عمل کرتے رہتے ہیں پھر ان کو موت آتی ہے۔ تو وصیت میں وارثوں کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ راوی فرماتے ہیں پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوْصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ...﴾ (النساء)

”وصیت پوری کرنے کے بعد جو وصیت کی جائے یا ادائیگی قرض کے بعد لیکن وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ الخ“

تشریح: یہاں مصری نسخہ میں یہ باب ہے اور وصیت میں نقصان پہنچانا یہ ہے کہ تہائی سے زائد کی وصیت کرے یا وارث کے لئے

وصیت کرے، یہ دونوں صورتیں شرعاً باطل ہیں، اس لئے ان پر عمل نہیں ہوگا یا مرض موت میں وارث کو غیر وارث کو مال بخش دے یا اپنی حیات میں بعض ورثاء کو زیادہ دے دے اور بعض کو کم دے یا بالکل محروم کر دے، یہ سب صورتیں نقصان پہنچانے کی ہیں۔
وارثوں کو نقصان پہنچانا حرام نہیں:

باب کی دوسری حدیث سے حقوق العباد کی اہمیت ثابت ہوتی ہے جو لوگ ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے ہیں لیکن بندوں اور رشتہ داروں کے حقوق کا لحاظ نہیں کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو جاتے ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ خواہ مرد ہوں یا خواتین، ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں مگر زندگی کے آخری لمحات میں غیر شرعی طریقے سے ایسی کوئی وصیت کر جاتے ہیں جس سے ان کے وارثوں کو ضرر و نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس طرح طویل عرصہ عبادت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب اور جہنم کے مستحق ہو جاتے ہیں کیونکہ اس حق تلفی میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی اور اس کی مقرر کردہ ہدایات سے تجاوز لازم آتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بطور تائید کے مذکورہ بالا آیت پڑھی کیونکہ اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر کے اپنے وارثوں کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے۔

وصیت میں ضرر پہنچانے کے معنی:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وصیت کے بارے میں ”غیر مضار“ کا لفظ استعمال فرمایا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی وصیت کی جائے جس سے وارثوں کا نقصان نہ ہو، اس نقصان کی مختلف صورتیں ہیں، تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی جائے، کسی ایک وارث کے لئے سارے مال کی وصیت کر جائے، تمام مال ایک ہی وارث کو ہبہ کر دے اور دیگر وارثوں کو محروم کر دیا جائے، وصیت کر کے پھر اس سے انکاری ہو جائے اور ایسے لوگوں کے لئے وصیت کی جائے جو اس کے اہل نہ ہوں، یہ تمام صورتیں ایسی ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کر لیا جائے تو آدمی جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی ساری زندگی کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اس لئے اس طرح کی وصیت سے احتراز کرنا شرعاً انتہائی ضروری ہے تاکہ اس وعید سے بچا جاسکے۔

اور مشکوٰۃ (حدیث 3078 باب الوصایا) میں حدیث ہے: من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنة یوم القیامۃ: جس نے اپنے وارث کی میراث کاٹ دی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دیں گے، وارث کے حصہ میراث کو کاٹنے کی شکل یہی ہوتی ہے کہ اپنی زندگی میں بعض ورثاء کو یا غیر ورثاء کو مال جائیداد ہبہ کر دے جس سے بعض وارث یا سارے ورثاء محروم رہ جائیں، اس کی آخرت میں سزا بہت سخت ہے، اللہ تعالیٰ جنت سے اس کا حصہ کاٹ دیں گے۔

اب مَآ جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ

باب ۳: وصیت پر ابھارنے کے بارے میں ہے

(۲۰۴۴) مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لِّیَلْتَنِّیْ وَلَهُ مَا یُوصِیْ فِیْهِ اِلَّا وَوَصِیَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس مسلمان کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہو جس کے

بارے میں وہ وصیت کر سکتا ہو تو اسے اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دو راتیں گزر جائیں (اور اس نے وصیت نہ لکھی ہو) اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے۔

تشریح: چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب سے میں نے آپ ﷺ سے یہ سنا میری کوئی رات نہیں گزری کہ وصیت میرے پاس نہ لکھی ہوئی ہو۔ مطلق وصیت کے وجوب و عدم وجوب کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ واجبات کے حق میں وصیت واجب اور غیر واجبات کے بارے میں غیر واجب و مستحب ہے مذکورہ روایت کا تعلق یا تو واجبات سے ہے یا یہ کہا جائے روایت کے الفاظ استحباب پر دال ہیں کیونکہ روایت میں المسلم فرمایا جو صیغہ ندب ہے علی المسلم نہیں فرمایا ہے جو صیغہ وجوب ہے چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا روایت کے معنی یہ کہ حزم و احتیاط مسلمان کے حق میں یہ ہے کہ وصیت مکتوب ہونی چاہئے اور اس بارے میں اس کو جلدی کرنی چاہئے۔

وصیت لکھنے کا طریقہ: احکام المیت میں مذکور ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

شہاد علی الوصیۃ: جمہور علماء کے نزدیک وصیت کا مکتوب ہونا کافی نہیں ہے بلکہ شرعی گواہی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ حق غیر اس سے متعلق ہے جس کے ازالہ کے لئے حجتہ شرعیہ ضروری ہے البتہ محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کتاب وصیت بھی کافی ہے بظاہر الحدیث۔ جبکہ جمہور کے نزدیک قضاء وصیت کے ثبوت کے لئے شرعی شہادت ضروری ہے، ان کا استدلال قرآن مجید کی آیت ﴿شَٰهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ﴾ (المائدہ: ۱۰۶) سے ہے۔

حدیث باب سے اس بات پر استدلال کرنا کہ شہادت شرط نہیں، درست نہیں کیونکہ اس میں شہادت کے شرط ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں، لہذا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وصیت اپنی معروف شرائط کے مطابق لکھی ہوئی ہونی چاہئے اور وصیت پر گواہ بنانا بھی ان معروف شرائط میں سے ہے، اس لئے حدیث باب سے جمہور کی تائید ہی ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُوصِ

باب ۴: نبی کریم ﷺ نے وصیت نہیں کی

(۲۰۴۵) قَالَ قُلْتُ لِبْنِ أَبِي أَوْفَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ لَا قُلْتُ كَيْفَ كُتِبَتْ الْوَصِيَّةُ وَكَيْفَ أَمَرَ النَّاسَ قَالَ أَوْصَى بِكِتَابِ اللهِ.

ترجمہ: طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا نبی اکرم ﷺ نے کوئی وصیت کی تھی انہوں نے جواب دیا نہیں میں نے کہا لوگوں پر وصیت کیوں لازم کی گئی ہے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کا حکم کیوں دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی کتاب (پر عمل پیرا رہنے کی) وصیت کی تھی۔

تشریح: عن طلحہ بن مصرف قال قلت لابن ابی اوفی اوصی رسول الله ﷺ؟ قال: لا، قلت و کیف کتبت الوصیۃ و کیف امر الناس؟ قال بکتاب الله تعالیٰ۔ طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے وصیت فرمائی؟ انہوں نے کہا: نہیں، میں نے عرض کیا: پھر وصیت کیسے فرض کی گئی اور آپ نے لوگوں کو وصیت

کرنے کا حکم کیسے دیا؟ (جبکہ آپ نے خود وصیت نہیں کی) انہوں نے کہا کہ: نبی کریم ﷺ نے کتاب اللہ (پر عمل کرنے اور اسے مضبوطی سے تھامنے) کی وصیت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے مال و متاع کی وصیت نہیں کی۔ طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ کے سوال کا منشا، مقصد اور سبب کیا تھا، دو قول ہیں:

- (1) ممکن ہے ان کا مقصد یہ ہو کہ آپ ﷺ نے مال و متاع اور ساز و سامان کی کسی کے لئے وصیت کی ہے؟ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے ایسی کوئی وصیت نہیں کی، آپ کے پاس جو مال ہوتا وہ صدقہ کر دیا کرتے تھے۔
- (2) یا سوال کا منشا یہ ہے کہ شیعہ نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ حضور ﷺ نے خلافت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت فرمائی تھی لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ظلماً انہیں خلافت نہیں دی، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے خلاف علی کی کوئی وصیت نہیں فرمائی، اس کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی ہونے کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انہیں کب وصیت کی گئی ہے، گویا انہوں نے اس طرح کی وصیت کی نفی فرمائی ہے۔ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے سوال کے منشا اور اس موقع کی مناسبت سے مال و متاع اور خلافت علی کی وصیت کی نفی کی ہے، مطلق وصیت جو امور دین سے متعلق ہے، مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی وصیت، جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکالنے، نماز اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت و تاکید، آنے والے وفود کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کی وصیت اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجنے کی وصیت جن کا ذکر دیگر احادیث میں ہے، اس طرح کی کسی بھی وصیت کی نفی کرنا مقصود نہیں۔

کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت و تاکید:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے امت کو اس بات کی تاکید اور وصیت فرمائی کہ وہ کتاب اللہ پر عمل کریں، اس سے درحقیقت اس حدیث کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت فرمائی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے تم راہ راست پر رہو گے اور گمراہی کا شکار نہ ہو سکو گے اور کتاب اللہ پر عمل چونکہ رسول ﷺ کی سنت کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت میں سنت پر عمل کرنا بھی داخل ہے، لہذا دینی امور سے متعلق آپ کی وہ تمام جزوی وصیتیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، کتاب اللہ میں داخل ہیں، اگرچہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حدیث میں الگ سے ذکر نہیں کیا۔ (تحفۃ الاحوذی 258/6)

فائدہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی ہے، 87ھ میں کوفہ میں آپ کا انتقال ہوا ہے اور کوفہ میں آخری صحابی جن کا انتقال ہوا وہ آپ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

باب ۵: وارث کے لئے وصیت جائز نہیں

(۲۰۴۶) سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا

وَصِيَّةٌ لِّوَارِثِ الْوَلَدِ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحَسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ الثَّابِعَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تُنْفَقُ امْرَأَةٌ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذَلِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا ثُمَّ قَالَ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْكُودَةٌ وَاللَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبے کے دوران یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے تو وارث کے لیے وصیت نہیں ہوگی بچہ شوہر کا ہوگا اور زنا کرنے والا محروم ہوگا اور ان لوگوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا اور جو شخص خود کو اپنے باپ کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرے یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرے تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی جو قیامت تک چلتی رہے گی۔ کوئی بھی عورت اپنے گھر سے اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے عرض کی گئی یا رسول اللہ کھانے کی چیز بھی نہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ ہمارے اموال میں سے سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا مانگی ہوئی چیز دوہنے کے لیے ادھار لیے ہوئے جانور کو واپس کیا جائے قرض واپس کیا جائے اور ضامن اس چیز کا ذمہ دار ہوگا جس چیز کی اس نے ضمانت دی ہو۔

(۲۰۴۷) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ عَلَى نَاقَتِهِ وَاَنَا تَحْتَ جَرَانِهَا وَهِيَ تَقْصُصُ بِحَرَّتِهَا وَإِنَّ لُعَابَهَا يَسِيلُ بَيْنَ كَتِفَيْ فَسَبْعُهُ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِّوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ انْتَمَى غَيْرَ مَوَالِيهِ رَغْبَةً عَنْهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا.

ترجمہ: حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنی اونٹنی پر خطبہ دیا میں اس کی گردن کے نیچے کھڑا تھا اور وہ جگلی کر رہی تھی اس کا لعاب میرے کندھوں کے گر رہا تھا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے اس لیے وارث کے لیے وصیت نہیں ہوگی اور بچہ شوہر کا ہوگا اور زنا کرنے والے کو محرومی ملے گی اور جو شخص خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے ان سے منہ پھیرتے ہوئے تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں کرے گا۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں میراث کا کوئی قاعدہ نہیں تھا، میت کی وصیت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا اور لوگ وصیت میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے تھے، وہ اس میں حکمت کے تقاضوں کا پورا لحاظ نہیں رکھتے تھے، کبھی زیادہ حقدار کو چھوڑ دیتے تھے حالانکہ اس کی ہمدردی زیادہ ضروری تھی اور اپنی کج فہمی سے دور کے رشتہ داروں کو ترجیح دیتے تھے، اس لئے ضروری ہوا کہ میراث کے احکام نازل کر کے فساد کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے اور توریث کے سلسلہ میں رشتہ داری کی کلی احتمالی جگہوں کا اعتبار کیا جائے، اشخاص کے لحاظ سے عارضی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے یعنی صرف رشتہ داری کو میراث کی بنیاد بنایا جائے، کس وارث کا میت سے کتنا تعلق ہے، یہ بات نہ دیکھی جائے کیونکہ انسان پورے طور پر نہیں جان سکتا کہ اصول و فروع میں سے زیادہ نفع پہنچانے والا کون ہے؟ (سورۃ النساء: ۱۱)

غرض جب اس بنیاد پر میراث کا معاملہ طے کر دیا گیا تاکہ لوگوں کے نزاعات ختم ہوں اور ان کے باہمی کینوں کا سلسلہ رک جائے تو اس کا تقاضہ ہوا کہ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہو، ورنہ تو ریث کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں چند احکام ذکر فرمائے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① ان الله تبارك وتعالى قد اعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث: اللہ تعالیٰ نے (احکام میراث نازل کر کے) ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، پس کسی بھی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

② والولد للفراش، وللعاهر الحجر، وجساہم علی اللہ تعالیٰ: اور اولاد بستر کے لئے ہے، بستر سے مراد بیوی ہے اور لفظ صاحب مخدوف ہے یعنی بستر والے کے لئے (شوہر کے لئے) ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے، یعنی حقیقت میں بچہ کس کا ہے؟ اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے یہاں ہوگا، دنیا میں نسب شوہر سے ثابت ہوگا، مگر یہ کہ شوہر بچہ کی نفی کرے تو لعان ہوگا، پھر بچہ کا نسب ماں سے ثابت ہوگا، زانی سے ثابت نہیں ہوگا اور یہ مسئلہ پہلے باب 44 کتاب النکاح میں گزر چکا ہے۔

③ ومن ادعى الى غير ابیه، او انتمی الى غیر موالیه، فعليه لعنة الله التابعة الى يوم القيامة: اور جس نے اپنے باپ کے علاوہ سے نسب کا دعویٰ کیا، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی کی طرف منسوب ہوا تو اس پر اللہ کی پھٹکار ہے جو قیامت تک مسلسل رہے گی اور باپ کے علاوہ سے نسب کا دعویٰ کرنے میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آدمی اپنی قومیت بدل لے، مثلاً سید نہیں ہے اور اپنے کو سید ظاہر کرے، اس کے لئے بھی یہی وعید ہے۔

④ ولا تنفق امرأة من بیت زوجها الا باذن زوجها: اور کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ نہ کرے مگر اپنے شوہر کی اجازت سے، پوچھا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا کھانا بھی خرچ نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو ہمارا بہترین مال ہے، یعنی ہمارے گھروں کا اصل سرمایہ کھانا ہی ہے پس شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا خرچ کرنا بھی جائز نہیں، یہ بھی پہلے گزر چکا ہے۔

⑤ والعارية موداة: اور برتنے کے لئے لی ہوئی چیز ادا کی ہوئی ہے، یعنی جب استعمال کر کے فارغ ہو جائے تو عاریت پر لی ہوئی چیز واپس کر کے آئے، اپنے پاس رکھ نہ چھوڑے۔

⑥ والمنحة مردودة: اور انتفاع کے لئے دیا ہوا جانور لوٹایا ہوا ہے یعنی کسی نے دودھ والی بھینس بکری کسی کو دی کہ اس کی خدمت کرو، اور اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاؤ تو جب اس کا دودھ ختم ہو جائے: اس کو واپس کرنا چاہئے و با بیٹھنا جائز نہیں۔

⑦ والدین مقضی: اور قرض چکایا ہوا ہے، یعنی کسی سے قرض لیا تو بروقت قرضہ ادا کرنا چاہئے۔

⑧ والزعم غارم: اور ضامن تاوان دینے والا ہے یعنی اگر کسی معاملہ میں ضامن بنا ہو پھر اصل قرضہ ادا نہ کرے تو اس ضامن کو اپنی جیب سے قرضہ بھرنا ہوگا، لوگ عام طور پر ضامن بن جاتے ہیں مگر اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ ابواب البیوع (باب 39) میں گزر چکے ہیں۔

اسامیل بن عیاش کا حال:

اس روایت کی سند میں اسامیل بن عیاش آئے ہیں، ان کا استاذ اگر عراقی یا حجازی ہو تو روایت قابل اعتبار نہیں جبکہ اسامیل اس

روایت کے ساتھ مفرد ہوں کیونکہ اسماعیل بن عیاش چونکہ شریحیل سے روایت کرتے ہیں جو شامی ہیں اس لئے یہ روایت صحیح ہے اور یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے احمد بن الحسن کے واسطہ سے امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول سنا ہے کہ اسماعیل کی حدیثیں بقیۃ بن الولید کی حدیثوں سے اچھی ہوتی ہیں کیونکہ بقیۃ بن الولید ثقہ اساتذہ سے نہایت ضعیف حدیثیں روایت کرتا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام دارمی رحمہ اللہ کی سند سے ابواسحاق فزاری کا قول نقل کیا ہے کہ بقیۃ بن الولید کی وہ حدیثیں جو وہ ثقہ راویوں سے نقل کرتا ہے اور اسماعیل بن عیاش کی کوئی حدیث نہ ہو، خواہ وہ ثقہ راویوں سے نقل کرے یا غیر ثقہ راویوں سے (غرض اسماعیل مختلف فیہ راوی ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَصَدَّقُ أَوْ يُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ

باب ۶: اس شخص کے حکم کے بارے میں ہے جو موت کے وقت صدقہ کرے یا غلام آزاد کرے

(۲۰۳۸) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَىٰ بِالَّذِينَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَأَنْتُمْ تُقَرُّونَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الدِّينِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے وصیت (پوری کرنے) سے پہلے قرض ادا کرنے کا فیصلہ دیا ہے جب کہ تم لوگ جو آیت تلاوت کرتے ہو اس میں وصیت کا حکم قرض سے پہلے ہے۔

تشریح: ابو حبیہ طالی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق کچھ مال صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ مجھے اس کا صحیح مصرف بتائیں کہ میں اسے کہاں خرچ کروں فقراء پر، مساکین پر یا مجاہدین پر، ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں تو مجاہدین کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا یعنی اگر میں وصیت کرتا تو صرف مجاہدین کے لئے ہی کرتا کیونکہ ان کا مقام اونچا ہے، سوال کا جواب دینے کے بعد حضرت ابوالدرداء نے حدیث سنائی جس سے ابو حبیہ طالی کو یہ بتانا مقصود ہے کہ تمہارے بھائی نے چونکہ موت کے وقت صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے اس لئے اس کا اجر و ثواب بھی کم ہوگا یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کا پیٹ جب بھر جائے تو اس وقت کہے کہ یہ فلاں کو دے دو، کیونکہ کامل ثواب اس وقت ملتا ہے جب انسان صحت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے اور اس وقت جبکہ خود اسے اس چیز کی ضرورت ہو پھر بھی صدقہ کر دے، اس لئے موت کے وقت صدقہ کرنا کوئی زیادہ فضیلت کی بات نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ يُبْدَأُ بِالَّذِينَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

باب ۷: قرضہ وصیت سے پہلے چکایا جائے گا

(۲۰۳۹) أَوْصَىٰ إِلَىٰ أَخِي بِطَائِفَةٍ مِّنْ مَّالِهِ فَلَقِيْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَقُلْتُ إِنَّ أَخِي أَوْصَىٰ إِلَىٰ بِطَائِفَةٍ مِّنْ مَّالِهِ فَأَيْنَ تَرَىٰ لِي وَضَعَهُ فِي الْفُقَرَاءِ أَوِ الْمَسَاكِينِ أَوِ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا أَكَا فُلُو كُنْتُ لَمْ أَعْدِلْ بِالْمُجَاهِدِينَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَثَلُ الَّذِي يُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي إِذَا شَبِعَ.

ترجمہ: حضرت ابو حبیہ طالی بیان کرتے ہیں میرے بھائی نے مجھے اپنے مال کے ایک حصے کے بارے میں وصیت کی میری ملاقات

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے یہ کہا میرے بھائی نے مجھے اپنے مال کے ایک حصے کے بارے میں وصیت کی تو انہوں نے فرمایا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں کسی بھی شخص کو مجاہدین کے برابر نہیں سمجھتا لیکن میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص مرتے ہوئے غلام کو آزاد کرے تو اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی شخص نے بھرے ہوئے پیٹ والے شخص کو کوئی (کھانے کی) چیز حقے کے طور پر دی ہو۔

(۲۰۴۵) اَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ تَسْتَعِينُ عَائِشَةَ فِي كِتَابَتِهَا وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ ارْجِعِي إِلَى أَهْلِكَ فَإِنْ أَحْبَبُوا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكَ كِتَابَتِكَ وَيَكُونُوا لِي وَلَاؤُكَ فَعَلْتُ فَنَزَلْتُ ذَلِكَ بَرِيرَةَ لِأَهْلِهَا فَأَبَوْا وَقَالُوا إِنْ شَاءَتْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكَ وَيَكُونُوا لَنَا وَلَاؤُكَ فَلْتَفْعَلْ فَنَزَلْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ابْتَاعِي فَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرُطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنْ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَلَيْسَ لَهُ وَإِنْ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس مدد مانگنے کے لیے آئی تاکہ وہ اس کی کتابت کا معاوضہ ادا کریں کیونکہ وہ اپنی کتابت کا کچھ معاوضہ ادا نہیں کر سکتی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہا تم اپنے مالک کے پاس جاؤ اگر وہ پسند کرے تو میں تمہاری کتابت کا معاوضہ تمہاری طرف سے ادا کر دیتی ہوں اور تمہاری ولاء کا حق میرے پاس رہے گا بریرہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ اپنے مالک سے کیا تو انہوں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا انہوں نے یہ کہا اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاہیں تو وہ تمہاری طرف سے ادائیگی کر سکتی ہیں لیکن تمہاری ولاء کا حق ہمیں حاصل رہے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اسے خرید کر آزاد کر دو کیونکہ ولاء کا حق آزاد کرنے والے کو ملتا ہے پھر نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ اس طرح کی شرطیں عائد کرتے ہیں جس کی اجازت اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہے جو شخص کوئی ایسی شرط عائد کرے جس کی اجازت اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہو تو اسے اس کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا اگرچہ اس نے سو مرتبہ شرط عائد کی ہو۔

ابھی ابواب الفرائض (باب ۵) میں یہ حدیث اور یہ مسئلہ آچکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے وصیت سے پہلے قرضہ کا فیصلہ فرمایا (یعنی یہ ارشاد فرمایا کہ پہلے سارے ترکہ سے قرضہ چکا یا جائے، پھر باقی ماندہ کے تہائی سے وصیت نافذ کی جائے) جبکہ آپ لوگ وصیت کو قرضہ سے پہلے پڑھتے ہو، یعنی نبی ﷺ کے فیصلہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آیت کریمہ میں وصیت کی تقدیم محض تاکید کے لئے ہے۔



أَبْوَابُ الْوَلَاءِ وَالْهَبَةِ

ہبہ اور ولاء کے بیان میں

الولاء بفتح الواو و لمدحق میراث، کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کر دے خواہ علی مال اور یا بلا مال اگر وہ غلام مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو ترکہ آزاد کنندہ کو ملتا ہے اسی کو ولاء اتفق کہا جاتا ہے پہلے باب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا روایت کو ذکر کیا گیا ہے۔ جب کوئی آقا اپنے غلام یا باندی کو آزاد کرتا ہے تو ان کی میراث آزاد کرنے والے کو ملتی ہے جبکہ ان کے ورثاء میں ذوی الفروض اور عصبہ کسی نہ ہوں کیونکہ آزاد شدہ آزاد کرنے والے کے خاندان کا ایک فرد بن جاتا ہے، وہی اس کی نصرت و حمایت کرتے ہیں اس لئے جب نزدیک کے ورثاء نہ رہیں تو یہ آزاد کرنے والا پھر اس کا خاندان میراث کا حقدار ہوتا ہے، اسی کا نام ولاء ہے۔ اور ہبہ کے معنی ہیں: بخشش، یعنی بلا عوض کسی کو کوئی چیز دینا، ہبہ میں بھی ثواب ملتا ہے مگر وہ مقصود نہیں ہوتا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں کو ایک ساتھ اس لئے بیان کیا کہ ولاء بھی ایک طرح کا ہبہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ

باب ۱: ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے

(۲۰۵۱) أَنَهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطُوا الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ أَوْ لِمَنْ وَلَّى التَّعْمَةَ. ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انہوں نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا اس کے مالکان نے ولاء کی شرط رکھی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ولاء کا حق اس کو ہوتا ہے جو قیمت ادا کرتا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) جو نعمت کا مالک ہوتا ہے۔

تشریح: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کا واقعہ:

اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے مولیٰ نے انہیں مکاتبہ بنا دیا تھا، لیکن وہ بدل کتابت کا بندوبست نہ کر سکیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ اس بارے میں تعاون کریں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اپنے موالی سے گفتگو کرو کہ میں بدل کتابت ادا کرتی ہوں لیکن اس کی ولاء پھر میری ہوگی، اگر وہ اس پر رضامند

ہوں تو میں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن ان کے موالیٰ نے ولاء چھوڑنے سے انکار کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ قصہ نبی کریم ﷺ کو بتایا، آپ نے فرمایا: تم اسے خرید کر آزاد کر دو، کیونکہ شرعاً ولاء اسی کو ملتی ہے جو آزاد کرے، پھر نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو معاملات میں ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں، مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی شرط لگانا جائز نہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اگرچہ سو مرتبہ وہ شرط لگائی جائے، پھر بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا کے بدل کتابت کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو نو اوقیہ کے بدلے آزاد کرنے پر معاملہ کیا تھا کہ ہر سال ایک اوقیہ (چالیس درہم) دینے ہوں گے دوسری روایت میں ہے کہ ان پر پانچ اوقیہ باقی رہ گئے تھے قسط وار پانچ سال طے ہوئے تھے عمرہ کی روایت میں ہے کہ مالکان بریرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ان شئیں اعطیت ما بقی۔ علامہ اسماعیل رحمہ اللہ نے پانچ اوقیہ والی روایت کو غلط قرار دیا ہے بعض حضرات نے روایات کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ نو تو اصل بدل کتابت تھا۔ چار تو انہوں نے ادا کر دیئے تھے پانچ باقی رہ گئے تھے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ اور محب طبری نے اس پر جزم کیا ہے لیکن روایت الباب اس کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابھی کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا لہذا بہتر یہ ہے کہ یوں کہاں جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استعانت سے قبل چار اوقیہ ان کو دوسرے لوگوں سے حاصل ہو گئے تھے ان کو ادا کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے استعانت کی جو پانچ اوقیہ کے ذمے تھے ان کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد مانگ رہی تھیں اور لحد تکن قضت من کتابتہا شئیا کے معنی مما بقی یعنی پانچ میں سے جو باقی ان کے ذمے تھے کچھ ادا نہ کر پائی تھیں البتہ ابواسامہ عن ہشام اسی طرح وہیب عن ہشام جو روایات مروی ہیں ان کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بریرہ رضی اللہ عنہا کو فسخ کتابت کے بعد مکمل طور پر خرید کر آزاد کرنا چاہتی تھیں۔ لفظہ ان اعدھا لہم عدة واحدة اعتقک ویکون ولاءک لی فعلت۔ اور اس کی تائید آپ ﷺ کے بعد الفاظ ابتاعی فاعتقی سے بھی ہوتی ہے۔

ان شاء ان تحتسب: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا چاہیں تو خرید کر آزاد کر دیں اور ولاء پھر بھی ہمارے لئے ہوگی چونکہ ان کی یہ بات شرع کے قاعدہ الولاء لمن اعتق کے خلاف تھی اس سے آپ ﷺ نے ان لوگوں پر رد فرمایا کہ اس جملہ کا مطلب یہ نہیں اگر عائشہ رضی اللہ عنہا چاہیں تو تم کو بدل کتابت بطور صدقہ دے دیں اور اجر حاصل کر لیں اور ولاء ہمارے لئے ہوگی کیونکہ اس صورت میں ولاء کے مستحق وہ لوگ ہی ہوں گے پھر اشتراط اور اس پر رد کی کیا حاجت ہے۔ وان اشتراط مائة مرة ذکر المائة للمبالغة: مراد یہ ہے کہ شرع کے خلاف کوئی ہزار بار شرط لگائے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ **اعترض:** اس حدیث کا ایک طریق ہشام بن عروہ بھی ہے اس میں لفظ اشتراطی لہم الولاء واقع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بائع کے لئے حق ولاء کی شرط کی اجازت دی ہے اب اس صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں اول شرط فاسد کی تعلیم۔ دوم شرط قبول کے لئے بیع ہو جانے کے بعد اس شرط کو باطل قرار دینا اس میں دھوکہ لازم آتا ہے اور اس کی اجازت دینا نشان نبوت کے خلاف ہے، اس کے متعدد جوابات دیئے گئے۔

جواب ①: روایت متعدد طرق سے منقول ہے مسلم شریف میں لفظ لا یمنعک ذلک عن الاشتراء روایت الباب میں ابتاعی واعتقی اس میں اشتراط کا ذکر نہیں ہے۔ عبدالرحمن بن قاسم کی روایت میں شرط کا ذکر تو ہے مگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے شرط لگانے

کا ذکر نہیں ہے نہ ان کے قبول کرنے کا ذکر ہے، صرف بائعین ہی کی طرف سے شرط لگانے کا ذکر ہے صرف ہشام بن عروہ کی روایت میں یہ لفظ ہے۔

جواب امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ ہشام بن عروہ سے لفظ اشتراطی روایت کرنے یا سننے میں غلطی واقع ہوئی ہے کیونکہ دیگر رواۃ اس لفظ کو نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ یحییٰ بن اسلم رحمہ اللہ نے اس کی تخلیط فرمائی ہے۔

جواب ②: امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اشتراطی لہم میں لام علی کے معنی میں ہے جس کے معنی تم ان کے خلاف یعنی نفی کی شرط لگاؤ کہما فی قولہ تعالیٰ: ﴿أَوَّلَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ (الرعد: ۲۵)۔ ای علیہم اللعنة۔

جواب ③: اشتراطی میں امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے ہے مقصود اس سے تنبیہ کرنی ہے کہ شرط لگا لو مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کہما فی قولہ تعالیٰ: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (التوبہ: ۸۰)۔

جواب ④: یا یہ امر برائے زبردسرنش ہے کہما فی قولہ تعالیٰ: ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفَرْ﴾ (الکہف: ۲۹)۔ کو۔

جواب: نبی کریم ﷺ نے ایک خاص مصلحت سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرط نفس عقد میں لگانے کی اجازت دی اور وہ مصلحت یہ تھی جو لوگ ایسی شروط لگاتے تھے جو باطل ہوتی تھیں ان کے ازالہ کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں ایک یہ کہ وقوع سے پہلے ہی تنبیہ کر دی جائے دوسرے یہ کہ جب عمل کر رہے ہیں تو اس وقت تنبیہ ہو یہ دوسری صورت زیادہ مؤثر ہوتی ہے اس لئے یہاں یہ صورت اختیار کی گئی ہے، نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ زیادہ قوی جواب ہے۔

فائدہ: روایت الباب سے اہل علم نے بے شمار فوائد و مسائل کا استنباط فرمایا ہے۔ علامہ ابن بطل رحمہ اللہ نے فرمایا بعض نے سو فوائد شمار کئے ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ و ابن جریر رحمہ اللہ نے اس حدیث پر بڑی بڑی تصانیف فرمائی ہیں اور ان میں فوائد مستنبطہ کو بیان فرمایا حافظ نے فرمایا ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی تصنیف تو معلوم نہیں ہو سکی البتہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تہذیب الآثار میں طویل کلام فرمایا ہے جس کو میں نے مختصر کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں مختلف مقامات پر فوائد مستنبطہ من ہذا الحدیث کو بیان فرمایا ہے۔

روایت الباب سے استدلال کرتے ہیں بعض حضرات نے مکاتب کی بیع کے جواز کا قول فرمایا ہے۔

① چنانچہ امام مالک، احمد بن حنبل، بخاری، مسلم، اس کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ:

② امام ابو حنیفہ و شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں ہے جب تک کہ معاملہ کتابت فسخ نہ کر دیا جائے۔ روایت الباب کا

جواب امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ یہاں معاملہ کتابت فسخ ہوا ہے جس میں بریرہ رضی اللہ عنہا کی رضا مندی پائی گئی ہے یا یہ کہا جائے کہ دراصل بریرہ رضی اللہ عنہا بدل کتابت عاجز ہو گئی تھیں اور ان کے مالکان نے اس کو عاجز مان کر معاملہ ختم کر کے ان کو بیچا تھا کذا قال له القاری۔ الولاء لمن اعتق: سے استدلال کرتے ہوئے شوافع وغیرہ نے فرمایا کہ حق ولاء صرف عتق میں ہوتا ہے نہ کہ مولات میں کیونکہ الولاء لمن اعتق میں الف لام استغراقی ہے احناف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ولاء جس طرح بصورت اعتاق ہے اسی طرح بصورت مولات بھی ہے (جس کی تفصیل گزر چکی)۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَيْبَتِهِ

باب ۲: ولاء بیچنا اور بخشش کرنا ممنوع ہے

(۲۰۵۲) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هَيْبَتِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ولاء کو فروخت کرنے یا ہبہ کرنے سے منع کیا ہے۔
حق ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے کا حکم:

اس حدیث سے استدلال کر کے جمہور فرماتے ہیں کہ شریعت میں بعض ایسے حقوق ہیں، جن کی خرید و فروخت اور ہبہ ناجائز اور حرام ہے، ان میں انسان اس طرح کا کوئی تصرف نہیں کر سکتا، جیسے حق شفعہ، حق ولاء، حق نسب اور حق قصاص وغیرہ ہیں جبکہ بعض حضرات کے نزدیک حق ولاء کی بیع اور ہبہ جائز ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ان تک حدیث باب نہ پہنچی ہو۔
فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے اور پھر ان سے روایت کرنے والے سفیان بن عیینہ، شعبہ، سفیان ثوری اور مالک بن انس رضی اللہ عنہم ہیں، شعبہ فرماتے ہیں کہ جس وقت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کرتے تو اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کا سرچوم لوں، کیونکہ یہ روایت صرف ابن دینار ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں، ان کے علاوہ کسی اور نے یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل نہیں کی، اس وجہ سے امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الناس كلهم عيال على عبدالله بن دينار في هذا الحديث، تمام لوگ اس حدیث کی روایت میں عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ کے عیال ہیں مقصد یہ ہے کہ اس روایت کے نقل کرنے میں عبداللہ دینار اگرچہ متفرد ہیں لیکن پھر بھی یہ روایت صحیح ہے، کیونکہ یہ ثقہ ہیں، لہذا ان کا تفرّد حدیث کے حجت ہونے پر اثر انداز نہیں ہوگا، پھر یہ روایت عبداللہ بن دینار سے 35 طرق سے منقول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ أَوْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ آبِيهِ

باب ۳: غیر آقاؤں سے تعلق قائم کرنا اور غیر باپ کی طرف منسوب ہونا

(۲۰۵۳) مَنْ زَعَمَ أَنْ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرُوهُ إِلَّا كِتَابَ اللَّهِ وَهَذِهِ الصَّحِيفَةُ ضَعِيفَةٌ فِيهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ وَأَشْيَاءٌ مِّنَ الْجَوَارِحَاتِ فَقَدْ كَذَبَ وَقَالَ فِيهَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَمْرِئِ إِلَى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحَدَثَ فِيهَا حَدِيثًا أَوْ أَوَى مُحَدِّثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا وَمَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يُسْغَى بِهَا أَدْنَاهُمْ.

ترجمہ: ابراہیم تیمی اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی جو شخص یہ سمجھتا

ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کو ہم پڑھ کر (لوگوں کو باتیں سناتے ہیں) تو ایسا نہیں ہے ہمارے پاس صرف اللہ کی کتاب ہے اور یہ صحیفہ ہے جس میں اونٹوں کی دیت اور کچھ زخموں سے متعلق احکام ہیں جو شخص ایسا سمجھتا ہے وہ غلط سمجھتا ہے اور اس میں یہ بات بھی موجود ہے نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے جو شخص یہاں پہ کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہوگی۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں کرے گا اور اس میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ جو شخص اپنے باپ یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف خود کو منسوب کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہوگی اور اس کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں ہوگی اور مسلمانوں کی دی ہوئی پناہ یکساں حیثیت رکھتی ہے ان کا عام فرد بھی اسے پوری کرنے کی کوشش کرے گا۔

تشریح: دور اول میں جو شخص کسی کو آزاد کرتا تھا وہ آزاد کرنے والے کی طرف اور اس کے خاندان کی طرف منسوب ہوتا تھا، مگر کچھ آزاد شدہ غیر آقا سے تعلق قائم کر لیتے تھے، ان کو دوست بنا لیتے تھے، اور ان کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، چنانچہ اس کو حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح کچھ لوگ اپنا غلط نسب بیان کرتے ہیں، باپ کی جگہ کسی اور کا نام لکھتے ہیں یا اپنا خاندان بدل لیتے ہیں، مثلاً سید نہیں ہیں مگر اپنے کو سید ظاہر کرتے ہیں، یہ حرام ہے۔

حدیث: ابراہیم تیمی اور سلیمان تیمی کے والد یزید بن شریک بن طارق تیمی کو نبی ﷺ کہتے ہیں: ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز (تحریر) ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ..... وہ صحیفہ جس میں دیت کے اونٹوں کی عمریں اور زخموں کی کچھ باتیں یعنی ان کی دیتیں ہیں..... تو وہ یقیناً جھوٹ بولتا ہے۔ (پہلے یہ بات گزری ہے کہ شیعوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ نبی ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص علوم دیئے ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تردید کی ہے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی تحریر نہیں صرف قرآن کریم ہمارے پاس ہے جو سبھی مسلمانوں کے پاس ہے، البتہ میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں کچھ احکام ہیں مگر وہ بھی عام ہیں، دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان باتوں کو جانتے تھے)۔

وَهَذِهِ الصَّحِيفَةُ صَحِيفَةٌ فِيهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس صحیفہ میں یہ تین باتیں ہیں:

① نبی ﷺ نے فرمایا: مدینہ محترم ہے غیر پہاڑ سے ثور پہاڑ تک، پس جو شخص اس حرم میں کوئی نئی بات (بدعت وغیرہ) پیدا کرے یا کسی نئی بات کو ٹھکانہ دے، اس پر اللہ، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نہ کوئی نفل عبادت قبول کرتے ہیں اور نہ کوئی فرض عبادت۔

② اور جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کسی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کے ساتھ تعلق قائم کیا تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اس کی طرف سے نہ کوئی فرض عبادت قبول کی جائے گی اور نہ کوئی نفل عبادت۔

③ اور مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، اس کی کوشش کرتا ہے ان کا معمولی آدمی۔

تشریح: ① ثور پہاڑ مکہ میں بھی ہے اور وہی مشہور ہے، اس لئے کچھ لوگوں کو اشکال ہوا کہ اس حدیث میں راویوں کو وہم ہوا ہے،

مگر محققین کہتے ہیں: ثور نامی پہاڑی مدینہ منورہ میں بھی ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ کے حرم کی طرح مدینہ کا بھی حرم ہے، ان دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ محترم ہے وہاں شکار کرنا، ہری گھاس کاٹنا حرام ہے، پھر فقہاء میں اختلاف ہے کہ حرم مدینہ: حرم مکہ ہی کی طرح محترم ہے یا اس کا مرتبہ کچھ کم ہے؟ حنفیہ کے نزدیک دونوں کا درجہ مختلف ہے، مدینہ منورہ کے حرم کا حال حمی (سرکاری چراگاہ) جیسا ہے، اور ائمہ ثلاثہ حرم مدینہ کو بالکل حرم مکہ کی طرح مانتے ہیں، مگر امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ شکار کی جزاء واجب نہیں کرتے، پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی حرم مدینہ کا درجہ کم ہے۔

② اور حدیث کے معنی ہیں: نئی بات، یعنی بدعت، اور محدث اگر دال کے زبر کے ساتھ ہے تو اس کے معنی بھی بدعت کے ہیں اور اگر دال کے زیر کے ساتھ ہے تو اس کے معنی بدعتی کے ہیں جاننا چاہئے کہ ہر گناہ اور غلط بات ہر جگہ ناجائز ہے اور محترم اور پاک جگہ میں اس کی قباح و شاعت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جیسے کوئی سڑک پر بیڑی پیئے اور مسجد میں پیئے تو دونوں میں فرق ہے، مسجد میں پینا بہت برا ہے، اسی طرح حرم مدینہ میں بدعت ایجاد کرنا بہت برا ہے اور کسی بدعتی کو حرم میں ٹھکانہ دینا یعنی اپنا مہمان بنانا بھی بہت برا ہے کیونکہ جب بدعتی حرم میں آئے گا تو وہاں اپنی بدعت پھیلانے لگا۔

③ حَرَفًا وَلَا عَدَلًا اور صرف وعدل سے ایک کے معنی ہیں: نفل عبادت اور دوسرے کے معنی ہیں: فرض عبادت۔ پھر اختلاف ہے کہ کس لفظ کے معنی فرض عبادت کے ہیں اور کس لفظ کے معنی نفل عبادت کے؟ درحقیقت صرف کے معنی خرچ کرنے کے ہیں، یعنی وہ عبادت جو بندہ اپنی طرف سے پیش کرتا ہے یعنی نفل عبادت اور عدل کے معنی برابر کے ہیں یعنی بندہ ہونے کی وجہ سے اس کے ذمہ جو بندگی ہے وہ بجالانا عدل ہے، پس اس سے مراد فرض عبادت ہے۔

④ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ کے معنی ہیں: کسی سے تعلق قائم کرنا، دوست بنانا اور ادعی کے معنی ہیں: نسب بیان کرنا اور آزاد شدہ کا تعلق آزاد کرنے والے کے ساتھ ہی اس لئے ضروری ہے کہ دلاء: نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے، پس غیر معتنق سے تعلق قائم کرنا، غیر باپ کو باپ ظاہر کرنے کی طرح ہے، اس لئے یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔

⑤ اور یہ حدیث پہلے حدیث 1573 گزر چکی ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، ان کا معمولی آدمی اس کی کوشش کرتا ہے، یعنی معمولی آدمی بھی امان دے سکتا ہے اور سب مسلمانوں پر اس کا پاس و لحاظ واجب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْتَفِي مِنْ وَلَدِهِ

باب ۴: اولاد کے نسب کا انکار کرنا

(۲۰۵۴) جَاءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي فِزَارَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَمْرًا آتَى وَلَدْتُ غُلَامًا أَسْوَدَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ فَهَلْ فِيهَا أَوْرَقٌ قَالَ نَعَمْ إِنَّ فِيهَا لَوُرَقًا قَالَ أَلَى أَتَاهَا ذَلِكُ قَالَ لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهَا قَالَ فَهَذَا لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بنو فزارہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس

نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری بیوی نے ایک سیاہ قام لڑکے کو جنم دیا ہے نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں اس نے عرض کی جی ہاں نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا ان کے رنگ کیا ہیں اس نے جواب دیا سرخ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کیا ان میں کوئی خاکستری بھی ہے اس نے عرض کی جی ہاں ان میں خاکستری بھی ہے نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا وہ کہاں سے آگیا اس نے عرض کی ہو سکتا ہے کسی رگ نے اسے کھینچ لیا ہو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہو سکتا ہے اسے بھی (یعنی تمہارے بچے کو بھی) کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔

تشریح: جاء رجل: بخاری میں جاء اعرابی وارد ہو ہے حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مضمض ابن قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان امراتی ولدت غلاما اسود، مسلم شریف میں انی انکر تہ یعنی دل سے اس کو برا سمجھتا ہوں یہ مطلب نہیں کہ زبان سے میں اس کے بیٹے ہونے کا انکار کروں گا گویا یہ شخص تعریض بالقذف کر رہا تھا اور جمہور کے نزدیک تعریض بالقذف، قذف صحیح کے حکم میں نہیں ہے استدلال بہ الشافی لذلک۔ البتہ مالکیہ رحمہ اللہ نے تعریض کو تصریح کے قائم مقام کرتے ہوئے حد کو واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ قذف سمجھی جا رہی ہو مگر روایۃ الباب میں سائل تو مستفتی عن الحکم ہے کہ اس کو شک ہو رہا ہے قاذف نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی تمثیل کے بعد اس کا شک دور ہو گیا اور اس کو اپنے بچہ ہونے کا یقین ہو گیا۔

محمدا: جمع ہے احمر، اورق جس کے معنی مٹیالا اور قابضم الواؤ وسکون الراء جمع اورق۔ انی اتاہا ذلک یعنی جب تیرے اونٹ سرخ رنگ والے ہیں اور ان میں بعض بچے وہ ہوتے ہیں جو مٹیالے رنگ کے ہیں تو پھر یہ مٹیالے رنگ والے کہاں سے آگئے۔ لعل عرقا نزعھا، اس اعرابی نے جواب دیا کہ شاید ان اونٹوں کی اوپر کی نسلوں میں خاکی رنگ رہا ہوگا تو اس اصل کی وجہ سے ان کے بعد والے اونٹوں میں یہ رنگ آگیا تو آپ نے جوابا فرمایا پھر انسانی نسلوں میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ تیرے یا تیری بیوی کے آباء میں سے کوئی کالے رنگ والا ہوگا تو اس اصل نے یہ رنگ جذب کیا ہے اور تیرا بیٹا کالے رنگ والا پیدا ہو گیا ہے اب اس تمثیل کے بعد اپنے بیٹے ہونے کا یقین آگیا چنانچہ مسلم شریف میں ہے: فلم یرخص له فی الانتفاء منه علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ محض رنگ کے فرق کی بناء پر بچہ کے نسب کے ثبوت میں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَافَةِ

باب ۵: قیافہ شناسوں کا بیان

(۲۰۵۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ فَقَالَ أَلَمْ تَرَي أَنَّ مُجَزَّزًا نَظَرَ إِنْفَا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ هَذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ بہت خوش تھے خوشی آپ ﷺ کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہیں پتہ ہے؟ قیافہ شناس شخص نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کیا کہا؟ اس نے کہا ہے یہ دونوں باپ بیٹا ہیں۔

تشریح: قیافہ شناس کے قول سے ثبوت نسب کا حکم:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بہت گورے اور خوبصورت آدمی تھے جبکہ ان کے صاحبزادے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کالے اور سیاہ تھے اور اپنی ماں کے ہم شکل تھے، ان کی ماں ایک حبشی عورت تھی، جن کا نام برکہ اور کنیت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہے یہ ایک لونڈی تھیں، نبی کریم ﷺ کو اپنے والد حضرت عبداللہ کی طرف سے ملی تھیں، آپ نے انہیں آزاد کر دیا تھا یہ وہی ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں جن کا نبی کریم ﷺ کی خدمت اور بچپن میں پرورش میں اہم کردار ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ سے قبل ان کی شادی عبید حبشی سے ہوئی، ان سے ان کا ”ایمن“ نامی بچہ پیدا ہوا، اسی سے ان کی کنیت ام ایمن مشہور ہو گئی پھر ان کی شادی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہو گئی، باپ بیٹے کی رنگت میں فرق کی وجہ سے منافقین حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں عیب لگاتے تھے اور دلیل یہ دیتے کہ ایسے حسین اور خوبصورت باپ کا بیٹا اس قدر کالا کیسے ہو سکتا ہے، نبی کریم ﷺ ان کی اس طعنہ زنی پر بہت رنجیدہ اور افسردہ تھے کہ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ مجز مدحی جو عرب کا مشہور قیافہ شناس تھا جس کی بات کو اہل عرب سند کے طور پر لیتے تھے، یہ اپنے اس فن میں بہت ماہر تھا، آدمی کی شکل و صورت اور ہاتھ پاؤں دیکھ کر حالات و اوصاف اور خصوصیات کا اندازہ کر لیا کرتا تھا، ایک دن مسجد نبوی میں آیا اور دیکھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور اسامہ لیٹے ہوئے ہیں ان کے پاؤں دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ پاؤں جن دو آدمیوں کے ہیں ان کو آپس میں باپ بیٹا ہونا چاہئے، اس بات سے نبی کریم ﷺ بہت خوش ہوئے کہ اس کی اس بات سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب پر طعنہ زنی اور عیب جوئی بند ہو جائے گی کیونکہ اس وقت اہل عرب کے ہاں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوا کرتا تھا اور اس کے فیصلے کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا۔ (تحفۃ الاحوذی ۶/۲۸۳)

لغات: قافہ: قائف کی جمع ہے، قیافہ شناس، وہ شخص جو ہاتھ پاؤں کے خطوط اور نشایات دیکھ کر یہ بتا دے کہ یہ فلاں کا بیٹا یا بھائی یا فلاں خاندان کا ہے۔ تبرق: بجلی کی طرح چمک رہے تھے، جگمگا رہے تھے۔ اُساریو: یہ اسرار اور اسرارۃ کی جمع ہے، پیشانی اور چہرے کے خطوط۔ بعضھا من بعض: بعض قدم بعض سے ہیں یعنی ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔ غطیا: ان دونوں نے ڈھانپا ہوا تھا۔ بدت: ان کے پاؤں ظاہر اور کھلے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى التَّهَادِيَةِ

باب ۶: نبی کریم ﷺ نے ہدیہ کرنے پر براہِ نیکی کیا ہے

(۲۰۵۶) تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً لِّجَارَتِهَا وَلَوْ شِقُّ فَرْسَيْنِ شَاةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ایک دوسرے کو تحفے دیا کرو کیونکہ تحفے دل کی ناراضگی کو دور کر دیتے ہیں اور کوئی بھی عورت اپنی پڑوسن کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کا پایہ (پاؤں) ہو۔

تشریح: ایک دوسرے کو ہدیہ دینے کی ترغیب کا ذکر:

حدیث باب میں ہدیہ دینے کی ترغیب اور اس کے چند فوائد کو بیان کیا گیا ہے، ہدیہ دینے کا سب سے بڑا اور اہم فائدہ یہ حاصل

ہوتا ہے کہ اس سے دل کی کدورتیں، بغض و عداوت کے جراثیم ختم ہو جاتے ہیں، دلوں میں نفرت کے بجائے محبت والفت قائم ہو جاتی ہیں، اس لئے اس سنت پر بڑے اہتمام سے عمل کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ آج کل تقریباً ہر خاندان اور سوسائٹی میں محبتوں کے بجائے دشمنیاں اور نفرتیں بہت زیادہ ہیں، اس سنت پر عمل کیا جائے تاکہ نفرت اور بے رخی کی یہ آگ ٹھنڈی پڑ جائے۔

لا تحتقرون: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی پڑوسن محبت و جذبے سے دوسری پڑوسن کو کوئی معمولی سی چیز تحفہ دے تو اس کو کمتر اور حقیر سمجھ کر رد نہ کیا جائے، خواہ وہ معمولی چیز بکری کے کھر کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، کھر کا ذکر بطور مبالغہ کے کیا گیا ہے کہ بھلے وہ چیز کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو تو بھی اسے دل و جان سے قبول کیا جائے، واپس نہ کیا جائے کیونکہ اس نے انس و پیار اور محبت سے وہ چیز دی ہے اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی کے پاس ہدیہ دینے کی کوئی بڑی چیز نہ ہو، قلیل یا معمولی قسم کی کوئی چیز ہو تو اسے بھی وہ ہدیہ میں دے دیا کرے، یہ سمجھ کر کہ یہ تو حقیر چیز ہے اس کو ہدیہ کرنے کا کیا فائدہ اور پھر اس وجہ سے اسے ہدیہ میں نہ دینا سنت کے خلاف ہے۔ (تحفۃ الاخوان ۶/۲۷۵)

لعنات: تہادوا: (دال پر زبر کے ساتھ) تم آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو۔ تذهب: ختم کرتا ہے، دور کرتا ہے۔ وحر: (واؤ پر زبر اور حاء پر زبر اور سکون کے ساتھ): جلن، کدورت، کینہ، غیظ و غضب۔ لا تحتقرون: ہرگز وہ حقیر نے سمجھے۔ جارة: پڑوس۔ شق: (شین کے نیچے زیر اور قاف کی تشدید کے ساتھ) ٹکڑا، حصہ، جزء۔ فرسن: (فاء اور سین کے نیچے زیر اور راء کے سکون کے ساتھ) بکری یا اونٹ کا کھر، ج فراسن۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں ابو معشر لیج مولیٰ بنی ہاشم ہے جس کو حدیثیں ٹھیک یا نہیں تھیں، وہ سعید مقبری سے روایت کرتا ہے، پھر سعید براہ راست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ صحیح سند یہ ہے کہ سعید مقبری اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، بخاری کی سند میں عن ابیہ کا اضافہ ہے۔ (بخاری حدیث 2566) اس لئے یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّجُوعِ فِي الْهَبَةِ

باب ۷: ہبہ کر کے واپس لینا مکروہ ہے

(۲۰۵۷) مَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَالْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّىٰ إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فَرَجَعَ فِي قَيْئِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کوئی عطیہ دے اور پھر اسے واپس لے اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے جب وہ کچھ کھائے اور سیر ہو جائے تو تے کر دے پھر اسے دوبارہ چاٹ لے۔

(۲۰۵۸) لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فَإِنَّمَا يُعْطَىٰ وَلَدَهُ وَمَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّىٰ إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوع حدیث کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے

کسی بھی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے وہ کوئی عطیہ دینے کے بعد اسے واپس لے سوائے والد کے جو وہ اپنی اولاد کو دیتا ہے اور جو شخص کوئی عطیہ دے کر واپس لے لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو کچھ کھاتا ہے اور جب وہ سیر ہو جاتا ہے تو قے کر دیتا ہے اور پھر دوبارہ اس قے کو چاٹ لیتا ہے۔

مذہب فقہاء: ہبہ میں رجوع کرنے کا حکم: اگر کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کر دے اور پھر اسے واپس کرنا چاہے تو کیا ہبہ میں رجوع جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

① ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی نزدیک ”رجوع فی الہبہ“ ناجائز اور حرام ہے، ہبہ کرنے والا کسی طرح رجوع نہیں کر سکتا، نہ قضاء اور نہ دیانت البتہ اگر والد نے کوئی چیز بیٹے کو ہبہ کی ہو اور اب وہ واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے، ان حضرات کا استدلال باب کی احادیث سے ہے۔ جن میں ”لایحل“ اور ”العائد فی ہبتہ کالکلب“..... کے الفاظ سے ہے اور والد کا استثناء ابو داؤد شریف میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، اس لئے باپ بیٹے کو ہبہ کرے اس میں رجوع جائز ہے، باقی کسی اور کے لئے جائز نہیں۔

② حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر واہب نے اپنے محرم رشتہ دار کے علاوہ کسی کو ہبہ کیا ہو تو اسے واپس لینا نامناسب اور مروت کے خلاف ہے، تاہم اگر وہ لینا چاہے تو قضاء لے سکتا ہے لیکن جو ہبہ کسی محرم رشتہ دار مثلاً بھائی، بہن، بیٹا، ماں اور خالہ وغیرہ کو کیا ہو تو اسے شرعاً واپس کرنے کی گنجائش نہیں۔

حنفیہ کا استدلال: اس حدیث سے ہے: الواہب احق بہبتہ مالم یثب منہا، واہب اپنے ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اسے اس کا معاوضہ نہ دیا جائے۔

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث باب میں ”لایحل“ لاینبغی کے معنی میں ہے کہ ”مناسب نہیں“ اس سے عدم جواز مراد نہیں۔

اور العائد فی ہبتہ حنفیہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

① نبی کریم ﷺ نے رجوع فی الہبہ کو قے چاٹنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، عرف میں اس سے اس عمل کی قباحت و شاعت اور برائی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، معنی یہ ہیں کہ کسی کو کوئی چیز دیکر واپس کرنا بے مروتی اور ناپسندیدہ بات ہے، مکروہ ہے، یہ مطلب نہیں کہ رجوع کرنا حرام ہے، اس لئے اگر واہب کو ضرورت ہو تو وہ واپس کر سکتا ہے۔

② اس حدیث میں دیانت کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ واہب کے لئے دیانت جائز نہیں کہ وہ اپنے ہبہ کو واپس لے، اس حدیث میں قضاء کا حکم نہیں بیان کیا گیا، قضا کا حکم اس حدیث میں ہے الواہب احق بہبتہ مالم یثب منہا، اس طرح ان دونوں روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ واہب کے لئے واپس لینا جائز نہیں لیکن اگر قاضی واپسی کا فیصلہ کر دے تو پھر رجوع فی الہبہ جائز ہے۔

الا والدمن ولدہ: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ باپ بیٹے کو ہبہ کرے تو وہ واپس لے سکتا ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ واپس نہیں لے سکتا اس لئے کہ وہ محرم رشتہ داروں میں سے ہے اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جس میں یہ استثناء ہے، اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ انت و مالک لابیك (تم اور تمہارا مال والد کے لئے ہے) کے قبیل سے ہے کہ اس چیز کی واپسی اس وجہ سے

نہیں کہ ہبہ میں رجوع جائز ہے، بلکہ باپ ہونے کی وجہ سے والد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا مال ضرورت کے وقت لے سکتا ہے، ہبہ نہ کیا ہو تو بھی لے سکتا ہے اور جب ہبہ کیا ہو تو وہ بطریق اولیٰ لے سکے گا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حقیقت میں رجوع فی الہبہ نہیں ہے اور اس استثناء کی ضرورت اس لئے پیش آئی کی ذی محرم رشتہ دار کو ہدیہ دیکر واپس نہیں کیا جاسکتا، اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ والد اگر کوئی چیز بیٹے کو ہدیہ کرے تو پھر اس کا واپس لینا ممنوع اور مکروہ ہوگا، اس استثناء سے اس شبہ کو ختم کیا گیا کہ یہ رجوع فی الہبہ کے قبیل سے نہیں بلکہ انت و مالک لا بیع کی وجہ سے والد کے لئے وہ شے واپس کرنا جائز ہے۔

(اعلاء السنن، باب کراہیۃ الرجوع فی الہبۃ 100/16) (تحفۃ 277/6)



أَبْوَابُ الْقَدَرِ

تقدیر کے بیان میں

قدر (ض، ن) قَدْرًا وَقَدَرًا (بفتح الدال وسكونها) اور قدر تقدیر کے معنی ہیں: فیصلہ کرنا، حکم لگانا، کہا جاتا ہے، قدر الله عليه الامر: اور قدر له الامر: الله تعالى نے اس کے لئے کسی امر کا فیصلہ فرمایا، کوئی چیز اس کے لئے تجویز کی اور شریعت کی اصطلاح میں تقدیر نام ہے قضاء (فیصلہ) کا یعنی کائنات کے بارے میں الله تعالى نے ازل سے جو پلاننگ کی ہے اس کا نام ”تقدیر الہی“ ہے عربی میں عام طور پر لفظ قدر مستعمل ہے اور اردو میں تقدیر، مطلب دونوں کا ایک ہے۔

قضاء و قدر کے لغوی معنی:

قضاء کے معنی ہیں حکم الله تعالى کی قضاء یعنی الله تعالى کا حکم اور قدر کے معنی ہیں اندازہ الله تعالى کی قدر یعنی کسی چیز کے متعلق الله تعالى کا پیشگی اندازہ جو الله تعالى کے علم ازلی سے عبارت ہے اور اس کے اندازے میں غلطی اور اس کے علم میں تغیر اور تبدل محال ہے۔

تقدیر کی تعریف:

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تقدیر کا شرعی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تقدیرہ وهو تحديد كل مخلوق بحدہ الذی يوجد من حسن وقبح ونفع وضرر وما یجوبہ من زمان او مکان وما یترتب علیہ من ثواب وعقاب.

”ہر مخلوق کی اس کے حسن قبح نفع اور ضرر اس کے زمانہ (مدت حیات) اس کے رہنے کی جگہ اور اس کے ثواب اور عذاب کی مقرر کردہ حد کا نام اس کی تقدیر ہے۔“

شرح مختصراً:

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بہت لوگوں کا گمان یہ ہے کہ قضا اور قدر کا یہ معنی ہے کہ الله تعالى نے بندوں کو اپنے علم اور اپنے حکم کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کر دیا ہے حالانکہ اس طرح معاملہ نہیں ہے تقدیر کا معنی یہ ہے کہ الله تعالى نے اپنے علم ازلی سے پہلے ہی یہ خبر دے دی ہے کہ بندہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کام کرے گا اور کیا کام نہیں کرے گا اور الله تعالى نے اس کے لیے خیر اور شر میں سے کیا کیا پیدا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَظَرٌّ ۝﴾ (القدر: ۵۲، ۵۳)

”اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ سب نوشتوں میں موجود ہے اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔“

اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ نوشتوں میں موجود تھا انہوں نے وہی کیا بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ پہلے سے موجود تھا اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے یعنی علم معلوم کے تابع ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا یعنی چیزوں کو پیدا کرنے سے پہلے وہ ان کی مقادیر ان کے احوال اور ان کے زمانوں کو جانتا تھا پھر اس نے ان چیزوں کو اپنے علم سابق کے مطابق پیدا کیا لہذا عالم سفلی ہو یا علوی اس میں جو چیز بھی صادر ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم اس کی قدرت اور اس کے ارادہ سے صادر ہوتی ہے اس میں مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہوتا البتہ مخلوق کا ایک قسم کا کسب ہوتا ہے اور ان کی طرف افعال کی نسبت اور اضافت ہوتی ہے اور یہ کسب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اس کی تیسیر اس کی توفیق اور اس کے الہام سے ہوتا ہے اور خالق صرف اللہ سبحانہ ہے۔

قضاء و قدر میں فرق:

قضاء و قدر درحقیقت ایک ہیں مگر کبھی دونوں میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حکم ازلی قضاء ہے اور اس کا وقوع قدر ہے، پس قضاء قدر سے سابق ہے مگر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے، تقدیر پلاننگ کا نام ہے اور قضاء اس کے وقوع کا نام ہے، مثلاً جب کوئی مکان بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے اجمالی نقشہ ذہن میں قائم کر لیتے ہیں یہ قدر ہے، پھر اس اجمالی نقشہ کے مطابق مکان تیار کرتے ہیں یہ موجود فی الخارج مکان بمنزلہ قضاء ہے، آگے رضابہ قضا کا باب آ رہا ہے، اس سے بھی یہی فرق سمجھ میں آتا ہے کہ جو کچھ واقع ہو یعنی جب تقدیر کا ظہور ہو تو بندے کو اس پر راضی رہنا چاہئے، یہ بات دونوں میں فرق کی طرف اور تقدیر کے سابق اور قضا کے لاحق ہونے کی طرف مشیر ہے مگر یہ کوئی اہم فرق نہیں، برائے نام فرق ہے اس لئے دونوں کو ایک کہنا بھی درست ہے۔

بھلی بری تقدیر کا مطلب:

حدیث: جبریل میں ایمانیات میں تو من بالقدر خیرہ و شرہ آیا ہے یعنی مومن ہونے کے لئے تقدیر پر ایمان ضروری ہے اور اس کے بھلے برے ہونے پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور ابن ماجہ کے مقدمہ میں بالاقدار کلھا: خیرھا و شرھا، حلوها و مرھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام طے کردہ باتوں پر، خواہ وہ بھلی ہوں یا بری، میٹھی ہوں یا کڑوی، ایمان لانا ضروری ہے، ان حدیثوں میں ضمیروں کا مرجع قدر اور اقدار ہیں، اور تقدیر الہی کا بھلا برا اور میٹھا کڑوا ہونا انسانوں کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ کی پلاننگ کے اعتبار سے ہر چیز بھلی ہے پس بھلی تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ طے کردہ باتیں انسانوں کے لئے مفید ہوں یا مضر، میٹھی ہوں یا کڑوی یعنی اچھی لگیں یا بُری سب پر ایمان لانا ضروری ہے جیسے گھی کے بارے میں تجویز الہی یہ ہے کہ وہ صحت بخش ہے اور زہر کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ مہلک ہے، اسی طرح ایمان اور اعمال صالحہ کے بارے میں طے ہے کہ وہ جنت میں لے جانے والے اعمال ہیں اور کفر و معاصی جہنم میں لے جانے والے ہیں یعنی اول انسان کے لئے مفید اور ثانی مضر اعمال ہیں، اسی طرح بچہ کا زندہ رہنا انسان کو پسند ہے اور مر جانا پسند نہیں ہے، بہر حال یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں اور ان پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

اور کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تقدیر الہی کا قائل بھی ہے اور اس کا پابند بھی ہے، لوگ بڑی قیمت دے کر گھی خریدتے ہیں

اور استعمال کرتے ہیں اور زہر کے پاس کوئی نہیں پھٹکتا، اور کسی کو اس معاملہ میں تقدیر الہی پر اعتراض نہیں مگر جب ایمان و اعمال صالحہ کا معاملہ آتا ہے تو انسان باتیں چھانٹتا ہے اور جب اس کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو جزع فزع کی حد کر دیتا ہے، یہ تقدیر پر ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ لوگ ”بھلی بری تقدیر“ کا مطلب: نفس الامر کے اعتبار سے بھلی بری تقدیر یعنی فی نفسہ بھلی بری تقدیر سمجھتے ہیں حالانکہ اس اعتبار سے تو ہر چیز خیر محض ہے، کوئی برا نہیں کارخانہ خداوندی میں۔ بلکہ مراد انسان کے تعلق سے بھلا برا ہونا ہے یعنی انسان کے لئے مفید اور غیر مفید ہونا ہے اور اس کو کائناتی چیزوں کی حد تک ہر چیز تسلیم کرتا ہے اور مفید باتیں حاصل کرنے کی اور مضر باتوں سے بچنے کی سعی کرتا ہے۔ پس اعمال و واقعات میں بھی یہ بات مان لینی چاہئے اور یہی بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے۔

تقدیر کا دائرہ:

کائنات خواہ ارضی ہو یا سماوی، اس کا کوئی ذرہ اور اس کا کوئی حال تقدیر کے دائرہ سے باہر نہیں اور تقدیر صرف اجمالی نہیں بلکہ تفصیلی ہے، یعنی تقدیر میں صرف مسببات و معلولات ہی نہیں بلکہ ان کے اسباب و علل بھی ہیں، ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ جھاڑ پھونک جس کو ہم (دکھ درد میں) کرواتے ہیں اور وہ دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں اور وہ پرہیز (اور بچاؤ کی تدبیریں) جن کو ہم اپناتے ہیں کی ایہ چیزیں قضا و قدر کو نال سکتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں“ یعنی ہم جن مقاصد کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں جن اسباب کو اختیار کرتے ہیں وہ سب اللہ کی تقدیر کے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آئے گی اور وہ فلاں جھاڑ پھونک یا فلاں دوا کرے گا جس سے وہ اچھا ہو جائے گا۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ (نا قابل) ہونا اور ہوشیار ہونا۔“ (رواہ مسلم)

یعنی آدمی کی صفات، قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، اور عقل مندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں پس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ سب اللہ کی قضا و قدر کے ماتحت ہے۔

اسی طرح مکلف مخلوقات کے جملہ احوال بھی قضا و قدر کے دائرہ میں ہیں، یعنی یہ طے کر دیا گیا ہے کہ جن و انس ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوقات ہوں گی اور ان میں سے فلاں فلاں اپنے کسب و اختیار سے یہ عمل کر کے جنت میں جائیں گے اور اتنے افراد یہ عمل کر کے جہنم میں جائیں گے اور دیگر مخلوقات کے لئے جزوی اختیار نہیں ہوگا، اس لئے وہ پاداش عمل کے قانون سے مستثنیٰ ہوں گی۔ غرض سب احوال اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ تقدیر الہی میں طے شدہ ہیں۔

تقدیر کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں، وہ جو چاہیں کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں اور وہ اپنے چاہنے میں کسی کے پابند نہیں، وہ اپنی مشیت میں ہر طرح آزاد ہیں، مگر یہ ان کا مخلوقات پر فضل و کرم ہے اور انسان کے لئے جس کو خلافت ارضی سونپی گئی ہے ضروری بھی ہے کہ انہوں نے اپنی مشیت کو آزاد اور بے قید نہیں رکھا بلکہ ہر چیز کو تقدیر الہی سے وابستہ کر دیا ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات طے شدہ ہے،

اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے تو انسان بڑی الجھنوں میں پڑ جاتا، اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا کہ وہ کیا کھائے اور کیا نہ کھائے، کیونکہ نتیجہ معلوم نہیں، اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کے کیا آثار پیدا کریں گے کیونکہ آثار و نتائج طے شدہ نہیں، اس طرح وہ اندھیرے میں رہتا کہ وہ کوئی زندگی اپنائے، جس سے مولیٰ خوش ہو اور کیسی زندگی اپنانے سے احتراز کرے کہ مولیٰ ناخوش نہ ہو، وہ ہمیشہ شش و پنج میں مبتلا رہتا، کوئی فیصلہ نہ کر پاتا، کیونکہ کوئی بات طے شدہ نہیں اور اب جبکہ ساری باتیں طے کر دی گئی ہیں انسان ہر چیز کے متعلق آشنائی سے فیصلہ کر سکتا ہے، عقل کی روشنی یا معمولی راہنمائی بھی اس کے لئے کافی ہے، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز کے بارے میں عقل سے کام لینے کی اور اس میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر زندگی اور کائنات کے لئے کوئی قانون اور نظام ہی نہ ہوتا اور یہ سب کچھ بے قید مشیت ایزدی کی کرشمہ سازی ہوتی تو پھر ان میں غور و فکر کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور اگر کوئی غور و فکر کرتا بھی تو اس کا حاصل کیا ہوتا؟

تقدیر کا مسئلہ آسان ہے:

اور تقدیر کا مسئلہ آسان ہے، اس میں کچھ پیچیدگی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمانیات میں شامل ہے، تقدیر پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، اور ایمان کا مکلف ہر عاقل و بالغ ہے، اور سب لوگوں کی عقلیں یکساں نہیں، پس کوئی ایسا مسئلہ ایمانیات میں کیسے شامل کیا جاسکتا ہے جو ہر ایک کے لئے قابل فہم نہ ہو ورنہ بعض لوگوں کے حق میں تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی، جو باطل ہے، پس لامحالہ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کی تقدیر کا مسئلہ ہر کس و نا کس کے لئے قابل فہم ہے کیونکہ یہ کوئی دقیق مسئلہ نہیں، اور حدیث شریف میں جو تقدیر کے باب میں تنازع کی ممانعت آئی ہے اور اس معاملہ میں تنازع کی وجہ سے ام سابقہ کے ہلاک ہونے کا ذکر آیا ہے اس میں تنازع سے بحث و مباحثہ مراد ہے اور قضا و قدر میں بحث ممنوع اس لئے ہے کہ یہ خدا کی صفات میں بحث ہے کیونکہ قضا و قدر اللہ کی صفات ہیں اور صفات میں بحث، ذات میں غور و فکر ہے اور خالق میں غور کرنے کی ممانعت ہے۔ اور سابقہ امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد ان کی گمراہی ہے، قرآن وحدت میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے اس لئے آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت اور دیکھیں جب انہوں نے اس مسئلہ کو بحث کا موضوع بنایا اور تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں بھی اعتقادی اور گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔ (معارف الحدیث ۱/ ۱۷۵)

تقدیر کا مسئلہ مشکل کیوں بن گیا ہے؟

اور تقدیر کا مسئلہ دو وجہ سے مشکل بن گیا ہے: پہلی وجہ: یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ درحقیقت صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے اور صفات الہیہ کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، ان کی تمام حقیقت سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں، صفات کے بارے میں ایک حد پر پہنچ کر رک جانا پڑتا ہے، اسی طرح تقدیر کے مسئلہ میں بھی ایک حد پر رکنا ضروری ہے، مگر لوگ رکتے نہیں، وہ سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ بات صفات کے تعلق سے ممکن نہیں، یہی بات درج ذیل حدیث میں سمجھائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے۔“ (بس تقدیر کا مسئلہ اتنا ہی ہے)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: پس کہ اہم اس نوشتہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ رہیں؟ اور عمل چھوڑ نہ دیں؟! (یہ تقدیر کے مسئلہ پر اٹھنے والا

سوال ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ”عمل کئے جاؤ، ہر ایک کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، نیک بخت کو نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور بد بخت کو بد بختی کے کاموں کی، اور دلیل میں آپ نے سورۃ اللیل کی آیات 5-10 پر دی ہیں۔ (مشکوٰۃ حدیث 85)

اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ ان کو عمل میں لگایا ہے کیونکہ قضاء و قدر کے مسئلہ کو جس حد تک آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے اسی حد تک سمجھا جاسکتا ہے، اس سے آگے کی بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اس حد پر رک جانا ضروری ہے، تمام صفات خداوندی کا یہی معاملہ ہے۔

یہی بات کہ تقدیر کا مسئلہ صفات الہیہ کا مسئلہ کیسے ہے؟ یہ بات اس سے واضح ہے کہ عرف میں قضاء و قدر ایک ساتھ بولتے ہیں، یہ دو مترادف لفظوں کا عطف تفسیری کے ساتھ استعمال ہے اور ”قضاء“ کا صفت الہی ہونا قرآن کریم میں بیسیوں جگہ مصرعے، مثلاً: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) اور سورۃ الاحزاب آیت ۳۸ میں ہے: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْضُودًا﴾ (اور اللہ کا حکم) (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہے) ان آیات سے قضاء و قدر کا صفت الہی ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

دوسری وجہ: ہماری صفات مفہوم کے اعتبار سے ہماری ذات سے زائد (مغائر) ہیں اور وجود کے اعتبار سے متحد، اسی طرح ہماری متعدد صفات اپنے مفہیم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں مگر سب ذات کے وجود میں شامل ہیں، یعنی صفات: ذات کے ساتھ مل کر ایک اکائی بناتی ہیں، یہی حال بلا تشبیہ ذات رب اور صفات الہیہ کا ہے اور ہر صفت کا اپنا ایک دائرہ ہے جیسے صفت سبح کا دائرہ الگ ہے اور صفت بصر کا الگ، مگر کبھی ایک صفت کے دوسری صفت پر اثرات پڑتے ہیں، اگر ان سب باتوں کو باریک بینی سے ملحوظ نہ رکھا جائے تو حقائق فہمی میں دشواری پیش آئے گی، مثلاً خداوند قدوس کے تعلق سے اگر تقدیر معلق کا قائل ہوا جائے تو شمول علم کے مسئلہ پر اس کا اثر پڑے گا، یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کا علم عام و تمام نہیں، حالانکہ شمول علم کے مسئلہ میں آج تک کسی فرقہ نے اختلاف نہیں کیا، اسی طرح بندوں کو ان کے اختیاری اعمال میں مختار کل مانا جائے تو عموم قدر کے مسئلہ پر اثر پڑے گا، ماننا پڑے گا کہ کچھ چیزیں اللہ کے اختیار میں نہیں، بندوں کے اختیار میں ہیں، توبہ ایسی حماقت بھری بات کون مان سکتا ہے۔

اسی طرح لوگ قضاء و قدر کے مسئلہ کو شمول علم کے مسئلہ کے ساتھ ملا دیتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ہے تو ویسا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ کا علم غلط نہیں ہو سکتا پھر بندے با اختیار کیسے ہوئے؟ وہ تو مجبور محض ہو گئے! حالانکہ سوچنے کا انداز یہ ہونا چاہئے تھا کہ اگر ازل میں سب چیزوں کو طے شدہ نہیں مانیں گے تو شمول علم کی بات غلط ہو کر رہ جائے گی، جب کائنات کے ذرہ ذرہ پر اللہ کا علم محیط ہے تو ضروری ہے کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہو، ورنہ اللہ کو ان کا علم کیسے ہوگا؟ غرض صفات کے دائرے الگ الگ ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اور ایک صفت کے دوسری صفت پر پڑنے والے اثرات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے تقدیر کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔

تقدیر پر ایمان لانے کے فائدے:

پہلا فائدہ: تقدیر پر ایمان کے ذریعہ آدمی اس ہم آہنگ نظم و انتظام کو سمجھ سکتا ہے جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے، وہ جان لے گا کہ تمام کائنات ایک منظم و متحد قانون کی پابند ہے، کائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے برتاؤ میں پوری طرح یگانگت ہے، تفاوت نہیں۔

دوسرا فائدہ: جس شخص کا تقدیر الہی پر ٹھیک ٹھیک ایمان ہوگا اور وہ جانتا ہوگا کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات فیصل ہو چکی ہے، اس کی نگاہ اللہ کی قدرت کاملہ کی طرف اٹھی رہے گی، وہ دنیا و مافیہا کو خدا کا پرتو سمجھے گا، وہ جان لے گا کہ ہر چیز قضاء و قدر سے ہے حتیٰ کہ اختیاری اعمال میں بھی بندوں کو جو اختیار حاصل ہے وہ اللہ کی دین ہے، انہوں نے ہی ازل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکلف مخلوقات کو ایک جزوی اختیار حاصل ہو، اسی فیصلے کی وجہ سے بندے مختار ہیں اور بندوں کا حال اس معاملہ میں ایسا ہے جیسا آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کا ہے کہ وہ ذی صورت کا پرتو اور ظل ہے، اسی طرح بندوں کو اختیار بھی خالق ارض و سماء کی طرف سے ملا ہے اور جب بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین رکھے گا اور خود کو ”مردہ بدست زندہ“ سمجھے گا تو وہ ہر معاملہ میں مطمئن رہے گا، کسی معاملہ میں اس کو کوئی غیر معمولی پریشانی لاحق نہیں ہوگی، وہ ہر حالت کو اللہ کی طرف سے سمجھے گا۔

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۚ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾ (النساء: ۷۸)

ترجمہ: ”آپ فرمادیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے۔“

تقدیر کے ساتھ تدبیر ضروری ہے: کہ تقدیر پر ایمان لانا معرفت خداوندی کے لئے ضروری ہے اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق بنایا ہے، پس ہمیں اپنے اختیار سے اپنے لئے مفید کام کرنے چاہئیں اور اپنے اختیار سے اپنے لئے مضر کاموں سے بچنا چاہئے تاکہ آخرت میں ہمارے لئے جو مفید گھر ہے یعنی جنت وہ ہمیں ملے اور جو مضر جگہ ہے یعنی جہنم اس سے ہم بچ جائیں، آگے قضاء و قدر کی جو روایات آرہی ہیں ان کو پڑھتے وقت یہ نکتہ خاص طور پر پیش نظر رہنا چاہئے، جب نبی ﷺ نے تقدیر کا مسئلہ سمجھایا تو صحابہ کو اشکال پیش آیا یہ اشکال ان کو اللہ کی جانب سے تقدیر پر نظر کرنے کی وجہ سے پیش آیا تھا، نبی ﷺ نے ان کی نظر اس طرف پھیری کہ ہم بندوں کو اپنی جانب سے تقدیر کو دیکھنا چاہئے، یہی تدبیر ہے، فرمایا: اعملوا فكل ميسرًا لما خلق له: اپنے اختیار سے اچھے عمل کرو، ہر انسان کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے یعنی دوسرے عمل کا وہ تصور نہیں کر سکتا۔

تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے: اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر تقدیر مبرم اور ملزم ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ لازم کرنے والا ہے، جس کے مطابق کائنات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے یعنی اس طے شدہ امر سے حوادث کا تخلف نہیں ہو سکتا، اور تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر بڑھاتا ہے اور جھوٹ روزی گھٹاتا ہے اور دعا فیصلہ خداوندی کو پھیر دیتی ہے“ یہ باتیں معلق صرف بندوں کے علم اور ظہور حوادث کے اعتبار سے ہیں، علم الہی کے تعلق سے ہر شے طے شدہ ہے، ازل سے خدا کو معلوم ہے کہ کیا ہونا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ طالبعلم اگر محنت کرے گا تو امتحان میں کامیاب ہوگا اور کھیلے گا تو فیل ہوگا، یہ بات صرف بندوں کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کے ازلی کے اعتبار سے نہیں، ان کو ازل سے وہ پہلو معلوم ہے جو ظہور پذیر ہونے والا ہے، بلکہ وہ پہلو انہی کا طے کیا ہوا ہے ورنہ علم الہی کا ناقص ہونا لازم آئے گا کیونکہ ماننا پڑے گا کہ کچھ باتیں ان کو ازل میں متعین طور پر معلوم نہیں تھیں تو بہ! تو بہ!!

اور اس سے جبر اس لئے لازم نہیں آتا کہ علم معلوم سے مترع ہوتا ہے یعنی معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم کبھی علم کے تابع نہیں

ہوتا، جیسے تاج محل کا واقعی علم وہ ہے جو تاج محل سے حاصل ہو، تاج محل کبھی ہمارے تصور کے تابع نہیں ہو سکتا، بس فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے، اکتسابی نہیں، اس لئے وہ معلومات کے محتاج نہیں، وہ لایزال میں جو کچھ رونما ہونے والا ہے اس کو ازل سے بغیر معلومات کے جانتے ہیں اور چونکہ ان کا علم واقعہ کے مطابق ہے اس لئے وہ جو کچھ جانتے ہیں وہی ہوگا، ورنہ ان کا علم غلط ہو جائے گا، مگر قاعدہ وہی رہے گا کہ علم معلوم سے حاصل ہوتا ہے یعنی علم معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا اس لئے جبر لازم نہیں آئے گا۔

خلاصہ کلام: کہ قدر و تقدیر کے معنی ہیں: اندازہ کرنا، اسکیم بنانا اور پلاننگ کرنا، جس طرح آدمی حویلی بناتا ہے تو پہلے نقشہ بناتا ہے، پھر اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے علم ازلی میں اس عالم کے لئے پلاننگ کی ہے، جس میں انسان کا مکلف ہونا بھی شامل ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے جزوی اختیار دیا ہے اور وہ اپنے اختیار سے کیا کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، کائنات کا کوئی ذرہ ان سے مخفی نہیں اور یہ معرفت خداوندی کا پہلو ہے اور اس اعتبار سے تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ معرفت خداوندی ناقص رہ جائے گی۔

اور معرفت خودی کے نقطہ نظر سے اس طرح سوچنا چاہئے کہ ہم بندے ہیں اور مجبور بندے نہیں ہیں بلکہ جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہیں، پس ہم بہ اختیار خود اچھا بھی کر سکتے ہیں اور برا بھی، پس ہمیں اچھے کاموں کی سعی کرنی چاہئے اور برے کاموں سے بچنا چاہئے، یہ اپنی جانب سے تقدیر الہی پر غور کرنے کا طریقہ ہے، نبی ﷺ نے صحابہ کو اسی کی تعلیم دی ہے، یہی تقدیر کے ساتھ تدبیر ہے اور دنیوی امور کی حد تک ہر شخص تدبیر کی ضرورت کا قائل ہے، ہر شخص ہاتھ پیر ہلاتا ہے تاکہ روزی روٹی ملے، اشکال صرف ایمان و کفر اور اعمال صالحہ و سیئہ میں پیش آتا ہے، یہ ٹھیک نہیں، اس میں بھی تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر ضروری ہے یعنی اپنے اختیار تمیزی سے ایمان لانا اور نیک کام کرنا ضروری ہے، تاکہ ہم جنت سے ہم کنار ہوں۔ واللہ الموفق

مثالوں سے مزید وضاحت:

بعض مسائل ذو جہتین ہوتے ہیں اور دونوں جہتوں کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں وہاں اگر فرق مراتب نہ کیا جائے تو مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

① حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، حتیٰ کہ نبی ﷺ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ اللہ کے فضل و کرم کی وجہ سے جائیں گے..... یہاں بھی سوال پیدا ہوگا کہ پھر عمل سے کیا فائدہ؟ نیز قرآن و حدیث بھرے پڑے ہیں کہ ایمان و اعمال صالحہ جنت میں لے جائیں گے اور کفر و اعمال سیئہ جہنم میں پہنچائیں گے، پس پہلی حدیث ان تصریحات کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہی ہے کہ پہلی حدیث میں جو بات ہے وہ عقیدہ ہے اور قرآن و حدیث کی تصریحات میں اسباب کا بیان ہے جو برائے عمل ہیں کیونکہ اسباب محض اسباب ہوتے ہیں، مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہیں، پس جس طرح کھانے پینے سے شکم سیری اور سیرابی حاصل نہیں ہوتی بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ شکم سیر اور سیراب کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، مگر شکم سیری اور سیرابی کے لئے اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں کیونکہ وہ برائے عمل ہیں۔

② اللہ تعالیٰ رزاق ہیں، قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے، مگر یہ عقیدہ ہے، برائے عمل یہ بات نہیں ہے، عمل کے لئے وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے روزی کے لئے پیدا کئے ہیں، چنانچہ ہر شخص روزی کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہتا ہے وہ بے وقوف ہے، یہاں بھی مسئلہ کی دو جانبیں ہیں: ایک اللہ کی جانب ہے اور وہ صرف عقیدہ ہے۔ اور دوسری: عمل کی جانب ہے اور وہ اسباب کو اختیار کرنا ہے۔

اسی طرح تقدیر کے مسئلہ کی بھی دو جانبیں ہیں۔ ایک اللہ کی جانب ہے کہ سب کچھ ازل سے طے شدہ ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ جانتے بھی ہیں، مگر یہ صرف عقیدہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت ہے اور دوسری بندوں کی جانب ہے، جو عمل کی جانب ہے یعنی ہم کو یہ حکم ہے کہ اپنے اختیار تمیزی سے اچھے کام کریں تاکہ اچھے انجام سے ہم کنار ہوں۔ کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں ہر چیز کا سبب ہے جس سے مسببات وجود میں آتے ہیں اور تقدیر الہی میں صرف مسببات نہیں بلکہ اسباب بھی ہیں اور کائنات کو برتنے کی حد تک ہر شخص اس کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہے، پس کیوں نہ ایمان و اعمال صالحہ اور کفر اور اعمال سیئہ میں بھی یہ بات تسلیم کر لی جائے؟ یعنی جو جنت میں جائے گا وہ اس کے اسباب کی وجہ سے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ بھی اس کے اسباب کی وجہ سے جائے گا اور تقدیر الہی اسباب و مسببات کے مجموعہ کا نام ہے، تقدیر میں صرف مسببات ہی نہیں ہیں، اسباب بھی ہیں اور اسباب اختیار کرنا یہ عمل کی جانب ہے اور اسی اعتبار سے تقدیر معلق ہے، امید ہے کہ اس سے مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی، مزید تفصیل احادیث کی شرح میں آئے گی۔

حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اللہ عزوجل کی صفت ابداع سے عالم بغیر کسی شے آخر کے معرض وجود میں آیا، پھر صفت تخلیق سے باقی خلقت اور مولید ثلاثہ یعنی حیوانات بشمول انسان کے، نباتات اور معدنیات معرض وجود میں آئے کہ یہ ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں اور صفت تدبیر سے ان امور کا انتظام و انصرام جاری و ساری ہے جو آج تک محار العقول بنا ہوا ہے۔ بہر حال کائنات اور مخلوق کی تخلیق سے قبل عالم کا جو علم یا اس کا نقشہ ہے کہ کیا چیزیں پیدا ہوں گی؟ اور کب اور کیسے پیدا ہوں گی؟ پھر ان معلوم کو لوح محفوظ میں لفظ بلفظ درج کیا گیا ہے اس کا نام ہے ازلی فیصلے اور تقدیر ہے۔ لفظ قضاء بھی اس کے ہم معنی ہے جبکہ بعض حضرات نے اجمالی حکم ازلی کو قضاء اور اس کی تفصیل و جزئیات کو تقدیر سے تعبیر کیا ہے، بعض نے اس کے برعکس تعبیر کو اختیار ہے۔ علم بالمعدوم تو جائز ہے مگر اس کے باوجود اس مسئلہ میں عقول حیران ہیں اور صحیح صورت حال سمجھنے سے قاصر ہیں اس لئے بڑے بڑے ارباب عقل کے قدم یہاں آکر پھسل جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الْخَوْضِ فِي الْقَدَرِ

باب ۱: تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثہ اور گفتگو کرنے کی (ممانعت کی) شدت کے بارے میں ہے

(۲۰۵۹) خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَعَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْهُهُ حَتَّى كَأَمْنَا فُتًى فِي وَجَنَّتِيهِ الرُّمَانُ فَقَالَ أَهَذَا أَمْرُتُمْ أَمْ هَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي

هَذَا الْأَمْرُ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ إِلَّا تَتَنَازَعُوا فِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے ہم اس وقت تقدیر کے موضوع پر بحث کر رہے تھے نبی اکرم ﷺ غصہ میں آگئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا یوں جیسے انار کے دانوں کا عرق نچوڑ دیا گیا ہو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ یا اس لیے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے؟ تم سے پہلے کے لوگ اس وقت ہلاکت کا شکار ہوئے جب انہوں نے اس معاملے میں اختلاف کیا میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں آئندہ اس بارے میں بحث نہ کرنا۔

تشریح: تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثہ سے اجتناب کیا جائے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں تقدیر کے مسئلے پر بحث کر رہے تھے، بعض صحابہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ جب سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو پھر ثواب و عذاب کا ترتیب کیوں ہوتا ہے اور کچھ حضرات یہ کہہ رہے تھے کہ اس میں اللہ کی کیا مصلحت و حکمت ہے کہ بعض انسانوں کو جنت کے لئے پیدا کیا اور بعض انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے، کچھ صحابہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ اس لئے ہے کہ انسانوں کو ہر قسم کا عمل کرنے کا اختیار دے دیا ہے، کچھ نے کہا کہ یہ اختیار کس نے دیا، اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، صحابہ کو ان باتوں میں مشغول پانے کی وجہ سے آپ کا چہرہ انور غیظ و غضب کی وجہ سے سرخ ہو گیا، یوں گویا کہ آپ کے رخساروں پر انار نچوڑا گیا ہے، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا دیا گیا کہ مسئلہ تقدیر اللہ کا ایک راز ہے جو کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا، اس میں عقل کی بنیاد پر بحث و مباحثہ کرنا درحقیقت نگرانی کا راستہ اختیار کرنا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا کہ تمہیں تقدیر کے بارے میں بتاؤں اور تم اس میں الجھتے رہو۔ میری بعثت کا صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچاؤں اور دین و شریعت کے فرائض و اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں، تم لوگ تقدیر کے مسئلے میں مت پڑو، اس کے بارے میں تمہارا اتنا ہی اعتقاد کافی ہے کہ یہ خدا کا ایک راز ہے جس کی حقیقت و مصلحت وہی جانتا ہے لہذا اس کو اس کی مرضی پر ہی چھوڑ دو۔

قاضی محمد مبارک رحمہ اللہ نے اللہ کے علم ازلی کے بارے میں تمام مذاہب نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ”تفکر فی هذا المقام فانه من مزالة الاقدام“۔ اس لئے اس مسئلے میں ازروئے عقل بحث کرنا ممنوع بھی ہے اور خطرناک بھی، تجربہ شاہد ہے کہ جس نے اس کی تہہ تک جانے کی کوشش کی ہے وہ غرق و ہلاک ہوا ہے، کوئی قدری بن گیا یعنی منکر تقدیر اور کوئی جبری بن گیا ہے جو انسان کو پتھر کی طرح ماننے لگا ہے حالانکہ تحقیق ان دونوں کے درمیان ہے کہ انسان کا سب ہے مگر خالق نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شرح عقائد اور نبراس وغیرہ۔ (کذا فی مرقات الفاتح ص: 256، ج: 1)

حاشیہ کوکب الدرری پر مرقات کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا ”طریق مظلّم الاتسلکھ“ یعنی تاریک راستہ ہے تم اس پر نہیں جاسکتے، اس نے پھر سوال کیا تو فرمایا: ”بحر عمیق لا تلجھ“ یعنی گہرا سمندر ہے تم اس میں غوطہ زن نہیں ہو سکتے ہو، اس نے پھر سوال کیا تو فرمایا:

”سر الله خفي عليك فلا تفتشه“ (ایضاً راجع للروایات مجمع الزوائد: ص: 292)

یعنی اللہ کا پوشیدہ راز ہے اس کی تفتیش حال مت کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ جو اللہ کے راز کو افشاء کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ

رسوا کر دیا جاتا ہے۔

حجتہ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت والجماعت کی تعریف یہ کی ہے جو ظاہر کتاب وسنت کو تھامے رکھے اگرچہ وہ عقل کے دائرہ کار سے باہر ہو یعنی ایسی نصوص جن میں عقل حیران رہ جاتی ہو ان پر کسی تاویل کے بغیر ایمان لاتے ہوں۔

اختار قوم ظاہر الكتاب والسنة وعضوا بنوا جذهم على عقائد السلف ولم يبالوا بموافقها
للاصول العقلية ولا لمخالفتها لها... وهم اهل السنة. (مقدمہ حجة اللہ البالغہ)

یعنی اگرچہ شریعت کی کوئی چیز عقل کے منافی نہیں لیکن ایسا ممکن ہے کہ کوئی مسئلہ کسی کی عقل سے بالاتر ہو ایسے میں صحیح اور صریح نص کے اندر کسی قسم کی تاویل جائز نہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ محال عقل تو نہیں لیکن محال عقل ہے اور میرا اس پر ایمان ہے۔ تقریب الی الفہم کی غرض سے ایک نظیر پیش کی جاتی ہے، اس سے تقدیر کے مسئلہ کو سمجھنے میں کافی حد تک مدد ملے گی۔ جس طرح کوئی فاعل مختار اپنے اختیار سے اور ارادے سے، اور پوری بصیرت اور مہارت کے ساتھ کوئی کام کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کے ذہن میں یعنی علم میں اس کام کا نقشہ ہوتا ہے اور اس کا کام کا فائدہ اور وجہ بھی ملحوظ ہوتی ہے جس کو علت غائی کہتے ہیں، پھر اگر وہ کام بہت بڑا ہو تو اس کا نقشہ بھی تیار کر لیا جاتا ہے جیسے بہت بڑی بلڈنگ بن رہی ہو یا کوئی کارخانہ تعمیر ہو رہا ہو تو انجینئر اس کا ماڈل تیار کرتا ہے اور جب کام شروع ہو جاتا ہے تو اس کی تمام کارروائی اور تفصیلات اس نقشے اور ماڈل کے مطابق نظر آتی ہے، ایسا ہی (بلاشبہ) ازل میں جو فیصلے ہوئے ہیں اور مستقبل کی تمام تفصیلات جو ازل میں لکھی گئی ہیں ان کا نام تقدیر ہے جس سے ذرا بھی آگے پیچھے ہونے کا کوئی امکان نہیں اگرچہ اللہ کو انجینئر کی طرح ماڈل تیار کرنے کی ضرورت نہیں مگر چونکہ اللہ کا ہر کام ضابطے سے ہوتا ہے اس لئے یہ تفصیلات لوح محفوظ پر اتاری گئی ہیں تاکہ اللہ کے لامتناہی علم اور بے انتہا قدرت کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کیا جائے کہ لامتناہی اوقات کا علم ازل میں رکھتا ہے اور ازل ہی سے ایک نظام مقرر کیا اب اس میں کبھی بھی سر موگڑ نہیں ہوتی۔ ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ﴾ کچھ مزید وضاحت ابواب کے ضمن میں آئے گی۔

هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ: اس ہلاکت سے غالباً گمراہی مراد ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے، اس بناء پر آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ گزشتہ امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت آئیں جب انہوں نے مسئلہ تقدیر کو بحث ومباحثہ کا موضوع بنایا۔

لعنات: الخوض فی القدر: تقدیر کے بارے میں بحث ومباحثہ اور گفتگو میں مشغول ہونا۔ نتنازع فی القدر ہم تقدیر کے بارے میں لڑائی جھگڑا یعنی بحث ومباحثہ کر رہے ہیں۔ فقی: نچوڑا گیا۔ وجنتیہ: آپ کے رخسار۔ الرمان: انار۔ عزمتم علیکم: میں تم کو قسم دیتا ہوں۔

”حتی احمر“ غضب کا غایہ ہے اور ”حتی کانما... الخ“ احمر کا غایہ ہے۔ قولہ: ”ابھذ... الخ“ دو استفہام ہیں، دونوں انکاری ہیں اور انکار بعد الانکار ترقی اور مبالغے کے لئے ہے۔ قولہ: ”غرمت“ ای اقسمت و اوجبت، یعنی میں تمہیں قسم دیتا ہوں اور تم پر لازم کر دیتا ہوں۔

باب فی حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام

باب ۲: آدم وموسیٰ علیہما السلام میں ایک مناظرہ

(۲۰۶۰) اَحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰی فَقَالَ مُوْسٰی يَا اٰدَمُ اَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللّٰهُ بِیَدِهِ وَنَفَخَ فِیْكَ مِنْ رُوْحِهِ اَغْوَيْتَ النَّاسَ وَاٰخَرُ جَنَّتْهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ فَقَالَ اٰدَمُ وَاَنْتَ مُوْسٰی الَّذِي اَصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهِ اَتَلُوْا مِنْیْ عَلٰی عَمَلٍ عَمِلْتُهُ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰی قَبْلِ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَالَ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰی.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں حضرت آدم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بحث ہو گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے حضرت آدم علیہ السلام آپ وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت کے ذریعے پیدا کیا آپ میں اپنی روح کو پھونکا اور آپ نے لوگوں کو گمراہ کروادیا اور انہیں جنت سے نکلوا دیا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا آپ وہی موسیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے لیے منتخب کیا کیا آپ ایک ایسے عمل کے بارے میں مجھے ملامت کر رہے ہیں؟ جو میں نے کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہی میرے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں اس طرح حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

تشریح: اوّل: یہ مناظرہ حجاج کیوں واقع ہوا؟

جواب: ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی میں آدم علیہ السلام کی زیارت چاہتا ہوں جنہوں نے ہم سب کو جنت سے نکالا ہے موسیٰ علیہ السلام کی یہ درخواست منظور ہو گئی اور آدم علیہ السلام سے ان کی ملاقات کرا دی گئی۔

اوّل: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں آدم علیہ السلام کو زندہ کیا گیا، اس وقت یہ حجاج ہوا۔

دوم: یہ حجاج کہاں واقع ہوا؟ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

سوم: حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو کھول دیا گیا، قبر پر یہ حجاج ہوا۔

چہارم: حضرت آدم علیہ السلام کی روح سے موسیٰ کی ملاقات کرائی گئی اس وقت یہ حجاج و مناظرہ ہوا۔

پنجم: یہ حجاج خواب میں ہوا۔

ششم: عالم برزخ میں ملاقات ہوئی۔ ہفتم: ابھی حجاج نہیں ہوا بلکہ آخرت میں ہوگا تحقق وقوع کی وجہ سے صیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے۔

ہشتم: ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ضرب المثل ہے یعنی نہ ایسا ہوا اور نہ ہوگا بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ایسی گفتگو ان کے درمیان ہوتی۔

نہم: بعض روایات میں عند اللہ واقع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آخرت میں یہ حجاج ہوگا مگر حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا یہاں عندیت تشریحی ہے

مراد یہ ہے کہ یہ ہو چکا ہے یعنی اللہ کی عنایات و عطوفت میں یہ مناظرہ ہو چکا ہے۔

دہم: عالم ارواح میں ہوا۔

یازدھم: شب معراج میں جب جملہ انبیاء علیہم السلام موجود تھے اس وقت مجاہد ہوا۔

① فحج آدم علیہ السلام مونسى لانہ ابوہ ② یا اس وجہ سے کہ دونوں کی شریعتیں الگ الگ تھیں ③ لانہ اقدم و اکبر ④ یا ملاقات ایسے وقت ہوئی کہ اب تو تکلیف نہیں رہی ⑤ یا ملاقات ایسے وقت میں ہے جب تکلیف مرتفع ہوگئی یا ملامت ایسے گناہ پر کی جس سے وہ توبہ کر چکے اس وہ سے کہ تقدیر الہی میں پہلے سے مکتوب تھا وہ غالب آکر رہا۔

وفي الباب عن ابن عمر رضي الله عنهما اخرجہ ابو داؤد و ابو عوانہ و عن جندب رضي الله عنه اخرجہ النسائي.

هذا حديث حسن غريب اخرجہ الشيخان وغيرهما

یہ روایت مختصر اور مطول کتب احادیث میں موجود ہے و قدر وہ بعض اصحاب عیش... الخ اس کا حاصل یہ کہ اعمش کے شاگردوں نے اس روایت کو جس طرح مسانید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے اسی طرح بعض نے مسانید ابی سعید رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے مگر اکثر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش میں دو پہلو ہیں:

ایک پہلو: جس کا تعلق خاص حضرت آدم علیہ السلام کی ذات سے ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک آپ نے شجرہ ممنوعہ نہیں کھایا تھا جنت کی سب نعمتیں حاصل تھیں، اس وقت آپ کی حالت فرشتوں جیسی تھی، کوئی کلفت پیش نہیں آتی تھی، پھر جب آپ نے درخت کھالیا تو صورت حال بدل گئی، اس پہلو سے درخت کا کھانا ایک ایسا گناہ تھا جس سے استغفار ضروری تھا، چنانچہ آپ نے استغفار کیا جو بارگاہ خداوندی میں قبول ہوا۔

دوسرا پہلو: وہ ہے جس کا تعلق نظام عالم سے ہے جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی فرشتوں سے کر دیا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق آدم کی غرض نوع انسانی کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا ہے اور ایک ایسی مخلوق وجود میں لانا ہے جس میں خیر و شر کی صلاحیتیں جمع ہوں، جن کو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا جائے، اس پہلو سے حضرت آدم علیہ السلام کا شجرہ ممنوعہ کھانا اللہ کی مراد کے مطابق اور اس کی حکمت کے موافق تھا۔

اور جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو یہ دوسرا پہلو ان سے مخفی تھا، پہلا ہی پہلو پیش نظر تھا اس لئے آپ پر عتاب نازل ہوا اور آپ نے استغفار کیا، جس کا مداوا کیا گیا، پھر جب وفات کے بعد آپ بارگاہ خداوندی میں منتقل ہوئے تو واقعہ کا یہ دوسرا پہلو واضح ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واقعہ کے پہلے پہلو سے اعتراض کیا تھا مگر جب ان کے سامنے معاملہ کا یہ دوسرا پہلو آیا تو وہ خاموش ہو گئے اور بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ حتیٰ کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل کتاب ”مفتاح دار السعادة“ لکھ کر موقف اختیار کیا ہے کہ انسان کو جنت کے عوض نعم البدل ”علم و ارادہ“ یعنی کسب و عمل دیا گیا ہے۔

والمقصود ان الله سبحانه و تعالى لها اقتضت حكمته و رحمة اخراج آدم و ذريته من الجنة

اعاضهم افضل منها... الخ. (ص ۲۸، دار الكتب العلمية). والله اعلم و عليه اتم.

فائدہ: ابواب القدر کی تمہید میں میں نے یہ بات عرض کی ہے کہ بندوں کو تقدیر کا معاملہ اپنی جانب سے دیکھنا چاہئے یعنی اپنے اختیار

اور اسباب اور مسببات کے دائرہ میں سوچنا چاہئے، تقدیر الہی کی جانب سے نہیں دیکھنا چاہئے، ہاں جب معاملات کھل جائیں تو جس طرح چاہیں سوچیں، حضرت آدم علیہ السلام نے بھی جب ان سے لغزش ہوئی تھی تو معاملہ کو اسی طرح سوچا تھا اور توبہ کی تھی کیونکہ بندے کی بندگی کے لائق یہی طریقہ ہے، پھر جب معاملہ کلیر ہو گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے دوسرے انداز سے گفتگو کی۔ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ تقدیر پر تکیہ نہیں کرنا چاہئے، معاملات کو اسباب کے دائرہ میں لانا چاہئے اور اچھائی کے اسباب اختیار کرنے چاہئیں اور برائی کے اسباب سے بچنا چاہئے، پھر جب معاملہ ایک طرف ہو جائے تو تقدیر پر اعتماد کرنا چاہئے، مثلاً کسی کا لاڈلا بچہ بیمار پڑے تو وہ ہر طرح سے علاج معالجہ کرائے، تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے، مگر جب بچہ فوت ہو جائے تو رضا بہ قضاء کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے، اب آدمی کو یہ سوچنا چاہئے کہ جو مقدر تھا وہ ہوا اور اسی میں میرے لئے خیر تھی، یہ تقدیر پر ایمان کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

لعنات: قولہ ”احتجاج“ احتجاج کے معنی جھگڑنے والا اور استدلال کے ہیں۔ قولہ ”بیدہ“ تشابہات میں سے ہے جس پر پہلے بحث گزری ہے، متاخرین اس کا ترجمہ قدرت سے کرتے ہیں۔ قولہ ”من روحہ“ ”من“ ابتدائیہ ہے اور روح کی اضافت برائے تشریف و تعظیم ہے جیسے بیت اللہ، یعنی اللہ نے اپنی طرف سے ایک پاک روح آپ کے اندر ڈالی۔ قولہ ”اغویت“ اغواء سخت گمراہ کرنے کو کہتے ہیں یعنی مراد سے بہت دور لے جانا ہے یعنی جنت سے دنیا تک۔ قولہ ”اصطفاک“ ای اختارک، تجھے منتخب کیا ہے اور چن لیا ہے۔

نوٹ: اور مصری نسخہ میں ترجمہ بھی ہے جو بڑھایا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّقَاءِ وَالسَّعَادَةِ

باب ۳: بد بختی اور خوش بختی کے بارے میں

(۲۰۶۱) عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتَ مَا يَعْمَلُ فِيهِ أَمْرٌ مُبْتَدَعٌ أَوْ مُبْتَدَأٌ أَوْ فِيهِمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ قَالَ فِيهِمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ يَأْتِيَنِ الْخُطَابُ وَكُلُّ مُبْتَدَأٍ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلْسَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَأَنَسٍ وَعُمَرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ.

ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم جو عمل کرتے ہیں کیا یہ نیا امر ہے؟ یا عرض کیا کہ نیا شروع ہوا ہے یا یہ پہلے سے تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کی جا چکی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے سے لکھا ہوا ہے اور اس سے فراغت ہو چکی ہے۔ اے خطاب کے بیٹے! ہر شخص پر وہ چیز آسان کر دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ لہذا جو نیک بخت لوگ ہیں وہ نیک بختی کے عمل (اعمال صالح) کرتے ہیں اور جو بد بخت ہیں وہ اسی کے لئے عمل کرتے ہیں۔ اس باب میں علی، خدیفہ بن اسید، انس اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۶۰۶۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يَنْكُثُ فِي الْأَرْضِ إِذْ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ عَلِمَ قَالَ وَكَيْفَ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا أَفَلَا نَتَّكِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا اْعْمَلُوا فِكْلًا مُيَسِّرًا لِمَا خُلِقَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ زمین کرید رہے تھے (جیسے کوئی تفکر کی حالت میں کرتا ہے) اچانک آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس کے متعلق متعین نہ ہو چکا ہو کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔ وکیع کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے لئے جنت یا دوزخ میں اس کی جگہ لکھی نہ جا چکی ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم (تقدیر کے لکھے پہ) بھروسہ کر لیں آپ ﷺ نے فرمایا عمل کرو ہر ایک جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پر وہ (کام) آسان کر دیا گیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ازل میں انسان نہیں تھا مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کو انسان کی رگ رگ اور اول تا مرگ تمام بیرونی و اندرونی کیفیات، اعمال اور ارادوں کا علم تھا۔ اسی بناء پر انسان اپنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے وہ پہلے سے اللہ کو معلوم اور لوح محفوظ میں مکتوب و موجود ہوتا ہے اور چونکہ تقدیر انسانی مزاج اور چاہتوں کے مطابق ہے اور ہر شخص اپنے مزاج کا کام شوق سے اور آسانی سے کرتا ہے اس لئے یہ اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے انسان کے لئے آسان ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی ازلا علم الہی میں چور تھا تو اس کے لئے چوری لکھی گئی ہے اور آج اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ کام بڑی خوشی سے کرتا ہے اور پھر اس سے کوئی جبر بھی لازم نہیں آتا کیونکہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے اور پھر پانی چھوڑ دے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پانی اس لئے نیچے کی طرف جا رہا ہے کہ فلاں آدمی نے پہلے معلوم کیا تھا یا پیش گوئی کی تھی۔

”ینکت“ وہ کرید رہے تھے، ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنت البقیع میں جنازہ کے وقت پیش آیا تھا، قبر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی تو آپ ﷺ کے ارد گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے، آپ ﷺ ایک لکڑی سے زمین کو کرید رہے تھے چونکہ یہ عمل عموماً سوچ و بچار کے دوران ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا تعلق اس وقت عالم بالا کے ساتھ تھا اس لئے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر مذکورہ ارشاد فرمایا۔

علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال و استیذان کا منشا یہ تھا کہ کیوں نہ ہم تقدیر پر بھروسہ کر دیں کیونکہ ہوگا تو وہی جو تقدیر میں ہے ہم خواہ کچھ بھی کریں لیکن تقدیر کو تبدیل نہیں کر سکتے ہیں اور جواب کا مطلب یہ ہوگا کہ تم قانون شریعت میں دخل اندازی مت کرو تمہیں عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا لہذا تم عمل کرو۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مطلب یہ تھا کہ جنت یا دوزخ میں جانے کے لئے دو موثر ہیں ایک عمل، یہ ظاہری موثر ہے اور دوم اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارادہ یہ اصل اور حقیقی موثر ہے تو ہم بجائے ظاہری موثر کے حقیقی پر کیوں بھروسہ اور تکیہ نہ کریں؟ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ دنیا دار اسباب ہے اور ظاہری اسباب حقیقی موثر کے ساتھ مربوط ہیں لہذا عمل کرتے رہنا کیونکہ اچھے اعمال نیک بختی کی علامات ہیں اور برے اعمال بد بختی کی نشانیاں ہیں اس لئے برے اعمال سے بچنا چاہئے اور نیک اعمال چھوڑنا چاہئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کی مشقت کا سہارا لیتے ہوئے عرض کیا کہ ہم تقدیر پر بھروسہ کر لیں

گے تو آسانی ہو جائے گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیک بختوں کے لئے کیا مشکل ہے ان کے لئے تو اعمال آسان بنا دیئے جاتے ہیں جیسا کہ بزرگوں کے احوال سے نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”قرۃ عینی فی الصلوٰۃ“ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی کے دو ٹھکانے ہوتے ہیں اگر وہ جنت میں جائے تو دوزخ والی رہائش خالی رہتی ہے اور دوزخ میں جانے سے جنت والی خالی رہتی ہے۔ حاصل حدیث یہ ہے کہ اگرچہ سب کچھ تقدیر میں تو ہے مگر توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ تم تقدیر پر تکیہ یوں کرو کہ خلوص نیت کے ساتھ عمل کر کے تقدیر اور قضاء پر راضی رہو۔

لعنات: ”مبتدع او مبتدأ“ لفظ ”او“ راوی کے شک کے لئے ہے کہ اصل لفظ مبتدع ہے یا مبتدأ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے یعنی جو کام ہم کرتے ہیں وہ اسی وقت وجود پذیر ہوتا ہے؟ قوله ”قد فرغ منه“ یعنی اس کا ریکارڈ اور قبل العمل کوئی دوسرا وجود بھی ہوتا ہے۔ قوله ”میسر“ اسم مفعول کا صیغہ ہے، آسانی و سہولت دیا ہوا شخص یعنی ہر آدمی کو تقدیر کے مطابق عمل کی آسانی دی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالْخَوَاتِيمِ

باب ۴: اُخروی انجام آخری اعمال کے مطابق ہوگا

(۲۰۶۳) إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُونُ عِلْقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ وَيُؤَمَّرُ بِأَرْبَعِ يَكُتُبُ رِزْقَهُ وَآجَلَهُ وَعَمَلَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ فَأَوَّلُ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ ثُمَّ يُسَبِّقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ ثُمَّ يُسَبِّقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ حدیث سنائی ہے آپ سچے ہیں اور آپ کی تصدیق کی گئی ہے ہر شخص کا مادہ تخلیق اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک رہتا ہے (نطفے کی شکل میں) ہوتا ہے پھر اتنے ہی عرصے تک جمے ہوئے خون کی شکل میں ہوتا ہے پھر اتنے ہی عرصے گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اسے چار چیزوں کا حکم دیا جاتا ہے وہ فرشتہ اس شخص کا رزق اس کی موت اس کا عمل اور اس کا بد بخت ہونا خوش بخت ہونا لکھتا ہے اس ذات کی قسم جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے کوئی شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن پھر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور اس کا خاتمہ اہل جہنم کے سے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی شخص اہل جہنم کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا لکھا اس پر غالب آتا ہے اور اس کا خاتمہ اہل جنت کے سے عمل پر ہوتا ہے اور وہ اس (جنت) میں داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح: ”وہو الصادق المصدوق“ جملہ معترضہ ہے، صادق کے معنی تو ظاہر ہیں آپ ﷺ کی صداقت ان صفات میں سے ایک ہے جن کے حوالے سے آپ ﷺ قبل النبوت بھی مشہور ہو چکے تھے۔ ”مصدق“ کا ایک مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سچائی تسلیم کی گئی ہے حتیٰ کہ ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں اس کا برملا اقرار کیا حالانکہ اس وقت ان کی حضور ﷺ سے عداوت و مخالفت چل رہی تھی اور خود ابوسفیان فرماتے ہیں کہ اگر ساتھیوں کا ڈر نہ ہوتا کہ یہ بعد میں میری طرف غلط نسبت مشہور کر دیں گے تو میں آپ ﷺ کے خلاف بولتا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے سچ ہی کہا گیا ہے کیونکہ وہ نبی ہیں اور نبی تو وحی سے بات کرتا ہے جو سراسر درست اور سو فیصد صحیح اور سچ ہی سچ پر مبنی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے بیان کے وقت ایک منفرد انداز کلام اختیار کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی تخلیق تین اندھیروں میں ہوتی ہے، جس کا مشاہدہ خالی آنکھ سے ممکن نہیں مگر آپ ﷺ چونکہ نبی ہیں اس لئے وہ ہی ایسے معاملات کی خبر دے سکتے ہیں، لہذا اس کے ماننے میں تردد کی گنجائش نہیں۔

احادیث میں اربعینیات کے الفاظ اور تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر اس کو تعارض نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ اختلاف نطفے کی استعداد کے اختلاف پر مبنی ہے جیسا کہ اوپر لغات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ تبدیلی اکثر داغلی ہے اور شریعت کے احکام چونکہ اغلب حالات پر وارد ہوتے ہیں اس لئے حدیث میں اربعینات ثلاثہ کا ذکر بکثرت آیا ہے اگرچہ اس مدت میں کی بیشی متوقع ہے چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے شرح الخمسین میں یہ عمل دوسرے اربعین کے اول میں ہونے کے بارے میں بھی روایت نقل کی ہے: ”ففی صحیح مسلم... بھر حال ضابطے کے تحت فقہاء نے چار مہینے جو کہ تین اربعینات ہیں، سانس لینے کی حد مقرر کی ہیں۔

اگرچہ کچھ نہ کچھ حیات تو نطفے میں بھی ہوتی ہے مگر یہاں بنے ہوئے انسان کی بات ہو رہی ہے اس حوالے سے ایک سو بیس دنوں میں پورا ڈھانچہ تیار ہو کر سانس لیتا ہے، اسی دوران ایک فرشتہ جو ارحام پر مقرر ہے اور اللہ کی جانب سے مامور ہوتا ہے آکر اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کی زندگی کا ریکارڈ بنا کر فائل میں درج کرتا ہے، ابن العربی رحمہ اللہ نے عارضہ میں یہ موقف اختیار فرمایا کہ ”ویومہ رابع“ میں حکمت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے اوامر پر تنبیخ کا پردہ آسکتا ہے جبکہ اخبار میں نسخ ممکن نہیں گویا رحم مادر میں جو تقدیر ہوتی ہے اس میں تبدیلی ممکن ہے البتہ لوح محفوظ میں تغیر کا امکان نہیں، یہ مسئلہ تقدیر مطلق و مہرم کی طرف راجع ہو جاتا ہے۔

الرابعة قوله: ”ویومر“ هذه الفائدة العظيمة..... واما فی الخبر فلا یكون ذالك ابداً..... و هو تاویل قوله ”یمحو اللہ ما یشاء ویثبت“ ① (عارضۃ الاحوذی) اس عبارت سے بہت ساری روایات میں تطبیق آسان ہو جاتی ہے۔ فائدہ: وہ لکھتے ہیں کہ لوگوں کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ جو عمر بھر مومن رہے۔ دوم اس کے برعکس جو زندگی بھر کافر رہے۔ سوم جو پہلے مومن ہو اور موت کے قریب کافر ہو جائے اور چہارم اس کے برعکس جو پہلے کافر ہو اور موت کے قریب مومن بن جائے۔ اس حدیث میں آخری دونوں قسموں کا بیان ہے۔

محشی نے ملا قاری رحمہ اللہ کی مرقات ② سے ایک جامع عبارت نقل کی ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے عجب اور کبر وغیرہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اور گناہوں کی بناء پر مایوس نہیں ہونا چاہئے، نہ کسی بظاہر نیک آدمی پر جنتی کا حکم

لگایا جائے اور نہ ہی کسی گناہگار کو دوزخی قرار دینا چاہئے کہ اعتبار تو خاتمہ کو ہے نہ معلوم کون آخر میں کیسے رہتا ہے؟ غرض بین الخوف والرجاء رہنے کی پابندی کرے۔

اشکال: یہ تو بڑا مشکل معاملہ ہے کہ انسان کی ساری زندگی عبادت اور اللہ کی اطاعت میں گزر جائے اور جب موت قریب ہو جائے تو سب نیکیاں نیست و نابود ہو جائیں اور آدمی بد (کفر) کی وجہ سے دوزخ میں چلا جائے؟

حل: یہ بد انجامی صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اپنے اعمال میں مخلص نہیں ہوتے ہیں ان کے اعمال اگرچہ ظاہری شکل میں بہت اچھے اور زیادہ محسوس ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ جان سے خالی ہوتے ہیں وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خود دھوکے میں ہوتے ہیں۔ ﴿وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ ﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا...﴾ (البقرہ: ۱۰۹) گویا موت کے وقت ان کی دو موت آجاتی ہیں ایک جسمانی اور دوسری روحانی۔

اس کے برعکس جو لوگ مخلص اور قضاء پر راضی ہو کر عمل میں مگن رہتے ہیں وہ اللہ کے فضل و کرم سے سوء خاتمہ سے محفوظ ہوتے ہیں تاہم یہاں یہ سوال بھی باقی رہتا ہے کہ خلوص کی حد کیا ہے؟ اس کے جواب میں ابن قیمؒ مفتاح دار السعادة میں لکھتے ہیں:

ان خواص الامة ولبابها.... فلو خير بين ان يلقى في النار و بين ان يختار ديناً غيره لا اختار ان يقذف في النار..... وهم لم بعد الناس عن الارتداد عنه و احقهم بالثبات عليه الى يوم القاء الله... الخ (ص: ۳۲۱)

یعنی اگر کسی کا ایمان اس حد تک پختہ ہے کہ وہ ایمان کو جان و مال اور اعضاء و ابدان ہر چیز سے عزیز و لذیذ سمجھتا ہے تو وہ خاتمہ بالسوء سے محفوظ ہے اب ہر آدمی خود ہی فیصلہ کرے کہ اس کا ایمان اس کے نزدیک کتنا قیمتی ہے؟

سند کی بحث: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اس کی دوسری سند میں ایک راوی ہیں: یحییٰ بن سعید قطان، ان کے بارے میں امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھوں نے یحییٰ جیسا آدمی نہیں دیکھا..... صادق کے معنی ہیں: سچ کہنے والا اور مصدوق کے دو معنی ہیں: ایک تصدیق کیا ہوا، یعنی لوگوں نے جن کی تصدیق کی ہو دوسرے جن کو سچی باتیں بتائی گئیں، صدق کے یہ معنی بھی آتے ہیں یعنی آپ ﷺ کے پاس جو وحی آتی ہے وہ سچی ہوتی ہے، شیطانی نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ كُلَّ مَوْلُودٍ عَلَى الْفِطْرَةِ

باب ۵: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے

(۲۰۶۳) كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يَهُودًا نَحْنُ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُسَلِّمَانِهِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَمَنْ هَلَكَ قَبْلَ ذَلِكَ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمَ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ بِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ہر پیدا ہونے والا بچہ ملت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی عیسائی یا مشرک بنا دیتے ہیں عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ جو اس سے پہلے فوت ہو جائے

آپ ﷺ نے فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے انہوں نے کیا عمل کرنا تھا۔

لغات: ”ملت“ صحیحین (صحیح مسلم ص: 336، ج: 2 کتاب القدر) کی روایت میں لفظ ”فطرت“ آیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کی روایت بالمعنی ہے۔

قولہ ”یہودانہ“ الخ یہ تینوں صیغے مضارع کے ہیں اور باب تفعیل سے ہیں یعنی وہ بچے ماں باپ کی تعلیم اور اثر ماحول کی وجہ سے بے دین کر دیئے جاتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں تین باتیں ہیں:

① جیسا کہ فطرت کے لغوی معنی معلوم ہوا کہ یہ انسانی تخلیق کی ابتداء کی طرف اشارہ ہے تو وہ کون سی ابتداء ہے۔

② یہ کہ انسانی بچے کی یہ حالت کس نوعیت کی مراد ہے؟ آیا اس سے مراد اسلام ہے یا استعداد وغیرہ۔

③ یہ ہے کہ کافروں کے نابالغ بچے کہاں ہوں گے؟

① پہلی بات: قول اول متعلق ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ یہ اس کتابت کی طرف اشارہ ہے جب اللہ عزوجل نے قلم پیدا فرمایا تھا، یا پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو ذر کی شکل میں فطرت سے کیا مراد ہے: الفطرۃ اس سے مراد اسلام ہے بہ قال احمد وابن عبد البر ولزہری وابن القیم وابن کثیر والطیبی والقاری، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ دلائل پیش کئے ہیں۔

اول: آیت شریفہ ﴿فَطَرَتِ اللّٰهُ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا﴾ (الروم: ۳۰) میں بالاتفاق فطرۃ سے اسلام مراد ہے کیونکہ آیت یہ آیت استشہاد بن سکتی ہے۔

دوم: ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ اللہ نے فرمایا میں نے تمام بندوں کو خفاء پیدا کیا شیطان نے ان کو گمراہ کر دیا۔

سوم: ایک روایت میں خفاء کے ساتھ مسلمین کا لفظ بھی وارد ہوتا ہے۔

چہارم: امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حماد بن سلمہ سے نقل کیا ہے کہ فطرۃ سے مراد عہد الست ہے اور وہاں سب نے الوہیت کا اقرار کیا تھا معلوم ہوا کہ سب مسلمان تھے۔

دوسرا قول: قبولیت اسلام کی صلاحیت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی استعداد بہ قال المنظہری والتورپشتی رحمہ اللہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے اسلام مراد نہیں ہو سکتا اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول: جو بچہ بڑا ہو کر یا یہود ہو گیا تو لازم آئے گا کہ وہ پہلے مسلمان تھا اب وہ بدل گیا اور یہ آیت ﴿لَا تَبْدِیْ لَیْلَیْ خَلَقَ اللّٰهُ﴾ (الروم: ۳۰) کے خلاف ہے۔

دوم: بخاری میں ہے کہ جس بچہ کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ کافر تھا پھر وہ اسلام پر پیدا نہ ہوا۔

سوم: جو لوگ بچپن میں ایمان لائے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ ان کو اسلام کی کیا ضرورت وہ تو مسلمان ہی پیدا ہوئے تھے۔

چہارم: اگر یہودی وغیرہ کا بچہ مر جائے تو اس کے والدین اس کے وارث نہ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ بچہ مسلمان ہے اور مسلمان کا وارث غیر مسلم نہیں ہوتا۔

تیسرا قول: مولانا انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فطرۃ مقدمات اسلام میں سے ہے نہ عین اسلام بلکہ فطرۃ انسان میں اسلامی مادہ کا نام ہے جو کفر پر برا بیختگی سے خالی ہو جاتا ہے۔ ہی عبارت عن خلو مادته اللتی تحشہ علی الکفر۔ معلوم ہوا کہ ہر بچہ کی اصل خلقت و مادہ میں کفر کو کوئی جز نہیں اگر موانع پیش نہ آئیں تو وہ اقرب الی الایمان ہے۔

چوتھا قول: بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد عقل سلیم اور فہم مستقیم ہے۔

پانچواں قول: اس سے مراد قول ہے جو عہد الست میں ہر انسان نے کہا تھا۔

چھٹا قول: شاہ اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خاص ادراک و علم مراد ہے جس سے حق تعالیٰ اور اس کی اطاعت کی شناخت ہو جس طرح حیوانات کی ہر نوع کو خاص خاص قسم کا علم و ادراک دیا گیا ہے مثلاً کبوتر کو یہ علم خاص دیا گیا ہے کہ کس طرح وہ اپنا آشیانہ بنائے اور کس طرح بچہ کو دانہ کھلائے کس طرح اڑائے وغیرہ وغیرہ۔

ساتواں قول: ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ہر بچہ سادہ پیدا ہوتا ہے مگر یہ قول صحیح نہیں۔

آٹھواں قول: عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے مراد انجام سعادت و شقاوت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر مولود کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ سعید ہے یا بد بخت ہے۔

اعتراف: یہاں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ فطرت سے خواہ کوئی بھی معنی لئے جائیں لیکن مذکورہ بالا آیت میں تصریح ہے کہ ﴿لَا تَبْدِيلَ لِمََّا يَخْلُقُ اللّٰهُ﴾ (الروم: ۳۰) جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے بھی بگڑ جاتے ہیں بلکہ ان کی غالب اکثریت اسلام سے دور بھاگتی ہے۔ **جواب:** اس کا حل یہ ہے اور یہ حل ان لوگوں کی طرف سے زیادہ آسان اور بے غبار ہے جو فطرت بمعنی استعداد لیتے ہیں کہ وہ صلاحیت تبدیل نہیں ہوتی ہے بلکہ ماں باپ اور ماحول اس کو دبا لیتے ہیں، یا یوں کہنا چاہئے کہ اس کو دوسری جانب موڑ لیتے ہیں جیسے کبھی پودے کو انتہائی ٹھنڈے یا انتہائی گرم کمرے میں رکھ دیا جائے تو وہ بڑھ نہیں سکے گا اور جو شخص اس کو بجائے بلندی کے دائیں بائیں موڑ گا تو وہ اپنا راستہ تبدیل کر دے گا اسی طرح ایک ذہین بچے کو مہمل چھوڑ دیا جائے تو وہ بڑا آدمی نہیں بن سکتا حالانکہ ان تمام صورتوں میں اصل صلاحیت موجود ہوتی ہے مگر بے اثر ہو جاتی ہے آج بھی اگر سب کفار خواہ صغار ہوں یا کبار اگر تعصب کی عینک اتار دیں تو چند دنوں میں ساری دنیا میں ایک خدا اور دین اسلام کے ماننے والوں کے سوا کوئی بھی نہیں بچے گا۔

دوسری بات: غیر مسلموں کے نابالغ بچوں کے بارے میں کوئی واضح حکم ثابت نہیں بلکہ مختلف موقعوں میں ایک دوسرے سے جداگانہ ارشادات وارد ہوئے ہیں، اس لئے بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ بعض نے ان کو ماں باپ کی وجہ سے جہنمی قرار دیا ہے بعض نے کہا ہوں گے تو جنت میں مگر بعض نے کہا کہ اللہ کے علم میں جو بڑا ہو کر ایمان لاتا اور اسی پر مرنے والا وہ جنت میں جائے گا اس کے برعکس اگر وہ کافر بن کر مرنے والا وہ دوزخ میں ہوگا۔

وقال ابن الحجر رحمہ اللہ هذا قبل ان ينزل فيهم شئى فلا ينافى ان الاصح انهم من اهل الجنة.

(حاشیہ مشکوٰۃ ص: ۱۲۱، مرقاۃ)

یعنی اخیراً حکم یہی ٹھہرا ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے، امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: ”الاصح انہ من اهل الجنة

والجواب عن حدیث: اللہ اعلم بما كانوا عاملين انه ليس فيه تصريح بانهم في النار... الخ“۔ (ص: ۳۳۷ ج: ۲)

بَاب مَا جَاءَ لَا يَزِيدُ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ

باب ۶: تقدیر کو دعا ہی پھیر سکتی ہے

(۲۰۶۵) لَا يَزِيدُ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الدُّعَاءُ.

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تقدیر کو صرف دعا بدل سکتی ہے اور صرف نیکی ہی عمر میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔

تشریح: سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں بدل سکتی تقدیر کو مگر دعا اور نہیں زیادتی کرتی ہے عمر میں مگر نیکی۔ کیا دعا وغیرہ سے تقدیر بدلتی ہے؟

لا يَزِيدُ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ: قضاء سے مراد امر مقدر ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے وقوع کے بارے میں بندہ خوف رکھتا ہے کہ شاید فلاں مصیبت آئے گی جب اس کو دعا کی توفیق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بدل دیتے ہیں گویا متوقع امر کو قضاء مجازاً کہا گیا ہے جو داعی کے اعتقاد کے اعتبار سے قضاء ہے جس کی وضاحت بایں طور پر کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے حق میں کوئی شے اسی طرح مقدر کی ہے کہ اگر یہ شخص اس کے لئے دعا کر لے گا تو وہ مصیبت واقع نہ ہوگی اب بندہ اس مصیبت کے وقوع کا خوف کر رہا ہے اور اس سے بچنا چاہتا ہے تو اس کے دفع کی دعا کر لیتا ہے اسی طرح گویا اسکی دعا کے ذریعہ وہ قضاء بدل دی گئی ہے درحقیقت بدلی نہیں بلکہ اس طرح مقدر میں لکھی ہوئی تھی کہا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو من قدر اللہ وقد امر بالتداوی والدعاء مع ان المقدور کائن لخفض عن الناس وجوداً وعدماً۔ یا مراد یہ ہے کہ دعا ایسی اہم شئی ہے کہ جب کوئی شخص دائمی طور پر دعائے خیر کرتا رہے گا تو اس کے حق میں اللہ کی قضاء خیر و بہتر واقع ہوگی گویا اس کی دعا سبب ہوگی اس کے حق میں اچھے فیصلے کے لئے اس طرح گویا قضائے شر سے قضاء خیر کا سبب دعا ہو گئی ہے۔

ولا يَزِيدُ الْعُمُرَ إِلَّا الْبِرُّ: بکسر الباء یعنی نیکیوں کے ذریعہ عمر میں برکت ہوتی ہے کہ عمر بڑھ جاتی ہے۔ قال تعالیٰ:

﴿وَمَا يُعْمِرُ مِنْ مُّعْتَدٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ﴾ (فاطر: ۱۱)

﴿يُمَحِّصُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ وَعِنْدَ أُمْرِ الْكِتَابِ ۝﴾ (الرعد: ۳۹)

یہاں بھی اسی طرح تقریر ہے کہ تقدیر کے اندر لکھا ہوا ہے کہ یہ شخص اگر حج کرے گا اور غزوہ تو عمر ساٹھ سال ہے اور اگر نہیں کرے گا تو عمر چالیس سال ہے اب اس نے دونوں کام کر لئے تو اس کی عمر ساٹھ سال ہو گئی اور اگر ایک کیا تو چالیس سال تو اس طرح اس کی عمر کم ہو گئی۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ نیک اعمال کرنے والے شخص کی عمر ضائع نہیں ہوتی گویا یہ بھی ایک قسم کی زیادتی ہے۔ تیسرا قول: زیادتی عمر سے مراد یہ ہے کہ قلیل مدت عمر میں ایسا نیک شخص بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے کہ دوسرے لوگ طویل میں انجام نہیں دے پاتے۔

فائدہ: دراصل قضاء و قدر دو ہیں قدر مبرم و قدر معلق تغیر و تبدل کا تعلق قضائے معلق سے ہے نہ کہ مبرم سے۔

مقررہ ہی پر مرے گا چنانچہ عقائد النسفیہ میں ہے: ”والمقتول میت باجله والموت قائم بالمیت مخلوق اللہ

تعالیٰ والا جل واحد“ معتزلہ کو علای تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے: ”والجواب عن الاول..... لکنہ علم انہ یفعلہا ویكون عمرہ سبعین سنة فنسب هذه الزيادات الى تلك الطاعة بناءً علی علم اللہ تعالیٰ انہ لولا ہالہا كانت تلك الزیادۃ“۔ (شرح عقائد ص: ۷۳)

جیسے نقد اور ادھار کی دو مختلف قیمتوں میں سے ایک ہی طے ہو جائے تو ثانی برائے نام رہتی ہے۔

تعارف راوی: یحییٰ بن ضریس (مصغر) بجلی رازی قاضی صدوق راوی ہیں..... اور ابو مودود کو فضہ کہا جاتا تھا بصری ہے اور معمولی درجہ کا راوی ہے، یہی یہ حدیث روایت کرتا ہے اور اس کی روایت صرف ترمذی میں ہے، اور اس زمانہ کا ایک دوسرا راوی عبدالعزیز بن ابی سلیمان ہذلی رحمۃ اللہ علیہ ہے اس کی کنیت بھی ابو مودود ہے وہ مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا وہ مقبول راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبَعَيْ الرَّحْمَنِ

باب ۷: دل رحمان کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں

(۲۰۶۶) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعْمُ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ پڑھا کرتے تھے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔ میں نے عرض کی اے اللہ! کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو (تعلیمات) لے کر آئے اس پر بھی ایمان لائے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے کوئی اندیشہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بے شک (لوگوں کے) دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں وہ انہیں جیسے چاہے تبدیل کر سکتا ہے۔

تشریح: ① اس حدیث میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال میں امت کی تعلیم کا پہلو بھی ملحوظ ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ دعا بکثرت کرنے سے صحابہ یہی سمجھتے تھے کہ یہ ہمیں دعا کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہم بھی یہ دعا بکثرت کریں، اور یہ دعا بکثرت وہ بندہ کرتا ہے جو اپنے انجام سے غافل نہیں ہوتا جس کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں آگے کیا احوال پیش آئیں اور یہی بات بندگی کے لائق ہے۔

② اس حدیث میں اللہ پاک کی قدرت کاملہ کا بیان ہے جس طرح اللہ پاک کا علم ہر چیز کو شامل ہے ان کی قدرت بھی کامل ہے، کائنات کا کوئی ذرہ نہ ان کے علم سے باہر ہے نہ ان کی قدرت سے خارج، اور جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق کے اختیاری افعال، حتیٰ کہ اس کا چاہنا بھی اللہ کی قدرت و اختیار میں ہے۔ اور جزاء و سزا کے لئے کامل اختیار ضروری نہیں، ایک حد تک اختیار کافی ہے ایک حد تک اختیار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھایا ہے۔ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہی سوال کے کر آیا کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے یا مجبور؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مختار بھی اور مجبور بھی، اس نے کہا: یہ کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، وہ کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک پیر اٹھا لو اس نے اٹھا لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرا بھی اٹھا لو، کہنے لگا دوسرا کیسے اٹھاؤں

گر پڑوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: پہلا پیر اٹھانے تک تم با اختیار تھے اب مجبور ہو گئے، اسی طرح بندوں کی مشیت و اختیار کا ابتدائی حصہ ان کے اختیار میں ہے مگر آخری سرا ان کے اختیار میں نہیں، یعنی انسان کو جزوی اختیار حاصل ہے، کلی اختیار حاصل نہیں اور مجازات کے لئے جزوی اختیار بھی کافی ہے۔

صفات متشابہ کا حکم:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے ”اصابع“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ درحقیقت صفات متشابہ میں سے ہے، متشابہات دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جن کے لغوی ہی معلوم نہیں جیسے بعض سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں، جیسے اَلَمْ، حَمْ اس قسم کے حروف کے متعلق صحابہ و تابعین رحمہم اللہ اور جمہور سلف کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خاص رموز ہیں۔

دوسرے متشابہات وہ ہیں جن کے لغوی معنی تو معلوم ہیں لیکن اس کیفیت کا علم نہیں جیسے قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے ید، ساق، وجہ، استعاء اور قدیم وغیرہ کا ذکر ہے، جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کلمات اپنی جگہ برحق ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے وہ صحیح ہے اگرچہ اس کی کیفیت اور حقیقت کا ہمیں علم نہیں، اور جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے کوئی معنی بیان فرمائے ہیں کہ ”ید“ سے قدرت ”وجہ“ سے ذات اور اصبعین سے قدرت کی طرف اشارہ ہے، (تفصیل گزر چکی ہے) سند کی بحث: امام اعظم رحمہ اللہ کے اکثر شاگرد اس حدیث کی سند حضرت انس رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں اور بعض شاگرد حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک اور اصح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ

باب ۸: اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور جہنمیوں کے نام رجسٹروں میں لکھ لئے ہیں

(۲۰۶۷) خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَفِي يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ أَتَدْرُونَ مَا هَذَانِ الْكِتَابَانِ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ الْيُمْنَى هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي شِمَالِهِ هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا فَقَالَ أَصْحَابُهُ فَنِيَمَ الْعَمَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنْ كَانَ أَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوا أَوْقَارَ بُؤَا فَيَأْنِ صَاحِبِ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ عَمِلَ آتَى عَمَلُ وَإِنْ صَاحِبِ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَإِنْ عَمِلَ آتَى عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدَيْهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرِغْ رُبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے آپ ﷺ کے دست مبارک میں دو تحریریں تھیں آپ نے دریافت کیا کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ یہ دو تحریریں کس چیز سے متعلق ہیں؟ ہم نے عرض کی نہیں

یا رسول اللہ ﷺ آپ ہی ہمیں بتائیں تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے دائیں دست مبارک میں موجود تحریر کے بارے میں فرمایا یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے تحریر ہے جس میں اہل جنت کے نام ہیں ان کے آباء اجداد اور قبائل کے نام ہیں پھر اس کے آخر میں مہر لگادی گئی ہے ان میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا اور کوئی کمی نہیں ہو سکتی پھر آپ ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ میں موجود تحریر کے بارے میں فرمایا یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے تحریر ہے اس میں جہنمیوں کے نام ہیں ان کے آباء اجداد اور قبائل کے نام ہیں اور ان کے آخر میں بھی مہر لگادی گئی ہے ان میں بھی کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا اور کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔

نبی اکرم ﷺ کے اصحاب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ پھر عمل کیوں کیا جائے اگر معاملہ طے ہو چکا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سیدھے راستے پر چلو اور میانہ روی اختیار کرو کیونکہ جنتی شخص کے نصیب میں اہل جنت کا عمل لکھ دیا گیا ہے اگرچہ وہ کوئی بھی عمل کرے اور جہنمی کے نصیب میں اہل جہنم کا عمل لکھ دیا گیا ہے اگرچہ وہ کیسا ہی عمل کرے پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا اور ان دونوں تحریروں کو رکھ دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے حوالے سے فارغ ہو چکا ہے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا۔

(۲۰۶۸) إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ فَقِيلَ كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ يُؤَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے وہ عمل لیتا ہے عرض کی یا رسول اللہ وہ اس سے کیا عمل لیتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اسے مرنے سے پہلے نیکی کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

تشریح: ماہدان الكتابان کے معنی آپ علیہ السلام کے ہاتھوں میں جو کتابیں تھیں ان کے بارے میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ بطور تمثیل فرما رہے ہوں کہ یوں سمجھو جیسے میرے ہاتھوں میں دو کتابیں ہیں۔ چونکہ آپ علیہ السلام پر ان کتابوں کے بارے میں اور تفصیلات کے متعلق کشف تام حاصل تھا اس لئے اشارہ صحیح ہوا جیسے ایک ماہر مصنف کتاب کے شروع میں کہتا ہے ”ہذا کتاب یا ہذا رسالۃ“ وغیرہ بلکہ اس سے زیادہ ظاہر مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان کتابوں کا تعلق عالم مثال سے ہو جس کا مشاہدہ آپ علیہ السلام فرما رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر نہیں آرہی تھی عالم مثال کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں مستقل باب قائم کیا ہے

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ یہ کتابیں حسی ہوں اور ج کے دور میں یہ کوئی ناقابل فہم بات نہیں کہ ایک عام کمپیوٹر میں بھی سارے انسانوں کے اعداد و شمار جمع ہو سکتے ہیں تو ان کتابوں کا کیا حال ہوگا، تاہم آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ نام نہیں بتلائے کیونکہ پھر عالم تکوین کے بہت سے امور سے پردہ ہٹ جاتا حالانکہ یہ اللہ کی حکمت کے منافی ہے۔ اس حدیث شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال اور آپ ﷺ کے جواب سے متعلق تشریح ”باب ما جاء فی الشقاء والسعادة“ میں عنقریب گزری ہے۔

قولہ ”فنبذھما“ اگر یہ حسی کتابیں تھیں تو نبذ کے معنی یہاں پھینکنے کے نہیں بلکہ عالم بالا کے حوالے کرنا ہے جس کے لئے ہاتھوں کو کھولنا پڑتا ہے اور دیکھنے والے کو نبذ محسوس ہوتا ہے اور اگر غیر محسوس تھیں تو مطلب ہاتھوں کو جھاڑنا ہے جو عموماً حتیٰ فیصلہ سناتے

وقت خاص اشارہ ہوتا ہے۔

قول اول: پر یہ اعتراض ہے کہ جب آپ کے ہاتھ میں محسوس دور رجسٹر نہ تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کیوں نہیں کیا آپ کے پاس کتابیں کہاں ہیں؟

جواب: صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان اس قدر کامل تھا وہ یقین رکھتے تھے کہ جب آپ ﷺ فرما رہے ہیں تو حقیقتاً وہ موجود ہیں البتہ ہم نہیں دیکھ پارہے ہیں

الا ان تخبرنا: یہ استثناء مفرغ ہے ای لا نعلم شیئاً من الاسباب الا باخبارك ايانا۔

دوسرا قول: یہ استثناء منقطع ہے ای لکن ان اخبرتنا فقال للذی یہ جار مجرور یشیر مہذوف کے متعلق ہے اور حال ہے قال کی ضمیر ہو سے۔ ثم اجمل علی آخرہم۔ یہ ماخوذ ہے اجمل الحساب سے جس طرح محاسبین کی عادت ہے کہ پہلے وہ تفصیلاً لکھتے ہیں پھر آخر میں اجمال کر دیا کرتے ہیں اس طرح اہل جنت و اہل جہنم کو اولاً تفصیلاً ان کے آباء و اجداد و قبائل کے ناموں کے ساتھ لکھ دیا پھر میزان کر دیا ہے اور جس طرح میزان میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی اسی طرح ان میں بھی کمی و زیادتی نہیں ہوگی۔ اگر حسی کتابیں نہیں ہے تو پھر بنیدین مراد ہے اور اگر حسی کتابیں تھیں تو پھر ان دونوں کتابوں کو ملاً اعلیٰ کی طرف پھینک دیا اور فرشتوں نے ان کو پکڑ لیا فلا اشکال۔

اعتراض: کہ اتنے سارے نام ایک ایک رجسٹر میں کیسے آگئے؟ اور اتنے بڑے بڑے رجسٹر ہاتھوں میں لے کر آپ ﷺ کیسے تشریف لائے؟

جواب: یہ ہے کہ اب کمپیوٹر اور ڈی جیٹل کا زمانہ ہے، بڑے سے بڑا کتب خانہ ایک چھوٹی سی چٹ میں آجاتا ہے، پس یہ سارے نام قابل تحمل رجسٹروں میں کیوں نہیں آسکتے؟

اس حدیث میں تقدیر کا اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تعارف ہے یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا ہے اور ابد تک کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم واقعی ہے، اس میں کسی غلطی کا احتمال نہیں، اس لئے ناموں کے آخر میں جو ٹول ہے وہ قطعی ہے، اس میں کمی بیشی کا سوال نہیں۔

قد فرغ: مجہول معنی یہ کہ جب کتابتہ ازل پر مدار ہے تو پھر عمل سے کیا فائدہ ہے؟ پھر تقدیر کے مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعتراض کیا کہ جب معاملہ نمٹ چکا ہے، جنتی اور جہنمی طے ہو چکے ہیں تو اب عمل سے کیا فائدہ؟

جواب: آپ ﷺ نے فرمایا:

سدّدوا من السدادای اطلبوا باعمالکم السدادو الاستقامة والقصد فی الامر و العدل فیہ.

قاربوا، اقتصدوا فی الامور کلہا و اترکوا الغلو فیہا و التقصیر.

نبی کریم ﷺ نے ان کا ذہن دوسری طرف پھیرا کہ بندوں کو یہ معاملہ اپنی طرف سے دیکھنا چاہئے، بندوں کے حق میں تقدیر معلق ہے یعنی مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، پس بندوں کو چاہئے کہ وہ ٹھیک ٹھیک صراط مستقیم پر چلیں اور اگر ہٹیں تو دور نہ جائیں، قریب قریب ہی رہیں، ایسے بندوں کی واپسی کا امکان رہتا ہے اور جو بندے صراط مستقیم سے بہت دور چلے جاتے ہیں ان کا

واپسی کا امکان ختم ہو جاتا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ بات واضح کی کہ اعتبار آخری عمل ہے، جنتی کی زندگی جنت والے کاموں پر ختم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھیں اور ہر گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

ان الہ اذا اراده بعد خيرا استعماله: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں تو اس کو استعمال کرتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کس طرح استعمال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

یوفقه لعمل صالح قبل الموت۔

اس کو موت سے پہلے نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔

تشریح: امام محمد رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے۔ وفات کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: کیا معاملہ رہا؟ بتایا: اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، پوچھا: کس طرح؟ فرمایا: مجھے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا:

”محمد! اگر مجھے تیرے ساتھ خیر منظور نہ ہوتی تو میں تجھے اپنا علم نہ دیتا، جا تیری بخشش کر دی۔“

یہ عالم کو استعمال کرنے کی مثال ہے۔ دوسری مثال ابن ماجہ (حدیث 8) میں ہے:

لا یزال اللہ یغرس فی هذا الدین غرسا یستعملہم فی طاعته۔

اللہ تعالیٰ برابر اس دین کے لئے پودے لگاتے رہتے ہیں جن کو اپنی اطاعت میں استعمال کرتے ہیں، اس حدیث میں عام مسلمانوں کو استعمال کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ان کو نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا عُدُوْیَ وَلَا هَامَةً وَلَا صَفْرَ

باب ۹: چھوت کی بیماری، مقتول کے سر کا پرندہ اور صفر کی نحوست بے اصل باتیں ہیں

(۲۰۶۹) قَامَ فِیْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَا یُعْدِیْ شَیْءٌ شَیْئًا فَقَالَ اَعْرَیُّ یَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ الْبَعِیْذُ الْجَرَبُ الْحَشْفَةُ بِذَنْبِهِ فَتَجَرَّبُ الْاِلْبُلُ كُلُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَمَنْ اَجْرَبَ الْاَوَّلَ لَا عُدُوْیَ وَلَا صَفْرَ خَلَقَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ وَكَتَبَ حَیَاتِهَا وَرَزَقَهَا وَمَصَائِبَهَا۔

ترجمہ: ابو زرعہ بن عمرو کہتے ہیں ہمارے ایک ساتھی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات بتائی ہے وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی ایک دیہاتی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ایک خارش زدہ اونٹ جب دوسرے اونٹوں کے درمیان آتا ہے تو انہیں بھی خارش میں مبتلا کر دیتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پہلے اونٹ کو کس نے خارش میں مبتلا کیا تھا؟ عدوی اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو پیدا کیا ہے اور اس کی زندگی اس کا رزق اور اس کے مصائب مقرر کر دیئے ہیں

عدوی کے بارے میں جاہلانہ تصور:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے کچھ توہمات اور جاہلانہ نظریات کی نفی فرمائی ہے، چنانچہ ان کا نظریہ یہ تھا

کہ ایک کی بیماری دوسرے کی طرف متعدی ہو جاتی ہے، دوسرے کی بیماری کا سبب قطعی طور پر پہلی بیماری ہے، گویا بیماری کو وہ مؤثر حقیقی سمجھتے تھے، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی، اس پر اعرابی نے پوچھا کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک خارش اونٹ جب دوسرے اونٹوں کے ساتھ ملتا ہے، تو سب کو خارش بنا دیتا ہے، اس سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیماری ایک سے دوسرے کی طرف متجاوز ہو جاتی ہے، دوسرے کو لگ جاتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیماری اپنی ذات میں ایسی کوئی تاثیر نہیں رکھتی کہ وہ از خود دوسرے کو لگ جائے، اگر بیماری ہی سبب اصلی ہوتی تو سوال یہ ہے کہ پھر پہلے اونٹ کو کس نے خارش میں مبتلا کیا، اس لئے بیماری سبب نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے صحت و مرض کے فیصلے ہوتے ہیں، اس کی مزید تفصیل ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی الاکل مع المجدوم میں گزر چکی ہے، ہامہ کے معنی ”ہامۃ“ کی تین تفسیریں بیان کی گئی ہیں جس کی تفصیل ”ابواب الطب، باب ماجاء ان العین حق والغسل لھا“ میں گزر چکی ہے۔

قوله ”ولا صفر“ صفر کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک ماہ صفر اور دوم سانپ یا بھنسی۔ اگر مہینہ مراد ہو تو اس لفی کا پیش منظر کچھ اس طرح ہے کہ عرب ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے جیسے آج کل بہت سے عوام کا عقیدہ ہے کہ اس میں شادی بیاہ کو منحوس سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم مع الطہ: آخری بدھ کو خوشی اور سیر و تفریح کی تقریبات بھی بے بنیاد ہیں لوگوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ آخری بدھ کو آپ ﷺ نے غسل صحت فرمایا تھا یہ درست نہیں بلکہ اصل بات یہ کہ آخری بدھ کو آپ ﷺ جنت البقیع سے رات کو جب تشریف لا کر گھر پہنچے تو سر سرد اور بخار شروع ہوا اور مسلسل تیرہ (۱۳) ایام بیماری میں گزرے تا آنکہ بارہ ربیع الاول پیر کے دن اختتام پر منگل کی رات وصال ہوا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

چونکہ یہود نے اس دن (بدھ) کو خوشی منائی تھی اسی طرح ایران کے مجوس نے بھی جشن سامنایا تھا پھر وہ روایت ہندوستان آگئی اور سادہ لوح مسلمان نیکی کے نام پر بدی اور خوشی کے نام پر غم کے موقع پر خرافات میں دھنس گئے لہذا اس کی حیثیت بھی باقی رسومات کی طرح ایک بے بنیاد روایت پر مبنی ہے اس سے بچنا چاہئے۔

لعنات: ”لایعدی“ اعداد اور عدوی سے ہے، بیماری کی سرایت اور دوسرے کو لگنے کو کہتے ہیں۔ جرب بروزن قمر خارش اور کھجلی کے مرض کو کہتے ہیں قولہ ”ندبنہ“ یہ لفظ مختلف حروف کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے، مذکورہ لفظ ”دبن“ بفتح الدال و سکون الباء سے بمعنی باڑ کے آتا ہے اگرچہ اصل لغت میں یہ لفظ بکریوں کے باڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں بمعنی معطن ہے یعنی اونٹوں کا باڑا مراد ہے، پس ”ندبنہ“ بصیغہ جمع متکلم ادبان سے ہے، ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر لکھا ہے یعنی ہم اسے باڑے میں داخل کرتے ہیں تو وہ سب کو خارش بنا دیتا ہے لہذا ”فیجرب“ بضم الیاء باب افعال سے معروف کا صیغہ ہوگا اور ”ابل“ مفعول بہ ہے ”کلاھا“ منصوب برائے تاکید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِيمَانِ بِالْقَدَرِ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ

باب ۱۰: بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

(۲۰۷۰) لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئْهُ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ

لَمْ يَكُنْ لِيَصِيبَهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اچھی یا بری تقدیر (یعنی وہ جیسی بھی ہو) پر ایمان نہ لے آئے اور وہ یہ بات نہ جان لے کہ اسے جو مصیبت لاحق ہونی ہے وہ اسے ضرور لاحق ہوگی اور جو لاحق نہیں ہونی وہ اسے کبھی لاحق نہیں ہوگی۔

(۲۰۷۱) لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعَثَنِي بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَبِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول (ﷺ) ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے اور وہ موت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔

تشریح: پہلے ابواب القدر کی تمہید میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ تقدیر کے تعلق سے دو باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے: ایک: نفس تقدیر پر، یعنی جو کچھ ہو چکا یا ہو رہا ہے یا آئندہ ابد تک ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں طے شدہ ہے، کوئی معاملہ اچھوتا نہیں اور نہ کوئی امر منتظر ہے۔

یعنی ایمان کے حصول کے لئے یہ بھی ضروری ماننا پڑتا ہے کہ جو کچھ نعمت و راحت یا زحمت و مصیبت خواہ جسمانی ہو یا روحانی ہو، انفسی ہو یا آفاقی جو چیز ان میں سے جس بندے کے لئے مقدر ہو تو وہ ضرور اس کا سامنا کرے گا اور اگر کوئی چیز مقدر نہیں تو کوئی امکان نہیں کہ اسے ممکن بنایا جائے چہ جائے کہ اسے حاصل کیا جائے۔

① حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے: (۱) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس نے مجھے سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ (۲) موت پر ایمان لائے۔ (۳) موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لائے۔ (۴) اور تقدیر پر ایمان لائے۔

تشریح: باب کی دونوں روایتوں میں ”لَا يُؤْمِنُ“ الخ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مظہری سے نقل کیا کہ یہاں اصل ایمان کی نفی ہے نہ کہ کمال ایمان کی لہذا اگر کوئی شخص امور اربع میں سے ایک کو بھی نہ مانے گا ہرگز مومن نہ ہوگا۔ ایمان الموت سے مراد قیامت کا یقین اور تصدیق کرنا ہے۔

② بندوں کے تعلق سے عالم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت اس طرح ہے کہ کچھ اعمال و اخلاق اور کچھ چیزیں بندوں کے لئے مفید ہیں، مگر بندوں کے تعلق سے بعض چیزیں بھلی ہیں اور بعض چیزیں بری یعنی بعض چیزیں بندوں کے لئے مفید ہیں اور بعض چیزیں مضر، اور کائناتی چیزوں کی حد تک انسان اس کو مانتا بھی ہے اور برتا بھی ہے، اپنے لئے مفید چیزیں اختیار کرتا ہے اور مضر چیزوں سے بچتا ہے، مگر جب اعمال و اخلاق کا معاملہ آتا ہے تو وہ طرح طرح کی باتیں چھانٹتا ہے، حالانکہ کچھ اعمال اور کچھ

اخلاق انسان کے لئے مفید ہیں جو اس کو جنت میں پہنچانے والے ہیں اور کچھ اعمال و اخلاق مضر ہیں جو اس کو جہنم میں پہنچائیں گے، پس جو بندہ بھلی بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہے وہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اپناتا ہے اور جو اس کو نہیں مانتا وہ زہر کھا کر مرتا ہے اور جہنم میں جاتا ہے۔

③ پھر نبی ﷺ نے پہلی حدیث کے آخر میں یہ مضمون سمجھایا ہے کہ تقدیر اٹل ہے جو کچھ انسان کو پہنچنا طے ہے وہ پہنچ کر رہتا ہے اور جس کا نہ پہنچنا طے ہے وہ ہرگز نہیں پہنچ سکتا، مگر یہ تقدیر کی تعریف اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اور بندے کے اعتبار سے تقدیر معلق ہے یعنی مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، پس انسان کو وہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں جن سے خیر پیدا ہو اور ان اسباب سے بچنا چاہئے جن سے نقصان پہنچے مگر بہر حال ہوگا وہی جو تقدیر میں ہے۔

④ اور دوسری حدیث میں موت پر ایمان کا تذکرہ آیا ہے، موت پر سرسری ایمان ہے یہ کافی نہیں، موت پر حقیقی ایمان ضروری ہے اور یہ مومن کا نصیب ہے، وہ موت سے ڈر کر اگلی زندگی کی تیاری کرتا ہے، حدیث میں یہی ایمان لانا مراد ہے۔

الا انه قال ربعی رحمہ اللہ عن رجل عن علی رضی اللہ عنہ: یعنی اس روایت کا دوسرا طریق بھی ہے جو نظر بن شہیل کا طریق ہے مگر انہوں نے ربعی اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان رجل کا اضافہ کیا ہے جو ابو داؤد کے طریق میں نہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طریق ابو داؤد جس میں رجل کی زیادتی نہیں وہ اصح ہے کیونکہ منصور کے دوسرے کثیر شاگردوں نے بغیر زیادتی رجل ہی روایت نقل کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّفْسَ تَمُوتُ حَيْثُ مَا كَتَبَ لَهَا

باب ۱۱: آدمی وہاں ضرور پہنچتا ہے جہاں موت مقدر ہوتی ہے

(۲۰۷۲) إِذَا قَضَى اللَّهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً.

ترجمہ: حضرت مطربن عکاس بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کی موت کسی جگہ پر لکھی ہو تو اس جگہ پر اس بندے کے لیے کوئی کام پیدا کر دیتا ہے (جس کی وجہ سے بندہ وہاں پہنچ جاتا ہے)۔

(۲۰۷۳) إِذَا قَضَى اللَّهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً أَوْ قَالَ يَهَيِّئُهَا حَاجَةً.

ترجمہ: حضرت ابو عزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے بارے میں فیصلہ کر دے کہ اس نے فلاں جگہ پر مرنا ہے تو اللہ اس بندے کے لیے اس جگہ کوئی کام پیدا کر دیتا ہے۔

(۲۰۷۴) أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رُفِّي نَسْتَرْقِيْهَا لَوْ كَوَّاءٍ نَسْتَدَاوِيْ بِهِ وَتُعَاةٌ نَسْتَعِيْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ شَيْئًا فَقَالَ هِيَ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ.

ترجمہ: ابن ابو خزامہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ ﷺ کا کیا خیال ہے اگر ہم جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور اگر کوئی دوائی استعمال کرتے یا بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرتے ہیں تو کیا یہ چیز اللہ تعالیٰ

کی تقدیر میں سے کوئی چیز ٹال سکتی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بھی تقدیر کا حصہ ہے۔

تشریح: عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں موت مقدر ہوتی ہے آدمی وہاں جا بستا ہے، اس کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ اس جگہ میں قیام اور بود و باش خوشگوار ہے، یا کوئی تقریب (کسی کی ملاقات، ملازمت وغیرہ) باعث ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے لیکن اگر ایسی کوئی صورت پیش نہیں آتی اور وہاں موت مقدر ہوتی ہے تو پھر وہ صورت پیش آتی ہے جس کا اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ ناگاہ کوئی ایسی حاجت پیش آتی ہے کہ آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے کیونکہ اسباب کے نظام میں خلل ڈالنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اس لئے کوئی نہ کوئی سبب بن جاتا ہے اور آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے۔

یہی مضمون حضرت ابو عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے مگر ان کی حدیث میں الیہا حاجة اور بہا حاجة راوی کو خشک ہے اور مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ (لقمان: ۳۴) یعنی کسی آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی موت کہاں آتی ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کو کسی دوسری جگہ موت دینا چاہتے ہیں تو اس زمین کی طرف اس شخص کا رخ ہو جاتا ہے اور وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہاں اس کی موت طاری ہو جاتی ہے چنانچہ ہم رات دن اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَرُدُّ الرُّقَىٰ وَلَا الدَّوَاءَ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ شَيْئًا

باب ۱۳: جھاڑ پھونک اور دوا دار و تقدیر کو ٹال نہیں سکتے

(۲۰۷۵) صَنِفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ الْمُرْجَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میری امت کے دو گروہوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا ایک مرجیہ اور دوسرا قدریہ۔

تشریح: یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے، اس کی پہلی سند میں امام زہری رحمہ اللہ: ابو خزامہ کے بیٹے سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ سفیان بن عیینہ کے متعدد تلامذہ عن ابی خزامہ عن ابیہ کہتے ہیں، ابن نہیں بڑھاتے، یعنی زہری یہ حدیث ابو خزامہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے، پس صحابی ابو خزامہ نہیں بلکہ ان کے والد ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک یہی صحیح ہے کیونکہ زہری رحمہ اللہ کے متعدد تلامذہ بھی اسی طرح سند بیان کرتے ہیں (الاصابہ میں ابو خزامہ کے سلسلہ میں اختلاف لکھا ہے کہ وہ صحابی ہیں یا ان کے والد صحابی ہیں؟)۔

تقدیر کے مسئلہ میں یہ حدیث بنیادی اہمیت کی حامل ہے:

تقدیر کا اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تو مطلب یہ ہے کہ ہر چیز ازل سے طے ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، مگر بندوں کے اعتبار سے تقدیر میں اسباب و مسببات کا پورا سلسلہ شامل ہے، جھاڑ پھونک، علاج معالجہ اور احتیاطی تدابیر یہ سب صحت کے اسباب ہیں اور یہ بھی تقدیر میں شامل ہیں، اسی کو میں بار بار کہتا ہوں کہ بندوں کی طرف سے تقدیر معلق ہوتی ہے اور اسی جہت سے

بندوں کو امور کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے اور اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تقدیر کے جو معنی ہیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے، یہ صرف ایمانی بات ہے اور عملی مرحلہ یہ ہے کہ اچھائی کے اسباب اختیار کرے تاکہ بھلائی سے ہمکنار ہو، اس کی نظیر یہ حدیث ہے کہ جنت میں کوئی اپنے عمل سے نہیں جائے گا جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا جبکہ قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں کہ جنت میں بندے ایمان و عمل صالح کی وجہ سے جائیں گے، یہ دونوں باتیں صحیح ہیں، اعتقاد پہلی بات کا رکھنا ہے کہ جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، مگر عمل دوسری بات پر کرنا ہے کیونکہ ایمان اور عمل صالح دخول جنت کے اسباب ہیں اور یہ دنیا دار الاسباب ہے اس لئے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْقَدْرِ

باب: منکرین تقدیر کا حکم

(۲۰۷۶) أَنَّ ابْنَ عُمَرَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ فَلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ لَهُ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ فَإِنْ كَانَ قَدْ أَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ يَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوْ فِي أُمَّتِي الشُّكُّ مِنْهُ خُسْفٌ أَوْ مَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ فِي أَهْلِ الْقَدْرِ.

ترجمہ: نافع بیان کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور بولا فلاں فلاں شخص نے آپ کو سلام بھیجا ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا ہے مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ نئے عقائد قائم کرنے چلا ہے اگر تو اس نے نیا عقیدہ قائم کر لیا ہے تو تم اسے میری طرف سے سلام کا جواب نہ دینا میں نے نبی اکرم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری اس آیت (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) میری امت میں زمین میں دھنسا ہوگا چہروں کا مسخ ہو جانا ہوگا اور قذف ہوگا جو تقدیر کے منکرین کے لیے ہوگا۔

(۲۰۷۷) يَكُونُ فِي أُمَّتِي خُسْفٌ وَمَسْخٌ وَذَلِكَ فِي الْمُكَذِّبِينَ بِالْقَدْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میری امت میں (کچھ لوگوں کو) زمین میں دھسائے جانے اور چہرے مسخ کر دیئے جانے کا عذاب ہوگا اور یہ (عذاب) تقدیر کو جھٹلانے والوں کو ہوگا۔

(۲۰۷۸) سِتَّةٌ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ كَانَ الزَّائِدُ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدْرِ اللَّهِ وَالْمُبْتَسِلُ بِالْجَبَرُوتِ لِيُعْزَّ بِذَلِكَ مَنْ أَذَلَّ اللَّهُ وَيُذِلَّ مَنْ أَعَزَّ اللَّهُ وَالْمُسْتَحِلُّ الْحُرْمِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِثْرَتِي مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے چھ طرح کے لوگوں پر میں لعنت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اور ہر نبی نے ان پر لعنت کی ہے وہ یہ ہیں اللہ کی کتاب میں اضافہ کرنے والا اللہ کی (مقرر کردہ) تقدیر کو جھٹلانے والا زبردستی حکومت پر قبضہ کرنے والا تاکہ وہ اسے عزت دے جسے اللہ نے ذلیل کیا ہو اور اسے ذلیل کر دے جسے اللہ نے عزت عطا کی اللہ تعالیٰ کی حرام

کر دہ چیزوں کو حلال قرار دینے والا میری عمرت سے متعلق ان امور کو حلال کرنے والا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو اور میری سنت کا تارک۔

(۲۰۷۹) قَدِمْتُ مَكَّةَ فَلَقِيْتُ عَطَاءَ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّ أَهْلَ الْبَصْرَةِ يَقُولُونَ فِي الْقَدْرِ قَالَ يَا بَنِي أَنْفَرُوا الْقُرْآنَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَأَقْرَأِ الزُّخْرَفَ قَالَ فَقَرَأْتُ ﴿حَمْدٌ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلٌّ حَكِيمٌ ﴿الزخرف﴾ قَالَ أَتَدْرِي مَا أُمُّ الْكِتَابِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ كِتَابٌ كَتَبَهُ اللَّهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاءَ وَقَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْأَرْضَ فِيهِ إِنْ فِرْعَوْنُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَفِيهِ ﴿تَبَّتْ يُدَا إِبْنِي لَهُبٍ وَتَبَّ﴾ (لهب) قَالَ عَطَاءٌ فَلَقِيْتُ الْوَلِيدَ بْنَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلْتُهُ مَا كَانَتْ وَصِيَّتُهُ أَبِيكَ عِنْدَ الْمَوْتِ قَالَ دَعَا فِي فَقَالَ يَا بَنِي إِنِّي سَمِعْتُ أَنَّكَ أَنْ تَتَّقِيَ اللَّهَ تَتَّقِي اللَّهَ تَتَّقِي اللَّهَ وَتُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ كُلِّهِ خَيْرٌ وَشَرٌّ فَإِنْ مِتَّ عَلَى غَيْرِ هَذَا دَخَلْتَ النَّارَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ فَقَالَ اكْتُبْ قَالَ مَا اَكْتُبُ قَالَ اكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْآبِدِ.

ترجمہ: عبدالواحد بن سلیم بیان کرتے ہیں میں مکہ مکرمہ آیا میری ملاقات عطاء بن ابی رباح سے ہوئی میں نے ان سے کہا اے ابو محمد اہل بصرہ تقدیر کے بارے میں کچھ اعتراضات کرتے ہیں عطاء نے فرمایا اے بیٹے کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں تو انہوں نے فرمایا تم سورہ زخرف پڑھو راوی کہتے ہیں میں نے پڑھنا شروع کیا۔ حمد اس واضح کتاب کی قسم ہم نے اس کو عربی میں قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھ لو اور بے شک یہ لوح محفوظ میں ہے جو ہمارے پاس ہے یہ بلند مرتبہ اور حکمت آمیز ہے۔

عطاء نے دریافت کیا کیا تم جانتے ہو یہاں ام الکتاب سے کیا مراد ہے؟ میں نے جواب دیا خدا اور اس کے رسول ﷺ زیادہ بہتر جانتے ہیں انہوں نے یہ فرمایا یہ وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے زمین کو پیدا کرنے سے پہلے لکھا تھا اور اس میں یہ بات بھی موجود ہے ابولہب تباہ و برباد ہو جائے۔

عطاء نے یہ بات بیان کی ہے میں حضرت ولید بن عبادہ سے ملا میں نے ان سے دریافت کیا آپ کے والد (حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) جو نبی اکرم ﷺ کے صحابی ہیں انہوں نے مرتے وقت کیا نصیحت کی تھی تو انہوں نے مجھے بتایا انہوں نے مجھے بلایا اور بولے اے میرے بیٹے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور یہ بات یاد رکھنا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہو گے اور تم کو تقدیر پر مکمل طور پر ایمان رکھنا چاہیے وہ اچھی ہو یا بری ہو اگر تم اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرے تو تم جہنمی ہو جاؤ گے کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور فرمایا لکھو اس نے عرض کی اس سند کے حوالے سے میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وہ سب) لکھ دو جو پہلے ہو چکا ہے اور جواب تک ہوگا۔

(۲۰۸۰) قَدَرَ اللَّهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِمِائَتِينَ أَلْفَ سَنَةٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے سات

آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تقدیر مقرر کر دی تھی۔

(۲۰۸۱) جَاءَ مُسَيَّرُ كُوْقَرِيْشٍ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُخَاصِمُوْنَ فِي الْقَدَرِ فَكَوْلَتْ هَذِهِ الْاَيَةُ (يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوْهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قریش سے تعلق رکھنے والے کچھ مشرکین نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جس دن انہیں چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا اور (کہا جائے گا) آگ کا مزہ چکھو اور بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔

تقدیر کا انکار گمراہی ہے:

منکرین تقدیر کے بارے میں عذاب کی وعید: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت ایسی احادیث ذکر فرمائی ہیں، جن میں ان لوگوں کے بارے میں مختلف قسم کے عذاب کی وعیدیں منتقل ہیں جو تقدیر الہی کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک ایسے شخص کا سلام پہنچایا گیا جو تقدیر سے انکاری تھا، آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے چونکہ دین میں ایک نئی بات یعنی بدعت کا اضافہ کیا ہے یہاں بدعت سے مراد تقدیر کا انکار ہے، اس لئے میری طرف سے اسے سلام کا جواب نہ دیا جائے، کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے سلام کلام نہ کریں اور تعلقات قائم نہ کریں جو دین میں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ فاسق و فاجر اور بدعتی آدمی کے سلام کا جواب دینا نہ واجب ہے اور نہ سنت ہے بلکہ اصلاح کی غرض سے ان سے بائیکاٹ بھی کیا جاسکتا ہے۔ فی هذه الامة او في امتي۔ الشك منه۔ خسف او مسخ..... اس میں ”الشك منه“ سے مراد یہ ہے کہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ میں شک شیخ محمد بن بشار کی طرف سے ہے کہ انہوں نے یوں ہی اسے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ تقدیر کی تکذیب اور اس کا انکار کرتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ شدید عذاب آسکتے ہیں زمین میں دھنس جانے کا، شکل و صورت تبدیل ہو جانے اور سنگباری کا، اس حدیث میں لفظ ”او“ کے ساتھ یہ عذاب ذکر کئے گئے ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ راوی کی طرف سے شک ہے کہ یہ عذاب ہو گا یا یہ..... علامہ طیبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ لفظ او سے مختلف عذابوں کی طرف اشارہ ہو، کہ منکرین تقدیر پر مختلف قسم کے یہ عذاب آسکتے ہیں۔

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بطور شرط یہ سزائیں ذکر کی گئی ہیں، معنی یہ ہیں کہ اگر خسف و مسخ جیسے دردناک عذاب اس امت پر ہوتے تو وہ منکرین تقدیر پر ہوتے، لیکن چونکہ آپ کی دعا سے یہ عذاب اس امت سے ختم کر دیئے گئے، اس لئے ان پر یہ عذاب نہیں آتے۔

② مذکورہ عذاب پوری امت پر عمومی طور پر نہیں آئیں گے لیکن بعض لوگوں پر ان کی سرکشی وغیرہ کی وجہ سے یہ عذاب آسکتے ہیں۔

③ علامہ تورپشتی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے زجر و توبیخ اور ڈرانا مقصود ہے تاکہ لوگ تقدیر کے بارے میں افراط و تفریط سے دو چار نہ ہوں۔

④ قرب قیامت میں جب اس امت میں سرکشی و بغاوت حد سے بڑھ جائے گی اور لوگ تقدیر کی تکذیب کرنا شروع کر دیں گے تو اس وقت ان پر یہ عذاب نازل ہوں گے اور یہ علامات قیامت میں سے ہے۔

باب کی دوسری روایت میں ان اہل بصرہ کا ذکر ہے جو تقدیر کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے تھے، حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ نے سورۃ زخرف کی آیات سے اس پر رد فرمایا کہ تقدیر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں آسمان و زمین کی تخلیق سے بھی پہلے لکھی جا چکی ہے، حضرت ولید بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی وصیت ذکر فرمائی جس میں ہے کہ اگر آدمی کا تقدیر پر ایمان نہ ہو اور اسی میں وہ مر جائے تو اسے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا گیا؟ ان اول ما خلق اللہ القلم۔ ”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ قلم ہے۔“ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ما کان سے مراد قلم سے پہلے کی مخلوقات ہیں جیسے عرش و کرسی وغیرہ علیٰ ہذا ”اول ما خلق اللہ القلم“ سے مراد قبلیت اضافی ہوگی یعنی اس محسوس عالم سے قبل۔ چونکہ اس بارے میں بہت سی روایات میں اول کا لفظ وارد ہوا ہے اس لئے کسی چیز کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہی حتماً مقدم ہے۔ باب کی روایت سے قلم کی اولیت ثابت ہوتی ہے جبکہ مسلم کی روایت سے عرش اور پانی کی تقدیم ثابت ہوتی ہے (رواہ البخاری ص: 453 ج 1) تاہم پانی میں تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ اس سے مراد خلاء ہے کیونکہ خلاء کو دیکھتے وقت پانی محسوس ہوتا ہے۔ بعض روایات سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی اولیت معلوم ہوتی ہے۔ (الفوائد ص: 47، جلد: 2)

کتابت تقدیر کے معنی:

کتابت تقدیر کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے تقدیریں لکھ دی تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لوح محفوظ پر جاری کر کے تمام پیش آنے والے حالات و واقعات ثبت فرمادیئے جیسے کوئی کاتب اپنے ذہن کے خاکے اور نقش کو کاغذ پر لکھ دیتا ہے، تاہم اس کتابت کی حقیقت، نوعیت اور کیفیت کیا تھی، یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں اور جو کچھ ہونا ہے اس کو مقرر فرمایا۔ (تحفۃ الاحوذی 309/6)

اكتب القدر ما كان وما هو كائن الى الابد.

”اللہ تعالیٰ نے تقدیر کو لکھا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے ہمیشہ لاناہتا تک۔“

بعض نے کہا کہ ”ما کان“ کے معنی ہیں عرش، پانی، ہوا اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یا تو اس سے قلم پیدا کرنے سے پہلے کی مخلوقات یا امر کتابت سے پہلے کی مخلوق مراد ہے۔

”الی الابد“ اس سے ”طویل زمانہ“ مراد ہے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں الی ان تقوم الساعة (یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے) کی تصریح ہے۔ (الکوکب الدرۃ 121/3)

قبل ان یخلق السموات والارض بخمسين الف سنة.

”زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے۔“

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل تقدیر چونکہ ازلی ہے، اس کی کوئی ابتداء نہیں، لہذا وقت کی تحدید اصلی تقدیر کے اعتبار سے نہیں بلکہ لوح محفوظ میں لکھنے کے اعتبار سے ہے۔

اشکال: کرتے ہیں کہ جب آسمان وزمین اس وقت موجود نہیں تھے تو گویا زمانہ کا وجود بھی نہیں تھا، کیونکہ زمانہ نام ہے حرکت فلک کا، جب حرکت ہی نہیں تو زمانہ بھی نہ ہوا پھر روایت میں خمسين الف سنہ کیسے درست ہے؟

اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں: ① اس سے تحدید مقصود نہیں بلکہ طویل مدت مراد ہے اس لئے کہ عربی زبان میں پچاس ہزار سال سے طویل زمانہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔

② وقت کی تحدید عرش کی حرکت کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے نہ کہ آسمان کی حرکت کے اعتبار سے اور عرش اس وقت موجود تھا۔ (مرقاۃ: ۱/۱۲۶)

③ ”خمسين الف سنة“ کا عدد تخمینی ہے یعنی اگر اس وقت آسمان موجود ہوتا تو اس کی حرکت کی مقدار پچاس ہزار سال کے بقدر ہوتی۔ (شرح الطیبی: ۱/۲۱۵)

(۸/۲۳۸) ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کے سلام کا جواب علی الاصح واجب ہے جبکہ مبتدع کا ممنوع ہے:

واختلف في الرد عليهم (ای علی اليهود والنصارى) والصواب وجوبه والفرق بينهم وبين اهل البدع ان ائامامورون بهجرهم۔ (ای المبتدعة)

(مختصر زاد المعاد ص: ۱۰۹، فصل فی ہدیۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی السلام علی اہل الکتاب)

”یہود و نصاریٰ کو سلام کا جواب دینے کے بارے میں اختلاف ہے درست یہ ہے کہ ان کے سلام کا جواب واجب ہے، اہل کتاب اور اہل بدعت میں فرق یہ ہے کہ ہمیں بدعتیوں کو چھوڑنے کا حکم ہے۔“

اعتراض: اس حدیث میں اہل قدر یعنی تقدیر میں بے جا بحث کرنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان پر خسف وغیرہ کا عذاب آئے گا جبکہ دوسری روایات سے ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ کی امت پر اس قسم کا عذاب نہیں آئے گا، پس یہ تو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب: اس کے متعدد جوابات ہیں: ایک یہ کہ ممنوع عام عذاب ہے جبکہ یہاں خاص فرقے کی بات کی گئی ہے۔

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ جب تک امت مرحومہ کے لوگ بحالت اتباع شریعت رہیں گے تو وہ بحفاظت ہوں گے مگر جب وہ بگڑ جائیں گے تو پھر ان کے چہرے بھی بگڑ سکتے ہیں کہ باطن کا اثر ظاہر پر رونما ہوتا ہے۔

ملفوظ: ترمذی کے بعض نسخوں میں یہاں اس حدیث سے پہلے ایک اور حدیث کا اضافہ ہے جیسے متن عارضہ اور متن تحفہ دونوں پر موجود ہے، وہ حدیث یہ ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ: ستة لعنتهم ولعنهم الله و كل نبی یجاب، الزائد فی کتاب الله، والمکذب بقدر الله والمتسلط بالجبروت ليعز بذالك من اذله الله ويذل من اعزه الله والمستحل لحرم الله والمستحل من عترتي ما حرم الله والتارك لسننتي. (مجمع الزوائد ص: ۲۹۹ ج ۷)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا چھ آدمیوں پر میں بھی لعنت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور نبی کی لعنت قبول کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا، ظالموں کے ساتھ مسلط دینے والا تاکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو عزت دی ہے اُسے ذلیل کرے اور جسے ذلت دی ہے اُسے عزت دے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھنے والا میری عترت کے خون کو حلال سمجھنے والا اور میری سنت کو چھوڑنے والا۔“

تاہم مشکوٰۃ میں اس روایت کے بعد لکھا ہے: ”رواہ البیہقی فی المدخل و رزین فی کتابہ“ اس میں ترمذی کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ متعدد روایات میں تطبیق: یہاں بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض روایات سے مذکورہ عدد کے علاوہ بھی تقدیر کا لکھنا ثابت ہے مثلاً حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جس مناظرے کا ذکر ترمذی میں گزرا ہے اس کے مسلم شریف والے طریق میں ہے:

”فبکم وجدت اللہ کتب التوراة قبل ان اخلق قال موسیٰ باربعین عامًا“ (مشکوٰۃ ص ۱۹، صحیح مسلم ص ۳۳۵، جلد ۲)

حل: اس کا حل یہ ہے کہ اللہ عز وجل کو اگرچہ کسی چیز کے لکھنے کی ہرگز ضرورت نہیں مگر اللہ عز وجل کا ہر کام ضابطے کے مطابق ہوتا ہے، ایسے امور میں کیا کیا حکمتیں ہو سکتی ہیں ہماری عقل ان تک رسائی سے قاصر ہے، تاہم اپنی قدرت قاہرہ اور حکمت باہرہ کے اظہار کے لئے اور فرشتوں کو نظام چلانے میں سہولت دینے کے لئے تقدیر کا نظام مرتب فرمایا جیسے قیامت کے دن وزن اعمال میں لوگوں کے سامنے ان کے اچھے برے عمل میں تمیز کی خاطر اور یہ کہ اللہ عادل بادشاہ ہے اظہار کے لئے میزان قائم کر دی ہے۔ علیٰ ہذا کہا جائے گا کہ تقدیر ایک ازلی ہے، پھر آسمانوں اور زمینوں سے پہلے زمینوں اور آسمانوں و مافیہا کے احوال دوبارہ الگ سے لکھ دیئے ہیں، پھر جب بچہ ماں کے پیٹ میں سانس لینے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی سے متعلق تقدیر مرتب کی جاتی ہے اور ہر سال کے لئے جو فیصلے ہوتے ہیں وہ بھی تحریر کئے جاتے ہیں، اور انسان کی روزانہ کی کارروائی بھی لکھی جاتی ہے، گویا ایک کلی نظام تقدیر کے بعد مختلف فائلیں تیار کی جاتی ہیں جو خاص در عام کے زمرے میں آتی ہیں، جیسے جنس کے اندر انواع اور انواع کے ضمن میں افراد ہوتے ہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال جاء مشرک کو قریش الی رسول اللہ ﷺ: یخاصمون فی القدر فنزلت هذه الآية.

﴿يَوْمَ يُسْجَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۚ﴾ ﴿۱﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۲﴾ (القدر) (حسن صحیح)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قریش کے مشرکین رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر تقدیر کے بارے میں بحث کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”جس روزیہ لوگ اپنے منہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا کہ) دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں ”بقدر“ سے یہی مراد ہے جس کے لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اتنی ساری احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ اگرچہ علامہ باجی مالکی رحمہ اللہ نے اس تفسیر میں کچھ اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے مگر وہ قابل التفات نہیں لہذا کہا جائے گا کہ قرآن و سنت دونوں اثبات تقدیر پر صریح ہیں، اس لئے عقیدہ تقدیر ایمان کا حصہ ہے تاہم جو لوگ اس میں بحث کرتے ہیں ان کو احتیاطاً کافر نہیں کہنا چاہئے جیسا کہ سابقہ اوراق میں گزرا ہے۔

لعنات: احداث: نئی چیز کا ایجاد کیا، بدعت نکال لی۔ خسف: (خار پر زبر اور سین پر جزم) زمین میں دھنس جانا۔

مسخ: صورت کا تبدیل ہو جانا، بگڑ جانا۔ قذف: سنگ باری، پتھر برسانا۔ قدر: (قاف اور دال پر زبر) تقدیر الہی، اللہ کا فیصلہ جو

بندوں کے لئے کر دیا گیا ہو۔ المقادیر: مقدار کی جمع ہے: تقدیر الہی، وہ شے جس سے کسی چیز کا اندازہ لگایا جائے۔ میخاصمون: بحث و مباحثہ اور جھگڑنے لگے۔ یسحبون: انہیں کھینچا اور گھسیٹا جائے گا۔ ذوقوا: تم مزہ چکھو۔ مس سقرو: عذاب جہنم کا لگنا، اس کا اثر۔

بیان مذاہب: انسان کہاں تک با اختیار ہے اور کہاں تک بے بس، اس بارے میں کافی اختلاف ہے:

(1) فرق اسلامیہ میں سے معتزلہ کہتے ہیں انسان اپنے تمام افعال کا خالق ہے، شرح عقائد میں ہے کہ ان کے اوائل انسان پر خالق کے بجائے موجد اور مخترع کا اطلاق کرتے تھے مگر جبائی اور اس کے اتباع کے بعد والوں نے سوچا کہ یہ سب الفاظ ہم معنی ہیں اس لئے انہوں نے صاف طور سے عبد یعنی انسان کو خالق سے تعبیر کیا۔

(2) قدریہ جن کا نظریہ مختصر اور پر لکھا جا چکا ہے ان کے بارے میں دورائے ہیں: ایک یہ کہ قدریہ معتزلہ کی قسم اور ذیلی شاخ ہے۔ دوسری رائے ان کے بارے میں ہے کہ یہ خوارج کی ایک جماعت و گروہ کا نام ہے بہر حال ان کا زعم یہ ہے کہ انسانی افعال دو طرح کے ہیں: ایک اچھے اور دوم برے، پس اچھے اعمال کا خالق اللہ ہے اور قبیح کا بندہ خود ہے، تاہم ابوداؤد کی روایت میں ہے: ”القدریۃ عجوس هذه الامة“ (سنن ابی داؤد صف: 296)

تاہم قدریہ اوپر کی استثنائی صورت کے علاوہ باقی تمام مخلوقات خواہ وہ شر ہی کیوں نہ ہو سب کا خالق اللہ کا مانتے ہیں، بذل الجہود میں ہے:

والقدریۃ کذا لک فانہم یقولون ان خالق الخیر هو اللہ تعالیٰ و خالق الشر... و جمیع المخلوقات میں الخیر و الشر و القبائح مخلوق للہ سبحانہ و تعالیٰ لا شریک لہ غیر۔ (ص: ۲۱۰ ج ۶، کتاب السنۃ)

”اور قدریہ کہتے ہیں کہ خیر کا خالق وہ اللہ تعالیٰ ہیں اور شر کا خالق اور وہ تمام مخلوقات جن میں خیر اور شر کا پہلو ہے اور بری چیزیں وہ خود اپنی خالق ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں اس کا غیر اس کے ساتھ شریک نہیں۔“

(3) جبریہ جو جہمیہ کے نام سے مشہور ہیں انسان کو مجبور مانتے ہیں ان کا موقف کہ انہوں نے انسان کو تقدیر کے آگے بالکل جماد کی مانند مجبور محض اور بے اختیار قرار دیا ہے لہذا وہ احکام باری تعالیٰ کی تاخیر کے قائل ہیں کہ بقول ان کے انسان کی نہ کوئی مرضی چلتی ہے اور نہ ہی اپنا اختیار چلتا ہے بس وہ تقدیر میں زیادہ بحث کی وجہ سے گویا انکار کے قریب ہو گئے اگرچہ انہوں نے صریح انکار تو نہیں کیا ہے جسے التزام کفر قرار دے کر ان پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے مگر اس کے قریب جانے کی وجہ سے مجازاً ان کو مکرین قدر کہا جاتا ہے، گویا لزوم انکار کو مبالغۃ التزام قرار دیا۔

(4) اہل السنۃ و الجماعت یہ نہ تو انسان کو خالق مانتے ہیں اور نہ ہی مجبور اور جماد کی طرح تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ حضرات افراد تقریط کے درمیان درجۂ اعتدال کے قائل ہیں کہ بندہ کا سب تو ہے مگر خالق نہیں ہے۔

دلائل: جو لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان کے نظریات کی تشریح، ان کے استدلالات اور پھر ان کے جوابات طویل سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اس لئے ان کو یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں جہاں تک باقی فرقوں کا تعلق ہے تو ان کے آپس میں اختلاف کا دارومدار دو طرح کے دلائل پر ہے: ایک نقلیہ اور دوم عقلیہ۔

دلائل نقلیہ میں دو قسم کی آیات ہیں بعض میں افعال کی نسبت اللہ عزوجل کی جانب کی گئی ہے: ﴿يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (فاطر: ۸) جبکہ بعض عبد کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ مثلاً: ﴿اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ﴾ (خم السجدہ: ۴۱) پس ایک فریق نے اول کو حقیقت اور دوسری کو مجاز پر محمول کیا ہے یہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، جبکہ معتزلہ و قدریہ نے اس کے برعکس موقف اپنایا ہے۔ یہ مسئلہ شرح عقائد میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

معتزلہ کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ اگر سب افعال اللہ عزوجل کی تخلیق ہیں تو پھر انسان مجبور ہو گیا کہ وہ اللہ کی تکوین و تخلیق کے آگے اپنا اختیار تو استعمال نہیں کر سکتا ہے، پھر تکلیف کا فائدہ نہ رہا اور ثواب و عقاب کا استحقاق ختم ہوا۔
جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا استدلال جبریہ کے خلاف تو چل سکتا ہے مگر ہمارے خلاف نہیں کہ ہم باوجود عدم خالقیت عبد کے اس کے اختیار کے قائل ہیں جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

دوسری دلیل: وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ افعال عبد کا خالق ہو تو پھر وہ قائم و قاعد، آکل و شارب وغیرہ بھی ہوگا، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تو بڑی جہالت کی بات انہوں نے کی ہے کیونکہ ان افعال سے وہی متصف ہوتا ہے جس کے ساتھ یہ صفات قائم نہ ہوں یہ کہ وہ خالق ہو۔ ”اولایرون ان اللہ تعالیٰ هو الخالق للسوداء والبیاض وسائر الصفات فی الاجسام ولا یتصف بذالک“ یعنی اگر آپ کی بات صحیح ہوئی تو پھر عبد کے افعال غیر اختیاریہ کے بارے میں کیا کہو گے کیا اللہ کو ان سے موصوف مانو گے؟ والعیاذ باللہ

تیسری دلیل: ”ورہما یتمسک بقولہ تعالیٰ: فتبارک اللہ احسن الخالقین، والجواب ان الخلق ہہنا بمعنی التقدير“ یعنی اس قسم کی آیات میں خلق کی نسبت مجازی بمعنی تقدیر و اندازے کے ہے۔

تدریہ کہتے ہیں: کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کے برے افعال کا خالق مان لیا جائے تو ان قبائح کی نسبت اللہ کی جانب ہوگی، اور اس سے ملتا جلتا استدلال مجوس کا بھی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ کسی قبیح فعل کی نسبت کا سب کی طرف ہوتی ہے، خالق کی جانب نہیں کیونکہ خلق تو فیضان الوجود کا نام ہے جو بذات خود حسن ہی حسن ہے۔

جسبر یہ کہتے ہیں: کہ اگر اللہ نے کوئی چیز تقدیر میں لکھی ہو اور عبد اس کے خلاف پر قادر ہو جائے تو اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا عاجز ہونا لازم آتا ہے نیز یہ اللہ کے علم ازلی کے بھی منافی ہے اور ارادے کے بھی خلاف ہے وغیرہ وغیرہ، بہت سارے استحالے لازم آئیں گے، چونکہ یہ سب تو الٰہی محال ہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ عبد، اللہ کے حکم کے آگے اور تقدیر کے سامنے مجبور ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو آپ کا موقف مشاہدے اور جس کے خلاف ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رعشہ کی حرکت اور پکڑنے کی حرکت میں فرق ہے

اول غیر اختیاری ہے جبکہ دوم بادیۃ ارادی و اختیاری ہے، ثانیاً پھر تو عبد کی تکلیف بمالایطاق ہوئی جس پر نہ ثواب ملتا ہے اور نہ گناہ۔

نسیز: یہ موقف لغوی استعمالات اور اصطلاحی محاورات کے بھی خلاف ہے کہ لوگ نماز وغیرہ کی نسبت عبد کی طرف کرتے ہیں اور

اسے حقیقی نسبت گردانتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ صریح نصوص کے بھی خلاف ہے۔

رہی یہ بات کہ عبد اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تو یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس سے جبر لازم نہیں آتا کیونکہ اللہ نے اپنا ارادہ اور علم بندے کے ارادے کے ساتھ متعلق کیا ہے جب ازل میں اللہ نے دیکھا کہ فلاں فلاں کام بندہ فلاں فلاں وقت پر کرے گا تو اللہ کو واقعہ کے مطابق معلوم ہونا جبر کو مستلزم نہیں ہوا بلکہ اس سے تو انسانی ارادہ اور بھی بچتے ہوا۔ اہل السنۃ والجماعۃ یا اشاعرہ و ماتریدیہ کے استدلالات درج ذیل ہیں۔

- (1) پہلا استدلال: یہ ہے کہ اگر بندہ کو خالق مانا جائے جیسا کہ معتزلہ و قدریہ مانتے ہیں پھر تو یہ عقیدہ مجوس سے بھی زیادہ جاہلانہ ہوگا کہ وہ دو خداؤں کے قائل ہیں اور اہل اسلام زیادہ کے معتقد ہوں گے۔
- (2) دوسرا استدلال: یہ ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کی تفصیل سے آگاہی لازمی ہے جبکہ مثلاً کراچی سے لاہور تک پیدل چلنے والے کو اپنے قدموں کی تعداد اور عضلات کی حرکات تک کا پتہ نہیں ہوتا پھر یہ کیسی خلقت ہوئی؟
- (3) تیسرا استدلال: اس بارے میں نصوص صاف بتا رہی ہیں کہ بندہ کے افعال خالق بھی خدائے ذوالجلال ہے۔ مثلاً:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الصافات: ۹۶) وغیرہ۔

اس کے برعکس اگر بندے کو مجبور اور بالکل بے اختیار مانا جائے تو تکلیف بمالایطاق لازم آتی ہے، اس لئے بیچ کا درجہ ماننا پڑے گا کہ عبد کا سب تو ہے مگر خالق نہیں یعنی جب وہ اپنا ارادہ کسی فعل سے متعلق کرتا ہے تو اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے فیضان وجود ہوتا ہے اور چونکہ ایسے میں عبد اپنے آپ کو قادر سمجھتا ہے اور تکلیف کے لئے اتنی سی قدرت بھی کافی ہے اس لئے کوئی استحالہ خالقیت کا یا جبر کا لازم نہیں آتا، غرض تعلق ارادہ کسب ہے جبکہ وجود دینا خلق۔ خلق اور کسب کے درمیان مزید وجوہ فرق کے لئے شرح عقائد دیکھئے۔

فائدہ: حضرت تھانوی رحمہ اللہ بواہر النوادر میں فرماتے ہیں کہ افعال اختیار یہ میں انسان کا یہ اعتقاد کہ اگر چاہوں تو کر لوں گا اور نہ چاہوں تو نہیں ہوگا، ایسا اختیار ہے جو دلیل کا محتاج نہیں بلکہ بدیہی ہے اور یہی فعل کے صدور کی علت قریبہ ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس اختیار کی صفت بھی اور اس صفت کا فعل کے ساتھ تعلق بھی دونوں مخلوق ہیں حق تعالیٰ کے، اس طرح سے کہ تخلیق حق کے بعد ان کا عدم وقوع، قدرت عبد سے خارج ہے اور یہ تخلیق علت بعیدہ ہے صدور افعال اختیار یہ کی، جس شخص نے افعال مذکورہ کی صرف علت قریبہ پر نظر کی وہ قدری ہو گیا اور جس نے صرف علت بعیدہ پر نظر کی وہ جبری ہو گیا اور جس نے دونوں پر نظر کی وہ کہہ کر کہ ”لا جبر ای محضاً ولا قدر ای محضاً ولكن الامر بین بین“ سنی ہو گیا۔ (ص: ۹۲، ادارۃ اسلامیات لاہور)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ارادے کا سبب خیالات ہیں اور خیالات کے کم از کم پانچ اسباب ہیں۔ (راجع للتفصیل حجة اللہ البالغہ، باب فی اسباب الخواطر الباعثۃ علی الاعمال)

اشکال: اگر معتزلہ و قدریہ خالقیت عبد کے قائل ہیں تو پھر تو وہ مشرک ہوئے حالانکہ ان پر اسلاف نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے ایسا کیوں ہوا؟

جواب: اس کا جواب شرح عقائد میں دیا ہے کہ شرک یہ ہے کہ کسی کو اللہ کے ساتھ الوہیت بمعنی وجوب الوجود یا استحقاق العبادت

میں شریک مانا جائے جبکہ معتزلہ وغیرہ اس کے قائل نہیں بلکہ وہ بندے کی خالقیت کو بھی اللہ کی خالقیت کی طرح ہیں مانتے ہیں کیونکہ وہ بندے کو اسباب و آلات کا محتاج تسلیم کرتے ہیں۔ (ص: ۶۱)

علیٰ ہذا حدیث الباب میں ”لیس لہما فی الاسلام نصیب“ تغلیظ پر محمول ہے، یہی جمہور اور محققین کا مذہب ہے۔
سند کی بحث: اس حدیث کی تین سندیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہیں: پہلی سند میں علی بن نزار اسدی کوئی اپنے والد نزار بن حیان اسدی سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں اور دوسری سند میں محمد بن بشر: سلام بن ابی عمرہ سے روایت کرتا ہے، یہ سلام: ابو علی خراسانی ہے اور یہ بھی ضعیف راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے، تہذیب التہذیب میں ہے کہ وہ ثقہ روایت سے الٹ پلت روایتیں بیان کرتا ہے چنانچہ اس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں اور تیسری سند میں محمد بن بشر، علی بن نزار سے روایت کرتا ہے اور وہ عکرمہ سے، اس سند میں علی کے باپ نزار بن حیان کا واسطہ نہیں، مگر یہ علی خود ضعیف ہے، اس لئے اس کی تمام سندیں صحیح نہیں، پس اس حدیث کی بنیاد پر ان فرقوں کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لغات: ”صنفان“ صنف بکسر الصاد کا تثنیہ ہے، نوع اور قسم کو کہتے ہیں۔ ”مرجئہ“ ارجاء سے ہے بمعنی تاخیر کے اور کبھی ہمزہ کو یا سے بھی تبدیل کیا جاتا ہے جیسے مرجیہ، یہ لوگ کسی چیز کی تاخیر کے قائل ہیں؟ تو اس بارے میں متعدد اقوال ہیں، کسی نے کہا کہ یہ عمل کو ایمان سے الگ کرتے ہیں کہ نفس تصدیق کی صورت میں جتنے بھی گناہ کیوں نہ ہوں مگر اس سے عذاب مؤخر یعنی نفی ہوگا، مگر یہاں جو معنی مناسب ہے وہ یہ ہے۔

اس حدیث پر محشی ترمذی نے تفصیل سے بحث فرمائی اور مختلف اقوال وضع، تضعیف اور مخدوش توثیق کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ولا شک ان تحسین ”ت“ (ترمذی) له مقدم علی هذه الاشیاء مع ما اشار الیہ من شواہد عن ذکر من الصحابة انہی۔ غرض اس بارے میں علی بن نزار باپ بیٹا دونوں، اسی طرح سلام بن ابی عمرہ کے ضعف کے باوجود روایت درجہ حسن پر فائز ہے۔ کہا قالہ الترمذی۔

باب

باب

(۲۰۸۲) مُثَلِّ ابْنُ آدَمَ وَآلِی جَنْبِهِ تَسْعُ وَتَسْعُونَ مَرَّةً اِنْ اَخْطَا تِلْكَ الْمَنَایَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ حَتَّى يَمُوتَ.

تو بخیر: مطرف بن عبد اللہ اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں ابن آدم کی تخلیق یوں کی گئی ہے کہ اس کے پہلو میں ننانوے ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو اسے موت تک پہنچا دیں اور اگر وہ اسے موت تک نہیں پہنچا پائیں تو بھی آدمی بوڑھا ہو کر مر جاتا ہے۔
انسان ننانوے اسباب موت میں گھرا ہوا ہے

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس پر آنے والی مصائب و مشکلات کو بھی پیدا کیا جاتا ہے، حدیث میں ننانوے مصیبتوں کا ذکر کثرت کے لئے ہے ننانوے کا عدد تکثیر کے لئے ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی صورت میں موت سے بچ نہیں سکتا کیونکہ پیدا ہوتے ہی وہ امراض و آفات کی لپیٹ میں آ جاتا ہے خواہ وہ بچنے کی جتنی بھی سعی کرے

مُرد و بچہ نہیں سکتا اس لئے عام موت بڑھاپے سے پہلے ہی بیاریوں یا حادثوں کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں مگر بالفرض اور شاذ و نادر جو بچے جاتے ہیں تو اسی (80) سو (100) سال کے بعد وہ شدید بڑھاپے کی آغوش میں خود بخود خواہی و ناخواہی چلے جاتے ہیں اور یہی ان کا آخری مرحلہ ہوتا ہے اس کے بعد کوئی امکان بچنے کا نہیں رہتا کما ہوا الشاہد، کسی نے خوب کہا ہے "لَا دُنْیَا مِلَّ الْمَوْتِ" دنیا میں آنا ہی جانے کا پیغام و پیش خیمہ بلکہ مستلزم للذہاب ہے۔ اعرابی میں محاورہ ہے: الذی ایا اھداف البلیا یا لوگوں پر مصائب لازم ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں عموماً ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی میں ضرور مبتلا رہتا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارتا رہے اور اس کے فیصلوں پر راضی رہے۔ (تحفۃ الاحوذی 304، 6)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّضَا وَالْقَضَاءِ

باب: فیصلہ خداوندی پر راضی رہنا

(۲۰۱۳) وَمِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَا كَيْمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللَّهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ قَضَى اللَّهُ لَهُ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ابن آدم کی سعادت مندی میں یہ بات بھی شامل ہے اس فیصلے پر راضی رہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کیا ہے اور ابن آدم کی بدبختی میں یہ بات بھی شامل ہے وہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنے کو ترک کر دے اور ابن آدم کی بدبختی میں یہ بات بھی شامل ہے وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ناپسند کرے۔
تشریح: رضاء بالتقضاء کا حکم: اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بندے کے حق میں چونکہ مبرا اس کی بھلائی اور فائدے کے مطابق ہوتا ہے، اس لئے اس پر خوش رہنا چاہئے خواہ اس کی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، زبان پر گلے شکوے اور ناشائستہ گفتگو سے اجتناب کرنا چاہئے، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے رضا بالتقضاء کو سعادت کی علامت قرار دیا ہے، علامہ طہی بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ سعادت مندی دو وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ آدمی جب اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر پر راضی ہوگا تو پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اپنے معمولات ادا کر سکے گا، اس کے برعکس اگر رضا بالتقضاء نہ ہو تو ایسا آدمی ہر وقت شکر اور پریشان رہتا ہے، ایسے میں وہ کوئی کام یکسوئی سے نہیں کر سکتا، دوسرا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں، یوں وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو جائے گا، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ خیر و شر، نفع اور نقصان سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، طبیعت کے خلاف بات پیش آجائے تو اس پر صبر کرے اور جو بات منشاء کے مطابق ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر لیا کرے۔

وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللَّهِ: یہ جملہ درمیان میں ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جو شخص اپنے تمام امور کو اللہ کے سپرد کر دے تو اسے بھی اللہ سے مشورہ اور خیر کو ضرور طلب کرتے رہنا چاہئے۔

استحارہ مباح امور میں ہوتا ہے، بہتر یہ ہے کہ کم از کم تین دن تک اسے کیا جائے اگر خواب میں کوئی اشارہ ہو جاتا ہے تو بہت

اچھا ورنہ استخارے کے بعد جس پر دل مطمئن ہو جائے اس کام کو کر لیا جائے، اس میں انشاء اللہ خیر ہوگی۔ استخارے میں خواب دیکھنا لازمی نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی 305/6)

اعتراف: یہاں یہ اشکال و دار ہوتا ہے کہ ایک طرف رضا بالقضاء واجب ہے جیسا کہ عقائد کی کتب میں ہے، دوسری طرف کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ کفر مقضیٰ ہے جبکہ رضا قضاء پر واجب ہے مقضیٰ پر نہیں۔ تاہم اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی ملحوظ ہو کہ اگرچہ قضا اللہ کی صفت ہے اور کفر بندے کا وصف اور فعل ہے مگر رضا بالكفر کی صورت میں اللہ کی صفت پر رضا تو مراد نہیں ہو سکتی اس لئے بعض محققین نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ رضا بالكفر من حیث انہ کفر یعنی من حیث ذات الکفر، کفر ہے اور من حیث انہ مقضیٰ بہ کفر نہیں بلکہ رضا بالقضاء ہے۔

سند کی بحث: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی محمد بن ابی حمید جس کو حماد بن ابی حمید بھی کہا جاتا ہے اور وہی ابو ابراہیم مدنی بھی ہے، یہ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

لغات: مثل: (میم پر پیش اور ثاء پر تشدید اور زیر، مجہول کا صیغہ ہے) پیدا کیا گیا، صورت دیا گیا، جنبہ: اس کے پہلو، اس کے قریب۔ منیۃ: مہلک آفت و مصیبت یعنی موت کے اسباب، اس کی جمع منایا ہے۔ اخطاتہ: وہ اسباب اس سے متجاوز ہو جائیں یعنی بیماری، بھوک، جلنا، ڈوب جانا۔ ان میں سے کوئی سبب بھی اسے نہ پہنچے۔ الہرم: بڑھاپا۔ مطرف بضم المیم و تشدید الراء المکسورة بصیغہ اسم فاعل۔ قوله ”الشخیو“ بکسر الشین و کسر الخاء المشددة و سکون الیاء، حضرت عبداللہ بن الشخیر عامری ”یعد فی البصریین و فدا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بنی عامر۔“



أَبْوَابُ الْفِتَنِ

آزمائشوں کا بیان

فتنوں کی قسمیں:

فتنے چھ قسم کے ہیں:

پہلی قسم آدمی کے اندر کا فتنہ: اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں، اس کا دل سخت ہو جائے، اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے جسم میں فہم کے اعتبار سے تین باریک (خفی) چیزیں ہیں، قلب، عقل اور نفس، دل سے غصہ، بہادری، حیاء، محبت، خوف، انقباض و انبساط جیسے احوال کا تعلق ہے..... اور عقل کا دائرہ کار وہاں سے شروع ہو جاتا ہے جہاں پہنچ کر حواس خمسہ ظاہرہ کا کام ختم ہو جاتا ہے اور عقل بدیہی اور نظری دونوں قسم کے علوم کا ادراک کرتی ہے، جیسے تجربہ اور حدس وغیرہ کے ذریعہ جو بدیہی باتیں جانی جاتی ہیں وہ عقل کا کام ہے، اسی طرح برہان و خطابیات وغیرہ کے ذریعہ جو نظری علوم حاصل کئے جاتے ہیں: وہ بھی عقل کا فعل ہے اور نفس خواہش کرتا ہے یعنی انسان کی بقاء کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں جیسے کھانا، پینا، سونا اور صحبت کرنا، ان کی نفس خواہش کرتا ہے۔

قلب کے بُرے احوال:

① جب قلب پر بھی خصلتیں قبضہ جمالیتی ہیں اور اس کی دلچسپیاں جانوروں جیسی ہو جاتی ہیں تو وہ قلب بھی کہلاتا ہے (یہ ادنیٰ درجہ ہے)۔

② اور جب خواب یا بیداری میں قلب شیطان کے وسوسے قبول کرتا ہے تو وہ قلب: قلب شیطانی ہو جاتا ہے، سورۃ الانعام آیت میں ایسے لوگوں کو شیاطین الانس (انسان نما شیطان) کہا گیا ہے۔ (یہ فساد قلب کا اعلیٰ درجہ ہے)۔

قلب کے اچھے احوال:

① جب قلب پر ملکی خصلتیں قبضہ جمالیتی ہیں تو وہ قلب: قلب انسانی کہلاتا ہے اور اس وقت خوف اور محبت وغیرہ جذبات ان برحق اعتقادات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں جن کو آدمی نے محنت سے حاصل کیا ہے (یہ صلاح کا ادنیٰ درجہ ہے)۔

② اور جب دل کی صفائی اور نور قوی ہو جاتا ہے تو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو ”روح“ کہتے ہیں، اب اس دل میں انبساط ہی

انساب ہوتا ہے، انقباض کا نام و نشان نہیں رہتا، اور الفت و محبت ہی رہ جاتی ہے، قلع و بے چینی کا نام و نشان مٹ جاتا ہے، اس دل کے احوال کو صوفیاء ”انفاس“ کہتے ہیں، جب قلب اس حال میں پہنچ جاتا ہے تو ملکی خصوصیات عادتِ ثانیہ بن جاتی ہیں اور وہ اکتسابی نہیں رہتیں (یہ صلاح کا اعلیٰ درجہ ہے)۔

عقل کے بُرے احوال:

① جب عقل پر بھی خصلتیں غالب آ جاتی ہیں تو عقل مکار ہو جاتی ہے اور آدمی کو ایسے خیالات آنے لگتے ہیں جو فطری تقاضوں کی طرف مائل ہوتے ہیں، جیسے جماع کے خیالات آتے ہیں، اگر شہوت کی فراوانی ہوتی ہے اور کھانوں کے خیالات آتے ہیں اگر وہ بھوکا ہوتا ہے (یہ فساد عقل کا ادنیٰ درجہ ہے)۔

② اور اگر عقل پر شیطان کی وحی قبضہ جمالیتی ہے تو آدمی کو بہترین نظام کی شکست و ریخت کے خیالات آتے ہیں، معتقدات حقہ میں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسی کمزور و منکر ہیئوں کی طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے جن سے نفوس سلیمہ نفرت کرتے ہیں (یہ فساد عقل کا اعلیٰ درجہ ہے)۔

عقل کے اچھے احوال:

① جب عقل پر کسی درجہ میں ملکی خصلتیں قبضہ جمالیتی ہیں تو وہ بدیہی یا نظری، ارتقائی اور احسانی علوم کی تصدیق کرنے لگتی ہے، جن کی تصدیق ضروری ہے (یہ ادنیٰ درجہ ہے)۔

② اور جب عقل کی صفائی اور نور قوی ہو جاتا ہے تو اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو ”عقل خفی“ کہتے ہیں (اور یہ عقل کی ترقی کا اعلیٰ درجہ ہے، اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں)۔

نفس کے تین احوال: ① جب نفس بھی خصلتوں کی طرف اترتا ہے تو وہ نفس امارہ کہلاتا ہے (یہ برافنس ہے)۔

② اور جب نفس: ملکیت و بہیمیت کے درمیان متردد ہوتا ہے، کبھی ملکیت کی طرف جھکتا ہے، کبھی بہیمیت کی طرف، تو وہ نفس لوامہ کہلاتا ہے (یہ بین بین حالت ہے اور غنیمت ہے)۔

③ اور جب نفس: شریعت کے احکام کا پابند ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے خلاف اقدام نہیں کرتا، ہمیشہ اس کے موافق ہی عمل کرتا ہے تو وہ نفس مطمئنہ کہلاتا ہے (یہ عمدہ نفس ہے)۔

عرض: قلب، عقل اور نفس کے خارجی اثرات کی وجہ سے جو برے احوال ہیں وہ آدمی کے اندرونی فتنے ہیں، جن سے اپنی حفاظت ضروری ہے، اور قرآن و حدیث میں عام طور پر اسی فتنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، سورۃ الانبیاء آیت 35 میں ہے:

﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّيْرِ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ ”اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمائے کو۔“

یعنی سختی، نرمی، تندرستی، بیماری، تنگی، فراخی، عیش، مصیبت وغیرہ احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے، تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کندن کون ہے اور خرف کون؟

دوسری قسم: گھر میں فتنہ: ... اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے، حدیث میں ہے: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، یعنی دربار لگاتا ہے، پھر وہ لشکر کی ٹکڑیاں بھیجتا ہے، ان میں سے اس کے نزدیک مرتبہ میں قریب تر وہ ہوتا ہے جو ان میں سے سب سے بڑا فتنہ

پاکرے ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے: میں نے یہ کیا وہ کیا، شیطان کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا! پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے: میں ایک شخص کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کرادی! شیطان اس کو قریب کرتا ہے اور کہتا ہے: پٹھے! تو نے بڑا اچھا کام کیا! (مسلم 17:107 مصری)

تیسری قسم: وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے اور وہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے اور لوگوں کا ناحق حکومت کی آزا کرنا ہے، حدیث میں ہے: ”شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی بندے اس کی پرستش کریں، البتہ وہ ان کو آپس میں لڑانے میں لگا ہوا ہے۔“ (مسلم 17:156 مصری)

چوتھی قسم: ملی فتنہ.... اور وہ یہ ہے کہ مخصوص صحابہ وفات پا جائیں اور دین کا معاملہ نا اہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے، پس اولیاء اور علماء دین میں غلو کریں اور بادشاہ اور عوام: دین میں سستی برتیں، نہ تجھے کاموں کا حکم دیں، نہ برے کاموں سے روکیں، پس زمانہ: زمانہ جاہلیت ہو کر رہ جائے، حدیث میں ہے ”اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی بھی امت میں جو نبی مبعوث کیا ہے اس کے لئے اس کی امت میں سے مخصوص حضرات اور ساتھی ہوتے گئے جو اس کی سنت پر عمل پیرا ہوتے تھے اور اس کے دین کی پیروی کرتے تھے، پھر ان کے جانشین ایسے ناخلف ہو گئے جو وہ باتیں کہتے تھے جو کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا وہ حکم نہیں دیتے گئے تھے۔ پس جو شخص ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں۔“ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، حدیث 157 باب الاعتصام)

پانچویں قسم: عالمگیر فتنہ..... یہ بد دینی کا فتنہ ہے، جب یہ فتنہ رونما ہوتا ہے تو لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں سے نکل جاتے ہیں اور لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔

① جو سب سے زیادہ ستھرے اور سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہوتے ہیں: وہ دو کام کرتے ہیں: ایک طبیعت کے تقاضوں سے بالکل بے طرف ہو جاتے ہیں ان کی اصلاح نہیں کرتے، یعنی تارک الدنیا ہو جاتے ہیں اور بیوی بچوں سے بے تعلق ہو کر سنیا سی بن جاتے ہیں حالانکہ شریعت کی یہ تعلیم نہیں، شریعت نے طبیعت کی اصلاح کا حکم دیا ہے اور اس کی صورتیں تجویز کی ہیں۔ دوسرے مجردات یعنی ملائکہ کی مشابہت اور ان کا اشتیاق پیدا کرتے ہیں اور اس کی وہ کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرتے ہیں، مثلاً شب بیداری کرنا یا کثرت سے روزے رکھنا وغیرہ۔

② عام لوگ ہوتے ہیں جو بہیمیت خالصہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور حیوانیت کو شر مادی نے والے کام کرنے لگتے ہیں۔

③ بیچ کے لوگ ہوتے ہیں جو نہ پوری طرح ان کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ ان کی طرف۔

چھٹی قسم: فضائی حادثات کا فتنہ..... بڑے بڑے طوفانات اٹھتے ہیں، دبا سیں پھیلتی ہیں، زمین دھنستی ہے، اور بڑے علاقہ میں آگ لگتی ہے، اور عام تباہی مچتی ہے، اللہ تعالیٰ ان حادثات کے ذریعہ مخلوق کو ڈراتے ہیں تاکہ وہ اپنی بد اعمالیوں سے باز آئیں۔

فتن: ملائم اور علامات قیامت کی روایتوں کا انداز: فتن: ملائم اور علامات قیامت کی روایات اہم ہیں۔ ان کا خاص مقصد ملت کو زندگی کے نشیب و فراز سے واقف کرنا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں فتنوں کا شکار ہو کر متاع زندگی لٹا نہ دیں اور چونکہ یہ تینوں باتیں آئندہ پیش آنے والی ہیں اس لئے ان کی روایات میں مجازی تعبیرات ہیں یعنی آگے جو کچھ پیش آئے گا اس کو نبی ﷺ نے اپنے زمانہ کی تعبیرات

میں اداء فرمایا ہے، مثلاً یا جوج ماجوج جب لوگوں سے نمٹ جائیں گے تو کہیں گے: آؤ! اب آسمان والوں کو قتل کریں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے جو خون آلود ہو کر واپس لوٹیں گے، وہ خوش ہوں گے کہ ہم نے ایک فرشتہ مارا اب اس کی کیا صورت ہوگی، اور ان کے تیروں کی کیا نوعیت ہوگی وہ وقت بتلائے گا، اسی طرح ان روایات میں وقت کی تحدید بھی نہیں کی جاتی، اس لئے آئندہ جو واقعات پیش آئیں گے ان میں سے متعدد واقعات پیش خبری کا مصداق ہو سکتے ہیں، پس قطعیت کے ساتھ کسی ایک واقعہ کو ان روایات کا مصداق قرار دینا درست نہیں، یہ روایات ایک اجمالی راہنمائی ہیں جس سے مومنین آنے والے فتنوں میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

فتنوں پر تفصیلی کلام کی حکمتیں:

نبی ﷺ نے فتنوں پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور اس میں چند حکمتیں ہیں:

- ① بعض فتنوں کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے حفاظت کا سامان کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ فتنے اختیاری ہیں اور اختیاری کام کی دونوں جہتیں اختیاری ہوتی ہیں، جیسے کذب بیانی اور جھوٹی گواہی کا فتنہ اختیاری ہے۔
- ② بعض فتنے اگرچہ غیر اختیاری ہیں، جیسے دجال کا فتنہ، ان کے بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ان کے شر سے واقف ہو جائے تو ان سے بچنا آسان ہو جائے گا۔
- ③ بعض فتنوں کے بیان کے ساتھ ہی ان سے بچنے کی راہ بھی بتادی ہے، جیسے دریائے فرات کا پانی سوکھ جائے گا اور سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا تو فرمایا ”پس اس میں سے کچھ نہ لینا“۔
- ④ سبھی فتنے قیامت کی نشانیاں ہیں، ان کے بیان کرنے کا یہ مقصد بھی ہے کہ لوگوں کو قیامت کا نزدیک آنا معلوم ہو جائے اور وہ آخرت کی تیاری میں مشغول ہوں۔
- ⑤ اور سب سے اہم فائدہ: مخلص اور غیر مخلص کو جدا کرنا ہے، جیسے امتحان اسی مقصد سے لیا جاتا ہے کہ کس نے پڑھا ہوا یاد کیا ہے اور کس نے یاد نہیں کیا، اسی طرح مومن کا بھی وقتاً فوقتاً امتحان ہوتا ہے کہ کون دعویٰ ایمان میں کھرا ہے اور کون کھوٹا، چنانچہ صرف مدنی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کم از کم دس مرتبہ امتحان لیا گیا۔ اب یہ نبی ﷺ کی غایت درجہ شفقت ہے کہ امت کو وہ کمزور پوائنٹ بتادیئے جہاں ایک مومن فیل ہو سکتا ہے۔

ایک واقعہ:

نصرالدین طوسی نے اپنے زمانہ کے بادشاہ سے کہا کہ وہ رصد گاہ قائم کرنا چاہتا ہے، بادشاہ نے پوچھا: اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ طوسی نے کہا: ہم ستاروں کی چالوں پر نظر رکھیں گے اور جو واقعات رونما ہونے والے ہیں ان سے پہلے سے واقف ہو جائیں گے، بادشاہ نے پوچھا: کیا ہم ان واقعات کو ہونے سے روک سکیں گے؟ طوسی نے کہا نہیں، وہ واقعات پیش آکر رہیں گے، بادشاہ نے پوچھا: رصد گاہ کا خرچ کیا ہے؟ طوسی نے کہا: پچاس ہزار روپے۔ بادشاہ نے کہا: جب ہم ان واقعات کو روک نہیں سکتے تو ان کو جاننے سے کیا فائدہ؟ اور اتنا بڑا خرچ کیوں کیا جائے؟ طوسی نے کہا: اس کا فائدہ بتاؤں گا۔

پھر طوسی نے ایسے بہت سارے برتن بنوائے جو وزن میں ہلکے ہوں، مگر بجیں بہت! جب برتن تیار ہوئے تو طوسی نے بادشاہ سے دربار کرنے کی درخواست کی۔ دربار شروع ہو گیا، جب دربار شباب پر تھا تو حسب پروگرام وہ برتن چھت کے سوراخ سے دربار

میں ڈالے گئے اور لوگوں میں وہ بھگڑ رہی کہ الامان والحفیظ! مگر بادشاہ اور طوسی بہ اطمینان بیٹھے رہے کیونکہ ان کو پہلے سے اس ڈرامہ کا علم تھا۔ جب ہنگامہ ختم ہوا تو طوسی نے کہا: ہمیں چونکہ اس حادثہ کا پہلے سے علم تھا اس لئے ہم مطمئن رہے اور لوگوں کو علم نہیں تھا اس لئے ان کے ازار بند ٹوٹ گئے، یہ حوادث کو پہلے سے جاننے کا فائدہ ہے، چنانچہ بادشاہ نے اجازت دی اور اسلام میں سب سے پہلی رصد گاہ طوسی نے بنائی۔ اسی طرح فتن کی واقفیت بھی ظہور فتن کے زمانے میں ایمان کی حفاظت کا سامان ہے، نیز جو فتن سے واقف نہیں وہ نادانستہ طور پر بھی فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، غرض مختلف حکمتوں سے نبی ﷺ نے فتن پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

اس امت میں فتنوں کی زیادتی:

فیض الباری (4:495) میں ہے کہ فتنہ وہ چیز ہے جس سے مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز ہوتا ہے اور حدیث میں ہے کہ امت محمدیہ میں فتنے زیادہ آئیں گے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علامہ کشمیری قدس سرہ اس کی وجہ سوچتے رہے تو آپ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ گزشتہ امتوں پر عذاب آتا تھا اور وہ نیست و نابود کر دی جاتی تھیں اور اس امت کے لئے بقاء مقدر ہے اس لئے بدکار اور نیکوکار میں امتیاز ضروری ہے، اس لئے اس امت کے لئے فتنے مقدر کئے گئے ہیں تاکہ ان سے امتیاز حاصل ہو (شاہ صاحب رحمہ اللہ کی بات پوری ہوئی) پس فتنہ ہر شخص کے لئے مضر نہیں آگ میل کو بھسم کرتی ہے اور سونے کو نکھارتی ہے، اسی طرح فتنے مومنین کی پرواز بڑھاتے ہیں ان کے لئے فتنوں میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنی میں مستعمل ہوا ہے، عذاب کے معنی میں (۱) کہا قال تعالیٰ: ﴿ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ﴾ (الذاریات: ۱۴)

(۲) ما یحصل من العذاب کے معنی کہا قال تعالیٰ ﴿الْأَفِئْتَنَةِ سَقَطُوا﴾ (التوبہ: ۴۹)

(۳) اختیار و آزمائش کے معنی میں وفتنک فتونا آزمائش جس میں انسان کو مبتلا کر دیا جائے خواہ وہ شی شر ہو یا خیر۔

قال تعالیٰ: ﴿وَنَبِّؤُكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ (الانبیاء: ۳۵) مگر اکثر شر کے معنی میں مستعمل ہے۔

فتنہ: ان افعال میں سے ہے جو بندہ کی جانب سے صادر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی مثلاً بلیہ، مصیبت، قتل، عذاب، معصیت، مکروہات وغیرہ اب اگر اللہ کی جانب سے ہے تو کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی اور اگر فتنہ بندہ کی جانب سے ہے تو مذموم و برا ہے۔ کہا قال تعالیٰ: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (البقرہ: ۱۹۱)

لعنات: فتنہ: کا مادہ فتن ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: سونے کو آگ میں تپا کر کھراکھوٹا معلوم کرنا۔ (راغب) پھر فتنہ کے معنی آزمائش کے ہو گئے اور آزمائش میں چونکہ تکلیف دی جاتی ہے اس لئے ایذا رسانی اور اس کی مختلف شکلوں کے لئے اور آزمائشوں میں جو کھوٹا ثابت ہوا اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے ان سب کے لئے قرآن و حدیث میں لفظ فتنہ اور اس کے مشتقات استعمال کئے گئے ہیں، پس فتنہ کے معنی ہیں: آزمائش، آفت، دنگا فساد، ہنگامہ، دکھ دینا اور تحقیر مشق بنانا وغیرہ۔

تشوہیح: اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں انسان ہر گھڑی میدان امتحان میں کھڑا ہے، ایمان و کفر تو بڑے امتحانات ہیں مگر مومن کا بھی مختلف شکلوں میں امتحان ہوتا ہے، حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ ہر امت کی آزمائش کرتے ہیں اور میری امت کی آزمائش مال سے کریں گے“ (مشکوٰۃ حدیث 5194) پس اگر مومن اس آزمائش میں کامیاب ہو جائے تو زہد نصیب! ورنہ اس کا خمیازہ دنیا و آخرت میں بھگتنا پڑے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثٍ

باب ۱: کسی مسلمان کا قتل بجز تین وجوہ کے جائز نہیں

(۲۰۸۴) اَنَّ عُمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ أَنُشِدُكُمْ اللَّهَ أَن تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثٍ زَنَّا بَعْدَ إِحْصَانٍ أَوْ ارْتَدَّادٍ بَعْدَ إِسْلَامٍ أَوْ قَتَلَ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقَتَلَ بِهِ فَوَاللَّهِ مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا فِي إِسْلَامٍ وَلَا ارْتَدَدْتُ مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ فِيمَ تَقْتُلُونَنِي.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے گھر سے جھانک کر ارشاد فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ نبی اکرم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کسی بھی مسلمان کا خون تین میں سے کسی ایک وجہ سے حلال ہوتا ہے محسن ہونے کے باوجود زنا کرنا اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جانا یا کسی شخص کو ناحق قتل کر دینا تو اس شخص کو قتل کر دیا جاتا ہے اللہ کی قسم میں نے زمانہ جاہلیت میں اور زمانہ اسلام میں کبھی زنا نہیں کیا اور جب سے میں نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس سے اسلام قبول کیا ہے میں مرتد نہیں ہوا اور میں نے ایسے کسی شخص کا قتل نہیں کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو تو تم کس وجہ سے مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟

تشریح: ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ (بالتصغیر) صحابی ہیں مگر آپ ﷺ سے سماع ثابت نہیں۔ اس واقعے کا مختصر پیش منظر جو ابن خلدون رحمہ اللہ (جلد اول کے باب اٹھارہ) میں تفصیل سے لکھا ہے: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن (سودا) سبا یہودی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بطمع مال و زر (بلکہ بنیت فساد) ایمان ظاہر کر کے اہل بیت کی محبت کی آڑ میں لوگوں کو امیر المومنین حضرت عثمان اور شیخین رضی اللہ عنہ کے خلاف اکساتا اور ان کے خلاف بہتان تراشتا، اس نے بصرہ، کوفہ اور بالآخر مصر میں ان خیالات کا بھرپور انداز اور شاطرانہ طریقے سے پرچار کیا، بہت سے لوگ اس کے خیالات کی جانب مائل ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خیالات جنم لینے لگے، ان کے الزامات میں منیٰ میں چار رکعات نماز پڑھنا، مصاحف کو جلانا، اپنے امراء اور عاملوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا وغیرہ شامل تھے مگر سب سے زیادہ پروپیگنڈہ اقرہ پروری کا کامیاب ہوا اور بصرہ و کوفہ اور مصر سے ایک ایک ہزار لشکر آ کر مدینہ کا گھیراؤ اور خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر بیٹھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ نے ان بلوایوں مصر وغیرہ کو نشیب و فراز سمجھا کر واپس لوٹا یا مگر راستہ میں مروان کا ایک جعلی خط ان کے ہاتھ لگا جس نے جلتی پرتیل کا کام کیا اور بلوایان مصر واپس مدینہ آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذریعہ بنے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی رحمہ اللہ ص: ۱۲۶)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے المسک الزکی میں بحوالہ تاریخ الخلفاء للسیوطی رحمہ اللہ لکھا ہے کہ مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی مہر وغیرہ ان کے پاس رہتی تھی، اس نے حکم مصر کو ایک خط لکھا اور اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر لگا دی اور یہ خط غلام کو دے کر مصر روانہ کر دیا، وہ غلام راستہ میں گرفتار ہوا اور خط برآمد ہوا، چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ جب بلوایان مصر

دوبارہ مدینہ کی طرف لوٹے تو محمد بن مسلمہ نے اس کا سبب پوچھا، فتنہ پردازوں نے وہ خط دکھایا (جو مروان نے جعلی طریقے سے از طرف امیر المومنین لکھا تھا) اس خط میں بعض لوگوں کے نام متعین کر کے لکھا تھا کہ ان کو قید اور سر اور داڑھیاں مونڈنے کی سزا دی جائے اور بعض کو سولی دینے کو لکھا تھا۔ جب خط کا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا تو انہوں نے قسم کھا کر اس سے لاعلمی کا اظہار کیا، محمد بن مسلمہ نے تصدیق کرتے ہوئے فرمایا بے شک یہ کام مروان کا ہے، بہر حال اس واقعے پر بلوایان مصر مشتعل ہو کر واپس مدینہ آئے تھے اور ان کے ساتھ بلوایان بصرہ و کوفہ بھی آئے تھے۔ باب کی حدیث میں اسی محاصرہ ثانیہ کا بیان ہے، ان لوگوں کا مطالبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا تھا اور دلیل یہ پیش کی کہ آپ کا غلام آپ کی مہر شدہ خط لے کر جائے اور آپ کو اس کا پتہ بھی نہیں اس لئے آپ خلافت کے حقدار نہیں، آپ معزول ہو جائیں، ان کو تو بہانہ درکار تھا۔

المسک الذکی میں ہے کہ جس روز حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں اس روز آپ کا روزہ تھا اور اس دن کی رات میں آپ نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں اے عثمان! تمہارا کیا حال ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ آپ کی امت میری خون ریزی کے درپے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس آ کر روزہ افطار کرو گے یا دنیا میں؟ عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روزہ افطار کروں گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تم آج میرے پاس آ جاؤ گے، پھر آپ رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور فرمایا کہ آج میں شہید ہوں گا، چنانچہ اسی روز آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے جب آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ تلاوت فرما رہے تھے اور خون کا قطرہ اس آیت پر آچکا: ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرہ: ۱۳۷) اور یہی آیت آپ رضی اللہ عنہ کی زبان پر بھی تھی (بحوالہ تاریخ الخلفاء للسيوطی رحمہ اللہ، وحاشیہ ابن خلدون مترجم) کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ عظیم میں یہ مصحف جسے امام۔۔۔۔ میں پہنچ گیا ہے۔

لعنوی تحقیق: قولہ: ”اشرف“، شین، راء اور فاء میں بلندی کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی وہ گھر کے اوپر درپچہ یا دیوار سے جھانک کر بولے۔ قولہ ”یوم الدار“ گھر کے محاصرے کے دوران جس کا پیش منظر تشریح میں آ رہا ہے۔ قولہ ”انشدکم“ ای قسبکم، میں تمہیں قسم دیتا ہوں۔ قولہ ”اتعلمون“ ہمزہ استفہام برائے تقریر ہے یعنی قد تعلمون، تم جانتے ہی ہو۔ قولہ ”احصان“ حفاظت کی تدبیر اور مضبوط و مستحکم بنانے کو کہتے ہیں، اصطلاح میں محصن کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے، آزاد یعنی حر پر، پاک دامن اور شادی شدہ پر، یہاں یہی آخری معنی مراد ہے۔ قولہ ”فبہم تقتلون“ بتشدید النون کیونکہ بعض طرق میں دونوں کے ساتھ آیا ہے ”فبہم تقتلون“ جبکہ امراء کی راء کی حرکت ہمیشہ مابعد حرف یعنی ہمزہ کی تابع رہتی ہے۔ واللہ اعلم

اعتراف: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل ان تین امور کے علاوہ جائز نہیں حالانکہ روایات میں جواز قتل کی اور بھی وجوہ ذکر کی گئی ہیں مثلاً قتل صائل اسی طرح آیت محاربہ میں فرمایا: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ...﴾ (الأنعام: ۳۳) اس میں فساد فی الارض پر قتل کا حکم فرمایا گیا ہے اسی طرح آیت ﴿فَقَاتِلُوا الَّذِينَ تَبَغُّوْا...﴾ (الحجرات: ۹) نیز حدیث من وجد تموا یعمل عمل قوم لوط فاقتلوه۔ نیز فرمایا من اتی بہیمۃ فاقتلوه وغیرہ آیات و روایات سے قتل مومن کے جواز کے دیگر اسباب معلوم ہوتے ہیں حالانکہ روایات مذکور فی الباب میں حصر کے ساتھ تین ہی کا ذکر ہے۔

جواب: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے حکاہ ابن اثین عن الداودی، حافظ ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض

مشائخ نے اسباب قتل دس بیان فرمائے ہیں مگر سب ان تین میں ہی داخل ہیں بالخصوص التارک لدینہ کا لفظ بعض روایات میں واقع ہے جس کا مفہوم عام ہے جو بغاوت وغیرہ کو شامل ہے۔

تنبیہ: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے پہلے ابواب الدیات میں گزر چکی ہے، اور یہاں اس حدیث کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ امت میں ناحق قتل جاری رہے گا اور یہی امت کے لئے فتنے اور آزمائشیں ہیں، سب سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے، اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے ہیں مگر وہ غیر مسلم غلام کے ہاتھ سے شہید کئے گئے تھے، مسلمانوں کے ہاتھ سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے، پھر فتنوں کا وہ سلسلہ چلا کہ الامان والحفیظ!

وفی الباب عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اخرجہ الاثمة الستة الا ابن ماجہ وعن عائشہ رضی اللہ عنہا اخرجہ مسلم و ابو داؤد و عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اخرجہ النسائی۔ هذا حدیث حسن: اخرجہ الشافعی و احمد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی۔

وروی حماد بن سلمہ عن یحییٰ... الخ حاصل کلام یہ ہے کہ

سند کی بحث: حدیث کی سند میں جو یحییٰ بن سعید ہیں وہ انصاری ہیں، وہ جلیل القدر تابعی ہیں، حماد بن زید ان سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور مرفوع کرتے ہیں اور انصاری کے دوسرے تلامذہ یحییٰ قطان رضی اللہ عنہ وغیرہ یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور اس کی سند حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر موقوف کرتے ہیں مگر یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مرفوع منقول ہے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مرفوع منقول ہے، اس لئے اس کا مرفوع ہونا صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ

باب ۲: تمہاری جانیں تمہارا مال آپس قابل احترام ہیں

(۲۰۸۵) فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلنَّاسِ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا قَالُوا أَيُّوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلَى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ عَلَى وَالِدِهِ أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ آيَسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَادِكُمْ هَذِهِ أَبَدًا وَلَكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيْمَا تُحَقِّقُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرَّ طَنِ بِهِ.

ترجمہ: سلمان بن عمرو اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے آج کون سا دن ہے لوگوں نے عرص کی حج اکبر کا دن ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تمہاری جانیں تمہارا مال اور تمہاری عزتیں آپس میں اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح یہ دن اس شہر میں قابل احترام ہے خبردار ہر شخص صرف اپنا کیا ہوا بھگتے گا کوئی شخص اپنی اولاد کی طرف سے سزا نہیں بھگتے گا کوئی شخص اپنے والد کی طرف سے سزا نہیں بھگتے گا خبردار شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا کہ تمہارے ان شہروں میں اس کی پوجا کی جائے تاہم تم لوگ اس کی فرمانبرداری کرو گے ان چیزوں کے بارے میں جنہیں تم

حقیر سمجھتے ہو گے اور وہ اس پر بھی راضی ہو جائے گا۔

تشریح: حدیث: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقرر میں لوگوں سے سوال کیا: یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: بڑے حج کا دن ہے، یعنی منی کا پہلا دن ہے، پس آپ ﷺ نے اس موقع پر چار باتیں ارشاد فرمائیں:

① فان دماءکم و اموالکم و اعراضکم بینکم حرام کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا: تمہارے خون تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان حرام ہیں، جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں، یعنی جس طرح حج کے دنوں میں حرم شریف میں ان چیزوں میں دست درازی جائز نہیں، اسی طرح مسلمانوں کی مذکورہ تین چیزوں میں کبھی بھی دست درازی جائز نہیں (باب سے متعلق یہی بات ہے)۔

② الا! لا یجنی جان الا علی نفسہ: سنو! کوئی جنایت کرنے والا جنایت نہیں کرتا مگر اپنی ذات پر، یعنی اس کا ضرر اسی کو پہنچتا ہے، جو کرتا ہے وہی بھرتا ہے۔ دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، زمانہ جاہلیت میں لوگ قاتل کے باپ کو یا اس کے بیٹے کو یا خاندان کے دوسرے شخص کو مقتول کے قصاص میں قتل کیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا: آدمی کی جنایت اس کی ذات ہی پر ہوتی ہے، پھر اگلے نمبر پر اس کلی کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جو شائع ذائع تھی۔

③ الا! لا یجنی جان علی ولدہ، ولا مولود علی والدہ: جنایت کے معنی ایسا جرم و ذنب جس کی وجہ سے دنیا میں قصاص یا آخرت میں عذاب ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں جنایت کا بدلہ اقارب و رشتہ داروں سے لیا جاتا تھا اور جنگ طویل ہو جاتی تھی جنایت کوئی کرتا تھا مگر دوسرے لوگوں کو اس کا بدلہ چکانا پڑتا تھا بیٹے نے جرم کیا باپ سے بدلہ لیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ یہ ظلم ہے باب بیٹے کا ذکر فرما کر مزید تاکید فرمادی حاصل یہ ہے کہ صاحب جنایت ہی سے قصاص یا بدلہ لیا جائے اس نے خود اپنے اوپر جنایت کی ہے اس کے بدلے دوسرے لوگوں سے مواخذہ درست نہیں ہے آپ نے اس رسم جاہلیت کی نفی فرمادی اور اس کو ناجائز فرمادیا۔

④ الا! وان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلادکم هذا ابدا، ولكن ستکون له طاعة فیما تحتقرون من اعمالکم، فسیرضی بہ:

اول: شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ مومنین جزیرہ عرب میں بتوں کی عبادت کریں گے کیونکہ بتوں کی عبادت کرنا شیطان ہی کی عبادت کرنا ہے مسلمہ کذاب اور مرتدین نے بتوں کی عبادت نہیں کی فلا اعتراض۔

دوم: میری امت کے نمازی حضرات نماز اور عبادت اصنام کے درمیان جمع نہیں کریں گے کما فعلہ الیہود کیونکہ یہ بھی شیطان کی اطاعت میں داخل ہے۔

سوم: اب اسلام کو شوکت حاصل ہو گئی ہے اب ایسا نہ ہوگا کہ جزیرہ عرب میں مشرکین ظاہر ہو کر قائم و دائم رہ جائیں اور ان کو غلبہ حاصل ہو جائے جیسا کہ پہلے مشرکین کو غلبہ تھا لہذا معدودے چند مرتدین کے عبادت اصنام اور شرک کو اختیار کرنے سے اعتراض نہ ہوگا۔

چہارم: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے مایوس ہونے سے عدم وقوع لازم نہیں آتا اور لکوکب الدری میں ہے کہ یہ قاعدہ

کلیہ نہیں ہے کہ کوئی عرب کبھی مشرک نہ ہو اور شیطان کی عبادت نہ کرے، حدیث کا مقصد صرف اتنا بتانا ہے کہ شیطان فی الحال اسلام کی شوکت، شہرت اور قوت دیکھ کر اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ لوگ واپس پلٹ جائیں اور کفر اختیار کر لیں، مگر اس سے یہ لازم آتا کہ کوئی شیطان کی پوجا نہ کرے۔

حجۃ الوداع 10ھ میں آپ ﷺ نے آخری حج فرمایا ہے اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں یہاں مراد یوم نحر ہے الوداع: بفتح الوداع مصدر ہے جیسے سلام مصدر ہے سلم سلاماً کا اسی طرح کلم کلاماً، ودع تو دبعاً ووداعاً وقل بکسر الوداع اس صورت میں یہ مواعید کا مصدر ہوگا قاتل یقاتل، مقاتلۃ وقاتلاً کی طرح اس حج میں آپ نے لوگوں کو وداع کیا یا حرم سے وداع ہوئے اس لئے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ حج اصغر اور حج اکبر: البتہ اگر دونوں کے لئے حج ہی کا لفظ استعمال کریں گے تو پھر حج کے ساتھ اکبر اور عمرہ کے ساتھ اصغر کی قید لگائیں گے۔ سورہ توبہ آیت تین میں الحج الاکبر سے حج اصغر یعنی عمرہ سے احتراز مقصود ہے کہ براءت کا اعلان حج کے موقع پر منیٰ میں کیا جائے۔

یوم الحج الاکبر کے بارے میں بھی علماء کے کئی اقوال ہیں، ایک یہ کہ اس کا مصداق یوم النحر ہے۔ حدیث باب سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس کا مصداق یوم عرفہ ہے، ”الحج عرفۃ یا الحج یوم عرفۃ“، والی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج کے پانچوں دن یوم الحج الاکبر، کا مصداق ہیں جن میں عرفہ اور یوم النحر دونوں داخل ہیں۔ تیسرا قول: پچھلے دنوں قولوں کو جامع ہے بہر حال عامۃ الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال عرفہ کے دن جمعہ ہو صرف وہی حج اکبر ہے قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ ہر سال کا حج حج اکبر ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ حسن اتفاق سے جس سال نبی ﷺ نے حج فرمایا اس میں یوم عرفہ کو جمعہ تھا، یہ اپنی جگہ ایک فضیلت ضرور ہے۔ مگر یوم الحج الاکبر کے مفہوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں، گو کہ نفس فضیلت اس کی ثابت ہے۔ روی رزین عن طلحة بن عبید اللہ بن کرز ارسلہ: افضل الایام یوم عرفۃ واذا وافق یوم جمعة فهو افضل من سبعین حجة فی غیر یوم جمعة۔ معارف میں ہے:

وطلحة بن عبید اللہ بن کرز تابعی، وقال احمد والنسائی ثقہ: فالحدیث مرسل والمرسل مقبول۔ ”افضل دن عرصہ کا دن ہے۔ اگر جمعہ کا دن عرفہ کے دن کے موافق آجائے تو ستر حج سے زیادہ افضل ہے غیر جمعہ کے حج کے مقابلے میں۔“

مغالطہ: لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اگر نودی الحجہ جمعہ کا دن ہو تو وہ حج اکبر ہے یہ نئی اصطلاح ہے۔ نصوص میں اس کی کچھ اصل نہیں اور عمرہ علیحدہ کرنا بھی درست ہے اور حج کے ساتھ ملا کر کرنا بھی جائز ہے۔ حج کے ساتھ ملا کر کریں گے تو اس کا نام ”قرآن“ ہے اور حج سے علیحدہ کریں گے اور حج کے سفر میں کریں گے تو اس کا نام ”تمتع“ ہے اور عمرہ پورے سال ہو سکتا ہے صرف پانچ دنوں میں یعنی نودی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک ممنوع ہے۔

ولکن ستكون له طاعة الخ: یعنی اب وہ کفر سے نیچے چھوٹے اعمال پر ہی راضی ہو جائے گا کہ کبار و صغائر کا ارتکاب کرائے گا جن کو تم زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہو چنانچہ دوسری روایت میں ولكن التحریش پنہم واقع ہوا ہے کہ تم میں پھوٹ ڈالتا رہے گا

جس کی وجہ سے دوسرے گناہ صادر ہوں گے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی شعیب سے آخر تک یہی سند ہے، پھر نیچے روایتیں کرنے والے متعدد ہیں ابوالاحوص بھی ہیں اور زائد بھی۔

بَاب مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرْوَعَ مُسْلِمًا

باب ۳: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو گھبرائے

(۲۰۸۶) لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَا عِبًّا أَوْ جَادًّا فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيُرْذِّهَا إِلَيْهِ.

ترجمہ: عبد اللہ بن سائب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی شخص مذاق کے طور پر اپنے بھائی کی لاٹھی نہ پکڑے یا پریشان کرنے کے لیے ایسا نہ کرے جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی اٹھالی ہو وہ اسے واپس کر دے۔

(۲۰۸۷) كَحَجَّ يَزِيدُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حَجَّةَ الْوَادِعِ وَأَنَا ابْنُ سَبْعٍ سِنِينَ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (میرے والد) حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع میں شرکت کی تھی میری عمر اس وقت سات برس تھی۔

مفہوم حدیث: ایک مطلب یہ ہے ”جاداً“ کا کہ کسی چیز بغیر بتلائے لے لے اگرچہ واپس کرنے کا ارادہ ہو مگر اپنا کام کر کے، یا مطلب یہ ہے کہ کسی کی اطلاع اور اجازت کے بغیر کوئی چیز نہیں لینا چاہئے نہ بطور مذاق اور نہ اس نیت سے کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو میں کہوں گا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا اور نہیں دیکھا تو ہضم کر لوں گا، اگر بالفرض ارادہ مذاق ہی کا ہو پھر بھی ایسا کرنا ممنوع ہے کہ کسی کی چیز لے کر مذاق میں اسے چھپا کر کہیں رکھ دیا اور وہ بے چارہ پریشان حال پھر رہا ہو چونکہ اس میں ایذائے مسلم ہے اس لئے یہ جائز نہیں اور اگر بقصد چوری کے ہو تو پھر تو حرام ہے اور لاٹھی کا ذکر حکم کی تخصیص کے لئے نہیں بلکہ یہ واقعہ چونکہ بعض روایات کے مطابق سفر میں ایک ساتھی کے ساتھ مذاق میں لاٹھی ہی کے متعلق پیش آیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی چونکہ علت ترویج یعنی پریشان اور خوف زدہ کرنا ہے اس لئے یہ حکم ہر شے کو شامل ہے اور جب لوٹانے کی نیت کے باوجود منع ہے تو چوری کی نیت سے بطریق اولیٰ منع ہے۔ قابل غور ہے کہ جب اپنے مسلمان بھائی کو اتنی دیر کے لئے پریشان کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے تو مذاق سے زیادہ اور طویل مدت کے لئے لاٹھی سے بڑھ کر دوسری اشیاء میں کتنا گناہ ہوگا؟

سند کی بحث: یہ حدیث ابن ابی ذئب: السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، یہ بھی صحابی ہیں، انہوں نے نبی ﷺ سے بچپن میں حدیثیں سنی ہیں، وفات نبوی کے وقت یہ سات سال کے تھے اور ان کے ابا یزید بن السائب رضی اللہ عنہ بڑے صحابی ہیں، انہوں نے نبی ﷺ سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

لغوی تحقیق ”یروع“ باب تفعیل سے معروف کا صیغہ ہے ڈرانے کو کہتے ہیں۔ قولہ ”(لاعباً) بصیغہ اسم فاعل لعب سے بمعنی

مذاق (مزاح)۔ قولہ ”جاداً“ یہ بھی اسم فاعل کا صیغہ ہے جد بکسر الجیم وتشدید الدال مقابل مذاق کو کہتے ہیں یعنی سنجیدگی اور واقعیت سے کوئی کام کرنا اس کا اسم فاعل مجہ بھی آتا ہے۔ ابوداؤد (داؤد ص 335 ج 2) کی روایت میں ”لَعَبًا وَلَا جَدًّا“ کے الفاظ ہیں لہذا کہا جائے گا کہ ترمذی کی روایت میں تقدیر ہے یعنی ”لَا عِبًّا وَلَا جَدًّا“ پھر یہ دونوں لایاخذ کے فاعل سے حالین ہیں متداخلہ یا مترادفہ دونوں قول ہیں۔ اگر عطف کو مقدر نہ مانا جائے تو پھر متداخلہ ہیں جبکہ ابوداؤد کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے حالین مترادفین ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِشَارَةِ الْمُسْلِمِ إِلَى أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ

باب ۴: کسی بھی مسلمان کو ہتھیار دکھانا

(۲۰۸۸) مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ لَعَنَتْهُ الْمَلَائِكَةُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص کسی ہتھیار کے ذریعے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

تشریح: اگر کھلی ہوئی اورنگی تلوار کسی کو دے تو ممکن ہے کہ دوسرا آدمی تھامنے نہ پایا ہو اور دینے والا چھوڑ دے تو وہ گر کر پاؤں پر لگ جائے گی، اسی طرح دونوں کو یا ایک کو زخم لگ جائے گا اس لئے آداب بتلائے، یہی آداب بندوق دینے کے بھی ہیں کہ دیتے ہوئے اس کا رخ آسمان یا زمین کی جانب ہونی چاہئے کہیں خدا نخواستہ اگر گولی چل جائے تو کسی کو لگ نہ جائے بے احتیاطی سے بہت سے لوگ لقمہ اجل بنے ہیں۔

چاقو، چھری وغیرہ اشیاء میں بھی یہی ضابطہ ہے کہ چاقو وغیرہ یا تو بند کر کے دیا جائے یا زمین وغیرہ پر رکھ کر رکھ کر دوسرا اٹھالے، اسی طرح کسی کے اوپر چائے، پانی، شربت وغیرہ بھی نہیں دینا چاہئے ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ کتاب وغیرہ اہم اشیاء کے اوپر پانی یا چائے وغیرہ مائع چیزیں ہرگز نہیں دینا چاہئے ممکن ہے کہ ایک قطرہ بھی گر جائے کپڑے خراب ہو جائیں گے اور اگر کوئی مصنف ہو تو اس کی محنت بھی ضائع ہو جائے گی کہ لکھا ہوا مضمون دوبارہ لکھنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے۔

غرض تکلیف اور ضرر کے جملہ امور سے بچنا چاہئے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ بہشتی زیور میں لکھتے ہیں: ”چاقو یا قینچی یا سوئی یا کسی اور چیز سے مت کھیلو شاید غفلت سے کہیں لگ جائے، جہاں اور آدمی بھی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر مت تھوکو، ناک مت صاف کرو، اگر ضرورت ہو تو ایک کنارے پر جا کر فراغت کر آؤ۔ جب کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز دینا ہوتا وقتیکہ وہ دوسرا آدمی اس کو اچھی طرح سنبھال نہ لے اپنے ہاتھ سے مت چھوڑو، بعض دفعہ یوں ہی بیچ میں گر کر نقصان ہو جاتا ہے۔“ (حصہ 10 بعض باتیں سلیقہ اور آرام کی)

مسند کی بحث: یہ حدیث محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے خالد حذاء روایت کرتے ہیں اور مرفوع کرتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو غریب قرار دیا ہے کیونکہ رفع میں خالد کا کوئی متابع نہیں، مگر مسلم شریف (حدیث 2616) میں ایوب سختیانی سے ابن عیینہ کی روایت ہے، وہ بھی اس حدیث کو مرفوع کرتے ہیں اور وان کان اخا لا بیہ وامہ کا اضافہ اسی حدیث میں ہے، ہاں ایوب کے شاگرد حماد بن زید

اس کو مرفوع نہیں کرتے، مگر جب خالد حذاء کے متابع ہیں اور ان کی روایت مسلم میں ہے تو حدیث کا مرفوع ہونا صحیح ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُوًا

باب ۵: سوتی ہوئی تلوار دینے کی ممانعت

(۲۰۸۹) تَمَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُتْعَاطِيَ السَّيْفُ مَسْلُوًا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے بے نیام تلوار کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے آیا جائے۔

تشریح: اگر کسی کو چھری، چاقو، تیر، پیکان یا تلوار وغیرہ دینی پڑے تو یہ چیزیں کھلی اور دنتی ہوئی نہیں دینی چاہئیں بلکہ چاقو بند کر کے، تلوار میان میں رکھ کر کے یا پھل اپنی طرف اور دستہ دوسرے کی طرف کر کے دینا چاہئے تاکہ غلطی سے لگ نہ جائے اور فتنہ نہ بن جائے۔
سند: یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے، حماد بن سلمہ: ابوالزبیر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور عبد اللہ بن لہیعہ: ابوالزبیر سے اور وہ حضرت جابر سے اور وہ حضرت بنہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے پہلی سند کو اصح قرار دیا کیونکہ ابن لہیعہ راوی ہیں۔

بَابُ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

باب ۶: جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی گارنٹی میں ہے

(۲۰۹۰) مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ فَلَا (يُنْبَغُكُمْ) اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذِمَّتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص صبح کی نماز ادا کرے وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تم سے اپنی پناہ کے بارے میں کوئی حساب نہ لے (یعنی تم اس کا خیال رکھو)۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح مسلمان کو کلمہ توحید پڑھنے سے امان حاصل ہوتی ہے اسی طرح جزوی اعمال سے بھی خصوصی حفاظت ملتی ہے ازاں جملہ ایک صبح کی نماز ہے جس سے آدمی کو اللہ کی حفاظت و امان ملتی ہے پس جو شخص اس آدمی سے تعرض کرے گا خواہ اس کی جان و مال کے اعتبار سے ہو یا عزت و آبرو کے حوالے سے، تو اس سے قیامت کے دن انتقام لیا جائے گا، یہاں ایک خفیہ تشبیہ ہے وہ یہ کہ جس طرح ایک شخص کسی سردار کی پناہ حاصل کرتا ہے یا جیسے آج کل لوگ کسی ملک سے سیاسی پناہ لیتے ہیں تو وہ شخص اس سردار اور اس سیاسی پناہ دینے والے ملک کی حفاظت میں ہوتا ہے، وہ اس کے جان و مال وغیرہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں، پھر اگر کوئی دوسرا شخص اسے نقصان پہنچاتا ہے تو اس کی گرفت ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نمازی کو پناہ دیتا ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اس کو نقصان پہنچانے کی صورت میں اللہ ضرر پہنچانے والے کے درپے آزار ہو جاتا ہے لہذا تم اللہ کی امان اور عہد کو مت توڑو۔

شاید یہ الفاظ ہیں) حضرت محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کی رحمت جماعت پر ہے جو شخص اس سے الگ ہو وہ الگ ہو کر جہنم کی طرف چلا گیا۔

تشریح: فتنوں سے حفاظت کا ایک ذریعہ اجتماعیت اور اجتماعیت کے ساتھ لگا رہنا ہے، اتحاد و اتفاق میں جو قوت ہے وہ تقویت و افتراق میں نہیں، چند کمزور باہم مل کر قوی ہو جاتے ہیں اور مضبوط پہلوان تنہا پچھاڑ دیا جاتا ہے، بچپن میں یہ واقعہ آپ حضرات نے پڑھا ہوگا کہ جب ایک شخص کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے دس بیٹوں کو بلایا اور ان کو ایک ایک چھڑی دی اور کہا: اسے توڑ دو، سب نے توڑ دی، پھر اس نے ویسی ہی دس چھریاں منگوائیں اور ان کو جمع کر کے باندھ دیا، پھر ہر ایک سے توڑنے کے لئے کہا تو کوئی نہ توڑ سکا، اب باپ نے نصیحت کی کہ آزمائشوں اور فتنوں سے بچنا ہو تو اجتماعیت کے ساتھ رہنا، تمہیں دشمن نہیں توڑ سکے گا، ورنہ تم بے حیثیت ہو جاؤ گے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳) اور مضبوط تھا مو اللہ تعالیٰ کی رسی کو، یعنی اللہ کے دین کو سب اکٹھے ہو کر۔

لغوی تحقیق: ”بالجانبیۃ“ جابیہ شام میں دمشق کی ایک بستی کا نام ہے۔ قولہ ”باصحابی“ ای باطاعتہم والمراد بالوالامر۔ قولہ ”ای یظہروینتشر“ یعنی پھیل جائے گا اور عام ہو جائے گا۔ قولہ ”یخلف ولا یستحلف ویشهد ولا یستشهد“ ہر دو جملوں میں اولین صیغہ معروف کے ہیں اور آخرین مجہول کے۔ قولہ ”محبوۃ“ بضم الباءین، درمیان کو کہتے ہیں، جنت کے درمیان سے مراد وسعت اور کشادگی ہے یعنی جو جنت میں اچھے اور کشادہ مقام کو پسند کرتا ہو۔

تشریح: اس ارشاد پاک میں متعدد احکام بیان ہوئے ہیں تاہم امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب صرف ایک حکم یعنی لزوم الجماعت کے لئے باندھا ہے، لہذا یہاں پہلے ضمنی احکام کو قلم بند کیا جاتا ہے، پھر اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں:

① اس حدیث سے پہلا حکم یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے جو امراء اور ولایۃ مقرر فرمائے تھے ان کی اطاعت باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر لازمی تھی کیونکہ آپ ﷺ کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے تو جب ان سے کیا گیا کہ ”اوصیکم باصحابی“ تو لا محالہ مراد امراء ہیں، اسی طرح تابعین اور پھر تبع تابعین میں سے جو ولایۃ ہوئے ان کی اطاعت بھی لازمی ہوئی۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخاطب ہوں مگر یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ آئندہ امت کے لئے ایک ضابطہ بیان کرنا مراد ہو کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کرو جو حکم ان سے نہ ملے تو پھر تابعین اور تبع تابعین کی پیروی کرو، ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کی پیروی و اطاعت بھی اس حدیث کی مراد میں شامل ہوگی۔

فائدہ: تین زمانے خیر القرون (بہترین زمانے) ہیں، صحابہ کا زمانہ پھر تابعین کا زمانہ، پھر تبع تابعین کا زمانہ، اس کے بعد کوئی خیر نہیں، اور یہ زمانے طول و عرض میں ایک ساتھ چلتے ہیں، نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں جن مسلمانوں نے بحالت ایمان نبی ﷺ کی زیارت کی تھی وہ صحابہ تھے، مگر سب مسلمانوں نے نبی ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی، مدینہ منورہ سے جو دور رہتے تھے ان میں سے اکثر کو آپ ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی، پھر ان کے قبیلہ میں کوئی صحابی کسی ضرورت سے گیا اور اس بستی والوں نے صحابی کی زیارت کی تو وہ تابعی ہو گئے، پھر جن مسلمانوں نے ان تابعین کو دیکھا وہ تبع تابعی ہوئے اور جنہوں نے تابعی کو بھی نہیں دیکھا وہ چوتھے قرن کے لوگ ہوئے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔

اسی طرح نبی ﷺ کی وفات کے بعد سن 110 ہجری تک صحابہ حیات رہے، اس زمانہ میں ان کے ساتھ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے لوگ بھی تھے، پھر سن 110 ہجری کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے لوگ تھے، پس ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ تینوں قرن آگے پیچھے ہیں، بلکہ زمین کی پہنائی میں اور زمانہ کی درازی میں یہ چاروں قرن طرح تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ بھی۔

② دوسرا حکم یہ معلوم ہوا کہ تین زمانے مشہود لہا بالخیویت ہیں ان کے بعد جھوٹ اور فراڈ شائع ہو جائے گا، پھر حدیث جبریل کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ سچ عیب بن جائے گا اور جھوٹ خوبی کیونکہ حدیث جبریل کے متعلق ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے یہی لکھا کہ آپ ﷺ نے جو علامات قیامت کی بتلائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قلب الامور والحقائق ہو جائے گا چنانچہ آج ایسا ہی ہوا ہے کہ جو آدمی سچ بولتا ہے لوگ اس سے سادہ یعنی بے وقوف سمجھتے ہیں اور سب سے زیادہ ہوشیار وہ سمجھا جاتا ہے جو زیادہ مکار ہو۔ قسم نہیں کھلائے گا تب بھی قسم کھائیں گے اور گواہی دینے کا جذبہ اتنا بڑھ جائے گا کہ گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا تب بھی وہ آگے بڑھ کر گواہیاں دیں گے۔ اس مسئلہ کے لئے آگے ابواب الفتن میں مستقل ”باب ماجاء فی القرن الثالث“ آرہا ہے۔

③ الا لا یخلون رجل بامرأة الا كان ثالثهما الشیطان:

تو کہتے ہیں: ”سنو! ہرگز تنہا نہ ہو کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ مگر ان دونوں کا تیسرا شیطان ہے۔“

یعنی وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم دو ہیں، وہاں تیسرا شیطان ضرور موجود ہوتا ہے اور وہ آگ لگانے میں دیر نہیں کرتا، اس لئے سد باب کے لئے فرمایا کہ بس ایسے مواقع میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی خود کو بچا لیا جائے یعنی خلوت سے بچے، اس لئے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ﴿وَلَا تَقْرُبُوا الزَّوْجَ﴾ (الاسراء: ۳۲) قریب جانا اسباب زنا سے گزرنا ہے۔ یہ مسئلہ رضاع میں ’کراہیۃ الدخول علی المغیبات‘ میں گزرا ہے۔

④ چوتھا حکم: من سرته حسنته وساءتہ سیئتہ فذلکم المؤمن۔

تو کہتے ہیں: ”جس کو اپنی نیکی سے خوشی ہو اور اپنی برائی سے تکلیف ہو، وہ مومن ہے۔“

یہ ایک کسوٹی ہے، جس سے آدمی اپنے بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس میں ایمان ہے یا نہیں؟ یوں ہر شخص خود کو مومن کہتا ہے مگر ایمان کی حقیقت ہمارے اندر ہے یا نہیں؟ وہ اس کسوٹی سے معلوم ہوگی۔ کیونکہ جب ایمان ہوگا تو نیکی کی قدر ہوگی اور قابل قدر چیز کے حصول سے خوشی ہوتی ہے اور بدی و گناہ سے ڈر ہوگا کیونکہ اس کا انجام برا ہوتا ہے مگر ایمان نہ ہونے یا ناقص ہونے کی صورت میں اسے نیکی کا خاطر خواہ فائدہ اور گناہ کا نقصان ملحوظ خاطر نہ ہوگا اس لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا چنانچہ آگے ترمذی میں آجائے گا کہ مومن اپنا گناہ ایسا دیکھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے دامن میں گزر رہا ہو اور وہ اس پر گرنے والا ہو جبکہ منافق وغیرہ کے لئے گناہ کی حیثیت اتنی سی ہے جیسے کبھی ناک پر بیٹھ گئی اور اسے ہاتھ کے اشارے سے اڑا دیا۔

⑤ علیکم بالجماعۃ، وایاکم والفرقة فان الشیطان مع الواحدہ وھو من الاثنین أبعد۔

تو کہتے ہیں: ”اجتماعیت کو لازم پکڑو، اور افتراق سے بچو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے زیادہ دور ہوتا ہے۔“

یعنی شیطان تنہا کو جتنا ضرر پہنچا سکتا ہے دو کو اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتا، اور جتنا دو کو پہنچا سکتا ہے تین کو اتنا نہیں پہنچا سکتا، پس زیادہ

سے زیادہ اجتماعیت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

من اراد بمحبوحة الجنة، فليلزم الجماعة.

ترجمہ: ”جو شخص جنت کے وسط میں جگہ چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ اجتماعیت کو لازم پکڑے۔“

اجتماعیت کے ساتھ جو دینی کام انجام پاتے ہیں وہ انفرادیت کے ساتھ انجام نہیں پاسکتے، اسی لئے باجماعت نماز پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

اس باب کا مقصودی مسئلہ لزوم الجماعة ہے، اگر کوئی جماعت سے الگ ہو جاتا ہے تو وہ شیطان کا اس طرح شکار ہو جاتا ہے جیسے ریوڑ سے علیحدہ بکری بھیڑیا کا۔

جماعت سے مراد کون ہیں؟ اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے جماعت کے لزوم کے حوالے سے تین احادیث کی تخریج کی ہے جس سے لزوم الجماعة کی اہمیت تو معلوم ہوئی مگر سوال یہ ہے کہ جماعت سے کن لوگوں کی جماعت مراد ہے؟؟
جواب: اقوال قابل ذکر ہیں، وہ یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

پہلا قول: یہ ہے کہ مراد اجماع امت ہے، باب کی اگلی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی جب امت اجابت کی غالب اکثریت کسی قول یا عمل پر متفق ہو تو اسے چھوڑ کر الگ راستہ اختیار کرنا جائز نہ ہوگا،

دوسرا مطلب: یہ ہے کہ مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں یعنی اس کا راستہ اختیار کیا جائے۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ مراد ہر زمانے کے اہل علم و صلحاء ہیں اور قرآن میں ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبہ: ۱۱۹) کے رمز سے بھی اس کی تائید معلوم ہوتی ہے، عارضہ میں ہے کہ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما، سائل نے کہا کہ وہ تو انتقال کر چکے ہیں آپ نے فرمایا فلاں و فلاں (یعنی صلحاء کے نام لئے) پھر سوال ہوا کہ وہ بھی زندہ نہیں رہے: ”فقال ابو حمزة السکری جماعة و هو محمد بن ميمون و كانا شيخاً صالحاً“ یعنی اب ابو حمزہ جماعت ہے اسی کے ساتھ رہنا چاہئے۔

فائدہ: ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اور جس میں ارکان دین جمع ہوں گے بس وہی جماعت ہے اور یہ امام عادل ہے یا پھر عالم شخص ہے گو وہ تنہا ہو کیونکہ

بدا الاسلام غريباً وسيعود غريباً و جماعته العلم والعدالة. (مسند احمد ص: 657، ج: 1 حدیث 3775)

”اسلام کی ابتداء کمزور لوگوں سے ہوئی اور عنقریب یہ ان کی طرف لوٹے گا اور اس کی جماعت اہل علم ہیں اور عادل امام۔“

چوتھا قول: اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مراد خلفاء و امراء ہیں چنانچہ ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں ”عليكم بالجماعة“ کے بعد لکھتے ہیں:

الثاني اذا اجتمعوا على امام فلا تحل منازعته ولا خلعه وهذا ليس على العموم بل لو عقده بعضهم لجاز ولم يحل لاحد ان يعارض.

”دوسری بات یہ ہے کہ جب لوگ کسی امام پر جمع ہو جائیں تو کسی کے لئے اس سے جھگڑا کرنا اور خلعت کا اتارنا جائز نہیں

اور یہ عموم نہیں ہے بلکہ اگر کچھ لوگ بھی بیعت کر لیں تو کسی کے لئے اس سے معارضہ و جدال کرنا درست نہیں ہے۔“

لیکن یہ حکم اس وقت تو اتفاقی ہے جب امام حکم شرعی کے مطابق اور نیک و صالح شخص ہو لیکن اگر وہ فاسق یا جائز ہو تو اس میں

اختلاف ہے کہ آیا پھر بھی اس کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کے خلاف خروج بھی ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ ”باب ماجاء فی بیعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ من ابواب السیر کے تحت گزرا ہے۔ جمہور کے نزدیک پھر بھی خروج جائز نہیں یا کم از کم واجب نہیں، ہاں خلاف شرع حکم کی تعمیل نہیں کی جائے گی۔

اگر طوائف الملوک کا دور آجائے جیسے وچ کل اس کے آثار نمودار ہو رہے ہیں اور ہر آدمی یا ہر گروپ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا لے تو پھر کیا ہونا چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے واللہ اعلم، کہ حتی الامکان جماعت کے ساتھ رہنے کی کوشش جاری رکھے مگر تمام راستے مسدود ہونے کی صورت میں پھر علیحدگی اختیار کر کے یکسو ہو جائے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں ہے:

قلت فان لم یکن لہم جماعة ولا امام قال فاعتزل تلك الفرق كلها ولو ان تعض باصل الشجرة حتى یدرك الموت وانت علی ذالك. (بخاری ص: ۵۹، ج ۱، باب علامات النبوة فی الاسلام)
”میں نے کہا اگر جماعت اور امام نہ ہو فرمایا تو ان فرقوں سے جدا رہ اگرچہ درخت کی جڑ میں بھی گھسنا پڑے تو اسی پر قائم رہ یہاں تک کہ موت آجائے۔“

عزلت اور تنہائی اختیار کرنے کے حکم کے لئے دیکھئے تشریحات ص 421، ج 4 ”باب ماجاء فی النہی عن التبتل“ مگر پھر بھی محبت صالح تلاش کرتا رہے۔

ملفوظ: یہ حدیث فی نفسہ حسن صحیح ہے مگر اس کی یہاں جو سند ہے اس میں النضر بن اسماعیل ابوالمغیرہ مضبوط راوی نہیں، اس لئے اس سند سے یہ حدیث ضعیف ہے اور یہ حدیث مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے۔

لغات: قوله ”ومن شذذنا الی النار“ (جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں داخل ہو گیا) پہلا معروف اور دوسرا مجہول کا صیغہ ہے جبکہ دال دونوں میں مشدد ہے، شذوذ کے معنی الگ تھلگ ہونے کے ہیں۔ قوله ”ید اللہ“ تشابہات میں سے ہے، مراد نصرت و مدد ہے یعنی جماعت پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور شیطان ان سے دور رہتا ہے، تاہم ثانی یعنی یُذْذ بعض طرق میں معروف بھی آیا ہے۔

وان لم یکن لفظہ صحیحاً فان معناه صحیح جدا۔ ”اگرچہ اس کے الفاظ صحیح نہیں اس کے معنی بہت اچھے ہیں۔“
اجماع کی اقسام اور ان کے الگ الگ احکام مطولات میں دیکھے جاسکتے ہیں، بہر حال اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جماعت کو ترک کرنے والا شخص قیامت کے روز اہل جنت کی جماعت سے الگ کر کے جہنم میں پھینکا جائے گا، بنا بریں ہر آدمی پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ امت کے سوا داعظم کے

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں: پہلا مضمون: امت کسی گمراہی پر متفق ہو جائے یہ بات ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی امت کی اس سے حفاظت فرماتے ہیں، اسی لئے اجماع امت حجت ہے، اجماع کی حجیت سورۃ النساء کی آیت 115 سے بھی ثابت ہے، اور بہت سی احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے اس حدیث سے اجماع کی معصومیت عن الضلالت بھی معلوم ہوئی۔

والمراد اجماع العلماء منهم ولا عبرة باجماع العوام وفي اضافة الامة الى اسمه الشريف اشارة

ان هذه الامة هي التي امتاز بهذه الفضيلة من بين سائر الامم.

”ان کے علماء کا اجماع مراد ہے عوام کا کوئی اعتبار نہیں امت کی شرافت کی طرف نسبت کرنے سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس امت کو تمام امتوں کے درمیان فضیلت حاصل ہے۔“

اور اس مسئلہ میں غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک امت کا اجماع حجت نہیں، مگر وہ عام طور پر صاف انکار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں: قطعی اجماع حجت ہے، ظنی اجماع حجت نہیں یعنی جو اجماع اخبار آحاد سے منقول ہو وہ حجت نہیں، اسی کو کہتے ہیں: ”ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا“ آخر اجماع قطعی کیسے بنے گا؟ کیا اس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہوگا اور جب اخبار آحاد حجت ہیں جو مفید ظن ہیں تو پھر وہ اجماع جو حدیثوں ہی کی طرح منقول ہو، کیوں حجت نہیں! (اجماع کی حجیت پر مزید کلام مقدمہ میں گزر چکا ہے) دوسرا مضمون: اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور باب کے آخری حدیث میں علی کے بجائے مع ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے کہ اللہ کی نصرت، حمایت اور مدد جماعت کے شامل حال رہتی ہے، پس جو بندہ جماعت کے ساتھ رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مستفید ہوگا۔

تیسرا مضمون: اور جو جماعت سے علیحدہ ہوا یعنی اہل السنہ والجماعہ سے جدا پڑا اور کسی گمراہ فرقے کے ساتھ ہو گیا وہ دوزخ کی طرف علیحدہ ہوا یعنی وہی تنہا جہنم میں جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جنتیوں سے علیحدہ کئے جانے کے ساتھ وہ جہنم میں بھی تنہا رکھا جائے جیسا کہ حدیث مبارک کے الفاظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے، اس طرح مصیبت ڈبل ہو جائے گی دوزخی ہونا اور تنہائی کی زندگی بسر کرنا۔ والعیاذ باللہ

سند: اس حدیث کی سند کا ایک راوی سلیمان المدینی ضعیف ہے لیکن باب کی آخری حدیث کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور مصری نسخہ میں حسن غریب ہے، علاوہ ازیں اس روایت کے متعدد شواہد ہیں، اس لئے یہ روایت صحیح ہے۔ غیر مقلدین چونکہ اجماع کو حجت نہیں مانتے اس لئے وہ اس روایت میں طرح طرح سے کیڑے نکالتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي نَزُولِ الْعَذَابِ إِذَا لَمْ يَغَيِّرِ الْمُنْكَرَ

باب ۸: منکر کو مٹایا نہ جائے تو عذاب آئے گا

(۲۰۹۴) أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرُونَ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (المائدہ: ۱۰۵) وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَيْهِ يَدِيهِ أَوْ شَكَ أَنْ يَعْصِيَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ.

ترجمہ: قیس بن ابو حازم بیان کرتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو تم نے یہ آیت پڑھی ہے اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو جو شخص گمراہ ہو گیا ہو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب لوگ ظالم شخص کو دیکھیں گے اور اس کے ہاتھ نہیں روکیں گے تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

تشریح: دعوت یعنی لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانا فرض ہے، پھر دعوت کی دو قسمیں ہیں: غیروں کو دعوت دینا اور اپنوں کو دعوت دینا یعنی غیروں کو دین کی طرف بلانا، اور اپنوں کو دین پر جمانا، یہ دونوں دعوتیں ضروری ہیں، سورہ آل عمران آیت ۱۱۰ میں ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: ”تم لوگ اچھی جماعت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہو، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔“

اس آیت میں دونوں دعوتوں کا ذکر ہے ﴿اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ میں غیروں کو دعوت دینے کا ذکر ہے، قرآن کریم النَّاسِ سے غیروں کا ذکر کرتا ہے اور تَامِرُونَ سے آخر تک اپنوں کو دعوت دینے کا اور خود کو ایمان کے تقاضوں پر جمانے کا ذکر ہے۔

پھر جاننا چاہئے کہ پہلی قسم کی دعوت سے اگر امت تغافل برتے تو اس پر عذاب کی دھمکی نہیں دی گئی مگر دوسری دعوت میں غفلت برتنے پر احادیث شریفہ میں عذاب کی خبر دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسروں کو دعوت خود بخود پہنچے گی اور اگر اپنوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور وہ نام کے مسلمان رہ جائیں تو وہ دوسروں کی دین بیزاری کا سبب بن جائیں گے، ان کو اگر دعوت دی بھی جائے گی تو وہ اثر انداز نہیں ہوگی، اس لئے پہلے محنت اسلامی معاشرہ پر ہونی چاہئے، اگلے باب میں اس سلسلہ کی روایات آرہی ہیں۔

اعتراض: اس طرح تو بظاہر اس حدیث اور آیت میں تعارض سا ہو گیا کہ آیت سے چھوٹ معلوم ہوتی ہے جبکہ حدیث سے لزوم معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہر صورت لازمی ہے ورنہ عذاب یقینی ہے۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۰۵ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصْزُقُكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔“

اس آیت کے ظاہر سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، اس کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں، اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں، مگر یہ بات قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطاب عام میں فرمایا: لوگو! تم یہ آیت کریمہ پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو، تم یہ سمجھتے ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، سنو! میں نے خود نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرم کے ساتھ ان کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے الگ الگ محامل ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں۔

① علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں اس طرح کی تطبیق دی ہے کہ اس آیت کا تعلق ابتدائے اسلام سے ہے جبکہ حدیث کا تعلق

قوت اسلامی کے حصول کے زمانے سے ہے، گویا یہ منسوخ یا از قبیل منساہ ہے، منساہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کبھی ایک حکم پر عمل ہو

جب حالات اس کے مطابق ہوں اور کبھی دوسرے پر عمل ہو جب حالات سازگار نہ ہوں جیسے جہاد کی آیات اور صبر کی تلقین میں

② ”من ضل“ سے مراد ذمی لوگ ہیں یعنی جب مسلمان اپنے دین قائم ہوں تو ذمیوں کی لادینیت ان کے لئے نقصان دہ نہیں۔

③ ”من ضل“ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ شرکیہ میں اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں اور نصیحت و فہمائش سے بھی باز نہیں

آتے تو تم ان کے غم میں نہ پڑو، ان کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، اور سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی کوشش کرے، پھر بھی لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔

④ اور اگر یہ آیت مسلمان کو بھی عام ہے تو اذا اہتدیتہم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی داخل ہے، مسلمانوں کی اصلاح کی فکر اولاً ہر شخص پر ضروری ہے، پھر امکان بھر کوشش کرنے کے بعد اگر لوگ نہ سنیں تو وہ ذمہ دار نہیں۔ (ابوداؤد حدیث 4341) میں ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے علیکم انفسکم کا مطلب پوچھا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس کا مطلب نبی ﷺ سے پوچھا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بل ائتمروا بالمعروف، وتناہوا عن المنکر حتی اذاریت شجاً مطاعاً وھووی متبعاً ودنیا موثرۃ
واعجاب کل ذی رأی برأیہ فعلیک بخاصۃ نفسک، ودع عنک العوام:

ترجمہ: بلکہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دو، اور ایک دوسرے کو برائی سے روکو یہاں تک کہ جب تم دیکھو ایسی بخیلی کو جس کی پیروی کی جارہی ہے، اور ایسی خواہش کو جس کے پیچھے چلا جا رہا ہے، اور ایسی دنیا کو جسے ترجیح دی جارہی ہے اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اتر رہا ہے تو اپنے آپ کو لازم پکڑو اور عوام کا خیال چھوڑو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی محنت کے بعد علیکم انفسکم کا نمبر ہے۔

ایسے میں سابقہ باب میں بخاری شریف کی حدیث پر عمل کا وقت ہوگا کہ ”فاعتزل تلك الفرق كلها“ الخ (صحیح بخاری ص: 1049، ج: 2) اس حدیث کی تشریح ان شاء اللہ متعلقہ باب میں آئے گی۔

لعفی تحقیق ”اوشک“ بفتح الهمزة وسكون الواو وفتح الشین بمعنی قارب واسرع: یعنی قریب ہے اور ایسا بہت جلد ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

باب ۹: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

(۲۰۹۵) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُؤْشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوهُ فَلَا يَسْتَجَابُ لَكُمْ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم لوگ ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے گا پھر تم اس سے دعا مانگو گے اور وہ تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔

(۲۰۹۶) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقُتْلُوا إِمَامَكُمْ وَتَجْتَلِدُوا بِأَسْيَافِكُمْ وَيَرِثَ دُنْيَاكُمْ

شِرَارُكُمْ.

تو مجھے بتا: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جس وقت تک تم اپنے امام کو قتل نہیں کرو گے اور اپنی تلواروں سے لڑو گے نہیں تمہاری دنیاوی معاملات کے نگران تمہارے بدترین لوگ ہو جائیں گے۔

(۲۰۹۷) أَنَّهُ ذَكَرَ الْجَيْشَ الَّذِي يُحْسِفُ بِهِمْ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ لَعَلَّ فِيهِمُ الْمُكْرَهُ قَالَ إِنَّهُمْ يُبْعَثُونَ عَلَى نِسَائِهِمْ.

تو مجھے بتا: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس لشکر کا تذکرہ کیا جسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ہو سکتا ہے ان میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو مجبوری کے عالم میں آئے ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا انہیں ان کی نیتوں کے مطابق زندہ کیا جائے گا۔

تشریح: کہ دعوت کے دو دائرے ہیں: ایک غیروں کو دین کی طرف بلانا، دوسرا: مسلمانوں کے احوال کو سنوارنا اور ان کو بھلی باتوں کا حکم دینا، اور برائیوں سے روکنا، کیونکہ امت اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسرے خود ہی اس سے متاثر ہوں گے اور اگر امت کا حال بگڑ جائے تو ان کو دیکھ کر دوسرے بھی دین سے بدک جائیں گے، اس لئے اصل محنت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہونی چاہئے۔ آج بلا مبالغہ اسی فیصد مسلمان بس نام کے مسلمان ہیں اور کسی کو فکر نہیں: پھر عذاب نہیں آئے گا تو کیا رحمت کے جھوٹکیں چلیں گے!

آج ہمارا دور وہ زمانہ ہے جس میں قیامت کی آمد بہت ہی قریب ہے کہ علامت صغریٰ سب ظاہر ہو چکی ہیں صرف علامات کبریٰ کا آنا باقی ہے، ان منکرات میں سب سے خطرناک چیزیں تین ہیں اور یہی تین امریکہ و یورپ کے اصل اہداف ہیں: ① موسیقی عام کرنا۔ ② بے پردگی و فحاشی کو فروغ دینا اور ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا بلکہ عزت افزائی کرنا جو اس کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ ③ سود کو ضرورت بنانا، ان تینوں میں سے ایک پر بھی قابو پانا بظاہر ناممکن لگتا ہے۔

فائدہ: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ عرف شذی میں فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے مگر اس کے اثر نہ ہونے کے یقین ہو جانے سے ترک جائز ہو جاتا ہے مگر ایسے میں بھی عزیمت یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے الا یہ کہ اذیت یا مضرت کا اندیشہ ہو تو پھر چھوڑ دے۔ اس کے ساتھ باب سابق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔

بہر حال اس حدیث میں بطور قضیہ شرطیہ منفصلہ حقیقتہ کے احدا الامرین پر حکم لگایا گیا ہے کہ یا تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرو گے یا پھر تم پر عذاب آئے گا نہ تو یہ دونوں چیزیں بیک وقت جمع ہوں گی اور نہ ہی رفع ہوں گی بلکہ اگر ایک نہ ہوگی تو دوسری ہوگی۔

حدیث کو بعض شارحین نے سابقہ حدیث کے ساتھ جوڑا ہے کہ دونوں کا ماخذ ایک ہی ہے اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ راوی علیٰ ہذا الامام سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں مگر حدیث میں چونکہ دو امرین کا ذکر ہے قتل امام اور تسلط اشرا تو پہلا امر اس زمانے میں آچکا تھا جبکہ اب دوسرے کی آمد آمد ہے۔

بہر حال اس حدیث کو باب ہذا لانے کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معطل ہوگا تو انجام یہ نکلے گا کہ اشرار غالب آجائیں گے، یا مطلب یہ ہے کہ آمرون والناہون اچھے لوگ ہیں مگر جو لوگ آخری زمانے میں تخت و سلطنت کے مالک ہوں گے وہ اچھائی و بھلائی سے محروم ہوں گے کہ وہ تو گناہوں کو فروغ دینے والے ہوں گے نہ کہ منع کرنے والے۔

مسئلہ: اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت ہو اور ظن غالب ہو کہ امر و نہی کا فائدہ ہوگا تو امور واجبہ میں امر و نہی واجب ہیں اور امور مستحبہ میں مستحب اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو امور واجبہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں، البتہ اگر آدمی ہمت کر کے اصلاح حال کی کوشش کرے تو بڑے ثواب کا حقدار ہوگا۔

لعل فیہم المنکرۃ؟ قال: یبعثون علی نیاتہم (حسن غریب): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اس لشکر کا ذکر فرمایا جس کو زمین میں دھنسیا جائے گا پس ام سلمہ رضی اللہ عنہا پوچھا شاید ان میں سے کوئی ایسا بھی ہو جسے زبردستی شامل کیا گیا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو اپنی اپنی نیتوں کے مطابق (قبروں) سے اٹھایا جائے گا۔

تشریح: یعنی ایسے لوگ جو شریکوں اور مفسدین کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کئے جاتے ہیں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تعلق نہیں کر سکتے مثلاً نہ جانے کی صورت میں ان کو ناقابل برداشت تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو ایسے میں اگرچہ قیامت کے دن ان کی نیت معتبر ہوگی یعنی اگر وہ واقعی مجبور تھے اور کسی مسلمان یا مجاہد پر گولی چلانا نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی اپنی بندوق کا رخ عداً مسلمانوں کی طرف رکھتے بلکہ حتی الامکان ہوا میں گولیاں چلاتے رہے تو وہ نفس شرکت جبری پر ماخوذ نہ ہوں گے تاہم جہاں تک دنیوی عذاب کا تعلق ہے تو وہ سب کو شامل ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً...﴾ (الانفال: ۲۵)

(رواہ ایضاً مسلم ص: 388 کتاب الفتن، سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب 30)

یعنی جب مجرموں کی وجہ سے دنیا میں عذاب آتا ہے تو اس میں بچوں سمیت غیر مجرم بھی لپیٹ دیئے جاتے ہیں مگر آخر تمہیں ہر ایک کا حساب کتاب الگ ہوگا۔

حتی تقتلوا امامکم: سلطان مراد ہے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین کو قتل کیا مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قتل اور اس کے بعد کے واقعات اس حدیث کا مصداق نہیں، کیونکہ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وارث ہوئے تھے اور وہ نیکوں کے سردار تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت مہدی سے کچھ پہلے امام المسلمین کو امت قتل کرے گی۔

یرث دنیا کم شرار کم: ملک و مال دونوں پر ظالموں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس روایت کو اس باب کے تحت اس لئے ذکر کیا گیا کہ اشارہ کرنا مقصود ہے اس بات کی طرف کہ فتنہ اس وقت واقع ہوگا جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دیا جائے گا۔

نیز تنبیہ: ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے خیر امت ہیں: کما قال تعالیٰ:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) هذا حدیث حسن اخر جہ ابن ماجہ.

روایت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاص اہمیت معلوم ہوئی کہ اگر اس امر عظیم کو ترک کیا گیا تو لوگوں کا دین اور دنیا

دونوں برباد ہو جائیں گے جب ملک و مال پر اہل فساد کا قبضہ ہوگا پھر عالم میں فساد ہی پھیلے گا اہل دنیا کو اطمینان و سکون تو درکنار اضطراب لاحق رہے گا چنانچہ فی زمانہ اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

لغات: ”المعروف“ امام راغب رحمہ اللہ المفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

”والمعروف اسم لكل فعل يعرف بالعقل او الشرع حسنه والمنكر ما ينكر بهما“

قوله ”المنكر“ مفردات القرآن میں ہے:

”والمنكر كل فعل تحكم العقول الصحيحة بقبحه او تتوقف في استقباحه واستحسانه العقول

فتحكم بقبحه الشريعة“

یعنی عقل سلیم جس چیز کو غور و خوض سے مستحسن قرار دے اور شریعت اس کا حکم کرے یا کم از کم اجازت دے دے تو وہ معروف ہے اور جو چیز ان دونوں کے نزدیک بالکل نئی اور قبیح ہو وہ منکر ہے یعنی عقل و نقل سے ناشناس۔ یہاں یہ نکتہ بھی قارئین کے فائدے کے لئے لکھا جاتا ہے کہ معروف معرفت سے ہے جو علم سے انحصار ہے:

كما قال الراغب والعرفان ادراك الشئ بتفكر وتدبر وهو اخص من العلم و يضاده الانكار و يقال: فلان يعرف الله ولا يقال يعلم الله... ويقال: الله يعلم ولا يقال يعرف كذا.

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ

باب ۱۰: منکر کو ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے روکنا

(۲۰۹۸) أَوَّلُ مَنْ قَدَّمَ الْحُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لِمَرْوَانَ خَالَفْتَ السُّنَّةَ فَقَالَ يَا فُلَانُ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَمَّا هَذَا فَقَطِي مَا مَعْلِيهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِبِيَدِهِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَوْعَى الْإِيمَانِ.

ترجمہ: طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں سب سے پہلے (عید کے دن) مروان نے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا تو ایک شخص کھڑا ہوا اس نے مروان سے کہا تم نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے تو اس نے جواب دیا اے فلاں جس سنت کی تم تلاش میں ہو اسے ترک کر دیا گیا ہے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تک کہ پہلے شخص کا تعلق ہے تو اس نے اپنے فرض کو ادا کر دیا ہے میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص کسی منکر کو دیکھے وہ اپنے ہاتھ کے ذریعے اسے ختم کرے جو اس کی استطاعت نہیں رکھتا وہ اسے منہ کے ذریعے کہے جو اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل میں (اسے برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور حصہ ہے۔

تشریح: پہلے چند فوائد جان لیں: ① امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہیں اور یہ دینی خیر خواہی ہے، اور جن لوگوں نے ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ﴾ سے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، اسی طرح ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (الانفال: ۱۶۳) ترجمہ: ”کوئی آدمی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“ سے استدلال کیا اس کا جواب آپ کا کہ آیت کا حکم اصلاح حال کی کوشش کے بعد ہے اور یہ

دوسرے کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کی سزا ہے۔

② پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہیں اگر کچھ لوگ اس کو انجام دیں تو باقی سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا، ورنہ تمام قادرین گنہگار ہوں گے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو، اپنی اولاد کو یا اپنے غلام کو معروف میں کوتاہ اور منکر میں دلیر پائے تو اس کی اصلاح فرض ہے اور عام مسلمانوں میں کوتاہی دیکھے اور اس کا خیال ہو کہ کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا بھی کہنا ضروری ہے، ﴿وَإِنَّ الَّذِي كَرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (الدریات: ۵۵) ترجمہ: ”آپ نصیحت کریں بیشک نصیحت مؤمنین کو فائدہ دے گی۔“ یعنی نصیحت کرنے سے مؤمنین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

③ اور علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ فریضہ حکام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو بھی یہ فریضہ انجام دینا چاہئے بلکہ صدر اول میں تو عام مسلمان حکام پر بھی نکیر کرتے ہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا مسائل سے واقف ہو، پھر اگر مسئلہ واجبات ظاہرہ کا اور محرمات مشہورہ کا ہے جیسے نماز، روزہ اور زنا اور شراب نوشی وغیرہ جن کو سب مسلمان جانتے ہیں، پس ان سے روکنے کی ذمہ داری بھی سب کی ہے اور اگر مسئلہ مجتہد فیہ ہو تو جو اہل علم مسئلہ میں بصیرت رکھتے ہیں انہی کا یہ مقام ہے۔

④ اور اس فریضہ کے آداب میں سے یہ ہے کہ حکمت کا لحاظ کر کے بات کہی جائے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جس نے اپنے بھائی کو چپکے سے نصیحت کی اس نے اس کے ساتھ خیر خواہی کی اور اس کو سنوار دیا اور جس نے اس کو علانیہ نصیحت کی اس نے اس کو رسوا کیا اور اس کو عیب دار کر دیا، ہاں اگر کوئی منکر عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہو تو کسی کا نام لئے بغیر عام لوگوں کے سامنے نکیر کر سکتے ہیں۔

اس حدیث پر ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے شرح الخمسین (جامع العلوم و الکلم فی شرح خمسین حدیث من جوامع الکلم) میں تفصیل سے بحث کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عدم قدرت کی صورت میں وجوب بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے تاہم پھر بھی جو شخص اس پر عمل کرے تو وہ عزیمت اور باعث فضیلت ہے کیونکہ معذورین اگرچہ ترک عمل سے گنہگار تو نہیں ہوتے ہیں مگر ان کے مقابلے میں عاملین افضل ہوتے ہیں، اصحاب السبت کو ایک جماعت نے روکا اور دوسری نے وعظ میں تاثیر نہ سمجھ کر سکوت اختیار کیا مگر افضل و اعظین تھے، عورتیں اگرچہ ماہواری کے ایام میں نماز پڑھنے سے معذور ہوتی ہیں مگر مردوں کے مقابلے میں ان کو بنا بریں ناقصات الدین قرار دیا گیا ہے، پھر عدم استطاعت سے مراد کیا ہے تو وہ لکھتے ہیں کہ جسے قتل کئے جانے یا کوڑے لگنے یا قید کئے جانے یا مال وغیرہ کا خطرہ لاحق ہو جیسے حکام کے متعلق کوئی منکر ہو تو وہ معذور سمجھا جائے گا جبکہ برا بھلاسنے کی پرواہ نہیں کرے گا ہاں البتہ حکام سے قتال نہیں کرے گا (یعنی کفر بواح سے کم درجے میں) البتہ اگر ہو سکے تو ان کے اقدامات غیر شرعیہ کو ہاتھ سے ختم کر دے جیسے شراب کے برتن توڑنا یا آلات موسیقی وغیرہ توڑنا۔

آج کل اگرچہ بعض منکرات پر بعض مقامات پر تنقید تو ہو سکتی ہے مگر سب کے سب منکرات اور تمام مقامات میں روکنا یا ان پر ٹوکنا ناممکن ہے کیونکہ عام منکرات اب مقامی نہ رہے بلکہ عالمی بن گئے ہیں۔ شرح الخمسین میں ہے:

و كَذَلِكَ رَوَى عَنْ طَائِفَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا

اَهْتَدَيْتُمْ (المائدہ: ۱۰۵) قالوا: لم يأت تأويلها، انما تأويلها في آخر الزمان.... الخ

فائدہ: کہ نبی عن المنکر میں نرمی اور شفقت کا عنصر غالب ہونا چاہئے:

وكان اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ اذا مروا بقوم يرون منهم ما يكرهون، يقولون: مهلا رحمة الله مهلا رحمة الله.

”ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی جب لوگوں کے پاس سے گزرتے تو جب انہیں ناپسندیدہ بات کرتے ہوئے دیکھتے تو کہتے چھوڑ دو اللہ تمہارے اوپر رحم کرے چھوڑ دو اللہ تمہارے اوپر رحم کرے۔“

پھر اجماعی یعنی متفقہ منکرات سے روکنا بقدر طاقت واجب ہے جبکہ اختلافی مسائل میں غلو سے بچنا چاہئے۔

دل سے برا سمجھنے کا مطلب: اس حدیث پاک میں منکر کو فقط دل سے نفرت کرنے اور برا سمجھنے کو اضعاف الایمان کہا ہے اور مسلم وغیرہ کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے:

وفيه: من جاهد هم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الايمان حبة خردل.

”اس حدیث میں ہے: جس نے اُن لوگوں سے دل سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے، لیکن اس سے کم ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔“

① اور بخاری و مسلم میں یہ روایت بھی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مروان پر نکیر کی، وہ دونوں عید گاہ ساتھ ساتھ آئے تھے، مروان سیدھا منبر کی طرف چلا تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا مگر وہ نہیں مانا اور جواب دیا: قد ترك ما تعلم: آپ جو جانتے ہیں وہ زمانہ گیا! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: كلا: والذي نفسي بيده! لا تأتون بخير مما اعلم: ہرگز نہیں، قسم اس ہستی کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم لوگ نہیں لاؤ گے کوئی کام بہتر ان کاموں سے جو میں جانتا ہوں، یہ بات تین مرتبہ کہہ کر حضرت ابوسعید صف میں جا بیٹھے۔ (مسلم شریف حدیث 889)

پھر اس شخص نے جس کا اس روایت میں ذکر ہے کھڑے ہو کر نکیر کی، اس لئے اس کے عمل کا درجہ بڑھ گیا، اس لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بندے نے جو اس پر حق تھا چکا دیا۔

② کسی منکر کو ہاتھ سے بدلنا یہ ہے کہ منکر میں مشغول لوگوں کو کسی بھی طرح اس سے روک دے، مثلاً آلات لہو و لعب توڑ دے، ان کی سرزنش اور پٹائی کرے، مگر یہ کام حاکم کا ہے، قوت نافذہ کے بغیر یہ کام کرنے سے فتنہ ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ زبان سے تبدیلی کرنے کا ہے، یعنی برائی میں مشغول لوگوں کو سمجھایا جائے، ان پر اعتراض کیا جائے، یہ کام عام احوال میں ہر شخص کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص بے ہمت ہو اور اس کی بھی ہمت نہ کر سکے تو آخری درجہ دل سے منکر کو برا سمجھنے کا ہے، اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں، بلکہ اس سے نیچے مدہمت فی الدین ہے جو پورے معاشرے کو لے ڈوبتی ہے، اور اس کا تذکرہ آئندہ باب میں آ رہا ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ دل سے روکنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: کہ مومن کو اچھے برے کی تمیز کرنا لازمی ہے، برائی بظاہر کتنی ہی اچھی لگے اور طبیعت کو کتنی ہی پسند ہو لیکن بنظر عقل و شرع اس کو برا جاننا ضروری ہے اس کے بعد اس سے خود بچنا چاہئے اور دوسروں کو بچانا چاہئے لیکن اگر وہ دوسروں کو نہیں بچا سکتا تو کم از کم خود تو

بچے اور اگر کوئی مجبوری ایسی ہے کہ وہ عملی طور پر خود بھی نہیں بن سکتا، مثلاً کسی کا پڑوسی اونچی آواز میں گانے سننے کا شوقین ہے اور اس کی آواز دوسرے گھروں تک بھی پہنچ جاتی ہے اور روکنے کی قدرت نہیں اور ہجرت کی استطاعت نہیں تو کم از کم اس عمل کو برامانا ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے، اور اس آخری درجہ کو ایمان کا ضعیف ترین درجہ قرار دیا ہے یہ مسبب سے سبب پر استدلال ہے، اس استدلال کا نام استدلال الہی ہے، جیسے دھوئیں سے آگ پر استدلال کیونکہ ایمان ایک قلبی حالت ہے اور امر مخفی ہے، پس اس کی قوت وضعف کا اندازہ مومن کے اعمال سے لگایا جائے گا جو قوی الایمان ہوگا، وہ برملا نکیر کریگا اور جو کم ہمت ہوگا وہ ہچکچائے گا، یہ اس کے ایمان کے ضعف کی دلیل ہے مگر یہ خیال رہے کہ ایمان اس کا بھی ناقص نہیں، البتہ وہ کمزور ہے، چنانچہ اس کے آثار ظاہر نہیں ہوئے اور وہ منکر کو صرف دل سے برا سمجھ کر رہ گیا لیکن بہر حال یہ بھی ایک ایمانی درجہ ہے جیسے قوی اور ضعیف دونوں کامل انسان ہیں، مگر دونوں میں فرق ہے، پھر اس کے بعد ایمان ہی ناقص ہے۔ یہ مداہنت کرنے والے اور موافقت کرنے والے لوگ ہیں۔

باب منہ

باب ۱۱: منکرات میں مداہنت کرنے والے کی مثال

(۲۰۹۹) مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللَّهِ وَالْمُدْهِنِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهْمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فِي الْبَحْرِ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِينَ فِي الْبَحْرِ أَسْفَلَهَا يَصْعَدُونَ فَيَسْتَقُونَ الْمَاءَ فَيَصُبُّونَ عَلَى الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا لَا نَدَّ عُكْمُ تَصْعَدُونَ فَتُؤْذُونَنَا فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلَهَا فَإِنَّا نَنْقُبُهَا فِي أَسْفَلِهَا فَتَسْتَقِي فَإِنْ أَخَذُوا عَلَى آيِدِيهِمْ فَمَنَعُوهُمْ نَجَوْا جَمِيعًا وَإِنْ تَرَكُوهُمْ غَرِقُوا جَمِيعًا.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والا اور اس معاملے میں سستی کرنے والا ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ایک کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں سفر کرتے ہیں کچھ لوگ کشتی کے اوپر والے حصے میں چلے جاتے ہیں اور کچھ لوگ نیچے والے حصے میں چلے جاتے ہیں نیچے والے لوگ پانی لانے کے لیے اوپر جاتے ہیں تو وہ کچھ پانی اوپر والے لوگوں پر گرا دیتے ہیں تو اوپر والے یہ کہتے ہیں اب ہم تمہیں اوپر نہیں آنے دیں گے کیونکہ تم ہمیں تکلیف پہنچاتے ہو تو نیچے والے یہ کہیں ہم کشتی کے زیریں حصے میں سوراخ کر دیتے ہیں تاکہ (سمندر سے) پانی حاصل کر لیں اب اگر وہ (اوپر والے) لوگ ان کا ہاتھ پکڑ لیں گے اور انہیں روک دیں گے تو وہ سب لوگ نجات پالیں گے لیکن اگر وہ (اوپر والے) لوگ ان (نیچے والے لوگوں) کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے تو وہ سب لوگ غرق ہو جائیں گے۔

تشریح: مثال کی وضاحت: مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللَّهِ اور الْمُدْهِنِ فِيهَا کی مثال آپ ﷺ نے بیان فرمائی جس کی وضاحت یہ کہ جس طرح کشتی کے دو حصے اوپر نیچے والے پانی لانے اوپر جاتے ہوں اور اوپر والے ان سے پریشان ہو کر پانی اوپر سے لانے کو منع کر دیں تو نیچے والوں نے اپنی سہولت اس میں سمجھی کہ ہم کشتی میں نیچے کی جانب سوراخ کر لیں ظاہر ہے کہ اس کی

وجہ سے پانی کشتی کے اندر بھر جائے گا اور کشتی جس طرح نیچے والوں کو لے ڈوبے گی اوپر والوں کو بھی لے ڈوبے گی اب اگر اوپر والے ان کو سوراخ کرنے سے نہ روکیں بلکہ یہ سوچ لیں کہ یہ سوراخ اپنے حصہ میں کریں گے تو یہ ہی ڈوبیں گے حالانکہ ایسا نہیں اوپر والے بھی ان کے ساتھ ڈوب جائیں گے اس طرح قائم علی حدود اللہ یعنی شرع کے مطابق عمل کرنے والے مداہن یعنی خلاف شرع کام کرنے والوں کو نہ روکیں گے تو ظاہر ہے کہ عذاب سب پر آئے گا جس کو اوپر روایت میں بیان کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ جو لوگ شریعت کے عامل ہوں ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں ورنہ اللہ کا عذاب ان پر بھی آئے گا روایات مذکورہ فی الباب کے علاوہ اس مضمون کو آیات شریفہ میں بھی بیان کیا گیا ہے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ (الانفال: ۲۵) وغیرہ۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجه البخاری

غرض دین اسلام کی مثال ایک کشتی کی طرح ہے اس میں سب لوگ بیٹھے ہوتے ہیں مگر اس کی حفاظت مشروط ہے کہ کشتی میں نقب و سوراخ نہ کیا جائے ورنہ سب غرق ہوں گے لہذا منکرات سے اہل اسلام کی اکائیوں کو خطرہ ہے عقلمندی کا تقاضا ہے کہ اگر قدرت ہو تو انہیں روکا جائے۔

وضاحت: حدود اللہ: داخلی سرکل ہیں جس کا تذکرہ پہلے (کتاب الحج باب ۲ میں) آیا ہے اور جس سے باہر نکلنے والا آدمی فاسق ہے..... المدهن (اسم فاعل) ادا فی الامر: کسی معاملہ میں نرمی برتنا، اور المداھن (اسم فاعل) داهنه مداھنة: مداھنت کرنا، حق پوشی کرنا..... سھم: حصہ استھم: قرعہ اندازی کر کے اپنا حصہ معلوم کرنا..... نقب الجلد او الجدار: کھال یا دیوار میں سوراخ کرنا۔

لغات: قوله "القائم علی حدود اللہ" حد کی جمع ہے یہاں حد شرعی مراد ہے یعنی وہ احکام جن کو اللہ نے اوامر و نواہی کے ذریعہ مقرر کیا ہے ان پر قائم کے معنی پابندی کرنے اور تحفظ کرنے کے ہیں۔ قوله "المدهن" اس کو مداھن بالالف بھی کہتے ہیں، دونوں اس فاعل کے صیغے ہیں، یہ لفظ گویا دھن بمعنی تیل سے مشتق ہے، مداھنت حق پوشی اور چا پلوسی کو کہتے ہیں یعنی منکر کو دیکھ کر باوجود قدرت کے نہ روکنے والا، گویا اس نے باطل پر خاموشی اختیار کر کے اس پر جواز کا تیل لگا کر اس کو چمکیلا بنانے کی کوشش کی ہے۔ قوله "استھموا" یعنی قرعہ اندازی کے ذریعے اس میں بیٹھنے کی نشستیں اور منزلیں تقسیم کیں۔ قوله "یصعدون" بفتح الیاء صعود سے بمعنی چڑھنے کے ہے جبکہ اصعاد باب افعال سے ہموار زمین میں چلنے کو کہتے ہیں: ففی الایۃ الکریمة "اذ تصعدون" الحج بضم التاء ہے، تدبر۔ قوله "فیستقون" استقی فلا تا کسی سے پانی یا سیرابی چاہنا۔ قوله "فیصبون" (سورة آل عمران آیت ۱۵۳) علی کا صلہ میں آنے کی وجہ سے متعددی کا ترجمہ کیا ہے۔

بَابُ أَفْضَلِ الْجِهَادِ كَلِمَةً عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

باب ۱۲: ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے

(۲۱۰۰) إِنْ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةً عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے سب سے عظیم جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف

کی بات کہنا ہے۔

تشریح: ① کلمۃ حق عند سلطان جائز: افضل الجہاد کیوں ہے؟ کلمۃ حق عند الجائر کو افضل جہاد اس لئے قرار دیا کہ جہاد میں مجاہد کافر کے مقابلہ پر غالب بھی ہو سکتا ہے اور مغلوب بھی مگر بادشاہ ظالم کے روبرو کوئی حق بات اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کر رہا ہے جبکہ وہ مقہور ہے غالب ہونے کا احتمال نہیں ہے تو ظاہر کہ اس نے اس حق کو کہنے کے وقت اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور اپنے کو نشانہ ہلاکت کے لئے بنا دیا ہے تو اس کی بہت بڑی جرأت کی بات ہے اس وجہ سے افضل جہاد سے

② علامہ مظہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں افضل ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص بادشاہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گا تو بادشاہ ظلم سے رک جائے گا اس کا فائدہ عام مخلوق کو پہنچے گا بخلاف کفار سے قتال کے وہاں س نے کافر کو قتل کیا جس کا فائدہ عام مخلوق کو نہیں ہے بہر حال سلطان جائز کے سامنے کلمۃ حق کا اظہار بڑی جرأت کے ساتھ فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے اس وجہ سے اس کو افضل اور اعظم الجہاد فرمایا گیا ہے۔

لغات: قوله "من اعظم" ایک روایت میں "افضل" کا لفظ ہے (کذا فی روایۃ ابن ماجہ حوالہ بالا) قوله "کلمۃ عدل" ایک روایت (مسند احمد ص: 334 ج: 6) میں لفظ "کلمۃ حق" آیا ہے لہذا عدل سے مراد حق ہے۔ قوله "جائر" جور سے بمعنی ظلم کے ہے۔

ان من اعظم الجہاد دوسری روایت میں افضل الجہاد کا لفظ واقع ہے کلمۃ عدل ای کلمۃ حق کہا فی الروایۃ الاخریٰ یہاں کلمہ سے مراد ایسی بات کہہ دینا یا لکھ دینا وغیرہ ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے ہو۔
سند کی بحث: اس حدیث میں اگرچہ عطیہ عوفی ہیں جو ضعیف شمار کئے گئے ہیں مگر چونکہ اس حدیث کے شواہد ہیں، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے، اور حضرت طارق بن شہاب کی حدیث نسائی میں ہے اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی تحسین کی ہے، یا اس لئے تحسین کی ہے کہ عطیہ ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف نہیں ہیں، ان کا حال صدوق یخطی کثیراً ہے اور ایسے راوی کی حدیث ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

بَابُ سُؤَالِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا فِي أُمَّتِهِ

باب ۱۳: نبی ﷺ نے امت کے لئے تین دعائیں مانگیں

(۲۰۹۱) صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَاةً فَأَطَالَهَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّيْتَ صَلَاةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيْهَا قَالَ أَجَلَ إِنَّهَا صَلَاةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ إِنِّي سَأَلْتُ اللَّهَ فِيهَا ثَلَاثًا فَأَعْطَانِي اثْنَتَيْنِ وَمَنْعَنِي وَاحِدَةً سَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِسَنَةٍ فَأَعْطَانِيهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَعْطَانِيهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُذَيِّقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنْعَنِيهَا.

ترجمہ: عبد اللہ بن خطاب اپنے والد یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا کی آپ ﷺ نے طویل نماز ادا کی لوگوں

نے عرض کیا یا رسول اللہ آج آپ نے جس طرح نماز ادا کی تھی آج سے پہلے اس طرح پہلے ادا نہیں کی تھی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایسا ہی ہے یہ وہ نماز تھی جس میں کچھ امید بھی تھی اور کچھ خوف بھی تھا میں نے اللہ تعالیٰ سے اس میں تین سوال کیے اس نے دو مجھے عطا کر دی اور ایک کے بارے میں منع کر دیا میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو قحط سالی کی وجہ سے ہلاک نہ کرے اس نے یہ بات مجھے عطا کر دی میں نے عرض کی وہ ان پر ان کے دشمن کو پوری طرح مسلط نہ کرے تو اس نے مجھے یہ بھی عطا کر دیا میں نے اس سے سوال کیا کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں نہ لڑیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات قبول نہیں کی۔

(۲۰۹۲) إِنَّ اللَّهَ زَوَىٰ لِيَ الْأَرْضِ فَرَائِثُ مَشَارِقِهَا وَمَغَارِبِهَا وَإِنْ أُمِّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زَوَىٰ لِيَ مِنْهَا وَأُعْطِيَتْ الْكُتُوبُ الْأَخْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمِّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةِ عَامَةٍ وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ وَإِنْ رَبِّي قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يَرُدُّ وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةِ عَامَةٍ وَأَنْ لَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ وَلَوْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا أَوْ قَالَ مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا حَتَّىٰ يَكُونُ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے زمین کر دی تو میں نے اس میں مشرق اور مغرب میں دیکھ لیا میری امت کی حکومت عنقریب اس حد تک پہنچ جائے گی جتنے حصے کو میرے سامنے کیا گیا تھا اور مجھے دو طرح کے خزانے عطا کئے گئے سرخ اور سفید پھر میں نے اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لیے سوال کیا کہ وہ قحط سالی کے ذریعے انہیں ہلاک نہ کرے اور ان کے دشمن کو ان پر مکمل طور پر مسلط نہ کرے جو انہیں سرے سے ختم کر دے تو میرے پروردگار نے فرمایا اے محمد ﷺ میں نے فیصلہ کر دیا ہے ایسا فیصلہ جو واپس نہیں لیا جاتا اور میں نے تمہاری امت کے حوالے سے یہ تمہیں عطا کر دیا کہ میں تمہاری امت کو قحط سالی کے ذریعے ہلاک نہیں کروں گا اور میں ان کے دشمن کو ان پر مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا سرے سے خاتمہ کر دے اگرچہ دشمن تمام روئے زمین سے اکٹھا ہو کر ان کے مقابلے میں آجائے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) زمین کے تمام حصوں سے نہ آجائیں البتہ یہ لوگ خود ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور قیدی بنالیں گے۔

تشریح: ① ایک دن نبی ﷺ عالیہ (بلندی کی طرف کے گاؤں) سے تشریف لارہے تھے، جب مسجد بنو معاویہ سے گزرے تو مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ ﷺ نے دو نفلیں پڑھیں، صحابہ نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھیں پھر نبی ﷺ نے لمبی دعا فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج آپ ﷺ نے ایک ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ نہیں پڑھا کرتے تھے، یعنی اس وقت نماز پڑھنے کا آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، یہ خلاف معمول نماز ہے، یہ رغبت و رہبت والی نماز ہے یعنی اور نمازیں تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہیں جن سے مقصود بندگی کا اظہار اور اللہ کی معبودیت کا اقرار ہوتا ہے مگر میں نے یہ نماز رغبت و رہبت والی پڑھی ہے، میں نے اس نماز میں کچھ دعائیں مانگی ہیں یہ امید باندھ کر کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں۔ اور اس ڈر کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول نہ فرمائیں (اس طرح اس نماز میں رغبت و رہبت دونوں جمع ہو گئے)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اس نماز میں تین دعائیں مانگیں، پس اللہ نے مجھے دو عنایت فرمائیں اور ایک سے منع کر دیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا کہ وہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات مجھے دیدی اور میں نے اللہ سے مانگا کہ وہ ان پر کوئی دشمن ان کے علاوہ سے مسلط نہ کریں جو ان کو جڑ مر سے اکھاڑ دے، پس اللہ نے یہ بات بھی مجھے عنایت فرمائی اور میں نے اللہ سے مانگا کہ وہ ان کے بعض کو بعض کی سختی نہ چکھائیں یعنی وہ آپس میں نہ لڑیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات مجھے عنایت نہ فرمائی (پس مسلمان باہم لڑیں گے اور یہی فتنے ہوں گے)۔

فائدہ: اس حدیث کے شروع میں جو مضمون بڑھایا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسلم شریف (حدیث ۲۸۹۰) میں آیا ہے، البتہ اس روایت میں دوسری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو غرق نہ کر دیں تو اللہ نے وہ دعا قبول فرمائی۔ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات قطعی طور پر طے کر دی ہے کہ ایسے اسباب پیدا نہیں ہوں گے کہ امت عام قحط سالی سے ہلاک ہو جائے اور غیر ان کے سر پر مسلط ہو کر ان کی مرکزیت کو نیست و نابود کر دیں، البتہ آپس میں خلفشار اور جنگ و جدال کے اسباب رونما ہوتے رہیں گے اور جب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کریں گے تو اس فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔

① اس حدیث میں یستبیح بیضتھم ایک محاورہ ہے، استباحہ کے دو معنی ہیں: جائز و مباح سمجھنا اور جڑ سے اکھاڑنا اور البیضة کے بھی دو معنی ہیں: لوہے کا خود جو جنگ میں پہنا جاتا ہے اور انڈا، اور اس لفظ سے کسی شے کی اصل بھی مراد لی جاتی ہے، بیضة القوم: احاطہ یا محفوظ جہ کو کہتے ہیں اور بیضة الدار: مکان کے بچ کو کہتے ہیں، پس اس محاور کے معنی ہیں: جو ان کی مرکزیت اور ان کی اصل جگہ کو پامال کر دے اور اس کو اجاڑ دے اور اس پر قبضہ کر لے ایسا نہیں ہوگا۔

② ابواب القدر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبرم ہے لیکن بندوں کی جانب سے معلق ہے، یعنی اسباب سے مسببات پیدا ہوتے ہیں اور اس میں محو اثبات بھی ہوتا ہے۔

لغات: ”زوئی“ زویت کے معنی سمیٹنے اور لپیٹنے کے ہیں بظاہر یہاں سکیڑنا مراد نہیں بلکہ دکھانا مراد ہے، اس کی ایک صورت اگرچہ یہ ہو سکتی ہے کہ جو یہاں بظاہر مراد ہے کہ نظر میں حدث و قوت پیدا کر دی گئی یہاں تک کہ وہ پوری زمین یا مفتوحہ علاقوں تک پہنچ گئی یا اس زمین کی شبیہ دکھادی گئی ہو جیسے آج کل کے آلات سے نظر آتی ہے۔ قولہ ”ما زوی لی منها“ اگر ”من“ کو تبعیض کے لئے مانا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ زمین میں سے جتنے حصے اور ممالک مجھے دکھائیے گئے تھے ان سب پر میری امت کا قبضہ ہو جائے گا جیسے مشاہدہ ہے اور اگر ”من“ کو تفصیل کے لئے لیا جائے تو پھر ترجمہ یوں ہوگا کہ زمین کے جتنے حصے جو کہ پوری زمین پر مشتمل ہیں مجھے دکھائے گئے ان سب پر میری امت کی حکومت قائم ہوگی تو پھر یہ حضرت مہدی علیہ السلام کی آمد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگا۔

قولہ ”الکنزین الاحمر والابیض“ دونوں کنزین سے بدلیں ہیں اس لئے منصوب پڑھے جائیں گے، یہ ذکر خاص بعد العام ہے کیونکہ جب مفتوحہ علاقوں پر قبضہ ہو گیا تو کنزین پر بھی ہو گیا مگر اہمیت کے پیش نظر اور اظہار معجزہ کے لئے ارشاد فرمایا کہ روم اور فارس اور ان کے خزانوں پر بھی ہمارا جھنڈا لہرائے گا، احمر سے مراد سونا ہے جو سرخ رنگ والے رومیوں کا سکھ تھا جبکہ ابیض سے مراد چاندی ہے جو فارسی النسل سفید رنگ کے حامل لوگوں کی کرنسی تھی۔ قولہ ”فیستبیح بیضتھم“ بیضہ سے لغوی معنی انڈا مراد نہیں بلکہ اجتماعیت ہے کیونکہ جب انڈا ٹوٹ جاتا ہے تو اس کے اندر سب کچھ بے معنی سا ہو جاتا ہے اسی طرح جب کسی قوم و ملت کی

مرکزیت و اجتماعیت منتشر کر دی جاتی ہے تو اس کے بعد ان کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔
یہ واقعہ کس موقع کا ہے: یہ حدیث مسلم (حدیث ۲۸۸۹) میں بھی ہے مگر اس میں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ واقعہ کس موقع کا ہے، ممکن ہے غزوہ خندق میں جب آپ ﷺ نے دو تین مرتبہ کدال چلایا تھا اور پتھر ٹوٹا تھا اور اس میں روشنی چمکنی تھی اور اس میں زمین سمٹ کر آپ ﷺ کو دکھائی گئی تھی اور قیصر و کسریٰ کے محلات بھی دکھائے گئے تھے: یہ ارشاد شاید اس موقع کا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ فِي الْفِتْنَةِ

باب ۱۴: فتنوں کے زمانہ میں آدمی کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟

(۲۱۰۳) ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَنْ خِيَرُ النَّاسِ فِيهَا قَالَ رَجُلٌ فِي مَا شِئْتَهُ يُؤَدِّي حَقَّهَا وَيَعْبُدُ رَبَّهُ وَرَجُلٌ اخَذَ بِرَأْسِ فَرَسِهِ يُخَيِّفُ الْعَدُوَّ وَيُخَيِّفُونَهُ.

ترجمہ: حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فتنے کا تذکرہ کیا اور اسے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا یہ خاتون بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس وقت کون شخص بہتر ہوگا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ آدمی جو اپنے جانوروں میں ہو اور ان کے حق کو ادا کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہو یا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کے سر کو تھامے اور دشمن پر حملہ کر دے اور دشمن اس پر حملہ کر دے۔

(۲۱۰۴) تَكُونُ فِتْنَةٌ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلًا هَا فِي النَّارِ اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ایسا فتنہ آئے گا جو عربوں کو گھیر لے گا اس میں مرنے والے لوگ جہنم میں جائیں گے اس فتنے کے دوران زبان تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔
تشریح: اس فتنے سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ باہمی جھگڑے مراد ہوں۔ دوم یہ منکرات کا ہنگامہ مراد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں بیک وقت مراد ہوں کیونکہ جیسے عہد پاک سے دوری آتی رہتی ہے تو ان برکات میں کمی آتی رہتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے وجود میمون اور بعد کے صلحاء کی وجہ سے تھیں حتیٰ کہ ان اثرات کی کمی کے تناسب سے باہمی لڑائیوں اور منکرات کی رفتار میں اضافہ آتا رہتا ہے جو بالآخر رات کی تاریکی کی طرح چھا جائیں گے یا ایسی صورت حال میں لوگوں کو چھوڑ کر اپنا دین بچانا اہم عمل ہوگا خواہ جنگل میں پناہ گزین بن کر یا محاذ جنگ میں مجاہدین بن کر ہو، کیونکہ اس میں لوگوں کی ہمنشینی ایمان کے لئے خطرناک ہوگی اور عزت نشینی و علیحدگی دین کی حفاظت کی واحد راہ ہوگی چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان اور بدأ الخلق میں اس کے لئے مستقل باب قائم کئے ہیں:

بَابُ مِنَ الدِّينِ الْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ وَفِيهِ... يَوْشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعْفَ

الجبَالِ وَمَوَاضِعُ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ. (ایضاً صحیح بخاری ص ۴۶۶، ج ۱)

”ہم سے عبداللہ بن یوسف تینسی نے بیان کیا، کہا ہم سے امام مالک رحمہ اللہ نے خبر دی، انہوں نے عبدالرحمن بن عبداللہ بن

ابی صعصعہ سے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب مسلمان کے لئے بہتر مال یہ ہوگا کہ چند بکریاں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر چلا جائے اپنا دین فتنوں سے بچانے کو بھاگتا پھرے۔

رہبانیت اور عزلت نشینی میں فرق:

بظاہر یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے تنہائی کی ترغیب معلوم ہوتی ہے حالانکہ تنہائی جس کا دوسرا نام رہبانیت ہے نصوص کی روح سے مذموم ہے: قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحديد: ۲۷)

”رہبانیت کو انہوں نے خود اختیار کیا، ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے اس کی جس طرح رعایت رکھنے کا حق تھا رعایت نہیں رکھی۔“

جواب: یہ ہے کہ بلاشبہ رہبانیت مذموم ہے لیکن اس تنہائی کو اختیار کرنے اور نصاریٰ کی رہبانیت میں فرق ہے، نصاریٰ نے جو رہبانیت اختیار کر لی تھی وہ مقصد اعلیٰ کو چھوڑ کر بلا کسی مجبوری کے اپنائی گئی تھی جو خلاف فطرت اور خلاف شریعت ہے، فطرت کے خلاف تو اس لئے ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے باقی جانداروں کی طرح انسان میں تناسل و تولید کی نہ صرف صلاحیت و دیعت فرمائی ہے بلکہ اس کے شدید جذبات بھی اس کے اندر رکھے ہیں پس ایسی رہبانیت بالآخر پلٹ کر فساد معاشرے کا سبب بنتی ہے اور خلاف شریعت اس لئے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو لے کر لوگوں میں پھیلانا اور خود بھی ان پر عمل کرنا اور دوسروں سے بھی ان پر عمل کرانا انسانی زندگی کا بنیادی مقصد کو ہے جو معاشرے میں رہ کر ہی ممکن ہے لیکن اگر یہ مقاصد فوت ہو جائیں اور معاشرہ اتنا بگڑ جائے کہ انسانیت کا نصب العین ہی تباہ ہو جائے تو اس حدیث کے مطابق لوگوں سے بقدر ضرورت علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے یعنی یا محدود وقت کے لئے جیسے آپ ﷺ کا غار حراء میں قیام کرنا تھا یا مستقل طور پر جیسے اصحاب کہف نے کیا تھا اور آیت کریمہ میں نصاریٰ کی رہبانیت کی جو مذمت کی گئی ہے کہ یہ لوگ نارمل حالات میں اللہ کی رضا جنگلوں اور رہبانیت میں تلاش کرتے تھے جو سراسر غلط فہمی تھی اور پھر جو طریقہ انہوں نے خود ایجاد کیا تھا اس کا حق بھی ادا نہیں کیا۔

اعتراض: مسئلہ کہ عزلت نشینی فطرت اور حکمت الہی کے منافی ہے تو یہ کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

جواب: یہ ہے کہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ معاشرہ اپنی برائی کے آخری کنارے کو چھو رہا ہو تو اس میں اگر بچے پیدا بھی ہوں تو وہ بھی ماحول کے رنگ میں رنگے جائیں گے اس لئے جہنم کا ایندھن بڑھانے کے بجائے بچوں کی پیداوار کے اقدامات سے دور رہنا ہی منشا الہی کے مطابق ہونا چاہئے اور جہاں تک جذبات کو قابو کرنے کا تعلق ہے تو یہ بھی کوئی ناقابل عمل مسئلہ نہیں ہے کیونکہ جو لوگ شادی کرنے پر قادر نہ ہوں ان کے لئے ریاضتیں اور روزے ہیں۔ واللہ اعلم وعملہ اتم

تستنظف: ای تستوعب کہا جاتا ہے استنظفت الشی اذا اخذته كله ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض حضرات نے اس کے معنی تطہر کے بھی کئے ہیں ای تطہر هم من الارذال و اهل الفتن:

قتلاھا فی النار: جمع قتیل بمعنی مقتول مبتداء ہے اور فی النار خبر ہے اس فتنہ سے غیر معلوم فتنہ مراد ہے چونکہ اس میں قتل ہونے والوں کی نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت نہیں تھی بلکہ بغاوت اور مال و دولت کا اکٹھا کرنا مقصود تھا اس وجہ سے وہ مقتول جہنم میں

جائیں گے۔ قالہ عیاض: اللسان فیہا اشد من السیف: یعنی غیبت و دشنام کے ذریعہ فتنہ میں زبان درازی کرنا تلوار سے بھی زیادہ ہے کیونکہ زبان دراز کے ذریعہ فتنہ زیادہ بڑھے گا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ ہے اب قتلاھا فی النار کا کیا مطلب ہے کیونکہ ان میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بطور زجر و توبیخ کے ہے ورنہ اہل سنت و الجماعہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور اس محاربہ کے متعلق ترک کلام واجب ہے، محشی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے:

تلك دماء طهر الله منها ايدينا فلا نلوث السنتنا بها.

”وہ خون تھے جن کو اللہ نے ہمارے ہاتھوں سے پاک کیا ہم اپنی زبانیں ملوث نہیں کرنا چاہتے۔“

غرض اہل سنت و الجماعت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات و منازعات میں گفت و شنید جائز نہیں۔ اور اگر یہ حدیث کسی اور لڑائی کی طرف مشیر ہو تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں اور اس میں زبان کی تاثیر کو اثر شمشیر سے زیادہ سخت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے جنگ کو ہوا دینا مسلمان کے قتل عام کا موجب بنے گا جبکہ تلوار سے آدمی زیادہ لوگوں کو قتل نہیں کر سکتا ہے۔

بہر حال معاملہ مشتبہ تھا اسی وجہ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ کہا گیا ہے یہ اجتہادی خطا تھی و المخطئ من المجتہد معذور، اصل اختلافی مسئلہ خلافت نہیں تھا بلکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا تھا تاریخ میں اس کی تفصیل مل جائے گی۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا اللسان سے مراد کلمۃ بمعنی بات ہے اور اس سے یا تو حق مراد ہے یا باطل اگر حق مراد ہے تو مقصود جماعت حقہ کی تعریف ہے یعنی ایسے فتنہ کے موقع پر حق بات کہنا اور حق والوں کے ساتھ رہنا تلوار سے بھی زیادہ شدید ہے اگر باطل مراد ہے تو معنی یہ ہیں کہ ایسے فتنہ کے موقع پر غلط بات اور باطل بات کہہ دینا تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے کہ تلوار سے ایک زخم ہوگا اور باطل بات سے فتنہ پھیل کر نہ معلوم کس قدر قتل ہوں گے۔

شرح عقائد میں ہے:

ويكف عن ذكر الصحابة رضي الله عنهم الا بخير لما ورد من الاحاديث الصحيحة في مناقبهم ووجوب الكف عن الطعن فيهم كقوله عليه السلام: لا تسبوا اصحابي فلو ان احدكم انفق مثل احد ذهباً مبالغ مداحهم ولا نصيفه... الى ان قال... وما وقع بينهم من المنازعات و المحاربات فله محامل و تاويلات فسيهم والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشه رضي الله عنها والافبدعة و فسق. (ص: ۱۱۶)

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر کے وقت آدمی اپنی زبان کو خیر کے علاوہ بند رکھے جیسا کہ صحیح احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب وارد ہوئے ہیں اور ان پر طعن کرنے سے بچنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم میرے صحابہ کو گالیاں مت دو اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو اُن کے ایک مد تک بھی نہیں پہنچتا.....

یہاں تک فرمایا..... جو ان کے درمیان جھگڑے اور لڑائی ہوئی پس ان کی تاویلات میں اگر ادلہ قطعیہ کے مخالف کوئی آدمی اُن پر طعن کرتا ہے تو کا فر ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا۔“

لعنات: قولہ ”فقر بہا“ باب تفعیل سے بتشدید الراء ہے قریب لانے کو کہتے ہیں یعنی آپ ﷺ نے اس کا ذکر ایسے بلیغانہ انداز سے فرمایا کہ سامعین کو وہ بہت قریب آنے والا محسوس ہوا جیسا کہ قوت واہمہ وخیالی کا تقاضا ہے۔ قولہ ”فی ماشیتہ“ اگرچہ اس کا اطلاق مطلق موشیوں پر ہوتا ہے مگر بخاری شریف وغیرہ کی روایات میں غنم کی تصریح ہے لہذا یہاں بھی بھیڑ، بکریاں مراد ہیں کیونکہ ان کے پالنے میں مؤنت کم اور منفعت زیادہ ہے ان میں لباس بھی ہے اور طعام بھی اور آدمی جہاں جانا چاہے اپنے ہمراہ لے جاسکتا ہے۔ قولہ ”یخیف الدو... الخ“ یعنی وہ جہاد میں مصروف عمل رہے جو کبھی دشمن پر غالب رہتا ہے اور کبھی دشمن اس پر غالب آجاتا ہے، یا نفس سرحدات کی پہر اداری مراد ہے۔

هذا حدیث غریب: اخرجه ابو داود.... علامہ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ میں فرمایا کہ اس روایت کو حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے لیث رحمہ اللہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور حماد بن زید رحمہ اللہ وغیرہ نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور فرمایا یہی اصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْأَمَانَةِ

باب ۱۵: امانت داری کا فقدان

(۲۱۰۵) حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَنْدِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ فَعَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْأَمَانَةِ فَقَالَ يَتَامُ الرَّجُلُ التَّوَمَةَ فَتَقْبُضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظِلُّ أَثَرُهَا مِثْلُ الْوَكْتِ ثُمَّ يَتَامُ تَوَمَةً فَتَقْبُضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظِلُّ مِثْلُ أَثَرِ الْمَجْلِ كَجَهْرِ دَحْرَجَتِهِ عَلَى رِجْلِكَ فَتَقَطُّ فَتَرَاهُ مُنْتَبِزًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ أَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلَى رِجْلِهِ قَالَ فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتَّى يُقَالَ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا وَحَتَّى يُقَالَ لِرَجُلٍ مَا أَجْلَدُهُ وَأَظْرَفُهُ وَأَعْقَلُهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ قَالَ وَلَقَدْ آتَى عَلَى زَمَانٍ وَمَا أَبَالِي أَيْكُمْ بَايَعْتُ فِيهِ لَيْتَن كَانَ مُسْلِمًا لِيُرِدَّنَهُ عَلَى دِينِهِ وَلَيْتَن كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا لِيُرِدَّنَهُ عَلَى سَاعِيهِ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أَبَايِعُ مِنْكُمْ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں ان میں سے ایک ہم دیکھ چکے ہیں اور دوسری کا انتظار کر رہے ہیں آپ نے ہمیں یہ بتایا تھا امانت لوگوں کے دلوں کے اندر نازل ہوئی پھر قرآن نازل ہوا تو انہوں نے قرآن کے ذریعے علم حاصل کیا اور سنت کے ذریعے علم حاصل کیا پھر آپ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا کہ امانت کو اٹھالیا جائے گا ایک آدمی سویا ہوا ہوگا تو اس کے دل سے امانت کو اٹھالیا جائے گا اس کا اثر ایک داغ کی صورت میں رہ جائے گا پھر وہ سوئے گا تو اس کے دل

سے امانت کو اٹھالیا جائے گا اور اس کا اثر آبلے کے نشان کی طرح رہ جائے گا جیسے تم اگر انگارے اپنے پاؤں پر لڑھکا دو تو چھالا بن جاتا ہے لیکن اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا پھر نبی اکرم ﷺ نے ایک کنکری اٹھا کر اپنے پاؤں پر لڑھکا دی پھر آپ ﷺ نے فرمایا لوگ صبح ایک دوسرے کے ہاتھ خرید و فروخت کریں گے لیکن ان میں سے کوئی ایک ایسا نہیں ہوگا جو امانت کو ادا کرے یہاں تک کہ کسی آدمی کے بارے میں یہ کہا جائے گا وہ کتنا ذہین اور تیز طرار اور کتنا عقل مند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے جتنا ایمان موجود نہیں ہوگا۔

راوی بیان کرتے ہیں مجھ پر وہ زمانہ بھی آیا جب مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کی تھی کہ میں کس کے ساتھ سودا کر رہا ہوں؟ کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کا دین اس کو (دھوکہ دینے سے) باز رکھتا اور اگر وہ کوئی یہودی یا عیسائی ہوتا تو سرکاری اہلکار اسے باز رکھتے لیکن آج کے دور کا جہاں تک تعلق ہے تو میں تم لوگوں میں سے صرف فلاں فلاں شخص کے ساتھ خرید و فروخت کرتا ہوں۔

تشریح: امانت کے لغوی معنی ہیں: ذمہ داری، فرض منصبی، دیانت داری، راست بازی۔ امن (س) فلاناً علی کذا: کسی پر اعتماد کرنا، ذمہ داری دینا، امن (لک) امانۃ: امین ہونا، دیانت دار ہونا۔ اور امانت: اصطلاح میں اس ذمہ داری کا نام ہے جو انسان پر اللہ کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے عائد کی جاتی ہے، سورۃ الاحزاب میں ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ﴾ (الاحزاب: ۷۲)

ہم نے امانت یعنی احکام خداوندی جو بمنزلہ امانت ہیں آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کئے، پس انہوں نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، یعنی ان مخلوقات میں اس ذمہ داری کو سر لینے کی صلاحیت نہیں تھی اور وہ مخلوقات اس سہم گئیں، یعنی ان میں مطلق صلاحیت نہیں تھی اور انسان نے اس ذمہ داری کو اٹھالیا، یعنی اس میں اس امانت کو اٹھانے کی پوری صلاحیت تھی، یہ امانت (ذمہ داری) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد کی گئی ہے، جس کا نام شریعت ہے۔ اور حدیث میں ہے:

لا ایمان لمن لا امانة له، ولا دین لمن لا عهد له۔ (رواہ احمد ۱۳۵/۳، مشکوٰۃ حدیث ۳۵)

”اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت نہیں اور اس شخص میں دین نہیں جس میں عہد و پیمان کا لحاظ نہیں۔“

اس حدیث میں امانت کا تذکرہ ہے جو لوگوں کے تعلق سے عائد ہوتی ہے مثلاً کوئی ملازم ہے، مدرس ہے، حاکم ہے، لوگوں کے ساتھ معاملات کرتا ہے تو ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ امانت کہلاتی ہیں اور ان کو پورا کرنا بھی دین کا تقاضا ہے، پس لوگوں میں امانت داری کا فقدان ایک بڑا فتنہ ہے جس کا درج ذیل حدیث میں تذکرہ ہے۔

مفہوم حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ انسانی خوبیاں جو انسان کا اصل سرمایہ ہیں ناپید ہونا شروع ہوئی ہیں جو کسی وقت میں اپنے عروج پر تھیں چنانچہ انہیں خوبیوں کی وجہ سے جن میں سے ایک امانت ہے انسان قرآن و سنت کو سمجھنے کے قابل ہو اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا رہا کیونکہ اسلامی تعلیمات وہاں جذب ہوتی اور کارگر ثابت ہوتی ہیں جہاں ان کے لئے ماحول سازگار ہو جیسے بارش سے صرف زرخیز زمین فائدہ اٹھاتی اور نفع پہنچاتی ہے اب حال یہ ہوا ہے کہ لوگ ان خوبیوں سے اور خصوصاً امانت داری سے دنیا داری کی طرف بڑھ رہے ہیں ان کا مٹح النظر دنیا ہے خواہ اس کے لئے دھوکا دینا پڑے یا خیانت کرنا پڑے، ان کی نظروں

میں دنیا ہی کی قدر ہے دین کی قدر کم ہونا شروع ہوئی ہے حتیٰ کہ حالت یہ ہو جائے گی کہ جو آدمی دنیاوی مال و متاع جمع کرنے میں ماہر ہو تو اندر سے خواہ انسانی خوبیوں سے کتنا ہی خالی کیوں نہ ہو لوگ اس کی تعریف کریں گے کہ وہ اتنا نڈر ہے، ہوشیار ہے اور عقلمند ہے جیسے آج کل کاروباری لوگوں اور سیاسی لیڈروں اور کارکنوں میں اس کا مشاہدہ عام کیا جاسکتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات سن 36 کے اوائل میں بعد شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہوئی ہے مگر وہ اپنے وقت میں اس تبدیلی کے آثار دیکھ کر فرماتے ہیں کہ پہلے میں کسی سے معاملہ کوئی اندیشہ محسوس نہیں کرتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا اگر مسلمان ہوتا تو اس کا ایمان میرا حق دلانے پر اس کو مجبور کرتا اور اگر ذمی ہوتا تو اس کا بڑا میرا حق بحفاظت مجھے دلاتا مگر اب وہ بھروسہ متزلزل ہو گیا اور میں معاملات میں بڑی احتیاط کرتا ہوں۔

اعتراض: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں نے دوسری بات نہیں دیکھی اور اب فرما رہے ہیں کہ وہ بدلا ہوا زمانہ بھی میں نے دیکھ لیا، پس یہ دو باتیں متعارض ہیں؟

جواب: یہ ہے کہ زمانہ میں تبدیلی ابھی پوری طرح نہیں آئی، کچھ کچھ آثار شروع ہوئے ہیں، مگر چونکہ حدیث میں ہے: الحزم شوء الظن: چونکہ پان بدظنی میں ہے، اس لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھونک پھونک کر قدم رکھنا شروع کر دیا ہے، مگر جیسا پہلی بات کا مشاہدہ کر لیا ہے، ایسا کامل مشاہدہ ابھی اسی دوسری بات کا نہیں ہوا۔

لغات: قولہ ”جذر“ بفتح الجیم وسکون الذال، بعض نے جیم کو مکسور بھی جائز کہا ہے، کسی بھی چیز کی جڑ کو کہتے ہیں، عارضہ میں ہے: ”جذر، اصل کل شیء من خشب او حساب او نبات“۔ قولہ ”الوکت“ یہ لفظ الفتح الواو وسکون الکاف بروزن شمس ہے، معمولی اثر و نشان کو کہتے ہیں جیسے خال جس کا رنگ سابقہ رنگ سے مختلف ہو۔ قولہ ”المحل“ یہ بھی شمس کے وزن پر ہے، ہاتھوں پر محنت طلب کام سے یا پاؤں پر بوٹ کے تنگ ہونے سے جو چھالے پڑتے ہیں جسے آبلہ بھی کہا جاتا ہے۔ بہر حال غرض یہ ہے کہ یہ دوسرا اثر پہلے اثر سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ آبلہ خال سے زیادہ نمایاں اور بڑا ہوتا ہے۔ قولہ ”دحر جتہ“ حرج کے معنی لڑھکانا۔ قولہ ”قنفطت“ صرب و سمع دونوں سے آتا ہے مگر بکسر الفاء بعد النون زیادہ رائج ہے۔ نفطت القدر نطقاً: اس وقت بولا جاتا ہے جب ہانڈی سے تیز بھاپ کی دھاریں نکلیں، یہاں مطلب پھول جانا ہے۔

قولہ ”منتبراً“ بصیغہ اسم فاعل بمعنی ابھرا ہوا چنانچہ منبر کو بھی اس لئے منبر کہتے ہیں کہ وہ بلند و نمایاں ہوتا ہے۔ قولہ ”ما اجلده و اظرفه و اعقله“ تینوں فعل تعجب کے صیغے ہیں جلد بضم اللام فی الماضي و جلد الفتح اللام فی المصدر صابر، باہمت اور جرأت مند کو کہتے ہیں یعنی بہادر، جبکہ ظریف ہوشیار کو کہتے ہیں، ظرافۃ کے معنی ذہانت و تیزی طبع کے ہیں۔ قولہ ”ساعیہ“ ملک اور سردار کو کہتے ہیں جیسا کہ قبائلی نظام میں ہوتا ہے کہ ہر قبیلے کا ایک بڑا ہوتا ہے سب قبیلے والے اس کی بات کے پابند ہوتے ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس پر مقرر مسلمان والی و نگراں ہو۔

ملفوظ: یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (بخاری حدیث ۶۴۹۷، مسلم حدیث ۱۷۳)

بَابُ لَتَرْكَبَنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

باب ۱۶: لوگ اگلوں کی روش پر ضرور چلیں گے

(۲۱۰۶) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا خَرَجَ إِلَى حَنْدِ بْنِ سَحْرَةَ لِلْمُشِيرَةِ كَيْفَ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ يُعَلِّقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سُبْحَانَ اللَّهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبَنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیشی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب حنین کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ ایک درخت کے پاس سے گزرے جو مشرکین کا تھا جس کا نام ذات انواط تھا لوگ اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ جس طرح ان لوگوں نے اپنے لیے ذات انواط کو مقرر کر لیا تھا اس طرح ہمارے لیے بھی آپ ذات انواط مقرر کر دیجئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو اسی طرح ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا وہ ان کے لیے ایک معبود مقرر فرما دیں جس طرح ان لوگوں کا معبود ہے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پر ضرور عمل کرو گے۔

تشریح: یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ فتح مکہ کے بعد طائف تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں حنین کے مقام پر یہ درخت دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عرض پیش کیا، بظاہر عرض کرنے والے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو ابھی ابھی فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جن کی تعداد دو ہزار تھی جبکہ مدینہ منورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دس ہزار تھی، ابن خلدون وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ کل بارہ ہزار تھے چونکہ ایک ہفتہ میں تمام تصفیہ طلب امور کا صفایا نہیں ہو سکتا اس لئے یہ اعتراضات و مسالوں کی طرف سے اٹھنا کوئی غیر معمولی بات نہیں کیونکہ ان کا مقصد شرک کرنے کی اجازت طلب کرنا نہ تھا بلکہ ایک قوی روایت سمجھ کر اس کی اجازت چاہی تھی، تاہم اس قسم کی تعظیلات چونکہ مفسی الی الشریک یعنی شرک کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرما دیا کہ اس قسم کی خواہشات کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، مگر تمام انسانوں اور آنے والی پوری امت کے دلوں کو اس عنصر سے خالی رکھنے کی کوشش سو فیصد کہاں کامیاب ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے اس لئے فرمایا کہ تم لوگ گزرے ہوئے لوگوں کے راستوں پر ضرور چلو گے۔

بعض روایات جیسے صحیحین وغیرہما (صحیح بخاری ص: 491، ج: 1) میں اس پر یہ اضافہ ہے: ”شَبْرًا بِشَرِّ ذُرَاعًا بِذُرَاعٍ حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا جَحْرَضِبَ لِدَخَلْتُمُوهُ“ یعنی تمہاری پیروی و اتباع کا عالم یہ ہوگا کہ تمہارے اور یہود و نصاریٰ کے درمیان ایک بالشت کا اور ایک ذراع کا فرق بھی نہیں رہے گا حتیٰ کہ اگر وہ لوگ گوہ کے بل و سوراخ میں داخل ہوں تو تم لوگ بھی اس میں داخل ہوں گے اس سے بڑھ کر کمال اتباع کیا ہو سکتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ امت سابقہ ام کے نقش قدم پر چلے گی، اس کے تاجران کے تاجروں کی راہ لیں گے، اس کی عورتیں ان عورتوں کا طور و طریقہ اپنائیں گی اور اس کے علماء ان کے علماء اور اس کے حکمران ان کے حکمرانوں کے پیچھے ہوں گے، یہ

پیش گوئی بھی جوں کی توں صحیح نکلی ہے جو آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔

ہاں البتہ اس میں کفر کی پیروی کی بات نہیں کی گئی ہے باقی تمام معاصی و نافرمانیاں مراد ہیں حتیٰ کہ ان لوگوں نے اپنے انبیاء السلام کو قتل کیا اور جب انبیاء نہ ہوتے تو ان کے خلفاء کو قتل کر دیتے اس امت میں بھی ایسا ہی ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے ورثہ خلفاء و علماء کو نہیں بخشا گیا۔

فائدہ: کسی دلیل شرعی کے بغیر کسی چیز سے کوئی فضیلت وابستہ کر لینا جہالت ہے، حدیبیہ میں جس کیکر کے درخت کے نیچے نبی ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، لوگ وہاں نمازیں پڑھنے لگے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا، اسی طرح دارالعلوم دیوبند جس انار کے درخت کے نیچے سے شروع ہوا تھا وہ درخت مسجد چھتہ میں تھا، اس کے ساتھ بھی طرح طرح کے خرافات شروع ہو گئے تھے، تبرکاً لوگ اس کے پتے لے جاتے تھے اور کھاتے تھے، اللہ کے کسی بندے نے وہ درخت کاٹ دیا، اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے اس نے بہت اچھا کام کیا۔

اعتراض: اس روایت میں لترکین کے لام تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ اتباع ناگزیر ہے تو امر لازم سے نبی تو تکلیف بمالایطاق سی لگتی ہے۔

حل: اس کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ اگرچہ امت کی غالب اکثریت تو پیروی کرے گی مگر اس کے ساتھ ایک طائفہ منصورہ کی بھی پیش گوئی کی گئی ہے علیٰ ہذا اتباع کی پیش گوئی اکثریت کے حوالے سے ہے جبکہ نبی کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی ہونی چاہئے اور یقیناً ہوگی جو ان یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے گریزاں ہوگی:

”ففي النهي عن ذلك (التشبه) تكثير لهذه الطائفة المنصورة وتثبيتها وزيادة ايمانها“ (اقتضاء

الصراط المستقيم، مخالفة اصحاب الجحيم“ (ص: 44)

یعنی نبی میں ترغیب ہے کہ طائفہ منصورہ کے ساتھ رہو چنانچہ آج عام مسلمانوں کے لباس اور اطوار کو دیکھیں گے تو حدیث باب کا مصداق نظر آئے گا مگر جب کسی مدرسہ میں جائیں گے تو آپ کو پاکیزہ ماحول ملے گا۔

لغات: السنن (فتح السین) طریقہ، نمونہ، طرز، کہا جاتا ہے: بنوا بیوتہم علی سنن واحد: انہوں نے ایک ہی انداز کے گھر بنائے، دوسرا لفظ ہے السنة: خاص طریقہ، سیرت خواہ اچھی ہو یا بری، اس کی جمع سنن ہے، یہ لفظ باب میں نہیں ہے۔ ”حنین“ بروزن زبیر، مکہ و طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے: ”و یوم حنین“ قولہ ”ذات انواط“ ای ذات تعلیق، نوط کے معنی تعلیق اور لٹکانے کے ہیں چونکہ جاہلیت میں لوگ اس سے اپنے ہتھیار لٹکاتے اس لئے یہ ذات انواط سے معروف ہو گیا یعنی وہ درخت جس پر اسلحہ لٹکایا جاتا ہے، حاشیہ کو کب میں بروایت درمنثور وغیرہ کے ہے کہ یہ درخت بیر کا تھا۔ الکوکب الدری میں ہے کہ خوشی اور تہوار کے موقع پر لوگ اس کے پاس جمع ہوتے، اسلحہ اس پر لٹکا کر آس پاس کھاتے پیتے اور کھیلتے رہتے۔ قولہ ”لترکبن“ ای لتتبعن اس میں لام تاکید کے لئے ہے رکوب بمعنی چلنے کے ہے از قبیل ذکر ملزوم والمراد منہ اللازم۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَلَامِ السَّبَاعِ

باب ۱۷: درندوں کا لوگوں سے باتیں کرنا

(۲۱۰۷) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُكَلِّمَ السَّبَاعُ الْإِنْسَ وَحَتَّى تُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذْبَةً سَوْطِهِ وَشِرَّكَ نَعْلِهِ وَتُخْبِرَهُ كَقَوْلِهَا أَمَّا أَخَذَتْ أَهْلَهُ مِنْ بَعْدِهَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ درندے انسانوں کے ساتھ کلام نہیں کرنے لگیں گے یہاں تک کہ آدمی کے چابک کی رسی اور اس کے جوتے کا تسمہ بھی اس کے ساتھ کلام کریں گے اور اسے اس کا زانویہ بتا دے گا کہ اس کے بعد اس کی بیوی نے کیا حرکت کی تھی۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بول چال کا فن ترقی میں اپنے عروج پر پہنچ جائے گا حتیٰ کہ وہ اشیاء بھی ناطق ہو جائیں گی جن میں بظاہر بولنے کی صلاحیت نہیں ہے، آج کے دور میں ثابت ہو گیا کہ لوہا بھی بولتا ہے اور پلاسٹک بھی، اگر اس حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ بطور خرق عادت ایسا ہوگا تو پھر تو کوئی اعتراض نہیں کہ عالم میں ایسی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں تو جس طرح ماضی کے صحیح واقعات و روایات سے غیر ناطق کا بولنا ثابت ہے جیسے گائے اور بچے کا گہوارے میں بولنا تو مستقبل میں بھی ایسا ہو سکتا ہے جیسے بھیڑیا کا جواہر سے بات کرنا وغیرہ علیٰ ہذا پھر حدیث باب حقیقی کلام پر محمول ہوگی۔

یا تو روایت حقیقت پر محمول ہے جو اس زمانہ کی ترقی کے دور میں ناممکن نہیں ہے کہ اس طرح کے آلات ہو جائیں گے اور درندے بھی بات کرنے لگیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جانور بھی بات کریں گے اور آدمی کہیں بھی ہوگا اپنے بچوں کی خبر و خیریت معلوم کر لے گا چنانچہ ہمارے اس زمانہ میں ریڈیو، ٹیلی فون، وائرلیس اور ان کے علاوہ آلات ایجاد ہو گئے پورے عالم ایک برتن میں رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے لہذا یہ علامت قیامت متحقق ہوتی نظر آتی ہے۔

لغات: ”السباع“ بکسر السین، سبع بفتح السین وضم الباء کی جمع ہے درندے کو کہتے ہیں۔ قولہ ”عذبة“ یہ ”شُرک اک اور فخذ“ تینوں سباع کی طرح مرفوع ہیں کہ سب فواعل ہیں علیٰ ہذا انس اور رجل دونوں مفعولیت کی بناء ہر منصوب ہیں، عزبة بفتح العین وسكون الذال بروزن رحمة، بعض نے ذال کا فتح و سکرہ بھی جائز کہا ہے، کسی چیز کے کنارے کو کہتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے، اس کے معنی اس ڈوری کے بھی آتے ہیں جس کے ذریعہ ترازو اٹھائی جاتی ہے وہ یہاں مراد نہیں۔ قولہ ”شراک“ بکسر الشین، تسمہ۔

سند کی بحث: یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور صحیح ہے، البتہ قاسم بن الفضل سے آخر تک یہی سند ہے مگر یہ راوی محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي انْشِقَاقِ الْقَمَرِ

باب ۱۸: معجزہ شق القمر کا بیان

(۲۱۰۸) انْفَلَقَ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اشْهَدُوا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم گواہ ہو جاؤ۔

تشریح: معجزات بھی چونکہ از قبیل عجائبات ہوتے ہیں اس لئے جہاں وہ کچھ لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان بنتے ہیں دوسرے لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب بھی بنتے ہیں، شق القمر کا معجزہ جس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ہے باوجود مطالبہ کے کفار مکہ کے لئے ایمان کا سبب نہ بنا بلکہ فتنہ بن گیا، ان لوگوں نے کہہ دیا: ہم پر جادو کر دیا! معجزہ شق القمر:

ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ حضور اقدس ﷺ کے پاس جمع ہو کر آئے، جن میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن مطلب، زمعہ بن الاسود اور نضر بن حارث وغیرہ تھے، اور انہوں نے آپ ﷺ سے کہا: اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیے، رات کا وقت تھا اور چودھویں کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ نے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، پس چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا جبل ابی قیس پر تھا اور دوسرا جبل قیقعان پر، دیر تک لوگ حیرت سے دیکھتے رہے اور حضور اقدس ﷺ اس وقت یہ فرماتے رہے: اشہدوا، اشہدوا! لوگو! گواہ رہو، لوگو! گواہ رہو۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا، مشرکین مکہ نے کہا: محمد! تم نے ہم پر جادو کر دیا، ہم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرتے ہیں ہم ان سے دریافت کریں گے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد (ﷺ) تمام لوگوں پر جادو کر دیں، اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے، اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھا کہ محمد (ﷺ) نے تم پر سحر کیا ہے، چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا، ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے، مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے، عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا، اس وقت سورہ قمر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

معجزہ شق قمر کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور اس پر تمام سلف و خلف کا اجماع ہے اور کسی شاذ و نادر (مودودی صاحب) نے جو انشق القمر ماضی کو بمعنی سینشق القمر لیا ہے (یہ ترجمہ مودودی صاحب رحمہ اللہ نے تفہیم القرآن میں کیا ہے) وہ سراسر ظاہر قرآن اور احادیث صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف و خلف کے خلاف ہے جو قابل اعتبار نہیں۔

اعتراض: مخالفین اسلام اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں،

جواب: یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اجسام سفلیہ میں کون و فساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں، اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون و فساد محال نہیں، خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان و زمین، شمس و قمر، شجر و حجر سب برابر ہیں، جس قادر مطلق نے شمس و قمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے، بہر حال اس قسم کے خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں، ہاں مستبعد ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لئے مستبعد ہونا ضروری ہے جو لوگ محض استبعاد کی بنا پر محال قرار دیتے ہیں ان کو محال اور مستبعد کا فرق معلوم نہیں۔

اور رہی یہ بات کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صد ہا اور ہزار ہا ایسے عجیب واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام و نشان نہیں، نیز شمس و قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے اور شمس و قمر صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا تو تعجب نہیں، بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم ہی نہیں ہوتا، نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی، عموماً لوگ سوئے ہوں گے، نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہو گیا، تمام عالم کو دکھانا مقصود نہیں تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ 1:236)

لغات: انشق: پھٹنا، چیرنا، شکاف پڑنا، کریم ہونا۔ انفلق الشی: پھٹنا اور یہ حدیث نبی ﷺ کے زمانہ میں جب چاند پھٹا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! گواہ رہو، یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے مسلم (حدیث 2801 کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر) میں بھی ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متفق علیہ ہے۔ (بخاری حدیث 4864، مسلم حدیث 2800)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُسْفِ

باب ۱۹: زمین دھنسے کا ذکر

(۲۱۰۹) أَشْرَفَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ غُرْفَةٍ وَنَحْنُ نَتَذَكَّرُ السَّاعَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَرَوْا عَشْرَ آيَاتٍ طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَالْدَّابَّةَ وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ خُسْفٍ بِالشَّمْسِ وَخُسْفٍ بِالْمَغْرِبِ وَخُسْفٍ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوقُ النَّاسَ أَوْ تَحْشُرُ النَّاسَ فَتَبِيدُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے بالا خانہ میں سے دیکھا ہم اس وقت قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جس وقت تک تم دس نشانیاں نہیں دیکھ لو گے سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا یا جوج و ماجوج دابة الارض زمین کا تین جگہ سے دھنس جانا ایک مرتبہ دھنسا مشرق میں ہوگا ایک مرتبہ دھنسا مغرب میں ہوگا اور ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں ہوگا اور وہ آگ جو عدن کے ایک گڑھے سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک کر لے جائے

گی (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) لوگوں کو اکٹھا کر دے گی تو وہ ان کے ساتھ رات رہے گی جہاں وہ رات بسر کریں گے اور ان کے ساتھ دوپہر کرے گی جہاں وہ دوپہر کریں گے۔

(۲۱۱۰) لَا يَنْتَهِي النَّاسُ عَنْ غَزْوِ هَذَا الْبَيْتِ حَتَّى يَغْزُوْا جَيْشُ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِيَدَاءِ مِنَ الْأَرْضِ حَسِيفَ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ وَلَمْ يَنْجُ أَحَدٌ ظُهُمُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَمَنْ كَرِهَ مِنْهُمْ قَالَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي أَنْفُسِهِمْ.

ترجمہ: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہ بات بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے لوگ اس گھر پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ ایک لشکر اس پر حملہ کرنے کے لیے آئے گا اور جب وہ بیداء کے مقام پر پہنچے گا (یہاں پر راوی کو الفاظ میں شک ہے) تو ان کے ابتدائی اور آخری حصے کو دھنسا دیا جائے گا اور درمیان والے بھی نجات نہیں پائیں گے (یعنی وہ سب دھنس جائیں گے) میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ان میں سے جو شخص اس بات کو ناپسند کرتا ہوں (یعنی زبردستی آیا ہو) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے حساب سے (یعنی ان کی نیتوں کے حساب سے) انہیں زندہ کرے گا۔

(۲۱۱۱) يَكُونُ فِي آخِرِ الْأُمَّةِ حَسِيفٌ وَمَسْخٌ وَقَدْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْهَلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا ظَهَرَ الْخُبْتُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسا چروں کا مسخ ہو جانا آسمان سے پتھروں کی بارش (کی طرح سے عذاب) ہوں گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم لوگ ہلاکت کا شکار کر دیئے جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی ہوں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں جب فسق عام ہو جائے گا (تو ایسا ہی ہوگا)۔

تشریح: حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بالا خانے سے ہماری طرف جھانکا در اس حالیکہ ہم آپس میں قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (2) اور یا جوج و ماجوج (3) اور دابہ (کا خروج) اور تین خسوف (4) ایک خسف مشرق میں (5) ایک خسف مغرب میں (6) اور ایک یعنی تیسرا جزیرۃ العرب میں (7) اور ایسی آگ جو عدن کی گہرائی (والی جگہ) سے نکلے گی ہانکے گی لوگوں کو یا فرمایا کہ (اوللشک من الراوی) جمع کرے گی لوگوں کو تو جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی ان کے ساتھ وہیں رات گزارے گی اور وہیں قیلولہ کرے گی جہاں لوگ قیلولہ کریں گے۔

اس روایت میں سات علامات کا تذکرہ مکمل ہو چکا، دوسری سند میں دھواں مذکور ہے اور تیسری سند میں دخان کے ساتھ دجال کا ذکر ہے، گویا نو ہو گئیں جبکہ دسویں نشانی یا تو ہوا ہے جو لوگوں کو کوڑا کرسمند میں پھینک دے گی یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یعنی آسمان سے اترنا ہے جیسا کہ ابو موسیٰ محمد بن اسمٰعیل کی روایت ہے۔

تشریح: ان علامات کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک قسم کی علامات صغریٰ ہیں اور دوسری قسم کی کبریٰ ہیں، علامات صغریٰ کی تعداد ڈیڑھ

سو کے لگ بھگ ہے، جبکہ اس حدیث میں علامات کبریٰ کا ذکر ہے جن کی تعداد کم از کم دس ہے، علامات کبریٰ اس وقت رونما ہوں گی جب قیامت بہت زیادہ قریب ہو جائے گی جبکہ صغریٰ کافی پہلے سے وجود پذیر ہیں۔ پھر باب کی حدیث میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔ اس حدیث میں سات علامات قیامت کا ذکر ہے: ان میں سے اولین یعنی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے اور یا جوج و ماجوج کے لئے اس باب کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے بالترتیب دو باب قائم کئے ہیں، اس پر بحث ہوگی۔

تیسری نشانی دابہ کا خروج: ہے، لغوی اعتبار سے تو زمین پر چلنے والے ہر جانور کو دابہ کہا جاتا ہے مگر عرف عام میں وہ چوپایا جو سواری یا مال برداری کے لئے استعمال ہوتا ہے دابہ کہلاتا ہے۔ اس حدیث میں مراد وہی دابہ ہے جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے: ﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۚ إِنَّ النَّاسَ لَكَاثِبُونَ لَا يُؤْقِنُونَ ۝﴾ (النمل: ۸۲) بہر حال کبریٰ میں سے ایک خروج دابہ ہے جس کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں مندرجہ بالا آیت کے تحت لکھتے ہیں:

جب آخری زمانہ میں لوگ بگڑ جائیں گے اور احکام خداوندی کو چھوڑ جائیں گے اور دین حق کو تبدیل کر جائیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے لئے زمین میں سے ایک دابہ نکال دیں گے پھر اس بارے میں متعدد احادیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ سب علامات لگاتار رونما ہوں گی: ایتھا کانت قبل صاحبہا فالأخری علی اثرہا قریباً۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابوداؤد طیالسی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا خاتم (انگوٹھی) ہوگا، عصا سے کافر کی ناک توڑے گا اور خاتم (کی مہر) سے مومن کا چہرہ روشن ہوگا یعنی چمکے گا یہاں تک کہ لوگ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر مومن و کافر کی تمیز کر سکیں گے تاہم ترمذی کے حاشیہ میں عصا و خاتم کا عمل و اثر اس کے برعکس بتلایا ہے۔ (کذا فی روایہ احمد و ابن ماجہ۔ سنن ابن ماجہ۔ ص: ۲۹۵) اور اس میں بھی اضافہ ہے کہ مومن کے چہرہ پر ”مومن“ لکھا جائے گا اور کافر پر مہر لگانے سے کافر ٹکھے گا، پھر ظاہر یہ ہے کہ یہ دابہ کوہ صفا سے برآمد ہوگا، اس کی لمبائی ساٹھ گز کے برابر بتائی گئی ہے، یہ چوپایوں کی طرح چار ٹانگوں پر چلے گا بدن پر پشم یعنی اون ہوگی اور مختلف متعدد جانوروں کے نمونوں پر مشتمل ہوگا کوئی آدمی اس کو پکڑ نہیں سکے گا اور نہ ہی کوئی اس سے بھاگنے میں کامیاب ہوگا۔

تین خسوف: حدیث الباب میں تین خسوف کا ذکر ہے حضرت گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے الکوکب الدری میں فرمایا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی نشانی ہیں علیٰ ہذا حدیث الباب میں راوی نے دس کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ خسوف واقع ہو چکے ہیں یا نہیں مولانا شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ صاحب نے اپنے رسالہ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ تینوں خسوف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد واقع ہوں گے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تینوں خسوف واقع ہو چکے ہیں اور ان کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔ مغرب میں 308ھ میں تیرہ گاؤں کا خسف ہوا دوسرا خسف غرناطہ میں متعدد مکانات خسف کر دیئے گئے تیسرا خسف مقام ری میں قریباً 150 دیہات کا خسف ہوا 346ھ میں ان کے علاوہ اور بھی خسوف بیان کئے گئے ہیں دیگر مذکورہ کا بیان آگے ابواب کے تحت آ رہا ہے۔

لغات: خسف: خسف بدل ہے ماقبل سے مجرور ہے یا مرفوع مبتداء مخذوف الخبر یا خبر مخذوف المبتداء ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ ان کا واقع ہونا ابھی باقی ہے کیونکہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث میں علامات کبریٰ کا ذکر ہے اور یہ کہ علامات لگاتار اور قریب بقیامت رونما ہوں گی، حاشیہ کوکب پر ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ نے اپنے رسالے مسماۃ بہ ”اشرط الساعۃ“ میں میلان ظاہر کیا ہے کہ یہ تینوں خسوف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوں گے۔

قوله ”ونار تخرج من قعر عدن“ الخ ظاہر یہ ہے کہ یہ آخری نشانی ہے کیونکہ لوگوں کو محشر کی طرف یعنی شام کی جانب جہاں محشر ہوگا لے جانے سے مراد ان کو میدان محشر کی طرف ہانکنا ہے۔

اعتراض: بعض روایات میں وارد ہے کہ آگ ارض حجاز سے نکلے گی ”تخرج من الارض الحجاز“ (صحیح مسلم ص 393، ج 2) جواب: ① قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں شاید آگ دو ہوں ایک ارض حجاز سے دوسری قعر عدن سے ② بعض فرماتے ہیں کہ ابتداء یمن سے ہوگی اور ظہور حجاز سے ہوگا ذکرہ القرطبی۔ تو دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حجاز راستہ میں پڑتا ہے۔ آج کل جزیرہ نما عرب تیل کی سیال دولت اور زیر زمین بلکہ زیر سمندر ذخائر سے لبالب ولبریز ہے ممکن ہے کہ اس میں مزید اضافہ ہونے کی وجہ سے یہ خطہ کسی وقت آگ پکڑ لے۔

تحشر الناس: مسلم کی روایت میں تسوق الناس الى المحشر (آگ لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی) ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ محشر سے مراد ارض شام ہے چونکہ بعض روایات میں ہے کہ حشر ارض شام میں ہوگا۔ واللہ اعلم قوله ”وزاد فيه الدخان“ ظاہر ہے کہ وہی دخان ہے جو سورۃ دخان میں مذکور ہے:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۚ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (الدخان: ۱۰، ۱۱)

”آپ انتظار کریں جب واضح دھواں آئے گا وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ دردناک عذاب ہے۔“

دھواں گزرا ہے اب یہ آنے والا نہیں ہے۔ اور باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علامات قیامت میں سے ہے جس کا آنا باقی ہے، بہت سے محققین نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے، علاوہ ازیں اس میں کچھ قرآن کا بھی سہارا لیا گیا ہے، مثلاً آیت میں لفظ ”مبین“ سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دخان کو ہر ایک دیکھے گا جبکہ، اسی طرح لفظ ”یغشی الناس“ سے بھی اس کا عام اور کثیف ہونا معلوم ہوتا ہے یہ صرف اہل مکہ کے لئے نہیں ہے نیز ”هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ“ سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ ترمذی کے محشی نے لمعات کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ دھواں مشرق تا مغرب ہوگا یعنی بہت زیادہ ہوگا، چالیس دن تک رہے گا، مومن اس سے صرف اتنا سا متاثر ہوگا جیسے زکام میں ہوتا ہے یعنی چھینکیں آتی ہیں جبکہ کافر از خود رفتہ بن جائیں گے، بظاہر یہ دھواں ایٹمی جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی آلودگی و تابکاری سے مختلف ہے کیونکہ ایٹمی اثرات سب کے لئے یکساں ہوتے ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے اس آیت کے متعلق یہ ہے کہ اس سے مراد وہ خیالی دھواں ہے جو بھوک کی وجہ سے ضعف بصارت کی بناء پر اور فضاء میں خشک سالی کی وجہ سے آلودگی کی بناء پر نظر آتا ہے جو قریش کے بایکاٹ کے دوران آنحضور ﷺ کی بددعاء کی بدولت قریش مکہ کو فضاء میں نظر آتا تھا غرضی

قوله ”والعاشرة اماريح تطرحهم في البحر واما نزول عيسى بن مريم“ اس سے سابقہ روایت میں دجال کا بھی ذکر ہے جس کے لئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے لئے آگے مستقل الگ الگ ابواب آرہے ہیں۔ جہاں تک اس طوفانی ہوا کا ذکر ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینکے گی تو شارحین حدیث سے اس بارے میں تفصیل مروی نہیں ہے البتہ آگے ترمذی میں ”باب ماجاء في فتنة الدجال“ کے تحت ایک طویل حدیث کے آخر میں اس ریح کا ذکر آیا ہے جو یا جوج و ما جوج کے بعد بچنے والے مسلمانوں

کی جانوں کے قبض کا سبب بنے گی، اسی طرح مسلم جلد اول میں کتاب الایمان کے باب فی الریح التی فی قرب القلیۃ... الخ اور جلد ثانی ص 394 پر بھی یہ حدیث ہے:

ثم یبعث اللہ ریحاً طیبۃ فتوفی کل من فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فیبقی من لاخیر فیہ فیرجعون الی دین ابائہم۔

”پھر اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجیں گے اس سے ہر وہ شخص مر جائے گا جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہے وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ پس وہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔“ جبکہ کتاب الایمان میں ہے کہ یہ ہوا ریشم سے زیادہ نرم ہوگی، ایک روایت میں ہے کہ یہ یمن سے آئے گی جبکہ دوسری روایت میں شام کی تصریح ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ حدیث الباب میں مذکورہ ہوا اس ریح طیبہ سے بھی مؤخر ہو کر کفار کو اڑا کر ادھر سے ادھر اور خشکی سے بحر و صحرا میں پٹک دے گی کمال قال اللہ تعالیٰ:

﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۖ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۚ﴾ (القارۃ: ۵، ۴)

”جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے، پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔“

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ اس گھر (کعبہ) پر حملے سے نہیں رکیں گے یہاں تک کہ ایک لشکر حملہ آور ہوگا جب یہ لشکر بیدار مقام یا فرمایا کہ کسی اونچے میدان تک پہنچ جائے گا تو اس کا اگلا حصہ اور پچھلا دھنسا دیا جائے گا اور درمیانہ بھی نہیں بچے گا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ان میں جو اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوگا؟ (یعنی اس کا کیا بنے گا) آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ان کو اپنی اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے گا۔

أَمَلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُونَ: میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے حسف، مسخ اور قذف کا تذکرہ فرمایا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس وقت بھی ہلاک ہوں گے جب ہمارے درمیان نیک لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نعم اذا ظهر الخبث“ ہاں جب گناہ عام ہو جائیں گے، خبث بفتحتین فجو یا زنا کو کہتے ہیں اور اگر ہم بضم الخاء وسكون الباء ہو تو خباثت بھی گندگی اور شرارت کو کہتے ہیں یعنی جب بد باطنی کے ساتھ گندے کام عام ہوں تو پھر سب پر عذاب آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ برے لوگوں کی معیت و دوستی بھی بد انجامی کا سبب ہے اس لئے حتی الامکان برائی کی جگہ اور برے لوگوں سے دور رہنا چاہئے۔

اس مسئلہ کی کچھ وضاحت: ”باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر“ میں گزری ہے۔

سند کی بحث: یہ آخری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے ضعیف ہے، اس میں عبد اللہ عمری ضعیف راوی ہے، مگر یہی حدیث حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی سند سے متفق علیہ ہے، جو آگے باب 21 میں آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ظُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

باب ۲۰: سورج کا مغرب سے نکلنا

(۲۱۱۲) قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَالنَّبِيُّ ﷺ جَالِسٌ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هَذِهِ

قَالَ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ تَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُودِ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا اظْلَعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا قَالَ ثُمَّ قَرَأَ ذَلِكَ مُسْتَقْرَّ لَهَا قَالَ وَذَلِكَ قِرَاءَةُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا جب سورج غروب ہو چکا تھا نبی اکرم ﷺ تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہ جاتا ہے تاکہ اسے سجدہ کرنے کی اجازت مل جائے تو (ایک دن اسے) اجازت مل جائے گی یعنی گویا اسے یہ کہا جائے گا کہ تم جہاں سے آئے ہو تو وہاں سے طلوع ہو جاؤ تو یہ مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔

راوی بیان کرتے ہیں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی بیان کی۔ اور اس کا مخصوص راستہ ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں یہ قرأت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔

تشریح: کیفیت طلوع شمس:

علامات قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ سورج اپنی رفتار پر چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی، پس وہ غروب ہونے کے بعد مغرب سے نکلے گا اور ایسا ایک ہی دن ہوگا یا پھر ایسا ہی ہوتا رہے گا؟ طلوع کی کیفیت ایک روایت میں یوں آئی ہے اس روز غروب کے بعد شمس کو بحکم خداوندی رجعت قہقری ہوگی یعنی الٹا جانا ہوگا اس لئے مغرب سے طلوع ہوگا۔ (1) کمافی الدر المنثور (2) روح المعانی میں برویۃ تاریخ البخاری وابن عساکر حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس کی کیفیت یہ منقول ہے کہ شمس قطب کی طرف گھوم کر نقطہ مغرب پر آجائے گا ممکن ہے کہ رجعت قہقری سے یہی مراد ہو۔

(3) درمنثور ہی میں مترجع عبد بن حمید وابن مردویہ عبداللہ بن ابی بنی اللہ اونی سے مرفوع روایت میں ہے کہ مغرب سے طلوع ہو کر وسط آسمان تک پہنچے گا پھر مغرب ہی کی طرف لوٹ جائے کہ غروب ہوگا اس کے بعد بدستور سابق مشرق سے طلوع ہونے لگے گا احادیث میں اس وقت توبہ اور ایمان کا قبول نہ ہونا صراحتہ مذکور ہے۔

اس سلسلہ کی تفصیلات صحیح روایات میں مروی نہیں بظاہر ایسا ایک ہی دن ہوگا، پھر حسب معمول طلوع وغروب ہوگا بہر حال یہ کرشمہ خداوندی بھی لوگوں کے لئے آزمائش بن جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس آگ میں ڈالے گئے تھے تو وہ اس تاثیر سے خالی تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچے کو قتل کر دیا تھا وہ ماہیت انسانی یعنی فطرت سے معرا تھا، لاشی غیر جاندار چیز ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا راز دھابن کرساحروں کی لاشیوں اور رسیوں کو ہڑپ کر گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے، بعض دفعہ آدمی بغیر اسباب ظاہر یہ کے ہوا میں معلق ہوتا ہے جس کو ٹیلی پتھی کا اصول بھی تسلیم کرتا ہے جو برطانیہ و جاپان میں جاسوسی کے حوالے سے خاصا مقبول ہے۔ غرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسباب تو پیدا کئے ہیں مگر اپنا وجود منوانے کے لئے بعض دفعہ ان کی تاثیرات کو سلب کرتا ہے اور بعض دفعہ افراد ماہیت کے حکم و تقاضا سے الگ کرتا ہے، اس لئے شہد کی مکھیاں میں پھولوں کا رس چوسنے کا مزاج ڈالا مگر بعض پیشاب پر بیٹھتی ہیں، بعض کھیرا کڑوا ہوتا ہے

اسی طرح ہسپتال کے ڈاکٹر جمع ہو جاتے ہیں اور ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے ہیں مگر ان کے درمیان سے مریض کی جان پرواز کرتی ہے ان کا سارا نظام فیل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایک روز ایسا آئے گا جب دنیا کے معاملات و حقائق الٹ جائیں گے کینے اشراف بن جائیں گے اور اشراف بے قدر کر دیئے جائیں گے تو اللہ عز و جل اس نظام زمان کو پلٹ دے گا تا کہ لوگوں کے لئے درس عبرت ہو مگر اس وقت صرف بصارت ہوگی بصیرت نام کی کوئی چیز باقی نہ ہوگی، اگر طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس موضوع کو تھوڑا سا اور اجاگر کرتا مگر ”العاقل تکفیه الاشارة“ وللجاهل لا تکفی المنارة“ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ (بخاری حدیث 7424، مسلم حدیث 159)

اعتراض: قدیم سائنس یہ کہتی ہے کہ سورج زمین کے گرد چکر لگاتا ہے، جس سے وہ طلوع غروب ہوتا ہے اور شب و روز بنتے ہیں اور اب فلکیات یہ کہتی ہے کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور اس کی چال سے شب و روز بنتے ہیں، دونوں صورتوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورج کے غروب کے بعد عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حدیث میں پیرایہ بیان ہے اور مقصد یہ مضمون سمجھانا ہے کہ سورج حکم الہی کے تابع ہے، وہ ہر وقت زبان حال سے انقیاد ظاہر کرتا ہے کیونکہ ہر لمحہ اس کا طلوع و غروب جاری ہے اور جو حکم ملتا ہے اس کی تابعداری کرتا ہے، وہ اسی طرح چلتا رہے گا تا آنکہ اس کو دوسرا حکم ملے، غرض عرش کے نیچے سجدہ کرنا انقیاد کی تعبیر ہے، ہماری طرح سجدہ کرنا مراد نہیں، سورۃ الحج آیت 18 میں ارشاد پاک ہے: ”کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہیں تمام وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی“ مخلوقات کا یہ سجدہ ان کی حالت کے مناسب ہے یعنی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی ظاہر کرتی ہے اور وہ حکم کے تابع ہے۔ غرض سورج کے سجدہ کرنے کا تذکرہ مذکورہ بالا آیت میں بھی آیات ہے، وہی سجدہ اس حدیث میں بھی مراد ہے، پس اگر ذہنوں سے انسانوں کا معروف سجدہ نکال دیں تو بات ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے:

فالمراد بذالك ان كل قوم تغرب عليهم او تطلع فان ذالك استقرار لها بالاضافة اليها وان

كانت هي في حركتها الدائمة الغائبة عنا و هو استقرار في المشاهدة عنا فعبير عن زوال الحركة

المشاهدة بالاستقرار بالاضافة اليها.... الخ

یعنی سورج جن لوگوں کے حس و مشاہدہ سے غائب ہو جاتا ہے ان کی بنسبت وہی مغرب سورج کا مستقر ہے اگرچہ سورج اس وقت بھی جاری و ساری رہتا ہے، علیٰ ہذا سورج کے سجدہ سے مراد ہر وقت اللہ کے حکم سے چلنا ہے کہ جب طلوع و غروب ہر آن میں لازمی ہیں تو اجازت بھی و نأفانا ضروری اور تعمیل بھی لازمی ہے جس کو سجدہ سے تعبیر کیا اور یہی مطلب عرش کے نیچے جانے کا ہے کیونکہ وہ ہر وقت عرش کے نیچے ہی ہوتا ہے لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورج ہر وقت اللہ کے حکم کے ماتحت چلتا ہے، اسی کے ملک و سلطنت میں رواں دواں ہوتا ہے اور اسی کے حکم کا ہر وقت منقاد ہوتا ہے اور جب اسے واپسی کا حکم ہوگا تو وہ آگے نہیں بڑھ سکے گا بلکہ واپس پلٹ کر مغرب سے غروب ہوگا جو جمعہ کی رات ہوگی لوگوں پر بہت طویل ہوگی اور جب نصف النہار کے دائرے تک مثلاً بارہ گھنٹے واپس چلے گا تب اس کو معمول کے مطابق چلنے کا حکم ہوگا۔

اعتراض: سورج زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہے یا زمین گھوم رہی ہے، جو بھی ہو اس کا طلوع و غروب ہمارے سامنے نمودار ہونے اور چھپنے کے اعتبار سے ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ کس نقطہ سے واپس لوٹے گا؟ اور کون سے ملک میں مغرب سے طلوع ہوگا؟ اور دوسرے ممالک کا کیا حال ہوگا؟

جواب: ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ آئندہ پیش آنے والے یہ واقعات عصر حاضر کی تعبیر میں سمجھائے گئے ہیں، پھر جب وہ واقعات پیش آئیں گے ان کی صحیح صورت حال سامنے آئے گی، فی الوقت ہم کا حقدہ نہیں سمجھ سکتے، وقت ہی بتائے گا کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی، جیسے اوقات نماز کے ابواب میں یہ حدیث (نمبر 157) گزری ہے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے مگر چونکہ دوسری دنیا کی بات ہے اس لئے ہم اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح یہ بات بھی چونکہ آئندہ پیش آنے والی ہے اس لئے ابھی ہم اس کی تفصیلات نہیں جانتے، مخبر صادق ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

عدم قبول توبہ کا حکم دائمی اور مستمر طور پر رہے گا یا نہیں؟ اس کے متعلق صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ یہ حکم دائمی نہیں بلکہ اس کے بعد جو لوگ مخاطب بالشرع ہیں ان کی توبہ قبول ہوگی نیز مدت گزرنے کے بعد ذہول ہو کر خیال سے اتر جائے گا تو توبہ قبول ہوگی۔
لغات: قولہ ”وكانها قد قيل لها“ علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی مستقبل کی چیز یقینی ہو تو اس کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کرتے ہیں قرآن شریف میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں جیسے: ﴿آتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ﴾ (النحل: 1) چونکہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا طے شدہ امر ہے اس لئے ”قيل“ ماضی کا صیغہ ذکر کیا ہے جبکہ ”كانها“ میں ثرب کی طرف اشارہ ہے قولہ ”مستقر لها“ قرار سے ہے جائے سکون یعنی ٹھکانا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستقر سے مراد یومیہ حرکت کا منتہی ہے جبکہ بعض حضرات نے سالانہ حرکت میں انقلاب صیفی و شتوی کو لیا ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے نظام شمسی کا منتہی ہے کیونکہ یہ کہکشاں رواں دواں ہے، علاوہ ازیں بھی بہت سارے اقوال ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ

باب ۲۱: یاجوج و ماجوج کا خروج

(۲۱۱۳) عَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ نَوْمٍ مُحْمَرًا وَجْهُهُ وَهُوَ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُرِيدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَيُلِّ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّْ قَدْ اقْتَرَبَ فَتَتَحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمٍ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ مِثْلَ هَذِهِ وَعَقَدَ عَشْرًا قَالَتْ زَيْنَبُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفْمَهْلُكَ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ

ترجمہ: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آپ لا الہ الا اللہ پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے تین مرتبہ اسے پڑھا پھر فرمایا عربوں کے لیے اس شرکی وجہ سے بربادی ہے جو قریب آچکی ہے آج یاجوج اور ماجوج کی دیوار میں سوراخ ہو گیا ہے پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے گول دائرے کا نشان بنا کر دکھایا۔
 حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم لوگ ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے؟ جبکہ ہمارے درمیان نیک لوگ موجود ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب برائی زیادہ ہو جائے گی تو (سب ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے)۔

تشریح: یاجوج ماجوج کے بارے میں: کہ یاجوج ماجوج کے متعلق بعض اسرائیلی اور تاریخی کہانیاں ایسی ہیں جو بالکل بے سرو پا ہیں اور جن پر مفسرین اور محدثین نے اعتماد بھی نہیں کیا، ہاں بعض نے انہیں نقل کر دیا ہے، قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور رسول کریم ﷺ نے بقدر ضرورت ان کی تفصیلات سے آگاہ فرما دیا ہے، ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آگئی ہے، اس سے زائد تاریخی اور جغرافیائی حالات صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، اس لئے ان پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

صحیح احادیث میں جو تفصیل یاجوج ماجوج کے بارے میں منقول ہے، اس میں سے کچھ یہ ہے: قرآن و سنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یاجوج ماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں، عام انسانوں کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، قیامت کے قریب مخصوص حالات میں ان کا خروج ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو چکے ہوں گے، وہ جب دجال کو مقام ”لد“ پر قتل کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلے کی کسی کو طاقت نہیں، لہذا آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) پھر اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالیں گے، تو وہ تیز رفتاری کے سبب ہر بلندی سے پھلتے ہوئے دکھائی دیں گے، ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گزریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گزریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا مگر وہ کم پڑ جائے گا، اس اذیت کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرمائیں گے اور ان پر وہابی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اور یاجوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں، سخت تعفن پھیلا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائیں اور اور بہت بھاری بھر کم پرندے بھیجیں گے جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کی مانند ہوں گی وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے، بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈال دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہیں ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائے گی اور شیشہ کی طرح صاف ہو جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگا دے اور از سر نو اپنی برکات کو ظاہر کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کرے گا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے اور غیر معمولی برکات اور امن و امان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہوگی اور سب کے سب وفات پا جائیں گے اور باقی صرف شریر و کافر رہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یا جوج ماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگی ہے، مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کو کل کھود کر پار کریں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی مضبوط اور درست کر دیتے ہیں اور اگلے روز پھر نئی محنت اس کے کھودنے میں کرتے ہیں، یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہے گا جس وقت تک یا جوج ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے اس دن آخر میں یوں کہیں گے اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل اس کو پار کر لیں گے تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور اس کو توڑ کر پار کر لیں گے۔ ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یا جوج ماجوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اس کی مشیت و ارادے کو مانتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدے کے ہی ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ کلمہ جاری کر دے اور اس کی برکت سے ان کا کام بن جائے۔

مگر ظاہر یہی ہے کہ ان کے پاس بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے ورنہ نص قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہ ہونا چاہئے، ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ دَسُولا﴾ (الاسراء: ۱۵) معلوم ہوا کہ دعوت ایمان ان کو بھی پہنچی ہے مگر یہ لوگ کفر پر رنجے رہے، ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے وجود اور اس کے ارادے و مشیت کے قائل ہوں گے اگرچہ صرف اتنا عقیدہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو، بہر حال ان شاء اللہ کا کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں۔

ذوالقرنین کے نام اور نسب میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ سکندر نام کی دو شخصیتیں گزری ہیں، بعض مفسرین و مورخین نے ان کو خلط ملط کر کے پیش کیا ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اصل صورت حال اس طرح پیش کی ہے کہ ذوالقرنین کا نام سکندر تھا اور یہ سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے تھا، دوسرا شخص اسکندر بن فیلیپس (مقدونی) تھا لوگ اس دوسرے مقدونی کو بھی ذوالقرنین کہنے لگے حالانکہ دونوں کے درمیان دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ حائل ہے، مقدونی حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گزرا ہے اور اس کا وزیر ارسطاطالیس (ارسطو) فلسفی تھا، یہ ایک بت پرست، مشرک، ظالم بادشاہ تھا، یہ شخص رومی و یونانی تھا جبکہ ذوالقرنین جن کا تذکرہ قرآن میں ہے، عربی سامی مؤحد عادل بادشاہ تھا ان کا وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے، کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے طرز سے بھی اس کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ واللہ اعلم حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کے معاملہ میں ظاہر یہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو اہل مشرق میں سے تھا جیسا کہ بعض کا خیال جغفور چین کی جانب ہے اور نہ اہل مغرب میں سے تھا اور نہ ہی یمن والوں میں سے تھا بلکہ مشرق اور مغرب کے درمیان علاقہ کا باشندہ تھا بلکہ وہ سب سے جدا ایک نیک بادشاہوں میں سے تھا جن کا نسب قدیم سامی عرب تک پہنچتا ہے۔

اعتراض: رہا یہ سوال کہ باب کی روایت کے مطابق یا جوج ماجوج اس سد یعنی دیوار میں سراخ کر چکے ہیں اور یہ بات تو سابق الذکر پس منظر سے مطابق نہیں رکھتی؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خواب کا ذکر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا خواب بلا شک و شبہ اگرچہ وحی ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ خواب عالم مثال میں دیکھا جاتا ہے اور عالم مثال میں اشیاء دنیا میں وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی مجسم ہو کر دکھائی

دینے لگتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ خواب میں جو بات دیکھی جائے اسی وقت عالم مشاہدہ میں واقع ہو چکی ہو یا جلد واقع ہو جائے بلکہ اس میں سالہا سال بھی لگ سکتے ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب ہے اور آپ ﷺ کے عمرے کا خواب ہے، علیٰ ہذا آنحضرت ﷺ قرب قیامت کے مناظر، اشراط وفتن عالم مثال میں دیکھتے تھے اور قیامت تک پورا منظر ان کے استیقظ رسول اللہ ﷺ من نوم محمدا وجہہ: بخاری شریف میں ہے دخل علیہا یومًا فزعمان کہ بیدار ہونے کے بعد ان کے یہاں آئے ہوں چنانچہ ابوعوانہ کی روایت میں سرائت و یل للعرب من شر قد اقترب واقع ہے ویل کے معنی خرابی کے ہیں روایت میں اہل عرب کی تخصیص یا تو اس وجہ سے ہے کہ وہ رأس القوم المسلمین ہیں یا شفقت فرمایا نیز وہ معظم المسلمین ہیں اشارہ فرمایا کہ ان کے لئے ویل ہے تو دوسروں کے لئے بہ طریق اولیٰ ہوگی۔

الشیر: اس سے مراد یا تو قتل عثمان رضی اللہ عنہ ہے کہ اس کے بعد فتن کا وقوع اس قدر ہوا کہ عرب لوگوں کے درمیان اس طرح ہو گئے جس طرح کوئی پلیٹ ہو کھانے والوں کے درمیان کھا وقع فی الحدیث الآخر یوشک ان تداعی علیکم الامم کما تداعی الاكلة علی قصعتها: علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ شر سے مراد وہ فتن ہوں جن کا ذکر ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرمایا: ما اذا انزل اللیلۃ من الفتن وما انزل من الخزائن. اس سے اشارہ ان فتوحات کی طرف ہے جو آپ کے بعد ہوئی ہیں کہ اموال کثیرہ لوگوں کو حاصل ہوئے تو لوگوں میں تنافس ہوا پھر فتن رونما ہوئے اسی طرح امارت کے بارے میں بھی اختلافات ہوئے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کا الزام لگایا جس کی انتہاء قتل پر ہوئی اور پھر مسلمانوں کے درمیان یہی جنگ ہوتی چلی آرہی ہے۔ قد اقترب: غایت قرب کو بیان کرنا مقصود ہے۔

ردم: اس سے مراد وہ سد (دیوار) ہے جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا اس بارے میں تفصیلات کتب تفسیر میں موجود ہیں۔

مثل هذه: مرفوع، نائب فاعل ہے فتح کا اور اشارہ حلقہ کی طرف ہے۔

عقد عشر: بعض روایتوں میں تسعین واقع ہے مقصود تقریب ہے۔

وفینا الصالحون: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی افنعذب فنهلك نحن معشر الامة والحال ان بعضنا مومنون وفینا الطیبون الطاہرون. دوسرا قول یہ ہے کہ یہ باب اکتفاء سے ہے اور تقدیر عبارت ہے: وفینا الصالحون ومن القاسطون.

اذا کثر الخبث: بفتح الخاء والموحدة ثم مثله خبث کی تفسیر بعض نے زنا سے کی ہے اور بعض نے فسق و فجور سے یہی آخری تفسیر معتبر ہے کیونکہ صلاح کے بالمقابل ہے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ شر و خبث کثیر جائے گا تو صالح و ظالم سب کو ہلاک کر دیا جائے گا البتہ بعث نیاں پر ہوگا کما مر جس طرح جب آگ بھڑکتی ہے تو خشک و تر دونوں طرح کی لکڑی جلا دی دیتی ہے۔

لغوی تحقیق: قوله ”محمرا“ بروزن مضطرب یعنی بتشدید الراء احمار الشئ اس وقت کہتے ہیں جب وہ بتدریج سرخ ہو جائے۔

قوله ”ردم“ بروزن شمس، سد سکندری مراد ہے یعنی وہ دیوار جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا۔ قوله ”یا جوج وما جوج“ یہ الفین اور ہمزتین دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے، دونوں عجی نام ہیں، بعض نے عربی کہا ہے اگر ان کو عربی مانا جائے تو پھر یہ دونوں کس سے مشتق ہیں، اس میں اختلاف ہے کسی نے کہا کہ اجیج النار سے ماخوذ ہے۔ اجت النار اجاوا جیجًا اس وقت کہتے ہیں جب

آگ بھڑک جائے، بعض نے کہا کہ اجاتہ بمعنی اختلاط کے ہے، وفيہ اقوال آخر۔ قوله ”وعقد عشرًا“ دس کا عقد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی کے ناخن کا سراہام کے جوڑے اندر کی جانب ملا کر حلقہ بنایا جائے۔

هذا حديث حسن صحيح اخرجه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه.

جود سفیان... الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہے تو سند کے اندر چار مبارک عورتوں کا ذکر فرمایا زینت بنت ابی سلمہ عن حبیبہ عن أم حبیبہ عن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ اول دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں اور آخر الذکر دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا میں سے ہیں البتہ معمر نے زہری سے یہ روایت نقل کی تو انہوں نے حبیبہ کا ذکر نہیں کیا تو سفیان کی روایت اچود ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس پر طویل کلام کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْمَارِقَةِ

باب ۲۲: خوارج کا حال

(۲۱۱۴) يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ أَحْدَاثُ الْإِسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقْرُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَقُولُونَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ الشَّهْمُ مِنَ الرِّمِيَّةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کی عمریں کم ہوں گی اور عقل نہیں ہوگی وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ لفظ ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا وہ سب سے بہترین (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال بیان کریں گے لیکن وہ دین سے یوں باہر نکل جائیں گے جیسے تیر شکار (کے پار) ہو جاتا ہے۔

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ کے آخر میں کچھ لوگ نکلیں گے جو: ① نو عمر ہوں گے احداث الاسنان: حقیقت میں مرکب توصیفی ہے یعنی نئی عمر کے لوگ ہوں گے۔ ② عقل کے اچھے ہوں گے، سفہاء: سفیہ کی جمع ہے: بیوقوف اور احلام: حلم کی جمع ہے: عقل۔ ③ یقرؤن القرآن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ بظاہر بڑے اچھے لب و لہجہ اور تجوید سے قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن اس پر نہ تو ان کا عمل ہوگا اور نہ ہی قرآن ان کے حلق سے نیچے اترے گا بلکہ قرآنی آیات پیش کر کے اپنے غلط عقائد و نظریات کو درست ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

لایجاور تراقیہم: قرآن پڑھتے ہوں گے جو ان کی ہنسلوں سے آگے نہیں بڑھے گا، یعنی ان کے دل قرآن کی تعلیمات سے متاثر نہیں ہوں گے۔ الترقوة: ہنسل کی ہڈی، یہ دو ہڈیاں ہوتی ہیں، مجازاً گلا، جمع تراق، بلغت الروح التراقی: دم بلب ہو گیا، قرب موت سے کنایہ۔

④ یقولون من قول خیر البریة: وہ مسلمانوں کی بعض باتوں کے قائل ہوں گے، اس میں من تبعضیہ ہے اور خیر البریة سے مسلمان مراد ہیں، سورۃ البینہ آیت ۷ میں ایمان والوں کی یہ صفت آئی ہے، یعنی وہ تمام اسلامی عقائد کے قائل نہیں ہوں گے، کچھ باتوں کے قائل ہوں گے، اس جملہ کا یہی مطلب ہے، مگر چونکہ ان کا مشہور قول ﴿إِن الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الانعام: ۵۷) تھا

اس لئے شارحین نے ان کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر اس جملہ کی شرح کی ہے چنانچہ وہ اس کی شرح میں مختلف نظر آتے ہیں، حالانکہ اس کا مطلب واضح تھا۔

⑤ یمرقون من الدین کہا یمرق السهم من الرمية: وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، المارق: (اسم فاعل) دائرہ مذہب سے نکل جانے والا، تیر کی طرح کسی چیز سے پار ہو جانے والا۔ الرمية: تیر پھینک کر جو شکار کیا جائے۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے، جمع: رمایا۔

فائدہ: اس حدیث میں تو اس فرقے کے اتنے ہی اوصاف آئے ہیں اور اس فرقہ کی تعیین بھی نہیں کی گئی مگر دیگر احادیث میں اور بھی اوصاف آئے ہیں، بخاری شریف کتاب استتابة البرقدين باب 7 میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں جن میں اس فرقہ کی تعیین ہے کہ یہ فرقہ خوارج کا ہے، جس کا دوسرا نام حروریہ ہے اور یہی مارقہ ہے، فی آخر الزمان اس سے خلافت راشدہ کا آخری دور مراد ہے، چنانچہ یہ لوگ 28 ھ میں پیدا ہو گئے تھے، پہلے یہ شیعان علی تھے، بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے نکل گئے اور مقام ”حروراء“ میں پناہ لے لی، اسی وجہ سے ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔

37 ہجری میں نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا صفایا کیا مگر چونکہ ان کا بقایا موجود ہے اس لئے قیامت تک ان کے اذئاب اس حدیث کا مصداق ہیں۔

خوارج نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی مصالحت پر اعتراض کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ جملہ کہا: ﴿إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الانعام: ۵۷) جس کے متعلق مشہور ہے: ”کلمة حق وارید بها الباطل“ اس کے ساتھ انہوں نے الگ ہو کر مستقل مذہب کی تاسیس کی اور مرتکب کبیرہ کو کافر کہنے لگے، بعد میں مزید غلو کرتے ہوئے بعض مرتکب صغیرہ کو بھی کافر ٹھہرانے لگے اس طرح ان کے بیس فرقے بن گئے۔

جو حضرات ان کی تکفیر کرتے ہیں وہ ”یمرقون من الدین“ میں دین سے مراد ایمان و اسلام لیتے ہیں، ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ ”اختلف العلماء قديماً“ (یعنی ان کی تکفیر میں)..... والصحيح انهم كفار، لقومه صلى الله عليه وسلم: یمرقون من الدین، الخ مگر جو حضرات ان کو کافر نہیں کہتے ہیں یعنی احتیاطاً جو کہ جمہور سلف کا مذہب ہے وہ یہاں دین سے مراد اطاعت لیتے ہیں یعنی یہ لوگ خلیفہ وقت کی طاعت سے ایسے خارج ہوں گے جیسے تیر نشانہ میں داخل ہونے کے بعد فوراً نکل جاتا ہے، یہ تشبیہ ہے کہ یہ لوگ پہلے داخل ہوں گے مگر پھر جلدی ہی نکل جائیں گے اور قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے تجاوز نہیں کرے گا یعنی دل میں داخل نہ ہوگا تا کہ اس کو سمجھیں یا اس پر عمل کریں یا اوپر کی طرف نہیں جائے گا یعنی قبولیت کے لئے نہیں جائے گا کہ مقبول کلمات و عبادات صعود کرتے ہیں۔ قال الله تعالى: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ (الفاطر: ۱۲) خوارج بحیثیت آج موجود نہیں ہیں۔

سند کی بحث: وقد روی فی غیر هذا الحدیث الی آخرہ میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو بات بیان کی ہے وہ اوپر فائدہ میں ذکر کی ہے۔ وغیرہم: ای غیر الحروریة یعنی خوارج مراد ہیں، خواہ وہ کسی جگہ کے ہوں کیونکہ مدار عقائد پر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَثَرِ

باب ۲۳: ترجیح دینے کا بیان

(۲۱۱۵) اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اسْتَعْمَلْتُ فَلَانًا وَكَمْ تَسْتَعْمِلُنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ.

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ جس طرح آپ نے فلاں شخص کو سرکاری اہلکار مقرر کیا ہے اور آپ مجھے کیوں نہیں مقرر کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ میرے بعد اپنے ساتھ ترجیحی سلوک دیکھو گے تو صبر سے کام لینا یہاں تک کہ تمہاری ملاقات حوض پر مجھ سے ہو۔

(۲۱۱۶) إِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَعْدِي أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا قَالَ فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَدُّوْا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَاسْأَلُوا اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں تم لوگ میرے بعد اپنے ساتھ ترجیحی سلوک دیکھو گے اور کچھ ایسے امور دیکھو گے جو تمہیں ناپسند ہوں گے لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم ان لوگوں کے حق ادا کرنا اور جو تمہارا حق ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا۔

تشریح: الاثرۃ: (مصدر) ترجیح دینا، کسی کو کسی سے مقدم کرنا، یہ بات بھی فتنہ کا سبب بن جاتی ہے، اگر نا اہل کو ترجیح دی جائے تب تو بہت بڑا فتنہ ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے: اذا وسد الامر الى غير اهله فانتظر الساعة: جب حکومت کا کام کسی نا اہل کو سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو، یعنی پھر اتنے فتنے رونما ہوں گے کہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا، اور اگر اہل کو ترجیح دی جائے تب بھی بعض مرتبہ ترجیح واضح نہیں ہوتی، اس لئے کچھ لوگوں کے لئے باعث شکایت ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ سربراہ مملکت کسی طرح اس شخص کی ترجیح لوگوں کے سامنے واضح کرے، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جو نوجوان تھے قریب کرتے تھے، مجلس کے اکابر کو اعتراض ہوا تو حضرت نے لوگوں سے پوچھا: بتاؤ سورۃ النصر کے نزول کا کیا مقصد ہے؟ سب نے کہا: اس میں غلبہ اسلام کی خبر دی گئی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: تم بھی یہی کہتے ہو؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نہیں، اس سورت کے ذریعہ نبی ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی یہی جانتا ہوں، اس واقعہ کے بعد اہل مجلس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی برتری تسلیم کر لی۔

یعنی ولایت اور حکمرانوں کے خلاف کارروائی سے اجتناب کرتے رہو اور ان کی اطاعت میں لگے رہو اور اللہ سے سوال کرتے رہو کہ ان کی اصلاح فرمائے یا کوئی متبادل قیادت نیک فرمائیں، یہ بھی ممکن ہے کہ: ”واسألوا الله الذي لكم“ سے مراد صبر ہو یعنی اللہ سے صبر و استقامت مانگو۔

یہ مسئلہ پیچھے مکر گزرا ہے کہ حکومت وقت سے باقاعدہ لڑائی اور جنگ سے اجتناب کرنا چاہئے خصوصاً جب کامیابی کا امکان کم ہو

ہاں البتہ اگر خطرہ نہ ہو تو ان کے منکرات کو بزور زبان روکنا چاہئے پھر خطرے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ صرف اپنی حد تک ہو، دوسرا یہ کہ اس کی وجہ سے دوسروں کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہو، پہلی صورت جائز بلکہ عزیمت ہے جبکہ دوم جائز نہیں چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ شرح الحسین میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْخُرُوجُ عَلَيْهِمْ بِالسَّيْفِ فَيُخْشَى مِنْهُ الْفِتَنُ..... حِينَئِذٍ لَهَا فِيهِ مِنْ تَعْدِي الْأَذَى إِلَى

غَيْرِهِ..... الخ. (ص ۳۹۲، دار ابن حزم حدیث ۳۴)

ہاں البتہ اگر حکمرانوں کے منکرات ایسے ہیں جو رعایا پر لاگو کرنا چاہتے ہیں تو اس میں نہ ان کی اطاعت جائز ہے اور نہ ان کو قبول کیا جاسکتا ہے، غرض لڑائی سے گریز کرتے ہوئے اپنا دامن بچانا لازمی ہے، خواہ اس کے لئے عہدہ چھوڑنا پڑے یا ہجرت کرنا پڑے۔ مگر یہ شرائط آج کل ناممکن نظر آتی ہیں کہ اتنے اسباب جمع کرنا بعید از تصور ہے اور تقویٰ والی جنگ بھی آج نہیں ہو سکتی اور پھر جنگ کے بعد ثمرات و مفادات کی لڑائی بھی تقریباً یقینی ہے۔

فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض: یعنی تم صبر کرو فتنہ نہ کرو حتیٰ کہ مرنے کے بعد تمہاری مجھ سے ملاقات ہوگی تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے قیامت کے دن میں تم کو انصاف کا ظالمین کے مقابلہ میں اور جب دنیا میں صبر کرو گے اس پر ثواب الگ سے ملے گا۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد صحابی کے مطالبہ کا جواب نہیں ہے ممکن ہے کہ اصل جواب کو راوی نے ذکر نہ کیا ہو ای انالاستعمل من یسأل الامارۃ والعبالۃ بلکہ آپ ﷺ نے صبر کی تلقین و ترغیب دی ہو کہ آئندہ ایسا ہوگا کہ امراء تمہارے حقوق ادا نہ کریں تو اس موقع پر صبر کی ضرورت ہے البتہ اب جو میں نے دوسرے عامل بنایا ہے اور تم کو نہیں بنایا یہ اثرۃ میں داخل نہیں ہے کیونکہ شرعی اصول یہ ہے کہ طالب ولایت کو ہم ذمہ دار نہیں بناتے۔

بَابُ مَا أَخْبَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

باب ۲۴: قیامت تک پیش آنے والی باتیں نبی ﷺ نے صحابہ کو بتادیں

(۲۱۱۷) صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا صَلَاةَ الْعَصْرِ بِنَهَارٍ ثُمَّ قَامَ خَطِيبًا فَلَمْ يَدْعُ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا أَخْبَرَ تَابَهُ حِفْظُهُ مِنْ حِفْظِهِ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ فَكَانَ فِيهَا قَالَ إِنَّ الدُّنْيَا خَصِرَةٌ حُلُوءَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَنَاطِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ أَلَا وَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ وَكَانَ قِيَمًا قَالَ أَلَا تَمْنَعُنَ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّي إِذَا عَلِمَهُ قَالَ فَبَكَى أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ قَدْ وَاللَّهِ رَأَيْنَا أَشْيَاءَ فَهَبْنَا وَكَانَ قِيَمًا قَالَ أَلَا إِنَّهُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَدْرِ غَدَرِهِ وَلَا غَدْرَةَ أَعْظَمُ مِنْ غَدْرَةِ إِمَامٍ عَامَةٍ يُرْكَزُ لَوَاءُهُ عِنْدَ اسْتِهِ وَكَانَ فِيهَا حِفْظُنَا يَوْمَ مَعِيدٍ إِلَّا أَنْ يَبْنَى أَدَمَ خُلُقُوا عَلَى طَبَقَاتٍ شَتَّى فَمِنْهُمْ مَنْ يُؤَلِّدُ مُؤْمِنًا وَيَحْيِي مُؤْمِنًا وَيَمُوتُ مُؤْمِنًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤَلِّدُ كَافِرًا وَيَحْيِي كَافِرًا وَيَمُوتُ كَافِرًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤَلِّدُ مُؤْمِنًا وَيَمُوتُ كَافِرًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤَلِّدُ كَافِرًا وَيَمُوتُ مُؤْمِنًا أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ الْبَطِيئُ الْغَضَبِ سَرِيعُ الْفَقْ

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز کی ابتدائی وقت میں پڑھادی پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا پھر آپ ﷺ نے قیامت تک واقع ہونے والی کسی چیز کو ترک نہیں کیا آپ نے ہمیں اس کے بارے میں بتادیا جس نے جو یاد رکھنا تھا وہ رکھا اور جو بھولنا تھا وہ بھول گیا آپ نے اس میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ دنیا سرسبز و شاداب اور میٹھی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ اس بات کو ظاہر کرے کہ تم کیا عمل کرتے ہو خبردار دنیا سے بچے رہنا اور خواتین سے بچتے رہنا اور جو باتیں ارشاد فرمائی اس میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی خبردار کوئی بھی شخص لوگوں کے ڈر کی وجہ سے کوئی حق بات بیان کرنے سے باز نہ آئے۔

راوی بیان کرتے ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روپڑے پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم ہم نے کچھ چیزیں دیکھی تھیں اور ہم ان سے خوفزدہ ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہر غداری کرنے والے شخص کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا جو اس غداری کے حساب سے ہوگا اور مسلمانوں کے حکمران سے غداری کرنے سے زیادہ اور کوئی غداری نہیں ہے ایسے شخص کا جھنڈا اس کی سرین پر لگا دیا جائے گا۔

اس دن کی جو بات ہم نے یاد رکھی اس میں یہ بھی تھا اولاد آدم کو مختلف طبقات میں پیدا کیا گیا ہے ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو مؤمن پیدا ہوتے ہیں اور مؤمن کے طور پر زندہ رہتے ہیں اور مومن ہونے کی حالت میں مر جاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو کافر پیدا ہوتے ہیں اور کفر کی حالت میں زندہ رہتے ہیں اور کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو مومن پیدا ہوتے ہیں مومن کے طور پر زندہ رہتے ہیں لیکن مرتے وقت کافر ہو جاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو کافر پیدا ہوتے ہیں کفر کی حالت میں زندہ رہتے ہیں لیکن مرتے وقت وہ مومن ہوتے ہیں۔

یاد رکھنا ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہے اور ٹھنڈا جلدی ہو جاتا ہے اور ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جن کو غصہ جلدی آتا ہے اور ٹھنڈا بھی جلدی ہو جاتا ہے یہ دونوں برابر ہیں۔

یاد رکھنا ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جن کو غصہ جلدی آتا ہے اور ٹھنڈا دیر سے ہوتا ہے یاد رکھنا ان میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہو اور ٹھنڈا جلدی ہو جاتا ہو اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ان میں سب سے بُرے لوگ وہ ہیں جن کو غصہ جلدی آتا ہے اور ٹھنڈا دیر سے ہوتا ہے۔

یاد رکھنا ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اچھے طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں اور اچھے طریقے سے طلب کرتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو برے طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں لیکن اچھے طریقے سے طلب کرتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اچھے طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں لیکن برے طریقے سے مطالبہ کرتے ہیں اور یہ سب برابر ہیں اور یاد رکھنا کہ ان کچھ لوگ ایسے ہیں جو برے طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں اور برے طریقے سے طلب کرتے ہیں اور یاد رکھنا ان میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو سب سے بہتر طریقے سے ادائیگی کرتے ہوں اور اچھے طریقے سے طلب کرتے ہوں اور ان میں سب سے برے وہ ہیں جو برے طریقے سے ادائیگی کرتے ہوں اور برے طریقے سے طلب کرتے ہوں۔

یاد رکھنا غصہ ابن آدم کے دل میں موجود ایک انگارہ ہے کیا تم نے اس کے آنکھوں کی سرخی اور رگوں کے پھولنے کو نہیں دیکھا تو جو شخص غصہ محسوس کرے وہ زمین پر لیٹ جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں لوگوں نے سورج کی طرف دیکھنا شروع کر دیا کہ کچھ باقی تو نہیں رہ گیا۔ (یعنی پورا غروب ہو چکا ہے)۔

آپ ﷺ نے فرمایا گزرے ہوئے زمانے کے مقابلے میں دنیا صرف اتنی باقی رہ گئی ہے جتنے دن گزرے ہوئے دن کا حصہ باقی رہ گیا ہے۔

تشریح: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے جس میں آپ نے قیامت تک واقع ہونے والی کوئی چیز نہیں چھوڑی، (تمام کو بیان فرمایا) اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اسے بھول گیا جو بھول گیا، آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: بے شک دنیا بڑی سرسبز و شاداب اور میٹھی ہے۔

ان الله مستخلفكم فيها فناظر كيف تعملون: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے بڑوں کے قائم مقام اور ذمہ دار بنایا ہے اب اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو آیا اس دنیا میں شادابی میں منہمک ہو جاتے ہیں ہو یا اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو مانتے ہو۔

الافتقوا الدنيا: عورتوں کے کید و مکر سے بچو کیونکہ قرآن میں ہے ﴿إِنَّ كَيْدَ كُنْ عَظِيمٌ﴾ (یوسف: ۲۸) نیز خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے النساء حبال الشیطان نیز ممکن ہے تقدیر عبارت افتقوا اللہ فی حق النساء یعنی عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ کا خوف کرو ان کے ساتھ زیادتی نہ کرو ان کے حقوق پورے طور پر ادا کئے جائیں مگر ظاہر اول معنی ہیں۔
الا لا تمنعن رجلا هیبة الناس... الخ: یعنی حق بات کہنے اور کرنے سے کسی شخص کو کسی کی عظمت دنیا اور اس کا دبدبہ مانع نہ بنے بلکہ فتنہ سے بچتے ہوئے حق بات کہہ دی جائے تاکہ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے برأت ہو جائے نیز الکلمۃ حق عند السلطان الجائر کو افضل الجہاد بھی قرار دیا گیا ہے جو باعث ثواب ہے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس پر افسوس بھی کر رہے ہیں کہ ہم نے بہت سے امور منکرہ دیکھے ہیں اور ہم ان پر نکیر کرنے سے قاصر رہے غالباً انہوں نے ادنیٰ درجہ یعنی فلیغیرہ بقلبہ پر عمل کیا ہے جو کہ اضعف الایمان ہے تو ان کا افسوس ترک پر نہیں بلکہ ادنیٰ درجہ اختیار کرنے پر ہے۔

الانه ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة بقدر غدرته ولا غدرۃ اعظم من غدرۃ امام عامة: اس سے

امام المؤمنین کی اطاعت کی ترغیب فرمائی اور اس سے غداری اور بے وفائی پر تنبیہ مقصود ہے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت کی جائے امام سے غداری کا نقصان پورے ملک اور اس کے رہنے والوں کو پہنچتا ہے جس سے شوکت اسلام ختم ہو جاتی ہے کفار اس سے فائدہ اٹھائیں گے اس لئے غدر سے منع کر دیا گیا ہے البتہ معصیت میں اطاعت واجب نہیں لقوم الظن لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق: ہاں اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ مباحات کے ابرے میں اولوالامر کی جانب سے حکم ہو جائے تو واجب العمل ہو جاتے ہیں۔

یہ کز لواء عند استہ... الخ: مجھول پڑھا جائے یعنی جو شخص بغاوت کرے گا قیامت کے دن اس کے سرینوں پر یا مراد حلقہ دہر پر بقدر بغاوت جھنڈا گاڑا جائے گا تحقیر آلہ، تا کہ دور سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص امام العامہ کی بغاوت کرنے والا ہے۔

الابنی آدم خلقوا علی طبقات شتئی... الخ: یعنی انسانوں کو مختلف مراتب پر پیدا کیا گیا ہے ان کی تفصیل میں مذکور ہے اور ظاہر ہے ایمان کے اعتبار سے جو درجات بیان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار اخیر کا ہے انما العبرة بالخوا تیم لہذا کوئی شخص مؤمن پیدا ہوا اور مؤمن ہی رہا کہ پوری عمر طاعت میں گزاری مگر اخیر کفر پر ہوا تو اس کی پوری زندگی بے کار گئی لہذا اپنے اعمال صالحہ پر غرہ و تکبر بھی نہ کرنا چاہئے کیونکہ انجام معلوم نہیں یہ بھی یاد رہے جو اقسام روایت میں مذکور ہیں وہاں حصر عقلی نہیں ہے بلکہ تقسیم غالبی ہے دو قسمیں اور بھی محتمل ہیں۔ من یولد مومنا و یحیی کافرا و یموت مومنا من یولد کافرا و یحیی مومنا و یموت کافرا۔

منہم البطیء الغضب سریع الفیء: ان چاروں قسموں میں بطیء الغضب سریع الفیء سب سے بہتر ہے کہ فتنہ سے دوری نقصان سے بچاؤ ہے اور سریع الغضب بطیء الفیء سب سے بری قسم ہے کہ نقصانات اس میں زیادہ ہیں غصہ کی حقیقت اور اس کے اقسام نیز اس کے علاج کا بیان جزء ثانی میں گزر چکا ہے۔

مراد یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اخلاق حمیدہ و ذمیمہ دونوں پر ہوتی ہے یعنی مدح و ذم کا مدار غلبہ پر ہے اگر صفات حمیدہ کا غلبہ ہے تو محمود ہے ورنہ مذموم ہے۔ اس طرح لین دین کے اعتبار سے بھی اقسام ہیں کہ ادائیگی و طلب میں اگر اچھا طریق اختیار کیا گیا تو بہتر ہے ورنہ مذموم ہے۔

الاوان الغضب جہراً فی قلب اس حدیث: میں غصے کو انگارے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ غصہ حرارت غریزہ کا اثر ہے جب آدمی خلاف طبع بات سنتا ہے یا خلاف مرضی کوئی چیز دیکھتا ہے تو اس حرارت میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اس کا علاج پانی سے کیا جاتا ہے خواہ وہ پیئے یا وضوء کرے اور چونکہ کبھی غصہ تکبر کی وجہ سے بھی آتا ہے اس لئے زمین پر لیٹنے سے بھی وہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ زمین میں تواضع و خاکساری ہے اور صحبت کا اثر تو ہوتا ہی ہے اس لئے ان ہر دو طریقوں سے غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

لہم یبق من الدنیا فیما مضی منها الا کما بقی من یومکم... الخ: یہ یتق کے فاعل سے استثناء ہے سورج چمکنے کے قریب ہو گیا تھا تو لوگوں نے دیکھا شروع کیا آپ ﷺ نے اس پر بھی مزید یہ ارشاد فرمایا کہ قیامت بالکل قریب اور جس قدر حصہ دن کا باقی رہ گیا یعنی تھوڑا اور زیادہ گزر چکا ہے پس اس قدر دنیا کا زمانہ ختم ہونے والا ہے لہذا قیامت آنے والی ہے اس لئے آخرت کی تیاری کرنا چاہئے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جعدان ہے جو ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ضعیف ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ

کے نزدیک صدوق ہے، یہ مسلم شریف اور سنن اربعی کا راوی ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کی تحسین کی ہے، پھر باب میں چند صحابہ کا حوالہ ہے وہ سب بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے وہ تمام باتیں بیان کیں جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں اور مراد بڑے بڑے واقعات ہیں کیونکہ تمام واقعات کا احاطہ اس مختصر وقت میں ممکن نہیں۔

لعنات: فلم یدع: (ودع سے ہے) نہیں چھوڑا۔ مستخلفکم: تمہیں خلیفہ بنانے والا ہے یعنی خلیفہ بنایا ہے۔ ہیۃ الناس: لوگوں کا خوف اور دہشت۔ غادر، غدار، بے وفاء، دھوکہ دینے والا۔ یرکز: (مجبول) گاڑا جائے گا۔ عنداستہ: اس کی سرین کے پاس۔ فتلك بتلك: یہ اس کے بدلے میں ہے یعنی دونوں برابر ہیں۔ جمرۃ: (جیم پر زبر) چنگاری۔ انتفاخ: پھول جانا، سوجن۔ اوداج: ”ودج“ کی جمع ہے، گردن، وہ رگ جسے ذبح کے وقت کاٹا جاتا ہے، اور اس سے دم نکل جاتا ہے۔ فلیصق: اسے چمٹ جانا چاہئے، مراد لیٹ جانا چاہئے۔ نلتفت: ہم ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الشَّامِ

باب ۲۵: اہل شام کی فضیلت

(۲۱۱۸) إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي مَنصُورِينَ لَا يَصُرُّهُمْ مَن خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ.

ترجمہ: معاویہ بن قرہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب اہل شام میں خرابی آئے گی تو تب تمہارے درمیان کوئی بھلائی نہیں رہے گی میری امت کے ایک گروہ کو ہمیشہ مدد حاصل ہوتی رہے گی اور جو شخص انہیں رسوا کرنے کی کوشش کرے گا وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

تشریح: ”منصورین“ جن کی من جانب اللہ غیبی مدد کی جاتی رہے گی جس سے ان کے حوصلے بلند رہیں گے اور مکارہ آزمائشوں پر صبر کرتے رہیں گے اس طرح ان کا کام جاری رہے گا اگرچہ حالات کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں۔ قولہ ”من خذلہم“ جو ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں گے اور مدد کرنا بند کر دیں گے جیسا کہ موجودہ حالات میں مشاہدہ عام ہے۔

طائفہ منصورین کا مصداق:

اس سے مراد وہ افراد ہیں جن کو دجال گھیرے ہوئے ہوگا پس عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے ان لوگوں کے پاس اور دجال کو قتل کریں گے دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مخصوص افراد بوقت خروج دجال ہوں گے یا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوں گے اس وقت ایک ہوا چلے گی جو ہر مؤمن کی روح کو قبض کرے گی اور دنیا میں شرار الناس رہ جائیں گے پھر قیامت قائم ہوگی اس وقت دنیا میں کوئی مسلم نہ رہے گا۔

قال محمد بن اسماعیل قال علی بن المدینی ہم اصحاب الحدیث: مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علی ابن المدینی رحمہ اللہ نے فرمایا اس جماعت خاصہ سے مراد اصحاب حدیث ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے جامع میں فرمایا اس سے مراد اہل علم ہیں قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے یہ طائفے متفرق ہوں کہ

بعض ان میں مجاہدین ہوں بعض فقہاء ہوں اور بعض محدثین ہوں اور بعض زہاد ہوں اسی طرح بعض آمرون بالمعروف والنہی ہوں اور بعض انکر ہوں نیز اس طرح دوسرے اہل خیر ہوں یہ ضروری نہیں کہ مجتمع ہوں بلکہ اطراف ارض میں پھیلے ہوئے ہوں۔

اعتراض: حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک ایک جماعت اہل حق کی رہے گی، جو منصور ہوگی جن کی مدد کی جاتی رہے گی، جب کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ قیامت اس وقت واقع ہوگی جب روئے زمین پر صرف شریر اور فسادی قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض سا ہے؟

جواب ①: ان احادیث میں دو الگ الگ مقامات کا ذکر ہے، ایک علاقے میں شریر قسم کے لوگ ہوں گے، جن کے اعتبار سے قیامت آئے گی، جبکہ دوسرے علاقے یعنی بیت المقدس میں سر بکف مجاہد ہوں گے، جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتال کریں گے اس لحاظ سے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

② یہ خروج دجال یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تک ہے کہ طائفہ منصورین رہے گا پھر جب حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد ایک مخصوص ہوا چلے گی جس سے اہل ایمان سب کے سب مرجائیں گے، تو اس وقت زمین اہل اسلام سے یکسر خالی ہو جائے گی، صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے، انہی پر بالآخر قیامت قائم ہوگی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جواب کو اولیٰ اور بہتر قرار دیا ہے۔

فائدہ: اس قسم کی احادیث میں قیامت تک کے الفاظ کا مطلب تا قیامت نہیں لینا چاہئے بلکہ قیامت کا قرب لینا چاہئے یعنی وہ وقت جس کے بعد دوبارہ اصلاح نہ ہوگی بلکہ یہ ارضی کشتی ڈوب ہی جائے گی۔ یہ حدیث مجمل ہے اور ابوداؤد (حدیث 2483) میں ابن حوالہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اسلام کا معاملہ یہاں تک پہنچے گا کہ لوگ مختلف لشکر بن جائیں گے، ایک لشکر شام میں ہوگا، دوسرا یمن میں، تیسرا عراق میں، ابن حوالہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے لئے انتخاب فرمائیں، اگر میں وہ وقت پاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: علیک بالشام: تم شام چلے جانا کیونکہ شام اللہ کی بہترین زمین ہوگی اور اس کی طرف اللہ کے بہترین بندے سمٹ جائیں گے..... پہلی حدیث میں شام والوں کے بگاڑ کا تذکرہ ہے اور اس حدیث میں اس کی خوبی کا ذکر اور دونوں باتیں احوال کے تابع ہیں، احوال اچھے ہوں تو وہ بہترین جگہ اور فتنے سرا بھاریں تو وہاں جانا مناسب نہیں۔

بَابُ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

باب ۲۶: میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں

(۲۱۱۹) لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے بعد زمانہ کفر کی طرح ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دینا۔

تشریح: حجۃ الوداع کا ایک حکم:

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک نصیحت یہ بھی فرمائی کہ میری وفات کے بعد یا میدان عرفات سے جانے کے

بعد دوبارہ کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔

”کفاراً“ سے کیا مراد ہے؟

اس میں دو قول ہیں: ① اگر اس سے کفر کے حقیقی معنی مراد ہوں کہ آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو پھر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کے قتل کو حلال اور جائز نہ سمجھنا کہ اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔
② یا مراد یہ کہ کافروں والے کام نہ کرو اور قتل و قتال میں ان سے مشابہت اختیار نہ کرو۔
لعنات: ”لا ترجعوا“ یعنی لاتصیدوا کے ہے اور بعدی یعنی میری وفات کے بعد۔ کفاراً یعنی کفار یا ایک دوسرے کی تکفیر مت کرو کیونکہ اس سے تم ایک دوسرے سے قتال میں پڑ جاؤ گے ”وقیل المراد کفران النعمة“ (کذا فی حاشیۃ البخاری جلد اول ص: 234) یضرب کو مجزوم پڑھنا بھی جائز ہے کہ جواب نہیں ہے یا بآء اول ثانی میں مدغم ہے اور رفع بھی جائز ہے کہ جملہ محل صفت میں واقع ہے یا جملہ بدن عن الجملہ ہے۔ (کذا فی العارضة) غرض یضرب یا حال وغیرہ بن کر ماقبل سے متعلق ہے یا جملہ مستانفہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ تَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ

باب ۲۷: جب فتنے سرا بھاریں تو جو ان میں کم سے کم حصہ لے وہ بہتر ہے

(۲۱۲۰) أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ عِنْدَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي قَالَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ دَخَلَ عَلَى بَيْتِي وَبَسَطَ يَدَهُ إِلَيَّ لِيَقْتُلَنِي قَالَ كُنْ كَابْنِ آدَمَ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابوقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فتنے کے زمانے میں یہ بات ارشاد فرمائی میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات گواہی دے کر کہتا ہوں آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے عنقریب ایسا فتنہ آئے گا کہ بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہوا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا شخص دوڑنے سے بہتر ہوگا۔ انہوں نے عرض کی آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ شخص میرے گھر آ جائے اور اپنا وہ ہاتھ مجھے قتل کرنے کے لیے بڑھائے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم آدم کے بیٹے کی مانند ہو جانا جو (اپنے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا)۔

تشریح: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتنہ رونما ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”عنقریب فتنہ رونما ہوگا، اس میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا“ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر فتنہ پرداز میرے گھر میں آئے اور میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے تاکہ مجھے قتل کرے (تو میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: کن کابن آدم: تم حضرت آدم علیہ السلام کے بہترین لڑکے (ہائیل) کی طرح ہو جانا۔

روایت کا مطلب: آپ ﷺ نے ہونے والے فتنہ کے بارے میں خبر دی جو شخص اس فتنہ کے وقت اپنی جگہ بیٹھا رہا اور فتنہ میں شریک نہ ہو وہ بہتر ہوگا اس سے جو کھڑا ہوتا کہ فتنہ کرے مگر متردد ہو گیا ڈر کی وجہ سے اور ایسا شخص اس سے بہتر ہے جو فتنہ کی طرف چل پڑا اور یہ شخص اس سے بہتر ہے جو فتنہ کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ علامہ داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بیٹھ کر فتنہ کر رہا ہے وہ قائم سے بہتر ہے اور کھڑے ہو کر فتنہ کرنے والا اس سے بہتر ہے جو چل کر فتنہ کرے اور چلنے والا بہتر ہے دوڑ کر فتنہ کرنے والے سے مراد یہ ہے کہ ایسا فتنہ عام ہوگا کہ اس وقت ہر شخص فتنہ میں مبتلا ہوگا جس کا فساد جس قدر کم ہوگا وہ دوسرے کے مقابلہ میں بہتر ہوگا۔ ان داخل علی بیعتی: علی بتشدید الیاء یہ دخل یدخل بفتح الحاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد برپا کرنے کے لئے داخل ہونا کا بن آدم مراد ہائیل ہے: لانه قال لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لا قتلتک۔

حدیث کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ شر و فساد میں جس کا حصہ جتنا کم ہوگا وہ اس شخص کی نسبت افضل ہوگا جو اس میں زیادہ سرگرم ہو کیونکہ ثواب و عقاب بقدر اعمال ہوتے ہیں علی ہذا ان سب لوگوں کو شریک تصور کیا جائے گا مگر قاعد کا حصہ قائم سے کم اور قائم کا ماشی سے کم اور ساعی سب سے زیادہ ہے۔

دوسرا مطلب: جو کہ اظہر ہے، یہ ہے کہ فتنے سے جو شخص جتنا دور ہوگا وہ اتنا ہی محفوظ ہوگا پس قاعد تو اس لئے بہتر ہے کہ وہ بالکل لا تعلق ہے جبکہ قائم سے مراد تماشا دیکھنے والا ہے اور یہ بھی ایک گونہ شرکت ہے تو جس طرح گناہ کرنا جرم ہے اسی طرح گناہ کرنے والوں کا تماشا دیکھنا بھی حسب گناہ جرم و قبیح ہے جبکہ گناہ و فتنے کی طرف آہستہ و پیدل چلنے والا دوڑ کر شامل ہونے والے سے افضل ہے کہ دوڑنے والا زیادہ سرگرم ہے۔

اعتراض: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر فتنہ گھر کے اندر داخل ہو جائے تب بھی آدمی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے بلکہ حضرت ہائیل کی طرح عزیمت پر عمل کرتا ہوا جام شہادت خاموشی سے نوش کر لینا چاہئے جبکہ بعض روایات (مسند احمد ص ۷۷ ج ۱، حدیث ۱۶۵۲۶) اور فقہاء کی عبارات سے اپنے دفاع کا حق ثابت ہے بظاہر یہ تعارض ہے۔

جواب: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوئب الدری میں یوں دیا ہے کہ اگر اپنے دفاع میں کسی بڑے فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر دفاع کرے اور اگر خطرہ ہو تو پھر دفاع کئے بغیر خوشی سے یا ناخوشی سے موت کو گلے لگا لے، لہذا دفاع کے جواز کی روایات عدم فتنے کی صورت پر محمول ہیں جبکہ باب کی روایت فتنے کے برپا ہونے کے اندیشے پر، مثلاً اگر آدمی سمجھتا ہے کہ اگر میں اپنے دفاع میں گولی چلاؤں تو حملہ آور میرے گھر کو بارود سے اڑا دیں گے جس سے میرے علاوہ اہل خانہ بھی نشانہ بن جائیں گے یا مجھے قتل کر کے گھر والوں کو قیدی بنالیں گے اس طرح ان کی ایذا و آبروریزی کا سبب میں بن جاؤں گا تو پھر کوئی مزاحمت نہ کرے، غرض اہون البلیتین کو اختیار کر لینا چاہئے۔ واللہ اعلم اتم

فتنہ کے وقت قتال کا حکم:

اس میں اختلاف ہے کہ فتنہ کے زمانے میں اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں قتل و قتال شروع کر دیں تو ان کا ساتھ دیا جائے یا کنارہ کشی اختیار کی جائے؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے فتنہ میں کسی کا ساتھ نہ دیا جائے، اگر وہ فتنہ اس کے گھر میں داخل ہو

جائے اس وقت بھی بطور دفاع کے قتل و قتال درست نہیں۔

② عبد اللہ بن عمر اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما وغیرہ کے نزدیک قتال میں ابتداء شرکت تو جائز نہیں لیکن دفاع کے طور پر قتل و قتال درست ہے، گویا ان دونوں حضرات کے نزدیک فتنہ میں داخل ہونا جائز نہیں البتہ اپنے دفاع میں قتال کیا جاسکتا ہے۔

③ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک فتنہ کے زمانے میں بھی حق کا ساتھ دینا چاہئے اور باغیوں کے خلاف برسر پیکار ہونا چاہئے کیونکہ اگر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو فتنہ مزید پھیل جائے گا، اس کی سرکوبی کرنا ضروری ہے، قرآن کہتا ہے: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾ (الحجرات: ۹) یہ صحیح قول ہے۔

جمہور کے نزدیک حدیث باب اس صورت پر محمول ہے جس میں حق کسی جانب واضح نہ ہو یا یہ کہ دونوں جماعتیں شرعی اعتبار سے ظالم ہوں، حق پر نہ ہوں، ایسی صورت میں کسی جماعت کا ساتھ دینا جائز نہیں بلکہ کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

(فتح الباری ۳۸/۱۳ کتاب الفتن باب تكون فتنه القاعد.....)

سند کی بحث: یہ حدیث ابو داؤد (حدیث 4257) میں بھی اس بُسر بن سعید اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے درمیان حسین بن عبد الرحمن اشجعی کا واسطہ ہے، اور مسند احمد (1:185) میں ترمذی ہی کی سند ہے، پس صحیح یہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ سَتَكُونُ فِتْنَةٌ قَطَعَ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

باب ۲۸: عنقریب شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنہ ہوں گے!

(۲۱۲۱) بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتْنًا قَطَعَ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبْدِعُ أَحَدُهُمْ دِينَهُ بَعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نیک اعمال میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنہ آجائے جس میں آدمی صبح کے وقت مؤمن ہوگا اور شام کے وقت کافر ہوگا اور جو شام کو مؤمن ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا کوئی شخص دنیا کے تھوڑے سے سامان کے عوض میں اپنے ایمان کو فروخت کر دے گا۔

(۲۱۲۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَيْقِظَ لَيْلَةً فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا يَأْتِي رَبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةً فِي الْآخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے نازل ہوئے ہیں اور آج رات کتنے خزانے نازل ہوئے ہیں کون ہے جو حجروں میں رہنے والیوں کو بیدار کرے دنیا میں لباس پہننے والی کتنی ہی عورتیں آخر میں برہنہ ہوں گی۔

(۲۱۲۳) تَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتْنٌ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُحْسِبُ كَافِرًا وَيُحْسِبُ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ أَقْوَامٌ دِينَهُمْ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قیامت سے پہلے کچھ ایسے فتنے ہوں گے جو تاریک رات کے ٹکڑے کی طرح ہوں گے ان میں آدمی صبح کے وقت مومن ہوگا تو شام کے وقت کافر ہوچکا ہوگا اور جو شام کے وقت مومن ہوگا تو صبح کے وقت کافر ہوچکا ہوگا لوگ دنیا ساز و سامان کے عوض میں اپنا دین فروخت کر دیں گے۔

(۱۲۵۲) قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَرَجُلٌ سَأَلَهُ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أَمْرٌ يَمْنَعُونَا حَقَّنَا وَيَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ.

ترجمہ: علقمہ بن وائل اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ایک شخص نے آپ سے سوال کیا وہ بولا آپ کا کیا خیال ہے اگر ہم پر ایسے حکمران مقرر ہو جائیں جو ہمارا حق ادا نہ کریں اور ہم سے اپنے حق کا تقاضا کریں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا کیونکہ ان کا فرض ان کے ذمے اور تمہارا فرض تمہارے ذمے ہے۔

تشریح: کقطع الليل المظلم: بکسر القاف وفتح الطاء جمع قطعۃ بمعنی ٹکڑا اس کا مطلب یہ ہے کہ اندھیری رات میں جس طرح کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ایسے فتنے ہوں گے کہ ان میں اصلاح و فساد واضح نہ ہو سکے گا اور سبب بھی مخفی ہوگا اور خلاصی کی صورت بھی نہ ہوگی۔ لہذا تم ان فتنوں کے آنے سے پہلے پہلے اعمال صالحہ کرو کیونکہ فتنوں کے زمانہ میں اعمال کا موقع نہیں ملے گا۔

مومنًا: یا تو اصل ایمان مراد ہے یا کمال ایمان۔ کافرًا علی الحقیقۃ یا کافر نعمت یا مشابہ بالکفار مراد ہے حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ فتنوں کا ایسا زمانہ ہوگا کہ صبح کو کسی شے کو حلال سمجھے گا اور شام کو حرام و بالعکس کما قالہ الترمذی فی ہذا الباب۔

یبيع احدهم دینہ بعرض من الدنیا: مظہر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اول: مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان محض عصبیت اور غضب کے نام پر قتال ہوگا اور وہ جان ایک دوسرے سے چھین لینے کا جائز سمجھیں گے۔

دوم: اس کا مطلب یہ ہے کہ امراء ظالم ہوں گے مسلمانوں کا خون بہائیں گے اور ان کے اموال کا ظلم حاصل کریں گے شراب پیئیں گے زنا کریں گے اور ان کے معتقدین ان کو حق پر سمجھیں گے نیز علماء سوء بھی جواز کے فتاویٰ صادر کریں گے۔

سوم: لوگ خلاف شرع معاملات کریں گے اور اس کو حلال سمجھیں گے جیسا کہ عموماً آج کل ایسا ہوتا ہے۔

لعنات: اس یقظ لیلۃ: بخاری میں فرعاً کا اضافہ بھی ہے۔ سبحان اللہ! قال تعجباً و استعظاماً۔ ماذا انزل: ما استفہامیہ تعجب اور تعظیم کے معنی کو متضمن ہے۔ انزل: مجہول یا تو اس سے مراد اللہ کا ملائکہ کو حکم دینا ہے یا مراد اللہ تعالیٰ کا وحی کرنا ہے بحالت نوم آپ ﷺ کو یہ وحی کی گئی کہ آئندہ عالم میں فتنے ہوں گے۔ خزائن: سے مراد اللہ کی رحمتیں اور فتن سے مراد اللہ کے عذاب ہیں۔ من یوقظ: استفہام ای بل احد یوقظ۔ صواحب الحجرات: اس سے مراد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں چونکہ

ازواج حاضر تھیں اس لئے ان کی تخصیص فرمائی یا ابداء بنفسک ثم بمن تعول پر عمل فرمایا ہے۔ یا رب کاسیۃ: رب برائے نکثیر ہے اور منادی محذوف ہے یا سامعین۔ عاریۃ: یا تو یہ مجرور ہے عطفاً علی کاسیۃ قال عیاض الا کثر علیہ یا خبر مبتداء محذوف کی ای ہی عاریۃ۔

يَا رَبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَّةٌ فِي الْآخِرَةِ. حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کاسیہ اور عاریۃ کے مطالب میں متعدد اقوال ہیں:
الاولی: رب کاسیۃ فی الدنیا بالشیاب لوجود الغنی عاریۃ فی الآخرۃ من الثواب لعدم العمل فی الدنیا.
”بہت ساری دنیا میں کپڑا پہننے والی عورتیں آخرت میں ثواب سے نگی (خالی) ہوں گی کیوں کہ دنیا میں اعمال نہیں کئے۔“
الثانی: کاسیۃ بالشیاب لكنها شفافة لا تستر عورتها فتعاقب فی الآخرۃ بالعمی جزاء علی ذالک.
”کپڑے پہننے والیں لیکن اتنے باریک ہوں گے جن سے بدن نہیں چھپے گا آخرت میں ننگا ہونے کا عذاب اس کے بدلے میں ہوگا۔“

الثالث: کاسیۃ من نعم الله عاریۃ من الشکر الذی تظهر ثمرته فی الآخرۃ بالثواب.
”اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال لیکن شکر سے خالی ہوں گی جس کا ثمرہ آخرت میں ظاہر ہوگا۔“

الرابع: کاسیۃ جسدھا لکنھا تشد خمارھا من ورائھا فیبدو صدرھا فتصیر عاریۃ فتعاقب فی الآخرۃ.
”اپنے جسم کو تو ڈھانپتی ہیں لیکن دوپٹے کو پیچھے سے باندھ لیتی ہیں جس کی وجہ سے اُن کا سینہ ظاہر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ نگی ہو جاتی ہیں آخرت میں عذاب ملے گا۔“

الخامس: کاسیۃ من خلعة الزوج بالرجل الصالح عاریۃ فی الآخرۃ من العمل فلا ينفعها صلاح زوجها کہا
قال تعالیٰ فلا انساب بینہم ذکر هذا الاخیر الطیبی ورجحہ.

علامہ ابن بطلال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت میں اشارہ ہے کہ خزائن و اموال کی کثرت موجب فتنہ ہے کہ اولاً تنافس پھر تحاسد
يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمُتُّ بِكَافِرًا: اس سے کیا مراد ہے، کیا واقعتاً وہ کافر ہو جاتا ہے، اس میں کئی احتمال ہیں:
① بعض کے نزدیک وہ حقیقتاً کافر ہو جائے گا اور وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

② بعض کے کہتے ہیں اس میں کفران نعمت یعنی ناشکری مراد ہے۔

③ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کافروں کے مشابہ ہو جائے گا یا اس کا یہ عمل کفارہ کی طرح ہوگا۔

④ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی صبح کو اپنے بھائی کی جان و مال اور عزت و آبرو کو حرام سمجھے گا مگر شام کو حلال اور اس ک برعکس، غرض یہ کہ انسان کے قائد و نظریات بہت جلدی جلدی تبدیل ہوں گے۔

صواحب الحجرات سے ازواج مطہرات فضیلتیں مراد ہیں، ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اس وقت وہی حاضر تھیں یا اس وجہ سے کہ اپنے بعد اپنے اہل عیال کی دینی زندگی کی فکر کرنے کا حکم ہے۔ نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کے زمانے میں دعاؤں کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہئے۔

فانما علیہم ما حملوا..... علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں جار مجرور یعنی علیہم کو مقدم کر کے کلام میں حصر اور تاکید

کرنا مقصود ہے کہ حکمرانوں پر وہی کچھ لازم ہے جس کے وہ مکلف ہیں اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے گنہگار ہوں گے، ایسے ہی رعایا پر جائز امور میں ان کی اطاعت واجب ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ماخوذ ہوں گے۔

(تحفۃ الاحوذی 442/6 قدیمی کراچی)

مذہب فقہاء: یہ ہے کہ اگر حکمران فاسق ہو جائے ① حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ معزول یعنی برطرف ہو جاتا ہے۔
② احناف کے نزدیک وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسے معزول کر دیا جائے، ایسے حالات میں اگر کوئی شخص امام کی اطاعت سے روگردانی کر دے تو بظاہر اسے بغاوت نہیں کہنا چاہئے بلکہ اسے اس اقدام پر اجر و ثواب ملنا چاہئے؟ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی صورتحال میں بھی اسمعوا کا حکم دیا ہے کہ جائز امور میں حاکم کی اطاعت کی جائے، علم بغاوت نہ بلند کیا جائے کیونکہ چھوٹی جماعت اگر حکومت کے خلاف آواز اٹھائے گی تو وہ حکومت کے ساتھ مقابلہ کرنے سے تورہی، لیکن اس کی وجہ سے طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے اور نہ جانے کتنے ہی لوگ مارے جائیں گے جیسا کہ عبد اللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے افسوسناک واقعات اس پر شاہد ہیں ہمارے اس دور میں بھی کئی سارے واقعات اسی قسم کے پیش آئے ہیں جن میں بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوا ہے اس لئے فتنوں کے دور میں کنارہ کش ہو کر زندگی گزارنا چاہئے تاکہ کسی اقدام سے اسلام اور اہل اسلام کی شان و شوکت کو نقصان نہ پہنچے۔ (الکوکب الدری 140/3)

تجربہ سب نے دیکھا کہ حکومت پاکستان کے ہاتھوں بے شمار لوگ لقمہ اجل بن گئے یا غائب ہو گئے یا فروخت کئے گئے، بنا بریں جب تک کفر بواح نہ ہو تو صبر کا دامن تھامنا ہی عقلمندی ہے تاکہ یہ مقولہ صادق نہ آئے ”کمن بنا قصر او هدم مصر“ مزید تفصیل پہلے گزری ہے۔

عَلَيْكُمْ مَا حُجِّلْتُمْ: اس دنیا میں ہر شخص کے حقوق و فرائض ہیں: فرائض ادا کرنے ہیں اور حقوق مانگنے ہیں لیکن لوگ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں اور حقوق طلبی میں چست ہوتے ہیں، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے، اول فرائض ادا کرنے چاہئیں، پھر حقوق کی خواہش کرنی چاہئے، جیسے ماں باپ پر، استاذ پر، حاکم پر، شوہر پر، اولاد کے، طلبہ کے، پبلک کے اور بیوی کے حقوق ہیں ان کے پہلے ادا کرنا چاہئے کیونکہ یہ فرض منصبی ہے، پھر اپنے حقوق کی خواہش کرنی چاہئے مگر لوگ فرائض تو ادا کرتے نہیں اور حقوق کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات سمجھائی ہے کہ اگر حکام اپنی ذمہ داری پوری نہ کریں اور حقوق کا مطالبہ کریں تو تمہیں اپنی ذمہ داری پہلے پوری کرنی چاہئے، ان کی بات سننی چاہئے اور ان کا حکم ماننا چاہئے، پھر اگر وہ تمہارے حقوق ادا نہیں کریں گے تو وہ خود ماخوذ ہوں گے اور تم سب دوش رہو گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْهَرْجِ

باب ۲۹: قتل کی گرم بازاری

(۲۱۲۶) إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا الْهَرْجُ قَالَ الْقَتْلُ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تمہارے بعد ایسا زمانہ آئے گا جس میں علم کو اٹھالیا جائے گا اور اس میں ہرج بکثرت ہوگا لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہرج کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا قتل (وغارت گری)۔
تشریح: علم اٹھالئے جانے کا مطلب: یہ ہے کہ علم کی گرم بازاری ختم ہو جائے گی، لوگ فتنوں میں پڑ جائیں گے اور فتنے بڑھ کر بلوہ کی شکل اختیار کر لیں گے، پس جو شخص آنے والے ان حالات سے واقف ہوگا وہ ان میں کم حصہ لے گا، وہ اپنے کام میں مشغول رہے گا، آج کل فتنوں کا دور ہے، اخبار اور ریڈیو وغیرہ اس کثرت سے سیاسی باتیں پھیلاتے ہیں کہ ہمارے طلبہ بھی ان میں دلچسپی لینے لگتے ہیں اور ان کی علمی محنت ماند پڑ جاتی ہے، طلبہ عزیز کو چاہئے کہ ان امور کی طرف قطعاً التفات نہ کریں، تاکہ ان کی علمی زندگی برباد نہ ہو۔

اور علم کو اٹھالیا جائے گا: یرفع العلم کے معنی یہ ہیں کہ اہل علم سے اس علم پر عمل اٹھالیا جائے گا یعنی وہ علم ان کے لئے نافع نہیں رہے گا۔

(۲۱۲۷) الْعِبَادَةُ فِي الْهَرَجِ كَالْهَجْرَةِ إِلَىٰ

ترجمہ: معنی بن زیاد نے اس روایت کو معاویہ بن قرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اسے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اسے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (نبی اکرم ﷺ) فرماتے ہیں ہرج کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف سے ہجرت کرنے کی مانند ہوگا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے والے کو جو اجر و ثواب ملتا تھا اسی طرح فتنہ و فساد اور قتل و خونریزی کے زمانے میں عبادت کرنے پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے، کیونکہ عموماً ایسے حالات میں بہت سے لوگ عبادت سے غافل اور طرح طرح کی الجھنوں میں پھنس جاتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں عبادت کرنا فضیلت کا باعث ہے۔

العبادة في الهرج كهجرة الى ابن العربي رضی اللہ عنہ اس تشبیہ کی وجہ بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ پہلے لوگ دین کی حفاظت کی خاطر ہجرت کر کے دارالکفر سے دارالایمان کی طرف جاتے تھے مگر جب فتنے ہوں (یعنی کوئی جگہ محفوظ نہ رہے) تو اس وقت تحفظ دین کی خاطر لوگوں سے الگ ہو کر عبادت کرنا متعین ہو جاتی ہے جو ہجرت کی ایک قسم ہے، سند میں ”ردہ“ بمعنی نسبہ ہے یعنی اس کو منسوب کیا۔ کیونکہ ہر گناہ کا یہ ضابطہ ہے کہ آدمی جب تک اس سے دور رہتا ہے تو اس کی شاعت، برائی اور ہولناکی و بد انجامی کا تصور ذہن پر غالب رہتا ہے، مگر ایک دو دفعہ اس کے ارتکاب سے اس کا خوف ختم ہو جاتا ہے اور وہ عام معمولات زندگی کی طرف زندگی کا ایک حصہ بن جاتا ہے علیٰ ہذا جب قتل کا اقدام کیا جاتا ہے تو اس کے بعد اس علاقے یا قوم میں قتل فروغ پاتا ہے۔ والعیاذ باللہ

(۲۱۲۸) إِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرَفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو وہ تلوار قیامت تک ان سے اٹھائی نہیں جائے گی (یعنی قیامت تک ان میں قتل و غارت گری ہوتی رہے گی)۔

تشریح: ابن العربی رضی اللہ عنہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ یہ امت قتل عام غارت گیری سے معصوم و مامون تھی مگر جب اس کے امام حضرت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو فتنوں کا بند دروازہ کھول دیا گیا: ”وقد قال لهم عبد الله بن سلام: لا تسلوا سيف الفتنة المغمود عنكم.“

ایسی صورت حال میں جب اصلاح ممکن نہ ہو کیا کرنا چاہئے اس کو اگلی حدیث میں بیان کیا گیا ہے:
”العبادة في الهرج كهجرة الى“ (رواه مسلم ص: 406، ج 2) (حسن صحیح)
”فتنوں میں عبادت ایسی ہی ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا۔“

جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی یعنی تلوار نکل آئے گی تو پھر قیامت تک امت سے اٹھائی نہیں جائے گی، یعنی پھر فتنے آتے ہی رہیں گے، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا شروع ہو جائے گا اور یہی ہرج مرج ہے۔
سند کی بحث: ردی الی: رفع حدیث کا نیا انداز ہے یعنی معنی نے حدیث کو لوٹایا معاویہ کی طرف ای روی عنہ۔ جب تلوار میان سے نکل آتی ہے تو واپس نہیں جاتی۔

لغات: قوله ”الهرج“ اس کی تفسیر و مراد وہی ہے جو خود ہی حدیث میں آئی ہے یعنی باہمی قتل و قتال، تاہم بعض روایات میں ہرج کا اطلاق فسق و فجور پر بھی ہوا ہے جیسا کہ ترمذی ”باب ما جاء في فتنة الدجال“ کی ایک لمبی حدیث کے ضمن میں آ رہا ہے:
”ويبقى سائر الناس يتهارجون كما يتهارج الحمر فعليهم تقوم الساعة“ (ص: 49)

غرض لغت میں اضطراب کو کہتے ہیں قتل اس کا کامل فرد ہے، حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ اگر بارہ ائمہ سے مراد قوت اسلام کا زمانہ لیا جائے تو پھر مطلب یہ ہے کہ اسلام کی قوت و شوکت کی کمزوری کی صورت میں باہمی قتل و قتال عام ہو جائے گا:

فعلى هذا التأويل يكون المراد بقوله ... ثم يكون الهرج يعني القتل الناشئ عن الفتن وقوعاً ناشئاً ويستمر ويزداد و كذا كان.

اور اگر بارہ ائمہ سے مراد نفس اسلام کے پھیلے ہوئے زمانے پر منقسم دور لیا جائے تو ”على هذا فالمراد بقوله ”ثم يكون الهرج“ اى الفتن المؤذنة بقيام الساعة من الخروج الدجال وما بعده“ انتہی ای کلام ابن حجر۔ (تاریخ الخلفاء ص: 9، ص: 10) ... لفظ وراء: اضداد میں سے ہے، پیچھے اور آگے دونوں معنی ہوتے ہیں، یہاں آگے کے معنی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِتْخَاذِ السَّيْفِ مِنْ خَشَبٍ

باب ۳۰: لکڑی کی تلوار بنانے کے بارے میں

(۲۱۲۹) قَالَتْ جَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى أَبِي قَدْعَاةٍ إِلَى الْخُرُوجِ مَعَهُ فَقَالَ لَهُ أَبِي إِنَّ خَلِيلِي وَابْنَ عَمِّيكَ عَهْدًا إِلَيَّ إِذَا اُخْتَلَفَ النَّاسُ أَنْ أَتَّخِذَ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ فَقَدْ اتَّخَذْتُهُ فَإِنْ شِئْتَ خَرَجْتُ بِهِ مَعَكَ قَالَتْ فَتَرَكَهُ.

ترجمہ: عدیہ بیان کرتی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب میرے والد کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ نکلنے کی دعوت دی تو میرے والد نے ان سے کہا میرے دوست اور آپ کے چچا زاد (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا جب لوگوں کے درمیان

اختلاف ہوگا تو میں لکڑی سے تلوار بنالوں گا وہ میں نے بنالی ہے اگر آپ چاہیں تو میں وہ لے کر آپ کے ساتھ نکل پڑتا ہوں۔
عدیہ نامی خاتون بیان کرتی ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ترک کر دیا۔

(۲۱۳۰) اِنَّهُ قَالَ فِي الْفِتْنَةِ كَثِيرٌ وَاَفْبَهًا قَسِيْتُكُمْ وَقَطَّعُوا فِيْهَا اَوْ تَارَكُكُمْ وَالزَّمُوا فِيْهَا اَجَواَفَ بُيُوتِكُمْ وَكُونُوا كَاَبْنِ اَدَمَ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتنے کے زمانے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں تم کمانوں کو توڑ دینا اپنی تانتوں کو کاٹ دینا اور اپنے گھروں کے اندر بند ہو کر رہنا اور آدم (علیہ السلام) کے بیٹے کی مانند ہو جانا (جس نے اپنے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا)۔

تشریح: لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم:

باب کی پہلی روایت میں ہے کہ صحابی نے نبی کریم ﷺ کے فرمان کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے لکڑی کی تلوار بنوائی تھی تاکہ کسی کے ساتھ قتال نہ کرنا پڑے کیونکہ لکڑی کی تلوار بنانے سے مراد ترک قتال ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بلانے کے وقت انہوں نے یہ حدیث سنا دی اور بتایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں لکڑی کی تلوار بنوائی ہے، آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں مگر میرا جانا بے فائدہ ہوگا اس لئے کہ لکڑی کی تلوار سے قتال نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت علی انہیں پھر نہیں لے گئے۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ فتنے سے گریزاں رہو بایں صورت کہ اپنے گھروں کے اندر ہی رہو کہ وہی نہایت سب سے محفوظ جگہ ہے اور اگر کوئی شخص آپ پر ہاتھ اٹھائے تو تم بجائے دفاع و مزاحمت کے ہانپل کی مانند عزیمت پر عمل پیرا رہو، کیونکہ مظلوم بننا آسان اور محفوظ ترین راستہ ہے، عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ بعض شامی لوگ یوم الحمرہ میں ایک غار میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے تعاقب میں گھس گئے اور ان سے کہا کہ نکلو تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اپنی تلوار ان کی طرف پھینکتے ہوئے نکلے، پھر اس شخص نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم ابو سعید ہو؟ انہوں نے کہا ”ہاں“ تو وہ شخص ان کے قتل سے رک گیا۔

کہ نبی کریم ﷺ نے جن فتنوں کی پیش گوئی فرمائی تھی وہ آج اسی رنگ میں سامنے آگئے اور اسلامی دنیا میں وقفے وقفے سے یا باری باری مسلسل گردش کرتے رہتے ہیں، سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول یا قومیت و عصبيت کی خاطر قتل و قتال کو تو عبادت سمجھا جاتا ہے، ایسے میں اپنا دفاع کیسے ممکن ہے نہ دشمن کا تعین ہو سکتا ہے جس سے بچا جائے اور نہ ہی وضاحت کرنے کا موقع ملتا ہے، اس لئے چاہئے کہ ہم ہر وقت توبہ تائب میں رہیں، عبادت میں سرگرم رہیں اور موت کے لئے تیار رہیں تاکہ ناگہانی موت، گناہ میں نہ آئے۔

دوسری روایت میں جنگ و جدل اور فتنوں کے موقع پر یکسو رہنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ فتنوں سے محفوظ رہا

جاسکے۔ (تحفۃ الاحوذی 446/6)

لعنات: ”فی الفتنۃ“ ای فی ایامها وزمنها، یہ اگلے افعال کے لئے ظرف ہے۔ ”کسروا“ تکسیر سے ہے یعنی توڑ دو۔
قوله ”قسیکم“ قسی بکسر القاف والسين وتشدید الیاء، قوس کی جمع ہے بمعنی کمان کے۔ قوله ”وقطعوا“ یہ بھی تفعیل سے ہے، دونوں صیغے مبالغے کے لئے ہیں یعنی ضرور توڑو اور ضرور کاٹو یا مطلب یہ ہے کہ ریزہ ریزہ۔ ”اوتارکم“ وتر کی جمع ہے، کمان کے تانت کو کہتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

باب ۳۱: علامات قیامت کا بیان (پہلا باب)

(۲۱۳۱) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيُظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَفْشُوا الزِّنَا وَتُشْرَبَ الْخُمْرُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ لِحَمْسِينَ امْرَأَةً قِيمَةٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں تمہیں ایسی حدیث سنا تا ہوں جو میں نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی سنی ہے میرے بعد کوئی بھی تمہیں یہ حدیث نہیں سنا سکے گا جس نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ حدیث سنی ہو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے قیامت کی علامات میں یہ بات شامل ہے علم کو اٹھا لیا جائے گا جہالت ظاہر ہو جائے گی زنا عام ہو جائے گا شراب پی جائے گی خواتین زیادہ ہو جائیں گی مرد کم رہ جائیں گے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک مرد ہوگا۔

(۲۱۳۲) قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ فَشَكَّوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْفِي مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ مَا مِنْ عَامٍ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوُا رَبَّكُمْ سَمِعْتُ هَذَا مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: زبیر بن عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے ان کی خدمت میں حجج کی طرف سے کی جانے والے زیادتیوں کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا ہر سال کے بعد آنے والا سال اس سے زیادہ برا ہوگا یہاں تک کہ تم لوگ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ گے میں نے یہ بات تمہارے نبی ﷺ کی زبانی سنی ہے۔

(۲۱۳۳) لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللَّهُ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔

(۲۱۳۴) تَقِيءُ الْأَرْضُ أَقْلَادَ كَبِدِهَا أَمْثَالُ الْأُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ قَالَ فَيَجِيئُ السَّارِقُ فَيَقُولُ فِي مِثْلِ هَذَا أَقْطَعْتُ يَدَيَّ وَيَجِيئُ الْقَاتِلُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قَتَلْتُ وَيَجِيئُ الْقَاطِعُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قُطِعَتْ رَحْمِي ثُمَّ يَدْعُو نَهْ فَلَا يَأْخُذُونَ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا زمین اپنے خزانوں کو سونے اور چاندی کے ستونوں کی طرح اگل دے گی تو چور آئے گا اور کہے گا کہ اسی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا قاتل آئے گا تو کہے گا اسی وجہ سے میں نے قتل کیا تھا رشتہ داری کے حقوق کو پامال کرنے والا آئے گا تو کہے گا کہ اسی وجہ سے میں نے رشتہ داری کے حقوق کو پامال کیا تھا پھر وہ اسے چھوڑ دیں گے اور میں سے کچھ نہیں لیں گے۔

باب

باب ۳۲:

(۲۱۳۵) لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكْعُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیا کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک خاندانی احمق دنیا میں سب سے زیادہ سعادت مند نہیں سمجھے جائیں گے۔

تشریح: علامات قیامت:

اس باب کی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت کی بعض علامتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی حدیث میں پانچ علامتیں بیان کی گئی ہیں کیونکہ دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح میں ان سے خلل پڑتا ہے۔ ان پانچ امور کو آپ ﷺ نے علامات قیامت میں شمار کیا ہے چنانچہ رفع علم و ظہور جہل سے دین تباہ ہوگا اور شرب خمر سے عقل اور زنا سے نسب اور کثرت فتن جو عورتوں کی کثرت کا نتیجہ ہے اس میں نفس و مال کی تباہی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ عالم کی تباہی میں ان امور مذکورہ کو زیادہ تر دخل ہے ظاہر ہے کہ جب یہ امور پائے جائیں گے تو عالم میں فساد ہوگا پھر تو قیامت آہی جائے گی اس وجہ سے ان پانچ امور کو علامت قیامت میں سے شمار کیا گیا ہے قالہ الکرمانی وغیرہ۔

لا یحدثکم احد بعدی: ممکن ہے کہ ان کا یہ فرمان بصرہ میں ہو کہ وہاں دوسرا کوئی شخص صحابی نہ ہوگا، لانہ آخر من مات بالبصرۃ من الصحابة قالہ الحافظ۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ ان کا یہ فرمان عام ہے کیونکہ ان کو بعض حضرات نے آخر من مات من الصحابة بھی شمار کیا ہے یا ممکن ہے ان کا یہ فرمان اس روایت کے راوی ہونے کے اعتبار سے ہو۔

ان یرفع العلم: محلاً منصوب ہے کہ ان کی خبر ہے رفع سے مراد موت العلماء ہے بخاری شریف میں ان یقل العلم واقع ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان یقل العلم اول علامت ہے اور ان یرفع العلم آخری علامت ہے یا قلت فرما کر عدم فرادہ ہے۔ کہا یطلق العدم ویراد بہ القلة وهذا الیق لا اتحاد المخرج۔

یفشوا الزنا: بالقصر علی لغت اهل الحجاز قدور فی التنزیل والہدلاہل نجد۔

ویشرب الخمر: بضم الیاء اس سے مراد کثرت ہے یعنی لوگ بکثرت شراب پینے لگیں گے۔

یکثر النساء: عورتوں کی کثرت کی وجہ کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں بعض فرماتے ہیں کہ عورتوں کی کثرت اس وجہ سے ہوگی کہ فتنے بہت ہوں گے قتال ہوگا لوگ قتال میں مرجائیں گے عورتیں جہاد نہیں کرتی ہیں وہ باقی رہ جائیں گی۔

ابو عبد الملك رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے کثرت فتوح کی طرف کہ مسلمانوں کو خوب فتوحات ہوں گی عورتیں قید کر کے لائی جائیں گی ایک ایک آدمی کے پاس کثیر موطوآت جمع ہوں گی۔ مگر حافظ رحمہ اللہ نے اس قول کو رد فرمایا بلکہ مراد یہ کہ آخر زمانہ میں مردوں

کی پیدائش کم ہوگی اور عورتوں کی پیدائش زیادہ ہوگی۔

خمسین امراة: یا تو یہ حقیقت پر محمول ہے یا محض کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے چونکہ دوسری روایت ہے: الرجل الواحد يتبعه اربعون امراة۔

پچاس عورتوں کا ذمہ دار ایک شخص رہ جائے گا کہ کل کا کل خاندان فتنوں کی نذر ہو جائے گا صرف ایک شخص پر سب کا بوجھ ہوگا یا یہ مراد ہے کہ زنا اتنی کثرت سے ہوگا کہ ایک ایک شخص کے پاس پچاس پچاس مزنیہ ہوں گی۔

ما من عام الا والذي بعده شر: بخاری شریف میں ہے: فقال اصبروا فانه لا ياتي عليكم زمان الا والذي بعده شر منه... حتى تلقوا ربكم: ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اعلام نبوة میں سے ہے کہ آپ ﷺ نے فساد احوال کی خبر پہلے ہی دے دی تھی جو بالکل صادق اور سچی ہے جس کا مشاہدہ آج سب ہی کو ہو رہا ہے جو صلاح و خیر کچھ زمانہ پہلے تھی اب نہیں رہی لوگ گزشتہ زمانہ یاد کرتے ہیں۔

اعتراض: ① بعض زمانے ایسے گزرے ہیں کہ وہ شر کے اعتبار سے پہلے زمانہ سے کم ہیں چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ حجاج کے تھوڑا بعد کا ہے بلکہ علماء نے فرمایا کہ حجاج کے زمانہ میں جو شرف و فتنہ تھا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں آکر مضحل ہو گیا تھا حسن بصری رحمہ اللہ نے اکثر و بیشتر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ کی تعریف ہی کی ہے چنانچہ ان سے پوچھا گیا حجاج کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے وجود کے بارے میں تو فرمایا: لا بد للناس من تعفيس۔

جواب: ① زمانہ کا خیر ہونا من حیث المجموع ہے ظاہر ہے کہ حجاج کے زمانہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں ختم ہو گئے تھے اور جو زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے وہ بہتر ہے بعد والے سے لہذا قال اللہ ﷻ خیر القرون قرنی۔

جواب: ② ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد والے زمانہ کو پہلے کے مقابلہ میں شر کہنا علم کے اعتبار سے ہے کہ اول زمانہ علم والا اس سے کہ بعد علم کم ہوتا چلا جائے گا لہذا جب علم ختم ہوگا تو علماء نہ ہوں گے تو فساد ہی فساد ہوتا رہے گا کہ جہاں فتادی دیں گے لوگ ان پر عمل پیرا ہو کر فتنوں میں مبتلا ہوں گے۔

اعتراض: ① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کو لے کر بھی کہا گیا کہ ان کا زمانہ تو کل کا کل خیر ہوگا جو دجال کے نکلنے کے بعد ہوگا؟

جواب: ① علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ ہے

جواب: ② یادہ زمانہ مراد ہے جو امراء کا زمانہ گزرا ہے جس میں شر غالب رہا ہے۔

جواب: ③ اس سے مراد علامات قیامت کے ظاہر ہونے سے پہلا زمانہ ہے تو اب زمانہ حجاج سے عیسیٰ علیہ السلام تک کے زمانہ میں یہ شرأ تفاضل ہوگا۔

تَقِيءُ الْأَرْضَ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا أَمْحَا أَلْأُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ روایت کا حاصل: یہ ہے کہ قیامت کے قریب زمین اپنے اندر کے وہ خزانے اگل دے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ودیعت رکھے ہیں مراد سونے اور چاندی کے خزانے ہیں جو ستونوں کی طرح ہوں گے اب زیادہ سونا و چاندی ہونے کی بناء پر ان کی زیادہ قدر نہ ہوگی چور دیکھ کر کہے گا فسوس اس کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا اسی طرح قاتل و قاطع بھی اس پر فسوس کریں گے دنیا کی زیادہ قدر نہ ہوگی۔ ثم يدعونہ: بفتح الدال بمعنی یترو کونہ فلایا

خزون منہ شیعہ اس کی وجہ یا تو فتنوں کی کثرت کہ اموال کو لینے کا موقع نہ ملے گا یا مال کی کثرت کہ ہر ایک کے پاس مال ہوگا چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ لا تقوم الساعة حتی یکثر المال فیکم الحدیث رواہ الشیخان۔
اسعد الناس: بالنصف والرفع مالک نے فرمایا اسعد الناس منصوب ہے کہ کیون کی خبر ہے بعض نے رفع ضبط کیا ہے کہ ضمیر شان یکون کا اسم ہے اور اس کے بعد کا جملہ اس کی تفسیر ہے اور اسعد الناس کو اسم اور لکع بن لکع کو خبر بنانا درست نہیں ہے کہ اس صورت میں معنی فاسد ہو جاتے ہیں کما لا یخفی یعنی جو شخص کثیر مال والا دنیا میں خوش عیش بڑے منصب والا زیادہ حکم چلانے والا ہوگا وہ کمینہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔

روایت کا حاصل یہ ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب دنیا میں فساد اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ جو شخص جس قدر کمینہ ہوگا اتنا ہی اس کو بلند مرتبہ شمار کیا جائے گا چنانچہ آج کل ایسا ہی ہو رہا ہے کہ وہ اقوام جو انتہائی کمینہ شمار ہوتی تھیں آج وہ اعلیٰ منصب پر فائز نظر آتی ہیں اور ان کو اسعد الناس شمار کیا جاتا ہے۔

لغوی تحقیق: اشراط: شرط (شین اور را پر زبر) کی جمع ہے، علامت، نشانی۔ قیہ: (قاف پر زبر اور یا مشدد کے نیچے زیر) نگران، منتظم۔ لکع: لام پر پیش اور کاف پر زبر) کمینہ، بیوقوف، جھوٹا، جس کی اصل معلوم نہ ہو، یہاں پر کمینہ کے معنی میں ہے۔ تقی: یہ تی سے ہے، اگل دے گی، نکال دے گی۔ افلاذ: فلذة (فا کے نیچے زیر) کی جمع ہے، کسی چیز کا وہ ٹکڑا جو لمبائی میں کاٹا گیا ہو، اور فلذ کے معنی ہیں اونٹ کا جگر، جبکہ تلذة (ة کے ساتھ) کے معنی ہیں جگر کا ٹکڑا، سونے یا چاندی کا ٹکڑا اور گوشت کا ٹکڑا، افلاذ کبد الارض سے زمین کی معدنیات مراد ہیں، انہیں ”جگر کے ٹکڑوں“ کے ساتھ اس لئے تعبیر کی گیا ہے کہ یہ زمین کا خلاصہ اور جوہر ہوتی ہیں جس طرح کہ اونٹ کی سب سے اصل چیز اس کا جگر ہوتا ہے، یہ زمین ان تمام معدنیات کو باہر نکال دے گی۔ کبد: (کاف پر زبر اور با کے نیچے زیر) جگر، کلیجہ۔ اسطوان: ستون، کھمبا۔ ثم یدعونہ: (یا اور دال پر زبر کے ساتھ) یہ سب اس مال و خزانے کو چھوڑ دیں گے، کچھ نہیں لیں گے۔

لکع بن لکع: بضم اللام وفتح الکاف غیر منصرف ای لئیم بن لئیم یعنی ردی النسب والحسب بعض نے فرمایا: لا یعرفہ لہ اصل ولا یحمدلہ خلق قالہ القاری وفي النہایہ لکع عند العرب للعبد ثم استعمل فی الحمق والذم۔ اسی طرح اس کا اطلاق صغیر پر بھی ہوتا ہے: کہا جاء فی روایۃ انہ رضی اللہ عنہ یطلب الحسن بن علی رضی اللہ عنہ قال اثم لکع۔

باب

باب ۳۳: علامت قیامت کا بیان (دوسرا باب)

(۲۱۳۶) إِذَا فَعَلْتَ أُمِّي ثَمَسَ عَشْرَةٌ خَصْلَةٌ حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ قَبْلَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُولًا وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وَعَقَى أُمَّهُ وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَّ أَبَاهُ وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَشَرِبَتِ الْخُمُورُ

وَلَيْسَ الْحَرِيرُ وَالْمَخِزُّ وَالْمَعَارِفُ وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوْلَاهَا فَلْيَزْتَقَبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرًا أَوْ خَسْفًا أَوْ مَسْخًا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب میری امت میں پندرہ حصتیں پیدا ہو جائیں گی تو ان پر بلائیں ٹوٹ پڑیں گی عرض ہے یا رسول اللہ وہ کون سی ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب مال غنیمت ذاتی دولت بن جائے گی امانت کو غنیمت سمجھا جائے گا زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جائے گا آدمی اپنی بیوی کی پیروی کرے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا آدمی اپنے دوست کے ساتھ بہتری کرے گا اور باپ کے ساتھ زیادتی کرے گا مساجد میں اونچی آواز میں باتیں کی جائیں گی ذلیل لوگ حکمران بن جائیں گے کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے گی شراب پی جائے گی ریشمی کپڑا پہنا جائے گا گانا بجانے والی لڑکیاں اور گانے بجانے کا سامان حاصل کیا جائے گا اور اس امت کے آخر میں آنے والے لوگ پہلے والوں پر لعنت کریں گے تو اس وقت وہ انتظار کریں یا تو سرخ آندھی آئے گی یا زمین میں دھنسنے کا عذاب ہوگا یا چہرے مسخ ہو جائیں گے۔

(۲۱۳۷) إِذَا اتَّخَذَ الْفَيْحُ دُولًا وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا وَتُعَلِّمُ لَغَيْرِ الدِّينِ وَأَطَاعَ الرَّجُلُ أَمْرًا تَهُ وَعَقَى أُمَّهُ وَأَذْنَى صَدِيقَهُ وَأَقْصَى أَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيلَةُ فَاسْقُفُهُمْ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْدَلَهُمْ وَأَكْرَمَ الرَّجُلُ خِفَافَةَ شَرِّهِ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَارِفُ وَشَرِبَتِ الْخُمُورُ وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوْلَاهَا فَلْيَزْتَقَبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرًا أَوْ زَلَّةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تَتَابِعُ كِنَظَامٍ بِأَلٍ قُطِعَ سَبْلُكَ فَتَتَابِعُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب مال غنیمت کو ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگے گا اور امانت کو غنیمت سمجھا جانے لگے گا زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے اور دین کے علاوہ دیگر علوم حاصل کیے جائیں اور آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے وہ اپنے دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور باپ کے ساتھ زیادتی کرے اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں اور قبیلے کا سب سے گنہگار شخص ان کا سردار اور سب سے بدترین شخص قوم کا رہنما ہو اور اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے اور گانے بجانے والی لڑکیاں اور گانے بجانے کا سامان عام ہو جائے شراب پی جائے امت کے آخری زمانے میں لوگ پہلے کے لوگوں کو برا کہنا شروع کر دیں تو ان لوگوں کو اس وقت سرخ آندھی زلزلے زمین میں دھنسنے چہرے مسخ ہو جانے یا آسمان سے پتھر نازل ہونے کا انتظار کرنا چاہیے یہ نشانیاں اس طرح ظاہر ہوں گی جیسے کسی ہمار کا دھاگہ ٹوٹ جائے (تو دانے بکھر جاتے ہیں)۔

(۲۱۳۸) فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَتَى ذَلِكَ قَالَ إِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَارِفُ وَشَرِبَتِ الْخُمُورُ.

ترجمہ: حضرات عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس امت میں زمین میں دھنسنے چہرے مسخ ہو جانے اور آسمان سے پتھر برسائے جانے کا (عذاب ہوگا) مسلمانوں میں سے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کب ہوگا تو نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا جب گانے والی عورتوں اور گانے کے آلات کا رواج ہو جائے گا اور شراب (عام) پی جائے گی۔

تشریح: حدیث: ① نبی ﷺ نے فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر بلا اترے گی، پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ پندرہ کام کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) اِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دَوْلًا: جب غنیمت کا مال دولت سمجھا جائے، یعنی بادشاہ اور رئیس اس کو اپنے باپ کا مال سمجھیں اور غریب مسلمانوں پر شرع کے موافق تقسیم نہ کریں۔ المغنم: الغنیمۃ: جمع مغانم، جنگ میں بزور حاصل کیا ہوا مال، مجازاً مال مفت، بلا مشقت حاصل شدہ چیز، اور دَوْلًا: دولة یا دولة کی جمع: دست گرداں چیز یعنی ادل بدل ہونے والی چیز۔ جو کبھی کسی کے پاس ہو اور کبھی کسی کے پاس۔

(۲) وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا: اور امانت کا مال لوٹ کا مال سمجھا جائے، لوگ امانتوں کو کھا جائیں اور صاحب کو مال واپس نہ کریں۔
(۳) وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا: اور زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جائے، جب زکوٰۃ کے بارے میں یہ تصور ہو جائے گا تو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو بس برائے نام ادا کریں گے، رضاء و رغبت سے ادا نہیں کریں گے۔
(۴) وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ: آدمی اپنی بیوی کا کہنا مانے، یعنی اس کا ہر جائز ناجائز مطالبہ پورا کرے اور اس کی غلط سلط باتیں سن کر خاندان سے بگاڑ لے۔

(۵) وَعَقَّ امْرَأَتَهُ: اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے، یعنی ماں کے مقابلہ میں بیوی کو ترجیح دے، اس کی باتیں سننے اور ماں کے ساتھ بدسلوکی کرے۔

(۶) وَبَرَّ صَدِيقَهُ: اور اپنے دوست کے ساتھ حسن سلوک کرے، اس کے ساتھ نرم مزاجی سے پیش آئے۔

(۷) وَجَفَّ أَبَاهُ: اور اپنے باپ کے ساتھ ظلم روا رکھے، اس پر ظلم ستم ڈھائے۔

(۸) وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ: اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں یعنی ان پاک جگہوں کا احترام دل سے نکل جائے، وہاں لوگ باتیں اور شور و شغب کرنے لگیں۔

(۹) وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ: اور قوم کا ذلیل ان کا سردار بن جائے، یعنی کمینوں کا راج ہو جائے (زعیم القوم خبر مقدم ہے)۔

(۱۰) وَأَكْرَمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ: اور آدمی کی عزت کی جائے اس کی برائی کے ڈر سے، یعنی اس کی شرافت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی شرافت کی وجہ سے لوگ اس کا اکرام کریں۔

(۱۱) وَشَرِبَتِ الْخَمُورُ: اور شرابیں پی جائیں، یعنی شراب نوشی عام ہو جائے۔

(۱۲) وَلَيْسَ الْحَرِيرُ: اور ریشم پہنا جائے، یعنی مردوں میں ریشم پہننے کا رواج چل پڑے۔

(۱۳) وَاتَّخَذَتِ الْقِيَانُ: اور گانے والی باندیاں رکھی جائیں، یعنی گانے کے اسباب فراہم کئے جائیں، قیان: القینۃ کی جمع ہے: باندی، زیادہ تر اس کا استعمال مغنیہ کے لئے ہوتا ہے۔

(۱۴) وَالْمَعَازِفُ: اور آلات لہو اختیار کئے جائیں، المعازف: البعزف کی جمع ہے، باجہ، ساز، آلہ موسیقی، سارنگی وغیرہ۔

(۱۵) وَلَعَنَ آخِرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أُولَہَا: اور اس امت کے پچھلے، پہلوں پر لعنت بھیجیں، یعنی لوگ سلف صالحین: محدثین و مجتہدین کی

برائی کرنے لگیں۔

تو چاہئے کہ لوگ اس وقت انتظار کریں سرخ آندھی کا یا زمین میں دھنسنے کا، یا شکلوں کے بگڑنے کا، یعنی جب یہ پندرہ باتیں عام ہوں گی تو قیامت قریب آجائے گی یہی پندرہ باتیں آخری زمانے کے فتنے ہیں۔

دوسری حدیث: میں بھی یہی پندرہ باتیں ہیں، پہلی بات میں المغنم کے بجائے الٹی ہے، فنی: وہ مال ہے جو لڑے بھڑے بغیر حاصل ہوتا ہے، اور مراد مال مفت ہے، جیسے اداروں کو ملنے والے چندے: اداروں کے ذمہ داران کو باپ کا مال سمجھنے لگیں اور چوتھی بات: تعلم لغیر الدین ہے، یعنی علم دین خدا کی رضامندی کے لئے نہیں، بلکہ مال و جاہ، فخر و ریاء اور نزاع و جدال کے لئے حاصل کیا جائے..... اور اس حدیث میں چونکہ پندرہ کا عدد مذکور نہیں، اس لئے اس ایک بات کے بڑھنے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اگر پندرہ کا عدد ملحوظ رکھنا ہے تو ظہرت القینات و المعازف کو ایک شمار کیا جائے..... القصصی: دور کرنا..... اس حدیث میں ساد القبیلۃ فاسقہم، یعنی بدکار آدمی قبیلہ کا سردار بن جائے، یہ جملہ کان زعیم القوم ارذلہم کے ہم معنی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے: پس چاہئے کہ لوگ انتظار کریں ان برائیوں کے پائے جانے کے وقت سرخ آندھی کا، اور زمین میں بھونچال کا، اور زمین میں دھنسنے کا اور شکلیں بگڑنے کا اور پتھر برسنے کا، اور ایسی قدرتی نشانیوں کا جو پے بہ پے واقع ہوں، جیسے پرانا ہار جس کا دھاگا کاٹ دیا گیا ہو پس مہرے مسلسل کرنے لگیں، اسی طرح علامات قیامت کا ظہور پے بہ پے ہوگا۔

لعن آخر هذه الامت اولها: یعنی بعد کے لوگ سلف صالحین پر لعن طعن کرنے لگیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلف کا طعن سلف کو اور اس کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرنا اور اعمال صالحہ میں ان کی اقتداء نہ کرنا یہ لعنت ہی کے درجہ میں ہے۔

مگر ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حقیقت مراد لینا ممکن بلکہ واقع ہے تو مجازی معنی کی کیا ضرورت ہے چنانچہ بہت سے لوگوں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہہ دیا ہے جیسا کہ فرقہ رافضیہ کا کہنا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کو غصب کیا ہے جبکہ وہ علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔ اس کے بالمقابل علی رضی اللہ عنہ کو بھی خوارج نے کافر کہا ہے۔

فلیدر تقبوا عند ذلک: یہ اذا کا جواب ہے۔ ریحاً حمراء: سرخ رنگ کی آندھی آئے گی صاحب اشاعت نے مختلف ایسی آندھیوں کا تذکرہ کیا ہے جو خوفناک آئی ہیں فرمایا 826ھ میں ایک آندھی مصر میں آئی تھی جس سے بہت نقصانات ہوئے۔

روایت مذکورہ میں علامات قیامت کا بیان ہے جب یہ علامات پائی جائیں گی جو قیامت کے قریب ہوں گی پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب دنیا میں مختلف طرح شروع ہوگا سرخ آندھیاں آئیں گی کہیں لوگ زمین میں دھنس جائیں گے کہیں صورتوں یا قلوب کا مسخ ہوگا کہیں قذف یعنی پتھر گرئیں گے اور زلزلے آئیں گے اور دیگر علامات پے درپے موتی کی لڑی کی طرح جلدی جلدی واقع ہوں گی اور قیامت برپا ہو جائے گی چنانچہ اگر غور کیا جائے تو ان علامات کا بکثرت تحقق ہونے لگا ہے اور مقصود روایت بھی یہی ہے کہ ان اشیاء کا وقوع بکثرت ہونے لگے تو یہ علامات قیامت میں سے ہے۔

سند کی بحث: حاصل کلام یہ ہے کہ فرج بن فضالہ کے علاوہ سی نے اس روایت کو یحییٰ بن سعید الانصاری سے نقل نہیں کیا اور فرج بن فضالہ کو حافظہ کے اعتبار سے محدثین نے ضعیف کہا ہے اور کج وغیرہ ائمہ نے ان سے روایات نقل کی ہیں گویا فی الجملہ ان کی

روایات معتبر ہیں۔

چنانچہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا جب یہ شامیین سے روایت نقل کریں تو لا بأس بہ ہیں البتہ یحییٰ بن سعید نے کہا ان کی روایات منکر ہیں اس روایت کی سند میں انقطاع بھی ہے محمد بن عمرو بن علی کی ملاقات اپنے دادا علی سے ثابت نہیں لہذا روایت مرسل ہے۔
روی هذا الحديث عن الاعمش عن عبد الرحمن بن سابط عن النبي ﷺ مرسلًا یعنی اعمش عن ہلال بن یساف تو روایت مسند ہے مگر اعمش عن عبد الرحمن بن سابط عن النبي ﷺ مرسلًا بھی مروی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ

باب ۳۴: میں اور قیامت ایک ساتھ مبعوث کئے گئے ہیں

(۲۱۳۹) بُعِثْتُ فِي نَفْسِ السَّاعَةِ فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقْتُ هَذِهِ هَذِهِ لِأَصْبَعِيهِ السَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى.

ترجمہ: حضرت مستورد بن شداد فہری رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میں اور قیامت ایک ساتھ مبعوث کئے گئے ہیں لیکن میں اس سے اس طرح پہلے ہوں جیسے یہ انگلی اس سے پہلے ہے آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

(۲۱۴۰) بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ أَبُو دَاوُدَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى فَمَا فَضَّلَ أَحَدَاهُمَا عَلَى الْآخَرَى.

ترجمہ: حضرت انس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور قیامت ان دو (انگلیوں) کی طرح (متصل) بھیجے گئے ہیں۔ پھر ابوداؤد (راوی) نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا کہ ان میں سے ایک کی دوسری پر کیا فضیلت ہے۔
تشریح: نبی ﷺ نے فرمایا: بعثت أنا والساعة كهاتين: میں قیامت کے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہوں، پھر ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ نے (جو حدیث کے راوی ہیں) انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا کہ جیسے ان دو انگلیوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی، یعنی بڑی انگلی بڑھی ہوئی ہے، اسی قدر نبی ﷺ قیامت سے پہلے تشریف لائے ہیں ار مسلم شریف میں ہے: امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے ان کے وعظ میں سنا: کفضل احدا ہما علی الاخری: پھر شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ قتادہ نے یہ بات حضرت انس رحمہ اللہ سے روایت کی ہے یا اپنی طرف سے کہی ہے (مسلم حدیث 2951 کتاب الفتن باب 27) اور مسلم ہی میں حضرت انس رحمہ اللہ کی اس روایت کے آخر میں ہے: قال: وضم السبابة والوسطى: حضرت انس رحمہ اللہ نے فرمایا: اور نبی ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا۔ ارشاد نبوی: ”میں قیامت کے ساتھ اس طرح بھیجا گیا ہوں“ مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا۔

”کہاتین“ کے کیا معنی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے: (۱) بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان لمبائی کے اعتبار سے فرق ہے، بس اتنا ہی فرق ہے نبی کریم ﷺ اور قیامت کے وقوع کے درمیان۔
(۲) بعض نے یہ کہا کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی خلل نہیں، اسی طرح میرے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔

(۳) علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے قیامت کے قرب کو بتانا مقصود ہے۔

ان روایات میں قیامت کے قرب کو بیان کیا گیا ہے، وقت کی تعیین نہیں کی گئی، کیوں کہ وقت کی تعیین کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی اور کو نہیں، اسی چیز کو دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مالمسؤل عنہا با علم من السائل اس میں عین وقت کی نفی کی گئی ہے، اس لئے ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ فتح الباری 11/425 کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ
سند کی بحث: آخری جملہ: کفضل ہمارے نسخوں میں فما فضل ہے، تصحیح مسلم شریف سے کی ہے۔

بعثت انا والساعة میں اعراب کے لحاظ سے دو احتمال: ”بعثت“ ماضی مجہول واحد متکلم کا صیغہ ہے اور الساعة کے اعراب کے بارے میں دو احتمال ہیں: (1) یہ مرفوع ہے اور اس کا عطف بعثت کی ضمیر متکلم پر ہے اور درمیان میں ”انا“ ضمیر موجود ہے اس لئے اس کا عطف درست ہے۔

بعض حضرات نے اس ترکیب پر اعتراض کیا ہے کہ ضمیر متکلم پر عطف درست نہیں کیونکہ عربی میں ”بعثت الساعة“ (قیامت مبعوث کی گئی) نہیں کہا جاتا، کیونکہ یہ اس وقت کہا جاسکتا ہے جب پ ہلے سے کوئی چیز موجود ہو اور پھر اسے بھیجا جائے اور اٹھایا جائے جبکہ قیامت تو آئندہ آئے گی، پہلے سے موجود نہیں؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قیامت کا آنا چونکہ یقینی ہے اس لئے اسے موجودہ قرار دے کر اس پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(2) ابوالبقاء عکبری کے نزدیک ”والساعة“ میں واو معیت ہے کے معنی ہے اور الساعة مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، لیکن قاضی عیاض نے رفع والی صورت کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قِتَالِ التُّرُكِ

باب ۳۵: ترکوں کے ساتھ جنگ کا تذکرہ

(۱۳۱۲) لَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا يَعْالَهُمُ الشَّعْرُ وَلَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا كَانُوا جُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمَطْرَقَةُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی۔ جب تک لوگ تم ایک ایسی قوم سے جنگ نہیں کرو گے۔ جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے پھر مزید فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایسے لوگوں سے تمہاری جنگ نہ ہوگی جن کے چہرے ڈھالوں کی طرح چھپے ہوں گے۔

تشریح: ”ترکوں“ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا سلسلہ نسب یافث بن نوح تک پہنچتا ہے ان کے مورث اعلیٰ کا نام ”ترک“ تھا اس لئے پوری قوم کو ترک کہا جانے لگا۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترک قنطورا کی اولاد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلے تھے، اکیس قبیلے دیوار ذوالقرنین کے پیچھے بند کر دیئے گئے، ایک باقی بچ گیا، اسی کو ”ترک“ کہا جاتا ہے کیونکہ انہیں باہر چھوڑ دیا گیا ہے، اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔

كَانَ وَجُوهُهُمُ الْمَجَانُ: میں اس قوم کے لوگوں کے منہ ڈھال کے ساتھ تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ ان کے چہرے گول اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوں گے گویا ان کے چہرے کی گولائی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہونے کو مطرقة یعنی اس ڈھال کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو تہ دار چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح 299/9، باب الملاحم)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جن دو قوموں کا ذکر فرمایا ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس سے دو الگ الگ قومیں مراد ہیں، چنانچہ پہلی قوم سے ترک اور دوسری سے اصحاب بابک خرمی مراد ہیں ”اصحاب بابک“ یہ وہ مرتدین کی جماعت ہے جنہوں نے بہت سی محرمات کو جائز قرار دیا ہوا تھا۔ مامون الرشید کے زمانے میں ان کا بڑا بدبہ اور شان و شوکت تھی، اکثر بلاد عجم طبرستان اور ری وغیرہ میں ان کا تسلط قائم ہو گیا تھا، پھر مقتسم کے زمانے میں یہ بابک قتل ہو گیا تھا، اس فتنہ کا آغاز 201 ہجری میں ہوا اور 222 ہجری میں بابک قتل ہو گیا۔

ملحوظہ: ترکوں میں سے جو مسلمان ہو گئے وہ امت مسلمہ ہیں، اب وہ اس حدیث کا مصداق نہیں، صرف ان کے کفار اس حدیث کا مصداق ہیں، ان کے ساتھ امت مسلمہ کو جنگ لڑنی ہوگی اور وہ اس امت کے لئے بڑا فتنہ بنیں گے۔

لعنات: نعالہم الشعر: یا تو ان کے جوتے غیر مدبوغ چمڑے سے بنائے گئے ہوں گے یا یہ مراد کہ ان کے جوتے بالوں کے ہوں گے یا بالوں کی درازی بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کے بال پیروں تک ہوں گے۔ کان وجوہہم المجان المطرقة: المجان بفتح المیم وتشدید النون جمع مجن بمعنی ڈھال۔ المطرقة: بضم المیم وفتح المراء بمعنی تو بر گویا ان کے منہ ڈھال کی طرح گول ہیں غلطہ اور کثرۃ لحم کی بناء پر مطرقة کہا گیا ہے جس میں کوئی نرمی ملائمہ نہیں یہ چہروں کی گولائی اور ناک کے چپٹا ہونے کے اعتبار سے تشبیہ ہے حاصل روایت یہ ہے کہ قیامت کے قریب مسلمانوں کی جنگ ترک قوم سے ہوگی جس کی صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کے چہرے گول ناک چپٹی ہوگی ان کی علامت یہ ہے کہ ان کے جوتے بالوں کے ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا ذَهَبَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ

باب ۳۶: جب شہنشاہ ایران ختم ہوگا اور کوئی شہنشاہ نہیں ہوگا

(۱۴۲۲) إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ بَعْدَهُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کسری ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا کسری نہیں ہوگا جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا قیصر نہیں ہوگا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ان دونوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کئے جائیں گے۔

تشریح: کسری: کی جمع اکاسرة: ایران کے بادشاہ کا لقب ہے اور قیصر: روم کے بادشاہوں کا لقب ہے، عرب سے ملے ہوئے یہ دو سپر پاور تھے اور جزیرۃ العرب پر کسری کی جزوی عملداری بھی تھی اور قیصر بھی عربوں کو کھانے کے لئے منہ کھولے ہوئے تھا اور قریش

کی معیشت شام و عراق کی تجارت سے وابستہ تھی، اس لئے جب قریش مسلمان ہوئے تو ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ پڑوسی طاقتیں ان کی معیشت تنگ کر دیں گی اور ان کے اسفار بند ہو جائیں گے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان کو خوشخبری سنائی کہ جب کسریٰ ختم ہوگا تو اس کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ختم ہوگا تو اس کے بعد اور کوئی قیصر نہیں ہوگا اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! ضرور دونوں کے خزانے راہ خدا میں خرچ کئے جائیں گے۔

آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام 7ھ میں خطوط جاری فرمائے تھے تو کسریٰ اور قیصر کے نام بھی آپ ﷺ نے خط لکھا جس میں ان کو دعوت اسلام دی تھی کسریٰ کے نام آپ کا خط عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے کسریٰ آپ ﷺ کا خط دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا انتہائی خفگی میں خط کو چاک چاک کر دیا اور کہا کیا یہ شخص ہم کو ایمان لانے کا خط لکھتا ہے حالانکہ یہ شخص میرا غلام ہے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ آپ ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا کسریٰ نے گورنر یمن باذان کو خط لکھا کہ دو قوی آدمی بھیج کر حضور ﷺ کو گرفتار کر کے لاوے وہ دونوں آدمی جب حضور ﷺ کے سامنے پہنچے تو خداداد عظمت کی بناء پر تھرتھر کانپنے لگے آپ ﷺ نے ان دونوں کو اسلام کی دعوت دے کر فرمایا کہ آئندہ کل آنا اگلے دن جب یہ دونوں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا آج کی شب فلاں وقت میں اللہ نے کسریٰ کے بیٹے کو اس پر مسلط کر دیا چنانچہ اسی رات کسریٰ کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کر دیا یہ شب منگل کی تھی دس جمادی الاولیٰ 7ھ تھی اور ان دونوں سے کہا تم باذان سے یہ حال بیان کرو اور باذان سے کہہ دو کہ میری سلطنت وہاں تک پہنچے گی باذان نے کہا یہ بات بادشاہوں کی طرح نہیں ہے اگر قتل کسریٰ کی خبر صحیح ہے تو وہ بلاشبہ نبی ہیں اس خبر کی تصدیق ہو جانے پر باذان مع خاندان و رفقاء مسلمان ہو گئے سیرۃ المصطفیٰ (2/374) جس کسریٰ نے خط کو چاک کیا تھا اس کا نام ابرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا اس کے چھ ماہ بعد ہی اس کا بیٹا بھی مر گیا پھر آپ کی بددعا کا اثر یہ ہوا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ملک فارس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یزید بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح ہو گیا اس وقت فارس کا بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ تھا۔

اذا هلك قيصر فلا قيصر بعدا: جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد قیصر لقب کا کوئی بادشاہ نہ ہوگا۔

اعتراض: اس مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسریٰ و قیصر کے بعد کوئی کسریٰ و قیصر نہ ہوگا حالانکہ اس زمانے کے قیصر و کسریٰ کے بعد بھی ان کی مملکت باقی رہی ہے؟

جواب: حدیث سے مراد یہ ہے کہ فلا کسریٰ بالعراق و قیصر بالشام قالہ الشافعی رحمہ اللہ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تجارت تھے اور یہ شام و عراق تجارت کے لئے جاتے تھے تو اسلام لانے کے بعد ان کو وہاں کے بادشاہوں سے خوف معلوم ہوتا تھا اس لئے آپ نے تبشیراً تطیباً للقلوب فرمایا کہ اب کوئی قیصر و کسریٰ نہ رہے گا تم خوف مت کرو بلکہ عنقریب وہاں تک تمہاری حکومت ہوگی یہ بھی یاد رہے کہ فارس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فنا ہو گیا کیونکہ اس نے آپ ﷺ کے والا نامہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور ملک روم باقی رہا کیونکہ قیصر نے آپ کے والا نامہ کو چومنا تھا اور سر پر رکھا تھا البتہ آپ کا یہ ارشاد بالکل صادق ہو کر رہا کہ پھر وہاں کے بادشاہوں کے یہ القاب بالکل ختم ہو گئے تھے۔ ہذا حدیث حسن صحیح

بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِّن قِبَلِ الْحِجَازِ

باب ۳۷: قیامت سے پہلے حجاز کی طرف سے ایک آگ نکلے گی

(۲۱۳۳) سَتَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ حَضَرِ مَوْتٍ أَوْ مِنْ تَحْتِ بَحْرِ حَضَرِ مَوْتٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ.

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے حضر موت سے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) حضر موت کے سمندر کی طرف سے قیامت سے پہلے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو اکٹھا کر دے گی لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم شام چلے جانا۔

تشریح: ارض حجاز اور قعر عدن سے آگ کا ظہور ہوگا: احادیث میں قیامت سے پہلے دو مقامات یعنی ارض حجاز اور قعر عدن سے آگ نکلنے کا ذکر ہے، چنانچہ حدیث باب میں اس آگ کو ذکر جو قعر عدن سے نکلے گی، اسے بعض روایات میں تخرج من الیمن، بعض میں تخرج من قعر عدن اور حدیث باب کی روایت میں تخرج..... من حضر موت کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ آگ ہے جو قرب قیامت میں قعر عدن سے نکلے گی، لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل جائیں گے اور اس کی شدت کی وجہ سے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیں گے، مہاجرین مختلف گروپوں کی صورت میں جائیں گے، بعض سواریوں پر بڑے خوشحالی سے سفر کریں گے، بعض کے لئے سواریوں میں تنگی ہوگی اور بعض پیدل چل کر دوسری جگہ کا رخ کریں گے، یہ آگ ان لوگوں کے ساتھ ہوگی رات کو جہاں سوئیں گے وہاں وہ آگ بھی رات گزارے گی اور جس مقام پر یہ سارے لوگ جمع ہوں گے اسے حدیث میں ”محشر“ کہا گیا ہے، اس سے قیامت کا حشر مراد نہیں ہے۔

پھر علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ آگ جو قعر عدن سے نکلے گی حقیقی معنی پر محمول ہے یا اس سے مجازی معنی مراد ہیں؟ بعض حضرات نے اس سے حقیقی معنی مراد لئے ہیں، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس سے آگ مراد نہیں بلکہ شدید فتنے مراد ہیں۔ دوسری آگ وہ ہے جو ارض حجاز سے نکلے گی جس سے بصری شہر کے اُونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی، مؤرخین اور محدثین کے نزدیک قیامت کی یہ علامت جمادی الثانی 654ھ میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہو چکی ہے۔

استراض: کہ باب میں ارض حجاز کی آگ کا ذکر ہے اور اس کے تحت جو روایت ہے، اس میں حضر موت کی آگ کا ذکر ہے، بظاہر حدیث کو باب کے ساتھ مناسبت اور مطابقت نہیں ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں: (1) و فی الباب میں جو حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے اس میں نار حجاز کا ذکر ہے، اس وجہ سے باب میں نار حجاز کو بیان کیا ہے۔

(2) بعض روایات میں یمن کا ذکر ہے، یمن اور حضر موت حجاز کی جہت میں ہیں تو آگ یمن سے شروع ہو کر حضر موت سے گزر کر حجاز آئے گی، اس جواب کے لحاظ سے اس روایت کو بھی باب سے مطابقت ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ كَذَّابُونَ

باب ۳۸: قیامت سے پہلے جھوٹے نبی پیدا ہوں گے

(۲۱۴۴) لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْبَغِثَ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبٌ مِّنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يُزْعِمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تیس کے قریب جھوٹے دجال نبوت کے دعوے دار بن کر ظاہر نہیں ہوں گے۔

(۲۱۴۵) لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتَّى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يُزْعِمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین کے ساتھ مل نہیں جائیں گے اور وہ بتوں کی پوجا نہیں کریں گے اور عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے ظاہر ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ کہے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

تشریح: دونوں حدیثوں میں جھوٹی نبوت کے فتنے کا تذکرہ ہے، اور دوسری حدیث میں ارتداد کے فتنے کا بھی تذکرہ ہے، وفات نبوی کے بعد ارتداد کا فتنہ پھیلا اور کچھ قبیلے مشرکین کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے مورتیوں کی پوجا شروع کر دی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ سے لوہا لیا اور اس کو کفر کردار تک پہنچایا۔

اور جھوٹی نبوت کا فتنہ مسلمہ کذاب سے شروع ہوا، اس سے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا اور اس کو بھی نیست و نابود کر دیا، مگر جھوٹی نبوت کا فتنہ ختم نہیں ہوا، یہ فتنہ قیامت تک جاری رہنے والا فتنہ ہے اور جس طرح سچی نبوت رحمت ہے، جھوٹی نبوت زحمت ہے اور تیس کی تعداد سنگین فتنہ پردازوں کی ہے، یعنی ایسے متنبی جن کی پارٹیاں ہوں گی، جن کا سلسلہ چلے گا وہ تقریباً تیس ہوں گے اور وہ لوگوں کے لئے فتنہ بنیں گے، رہے برساتی مینڈک تو ان کا کوئی شمار نہیں، ہر زمانہ میں ایسے متنبی پیدا ہوتے رہتے ہیں اور نبی ﷺ نے امت کو دو ٹوک بتا دیا ہے کہ آخری پیغمبر آپ ﷺ ہیں، آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کی کوئی نئی نبوت نہیں، اگر مسلمان اس حقیقت کو سمجھ لیں تو جھوٹی نبوت کے فتنے سے محفوظ ہو جائیں۔

قریب من ثلاثین: یہ مرفوع ہے خبر مبتداء ہونے کی بنا پر اور مبتداء محذوف ہے ای عن وہم قریب من ثلاثین۔ دوسری روایتوں میں جزم کے ساتھ انہم ثلاثون واقع ہے مسند احمد میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: سیکون فی امتی کذابون دجالون سبعة و عشرون منهم اربع نسوة وانی خاتم النبیین لانی بعدی۔ بعض روایات میں سبعون بھی واقع ہے تطبیقاً یہ کہا جائے مقصود تحدید نہیں کثرت کو بیان کرنا ہے یا سبعون والی روایت ضعیف ہے مدعیان نبوت تیس یا تیس کے قریب ہیں اور باقی مطلقاً کذابون ہیں۔

حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین: آپ ﷺ کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ اس کی دلیل ہے کہ لوگ مشرکین

کے ساتھ لاحق ہو گئے تھے۔

حتیٰ یعبدا والاوثان: بہت سے مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جائیں گے اور پہلے کی طرح بتوں کی عبادت کریں گے جیسا کہ اب بھی بعض علاقوں میں ہوتا رہتا ہے ہندوستان میں بھی یہ ارتداد پھیلا ہے علماء نے اس فتنہ کو اپنے زبان و قلم سے متعدد مرتبہ دبایا ہے۔ ہذا حدیث صحیح اخرجہ ابوداؤد مطوّلًا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر مدعیان نبوت والوہیت اور مہدویت نیز کذاہین کو شمار کیا جائے تو وہ تیس کے قریب تک پہنچ جاتے ہیں۔ (1) اسود غسی صاحب صنعاء قتلہ، فیروز (2) مسلمہ کذاب قتلہ وحشی بن حرب بنی امیہ (3) ابن صیاد (4) طلحہ (5) سجاح بنت سوید، کانت تحت مسلمۃ واعطت النبوۃ لزوجھا اس عورت نے اپنے شوہر کو نبوت بخشی اور اپنی امت سے عصر کی نماز معاف کر دی تھی (6) مختار ثقفی فی زمن ابن الزبیر (7) متنبی شاعر ثم تاب (8) بھبودنی زمن معتمد باللہ (9) یحییٰ رکرویہ القرمطی فی زمن متنبی باللہ (10) اس کا بھائی حسین (11) اس کا چچا زاد بھائی عیسیٰ بن مہرویہ (12) ابو طاہر القرمطی اس نے حجر اسود کو بیت اللہ سے نکالا تھا (13) محمد بن علی الشلمغانی (14) شباب یزعم انه الہ اس گمان تھا کہ حضرت علیؑ کی روح اس میں حلول کر گئی ہے اور فاطمہ کی روح اس کی بیوی میں حلول کر گئی ہے (15) مقام نہادند میں بہت سے لوگوں نے دعویٰ نبوت کیا (16) ایک شخص جس نے اپنا نام لا رکھا اور کہا کہ آپ کے فرمان لانی بعدی سے میں ہی مراد ہوں (17) غازی سحر (18) ایک عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا آپ ﷺ کا فرمان لانی بعدی مردوں کے حق میں ہے اگر عورتوں سے نفی کرنا مقصود ہوتی تو لانیۃ بھی فرماتے (19) ایک یہودی تھا بیت المقدس میں اس نے اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ثم اسلم (20) ایک شخص اور گزرا ہے اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا (21) اکبر بادشاہ جس نے دین الہی ہندوستان میں جاری کیا۔ (22) رتن ہندی نے چھٹی ہجری میں اس نے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جو کذاہین میں سے ہے (23) اسحاق اخرس تبعہ خلق کثیر من الیمن والبصرۃ (24) فارس ابن یحییٰ ساباطی (25) ایک چرواہا جس نے عصائے موسیٰ ہاتھ میں لیا اور تصرف کے ساتھ اس کو سانپ بنا دیتا تھا (26) عبداللہ بن میمون مامون کے زمانہ میں (27) غلام احمد قادیانی پنجابی ہندوستان میں گزرا ہے اس نے بھی دعویٰ نبوت کیا جس کا رد علماء دیوبند نے کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَقِيفٍ كَذَابٌ وَمُبِيرٌ

باب ۳۹: قبیلہ ثقیف میں بڑا جھوٹا اور ہلاک ہوگا

(۲۱۳۶) فِي ثَقِيفٍ كَذَابٌ وَمُبِيرٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ثقیف قبیلے میں ایک جھوٹا شخص اور ایک خون بہانے والا شخص (پیدا ہوگا)

تشریح: ثقیف عرب کا مشہور قبیلہ ہے، طائف اور حنین اس کا مقام تھا اور کذاب مبالغہ کا صیغہ ہے، بڑا جھوٹا، اور مبیر: اسم فاعل ہے ابارہ سے، جس کے معنی ہیں: ہلاک کرنا، اس کا مجرد باریہور بورا ہے، جس کے معنی ہیں: ہلاک ہونا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”قبیلہ ثقیف

میں ایک بڑا جھوٹا اور ایک ہلاک ہوگا“ علماء نے کذاب کا مصداق مختار بن ابی عبید ثقفی کو اور ہلاک کو کا مصداق: حجاج بن یوسف ثقفی کو قرار دیا ہے جس نے علاوہ میدان جنگ کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کا ناحق قتل کیا ہے جن میں بڑے بڑے تابعین اور اولیاء اللہ بھی شامل ہیں۔

مختار: یہ مشہور صحابی ابو عبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، اس کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی، اس کے باوجود اسے صحابی بننے کا شرف حاصل نہ ہوسکا، ابتداء میں یہ شخص علم و فضل اور نیکی و تقویٰ میں مشہور تھا لیکن بعد میں اس کا خبث باطن سامنے آیا کہ یہ سب کچھ اپنی شہرت اور منصب کے لئے تھا، پہلے اہل بیت سے بہت بغض رکھتا تھا، اچانک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی حمایت میں یزیدیوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا بلکہ بہت سے لوگوں کو اس نے خون حسین رضی اللہ عنہ کے قصاص میں موت کے گھاٹ بھی اتارا، بہت ہی فتنہ انگیز شخص تھا، آئے دن نئے سے نئے فتنے کھڑے کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف عراق میں علم بغاوت بلند کیا، پھر مزید آگے بڑھ کر پوری اسلامی حکومت پر قبضہ کا منصوبہ بنالیا، کوفہ پر قابض ہو گیا، ساتھ ہی نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا اور کہنے لگا کہ جبرائیل امین میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں، آخر کار حضرت مصعب بن زبیر نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے اپنی فوج لے کر کوفہ پر چڑھائی کی، مختار نے بھی مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھا گیا، اور پھر 14 رمضان 67ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی، اموی امیر عبدالملک بن مروان کا خاص آدمی تھا، حکومت کے امور میں بڑی بصیرت اور گہری نظر کا حامل تھا، عبدالملک بن مروان نے اس کو عراق و خراسان کا گورنر بنایا تھا اور عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد حجاز کا بھی والی بنا، اس کی ظالمانہ داستانوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، ماہ شوال 95ھ میں 54 سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔ (مرقاۃ المفاتیح 140/11)

حجاج بن یوسف: تاریخ اسلام کا مشہور ظالم شخص ہے جس نے ہزاروں کے حساب سے اچھے اور نیک لوگوں کو جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، ناحق قتل کیا، عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا، بے گناہ لوگوں کو جیل میں رکھتا تھا، اس کی ظالمانہ کارروائیوں کا اندازہ اس سے لگائیے کہ بغیر کسی وجہ کے محض ظلم و بربریت کی وجہ سے جن لوگوں کو اس نے قتل کیا، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے، جو لوگ جنگوں اور لڑائی جھگڑے میں مارے گئے ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے، اس کا جیل خانہ دنیا کا ایک عجیب قید خانہ تھا، اس کی کوئی چھت نہ تھی چنانچہ تمام قیدی کھلے آسمان کے نیچے سردی، گرمی، دھوپ اور بارش کی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

سند: سند کا ایک راوی عبداللہ ہے اس کے باپ کا نام عَصَم ہے یا عَصْمہ؟ شریک عَصَم کہتے ہیں اور اسرائیل عَصْمہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُرْنِ الثَّالِثِ

باب ۴۰: تبع تابعین کا بیان

(۲۱۴۷) حَيْزُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ يَتَسَمَّنُونَ وَيُجْبُونَ السِّمْنَ يُعْطُونَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوا.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر اس کے بعد کا زمانہ پھر اس کے بعد میں آنے والوں کا زمانہ ہے پھر ان کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو موٹا ہونا چاہیں گے اور وہ موٹا پے کو پسند کریں گے وہ گواہی دیں گے اس سے پہلے کہ ان سے گواہی طلب کی جائے۔

(۲۱۳۸) خَيْرُ أُمَمٍ بَعَثَ اللَّهُ فِيهِمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَكُونُ نَبِيُّهُمْ قَالَ وَلَا أَعْلَمُ ذَكَرَ الثَّالِثَ أَمْرًا لَا تَمُوتُ وَلَا تَشَاءُ أَقْوَامٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَفْشَوْنَ فِيهِمُ السَّمَنُ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں سب سے بہتر وہ زمانہ ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا پھر اس کے بعد کا زمانہ ہے (راوی کہتے ہیں) مجھے علم نہیں (یعنی یاد نہیں) نبی اکرم ﷺ نے تیسری دفعہ یہ فرمایا تھا (یا کہا تھا) پھر وہ لوگ آئیں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی نہیں مانگی جائے گی اور وہ خیانت کریں گے اور انہیں امین نہیں بنایا جائے گا اور ان کے درمیان موٹا پا پھیل جائے گا

تشریح: القرن: ایک زمانہ کے لوگوں پر اطلاق ہوتا ہے جو متقارب ہوں اور امور مقصودہ میں سے کسی میں شریک ہوں نیز زمانہ کی مدت خاص پر بھی اطلاق ہوتا ہے البتہ اس کی تحدید میں علماء کے مختلف اقوال ہیں دس سال سے لے کر ایک سو بیس سال تک کے اس زمانہ پر قرن کا اطلاق کیا گیا ہے البتہ عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرن کا اطلاق سو سال پر ہوتا ہے وہو المشہور، بعض نے پچاس بعض نے ستر سال بھی کہا ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سو سال یا پچاس سال یا ستر سال کی عمروں میں ایک ساتھ زندہ رہیں وہ ایک قرن والے کہلائیں گے اور کم و بیش سو سال کا ایک قرن کہلاتا ہے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث مذکور میں قرنی کا لفظ واقع ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے اور ظاہر ہے کہ بعثت سے آخری صحابی رضی اللہ عنہ تک کا زمانہ سو سال کے قریب ہی ہوتا ہے کیونکہ آخری صحابی ابوالطفیل ہیں جن کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے زیادہ سے زیادہ ایک سو بیس سال کا زمانہ ہوتا ہے اسی طرح اس کے بعد دوسرا قرن صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا ہے پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے اس کے بعد کذب و بدعات ظاہر ہو گئی تھیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دو سو بیس سال کے بعد اہل بدعات معتزلہ و فلاسفہ اور دیگر فرق ضالہ کا ظہور ہو گیا ہے تو لا محالہ یہ کہنا ہوگا سب سے بہتر زمانہ آپ ﷺ کا زمانہ ہے جو سو سال ہے پھر اسکے بعد دو زمانے ایک سو بیس سال کے اندر اندر ہیں تو پھر ان دونوں کو اگر تسلیم کیا جائے تو ایک زمانہ کے ساٹھ سال ہی ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ قرن کے لئے سو سال کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر زمانہ والوں کی عمروں کے لحاظ سے قرن بدلتے رہتے ہیں۔ یعنی محمد بن فضیل نے تو علی بن مدرک کا ذکر کیا ہے لیکن اکثر حفاظ نے عن الأعمش عن ہلال بن یساف کہا اور علی بن مدرک کا ذکر نہیں کیا ہے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

لا أعلم اذکر الثالث أم لا: مسلم شریف میں بھی روایت اسی طرح شک کے ساتھ ہے نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات بھی مسلم شریف میں شک کے ساتھ وارد ہیں اسی طرح بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد میں شک کے ساتھ ہے مگر اکثر روایات بغیر شک کے وارد ہیں مثلاً نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد میں اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت بھی بغیر شک کے مروی ہیں۔

يَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمِنُونَ: ایسے خائن لوگ اس کے بعد آئیں گے کہ ان کی خیانتیں ظاہر ہوں گی ان پر اعتماد نہیں کریں گے۔
وَيَفْشُوا فِيهِمُ السَّمَنُ: بکسر السین وفتح المیم بعد ہانوں یعنی وہ لوگ کھانے، پینے میں ایسا توسع اختیار کریں گے جو موجب
سمن ہوگا یعنی وہ موٹے جسم والے ہو جائیں گے۔ ہذا حدیث حسن صحیح اخرجه الشيخان

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُلَفَاءِ

باب ۴۱: خلفاء کا بیان

(۲۱۳۹) يَكُونُ مِنْ بَعْدِي اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْهُ فَسَأَلْتُ الَّذِي يَلِينِي فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میرے بعد بارہ امیر ہوں گے راوی کہتے ہیں پھر آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی جو میں سمجھ نہیں سکا میں نے ساتھ والے سے دریافت کیا تو اس نے کہا آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے وہ سب قریش سے تعلق رکھتے ہوں گے۔

(۲۱۵۰) كُنْتُ مَعَ أَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَقَالَ أَبُو بَلَالٍ اُنْظُرُوا إِلَى أَمِيرٍ نَأْيَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللَّهُ.

ترجمہ: زیاد بن کسیب عدوی بیان کرتے ہیں میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے تھا وہ خطبہ دے رہا تھا اس نے باریک کپڑے پہن رکھتے تھے تو حضرت ابو بلال نے فرمایا ہمارے اس امیر کو دیکھو جو فساق کے کپڑے پہنے ہوئے ہے تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا خاموش رہو میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو زمین پر اللہ کے (نامزد) حکمران کی توہین کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے گا۔

تشریح: الخلیفۃ: جانشین، قائم مقام اور مراد نبی ﷺ کے انداز پر حکومت کرنے والے ہیں: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ میرے بعد بارہ امیر ہوں گے جو سارے کے سارے قریش سے ہی ہوں گے، ان بارہ خلفاء سے کون مراد ہیں، ان کی تعیین میں شارحین کا اختلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کو مشکل احادیث میں شمار کیا ہے۔

اثنا عشر امیر: حضرت گنگوہی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود مدح نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ امت مرحومہ زمانہ طویل تک باقی رہے گی عدد مقصود نہیں۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ مقصود روایت یہ ہے کہ خلافت علی حسب السنۃ بارہ امیروں میں ہوگی اب بارہ امیر کا پے درپے ہونا ضروری نہیں حتیٰ یناقض بتخلل یزید۔

تیسرا قول: مراد یہ ہے کہ امارت علی حسب السنۃ خلفاء بارہ امیروں میں رہے گی اگرچہ ان میں بعض ظالم بھی ہوں گے مگر امور

مملکت میں وہ خلفاء کا طریقہ اختیار کریں گے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ جمہور کے نزدیک رائج یہ ہے کہ اس سے وہ خلفاء مرداد ہیں، جن پر سب لوگ متفق ہوں گے، جن کے دور میں مسلمانوں کے ظاہری حالات اور معاملات رعایا کے مفاد میں ہوں گے، نظام حکومت مستحکم اور مضبوط ہوگا، اگرچہ ان میں سے بعض ظالم اور زیادتی کرنے والے بھی ہوں گے لیکن حکومت کے مسئلے میں وہ اپنے گزشتہ بزرگوں کی ہی اقتداء کریں گے، وہ یہ ہیں: (۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت معاویہ (۶) یزید بن معاویہ (۷) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے: (۸) ولید (۹) سلیمان (۱۰) یزید۔ سلیمان کے درمیان حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی گزرا ہے، (۱۱) ہشام (۱۲) ولید بن یزید بن عبدالملک، ہشام کے قتل کے بعد اس پر لوگوں کا اتفاق ہوا، چار سال کے بعد اسے بھی قتل کر دیا گیا، پھر ایسے فتنے شروع ہوئے کہ پھر قیامت تک چلتے رہیں گے اور کسی کی حکومت پر مسلمان متفق نہیں ہوں گے۔

ان کے دور میں مسلمان آپس میں متفق تھے، سب نے ان کی خلافت پر اجماع کیا تھا، نبی کریم ﷺ کی پیشینگوئی ان کے بارے میں درست ثابت ہوئی، پھر اس کے بعد کسی پر اتفاق نہ ہو سکا، قتل و قتال اور آپس میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے، ان خلفاء میں سے پہلے چار خلفاء خلافت، خلافت راشدہ اور نبوت کے اسلوب کے مطابق تھی، بعد میں یہ خلافت امارت میں بدل گئی۔ (فتح الباری، کتاب الاحکام، باب، ۱۳/۲۶۴)

چوتھا قول: خلافت واحدہ پر اجتماع لوگوں کا بارہ امیروں تک ہوگا۔ کما ذکرہ السیوطی۔

پانچواں قول: اس سے اشارہ فرمایا حدیث خیر القرون کی طرف یعنی ان قرون میں غالب اختیار ہوں گے اور وہ بارہ ہوں گے۔

چھٹا قول: اس سے مراد مہدی اور ان کے بعد کا زمانہ ہے اس وقت بارہ امیر ہوں گے۔

ساتواں قول: اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں بارہ امیر ہوں گے اور سب کے سب دعویٰ خلافت کریں گے۔

آٹھواں قول: اس سے اشارہ ہے خلفاء بنو امیہ کی طرف جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہوئے ہیں۔ (۱) یزید بن معاویہ (۲) اس کا بیٹا معاویہ (۳) عبدالملک (۴) ولید (۵) سلیمان (۶) عمر بن عبدالعزیز (۷) یزید بن عبدالملک بن ہشام (۸) ولید بن زید (۹) یزید بن الولید (۱۰) ابراہیم بن الولید (۱۱) مروان بن الحکم (۱۲) حکم ابن مروان ان کے بعد خلافت منتقل ہوگئی بنو عباس کی طرف پھر ان میں اور ہوتے رہے ہیں۔

فسالت الذی یلینی: مسلم کثیر روایات میں فسالت ابی واقع ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ ان بارہ امیروں سے اہل بیت مراد ہیں، امیں سے بعض خلافت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے اور بعض نہیں، وہ بارہ یہ ہیں: (۱) علی (۲) حسن (۳) حسین (۴) زین العابدین (۵) محمد باقر (۶) جعفر صادق (۷) موسیٰ کاظم (۸) علی رضا (۹) محمد تقی (۱۰) علی تقی (۱۱) حسین عسکری (۱۲) اور پھر آخر میں حضرت مہدی آئیں گے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الناقب، باب مناقب قریش ۱۱/۱۳۵)

من اهان سلطان اللہ... الخ۔ یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی اور بادشاہت کا لباس پہنا دیا ہو یا اس طرح کا کوئی معزز عہدہ اس کو ملا ہے اب اس کو کوئی شخص رسوا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کریں گے معلوم ہوا کہ کسی معزز شخص کو برسر عام رسوا کرنا درست نہیں ہے بالخصوص بادشاہ و حاکم کو۔ ہذا حدیث حسن غریب اخرجہ النسائی

سند کی بحث: اس حدیث کی پہلی سند سماک بن حرب کی ہے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور دوسری سند ابوبکر بن ابی موسیٰ کی ہے وہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، پہلی سند معروف ہے اور دوسری غریب ہے، یعنی ابوبکر کا یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا انجانا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِلَافَةِ

باب ۴۲: خلافتِ راشدہ کا بیان

(۲۱۵۱) قِيلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَوْ اسْتَخْلَفْتَ قَالَ إِنْ اسْتَخْلَفْتُ فَقَدْ اسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ وَإِنْ لَمْ اسْتَخْلَفْ لَمْ يَسْتَخْلَفْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ کہا گیا اگر آپ کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں (تو یہ مناسب ہوگا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا اگر میں کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کرتا تو نبی اکرم ﷺ نے بھی کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔

(۲۱۵۲) الْخِلَافَةُ فِي أُمِّيَّةٍ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكُكَ بَعْدَ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ لِي سَفِينَةُ أُمِّسِكَ خِلَافَةُ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ قَالَ وَخِلَافَةُ عُمَرَ وَخِلَافَةُ عُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ لِي أُمِّسِكَ خِلَافَةُ عَلِيٍّ قَالَ فَوَجَدْنَاهَا ثَلَاثِينَ سَنَةً قَالَ سَعِيدٌ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ بَنِي أُمِّيَّةٍ يُزَعِّمُونَ أَنَّ الْخِلَافَةَ فِيهِمْ قَالَ كَذَبُوا ابْنُ الزُّرَّاقَاءِ بَلْ هُمْ مُلُوكٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوكِ.

ترجمہ: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں خلافت تیس سال تک رہے گی اس کے بعد بادشاہت آجائے گی۔ راوی کہتے ہیں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے ایک اور بار کہا تم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شمار کرو پھر انہوں نے فرمایا حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شمار کرو پھر انہوں نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شمار کرو (راوی کہتے ہیں) جب ہم نے شمار کیا تو اسے تین سال پر مشتمل پایا۔

سعید نامی راوی بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا بنو امیہ یہ کہتے ہیں خلافت ان کے درمیان ہے تو انہوں نے فرمایا بنو زرقا نے غلط کہا ہے یہ لوگ بادشاہ ہیں اور بدترین بادشاہ ہیں۔

خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدت خلافت:

مدت خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ دو سال تین ماہ دس دن۔ خلافت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ دس سال چھ ماہ اور آٹھ دن۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ گیارہ سال گیارہ مہینے نو دن خلافت علی رضی اللہ عنہ چار سال نو ماہ سات دن۔ بعض حضرات نے ایام کا ذکر کیا پھر قدرے فرق کے ساتھ بھی ذکر کیا پھر تیس سال میں جو کمی ہے اس کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت سے پورا کیا اور ان کو بھی خلفاء میں شمار کیا ہے۔ بعض نے فرمایا خلفاء اربعہ ہی کی خلافت تیس سال ہے۔

استراض: ارباب حل و عقد کا اتفاق ہے کہ خلفاء اربعہ کے علاوہ بھی خلفاء تھے جیسا کہ بنو امیہ میں عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اسی طرح

بعض خلفاء عباسیہ ہیں تو پھر تیس سال کا قول کیسے درست ہوگا؟

جواب: مراد ایسی خلافت ہے جس میں مخالفت حق کی آمیزش بالکل نہیں تھی اس کے بعد کبھی ہوگی خلافت حق اور کبھی نہیں ہوگی۔
کذبوا بنو الزرقاء: اکلونی البراغیث سے ہے کہ فاعل مظہر کے ہوتے ہوئے فعل جمع کے ساتھ لایا گیا ہے۔ الزرقاء امرأة من امہات بنی امیة۔

مسلم شریف کتاب الامارۃ کے شروع میں یہ حدیث مفصل آئی ہے، اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کا تذکرہ کیا تو میں سمجھ گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، آپ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کریں گے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی کو معین طور پر خلیفہ نہیں بنایا بلکہ چھ آدمیوں میں خلافت دائر کی اور حدیث میں جو لمبا مضمون ہے وہ مسلم شریف (حدیث 1823) میں ہے۔

انعقاد خلافت کے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: ارباب حل و عقد بیعت کے ذریعہ خلیفہ متعین کریں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔
دوسرا طریقہ: موجودہ خلیفہ بعد والے خلیفہ کو نامزد کرے، اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کرے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

تیسرا طریقہ: خلیفہ خلافت کو ایک جماعت میں دائر کر دے اور کہہ دے کہ ان میں سے ایک کو منتخب کیا جائے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

چوتھا طریقہ: استعلاء (تغلب) ہے یعنی ایسا شخص جو خلافت کی شرطوں کا جامع ہے لوگوں پر غلبہ پالے اور حکومت پر قبضہ جمالے، تو اس سے بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کس طرح منعقد ہوئی تھی؟ اس میں اختلاف ہے، اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان مہاجرین و انصار کے بیعت کرنے سے خلیفہ ہوئے تھے جو بروقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، یعنی پہلے طریقہ پر آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی اور دوسری رائے یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد بذریعہ شوریٰ ہوا تھا مگر یہ رائے ضعیف ہے۔

وفی الحدیث قصۃ طویلۃ: اس حدیث میں ایک طویل واقعہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہمارے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنارہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، ایسا نہیں وہ ضرور کسی کو خلیفہ بنائیں گے اور قسم کھائی کہ میں اس موضوع پر اپنے والد سے ضرور بات کروں گا، فرماتے ہیں کہ والد کے ساتھ اس طرح بات کرنا میرے لئے بہت مشکل تھا، گویا میں نے اپنے ہاتھ میں پہاڑ اٹھا رکھا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ لوگوں میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنارہے، جب کہ خلیفہ نامزد کرنا چاہئے، یوں رعایا میں انتشار اور فتنے پھیلیں گے کچھ توقف کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ اپنے دین کی حفاظت فرمائیں گے، اور فرمایا کہ اگر میں خلیفہ نہیں بن رہا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا اور نامزد کر دوں تو یہ بھی درست ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا ہے، ابن عمر کہتے ہیں کہ میں آپ کی گفتگو سمجھ گیا کہ والد صاحب حضور ﷺ کی سنت پر عمل کریں گے تاہم اپنے بعد خلیفہ کی نامزدگی کے لئے عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ کرام کی کمیٹی بنادی، جو باہمی صلاح و مشورے سے تیسرے خلیفہ کا

تعیین کر سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ

باب ۴۳: قیامت تک خلفاء قریش میں سے ہوں گے

(۲۱۵۳) كَانَ نَاسٌ مِّن رَّبِيعَةَ عِنْدَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّن بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ لَّتَنْتَهِيَنَّ قُرَيْشٌ أَوْ لِيَجْعَلَنَّ اللَّهُ هَذَا الْأَمْرَ فِي جَمْهُورٍ مِّن الْعَرَبِ غَيْرِهِمْ فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ كَذَبْتَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ قُرَيْشٌ وَلَا أَلَا النَّاسِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: عبداللہ بن ابو ہذیل بیان کرتے ہیں ربیعہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے تو بکر بن وائل قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے کہا یا تو قریش (اپنی زیادتیوں) سے باز آ جائیں گے یا پھر اللہ تعالیٰ اس حکومت کو دیگر عربوں کے سپرد کر دے گا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے غلط کہا ہے میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے بھلائی اور برائی (ہر طرح کی صورتحال میں) قیامت کے دن تک قریش لوگوں کے حکمران رہیں گے۔

(۲۱۵۴) لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتَّى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِّن الْمَوَالِي يُقَالُ لَهُ جَهْجَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رات اور دن اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے جب تک غلاموں سے تعلق رکھنے والا ایک شخص حکمران نہیں بن جائے گا جس کا نام جہجاء ہوگا۔

تشریح: هذا الامر: ای الریاستہ والخلافة فی الخیر والشر: ای فی الاسلام والجاهلیة. الی یوم القیامة: ای یستمر الی یوم القیامة.

”یہ امر یعنی خلافت کا اور ریاست کا خیر اور شر یعنی اسلام اور جہالت میں قیامت تک قریش کے پاس رہے گا۔“

ولالة الناس... الخ: یعنی حق خلافت قیامت تک قریش کو حاصل ہے یہ الگ بات ہے کوئی ان پر غالب آجائے۔

خلافت قریش: علامہ نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ قریش کی خلافت و ریاست کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔

اول: روایۃ الباب۔ دوم: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث۔ سوم: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث أخرجه مسلم

رہا خلیفہ (سربراہ اعظم) کا معاملہ تو عام طور پر اہل السنہ والجماعہ کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ راشد کا قریشی ہونا ضروری ہے، حدیث

میں ہے: ”ائمہ قریش میں سے ہوں“ یہ حدیث چالیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (فتح الباری 7:32)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: اس حدیث پر امت کا اجماع ہے۔ (ازالۃ الخفاء) تقریباً اس پر حضرات

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اجماع ہو گیا تھا اسی طرح تابعین و تبع تابعین کا بھی اس پر اجماع رہا ہے قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هو مذهب العلماء كافة خلافا للنظام المعتزلي وغيرهم من اهل البدع.

”یہ تمام علماء کا مسلک ہے لیکن نظام معتزلی نے اس میں اختلاف کیا ہے اور دوسرے بعض اہل بدعت بھی نظام معتزلی کے ساتھ ہیں۔“

چنانچہ آپ ﷺ کی وفات پر سلسلہ خلافت کے استحقاق کے لئے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے یہی روایت پیش کی تھی جب یوم سقیفہ میں حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے اس میں کچھ اختلاف کیا تھا اس روایت کو سن کر وہ سب خاموش ہو گئے تھے۔

اور حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے خلیفہ راشد کے قریشی ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہیں کہ اس کے ذریعہ دین کی تمکین خوب ہو سکتی ہے، اور وہ دین کی سب سے زیادہ حفاظت کرے گا اور قریشی میں حکومت کرنے کی صلاحیت دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ پہلی صورت: تمام اسلامی دنیا کے خلیفہ کو قریشی ہونا چاہئے، روایات کا مصداق یہی صورت ہے۔

دوسری صورت: اگر یہ بات ممکن نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ حکومتیں ہوں تو ہر ملک کے بادشاہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں۔ اور حدیث 5 وغیرہ اگرچہ عام ہیں مگر حقیقت میں خاص ہیں، وفات نبوی ﷺ کے بعد جو صورت حال پیش آنے والی تھی اس میں یہ رہنمائی تھی کہ خلیفہ قریش میں سے چنا جائے، دوسرے قبائل میں سے نہ چنا جائے اور ایسا عام طور پر ہوتا ہے حدیث بظاہر عام ہوتی ہے مگر حقیقت میں اس کا مصداق خاص ہوتا ہے، اس کی نظیر کتاب الجنازہ باب 52۔ اور میری ناقص رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ استیلاء و تغلب کی صورت میں کوئی بھی خلیفہ ہو سکتا ہے جیسا کہ باب کی دوسری روایت میں ہے کہ قیامت سے پہلے ایک آزاد جہاہ نامی بادشاہ بن جائے گا، یہ وہی تغلب والی صورت ہے اور ایسی صورت میں عورت کی سربراہی بھی درست ہے، اس کی خلافت بھی منعقد ہو جائے گی اور اس کے احکام واجب الطاعت ہوں گے۔ تاکہ اختلاف بین المسلمین نہ ہو۔

اعتراض: آپ ﷺ کا ارشاد اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبہ۔

”تم سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر ایک حبشی غلام بھی امیر بنادیا جائے کہ جس کا سر نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

اسی طرح دوسری روایت ام حصین کی مسلم میں ہے: ان امر علیکم عبد مجدع یقرؤ کم بکتاب اللہ فاسمعوا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش حتیٰ کہ غلام بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کی جائے بظاہر روایات میں تعارض ہے۔ جواب ①: اس طرح کی کل روایات کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص قریہ وغیرہ کی امارت کسی غلام یا غیر قریشی کے سپرد کی جائے تو اس کی اطاعت لازم ہے قریش ولایۃ الناس ہیں مراد امام اعظم ہے یعنی امام اعظم تو قریش ہوگا البتہ امارت جیش وغیرہ غیر قریش کے بھی سپرد کی جاسکتی ہے جیسا کہ متعدد واقعات آپ ﷺ کے زمانہ میں پیش آئے ہیں۔

جواب ②: یا روایت میں عبد حبشی لفظ مبالغہ واقع ہے اس سے مقصود امام کی اطاعت کی ترغیب ہے اور امت کو اختلاف سے بچانا ہے۔

موالی: بفتح المیم جمع مولیٰ ای ممالیک حتیٰ یملک الخ ای حتیٰ یصیر حاکما علی الناس۔

جہجاء: بفتح الجیم و اسکان الہاء مراد یہ کہ قیامت اس وقت واقع ہوگی جب ایک غلام حاکم ہوگا جس کا نام جہجاء ہوگا۔

هذا حدیث حسن غریب اخرجه مسلم۔

أئمة مضلین: سے مراد اہل بدعت ہیں یا ایسے ذمہ دار مراد ہیں جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔

علی الحق: یہ لاتزال کی خبر ہے ای ثابتین علی الحق علیہا و عملاً۔

ظاہرین: غالبین علی الباطل حجۃ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہرین لاتزال کی دوسری خبر ہے یا ثابتین کی ضمیر سے حال ہے:

ای ثابتین علی الحق فی حالة کونہم غالبین علی العدو۔

”یعنی حق پر قائم رہنے والے لیکن وہ دشمن پر غالب آنے والے ہوں گے۔“

حتیٰ یا قیام اللہ: اس سے مراد قیامت ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ہوا ہے کہ اس کے چلتے وقت ہر مومن و مومنہ کی روح قبض کر لی جائے گی۔ ہذا حدیث صحیح آخر جہ مسلم و ابن ماجہ

شیعوں کے نزدیک خلیفہ راشد کا ہاشمی: بلکہ علوی ہونا شرط ہے، مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ یہ اشتراط لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کرے گا، کہنے والے کہیں گے: یہ نیا دین اپنے خاندان کی حکومت قائم کرنے کے لئے ہے، علاوہ ازیں خلیفہ کے لئے کسی متعین خاندان میں سے ہونے کی شرط لگانا حرج اور تنگی کا باعث ہے، ممکن ہے اس خاندان میں ایسا آدمی نہ ہو اور دوسرے خاندان میں ہو۔

قریش ولایۃ الناس فی الخیر والشر: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانہ اسلام اور جاہلیت دونوں میں حاکم ہوں گے، گویا یہ ان کی خصوصیت ہوگی۔ اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے: نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ، زید بن حارثہ اور اسامہ بنی النضر وغیرہ کو مختلف غزوات میں امیر بنایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش بھی امیر بن سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں خلافت عظمیٰ کا ذکر نہیں بلکہ ذیلی عہدے کا ذکر ہے، امت اس پر متفق ہے: کہ ماتحت امارتوں کے لئے کوئی شرط نہیں، جس میں بھی صلاحیت ہو اس کو حاکم بنایا جاسکتا ہے، اور حدیث نمبر 7 اس کی دلیل ہے، نبی ﷺ نے مختلف مواقع میں غیر قریشیوں کو بھی امیر بنایا ہے اور عقلاً بھی یہ بات ضروری ہے، سارے عہدے کسی ایک قوم کے لئے خاص کر دیئے جائیں تو اس میں دشواری ہوگی، اور بدگمانی کا موقع بھی رہے گا۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنی موت کے قریب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کروں گا، وہ زندہ نہ ہوئے تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤں گا، حالانکہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تو قریشی نہیں، وہ تو انصاری ہیں، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش کو بھی امیر بنایا جاسکتا ہے؟ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اس شبہہ کے حل کے لئے دو احتمال ذکر کئے ہیں:

(1) ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے بعد اس بات پر اجماع منعقد ہوا ہو کہ خلافت کا استحقاق صرف قریش کا ہے۔

(2) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بدل گئی ہو۔ (فتح الباری 145، 149/13)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّينَ

باب ۴۴: گمراہ کرنے والے سربراہ ہوں کا تذکرہ

(۲۱۵۵) اِئِمَّةٌ أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّينَ.

تَوْجِيہُہُمْ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مجھے اپنی امت کے بارے میں گمراہ کرنے والے حکمرانوں کا اندیشہ ہے۔

تشوئیح: اگر حکومت کا سربراہ گمراہ ہو جائے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرنے لگے تو وہ پورے ملک کو لے ڈوبے گا اور اتنا بڑا فتنہ ہوگا کہ لوگ اس کی تاب نہ لاسکیں گے اور اس باب میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں میں گہرا ربط ہے۔

گمراہ کن اماموں کا اندیشہ:

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اپنی امت کے بارے میں ایسے اماموں کا اندیشہ ذکر فرمایا، جو لوگوں کو فسق و فجور، نافرمانی، بے حیائی اور بدعات کی طرف دعوت دیں گے، مقصد یہ ہے کہ امت محمدیہ کو ایسے گمراہ کن رہنماؤں سے اجتناب کرنا ہوگا، لہذا ان کی مجلسوں میں شریک ہونا اور ان کی باتوں پر اعتماد کرنا کسی بھی طرح درست نہیں۔

طائفہ منصورہ کا ذکر:

اور فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق و صداقت پر برقرار رہے گی، ان کی کوئی مدد و نصرت کرے یا نہ کرے، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر یعنی قیامت یا مومنین کی روح قبض کرنے والی آجائے۔ اس طائفہ سے کون مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ اس سے اہل ایمان کا کوئی مخصوص طبقہ مراد نہیں کما سر۔

”امر اللہ“ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (1) امر سے ”قیامت“ مراد ہے۔ (2) اس سے وہ ”ہوا“ مراد ہو جو قریب قیامت میں چلے گی جس سے اہل ایمان کی روہیں قبض کر لی جائیں گی۔ اس حدیث میں ائمہ سے مراد حکومت کے سربراہ ہیں، دینی رہنما مراد نہیں، اگرچہ گمراہ دینی رہنما بھی بڑا فتنہ ہیں اور اس حدیث کے عموم میں ان کو لیا جاسکتا ہے مگر ماسبقی لاجلہ الکلامہ گمراہ کرنے والے حکومت کے سربراہ ہیں۔

پہلی حدیث خطرے کی گھنٹی ہے اور دوسرے حدیث میں دین کی حفاظت کی بشارت ہے، یعنی ایسے امراء ہوں گے جو خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے جس طرح بنو عباس کے دور میں امراء: معتزلہ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا کیا جس سے تمام خوفزدہ ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے امام احمد رحمہ اللہ کو کھڑا کیا جنہوں نے حکومت کی پرواہ کئے بغیر دین کا بول بالا کیا اور ایک وقت آیا کہ اس فتنہ نے دم توڑ دیا، اور حق کا بول بالا ہوا۔

اسی طرح ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے جب نیا دین: دین الہی گھڑا تو مسلمانوں کے لئے موت و زیست کی حالت پیدا ہو گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو کھڑا کیا اور ان کی محنت سے ایک دو بادشاہوں کے بعد وہ فتنہ ختم ہو گیا اور عالمگیر علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دین کو بول بالا کیا۔ غرض جب بھی ایسی صورت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت فرماتے ہیں اور اہل حق غالب رہتے ہیں اور اعدائے دین کی مخالفت ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَهْدِيِّ

باب ۴۵: حضرت مہدی کا تذکرہ

(۲۱۵۶) لَا تَذْهَبِ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِنِي يُوَاطِئُ عِشْمَهُ اسْمُهُ.

تَوْجِيهًا: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک میرے اہل بیت سے تعلق رکھنے والا ایک شخص عرب کا حکمران نہیں بن جائے گا اس کا نام میرے نام کی طرح ہوگا۔

(۲۱۵۷) يَلِي رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوْطِئُ اسْمُهُ اسْمِي.

تَوْجِيهًا: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میرے اہل بیت میں سے ایک حکمران ہوگا جس کا نام میرے نام کی طرح ہوگا۔

(۲۱۵۸) خَشِينًا اَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَّثَ فَسَأَلْنَا نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ فِيْ اُمَّتِي الْمَهْدِيَّ يَخْرُجُ يَعْيشُ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا اَوْ تِسْعًا زَيْدُ الشَّالِكِ قَالَ قُلْنَا وَمَا ذَاكَ قَالَ سَيَذِيْنُ قَالَ فَيُجْبِيْ اِلَيْهِ رَجُلٌ فَيَقُوْلُ يَا مَهْدِيَّ اَعْطِنِيْ اَعْطِنِيْ قَالَ فَيُخْبِتِيْ لَهُ فِيْ ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ اَنْ يُجْمِلَهُ.

تَوْجِيهًا: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد بے دینی ہو جائے گی تو ہم نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں مہدی آئے گا وہ پانچ یا سات یا نو سال تک رہے گا۔ یہ شک زید راوی نامی کو ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں ہم نے دریافت کیا اس سے مراد کیا ہے؟ تو فرمایا اس سے مراد سال ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر ایک شخص اس کے پاس آئے گا اور کہے گا اے مہدی ہمیں آپ عطا کیجئے آپ مجھے عطا کیجئے تو مہدی اس کے کپڑے میں (ساز و سامان) بھرنے کا حکم دیں گے اتنا کہ جتنا وہ شخص اٹھا سکتا ہو۔

تَشْرِیْح: مہدی: (اسم مفعول) راہ یاب، ہدایت، مآب، یعنی جس کی گھٹی میں ہدایت پڑی ہوئی ہو، یہ اسم علم نہیں ہے بلکہ اسم وصف ہے اور سب سے پہلے یہ صفت خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوئی ہے، فرمایا:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ.

”تمہارے اوپر میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے تم اسے مضبوطی سے تھام لو۔“

یعنی میرا طریقہ لازم پکڑو، اور میرے ان جانشینوں کا طریقہ لازم پکڑو جو راہ یاب ہو، ہدایت مآب ہیں، ان کے طریقہ کو مضبوط تھامو، اور ان کے طریقے کو ڈاڑھوں سے کاٹو۔ اس حدیث میں چاروں خلفاء کو ”مہدی“ کہا گیا ہے اور زمانہ کے آخر میں بھی ایک خلیفہ راشد ہوں گے، ان کا بھی یہی وصف روایات میں آیا ہے اور درمیان میں بھی بہت سے مہدی (دینی رہنما) ہوں گے، اس باب میں اسی آخری شخصیت کا تذکرہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ بہت سے اسلامی فرقوں کا خیال یہ ہے کہ یہ شخصیت پیدا ہو چکی ہے، لیکن تمام اہل السنہ والجماعہ کا خیال ہے کہ ابھی یہ شخصیت پیدا نہیں ہوئی، ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج یاجوج وموجج سب ایک ساتھ پیش آنے والے واقعات ہیں، جن کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا۔

اور شیعوں کا خیال یہ ہے کہ ان کے بارہویں امام: مہدی ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں، جب دنیا میں تین سو تیرہ مخلص شیعہ ہوں گے تب ان کا ظہور ہوگا، یہ سب سفسطہ (مغالطہ، وہ قیاس جو وہمیات سے مرکب ہو) ہے، اور خود

انہوں نے اپنے منافق ہونے کا اقرار کر لیا۔

علاوہ ازیں اور بھی فرقے بعض لوگوں کی مہدویت کے قائل ہیں مثلاً: ہندوستان کے مہدوی فرقہ کے لوگ محمد جوینوری کو مہدی مانتے ہیں اور قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی کہتے ہیں، مگر روایات کی روشنی میں، آپ اس باب کی روایات پڑھیں، ان سے صاف معلوم ہوگا کہ ابھی اس شخصیت کا ظہور نہیں ہوا۔

انتباہ: حضرت مہدی کے ساتھ ”امام“ یا ”علیہ السلام“ کا اضافہ درست نہیں، مہدی کی امامت کا عقیدہ شیعوں کا ہے، اہل السنہ اس کے قائل نہیں اور شیعوں کے نزدیک ان کے بارہ امام نبوت کی حقیقت کے حامل تھے اس لئے وہ ان کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام بڑھاتے ہیں، مگر اہل السنہ اس کے قائل نہیں، رہا ”رضی اللہ عنہ“ کا استعمال تو اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی اس شخصیت کا وجود ہی نہیں ہوا، اس لئے صرف مہدی یا حضرت مہدی کہنا چاہئے۔

خشینا ان یکون بعد نبینا حدث: الامر الحادث المنکر الذی لیس بمعتاد ولا معروف فی النسۃ۔
”ہمیں ڈر لگنے لگا یہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نئی باتیں نہ ایجاد ہوں۔ امر حادث سے مراد ایسا امر ہے جو نہ ہی معتاد اور معروف ہو یعنی سنت رسول اللہ ﷺ میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو۔“

جواب ①: نبی کریم ﷺ نے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ (بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کا جو اس سے ملے ہوئے ہیں پھر جو ان سے ملے ہوئے ہیں) فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید ان زمانوں کے بعد بدعات اور نئی باتیں پیش آئیں گی تو قیامت اچانک آجائے گی آپ ﷺ نے شفقت علی الامۃ ارشاد فرمایا اولاً حضرت مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے اور بدعات وغیرہ کو ختم کریں گے، ایسا نہ ہوگا کہ اچانک قیامت آخر امت ختم ہو جائے گی۔

جواب ②: یا یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کے بعد کا ہر زمانہ خیر سے خالی ہوتا نظر آتا ہے کہ کل کی جو حالت تھی آج نہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سوچا کہ شاید بالکل اخیر میں لوگ زائد گمراہ ہو جائیں گے چنانچہ ﷺ نے بھی فرمایا ثم یفشو الکذب الخ: اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں شرور و فتن زائد ہوں گے آپ ﷺ نے بطور تسلی فرمایا ایسا نہیں بلکہ ایک زمانہ مہدی کا بھی ہوگا کہ وہ خیر کا زمانہ ہوگا۔

یعیش خمساً او سبعا وتسعاً زید الشاک قال قلنا وما ذاک قال سنین: زید کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے پانچ فرمایا یا سات یا نو، ابوداؤد شریف میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں سبع سنین جزم کے ساتھ واقع ہوا ہے اسی طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی سبع سنین واقع ہے لہذا روایت جازمہ روایت مشکوکہ پر رائج ہوگی یا یہ کہا جائے پانچ سال تو علامات قیامت کے ہوں گے اور دو سال کفار سے جنگ رہے گی پھر دو سال امن و سکون کے ہوں گے اس طرح وہ کل نو (۹) سال ہو جائیں گے۔
اعطنی اعطنی: تکرار برائے تاکید ہے یا مقصود بار بار لینا ہے۔

فیحییٰ له ثوبہ ما استطاع ان یحملہ: یعنی مہدی ساکل کو اس قدر عطاء فرمائیں گے جس کو وہ اٹھا سکے یعنی اس وقت مال کی کثرت ہوگی کہ فتوحات خوب ہوں گی مال غنیمت بہت حاصل ہوگا اور حضرت مہدی سخی بھی ہوں گے۔ ہذا حدیث حسن اخرجہ احمد۔

حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں کہ آخر زمانہ میں وہ تشریف لائیں گے اور اسلامی حکومت قائم کریں گے ان کا قیام سات سال رہے گا وہ انتہائی فتوحات اسلامیہ کا دور ہوگا غنائم کی کثرت ہوگی وہ خود سخی ہوں گے لوگ ان سے مال وغیرہ مانگیں گے وہ حسب منشاء عنایت فرمائیں گے حضرت مہدی کے بارے میں مستقل رسائل علماء نے تحریر فرمائے ہیں جن میں ان احادیث کو جمع فرمایا ہے جو ان کے نزول کے بارے میں وارد ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے اس موضوع پر تین رسالے ہیں العرف الوردی فی اخبار المہدی البرہان فی علامۃ مہدی آخر الزمان تلخیص البیان فی علامۃ مہدی آخر الزمان اسی طرح علی متقی کا رسالہ البرہان فی علامۃ مہدی آخر الزمان اسی طرح دیگر علماء کے رسائل ہیں علامہ شوکانی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی فرمایا نزول المہدی کے بارے میں روایات متواترہ موجود ہیں۔

اور آپ کا مبارک نام محمد ہوگا، آپ کے والد کا نام عبد اللہ، آپ کا خاندانی تعلق بنو ہاشم ہوگا، آپ والد کی طرف سے حنی سید ہوں گے اور والدہ کی طرف سے حسینی۔ (ابوداؤد: حدیث 4290) میں اس کی صراحت ہے اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اللہ کی خوشنودی کے لئے خلافت چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں ایک شخص کو سچی خلافت قائم کرنے کا موقع دیا۔ اور یہ دستور خداوندی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی چیز سے دست بردار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یا اس کی اولاد کو اس سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔ (المنار المنیف ص: 151، فیض القدیر 6: 279)

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَزُولِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ

باب ۴۶: نزول عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

(۲۱۵۹) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزَلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْطُلُ الْخِزْيِرَ وَيَضَعُ الْجُزْيَةَ وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے عنقریب تمہارے درمیان حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کر دیں جزیہ کو ختم کر دیں گے اور مال اتنا تقسیم کریں گے اس کو لینے والا کوئی نہیں بچے گا۔

تشریح: حضرت مہدی کے زمانہ میں دجال کا خروج ہوگا اور جب حالات سنگین ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتاریں گے جو دجال کو قتل کریں گے اور اس فتنہ کو فرو کریں گے۔

یضع الجزية: حافظ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ دین واحد ہوگا کوئی ذمی و مستامن نہ ہوگا سارے مسلمان ہوں گے حکم ہوگا۔ اما الاسلام و اما السيف۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ مال اس قدر کثیر ہوگا کہ لوگوں سے جزیہ حاجت نہ ہوگی۔

تیسرا قول: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل معنی یہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی مال وغیرہ کو نہیں قبول فرمائیں گے

اس معنی کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے کیونکہ جزیہ کا جواز مقید ہے نزول مسیح کے ساتھ یہ حکم ہماری شریعت کا ہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات قیامت میں سے ہے یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب و مقتول ہوئے ہیں قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ ان کا رد کیا گیا فرمایا: ﴿وَمَكْرُؤًا دَمَكًا اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۵۴).... ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ (النساء: ۱۵۷) اسی طرح سورہ نساء میں بھی تفصیل موجود ہے نصاریٰ کا عقیدہ بھی مصلوب و مقتول ہونے کا ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کو دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر اٹھالیا گیا۔

مذکورہ بالا آیات سے اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے ان دونوں کے مقابل اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان یہودیوں کے ہاتھ سے ان کو نجات دی اور ان کو آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا ہے نہ ان کو قتل کیا جاسکا اور نہ ہی سولی دی گئی ہے وہ قرب قیامت آسمان سے اتریں گے یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی طور پر وفات پائیں گے اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص الخیر میں اس اجماع نقل کیا ہے قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث متواترہ نیز اجماع امت سے یہ ثابت ہے یہاں اس کی پوری تفصیل کا موقع نہیں اور نہ ہی ضرورت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی فرمایا:

وقد تواترت الاحادیث عن رسول الله ﷺ انه اخبر بنزول عيسى عليه السلام قبل يوم القيامة اماما عادلا... الخ

بہر حال اس موضوع پر رسائل اور کتابیں موجود ہیں ان کو دیکھ لیا جائے یہاں صرف مختصری بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ سورۃ آل عمران کے گیارہویں رکوع میں حق تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا جس کے اجمالاً ذکر کرنے پر اکتفا فرمایا اس کے بعد تقریباً رکوع اور بائیس آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ خود خاتم الانبیاء ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا ان کا ذکر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا ذکر، ان کی نذر کا بیان، والدہ کی پیدائش، ان کا نام، ان کی تربیت کا تفصیلی ذکر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بطن مادر میں آنا، پھر ولادت کا مفصل حال ولادت کے بعد مال نے کیا کھایا پیا اس کا ذکر، اپنے خاندان میں بچے کو لے کر آنا، ان کے طعن و تشنیع اول ولادت میں ان کو بطور معجزہ گویائی عطا ہونا، پھر جوان ہونا اور قوم کو دعوت دینا، ان کی مخالفت حواریین کی امداد، یہودیوں کا نرغہ، ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا جانا وغیرہ پھر احادیث متواترہ میں ان کی مزید صفات شکل و صورت ہیبت لباس وغیرہ کی پوری تفصیلات یہ ایسے حالات ہیں کہ پورے قرآن و حدیث میں کسی نبی اور رسول کے حالات اس تفصیل سے بیان نہیں کئے گئے اور یہ بات ہر انسان کو دعوت دیتی ہے کہ ایسا کیوں اور کس حکمت سے ہوا۔

ذرا بھی غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ چونکہ آخری نبی و رسول ہیں کوئی دوسرا نبی آپ ﷺ کے بعد آنے والا نہیں اس لئے آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس کا بڑا اہتمام فرمایا کہ قیامت تک جو جو مراحل امت کو پیش آنے والے ہیں ان کے متعلق ہدایات دیں اس لئے آپ نے ایک طرف تو اس کا اہتمام فرمایا کہ آپ کے بعد قابل اتباع لوگ کون ہوں گے ان کا تذکرہ اصولی طور پر عام اوصاف کے ساتھ بھی بیان فرمایا بہت سے حضرات کے نام متعین کر کے بھی امت کو ان کے اتباع کی تاکید فرمائی اس کے بالمقابل ان گمراہ لوگوں کا بھی پتہ دیا جن سے امت کے دین کو خطرہ تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّجَالِ

دجال کا تذکرہ

دجال کی وجہ تسمیہ:

دجال کا لفظ دجل سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے چھپانا اور ڈھانپ لینا کذاب کو بھی دجال اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ حق کو باطل کے سب سے چھپا دیتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا کہ دجال کی وجہ تسمیہ میں دس اقوال ہیں: (فتح الباری ج ۱۳ ص ۹۱ مطبوعہ دار النشر الکتاب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

دجال کی معرفت کے متعلق ضروری امور کا بیان:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: دجال کی بحث میں جن امور کا جاننا ضروری ہے وہ حسب ذیل ہیں:

- (۱) آیا صیاد دجال تھا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد دجال ہے۔ کہ ابن صیاد لغوی معنوں میں دجال تھا لیکن جس دجال سے نبی ﷺ نے ڈرایا ہے اور جس کی مخصوص صفات بیان فرمائی ہیں اس کا ظہور قرب قیامت میں ہوگا کیونکہ نبی ﷺ نے اس کے متعلق یہی خبر دی ہے۔
- (۲) کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دجال موجود تھا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت تمیم داری کی جو روایت بیان کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ دجال عہد رسالت میں بھی موجود تھا اور بعض جزائر میں مقید تھا۔
- (۳) دجال کا خروج کب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت نو اس بنی النضر سے جو حدیث روایت کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اس وقت دجال کا ظہور ہوگا (لیکن یہ واقعہ دوبارہ قرب قیامت میں ہوگا)۔
- (۴) دجال کے خروج کا سبب کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں حضرت حفصہ بنی النضر سے یہ روایت کیا ہے کہ کسی چیز پر غضب میں آنے کی وجہ سے اس کا خروج ہوگا۔
- (۵) دجال کا خروج کس جگہ سے ہوگا؟ تو اس پر اتفاق ہے کہ اس کا خروج مشرق کی جانب سے ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا خروج خراسان سے ہوگا اس روایت کو امام احمد اور امام حاکم نے حضرت ابو بکر بنی النضر سے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ روایت کیا ہے کہ اس کا خروج اصفہان سے ہوگا۔
- (۶) دجال کی صفات کیا ہیں؟ تو اس باب کی احادیث میں ہے وہ کانا ہوگا اور اس کی کافی آنکھ انگوڑی کی طرح پھوٹی ہوئی ہوگی اس کی آنکھوں کے درمیان، ک، ف، ر، لکھا ہوا ہوگا اس کے ساتھ آگ اور پانی کے دریا ہوں گے وہ ایک آدمی کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا وغیرہ وغیرہ۔
- (۷) وہ کس چیز کا دعویٰ کرے گا؟ جب اس کا خروج ہوگا تو پہلے مرحلہ میں وہ ایمان اور صلاح کا دعویٰ کرے گا پھر نبوت کا دعویٰ کرے گا اس کے بعد الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔

دجال کی الوہیت باطل کرنے کے لیے اس کے کانے پن کو بیان کرنے کی وجہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اس کے دعویٰ الوہیت کو رد کرنے کے لیے صرف اس بیان پر اکتفاء کی کہ وہ کانا ہوگا حالانکہ اس کے حادث اور مخلوق ہونے پر اور بھی دلائل موجود تھے کیونکہ آنکھ کا کانا ہونا ایک ایسا واضح عیب ہے جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل کیونکہ وہ ربوبیت کا دعویٰ کرے گا اور اس کی خلقت ناقص ہوگی امام مسلم اور امام ترمذی رحمہما نے بعض روایات میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے دجال سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھے گا اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ دجال کا ربوبیت کا دعویٰ جھوٹا ہے کیونکہ دجال الوہیت کا دعویٰ کریگا اور لوگ اس کو دیکھ رہے ہوں گے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الدَّجَالِ

باب ۷۴: دجال کا بیان

(۲۱۶۰) إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ إِلَّا قَدْ أَنْذَرَ الدَّجَالَ قَوْمَهُ وَإِنِّي أُنذِرُكُمْ لَهُ فَوَصَفَهُ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لَعَلَّهُ سَيُذِرُكُمْ بَعْضُ مَنْ رَأَى أَوْ سَمِعَ كَلَامِي قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَكَيْفَ قُلُوبُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ مِثْلُهَا يَعْنِي الْيَوْمَ أَوْ حَيْثُ.

ترجمہ: حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے اور میں بھی تم لوگوں کو اس سے ڈرا رہا ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے اس کا حلیہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہو سکتا ہے جس نے مجھے دیکھا یا میرے کلام کو سنا ان میں سے کوئی ایک اسے پالے لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ اس وقت ہمارے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح ہوں گے (راوی کہتے ہیں جیسے آج ہیں) یا اس سے بہتر ہوں گے۔

(۲۱۶۱) قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثَلَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَالَ فَقَالَ إِنِّي لَا أُنذِرُكُمْ لَهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ وَلَقَدْ أَنْذَرَ نُوحٌ قَوْمَهُ وَلَكِنْ سَأَقُولُ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ قَالَ الرَّهْرِيُّ فَأَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَئِذٍ لِلنَّاسِ وَهُوَ يُحْذِرُهُمْ فِئْتَنَةٌ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَنْ يَرَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ وَأَنَّهُ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَأُ مَنْ كَرِهَ عَمَلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اس کی حمد و ثناء بیان کی ہے اور دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا میں تم لوگوں کو اس سے ڈرا رہا ہوں ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ڈرایا ہے لیکن میں تم کو اس بارے میں ایک ایسی بات بتا رہا ہوں جو کسی نبی نے

اپنی قوم کو نہیں بتائی تم لوگ یہ بات جان لو کہ وہ کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن لوگوں کو دجال کے فتنے سے ڈراتے ہوئے یہ فرمایا تم لوگ یہ بات جانتے ہو کہ کوئی بھی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کی زیارت نہیں کر سکتا (اور دجال کو تم دنیا میں دیکھ لو گے) اور اس (دجال) کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا اسے وہ شخص پڑھ سکے گا جو اس کے عمل کو ناپسند کرے گا۔

(۲۱۶۲) ثَقَاتِلُكُمْ الْيَهُودُ فَتَسْلُطُونَ عَلَيْكُمْ حَتَّى يَقُولَ الْحَجَرُ يَا مُسْلِمُ هَذَا يَهُودِيٌّ وَرَأَيْتُ فَاقْتُلْهُ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہودی تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور تم ان پر غالب آ جاؤ گے یہاں تک کہ پتھر یہ کہے گا اے مسلمان یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے تم اسے قتل کر دو۔

تشریح: مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون؟ دجال: اسم مبالغہ ہے، اس کے معنی ہیں: انتہائی فریب کار، یہ مسیح کذاب کا لقب ہے جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ دجل (ن) دجلًا: فریب دینا، دجل الحق: حق پر باطل کا پردہ ڈالنا، حق پوشی کرنا۔ اور مسیح: فعیل کا وزن ہے، مسح الشیء کے معنی ہیں: ہاتھ پھیرنا، عیسیٰ علیہ السلام بھی مسیح ہیں اور دجال بھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی ماح (ہاتھ پھیرنے والے) ہیں، آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیمار چنگے ہو جاتے ہیں، اس لئے آپ کا یہ لقب قرآن میں آیا ہے اور دجال مسیح بمعنی مسوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے، اس کی ایک آنکھ پر پیدائشی طور پر ہاتھ پھیرا ہوا ہوگا جس سے وہ آنکھ چوہٹ ہوگئی ہوگی اس لئے اس کا لقب بھی مسیح ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت!

تورات میں دونوں مسیحوں کی خبر دی گئی تھی مگر جب مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے محفوظ رکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، مگر یہود کا خیال یہ ہے کہ انہوں نے مسیح ضلالت کو کفر کردار تک پہنچا دیا، اور وہ مسیح ہدایت کا انتظار کر رہے ہیں، چنانچہ آخر زمانہ میں جب مسیح ضلالت پیدا ہوگا تو یہود بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے اور اسی شتباہ کو ختم کرنے لئے اللہ تعالیٰ مسیح ہدایت کو آسمان سے اتاریں گے جو مسیح ضلالت کو قتل کریں گے، پس لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون؟

اسی طرح عیسائیوں کو بھی ایک اشتباہ ہے، نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد اس کا ازالہ بھی ہے۔ یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں آپ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سبھی انبیاء کے خاتم ہیں۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کے خاتم النبیین میں الف لام عہدی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین میں الف لام استغراقی ہے مگر عیسائیوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ آخر زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دین محمدی کی پیروی کریں گے تب برملا ظاہر ہو جائے گا کہ خاتم النبیین کامل تھا اور مقید کون؟ یہ بھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ایک مقصد ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ دجال کا معاملہ مخفی رکھا گیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے تمام انبیاء برابر خروج دجال کی خبر

دیتے آئے ہیں اور اپنی امتوں کو اس کے سنگین فتنے سے ڈراتے رہے ہیں، یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ کا دور آیا، آپ ﷺ نے گزشتہ انبیاء سے بھی واضح اور دو ٹوک انداز میں اپنی امت کو اس فتنے سے ڈرایا، مگر آپ ﷺ کو بھی اس کے زمانہ کا پورا اندازہ نہیں تھا، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

دجالی فتنے:

دجل و تلبیس کے معنی ہیں: حقیقت پر پردہ ڈالنا، پس جو بھی نظریہ باطل پر ملح چڑھانا ہے اور اس کو حق باور کراتا ہے وہ دجالی فتنہ ہے، جیسے جھوٹی نبوتوں کے فتنے دجالی فتنے ہیں، حدیثوں میں ان پر لفظ دجال کا اطلاق آیا ہے، ایسے دجالی فتنے ہمیشہ ظہور پذیر ہوتے رہیں گے اور آخر میں دجال اکبر کا فتنہ رونما ہوگا جس کا تذکرہ اس باب میں ہے۔

دونوں کو مسیح کہا جاتا ہے: اور لفظ مسیح، دجال و عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان مشترک ہے البتہ لفظ مسیح کو دجال کے ساتھ مقید کر کے مسیح الدجال کہا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مطلق بولا جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی مختلف وجوہات ہیں: ① اندھے اور کوڑھی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح فرمادیتے تو وہ ٹھیک ہو جاتے تھے۔ ② حضرت مسیح علیہ السلام اپنی والدہ کے پیٹ کی تمام گندگیوں سے مسح یعنی پونچھے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ ③ مسیح بمعنی صدیق بھی آتا ہے۔ ④ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دونوں پاؤں کے تلوے مسح اور ہموار تھے خم دار و بار یک نہیں تھے۔ ⑤ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر کثرت سے سیاحت فرمائیں گے اس وجہ سے ان کو مسیح کہا گیا۔

دجال کو مسیح کہنے کی بھی مختلف وجوہات ہیں:

① اس کی ایک آنکھ مسح و ہموار ہوگی۔ ② مسح الخیر ہونے کی وجہ سے مسیح کہا گیا ہے کیونکہ خیر سے وہ محوم ہے۔ ③ کثرت مساحت کی بناء پر مسیح کہلاتا ہے کہ وہ ادھر ادھر بھاگا پھرے گا۔

اعتراض: انبیاء علیہم السلام کو یہ بات معلوم تھی کہ دجال کا خروج آپ ﷺ کی بعثت کے بعد ہوگا پھر انہوں نے اپنی قوم کو کیوں ڈرایا؟

جواب ①: یہاں انذار سے مراد نہیں کہ اس وجہ سے ڈرایا کہ وہ ان کے زمانے میں نکلے گا بلکہ انذار سے مراد یہ ہے کہ ایسا فتنہ ہوگا جو اہم فتنہ ہے تاکہ لوگوں کو ادا امر کی طرف زیادہ متوجہ کیا جاسکے چونکہ اہم حوادث کے بیان سے لوگوں کی توجہ الی اللہ ہو جاتی ہے۔

جواب ②: ممکن ہے کہ سابق انبیاء پر اس کا وقت خروج مخفی رکھا گیا ہو جیسا کہ خود آپ ﷺ پر بھی ابتدائی مخفی رہا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے خود فرمایا: ان یخرج وانا فیکم فانا حبیجہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان اس وقت ہو سکتا ہے کہ خود آپ ﷺ پر بھی اس کا خروج مخفی تھا۔

جواب ③: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ابہام اس وجہ سے واقع ہوا ہے کہ علامات بعض مرتبہ معلق بالشرط ہوا کرتی ہیں ممکن ہے شرط پائی جائے جو معلوم نہ ہو سکے اور اس کا وجود ہو جائے اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اپنے زمانہ میں ڈرایا۔

جواب ④: اللہ تعالیٰ کو ہر طرح قدرت ہے اور اس کے افعال معلل بالعلل و الاسباب نہیں ہیں کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت کب اس کعب یعنی دجال کو پیدا فرمادیں تو اس احتمال کی بناء پر انبیاء کی جانب سے انذار پایا گیا۔

سیدد کہ بعض من رانی... الخ: یہاں سماع سے مراد عام ہے بلا واسطہ یا بالواسطہ تو اب معنی ہوں گے ظہور دجال کے وقت آپ ﷺ کے اقوال کو بالواسطہ سننے والے موجود ہوں گے یعنی امت محمد ﷺ بہر حال اس وقت ہوگی۔ اوسم کلامی: میں

اور برائے تنویج ہے نہ کہ برائے شک یعنی اور منع الخلو کے لئے ہے نہ کہ الجمع کے لئے۔ قالوا یا رسول اللہ فکیف قلوبنا یومئذ فقال مثلها یعنی الیوم او خیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے معلوم کیا کہ دجال کے آنے کے وقت ہمارے قلوب کی کیا کیفیت ہوگی تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسے ہی ہوں گے جیسے آج کل ہیں یا بہر ہوں گے اور برائے شک ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اور برائے تنویج ہے افراد کے اعتبار سے ہے یعنی بعض لوگوں کے قلوب آج کل کی طرح ہوں گے اور بعض کے قلوب بہتر ہوں گے۔

وفي الباب عن عبد الله بن بسر رضی اللہ عنہ: اخرجہ ابو داؤد ابن ماجہ و عبد الله مغفل اخرجہ ابن حبان کم فی الموارد ص ۴۶ و ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اخرجہ الشیخان۔ هذا حدیث حسن غریب اخرجہ ابو داؤد وسکت عنه۔

ولکن سا قول فیہ قولاً لم یقلہ نبی لقومہ: یعنی میں تم کو دجال کے بارے میں ایسی بات بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی ہے چونکہ دجال کا خروج اس امت کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھا اس وجہ سے دجال کی علامت دیگر انبیاء کو نہیں بتلائی گئی تھی اور آپ ﷺ کو بتلا دی گئی تھی یعنی اس کے کانے ہونے کی خبر آپ ﷺ نے بتلائی کہ وہ الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور کانا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کانا ہے اور یہ علامت بھی ایسی علامت ہے جس کو ہر آدمی دیکھ لے گا اور پہچانے گا۔

تعلمون ان لن یرای احد منکم ربہ حتی یموت و انہ مکتوب بین عینیہ کافر یقرأہ من کرأہ عملہ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دجال کے فتنہ سے ڈراتے ہوئے جو بھی ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی زیارت نہ کر سکے گا لیکن یہ دجال اپنے اللہ تعالیٰ ہونے کا دعویٰ کرے گا اور اس کو لوگ دیکھیں گے معلوم ہوا کہ یہ اللہ نہیں ہے۔ لہذا اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا۔

وانہ مکتوب بین عینیہ کافر یقرأہ من کرأہ عملہ: نیز فرمایا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا جو شخص اس کے عمل کو ناپسند کرے گا وہ اس کو پڑھ لے گا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر لکھا ہوا ہوگا بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ف، ر، بطور حروف تہجی مکتوب ہوگا چنانچہ مسند احمد کی روایت جابر بنی رضی اللہ عنہ میں حروف ہجاء کی صراحت ہے اسی طرح طبرانی میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی حروف ہجاء کی صراحت ہے نیز مسند احمد میں ابو بکرہ بنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ایسے ہی ہے یقرأہ الاھی والکاتب۔ اسی طرح معاذ بنی رضی اللہ عنہ کی روایت مسند بزار میں اور ابو امامہ بنی رضی اللہ عنہ کی روایت ابن ماجہ میں یقرأہ کل مومن کاتب وغیرہ کاتب کی تصریح ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو یہ ادراک عطا فرمائیں گے کہ وہ دجال کے چہرہ پر لکھا ہوا لفظ (کافر) پڑھے گا اور یہ بطور خرق عادت ہوگا کیونکہ وہ خرق عادت کے صدور کا زمانہ ہوگا اور کافر کو یہ علامت نظر نہیں آئے گی خواہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے متقدین کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیں گے یا کفار پر اس کا رعب اس قدر غالب ہوگا کہ وہ اس ہیبت کی بناء پر اس کی طرف نظر نہ کر سکیں گے۔ حدیث عمر بن ثابت رضی اللہ عنہ اخرجہ الشیخان۔

حتی یقول الحجر: یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے چنانچہ مسلم میں ابو ہریرہ بنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال النبی ﷺ لا تقوم الساعة حتی یقاتل المسلمون اليهود فیکتلتهم المسلمون حتی الیہود من

وراء الحجر والشجر فيقول الحجر او الشجر يا مسلم يا عبد الله هذا اليهودي خلفي فتعال فاقتله
الا لغر قد فانه من شجر اليهود. حديث ابن عمر رضى الله عنهما. اخرجه مسلم

بَابُ مَا جَاءَ مِنْ أَيْنَ يَخْرُجُ الدَّجَالُ؟

باب ۴۹: دجال کہاں سے نکلے گا

(۲۱۶۳) الدَّجَالُ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضِ الْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا خُرَّاسَانُ يَتَّبَعُهُ أَقْوَامٌ كَأَنَّ وُجُوهُهُمْ الْمَجَانُ الْمُطْرَقَةُ.

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ بات بتائی ہے دجال مشرق کی سرزمین میں سے نکلے گا اس جگہ کا نام خراسان ہوگا کچھ لوگ اس کے ساتھ ہوں گے۔ جن کے چہرے چھٹی ڈھالوں کی مانند ہوں گے۔
تشریح: الکوکب الدری میں ہے کہ خروج دجال دو معنی میں مستعمل ہے، ایک: دجال کا ہم پر نکلنا یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں آنا دوسرے: مطلق نکلنا یعنی اس کا ظہور ہونا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے وہ سرزمین مشرق سے نکلے گا جس کو خراسان کہا جاتا ہے، جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان کی گھاٹی سے ہوگا، جیسا کہ باب 49 کی حدیث میں آرہا ہے اور خراسان: ایک خطہ ہے، جس میں نیشاپور، طوس، مرو، سرخ، بلخ، طالقان، فاریاب اور انبار وغیرہ شہر واقع ہیں اور النجد میں اس کا نقشہ ہے۔

قال الدجال: یہ جملہ متانفہ ہے حدثا کی تاکید مقصود ہے یا حدثا سے بدل ہے علی مذہب الشاطبی رحمہ اللہ کیونکہ ان کے نزدیک افعال میں بھی بدل و مبدل منہ کی ترکیب ہوتی ہے یا تقدیر عبارت اس طرح ہے حدثنا اشیاء من جملتها قال الدجال.... الخ.

يتبعه: ای يلحقه ويطيعه۔ کان وجوههم المجان المطرقة: المجان

دجال خراسان سے نکلے گا:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دجال مشرقی سرزمین خراسان سے نکلے گا، خراسان سے ایران، عراق اور ماوراء النہر کا سارا علاقہ مراد ہے، دجال کے پیروکار، ایسے لوگ ہوں گے جن کے چہرے چھٹے یعنی چوڑے اور رخسار ڈھال کی طرح ابھرے ہوئے ہوں گے جیسا کہ چینی، ازبک اور ترکیوں کے چہرے ہوتے ہیں، ان کے منہ کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ ان کے چہرے چوڑے، گولائی کے ساتھ پھیلے ہوئے اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، گویا ان کے چہرے کی گولائی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہونے کو ”مطرقة“ یعنی اس ڈھال کے ساتھ تشبیہ دی، جو تہ دار چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔

خروج دجال کے سلسلہ میں روایات میں چار جگہوں کا تذکرہ آتا ہے: (1) شام و عراق کے درمیان گھاٹی (2) اصہبان کے مقام یہودیہ (3) سرزمین مشرق یعنی خراسان (4) حوز و کرمان۔

اور ان روایات میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ دجال کا خروج اولیں شام و عراق کی وسطی گھاٹی سے ہوگا، مگر اس وقت اس کی شہرت نہ ہوگی اور اس کے اعداؤں و انصار یہودیہ گاؤں میں اس کے منتظر ہوں گے، وہ وہاں جائے گا اور ان کو ساتھ لے کر پہلا پڑاؤ حوز و کرمان میں کرے گا، پھر مسلمان کے خلاف اس کا خروج خراسان سے ہوگا، اور یہودیہ میں جو یہودی اس کا انتظار کر رہے ہوں گے وہ ترک نسل ہوں گے، ان کے چہرے چوڑے اور ناک چھٹی ہوگی، اور پہلے (باب 34) میں عربوں کی ترکوں سے جنگ کا ذکر آیا ہے، شاید وہ یہی جنگ ہو۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلَامَاتِ خُرُوجِ الدَّجَالِ

باب ۵۰: خروج دجال کی نشانیاں

(۲۱۶۳) الْمَلْحَمَةُ الْعُظْمَى وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ وَخُرُوجُ الدَّجَالِ فِي سَبْعَةِ أَشْهُرٍ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں زبردست خوزری قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج (یہ تینوں علامات) سات مہینوں کے اندر ظاہر ہو جائیں گی۔

(۲۱۶۵) قَالَ فَتَحَ الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قسطنطنیہ کی فتح قیامت قائم ہونے کے قریب ہوگی۔
تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قیامت کی تین علامتوں کا ذکر فرمایا ہے:

قسطنطنیہ روم کا پایہ تخت تھا اور قسطنطین بادشاہ کا نام تھا جس نے یہ شہر بسایا تھا۔ الملحمة العظمی: یعنی فتنہ و جنگ عظیم ابن الملک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ جنگ ہے جو شام روم کے مابین ہوئی ہے یا تاتار و شام کے درمیان جنگ مراد ہے جو ہو چکی ہے اور روایت میں مدت کی تعیین مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے الملحمة العظمی کے بعد فتح قسطنطنیہ ہے اور اس کے بعد خروج دجال جلد ہی ہو جائے گا یعنی ہر سابق لاحق کے لیے علامت ہے۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ اولاً خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ۵۲ فتح ہوا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی شہر کے محاصرہ میں ہوا پھر روم نے غلبہ پایا پھر یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور دوسری مرتبہ ترکی کے بادشاہ محمد فاتح رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا اور اس کا نام استنبول یا اسلام بول رکھا یہ شہر فی الحال مسلمانوں کے قبضہ میں ہے آئندہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور خروج دجال سے پہلے حضرت مہدی اس کو فتح کریں گے

سند کا حال: باب کی روایت ضعیف ہے اس کا ایک راوی ابو بکر بن ابی مریم غسانی شامی ہے جس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں ہوتیں اور منذری رضی اللہ عنہ نے مختصر سنن ابی داؤد (۶: ۱۶۳) میں امام ترمذی رضی اللہ عنہ کا قول: هذا حديث غريب لانعرفه الا من هذا الوجه نقل کیا ہے پس ہمارے نسخوں میں جو حسن ہے وہ صحیح نہیں اور ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ چھ سال میں ہوگا اور ساتویں سال میں دجال نکلے گا امام ابو داؤد نے اس حدیث کو اصح کہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِتْنَةِ الدَّجَالِ

باب ۵۱: دجال کے فتنے کا تذکرہ

(۱۶۶۲) ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ نے دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے دس چیزوں کو بیان کیا تو ہم نے یہ سمجھا کہ وہ کھجوروں کے جھر مٹ میں ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں ہم آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے پھر جب ہم (اگلے دن) نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ہماری پریشانی کو محسوس کر لیا آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا پریشانی ہے؟ راوی بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے کل دجال کا تذکرہ کیا تھا اس کی اونچ نیچ کو بیان کیا تھا یہاں تک کہ ہم تو یہ سمجھے کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا دجال کی بجائے دوسری چیز کا تمہارے بارے میں زیادہ خوف ہے اگر وہ دجال نکلا اور اس وقت تمہارے درمیان میں موجود ہوا تو میں تمہارے لیے رکاوٹ ہوں گا اور اگر وہ اس وقت نکلا جب میں تمہارے درمیان موجود نہ ہوا تو ہر شخص اپنی طرف سے مقابلہ کرے گا اور ہر مسلمان کا میری جگہ اللہ تعالیٰ نگہبان ہوگا دجال ایک جوان آدمی ہوگا اور اس کے بال گھنگھریالے ہوں گے اس کی آنکھ کافی ہوگی اس کی شکل عبدالعزیٰ بن قطن (زمانہ جاہلیت کے شخص) سے ملتی ہوگی تم میں سے جو شخص اسے دیکھ لے وہ سورۃ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے۔

وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں خرابی پیدا کرے گا اے اللہ کے بند و تم ثابت قدم رہنا۔

راوی کہتے ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ زمین میں کتنا عرصہ رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا چالیس دن ان میں سے ایک دن ایک سال جتنا ہوگا ایک دن ایک مہینے کی طرح ہوگا ایک دن ایک ہفتے کی طرح ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے راوی بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ دن جو ایک سال کی طرح ہوگا کیا اس میں ایک دن کی نماز پڑھنا کافی ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تم اندازے کے ساتھ نماز پڑھ لینا ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ زمین میں کتنی تیزی سے حرکت کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس طرح وہ بادل حرکت کرتے ہیں جسے تیز ہوا چلاتی ہے وہ لوگوں کے پاس آئے گا انہیں دعوت دے گا لوگ اسے جھٹلائیں گے اور اس کی بات کو مسترد کر دیں گے جب وہ ان کے پاس سے واپس جائے گا ان لوگوں کے اموال بھی اس کے ساتھ چلے جائیں گے اور ان لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا پھر وہ دوسری قوم کے پاس آئے گا انہیں دعوت دے گا وہ لوگ اس کی دعوت قبول کریں گے اس کی بات کی تصدیق کریں گے وہ آسمان کو حکم کرے گا کہ بارش نازل کر تو آسمان بارش نازل کر دے گا وہ زمین کو حکم دے گا کہ پھل اگاؤ تو وہ اگا دے گی شام کے وقت ان لوگوں کے جانور (چراگا ہوں سے) جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہان لمبے ہوں گے کو لمبے چوڑے اور پھیلے ہوئے ہوں گے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے پھر دجال ایک ویران جگہ آ کر یہ کہے گا کہ اپنے خزانے نکال دو تو جب وہ وہاں سے واپس آئے گا تو وہ خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے آئیں گے پھر دجال ایک بھر پور

جوان شخص کو بلا کر تلوار کے ذریعے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا پھر وہ اسے بلائے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کی طرف آئے گا۔ اسی دوران حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے جامع دمشق کے سفید مشرقی مینار پر اس عالم میں اتریں گے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوں گے جب وہ اپنا سر نیچے کریں گے تو ان کے بالوں میں سے پانی کے قطرات ٹپکیں گے وہ اسے اوپر اٹھائیں گے تو وہ (قطرات) یوں چمکتے ہوئے محسوس ہوں گے جیسے موتی ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشبو جس کا فریاد پہنچے گی وہ مر جائے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک جائے گی جہاں تک نگاہ جاتی ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے اور کے دروازے کے پاس اس کو پا کر اسے قتل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ کو جب تک منظور ہو گا وہ زمین پر قیام کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی بھیجے گا کہ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر اکٹھا کرو کیونکہ میں ایک ایسی مخلوق کو اتارنے والا ہوں جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت اللہ تعالیٰ یا جوج اور ماجوج کو بھیجے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور وہ بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں ان کا پہلا گروہ طبرستان کے سمندر کے پاس سے گزرے گا اور اس کے پورے پانی کو پی جائے گا اور جب دوسرا گروہ وہاں سے گزرے گا تو وہ یہ سوچیں گے کہ کیا یہاں پر پانی بھی ہوا کرتا تھا؟ پھر وہ لوگ آگے آئیں گے یہاں تک کہ بیت المقدس کے ایک پہاڑ کے پاس پہنچ جائیں گے اور یہ کہیں گے ہم نے زمین میں بسنے والے تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہے اور اب ہم آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں گے پھر وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو جب لوٹائے گا تو وہ خون آلود ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محصور ہوں گے اس وقت ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان کے نزدیک گائے کا ایک سر سو دیناروں کی طرح قیمتی ہو گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یا جوج اور ماجوج کی گردن میں ایک کیڑا پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہ لوگ بیک وقت قتل ہو جائیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (پہاڑ سے نیچے اتریں گے تو) ان لوگوں کی بدبو اور خون کی وجہ سے ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی طرح کے پرندے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر ویران جگہ پر پھینک دیں گے پھر مسلمان ان لوگوں کے تیروں کمانوں اور ترکشوں کو سات سال تک ایندھن کے طور پر استعمال کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش نازل کرے گا جو ہر گھر اور ہر خیمے تک پہنچے گی وہ تمام زمین کو اس طرح صاف کر دے گی جیسے شیشہ ہوتا ہے پھر زمین سے کہا جائے گا اپنے اندر سے پھل باہر نکال اور اپنی برکتیں واپس لے آؤ اس وقت ایک انار کئی لوگ کھالیں گے اور لوگ اس کے درخت کے سائے میں آرام کریں گے دودھ میں اتنی برکت ہو جائے گی کہ ایک اونٹنی کے دودھ سے ایک جماعت سیر ہو جائے گی گائے کے دودھ سے ایک قبیلہ سیر ہو جائے گا ایک بکری کے دودھ سے ایک کنبہ سیر ہو جائے گا وہ لوگ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو بھیجے گا وہ ہر اس شخص کی روح کو قبض کرے گی جو ایمان والا ہو گا اور صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو راستے میں سرعام یوں صحبت کریں گے جیسے گدھے کرتے ہیں انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

اس باب میں جو حدیث ہے وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسلم شریف (حدیث ۷۲۹۳) کی روایت ہے۔

تشریح: خفص فیہ درفع ببتدید الفاء یعنی آپ ﷺ نے دجال کو حقیر بھی بتلایا بایں طور کہ وہ کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اہوں ہوگا اور جلد ہی اس کی ہیبت درعب ختم ہو جائے گا لیکن ساتھ ہی اس کے فتنے کے بارے میں یہ فرمایا کہ خوارق عادات اس سے امور کا صدور ہوگا جس سے لوگوں کی نظر میں اس کا فتنہ عظیم ہوگا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے دجال کے کل حالات بیان فرمادیے جس کو اردو محاورہ میں کہا جاتا ہے آپ ﷺ نے اس کی اونچ نیچ سب سمجھا دی۔

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض حضرات نے فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے دجال کے احوال کو بیان کرتے ہوئے اپنی آواز کو پست فرمایا کہ اتنے کثیر احوال بیان کئے کہ آپ ﷺ تھک گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے مزید اس کے احوال بلند آواز سے بیان فرمائے تاکہ لوگوں کو اچھی روح اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں۔

حتیٰ ظنناہ فی طائفة النخل: اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے خوفناک حالات سن کر ہم کو ایسا ڈر معلوم ہونے لگا گویا وہ قریب میں کھجوروں کے جھرمٹ میں چھپا ہوا ہے چونکہ جب کوئی خوف ناک شئی قریب ہوتی ہے تو اس سے بظاہر ڈر معلوم ہوا کرتا ہے۔

اس پر علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ دجال آخری زمانے میں امام مہدی علیہ السلام کے بعد آئے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے تو پھر آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں خروج دجال کا احتمال کیسے ذکر فرمایا؟

تین جواب دیئے ہیں؟

دجال کے فتنے سے اس انداز سے ڈرانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں؟

بعض کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ کو خروج دجال کا وقت معلوم نہیں تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس طرح کا کلام فرمایا پھر بعد میں آپ کو اس کا وقت بتایا گیا۔

ثم رحننا الیہ... الخ: یعنی جب ہم شام کے وقت آپ ﷺ کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے دجال کا خوف ہمارے اندر محسوس کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر بالفرض والتقدیر وہ اگر آجائے تو میں خود اس کا مقابلہ تمہاری طرف سے کروں گا اور اگر بعد میں آئے گا تو ہر مسلمان و مؤمن خود اس کا مقابلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہر مومن ہامدگار ہے اور حافظ ہے کہ اس کے شر کو دفع فرمائے گا۔

فمن راہ منکم فلیقرأ فواتح سورۃ اصحاب کھف: علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اوائل سورہ کھف کا پڑھنا دجال کے فتنے سے امان ہے کہ اس سورت میں دقیانوس ظالم بادشاہ کے فتنے سے اصحاب کھف کی حفاظت کا بیان ہے۔

سوال: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی مدت قیام فی الدنیا چالیس یوم ہے جبکہ اسماء بنت یزید بن اسکن کی روایت میں مدت قیام چالیس سال فرمائی گئی ہے کما فی شرح السنۃ بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

جواب ①: ممکن ہے یہ مقدار کا اختلاف باعتبار کیفیت و کمیت ہو کما یشر الیہ بقولہ السنۃ کالشیہر مراد یہ ہے کہ وہ چالیس سال ایام کی طرح جلد ہی گذر جائیں گے اسی طرح ایک سال کے برابر ہوگا تو زیادہ ہولناک ہونے کے اعتبار سے وہ چالیس سال کے برابر مدت معلوم ہوگی۔

جواب ②: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو وہ مدت صرف چالیس یوم کے برابر معلوم ہوگی اور بعض لوگوں کو چالیس سال کے برابر۔

جواب ③: بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے تین دن اس مدت کے طویل ہوں گے اور باقی ایام علی حسب العادة ہوں گے تو اس طرح یہ مدت جو چالیس یوم کی ہے چالیس سال کے برابر ہو جائے گی و فیہ تاہل۔

جواب ④: بعض علماء نے فرمایا کہ مسلم کی روایت جس میں ایام کا ذکر ہر وہ رائج ہے بغوی کی روایت پر۔

ولکن اقدروا الہ: یعنی جب ایک دن ایک سال کے برابر اور ایک ماہ ایک ہفتے کے برابر ہوگا تو نمازوں کو اپنے اوقات میں کس طرح ادا کیا جائے گا نماز کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا سوال ان حضرات کے کمال توجہ الی الصلوٰۃ پر دلالت کرتا ہے۔ فیقطعہ جزلتین: اس شخص کے دو ٹکڑے کر دے گا جزلۃ لفتح الجیم و کسر ہا بمعنی ٹکڑا۔

یہاں روایت میں اختصار ہے بخاری شریف میں ہے کہ دجال مدینہ کے قریب کئی کھائی وغیرہ میں قیام کرے گا چونکہ مدینہ میں داخل ہونا اس کے لیے ناممکن ہوگا ایک ایسا شخص جو لوگوں میں سے بہتر ہوگا اس کے پاس آئے گا اور اس کی تکذیب کرے گا کہے گا اشہد انک الدجال تو وہی ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے خبر دی ہے پھر دجال لوگوں سے کہے گا اے لوگو اگر میں اس کو قتل کر دوں اور پھر زندہ کر دوں تو پھر بھی تم کو میرے الہ ہونے میں شک رہے گا کہیں نہیں چنانچہ وہ اس کو قتل کر دے گا پھر زندہ کرے گا وہ زندہ ہو کر کہے اب مجھ کو مزید بصیرت حاصل ہوگئی کہ تو واقعی دجال ہے پھر دجال اس کو قتل کرنا چاہے گا مگر نہیں قتل کر سکے گا۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ وہ زندہ شخص لوگوں میں اعلان کر دے گا اب یہ دجال کسی کو قتل نہیں کر سکے گا پھر دجال اس سے کہے گا اب بھی تو میرے اوپر پر ایمان نہیں لاتا ہے وہ شخص کہے گا اب تو مجھ کو تیرے دجال ہونے کا اور بھی یقین ہو گیا ہے پھر وہ شخص لوگوں میں اعلان کرے گا:

یا ایہا الناس هذا المسیح الدجال الکذاب من اطاعہ فهو فی النار ومن عصاہ فهو فی الجنة۔

”اے لوگو! یہ مسیح دجال ہے جس نے اس کی اطاعت کی وہ جہنم میں داخل ہوگا اور جس نے اس کی نافرمانی کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال اس شخص کو متعدد بار ذبح کرنے کی کوشش کرے گا مگر اس کو قدرت نہ ہوگی۔

فائدہ: نبی ﷺ نے فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی بونہیں پائے گا کوئی شخص مگر وہ مرجائے گا اور آپ ﷺ کے سانس کی بو آپ کی نگاہ کے منتہی تک پہنچے گی آپ کے سانس کی یہ خصوصیت اسی موقع پر ہوگی اور یہ عجیب بات ہے کبھی آپ کی پھونک سے مردے زندہ ہو جاتے تھے اور آج آپ کے سانس سے دجال پگھل جائے گا۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کہساں ہوگا؟ حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں ہوگا جب کہ ایک دوسری روایت میں بیت المقدس ایک میں اردن اور ایک روایت میں معسکر المسلمین یعنی مسلمانوں کی چھاؤنی اور اجتماع گاہ میں اترنے کا ذکر ہے۔ اس بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

(۱) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مصباح الزجاجة میں اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے الکوکب الدری میں ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ سنن ابن ماجہ کی روایت رائج ہے جس میں بیت المقدس میں اترنے کا ذکر ہے اور اس روایت کو باقی روایات کے ساتھ

تعارض بھی نہیں کیونکہ بیت المقدس میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں دمشق کی مشرقی جانب میں واقع ہے اور بیت المقدس مسلمانوں کا مرکز بھی ہے اور بیت المقدس اس وقت اگرچہ فلسطین کا حصہ ہے اردن کا نہیں لیکن یہ سارا علاقہ اردن ہی کا ہے ہاں بیت المقدس میں اس وقت اگرچہ کوئی مینار نہیں ہو سکتا ہے کہ نزول عیسیٰ سے پہلے وہاں بنا دیا جائے؟

حدیث میں ہے جو بشرقی دمشق منقول ہے اس سے کیا مراد ہے؟ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے بیت المقدس مراد ہے کہ وہ دمشق کی مشرقی جانب میں واقع ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرقی سے بیت المقدس کی شرقی جانب مراد ہے۔ کہ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا گویا اس لفظ نے بتا دیا کہ ان کا نزول بیت المقدس کی کسی اور جانب نہیں ہوگا بلکہ مشرقی جہت میں ہی ہوگا شیخ کی تاویل کا تقاضا یہ ہے کہ بیت المقدس دمشق کی مغربی جانب میں ہو اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تاویل کے مطابق اس کے برعکس ہو یعنی دمشق کی مشرقی جانب میں ہو شیخ کی تاویل میں تھوڑا سا تکلف ضرور ہے کہ لفظ شرقی سے بیت المقدس کی شرقی جانب مراد ہے اور لفظ دمشق لفظ شرقی سے بدل یا اس کا عطف بیان ہے کیونکہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی لیکن دنیا کے نقشے کو دیکھا جائے تو محل وقوع کے اعتبار سے شیخ کی تاویل درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ بیت المقدس دمشق کی مشرقی جانب میں نہیں ہے بلکہ جنوب غربی کی جانب واقع ہے اور دمشق بیت المقدس کی شمال مشرقی جانب میں واقع ہے۔ واللہ اعلم (۲) اکثر حضرات نے اس مشہور روایت کو رائج قرار دیا ہے کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق کی مشرقی جانب سے سفید مینار کے پاس اترنے کا ذکر ہے اور یہ مینار آج بھی موجود ہے۔

ان علاقوں میں نماز روزے کا حکم جہاں دن رات معمول کے مطابق نہ ہوں:

دنیا کے وہ علاقے جہاں دن رات معمول کے مطابق نہ ہوں بلکہ دن طویل ہو جیسا کہ حدیث دجال میں ہے یا رات لمبی ہو یا عشاء کا وقت داخل نہ ہوتا ہو یا اتنا مختصر وقت ہو کہ اس میں نماز کی ادائیگی نہ ہو سکتی ہو ایسی جگہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہاں پر قریب کے اس علاقے کے شب و روز کا اعتبار کیا جائے جہاں دن رات معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے کے ہوں لہذا صبح صادق کے بعد جب اتنا وقت گزر جائے جو عام دنوں میں ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے تو اس وقت عصر کی نماز پڑھی جائے۔ غرض یہ کہ پانچوں نمازیں اسی اندازے اور حساب سے پڑھی جائیں گی اگرچہ دن کتنا ہی بڑا ہو؟

یہی حکم روزے کا ہے کہ وہ علاقے جہاں دن طویل ہو رات بالکل نہ ہو یا طویل رات ہو دن نہ ہو ایسے لوگ بھی قریبی جگہ کے ایام کا حساب کر کے رمضان کے روزے رکھیں کسی وجہ سے روزے نہ رکھ سکیں تو قضا کرنا ضروری ہوگا اور اگر چوبیس گھنٹے میں رات تو آئے لیکن بہت چھوٹی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اس طویل دن میں روزہ رکھنے کی طاقت اور ہمت ہو تو روزہ رکھ لیا جائے لیکن اگر ہمت نہ ہو اس وجہ سے کہ رات میں اتنا وقت بھی نہ ملتا ہو کہ وہ کھاپی سکیں یا چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ کھانا کافی نہ ہو تو پھر ایسے لوگ بھی اس قریبی علاقے کے اعتبار سے دن اور رات کے اوقات مقرر کر سکتے ہیں جہاں شب و روز معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے کے ہوں۔

لغات: استدبرہ: کسی کے پاس اس کے پیچھے سے آنا۔ السارحة: مویشی، سرحت الماشیة: مویشی کا چراگاہ میں چرنا۔ الذروۃ: (بکسر اذال وضمھا) چوٹی، بلندی، جمع ذری کہا جاتا ہے: ہو فی ذروۃ النسب: وہ اعلیٰ نسب کا ہے۔ امد: (اسم تفضیل زیادہ لمبا۔ الخاصرة: پہلو، سرین کی جڑ سے پسلیوں کے نیچے تک کا درمیانی حصہ، کوکھ، جمع خواصر۔ ادر: (اسم تفضیل) زیادہ

دودھ والی، در الدار: دودھ کا کثرت سے ہونا۔ یعسوب: شہد کی مکھیوں کی رانی مراد شہد کی مکھیاں۔ جزلة: ٹکڑا، اجزلة: کاٹنا، دو ٹکڑے کرنا۔ شرقی: مشرقی جانب مابعد کی طرف مضاف م۔ ہرودة: زرد رنگ سے رنگا ہوا کپڑا، ہر دالشوب: کپڑے کو ورس میں رنگنا۔ متحد: ڈھلکنا نیچے اترنا۔ الجمان: موتی اور چاندی کا ڈھلا ہوا، موتی واحد: جمانہ۔ طبریة: ایک شہر ہے جس کی طرف نسبت طبرانی ہے اس سے لگی ہوئی جو جھیل ہے وہ بحیرہ طبریہ ہے النشاب: تیر مفر نشابہ۔ البخت: خراسانی اُونٹ۔ المہبل: گہرا کھڈ۔ الجعبہ: تیروں کا تھیلا ترکش جمع جعاب لایکن: فعل مضارع منفی مجہول کن الشئی یکن کنا چھپانا نظروں سے بچانا الوبراون المدرمی کا ڈھیلا۔ قحف: (بکسر القاف) کھوپڑی کا ایک حصہ مراد چھلکا الرسل (بکسر الراء) دودھ الفضام جماعت گروہ القحہ (فتح اللام) بہت دودھ دینے والی اونٹنی الفخذ والفخذ قبیلہ کی ایک شاخ التہارج: التناکح والتسافد (لسان العرب) اور زنجشری نے اس کا ترجمہ یتساورون کیا ہے تساور الرجلان کے معنی ہیں ایک دوسرے پر حملہ کرنا خود کو اونچا کرنا اوپر اٹھانا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الدَّجَالِ

باب ۵۲: دجال کی نشانی

(۲۱۶۷) أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الدَّجَالِ فَقَالَ إِلَّا إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ وَلَا وَانَّهُ أَعْوَرُ عَيْنُهُ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَائِفَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں آپ سے دجال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یاد رکھنا تمہارا پروردگار کا نا نہیں ہے اور دجال کا نا ہوگا اس کی دائیں آنکھ یوں ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور ہوتا ہے۔ تشریح: (۱) طائفة ہے از طفئت النار طفعا آگ کا بجھنا اور طفعت العين آنکھ کی روشنی جاتی رہنا: دجال کی آنکھیں کس طرح ہوں گی؟

(۲) دجال کی آنکھوں کے بارے میں روایات مختلف اور متعارض ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی جب کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کی بائیں آنکھ کانی ہوگی اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں ہے کہ اس کی بائیں آنکھ مسخ ہوگی۔

قاضی عیاض وغیرہ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی کہ اس کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی دائیں آنکھ بالکل سیاہ اور مسخ ہوگی اور بائیں آنکھ عیب دار اوپر اٹھی ہوئی اور کانی ہوگی اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی ایک آنکھ جو معیوب ہوگی وہ کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب دکھائی دے گی گویا یہ اس کے دجال ہونے کی ایک مزید دلیل ہوگی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی بائیں آنکھ مسخ ہوگی اور دائیں آنکھ اوپر اٹھی ہوئی نمایاں اور کانی ہوگی جس سے وہ دیکھ سکے گا۔ (فتح الباری کتاب الفتن باب ذکر الدجال ۱۳/۱۲۱)

حاصل یہ ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ ہوگی مگر اس میں روشنی نہیں ہوگی اور وہ انگور کے دانے کی طرح ابھری ہوئی ہوگی۔

وفي الباب عن سعد رضي الله عنه أخرجه أحمد وحذيفة رضي الله عنه أخرجه الشيخان وإبي هريرة رضي الله عنه أخرجه الشيخان واسماء رضي الله عنها بنت يزيد أخرجه البغوي وتقدم لفظه وجابر رضي الله عنه أخرجه البغوي وإبي بكرة رضي الله عنه أخرجه الترمذی فی باب ذکر ابن صیاد وآنس رضي الله عنه أخرجه الترمذی بعد بابین وعائشه رضي الله عنها أخرجه أحمد وإبن عباس رضی اللہ عنہما أخرجه أحمد وإبن خزيمة وإبن أبي شيبة الفلتان بن عاصم رضي الله عنه (أخرجه إبن أبي شيبة والبزار والطبرانی هذا حديث أخرجه الشيخان)

بَاب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الدَّجَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ

باب ۵۳: دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا

(۲۱۶۸) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْتِي الدَّجَالُ الْمَدِينَةَ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا فَلَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونَ وَلَا الدَّجَالُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دجال مدینہ منورہ کی طرف آئے گا وہ فرشتوں کو پائے گا کہ وہ اس (مدینہ منورہ) کی حفاظت کر رہے ہیں اگر اللہ نے چاہا تو دجال اور طاعون (کبھی بھی) یہاں (مدینہ منورہ) میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔

(۲۱۶۹) إِلَّا يَمَانُ يَمَانٍ وَالْكَفَرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَالسَّكِينَةُ لِأَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالزِّيَاءُ فِي الْقَدَّادِينَ أَهْلِ الْحَيْلِ وَأَهْلِ الْوَبْرِ يَأْتِي الْمَسِيحُ إِذَا جَاءَ دُبُرُ أَحَدٍ صَرَفَتْ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ وَهَذَا لِكَ يَهْلَكَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایمان یمنی ہے اور کفر مشرق کی طرف سے ہوگا بکریاں چرانے والوں میں سکینیت پائی جاتی ہے جب کہ گھوڑے پالنے والوں میں تکبر غرور اور کھٹکی پائی جاتی ہے دجال جب احد پہاڑ کے پاس آئے گا تو فرشتے اس کا رخ موڑ کر شام کی طرف کر دیں گے اور وہیں وہ ہلاکت کا شکار ہو جائے گا۔

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دجال جب مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو پہرے دار فرشتے اسے مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیں گے اور فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے یہ بات دجال کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ایک بڑی دلیل بنے گی اور اس کے عجز و نقصان کی علامت ہوگی کہ وہ اپنی اتنی زبردست طاقت و قدرت کے دعوے کے باوجود اس مقدس شہر میں داخل ہونے پر قادر نہیں ہو سکے گا جب دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا تو مکہ مکرمہ میں بدرجہ اولیٰ داخل نہیں ہو پائے گا۔

الایمان یمان: یمان منسوب الی الیمن اس کی اصل یمنی ہے آخر سے یاء کو حذف کر کے الفاظ کی زیادتی اس کے عوض میں کر دی گئی ہے اس روایت میں اہل یمن کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے کہ ایمان اصل تو یمن کا ہے بخاری و مسلم میں ایک روایت کے الفاظ ہے فرمایا: اتاکم اهل الیمن هم ارق افتدة والین قلوبا الایمان یمان والحکمة یمینة۔ اس طرح ایک اور روایت بخاری میں ہے اشار رسول اللہ ﷺ بیدہ نحو الیمن فقال الا ایمان یمان۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں فرمایا کہ اصل ایمان کی نسبت اہل یمن کی طرف فرمائی گئی جبکہ اصل مبداء ایمان مکہ اور مدینہ

ہے اس لیے اہل علم نے روایت کے ظاہری معنی میں متعدد تاویلات کی ہیں۔

(۱) اکثر اہل علم نے فرمایا اہل یمن سے مراد حضرات انصار ہیں کیونکہ وہ اصل یمن کے رہنے والے ہیں انہوں نے خود ایمان کو اختیار کیا اور اہل ایمان کی مدد فرمائی ہے۔

(۲) شرح فرماتے ہیں کہ اگر روایت کے ظاہری معنی مراد لیں تب بھی کوئی اعتراض نہیں یعنی اس سے مراد اہل یمن ہی ہیں اور ان کے کمال ایمان سے مشرف ہوئے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے چنانچہ جو حضرات آپ کی حیات میں یمن سے حاضر ہو کر ایمان سے مشرف ہوئے اور آپ کے بعد ایمان لائے اویس قرنیؓ، ابو مسلم خولانیؓ وغیرہ وہ ایمان کے اعتبار سے نہایت کامل ہوئے ہیں اس بیان سے اہل مکہ و اہل مدینہ کے ایمان کے کمال کی نفی لازم نہیں آتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد حصر پر دال نہیں ہے: مع ان النبی ﷺ قال الايمان في اهل الحجاز.

الكفر من قبل المشرق: شیخین کی روایت میں راس الکفر قبل المشرق ہے مراد یہ ہے کہ مدینہ سے مشرق کی جانب کفر شدید ہوگا اور اس سے مراد ملک فارس کے لوگ ہیں جن کے بادشاہ نے آپ ﷺ کے والا نامہ کو چاک کر دیا تھا نیز دجال کا خروج بھی مدینہ سے مشرق کی جانب ہوگا جو محل اکفر الکفار ہے۔

والسكينة لاهل الغنم: سکینہ کے معنی طمانیت و سکون اور وقار و تواضع کے ہیں مراد یہ ہے کہ بکری والوں میں تواضع ہوتی ہے جو برکت کا باعث ہے۔

كما قال النبی ﷺ لاهل هاني ﷺ اتخذى الغنم فان فيها بركة. (رواه ابن ماجه) بعض حضرات فرماتے ہیں اہل غنم سے مراد اہل یمن ہیں کیونکہ ان کے زیادہ تر مویشی بکریاں ہوتی ہیں۔

والفخر والرياء في الفدادين: بفتح الفاء وتشديد الدال جمع فداد بتشديد الدال ماخوذ من الفديد: جس کے معنی صوت شدید مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے مویشیوں (اہل بقر و خیل) کے پیچھے آواز بلند کرتے رہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ فخر و ریاء اونٹ والوں اور بڑے جانوروں رکھنے والوں میں عموماً ہوتی ہے اہل الخیل اہل الوبر: بالجر فدادین سے بدل یا بیان ہے۔ اہل الوبر: ای اہل الشعر اس سے بھی اہل و خیل مراد ہیں کیونکہ وہ لوگ بالوں کے بنائے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں اور دوسروں پر فخر کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ الدَّجَالِ

باب ۵۴: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنا

(۲۱۷۰) يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَالَ بِبَابِ لُدٍّ.

ترجمہ: حضرت جمع بن جارجہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے حضرت ابن مریم علیہ السلام دجال کو باب لد کے پاس قتل کر دیں گے۔

(۲۱۷۱) مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أُنْذِرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرُ الْكَذَّابُ إِلَّا إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنْ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَفَرٌ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر نبی نے اپنی امت کو جھوٹے کانے سے ڈرایا ہے یاد رکھنا وہ کانا ہوگا تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے اس (دجال) کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا۔ (دجال کی پیشانی پر ک، ف، ر، لکھا ہوگا)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ ابْنِ صَيَّادٍ

باب ۵۵: ابن صیاد کے بارے میں

(۲۱۷۲) قَالَ صَحْبِي ابْنُ صَيَّادٍ إِمَّا حُجَّاجًا وَإِمَّا مُعْتَبِرِينَ فَأَنْطَلَقَ النَّاسُ وَتُرِ كُتُّ أَنَا وَهُوَ فَلَمَّا خَلَصْتُ بِهِ أَفْشَعَرْتُ مِنْهُ وَاسْتَوَّ حَشْتُ مِنْهُ مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ فَلَمَّا نَزَلْتُ قُلْتُ لَهُ صُغِّ مَتَاعَكَ حَيْثُ تِلْكَ الشَّجَرَةُ قَالَ فَأَبْصَرَ غَنَمًا فَأَخَذَ الْقِدْحَ فَأَنْطَلَقَ فَاسْتَحَلَبَ ثُمَّ أَتَانِي بِلَبَنٍ فَقَالَ يَا أَبَا سَعِيدٍ ﷺ أَشْرَبَ فَكِرْهُتُ أَنْ أَشْرَبَ عَنْ يَدِهِ شَيْئًا لِمَا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ فَقُلْتُ لَهُ هَذَا الْيَوْمُ يَوْمٌ صَائِفٌ وَإِنِّي أَكْرَهُ فِيهِ اللَّبَنَ فَقَالَ يَا أَبَا سَعِيدٍ ﷺ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَخْذُ حَبْلًا فَأَوْثِقَهُ إِلَى الشَّجَرَةِ ثُمَّ أَخْتَنِقُ لِمَا يَقُولُ النَّاسُ لِي وَفِيَّ أَرَأَيْتَ مَنْ خَفِيَ عَلَيْهِ حَدِيثِي فَلَنْ يَخْفَى عَلَيْكُمْ أَنْتُمْ أَعْلَمُ النَّاسَ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ كَافِرٌ وَأَنَا مُسْلِمٌ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ عَقِيمٌ لَا يُؤَلِّدُ لَهُ وَقَدْ خَلَفْتُ وَلَدِي بِالْمَدِينَةِ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَحِلُّ لَهُ مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ أَلَسْتُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ ذَا أَنْطَلِقُ مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ قَالَ فَوَاللَّهِ مَا زَالَ يَجِيئُ بِهَذَا حَتَّى قُلْتُ فَلَعَلَّهُ مَكْدُوبٌ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا سَعِيدٍ ﷺ وَاللَّهِ لَا خَيْرَ لَكَ خَيْرًا حَقًّا وَاللَّهِ لَا عَرِفُهُ وَأَعْرِفُ وَالِدَهُ أَيْنَ هُوَ السَّاعَةُ مِنَ الْأَرْضِ فَقُلْتُ تَبَّالَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ حج یا شاید عمرے کے سفر میں ابن صائد بھی میرے ساتھ تھا لوگ آگے بڑھ گئے میں اور وہ پیچھے رہ گئے جب میں اس کے ساتھ تہارہ گیا تو میرا دل خوف کی وجہ سے تیزی سے دھڑکنے لگا اور مجھے اس سے وحشت محسوس ہونے لگی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں (دجال ہونے کا) کہا کرتے تھے جب میں نے پڑاؤ کیا تو میں نے اس سے کہا تم اپنا سامان اس درخت کے پاس رکھ دو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اس نے پیالہ لیا اور دودھ دوہنے کے لیے چلا گیا پھر وہ میرے پاس دودھ لے کر آیا اور بولا ابوسعید آپ اسے پی لیجئے تو مجھے اس کے ہاتھ سے لی ہوئی کوئی چیز لینا ناپسند ہوا کیونکہ لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کیا کرتے تھے میں نے اس سے کہا آج گرمی کچھ زیادہ ہے اور میں اس موسم میں دودھ پینا پسند نہیں کرتا وہ بولا ابوسعید لوگ میرے بارے میں جو باتیں کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے بختہ ارادہ کیا ہے ایک رسی لے کر اس درخت کے ساتھ باندھوں اور خود کشی کر لوں آپ کا کیا خیال ہے؟ میرا معاملہ کسی دوسرے سے پوشیدہ رہ سکتا ہے لیکن آپ

لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا کیونکہ آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر جانتے ہیں اے انصار کے گروہ کیا نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا وہ (دجال) کافر ہوگا جبکہ میں مسلمان ہوں کیا نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا وہ بانجھ ہوگا اور اس کی اولاد نہیں ہوگی جبکہ میرے بچے مدینہ منورہ میں موجود ہیں کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا وہ مکہ اور مدینہ میں نہیں آسکے گا تو کیا میرا تعلق مدینہ منورہ سے نہیں ہے؟ اور اب میں آپ کے ساتھ مکہ جا رہا ہوں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ اس طرح کی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ لوگ اس کے باے میں غلط کہتے ہیں پھر وہ بولا اے ابوسعید! اللہ کی قسم میں آپ کو صحیح بات بتاتا ہوں اللہ کی قسم میں دجال کو جانتا ہوں اور اس کے باپ کو بھی جانتا ہوں اور وہ اس وقت زمین میں کہاں ہے؟ (یہ بھی جانتا ہوں) میں نے کہا تمہارا ہمیشہ ستیاناس ہو (تم نے میرے دل میں خوش گمانی پیدا کر دی تھی)۔

(۲۱۷۳) لَقِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ابْنُ صَائِدٍ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَاحْتَبَسَهُ وَهُوَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ وَلَهُ ذُوْا أَبَةٍ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنَّكَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا تَرَى قَالَ أَرَى عَرْشًا فَوْقَ الْمَاءِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَرَى عَرْشَ إِبْلِيسَ فَوْقَ الْبَحْرِ قَالَ فَمَا تَرَى قَالَ أَرَى صَادِقًا وَكَاذِبَيْنِ أَوْ صَادِقَيْنِ وَكَاذِبًا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ عَلَيْهِ فِدَاعَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ کے ایک راستے میں ابن صائد سے ملے تو آپ نے اسے روک لیا وہ ایک یہودی لڑکا تھا اس کے سر پر لمبے بال تھے نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو وہ بولا کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے اس فرشتوں کتابوں اس کے (سچے) رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہوں نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا تم کیا دیکھتے ہو اس نے جواب دیا میں ایک تخت دیکھتا ہوں جو پانی پر موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ سمندر پر ابلیس کے تخت کو دیکھتا ہے نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم اور کیا دیکھتے ہو اس نے جواب دیا میں ایک سچے اور دو جھوٹے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) دو سچے اور ایک جھوٹے (قاصد) کو دیکھتا ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ معاملہ اس پر مشتبہ ہو گیا ہے پھر نبی اکرم ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔

(۲۱۷۴) يَمْكُتُ أَبُو الدَّجَالِ وَأُمُّهُ ثَلَاثِينَ عَامًا لَا يُؤَلِّدُ لَهَا وَلَدًا ثُمَّ يُؤَلِّدُ لَهَا غُلَامًا أَعْوَرُ أَصْرُ شَيْعٍ وَأَقْلَهُ مَنَفَعَةٍ تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ ثُمَّ نَعَتْ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبُوهُ فَقَالَ أَبُوهُ طَوَالُ صَرْبِ اللَّحْمِ كَانَ أَنْفَهُ مَنَقَارًا وَأُمُّهُ فِرْصَاخِيَّةٌ طَوِيلَةُ الْيَدَيْنِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ فَسَبِعْنَا بِمَوْلُودٍ فِي الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ فَذَهَبَتْ أَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِيهِ فَإِذَا نَعَتْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِيهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَ مَكْنُتَا ثَلَاثِينَ عَامًا لَا يُؤَلِّدُ لَنَا وَلَدًا ثُمَّ وُلِدْنَا غُلَامًا أَعْوَرُ أَصْرُ شَيْعٍ وَأَقْلَهُ مَنَفَعَةٍ تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَإِذَا هُوَ مُنْجِدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِي قُطَيْفَةٍ لَهُ وَلَهُ هَمْهَمَةٌ فَتَكَشَّفَ عَنْ رَأْسِهِ فَقَالَ مَا قُلْنَا

قُلْنَا وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کا بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے دجال کے ماں باپ کے ہاں تیس سال تک اولاد نہیں ہوگی پھر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو کانا ہوگا جو سب سے زیادہ نقصان دہ ہوگا اور سب سے کم نفع بخش ہوگا اس کی آنکھیں سو جائیں گی لیکن اس کا دل بیدار رہے گا راوی بیان کرتے ہیں پھر آپ ﷺ نے اس کے ماں باپ کا حلیہ ہمارے سامنے بیان کیا آپ نے فرمایا اس کے باپ کا قد لمبا اور دبلا پتلا ہوگا اس کی ناک مرغ کی چونچ کی طرح ہوگی جبکہ اس کی ماں لمبے پستانوں والی عورت ہوگی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے سنا کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے ہاں ایک بچہ ہوا ہے تو میں اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ وہاں گئے ہم ان کے ماں باپ کے ہاں پہنچے تو وہ نبی اکرم ﷺ کے بیان کردہ حلیہ کے مطابق تھے ہم نے دریافت کیا کیا تمہاری پہلے بھی اولاد ہے انہوں نے جواب دیا نہیں تیس سال تک ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اب ہمارے ہاں ایک کانا لڑکا ہوا ہے جو سب سے زیادہ نقصان دہ ہے اور سب سے کم نفع بخش ہے اس کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن ذہن بیدار رہتا ہے راوی بیان کرتے ہیں ہم ان دونوں کے ہاں سے نکلے تو وہ لڑکا ایک چادر لے کر دھوپ میں لیٹا ہوا تھا اور کچھ بڑبڑا رہا تھا اس نے اپنے سر سے چادر کو ہٹایا اور دریافت کیا تم دونوں کیا کہتے ہو ہم نے دریافت کیا ہم نے جو کہا کیا وہ تم نے سن لیا؟ اس نے جواب دیا جی ہاں میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا ذہن بیدار رہتا ہے۔

(۲۱۷۵) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِابْنِ صَيَّادٍ فِي تَقْرِ مِّنْ أَصْحَابِهِ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغُلَمَانِ عِنْدَ أُطَمٍ بَنِي مَغَالَةَ وَهُوَ غُلَامٌ فَلَمْ يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ظَهْرَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَنَظَرَ إِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأَمِّيِّينَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَتَشْهَدُ أَنَّكَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا يَأْتِيكَ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ يَا تَبْنِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ خُلِطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنِّي خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا وَخَبَأَ لَهُ (يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ) فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ هُوَ الدُّخُّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ احْسَاْ فَلَنْ تَعُدَّوْا قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ يَكُ حَقًّا فَلَنْ تُسَلِّطَ عَلَيْهِ وَإِنْ لَا يَكُنْهُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ يَعْنِي الدَّجَالَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ابن صیاد کے پاس سے گزرے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بھی تھے وہ اس وقت بنو مغالہ کے گھر کے پاس کچھ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا وہ بھی ان دنوں بچہ تھا اسے پتا نہیں چلا نبی اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کی پشت پر مارا اور کہا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں ابن صیاد نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور بولا میں یہ گواہی دیتا ہوں آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں پھر ابن صیاد نے آپ ﷺ سے کہا کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں میں اللہ کا رسول ہوں آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے (سچے) رسولوں

پر ایمان رکھتا ہوں پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس کیا چیز آئی ہے ابن صیاد نے کہا میرے پاس ایک سچا (خبر دینے والا آتا ہے) اور ایک جھوٹا آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا معاملہ تم پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک بات سوچی ہے۔ جس دن آسمان دھواں لے کر آئے گا۔

ابن صیاد بولا یہ دُخ ہے آپ ﷺ نے فرمایا دفعہ ہو جاؤ تم اپنی اوقات سے آگے نہیں بڑھ سکو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے حکم دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تو یہ حقیقی طور پر (دجال ہے) تو تم اس پر قابو نہیں پاسکو گے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اسے قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔

(۲۱۷۶) مَا عَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مِّنْفُوسَةٍ يَّعْنِي الْيَوْمَ تَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ.

تَرْجُمَہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس روئے زمین پر موجود ہر زندہ شخص (زیادہ سے زیادہ) سو سال تک زندہ رہے گا (اس وقت تک ضرور فوت ہو جائے گا۔

تشریح: ابن صیاد کا اصل نام صاف اور بعض نے عبد اللہ کہا ہے وہ ایک یہودی تھا جو مدینہ منورہ کا باشندہ تھا یا کسی اور جگہ سے آ کر مدینہ کے یہودیوں میں شامل ہو گیا تھا ابن صیاد جادوگری اور کہانت میں بہت ماہر تھا اسی وجہ سے اس کی شخصیت بڑی پر اسرار بن کر رہ گئی تھی اس کی بعض صفات اور کچھ حرکتیں دجال کے مشابہ تھیں جو دنیا میں آنے کے بعد لوگوں کو گمراہ کرے گا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس پر قسم بھی کھاتے تھے۔

اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال یہ تھا کہ ابن صیاد آخر زمانہ میں آنے والا دجال نہیں ہے کیونکہ تمیم داری کی روایت میں ہے کہ وہ تو کسی جزیرہ عرب میں مسلسل بالا غلال ہے جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا انا الدجال (رواہ ابوداؤد الترمذی) نیز ابن صیاد اگرچہ ابتدا کاہن اور ساحر تھا لیکن بعد میں وہ مسلمان ہو گیا ہے دجال تو کافر ہوگا کما فی روایت مکتوب بین عینیہ ک، ف، راہن صیاد کے تو بچے تھے اور دجال لاو لاو ہوگا اسی طرح ابن صیاد تو مکہ و مدینہ میں رہتا تھا جبکہ دجال کے بارے میں گزرا کہ وہ مدینہ داخل نہ ہو سکے گا بہر حال ابن صیاد کو معروف دجال کہنا مشکل ہے۔

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ دجال معبود سے پہلے بطور تمہید کچھ دجالہ آئیں گے جو معبود دجال کے لیے میدان ہموار کریں گے چنانچہ احادیث میں دجالون و کذابون کا لفظ واقع ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قسم کھانے پر اسی وجہ سے آپ نے نکیر نہیں فرمائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا اصلی دجال تو یقینی طور پر وہی ہے جس کو تمیم داری کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ مسلسل بالا غلال و السلاسل ہے اور ابن صیاد جو آپ کے زمانہ میں تھا وہ شیطان تھا جو دجال کی صورت میں ظاہر ہوا آخر میں وہ اصفہان جا کر مستور ہو گیا پھر اصلی دجال کی صورت میں خروج دجال کی مدت میں آئے گا۔

اعتراض: کہ ابن صیاد نے نبوت کا دعویٰ کیا اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اسے قتل نہیں کرایا بلکہ مدینہ میں ہی وہ رہتا تھا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب ①: قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نابالغ تھا اس لیے اسے قتل نہیں کرایا۔

جواب ①: امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا دراصل اس نے نبی اپنے کو کہا مگر اس دعویٰ پر اصرار و غلو نہیں کیا اس وجہ سے آپ ﷺ نے صرف نظر فرمایا۔

جواب ②: علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں چونکہ یہودیوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا **جواب ②:** دراصل یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ یہود سے آپ نے صلح فرمائی تھی کہ یہود اپنے مذہب پر رہیں گے اور کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے اور اہم اپنے مذہب پر رہیں گے اور ابن صیاد بھی انہی میں سے تھا یا ان میں شامل ہو گیا تھا اس وجہ سے ابن صیاد کو قتل نہیں کرایا گیا۔

یائینی صادق و کاذب: میرے پاس سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں کاہنوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ شیطان ان کے پاس دونوں طرح کی باتیں لاتا ہے۔

اتشهد انک رسول الأمیین: آپ ﷺ تو عرب و عجم سب ہی کے رسول ہیں ابن صیاد نے صرف امیین کی تخصیص کر کے یہودیوں کے عقیدے کی طرف اشارہ کیا جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف امیوں کے رسول ہیں اور ابن صیاد چونکہ یہودی تھا اس لیے اس نے یہ غلط بات کہی۔

فقال النبی ﷺ امنت باللہ ورسلہ۔

سوال: یہ ہے کہ ابن صیاد نے نبی کریم ﷺ سے جب کہا اتشهد انی رسول اللہ تو آپ ﷺ نے اس کی بات کو رد کیوں نہیں فرمایا حالانکہ وہ اپنے رسول ہونے کی شہادت طلب کر رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: امنت باللہ ورسولہ.....؟

جواب ①: آپ نے اس جملہ میں اس پر ضمناً رد فرمایا معنی یہ ہیں کہ میں تو اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لاتا ہوں اور تو چونکہ ان میں سے نہیں ہے اس لیے میں تم پر ایمان نہیں لاتا۔

جواب ②: بعض محققین فرماتے ہیں کہ ابن صیاد نے اپنی اس بات میں نبوت کے دعویٰ کی تصریح نہیں کی بلکہ سوالیہ انداز میں آپ سے پوچھا ہے کہ کیا آپ میری رسالت کی شہادت دیتے ہیں لہذا ہو سکتا ہے کہ اس نے ازراہ مذاق پورے سوال کو لوٹا دیا ہو رسالت کا دعویٰ مقصود نہ ہو اس لیے نبی کریم ﷺ نے بڑے احتیاط سے جواب دیا اور صراحتاً اس کی بات کو رد نہیں فرمایا۔

انی خبأت خبیثاً: یعنی میں تیرے دل میں ایک بات سوچتا ہوں وہ بتا کیا ہے اور آپ نے آیت شریفہ ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ﴾ (الدخان: ۱۰) چھپائی تو اس نے کہا: هو الدخ بضم الدال وتشديد الحاء هي لغة الدخان جس کے معنی دھواں۔

استراض: ابن صیاد کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت شریفہ چھپائی ہے؟

جواب ①: ممکن ہے آپ نے صحابہ سے یہ آیت بیان کی ہو تو اور شیطان نے سن کر اس کو القاء کر دیا ہو۔

جواب ②: آپ نے دل کے اندر اندر تکلم کیا اور شیطان اس سے مطلع ہوا پھر اس نے ناقص جواب اس کو القاء کر دیا۔

جواب ③: آسمان میں اس آیت کا تذکرہ چلا ہو شہاب ثاقب کے پہنچنے سے پہلے بہت عجلت میں شیطان نے صرف دخ کے لفظ کو چوری کر لیا ہو پھر وہی ناقص جواب ابن صیاد کے دل میں القاء کر دیا اور اس نے آپ سے کہہ دیا هو الدخ۔

فائدہ: بعض باتیں نبی ﷺ کو اجمالی بتائی جاتی تھیں ان کا تفصیلی علم آپ ﷺ کو بھی نہیں دیا گیا تھا اور ایسا کرنے میں حکمت

مصلحت ہوتی تھی مثلاً جمعہ کے دن ساعت مرجوۃ کا علم تعین کے ساتھ آپ ﷺ کو نہیں دیا گیا تھا اسی طرح شب قدر کا علم بھی تعین کے ساتھ نہیں دیا گیا تھا بلکہ ایک رمضان کی شب قدر کا علم دیا گیا تو علامت ایسی مقرر کی جو شب گذرنے کے بعد بھی پائی گئی ایسی صورت میں نبی ﷺ اندازے سے احوال بیان کرتے تھے چنانچہ شب قدر اور ساعت مرجوۃ کے بارے میں احتمالی مواقع کا آپ ﷺ نے تذکرہ فرمایا بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تو یہ بیان کیا ہے کہ آپ لوگوں کے ذہن کے مطابق جواب دیتے تھے۔ یہی معاملہ دجال کے علم کا تھا ابن صیاد میں احتمال تھا کہ شاید وہ دجال اکبر ہو اس لیے آپ ﷺ نے اس کو جانچا مگر کوئی قطععی بات سامنے نہ آئی۔

وضاحت: یہ حدیث ضعیف ہے علی بن زید بن جدعان: محدثین کے نزدیک ضعیف ہے مگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے اس لیے اس کی حدیث کی تحسین کی ہے

لعنات: طوال: (طا پر پیش) مبالغہ کا صیغہ ہے خوب لمبا ترنگا۔ ضرب اللحم: وہ ہلکے گوشت والا یعنی دبلا اور پتلا۔ منقار: چونچ۔ فرضا حیه: (فا کے نیچے زیر) بہت زیادہ موٹی۔ طویلہ الشدیین: لمبے لمبے پستانوں والی۔ فاذا نعت رسول اللہ ﷺ فیہما: اس کے والدین انہی صفات کے مطابق تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ذکر فرمائے تھے۔ منجدل فی الشمس: دھوپ میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ قطیفہ: چادر۔ ہمہمہ: بڑبڑاہت منہ ہی منہ میں کچھ کہنا جو سمجھنا نہ جاسکے گلے میں پھنس کر نکلنے والی آواز گنگناہٹ۔ وفی الباب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: اخرجه الترمذی والشیخان وابی سعید اخرجه مسلم وبرید بن قلینظر من اخرجه هذا حدیث حسن اخرجه مسلم۔

باب

باب

(۲۱۷۷) أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ عَلَى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِمَّنْهَا لَا يَبْقَى مِنْهُ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَوَهْلَ النَّاسِ فِي مَقَالَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تِلْكَ قِيَمًا يَتَخَدُّونَهُ مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ عَنْ مِائَةِ سَنَةٍ وَإِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَبْقَى مِنْهُ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ يُرِيدُ بِذَلِكَ أَنْ يَتَخَرَّمَ ذَلِكَ الْقُرْنُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اپنی ظاہری حیات کے آخری زمانے میں عشاء کی نماز پڑھائی جب آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا تو آپ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو آج کی اس رات کے ٹھیک ایک سو سال بعد کوئی ایسا شخص باقی (یعنی زندہ) نہیں بچے گا جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو نقل کرنے میں غلطی کی ہے اور اسے مفہوم میں نقل کیا ہے ایسا تقریباً ایک سو سال تک ہوگا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا آج روئے زمین پر جو شخص موجود ہے اس سے مراد یہ تھی کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا ٹھیک ایک صدی گزرنے کے بعد (موجودہ زندہ لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا)۔

وہ حدیث: جس سے غلط فہمی ہوئی کہ صدی کے ختم پر قیامت آئے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الرِّيحِ

باب ۵۶: ہوا کو برا کہنے کی ممانعت

(۲۱۷۸) لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ فَقُولُوا اللَّهُمَّ إِنَّكَ نَسَأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أَمَرْتُ بِهِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أَمَرْتُ بِهِ.

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ہوا کو برا نہ کہو جب تم ایسی صورت حال دیکھو جو ناپسندیدہ ہو تو تم یہ کہو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی کا اور اس میں موجود بھلائی کا اور اس کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور ہم تجھ سے اس ہوا کے شر اور اس میں موجود شر اور جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔
تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ابواب البر والصلة میں باب اللعنة میں گزر چکی ہے کہ ہوا بر لعنت مت بھیجو کیونکہ وہ مامور (حکم دی ہوئی)۔

لا تسبوا الریح: ہوا تو مامور من اللہ یہ قابل لعنت نہیں ہے کیونکہ مامور تو معذور ہوا کرتا ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: لا تلعنوا الریح فانہا مامورۃ وانہ من لعن شیئاً لیس باهل لها رجعت اللعنة الیہ۔ یہ حدیث گزر چکی ہے۔ اور کبھی دل کی بھڑاس نکالنی ضروری ہوتی ہے۔ تو مذکورہ دعا کرو اس سے دل ہلکا ہو جائے گا اور کبھی اچھی بری ہوا چلنے سے اچھے بُرے احوال مراد لیے جاتے ہیں پس یہ زمانے کو برا کہنا ہوا اور اس کی بھی ممانعت آئی ہے کیونکہ زمانہ اللہ تعالیٰ ہیں یعنی وہ جس طرح چاہتے ہیں زمانے کو پھیرتے ہیں پس زمانہ کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے اسی طرح ہوا کو برا کہنا بھی اللہ تعالیٰ کی برائتک مفضی ہوتا ہے پس جب فتنوں کی بری ہوا چلے تو اس کی برائی مت کرو بلکہ اصلاح کی فکر کرو۔

وفي الباب عن عائشة ؓ اخرجہ الترمذی وابی ہریرۃ ؓ اخرجہ الشافعی و ابو دائود ابن ماجہ وجابر ؓ اخرجہ الطبرانی واما حدیث عثمان بن ابی العاص و انس و ابن عباس رضی اللہ عنہم فلینظر من اخرجها هذا حدیث حسن صحیح اخرجہ النسائی فی الیوم واللیۃ.

باب

باب: کسی جزیرہ میں مقید و جال اور جسامہ کی روایت

(۲۱۷۹) أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ صَعِدَ الْمُنْبَرَ فَصَحَّحَكَ فَقَالَ إِنَّ مَتَيْمَ الدَّارِ مَيَّ حَدَّثَنِي بِحَدِيثٍ فَقَرِحْتُ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ فَلَسْطِينَ رَكِبُوا سَفِينَةً فِي الْبَحْرِ فَجَالَتْ بِهِمْ حَتَّى قَذَفَتْهُمْ فِي جَزِيرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ فَإِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ لَبَاسَةٍ نَاشِرَةٍ شَعْرَهَا فَقَالُوا مَا أَنْتِ قَالَتْ أَنَا الْجَسَاسَةُ قَالُوا فَأَخْبَرْتَنَا قَالَتْ لَا أُخْبِرُ

كُم وَلَا اسْتَخْبِرُ كُمْ وَلَكِنْ اِثْنُوْا اَقْصَى الْقَرْيَةِ فَاِنْ لَّمْ مِنْ يُخْبِرْكُمْ وَيَسْتَخْبِرْكُمْ فَاَتَيْنَا اَقْصَى الْقَرْيَةِ
فَاِذَا رَجُلٌ مُوْتَقِّنٌ بِسِلْسِلَةٍ فَقَالَ اخْبِرُوْنِي عَنْ عَيْنٍ زُغَرَ قُلْنَا مَلَأْنِي تَدْفُقُ قَالَ اخْبِرُوْنِي عَنِ الْبَحِيْرَةِ قُلْنَا
مَلَأْنِي تَدْفُقُ قَالَ اخْبِرُوْنِي عَنْ نُحْلٍ بَيْسَانَ الَّذِي بَيْنَ الْأَرْدَنِ وَفِلَسْطِينَ هَلْ أَطْعَمَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اخْبِرُوْنِي
عَنِ النَّبِيِّ هَلْ بُعِثَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اخْبِرُوْنِي فِي كَيْفِ النَّاسِ إِلَيْهِ قُلْنَا سِرَاعٍ قَالَ فَتَزِي نَزْوَةً حَتَّى كَادَ قُلْنَا
فَمَا أَنْتَ قَالَ أَنَا الدَّجَالُ وَإِنَّهُ يَدْخُلُ الْأَمْصَارَ كُلَّهَا إِلَّا طَيْبَةَ وَطَيْبَةَ الْبَيْتَةِ.

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسکراتے ہوئے منبر پر چڑھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں داری نے مجھے ایک واقعہ سنایا ہے جو مجھے اچھا لگا میں یہ چاہتا ہوں وہ تمہیں بھی سنا دوں فلسطین سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی موجوں میں گھر گئی اور اس نے انہیں سمندر میں موجود ایک جزیرے تک پہنچا دیا وہاں ایک عورت تھی جس کے بال اتنے لمبے تھے کہ وہ بال ہی لباس کا کام دے رہے تھے لوگوں نے دریافت کیا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں جسارہ ہوں لوگوں نے کہا تم ہمیں کچھ بتاؤ وہ بولی میں کچھ نہیں بولوں گی اور نہ ہی تم سے کچھ پوچھوں گی تم اس بستی کے دوسرے کنارے کے پاس چلے جاؤ وہاں وہ شخص موجود ہوگا جو تمہیں بتائے گا بھی اور تم سے دریافت بھی کرے گا۔

راوی کہتے ہیں ہم اس بستی کے انتہائی کنارے تک گئے تو وہاں زنجیروں میں بندھا ہوا ایک شخص موجود تھا وہ بولا تم لوگ مجھے بتاؤ کہ زغر کے چشمے کا کیا حال ہے؟ ہم نے کہا وہ بھرا ہوا ہے اور چھلک رہا ہے وہ بولا مجھے بحیرہ کے بارے میں بتاؤ ہم نے کہ وہ بھی بھرا ہوا ہے اور جوش مار رہا ہے وہ بولا اردن اور فلسطین کے درمیان بیسان کے نخلستان کے بارے میں بتاؤ کیا وہ ابھی بھی پھل دیتا ہے ہم نے جواب دیا جی ہاں وہ بولا مجھے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بتاؤ کیا وہ مبعوث ہو گئے ہیں؟ ہم نے جواب دیا جی ہاں وہ بولا تم لوگ مجھے بتاؤ کہ تم لوگوں کا ان کی طرف رجحان کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا بڑی (تیزی کے ساتھ جارہے ہیں) راوی کہتے ہیں وہ تیزی سے اچھلا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ زنجیروں سے آزاد ہو جاتا) ہم نے کہا تم کون ہو وہ بولا میں دجال ہوں۔

(نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) دجال طیبہ کے علاوہ ہر ایک شہر میں داخل ہو جائے گا۔

(راوی کہتے ہیں) طیبہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔

تشریح: اعتراض: اس روایت میں جسارہ کو دابتہ سے تعبیر کیا ہے جبکہ ابوداؤد میں امراۃ کا لفظ واقع ہے؟

جواب ①: ملا علی قاری رحمہ اللہ اور دیگر شراح نے دونوں روایتوں کے درمیان متعدد طرق سے جمع فرمایا ہے۔

جواب ②: یہ جسارہ شیطانہ تھی جو کبھی بصورت دابتہ ظاہر ہوتی اور کبھی بصورت امراۃ اور شیطان کو تشکل پر قدرت ہے۔

جواب ③: اصل جسارہ عورت ہے اور دابتہ سے باعتبار لغت تعبیر کر دیا ہے کہا قال تعالیٰ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔

جواب ④: اصل جسارہ عورت ہی ہے مگر کثرت شعر کی وجہ بناء پر دابتہ سے تعبیر کر دیا ہے قالہ الکنو ہی رحمہ اللہ۔

لغات: جالت السفینۃ بہ واجالت: ادارہ وحوالہ عن قصده وفي مسلم: فلعب بهم الموج شهرا: وہ ایک ماہ تک

موجوں کے رحم و کرم پر رہے لباس کثیر اللباس و کفی بکثرة لباسها عن كثرة شعرها ناشرة شعرها كالبيان لها قبله ناشرة بالجر: صفة ثائية لداية وشعرها بالنصب على المفعولية ای جاعلة شعرها منتشرة.

باب

باب: خود کو رسوا نہ کرو

(۲۱۸۰) لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کسی بھی مومن کے لیے اپنے آپ کو ذلیل کرنا مناسب نہیں ہے لوگوں نے دریافت کیا کوئی شخص اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ اپنے آپ کو اس آزمائش میں پیش کر دے جس کا سامنا کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

تشریح: من البلاء: مالا يطيق کا بیان مقدم ہے اصل جملہ اس طرح تھا: يتعرض لما لا يطيق من البلاء اور فقہاء نے اس حدیث سے ضابطہ بنایا ہے کہ خود کو رسوا کرنا جائز نہیں یعنی ایسا کام کرنا (اگرچہ وہ جائز ہو) جس کے نتیجے میں رسوائی ہو: مناسب نہیں۔

باب

باب: ظالم کی بھی مدد کرو اور مظلوم کی بھی

(۲۱۸۱) انْصُرْ اَحَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُومًا قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَصْرُكَ لِلْمَظْلُومِ مَا فَكَيْفَ انْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَكْفُهُ عَنِ الظُّلْمِ فَاِنَّكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ اگر وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کر لوں گا اگر وہ ظالم ہو تو میں اس کی کیسے مدد کروں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس کو ظلم سے روکو یہ تمہارا اس کی مدد کرنا ہوگا۔

باب

باب: بادشاہ کی نزدیکی باعث فتنہ ہے

(۲۱۸۲) مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ آتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتَتَنَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جس شخص نے جنگل میں سکوت اختیار کی وہ سخت مزاج اور بداخلاق ہو گیا اور جس شخص نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہو گیا جو شخص حکمران کے دروازے پر آیا وہ آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا۔

نوٹ: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام مارواہ الاساطین فی عدم المجئی الی السلاطین جس میں انہوں نے وہ احادیث و آثار جمع فرمائے ہیں جن میں اہل علم کو امراء کی خدمات میں حاضری سے منع فرمایا گیا ہے: قال فضیل بن عیاض کنا نتعلم اجتناب السلطان کما نتعلم السورۃ من القرآن (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ ملحوظہ: یہ حدیث ضعیف ہے ابو موسیٰ جو وہب بن منبہ سے روایت کرتا ہے مجہول راوی ہے۔

باب

باب: خوش حالی بھی کبھی فتنوں کا سبب بنتی ہے

(۲۱۸۳) إِنْكُمْ مَنْصُورُونَ وَمُصِيبُونَ وَمَفْتُوحٌ لَّكُمْ فَمَنْ أَذْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَمَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَبِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبداللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم لوگوں کی مدد کی جائے گی تم لوگوں کو مال و دولت ملے گا تم لوگوں کے لیے کشادگی ہوگی تو تم میں سے جو شخص ایسی صورت حال کو پائے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے نیکی کا حکم دے برائی سے منع کرے اور جو شخص جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

تشریح: جب کسی قوم میں خوش حالی آتی ہے تو اللہ کا ڈراٹھ جاتا ہے لوگوں کے احوال دگرگوں ہو جاتے ہیں اور لوگ اپنی بد عملی کی تائید میں حدیثیں گھڑتے ہیں یہی خوش حالی کے زمانہ کے فتنے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو خوش حالی کی خوش خبری دی تو ساتھ ہی خرابیوں کی طرف بھی متوجہ کیا (یہ حدیث مسند احمد میں تین بار آئی ہے ۳۸۹:۱، ۴۰۱، ۴۳۶) اور مصری نسخہ میں اس دوسری حدیث پر باب بلا ترجمہ ہے۔

باب

باب: وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے

(۲۱۸۴) قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْفِتْنَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ رضی اللہ عنہ أَنَا قَالَ حُذَيْفَةُ وَفِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكْفِرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ عُمَرُ لَسْتُ عَنْ هَذَا أَسْأَلُكَ وَلَكِنْ عَنِ الْفِتْنَةِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابٌ مَغْلَقًا قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ أَيُفْتَحُ أَمْ يُكْسَرُ قَالَ بَلْ يُكْسَرُ قَالَ إِذَا لَا يُغْلَقُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ أَبُو وَائِلٍ فِي حَدِيثٍ حَمَادٍ فَقُلْتُ لِمَسْرُوقٍ سَلْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ الْبَابِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ عُمَرُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے کے بارے میں جو ارشاد فرمایا تھا

وہ کس شخص کو یاد ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے یاد ہے پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی آدمی کی بیوی اس کا مال اس کی اولاد اور اس کا پڑوسی آزمائش ہوتے ہیں اور نماز روزہ صدقہ کرنا نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا اس کا کفارہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تم سے اس بارے میں دریافت نہیں کیا میں نے تم سے اس فتنے کے بارے میں دریافت کیا ہے جو سمندر کی موجوں کی طرح ہوگا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے امیر المؤمنین آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا اسے کھولا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا اسے توڑ دیا جائے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تو وہ اس لائق ہے کہ قیامت تک بند نہ ہو۔

ابو داؤد نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے میں نے مسروق سے کہا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیجئے؟ اس دروازے کے بارے میں انہوں نے دریافت کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

تشریح: ابواب الفتن کے شروع میں جتہ اللہ کے حوالہ سے یہ مضمون آیا ہے کہ فتنے چند قسم کے ہیں ایک آدمی کے اندر کا فتنہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں اس کا دل سخت ہو جائے اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو دوسرا فیملی میں فتنہ ہے اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے اسی طرح اولاد میں فتنہ مال میں فتنہ اور پڑوسی میں فتنہ رونما ہوتا ہے جس کی تلافی عبادت سے ہوتی رہتی ہے اور ایک فتنہ وہ ہے جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے یہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے یہ فتنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد شروع ہوگا حضرت کے زمانے تک نظام حکومت صحیح چلتا رہا اور فتنہ کا دروازہ کھولا نہیں جائے گا بلکہ توڑا جائے گا اور دروازہ کھولا جائے وہ بند کیا جاسکتا ہے مگر جو کواڑ توڑ دیئے جائیں ان کے بند کرنے کا سوال ہی نہیں پس نظام مملکت کے بگاڑ کا فتنہ جب شروع ہوگا تو قیامت تک ر کے گاہیں۔

فتنة الرجل في اهله وماله وولده وجار: یہاں فتنہ سے مراد وہ کوتاہیاں ہیں جو ان مذکورہ افراد کے حقوق ادا کرنے میں ہو جاتی ہیں بشرطیکہ کبار کے قبیل سے نہ ہوں بلکہ صغار ہوں کیونکہ طاعت کا مکفر سیئات ہونا بکثرت آیات و روایات سے ثابت ہے اور بالا جماع سیئات سے مراد صغار ہیں کیونکہ کبار بغیر توبہ یا ابراء معاف نہیں ہوتے ہیں شرح نے ان مذکورہ افراد کے بارے میں کوتاہیاں بیان فرمائی ہیں جو طاعات کے ذریعہ معاف ہو جاتی ہیں۔

فتنة الرجل في اهله: کہ طبعاً چند بیویوں میں سے کسی ایک کی طرف رجحان زائد ہو جائے یا نوبت وغیرہ میں کوتاہی ہو جائے اسی طرح بعض بیویوں کی اولاد کی طرف رجحان زائد ہو بعض کی طرف کم ہو اس طرح فتنۃ الرجل فی ولده مثلاً بعض اولاد کو بعض پر محبت یا غیر واجب اتفاق کے اعتبار سے ترجیح دیدے وغیرہ وغیرہ فتنۃ الرجل فی جاره مثلاً پڑوسی کی نعمتوں کو دیکھ کر حسد پیدا ہو جائے یا اس کے حقوق غیر واجبہ میں کوتاہی یا حقوق واجب کی ادائیگی میں ٹال مٹول وغیرہ وغیرہ یہ ایسی کوتاہیاں ہیں کہ نماز روزہ صدقہ وغیرہ کے ذریعہ ان کی تلافی ہو جاتی ہے۔

ان بینک و بینہا باب مغلقا: یعنی آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان دروازہ ہے۔

اعتراض: پہلے باب میں مغلق کی تفسیر عمر سے کی گئی ہے اور مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر اور فتنہ کے درمیان دروازہ مغلق ہے جو عمر کے علاوہ شی ہے نہ کہ عمر الفاروق؟

جواب ①: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے زمانہ اور فتنہ کے زمانہ کے درمیان باب مغلق ہے اور وہ آپ کا وجود ہے؟
جواب ②: کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے مراد بین نفسک و بین الفتنة بدنک اذا الروح غیر البدن۔ ”تیرے نفس اور فتنے کے درمیان تیرا بدن ہے جبکہ روح بدن سے الگ ہے۔“

قال عمر رضی اللہ عنہ ایفتح امر یکسر: قال بل یکسر عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کا حاصل یہ کہ وہ دروازہ کھولا جائے گا یعنی طبعی موت اس دروازہ پر واقع ہوگی یا وہ دروازہ توڑا جائے گا یعنی قتل کیا جائے گا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا توڑا جائے گا اور پھر بند نہ ہوگا علامہ ابن بطلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دروازہ توڑا جائے تو پھر باقاعدہ بند نہیں ہوا کرتا جب تک اس کو ٹھیک نہ کر لیا جائے یہ اشارہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی طرف۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تعبیر میں کنایات پر اکتفاء فرمایا ہے تاکہ راز راز رہے اور اس قدر تعبیر کرنے کی ان کو اجازت ہوگی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بالکل صادق ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد فتنوں کا دور شروع ہوا اور آج تک امت اس میں مبتلا ہے اور قیامت تک ابتلاء رہے گا۔ ہذا حدیث صحیح اخرجہ الشیخان۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکوت کیوں فرمایا؟ سکتوا: صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت اس وجہ سے تھا کہ وہ متردد ہوئے ایسے موقع پر سوال بہتر ہے یا سکوت کہیں ایسا نہ ہو کہ سوال کرنے کی وجہ سے کوئی ناگواریات جواباً فرمادی جائے کہا قال تعالیٰ: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ بُدِّ لَكُمْ تَسْأَلُكُمْ﴾ (المائدہ: ۱۰۱)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت اس وجہ سے تھا کہ آپ خود ہی خیر و شر کو متعین فرمادیں تو بہتر ہے نہ معلوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے بارے میں تعین شر نہ فرمادیں اور پھر وہ متعین ہو جائے جس سے دینا و آخرت اس کی برباد ہو جائے چونکہ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمادیا تو اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا۔

كما فی الروایة قال لرجل یا کل بشماله کل یمینک فقال لا استطیع فقال لا استطعت فلم یرفعها الی فیہ۔

”جیسا کہ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا کہا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کی طاقت رکھے گا بھی نہیں اس کے بعد وہ اپنے منہ تک ہاتھ نہیں لے جاسکا۔“

مگر جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ محسوس کیا کہ آپ سوال پر اصرار فرما رہے ہیں تو ایک شخص نے بلی کہہ کر عرض کر ہی دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیر و اہل شر کی تعین فرمادی

تبنیہ: عقلی طور پر افراد کی چار قسمیں نکلتی ہیں: ① من یرجی خیرہ و یومن شرہ ② من لا یرجی خیرہ ولا یومن شرہ ③ من یرجی خیرہ ولا یومن شرہ ④ من لا یرجی خیرہ و یومن شرہ۔

اول دونوں قسموں کا تعلق ترغیب و ترہیب سے ہے اس لیے ان دونوں کو بیان فرمایا اور آخر الذکر دونوں قسموں سے ترغیب و ترہیب متعلق نہیں اس وجہ سے ان کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ آپ کا مقصد کلام ترغیب و ترہیب ہے۔ ہذا حدیث صحیح اخرجہ احمد

والبیہقی وابن حبان۔

سلط شرارہا علی خیارہا: یعنی برے لوگ اچھے لوگوں پر غالب آ جائیں گے اور دنیا میں خرابیاں اور برائیاں زیادہ ہوں گی آپ ﷺ کا یہ ارشاد معجزات میں سے ہے اہل اسلام نے جب ملک فارس و روم کو فتح کر لیا اور ان کے اموال مسلمانوں کے حق میں مال غنیمت ہو گئے اور ان کی اولادیں قید کر لی گئیں جو اس وقت خدام ہو گئے تو فتنہ بپا ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کی نوبت آئی پھر مزید سلسلہ دراز ہوا بنو امیہ ہاشم پر مسلط ہوئے اور دنیا میں کس قدر اہل اسلام کے مابین جنگیں ہوئیں تاریخ کے اوراق واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: تسلیط الشرار علی الخیار فی الفور لازم نہیں نیز فتنہ کا عموم بھی ضروری نہیں لہذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں تھے بلکہ فتنہ پر در منافقین کی چال تھی۔

باب

باب: امراء کی ہاں میں ہاں ملانا حوض کوثر سے محرومی کا سبب ہے

(۲۱۸۵) خَرَجَ الْيَنَارُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَتَحْنُ تِسْعَةَ خُمْسَةٍ وَأَرْبَعَةَ أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْأَخَرُ مِنَ الْعَجَمِ فَقَالَ اَسْمَعُوا هَلْ سَمِعْتُمْ أَنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي أَمْرَاءُ فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَيْسَتْ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَى الْحَوْضِ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَارِدٌ عَلَى الْحَوْضِ.

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے ہم اس وقت نو آدمی تھے جن میں سے پانچ عرب تھے اور چار عجمی تھے یا شاید پانچ عجمی تھے اور چار عرب تھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا غور سے سنو کیا تم نے یہ بات سنی ہے میرے بعد امراء ہوں گے جو شخص ان کے پاس جائے ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے ان کے جھوٹ میں ان کی مدد کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا حوض پر مجھ تک نہیں پہنچ سکے گا جو شخص ان کے پاس نہیں جائے گا ان کے ظلم میں ان کی مدد نہیں کرے گا ان کی تصدیق نہیں کرے گا وہ مجھ سے متعلق ہے اور میں اس سے متعلق ہوں اور وہ حوض پر میرے پاس آئے گا۔

سند کی بحث: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تین سندیں بیان کی ہیں اور تینوں ہارون بن اسحاق ہمدانی کی ہیں:

(۱) ہارون ہمدانی محمد بن عبد الوہاب قتاد سے وہ مسعر سے الی آخرہ روایت کرتے ہیں۔ (۲) ہارون محمد قتاد سے اور وہ سفیان سے اور وہ ابو حصین سے پہلی سند کی طرح روایت کرتے ہیں۔ (۳) ہارون محمد قتاد سے وہ سفیان سے وہ زبید سے اور وہ ابراہیم سے (یہ ابراہیم نخعی نہیں ہیں کوئی اور راوی ہے جو مجہول ہے اور وہ حضرت کعب سے روایت کرتا ہے)۔

باب

باب: دین کو تھا منا چنگاری تھا منے کی طرح ہوگا

(۲۱۸۶) يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجُمْرِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب دین پر قائم رہنے والا شخص اس طرح ہوگا جس طرح اس نے اپنی مٹھی میں انگارہ رکھا ہوا ہے۔

تشریح: جب فتنوں کا درو آتا ہے فسق و فجور عام ہوتا ہے اور لوگوں کا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے تو دین پر جمنا دو بھر ہو جاتا ہے اس وقت دین کو مضبوط پکڑنا اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے جتنا چنگاری ہاتھ میں پکڑنا مگر اس وقت ثواب بھی بڑھ جاتا ہے حضرت ابو ثعلبہ کی حدیث میں ہے: للعامل فيهن اجر خمسين رجلا يعملون مثل عمله. ان ایام میں دین پر عمل کرنے والے کے لیے پچاس آدمیوں کا اجر ہوگا جو آج اس کے عمل کے مانند عمل کرتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ان میں سے پچاس آدمیوں کا اجر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم میں سے پچاس آدمیوں کا اجر۔ (یہ روایت ترمذی میں آئے گی اور رواہ ابن ماجہ مشکوٰۃ حدیث ۵۱۴۲)

ملاحظہ: یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی امام ترمذی رحمہ اللہ اور نبی ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں اور ترمذی میں یہی ایک حدیث ثلاثی ہے اور ضعیف ہے اس کا ایک راوی عمر بن شا کر ضعیف ہے مگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے کیونکہ اس سے متعدد اہل علم نے روایت لی ہے اور یہ راوی شیخ ہے یہ لفظ صدوق کے ہم معنی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو مقارب الحدیث کہا ہے علاوہ ازیں اس حدیث کے شاہر ہیں یہ مضمون حضرت ابو ثعلبہ حشنی سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ (مسند احمد ۵: ۳۹۰)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (صحیح ۲: ۶۸۳)

نوٹ: اس دوسری حدیث سے پہلے مصری نسخہ میں باب بلا ترجمہ ہے۔

باب

باب: بہتر اور بدتر لوگ

(۲۱۸۹) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَفَ عَلَى اُنَاسٍ جُلُوسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكْتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُزَجِّى خَيْرُهُ وَيُؤْمِنُ شَرُّهُ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُزَجِّى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمِنُ شَرُّهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں کے پاس ٹھہرے آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم لوگوں کو تمہارے اچھے اور تمہارے برے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں راوی بیان کرتے ہیں لوگ خاموش رہے آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا تو ایک صاحب نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ﷺ ہمیں بتائیں اچھے لوگ کون سے ہیں اور ہم میں سے

برے لوگ کون سے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جن سے بھلائی کی امید کی جائے اور ان کے شر سے محفوظ رہا جائے اور برے لوگ وہ ہیں جن سے بھلائی کی امید نہ کی جائے اور ان کے شر سے محفوظ نہ رہا جائے۔

تشریح: تبذیہ: عقلی طور پر افراد کی چار قسمیں نکلتی ہیں: ① من یرجی خیرہ ویومن شرہ ② من لا یرجی خیرہ ولا یومن شرہ ③ من یرجی خیرہ ولا یومن شرہ ④ من لا یرجی خیرہ ویومن شرہ۔

اول دونوں قسموں کا تعلق ترغیب و ترہیب سے ہے اس لیے ان دونوں کو بیان فرمایا اور آخر الذکر دونوں قسموں سے ترغیب و ترہیب متعلق نہیں اس وجہ سے ان کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ آپ کا مقصد کلام ترغیب و ترہیب ہے۔ (ہذا حدیث صحیح أخرجه احمد والبیہقی وابن حبان)۔

باب

باب: جب امت میں اتر اہٹ آجائے تو برے لوگ مسلط ہو جائیں گے

(۲۱۸۷) إِذَا مَشَتْ أُمَّتِي بِالْمَطِيطِيَاءِ وَخَدَمَهَا أَبْنَاءُ الْمُلُوكِ أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّومِ سُلِّطَ شَرُّهَا عَلَى خَيْرِهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب میری امت کے لوگ اکڑ کر چلنا شروع کریں گے اور بادشاہوں کی اولاد ان کی خدمت کرے گی اور فارس اور روم کے لوگ ان کی خدمت کریں گے تو ان کے بدترین لوگ ان کے بہترین لوگوں پر مسلط کر دیئے جائیں گے۔

تشریح: سلطہ شر ارہا علی خیارہا: یعنی برے لوگ اچھے لوگوں پر غالب آ جائیں گے اور دنیا میں خرابیاں اور برائیاں زیادہ ہوں گی آپ ﷺ کا یہ ارشاد معجزات میں سے ہے اہل اسلام نے جب ملک فارس و روم کو فتح کر لیا اور ان کے اموال مسلمانوں کے حق میں مال غنیمت ہو گئے اور ان کی اولادیں قید کر لی گئیں جو اس وقت خدام ہو گئے تو فتنہ پھا ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کی نوبت آئی پھر مزید سلسلہ دراز ہوا بنو امیہ ہاشم پر مسلط ہوئے اور دنیا میں کس قدر اہل اسلام کے مابین جنگیں ہوئیں تاریخ کے اوراق واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا تسلط الشرار علی الخیار فی الفور لازم نہیں نیز فتنہ کا عموم بھی ضروری نہیں لہذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں تھے بلکہ فتنہ پر ور منافقین کی چال تھی۔

سند کی بحث: یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہے کیونکہ اس کو موسیٰ بن عبیدہ ربذی ابو عبد العزیز مدنی عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے اور یہ راوی ضعیف ہے خاص طور پر عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ کی روایتوں میں مگر یحییٰ بن سعید انصاری اس کے متابع ہیں وہ بھی یہ حدیث عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وقد رواہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہی سند پیش کی ہے پھر امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دوسری سند (انصاری کی) بے اصل ہے یہ حدیث صرف موسیٰ کی سند سے معروف ہے (مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس دوسری سند کے بے اصل ہونے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی جبکہ انصاری سے روایت کرنے والے ابو معاویہ پھر ان سے روایت

کرنے والے امام ترمذی کے استاذ محمد بن اسماعیل بن واسطی دونوں ثقہ ہیں (دوسری دلیل امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پیش کی ہے کہ یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی انصاری سے روایت کرتے ہیں مگر وہ حدیث کو مرسل کرتے ہیں وہ عبد اللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نہیں کرتے (مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایسا بکثرت کرتے تھے وہ موصول روایات کو مرسل کرتے تھے پس یہ بھی ابو معاذیہ کی سند کے غلط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی اس لیے میری ناقص روائے یہ ہے کہ یہ حدیث انصاری کی سند سے صحیح ہے۔)

باب

باب: عورتوں کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں

(۲۱۸۸) عَصَمِي اللَّهِ بِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَهَا هَلْكَ كَسْرِي قَالَ مَنْ اسْتَخْلَفُوا قَالُوا ابْنَتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ أَمْرًا قَالُوا فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ يَغْنَى الْبَصْرَةَ ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَعَصَمَنِي اللَّهُ بِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایک بات سنی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچالیا (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں) جب کسری مر گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا لوگوں نے اپنا امیر کسے بنایا ہے تو لوگوں نے بتایا کسری کی بیٹی کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جن کی حکمران ایک عورت ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آئیں یعنی بصرہ آئیں تو مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مجھے یاد آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے مجھے بچالیا۔

تشریح: اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں رہی یہ بات کہ عورت کو سربراہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی طرف حدیث میں کوئی اشارہ نہیں اور فقہاء میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک عورت نہ امیر المؤمنین بن سکتی ہے نہ قاضیہ اور طبری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جن معاملات میں عورت گواہ بن سکتی ہے امیر بھی بن سکتی ہے۔

رہی استیلاء و تغلب کی صورت: تو اس میں بالاجماع عورت کی امارت درست ہے اس کے احکام نافذ اور واجب الاطاعت ہوں گے اور الیکشن پارٹی ووٹ اور اکثریت تغلب ہی کی صورت ہے کیونکہ جمہورت میں سرگئے جاتے ہیں بھیجا نہیں دیکھا جاتا۔

قتل کسری کا واقعہ:

شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا باپ نے زندگی میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس کا بیٹا قتل کی سازش کر رہا ہے تو اس نے ایک ڈبیہ میں زہر بھر کر اپنے خزانہ میں رکھ دیا اور اس پر لکھا کہ قوت جماع کے لیے جو شخص اس کو کھائے گا اس کو اس قدر قوت جماع حاصل ہوگی باپ کو قتل کرنے کے بعد جب شیرویہ کو وہ تمام خزانہ اور بادشاہت حاصل ہو گئی تو اس نے اس ڈبیہ کو دیکھا اور اس وک مقوی جماع سمجھ کر پی گیا اور مر گیا ادھر پہلے سے اپنے بھائیوں کو بادشاہت کے لالچ میں ختم کر چکا تھا اب خاندان میں کوئی مذکر نہیں رہا صرف اس کی

بیٹی رہ گئی تھی لوگ چاہتے تھے کہ بادشاہت اس گھر سے کسی اور کو حاصل نہ ہو تو لوگوں نے اس کی بیٹی بوران ہی کو بادشاہ بنا دیا جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ کسی ہلاک ہو گیا یعنی شیر و یہ ختم ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے پوچھا اس کی جگہ کون بادشاہ بنا ہے لوگوں نے بتایا کہ اس کی بیٹی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرہم امراۃ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے آپ ﷺ کی یہ بات یاد رہی کہ جس قوم کی ذمہ داری عورت کے سپرد ہوگی وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی ہے تو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ پہنچیں اور میدان میں گئیں تو میں نے ان کا ساتھ دینے سے گریز کیا کیونکہ وہ گویا میر ہو گئیں تھیں اور کامیابی بقول آپ ﷺ کے ہو ہی نہیں سکتی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے جنگ جمل کی تفصیل تاریخ اسلام میں ملاحظہ کی جائے بہر حال ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے اس فرمان کو سننے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ (ہذا حدیث صحیح اخرجہ البخاری فی مواضع والنسائی)

باب

باب: بہترین اور بدترین امراء

(۲۱۹۰) إِلَّا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ أَمْرٍ أَيْكُمْ وَشَرِّهِمْ وَخَيْرُهُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَتَدْعُونَ لَهُمْ وَيَدْعُونَ لَكُمْ وَشَرُّ أَمْرٍ أَيْكُمْ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کیا میں تمہیں تمہارے بہترین حکمرانوں اور برے حکمرانوں کے بارے میں بتاؤں؟ ان میں سے بہترین وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کریں تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں اور تمہارے حکمرانوں میں سے بدترین وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تمہیں ناپسند کریں تم لوگ ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔

ملاحظہ: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی: محمد بن ابی حمید جس کا لقب حماد تھا ضعیف ہے مگر یہ حدیث حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے مسلم شریف (حدیث ۱۸۵۵) میں ہے۔

جن امراء کے کام معروف و منکر دونوں طرح کے ہوں ان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟

(۲۱۹۱) إِنَّهُ سَيَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَّةٌ تَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَرِيَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلُّوْا.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں عنقریب تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جن کی کچھ باتیں تمہیں اچھی لگے گی اور کچھ بری لگے گی تو جو شخص ان کا انکار کرے وہ بری الذمہ ہو گیا اور جو ناپسند کرے وہ سلامت رہا لیکن جو اس سے راضی رہا اس نے پیروی کی (وہ برباد ہو جائے گا) عرض کی گئی یا رسول اللہ کیا ہم ان لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔

تشریح: حضرت شاہ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا شخص زبردستی حکومت پر غلبہ حاصل کر لے جو شرائط خلافت کا جامع نہ ہو (مثلاً ایکشن میں اس کی پارٹی جیت جائے) تو اس کی مخالفت میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ اس کو معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوگی اور سخت فتنہ برپا ہوگا اور یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ نتیجہ کیا ہوگا ہو سکتا ہے اس سے بھی بدتر کوئی شخص غالب آجائے پس ایک موہوم مصلحت کے لیے ایسے امر کا ارتکاب نہ کیا جائے جس کی قباحت یقینی ہے۔

ہاں جب خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی ضروری امر کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جائے مثلاً نماز کی فرضیت کا انکار کر دے یا پانچ نمازوں کی فرضیت کا قائل نہ ہو تو اس سے جنگ کرنا جائز ہے بلکہ واجب ہے اور یہ جواز یا وجوب اس لیے ہے کہ ایسی صورت میں خلیفہ مقرر کرنے کی جو مصلحت ہے یعنی اقامت دین وہ فوت ہو جائے گی بلکہ وہ پوری قوم کو لے ڈوبے گا اس لیے اس سے برسر پیکار ہونا راہ خدا میں جہاد کرنا ہے۔

باب

باب: جینے میں مزہ کب تک ہے؟

(۲۱۹۲) إِذَا كَانَ أَمْرًاؤُكُمْ خَيْرًاؤُكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَائِكُمْ وَأُمُورُكُمْ سُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهَرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَإِذَا كَانَ أَمْرًاؤُكُمْ شَرًّاؤُكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ يُخْلَائِكُمْ وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبِظَنِّ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب تمہارے حکمران اچھے لوگ ہوں مالدار ہوں مہربان ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورے کے ذریعے طے ہوتے ہوں تو زمین کا ظاہری حصہ تم لوگوں کے لیے باطنی حصے سے بہتر ہوگا اور جب تمہارے حکمران بدترین لوگ ہوں خوشحال ہوں لیکن بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کا باطنی حصہ تمہارے لیے اوپر والے حصے سے زیادہ بہتر ہوگا۔

یہ حدیث ضعیف ہے صالح بن بشیر مری اب و بشر بصری ضعیف راوی ہے اگرچہ وہ نیک زاہد شخص تھا اور یہ حدیث صرف ترمذی میں ہے دیگر کتب سنہ میں نہیں ہے۔

باب

فتنوں کے زمانہ میں عمل کی اہمیت

(۲۱۹۳) إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُسْرَ مَا أَمَرَ بِهِ هَلَكَ ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ بِعُسْرٍ مَا أَمَرَ بِهِ نَجَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں تم لوگ ایک ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے جس شخص کو حکم دیا گیا ہے اگر وہ اس کا دسواں حصہ ہی ترک کر دے تو ہلاکت کا شکار ہو جائے گا پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب لوگ دیئے گئے حکم

کے دسویں حصہ پر عمل کر لیں گے تو بھی نجات پالیں گے
تشریح: موربہ کا دسواں حصہ جو نجات کے لیے کافی ہے اس سے کیا مراد ہے۔
بعض حضرات فرماتے ہیں اس سے مراد صرف فرائض کی ادائیگی ہے اس فتنوں کے دور میں اگر کوئی شخص سنن و مستحبات کو ترک
کر دے گا تب بھی ناجی ہوگا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اخلاص ہے یعنی اے صحابہ رضی اللہ عنہم آئندہ چل کر ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر لوگوں
میں دسواں حصہ بھی اخلاص کا ہوگا اس پر بھی نجات ہو جائے گی اور تم سے مکمل اخلاص مطلوب ہے کہ تمہارا زمانہ خیر کا زمانہ یہ۔
بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد امر بالمعروف نہی عن المنکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے صحابہ رضی اللہ عنہم تمہارے زمانہ
میں تو امر بالمعروف نہی عن المنکر ہر موقع پر مطلوب ہے مگر آئندہ فتنوں کا زمانہ ہوگا اس وقت دسواں حصہ بھی اگر عمل پایا گیا تو نجات
ہو جائے گی کیونکہ اس وقت اسلام ضعیف ہوگا ظلم و فسق کی کثرت ہوگی دین کے اعوان و انصار کم ہو جائیں گے۔
یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی نعیم بن حماد مروزی ضعیف ہے ابن عبد نے اکابر میں اس کی ضعیف حدیثوں کا تتبع کیا
ہے یہ حدیث ان میں سے ایک ہے مگر باب میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند احمد (۱۵۵:۵) میں ہے جو اس حدیث کے
لیے شاہد ہے۔

فتنہ مشرق سے سر اُبھاریں گے

(۲۱۹۴) قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ هَاهُنَا أَرْضُ الْفِتَنِ وَأَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ يَمِينُهُ حَيْثُ يَطْلُعُ
جَنْبُ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ قَرْنُ الشَّيْطَانِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرف فتنوں
کی سر زمین ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ کیا (اور فرمایا تھا) یہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ راوی کو شک ہے
شاید یہ الفاظ ہیں جہاں سے سورج کا کنارہ نکلتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث اگرچہ عام ہے مگر مراد خاص ہے اس میں مسیلمہ کذاب کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے یا دجال کے فتنہ کی طرف
مسیلمہ یمامہ کا باشندہ تھا جو مدینہ سے مشرق میں نجد کے علاقہ میں واقع ہے اور دجال کا خروج بھی مشرق سے یعنی خراسان سے ہوگا
جیسا کہ پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

مہدی دجال کا پیچھا کہاں سے کہاں تک کریں گے؟

(۲۱۹۵) تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ آيَاتُ سُودٍّ لَا يَدُودُهَا شَيْءٌ حَتَّى تُنْصَبَ بِأَيْدِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے انہیں کوئی واپس
نہیں کر سکے گا یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں نصب کر دیئے جائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت مہدی کے لشکر کا تذکرہ ہے دجال کا خروج خراسان سے ہوگا حضرت مہدی وہیں سے اس کا پیچھا کریں گے اور ان کا جھنڈا کالا ہوگا یعنی اس کی زمین سفید ہوگی اور اس میں کالی دھاریاں ہوں گی اس لیے وہ دور سے کالا نظر آئے گا نبی ﷺ کا جھنڈا ایسا ہی تھا اور ایلیاء یعنی بیت المقدس تک اس کا تعاقب کرتے چلے جائیں گے کوئی چیز ان کے لیے سدراہ نہیں ہوگی اور مسند احمد (۵: ۲۷۷) میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اذا رائتتم الرايات السوداء قد جائت من قبل خراسان فائتوها فان فيها خليفة الله المهدى جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف آرہے ہیں تو تم اس لشکر میں شامل ہو جاؤ کیونکہ اس میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

ملفوظ: یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں ترمذی کی روایت میں رشید بن سعد ہیں جو ضعیف ہیں اور مسند احمد کی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں شریک بن عبد اللہ نخعی ہیں ان کا حافظہ بھی بگڑ گیا تھا اور اس میں غالباً علی بن زید بن جدعان بھی ہے وہ بھی ضعیف راوی ہے مگر دونوں کا ضعف ہلکا ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی تحسین کی ہے۔



أَبْوَابُ الرُّؤْيَا

خوابوں کے بیان میں

الرؤیا: رآہیری کا مصدر، اس کے معنی ہیں: آنکھ سے دیکھنا، اور دل سے دیکھنا، پھر وہ اسم کے طور پر مستعمل ہے اور الف مقصورة کی وجہ سے دنیا کی طرح۔

اردو میں اس کا ترجمہ ”خواب“ ہے۔ خواب: خوابیدن (سونا) کا حاصل مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: نیند اور وہ باتیں جو آدمی نیند میں دیکھتا ہے۔

خواب کیا ہے؟

کہ خیالات کی ریل بلا توقف چلتی رہتی ہے، بیداری میں بھی اور نیند میں بھی مسلسل خیالات آتے رہتے ہیں۔ پھر جب وہ وافر مقدار میں جمع ہو جاتے ہیں تو ارادہ عمل جنم لیتا ہے پھر اچھایا بر عمل وجود میں آتا ہے اور ان خیالات کے بھی اسباب ہیں۔ اور یہ اسباب جاننے اس لیے ضروری ہیں کہ انسان اچھے اسباب اختیار کرے تاکہ اچھے خیالات آئیں اور نیک عمل کا جذبہ ابھرے اور بُرے خیالات کے اسباب سے بچے تاکہ بُرے خیالات پیدا نہ ہوں اور آدمی بُرے کام نہ کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے حجتہ البالغہ (قسم اول، بحث اول، باب دہم) میں خیالات کے پانچ اسباب بیان کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلا سبب: جو سب سے بڑا سبب ہے وہ انسان کی جبلت و فطرت ہے جبلت: وہ اصلی حالت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، ہر انسان کی الگ انداز پر تخلیق ہوئی ہے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ایک جبلت بنائی ہے جو کبھی نہیں بدلتی۔ اس لیے کہ جیسی فطرت ہوگی ویسے ہی خیالات آئیں گے اچھی فطرت ہوگی تو اچھے خیالات آئیں گے اور بری فطرت ہوگی تو برے خیالات جنم لیں گے۔

دوسرا سبب: انسان کا مادی مزاج ہے جو کھانے پینے وغیرہ سے بنتا ہے یہ مزاج لوگوں میں مختلف ہوتا ہے اور اس کو مختلف کیا بھی جاسکتا ہے۔ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے ان کی وجہ سے یہ مزاج مختلف ہوتا ہے اسی لیے شریعت نے حلال و طیب غذا کھانے پر اچھی صحبت اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔

تیسرا سبب: عادت و مالوف ہے جس شخص کا جس چیز کے ساتھ بہت زیادہ تعلق ہوتا ہے اس کو اس چیز کا بار بار خیال آتا ہے مثلاً جو

چائے کا عادی ہے اس کو اس کا خیال آتا ہے۔ جو نماز کا پابند ہے اس کا دل ہمیشہ مسجد میں اٹکارہتا ہے اور اس کو بار بار نماز کا خیال آتا ہے۔
چوتھا سبب: اچھے برے اتفاقات ہیں جیسے ایک جیب کتر کسی دینی اجتماع میں اپنے مقصد سے گیا وہاں اس نے کسی مبلغ سے کوئی بھلی بات سنی جو اس کے دل میں اتر گئی اور وہ اس کے لیے باعث انس بن گئی پس اس کی زندگی بدل گئی۔ غرض اس قسم کے اچھے برے اتفاقات بھی خیالات کا سبب بنتے ہیں۔

پانچواں سبب: اچھی بری تاثیر ہے بعض لوگ شیاطین سے متاثر ہوتے ہیں خواہ وہ شیاطین الانس ہوں یا شیاطین الجن ان شیاطین کا رنگ آدمی پر چڑھ جاتا ہے، جس کی وجہ سے برے خیالات آنے لگتے ہیں اور وہ برے اعمال شروع کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس آدمی ملائکہ سے متاثر ہوتا ہے چاہے وہ نورانی فرشتے ہوں یا صالح انسان جب ان کا رنگ آدمی پر چڑھتا ہے تو اچھے خیالات آنے لگتے ہیں اور وہ اچھے اعمال شروع کر دیتا ہے۔

اور خوابوں کا معاملہ خیالات جیسا ہے یعنی جو خیالات کے اسباب ہیں وہی خوابوں کے بھی اسباب ہیں اچھے اسباب پیدا ہوتے ہیں تو اچھے خواب نظر آتے ہیں اور برے اسباب جمع ہوتے ہیں تو برے خواب آنے لگتے ہیں البتہ خیالات اور خوابوں میں فرق یہ ہے کہ خیالات میں چیزیں متشکل نہیں ہوتیں اور خواب میں جو خیالات دل میں گزرتے ہیں وہ دل کی آنکھوں کے سامنے متشکل ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام خوابوں کی حقیقت کا بیان نہیں بلکہ صرف ان خوابوں کا بیان ہے جو خیالات ہوتے ہیں۔

حقیقت خواب:

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خواب کی حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی جس وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قوت خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اس کا نام خواب پھر اس کی تین قسمیں ہیں:

- (۱) کبھی خواب میں آدمی وہی صورتیں دیکھتا ہے جو بیداری کی حالت میں دیکھتا ہے اس کو حدیث النفس کہا جاتا ہے۔
- (۲) کبھی شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈالتا ہے کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے اس کو تسویل الشیطان کہتے ہیں یہ دونوں قسمیں باطل ہیں جن کی کوئی حقیقت و اصلیت نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی واقعی تعبیر ہو سکتی ہے۔
- (۳) اللہ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لیے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ خزائنہ غیب سے بندہ کے قلب و دماغ میں ڈال دیتے ہیں یہ خواب صحیح و حق ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے۔ (طبرانی)

بہر حال جمہور اہل سنت والجماعت کے یہاں خوابات یہ تصورات ہیں جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں پیدا فرمادیتے ہیں کبھی بواسطہ فرشتے کے اور کبھی بواسطہ شیطان کے چنانچہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رؤیا کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نائم کے دل میں علوم و ادراکات پیدا فرمادیتے ہیں جیسا کہ بیداری میں بھی اللہ انسان کے دل میں علوم پیدا فرماتے ہیں اور نائم کے دل میں اس قسم کا خلق علوم دوسرے امور کی علامت ہوتا ہے جو آئندہ چل کر عارض ہوتے ہیں اور وہی اس کی تعبیر ہوتی ہے جیسے بادل بارش کی علامات ہے ایسے ہی خلق علوم فی النائم دیگر امور کی علامت ہے۔

آگے حدیثوں میں خوابوں کی دو قسمیں اور بھی آرہی ہیں ایک: ذراؤنا خواب دوسرا مبشرات یعنی خوشخبری دینے والے خواب ان خوابوں کی حقیقت جدا ہے ذراؤنا نے خواب شیطان کا تماشہ ہوتے ہیں جیسے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنا خواب بیان کیا کہ گویا ان کا سر قلم کر دیا گیا نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا جب شیطان تم میں سے کسی کے ساتھ نیند میں کھلواڑ کرے تو اس کو لوگوں سے بیان نہ کیا کرو۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ کتاب الرُّؤْيَا حدیث ۴۶۱۶) اور مبشرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں۔

جو خواب شیطان کا ذراؤنا ہوتے ہیں ان کی بھی کوئی تعبیر نہیں ہوتی تعبیر کے محتاج صرف مبشرات ہوتے ہیں۔ اور یہ بات تعبیر بتانے والا جانتا ہے کون سا خواب کس قسم کا ہے جب مصر کے بادشاہ نے دربار والوں کے سامنے اپنا خواب بیان کر کے تعبیر چاہی تو وہ لوگ کہنے لگے یہ یوں ہی پریشان خیالات ہیں (یوسف: ۴۳) ان کی یہ بات اگرچہ صحیح نہیں تھی مگر اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ پریشان خیالات کی تعبیر نہیں ہوتی اور یہ حدیث ابھی گزری ہے کہ ایک صحابی نے خواب دیکھا کہ گویا ان کا سر کاٹ دیا گیا۔ نبی ﷺ نے اس کو شیطان کا ذراؤنا قرار دیا غرض تعبیر صرف مبشرات کی ہوتی ہے۔

اور خواب کی تعبیر کے لیے کوئی مقررہ ضابطہ نہیں جو شخص عالم ہوتا ہے اور خواب دیکھنے والے کی زبان اور اس کے محاورات سے واقف ہوتا ہے نیز وہ خواب دیکھنے والے کے احوال سے بھی واقف ہوتا ہے وہ مختلف قرآن سے معلوم کر لیتا ہے کہ خواب کا کون سا جز مقصود ہے اور اس کی کیا مراد ہے؟



بَابُ أَنَّ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النَّبُوءَةِ

باب ۱: مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

(۲۱۹۶) إِذَا قُتِرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكُذُرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِيبٌ وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا وَرُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النَّبُوءَةِ وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ فَالرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرَىٰ مِنَ اللَّهِ وَالرُّؤْيَا مِنْ تَحْزِينِ الشَّيْطَانِ وَالرُّؤْيَا مِمَّا يُحَدِّثُ بِهَا الرَّجُلُ نَفْسَهُ فَإِذَا رَأَىٰ أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُمْ وَلْيَتَفَلَّحْ وَلَا يُحَدِّثْ بِهِ النَّاسَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب زمانہ قریب ہو جائے گا (یعنی قیامت کے قریب ہو جائے گا) تو مؤمن کا خواب عام طور پر جھوٹا نہیں ہوگا اور لوگوں میں سب سے زیادہ سچا خواب اس شخص کا ہوگا جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہوگا مؤمن کے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں خواب تین طرح کے ہوتے ہیں اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہوتے ہیں کچھ خواب شیطان کی طرف سے غم میں مبتلا کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ خواب وہ ہیں جس میں آدمی اپنے آپ سے بات کرتا ہے تو جب کوئی شخص کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو وہ اٹھے اور تھوک دے اور اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔

(۲۱۹۷) رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النَّبُوءَةِ.

تَوْجِیْہًا: حضرت عباد بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: مومن کے خواب نبوت چالیسواں حصہ ہیں۔ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو زرین عقیلی، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عوف بن مالک، حضرت ابن عمر، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے احادیث منقول ہیں۔

تَشْرِیْح: مومن کا خواب یعنی اچھا خواب جس کو حدیث میں بشری من اللہ (اللہ کی طرف سے خوشخبری) کہا گیا ہے وہ کمالات نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

خواب کی قسمیں اور ان کا درجہ:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خواب کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) نیک خواب: جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لیے بشارت ہوتے ہیں یہ ایک قسم کا الہام ہوتا ہے جو بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لیے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اپنے خزانہ غیب سے کچھ چیزیں اس کے قلب و دماغ میں ڈال دیتے ہیں۔

(۲) شیطانی خواب: جس میں شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے اس کو تسویل شیطانی بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) نفسانی خواب: کہ بیداری کی حالت میں جو کچھ انسان سوچتا ہے یا جو صورتیں اور چیزیں دیکھتا رہتا ہے وہی خواب میں نظر آ جاتی ہیں اسے حدیث النفس بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) اقتراب الزمان لم تکنکد رؤیا المومن تکذب۔ اقتراب زمان کی چار تفسیریں کی گئی ہیں۔

پہلی تفسیر: صاحب الفائق فرماتے ہیں اس سے آخری زمانہ مراد ہے جو قرب قیامت ہوگا۔ کہافی روایۃ انہ ﷺ قال فی آخر الزمان لا تکنکد رؤیا المومن تکذب اقتراب سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ شئی قلیل وقصیر ہو جاتی ہے تو اس کے اطراف و جوانب قریب قریب ہو جاتے ہیں۔ پھر آخری زمانہ کون سا مراد ہے؟ بعض نے فرمایا خروج مہدی علیہ السلام کا زمانہ کیونکہ اس وقت عدل وانصاف قائم ہوگا وہ وقت خوشی کا وقت ہوگا زمانہ قلیل معلوم ہوگا جیسا کہ اس کے بالمقابل پریشانی کا وقت قلیل بھی کثیر معلوم ہوا کرتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر کے لوگوں کے ساتھ رہیں گے وہ وقت بھی وقت انصاف و عدل کا وقت ہوگا۔

دوسری تفسیر: صبح کی نزدیکی مراد ہے۔ آگے حدیث (نمبر ۲۲۷۲) آرہی ہے کہ سحری کے وقت کے خواب زیادہ تر سچے ہوتے ہیں۔ تیسری تفسیر: رات دن کا مساوی ہونا مراد ہے یعنی جب رات دن برابر ہوتے ہیں اس وقت کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں کیونکہ جب رات لمبی ہوتی ہے اور آدمی ضرورت سے زیادہ سوتا ہے تو پراگندہ خیالات آتے ہیں اور جب رات چھوٹی ہوتی ہے اور نیند پوری نہیں ہوتی تو بھی خواب یاد نہیں رہتے اور اعتدال کے زمانہ کے خواب عام طور پر سچے ہوتے ہیں نیز وہ زمانہ اور وہ وقت مراد ہے جس میں رات دن دونوں برابر ہوتے ہیں چونکہ اس وقت انسانی مزاج صحیح و معتدل تر ہوگا اس لیے خواب میں بھی خلط ملط نہ ہوگا بلکہ خوابات سچے ہوں گے۔

چوتھی تفسیر: اصدقہم حدیثاً: معناہ اصدقہم حدیثاً یعنی جس شخص کے خیالات جتنے زیادہ اچھے ہوں گے اسی قدر اس کو سچے خواب نظر آئیں گے یا جس کی گفتگو میں زیادہ سچائی ہوگی اسی قدر اس کو زیادہ سچے خواب نظر آئیں گے چونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے تو صدق ظاہر صدق باطن کو مستلزم ہے۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں صدق مقال سے قلب منور ہوتا ہے اور ادراک قوی ہوتا ہے حقائق منکشف ہوتے ہیں حتیٰ کہ خوابات بھی اس کو سچے نظر آئیں گے۔

ورؤیا المسلم جزء من سنة واربعین جزء من النبوة: اور مسلمان کا خواب نبوت کا چھایا لیسواں حصہ ہے۔
تشریح: اس حدیث کا شان ورواد اگلے باب میں آ رہا ہے جب نبی ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی اب نہ کوئی نیا رسول آئے گا اور نہ نیا نبی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو تشویش ہوئی نبوت کے ذریعہ لوگوں کو خیر کی باتیں معلوم، ہوتی ہیں اب لوگ اس سے محروم ہو گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا مگر خوش کن باتیں ابھی باقی ہیں ان کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ امت کو خیر کی باتیں بتلائیں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: خوش کن باتیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کا خواب جو کمالات نبوت میں سے ایک کمال ہے پس صحابہ رضی اللہ عنہم کو اطمینان ہو گیا کہ الحمد للہ ابھی خیر کا دروازہ پوری طرح بند نہیں ہوا ایک صورت اب بھی باقی ہے۔

مختلف اعداد میں تطبیق:

اس روایت میں ۴۶ کا ذکر ہے اس کے علاوہ دیگر روایات میں مختلف اعداد مذکور ہیں: ۴۴-۴۵-۴۷-۴۹-۵۰-۵۰-۷۰-۷۶۔
۲۴-۷۲-۷۷-۲۵-۲۶-۴۰۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان سب کو ذکر فرمایا ہے۔

قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اجزاء کے تعدد کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بناء پر ہے امانت وصدق نيات میں لوگ مختلف ہیں تو ان کے خوابات میں بھی اجزاء اختلاف ہے۔ کہ خواب دیکھنے والوں کے صلاح و تقویٰ کے اختلاف سے نسبتیں مختلف ہوتی ہیں جو شخص جس قدر متقی ہوگا اس کا خواب اسی قدر اہم ہوگا اور عدد چھوٹا ہوگا مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خواب نبوت کا ۲۴ واں جزء ہوگا اور دوسرے صدیقیوں کے خواب ۲۵ یا ۲۶ یا ۲۷ واں حصہ ہوں گے اسی طرح صالحین کے بھی مختلف درجات ہیں پس قدران کے اخلاص میں صدق مقال واکل حلال میں اور نیتوں کی صداقت میں کمی ہوگی عدد بڑھتا جائے گا اور اوسط عدد یعنی عام صالحین کے خوابوں کی نسبت ۴۶ ہے یہ ایک بہترین توجیہ ہے۔ اور اس کی نظیر جماعت کی فضیلت کی روایات ہیں۔ عام روایات میں جماعت کا ثواب ۲۵ گنا آیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ۲۷ گنا آیا ہے اس کی ایک توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ یہ ثواب اس صورت میں جبکہ امام پرہیزگار ہوں نمازیوں میں نیک لوگ شامل ہوں اور جماعت بڑی ہو تو یہ ثواب ہے یعنی خارجی چیزوں کے اثرات پڑتے ہیں اسی طرح خوابوں کا معاملہ ہے۔

قادیانیوں کے غلط استدلال کا جواب:

اس سے دراصل قادیانیوں پر رد کرنا مقصود ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جزء نبوت کے باقی رہنے سے گویا نبوت بھی باقی ہے ان کا یہ عقیدہ سراسر غلط ہے کیونکہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا دیکھئے اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے اگر کوئی ایسا کہنے لگے تو دنیا بھر کے انسان اس کو یا جھوٹا

کہیں گے یا اسے بے وقوف سمجھیں گے اس لیے سچے خواب بلاشبہ جزء نبوت ہیں مگر نبوت کیوں نہیں کیونکہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔

جزء نبوت ہونے سے کیا مراد ہے؟

(۱) علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جزء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیز دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں ہوتی مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھے جن کا حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہیں تو اس کا ذریعہ بجز امداد والہام خداوندی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے جو اصل خاصہ نبوت ہے اس لیے اس کو جزء نبوت قرار دیا ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا: کہ رؤیائے کے صالحہ لواحق نبوت اور صفات انبیاء میں سے ہے اور صفات انبیاء کے ساتھ غیر نبی بھی متصف ہو سکتا ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں روایت کا مطلب یہ ہے کہ سچا خواب علم نبوت کے اجزاء میں سے ہے نہ کہ نبوت کے اجزاء میں سے چونکہ علم نبوت باقی ہے اور نبوت متجزی نہیں ہے اور یہ منصب ختم بھی ہو چکا ہے اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔

(۳) علامہ مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں نبوت کے معنی خبر بالغیب کے ہیں گویا رؤیا صالحہ خبر بالغیب ہے اور خبر بالغیب ثمرات نبوت میں سے ہے۔

(۴) ملا علی قاری رحمہ اللہ اور دیگر شراح فرماتے ہیں بہتر یہ ہے کہ کہا جائے حدیث میں خواب کو اجزاء نبوت میں سے کہا گیا ہے اور اجزاء نبوت کو انبیاء علیہم السلام ہی جانتے ہیں ہمیں معلوم نہیں محلاً اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ اچھا خواب بشارت ہے۔

هذا حديث صحيح أخرجه الشيخان وفي الباب عن أبي هريرة رضي الله عنه أخرجه البخاري في تاريخه والطحاوي وابن حبان أبي رزين رضي الله عنه أخرجه الترمذي وآنس رضي الله عنه أخرجه الشيخان وأبي سعيد رضي الله عنه أخرجه البخاري وابن عمر رضي الله عنهما أخرجه أحمد والطبري وعوف بن مالك أخرجه البخاري في تاريخه وابن عمر رضي الله عنهما أخرجه مسلم۔

تشریح: ① روایا: صالحہ کی دو قسمیں ہیں بشری من اللہ اور رؤیا ملکی یعنی نیک آدمی کا خواب۔

اول: وہ خواب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھلایا جاتا ہے اور وہ مومن کے لیے خوشخبری ہوتا ہے آگے حدیث میں آ رہا ہے۔ یہاں المسلم او تری لہ جس کو کوئی مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جاتا ہے جیسے حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد دیکھا کہ ان کے لیے ایک چشمہ جاری ہے نبی ﷺ نے فرمایا: وہ چشمہ ان کا عمل ہے جو ان کے لیے بہہ رہا ہے یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بعد از وفات بشارت ہے۔

دوم: ملکوئی خواب یعنی نیک آدمی کا خواب یہ خواب آدمی کی خوبیوں اور خرابیوں کا تمثیل (پیکر محسوس) ہوتا ہے اگر خوبی متمثل ہوتی ہے تو وہ محض بشارت ہوتی ہے اور خرابی متمثل ہوتی ہے تو وہ تنبیہ ہوتی ہے اور وہ بھی نتیجہ کے اعتبار سے بشارت ہوتی ہے۔

② شیطان کا ڈراوا یعنی خواب میں شیطان پریشان کرتا ہے کسی ملعون جانور کی شکل میں انسان کو نظر آتا ہے جس سے آدمی ڈر جاتا ہے اور دل میں وحشت اور خوف پیدا ہوتا ہے ایسے خوابوں کا علاج آگے آ رہا ہے۔

③ وہ خواب جو خیالات ہوتے ہیں۔

فائدہ: اچھے خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کبھی بندوں کو تعلیم بھی دیتے ہیں جیسے سورۃ صٰ کی تفسیر (ترمذی ۲: ۱۵۵) میں یہ حدیث آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا جس اللہ تعالیٰ نے پوچھا فرشتے کس امر میں بحث کر رہے ہیں؟ الخ اس حدیث میں درجات اور کفارات کا بیان ہے یعنی کن اعمال سے مرتبے بلند ہوتے ہیں اور کن اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی طرح متعدد خوابوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات سے واقف کیا ہے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

بَابُ ذَهَبِ النَّبُوءَةِ وَبَقِيَّتِ الْمُبَشِّرَاتِ

باب ۲: نبوت تکمیل پذیر ہوگئی اور خوش کن باتیں باقی ہیں

(۲۱۹۸) إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوءَةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ قَالَ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ لَكِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِّنْ أَجْزَاءِ النَّبُوءَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ہیں اور اب میرے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے لئے باعث رنج ہوئی تو آپ نے فرمایا لیکن بشارتیں (باقی ہیں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بشارتیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا خواب اور یہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔ **تشریح:** فشق ذلك: صحابہ رضی اللہ عنہم کو ختم نبوت کی خبر اس لیے گراں معلوم ہوئی کہ انذار عن السيئات اور بشارات علی الحسنات بذریعہ وحی الہی یعنی رسالت و نبوت کے طریق سے معلوم ہو جاتی تھیں اب کس طرح معلوم ہوں گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بشارات اب بھی باقی ہیں کہ خوابات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اندر و بشیر فرماتے رہیں گے جو اجزاء نبوت میں سے ہے۔

تنبیہ: قرآن و حدیث اور تجربات سے ثابت ہے کہ سچے خواب بعض اوقات فاسق و فاجر بلکہ کافر کو بھی آسکتے ہیں سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دو ساتھیوں کے خواب اور ان کے سچے ہونے کا ذکر ہے اسی طرح بادشاہ مصر کا خواب اور اس کا سچا ہونا قرآن میں مذکور ہے حالانکہ یہ تینوں مومن نہ تھے۔ حدیث میں کسری کا خواب مذکور ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے متعلق دیکھا تھا اور وہ خواب صحیح ہوا حالانکہ کسری مسلمان نہ تھا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ نے بحالت کفر آپ ﷺ کے بارے میں سچا خواب دیکھا نیز کافر بادشاہ بخت نصر کے خواب کی تعبیر حضرت دانیال علیہ السلام نے دی وہ خواب سچا ہوا۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی خواب کی تعبیر فوراً ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ تفسیر قرطبی میں ہے شداد بن الہاد نے فرمایا یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ تعبیر خواب کی ایک مستقل فن ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کو عطاء فرمادیتے ہیں ہر شخص اس کا اہل نہیں ہے۔

کہا ہو مستفاد من قوله تعالى: ﴿وَيَعْلَمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ (یوسف: ۶)

باب قوله: لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

باب ۳: مؤمنین کے لیے دنیوی زندگی میں خوشخبری ہے

(۲۱۹۹) سَأَلْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (يونس: ۶۴) فَقَالَ مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ مُنْذُ أُتِرْتُ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرَى لَهُ.

ترجمہ: عطاء بن یسار مصر سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کے حوالے سے یہ بات بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا: لہم البشری تو انہوں نے فرمایا اس وقت سے لے کر اب تک تمہارے علاوہ صرف ایک شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا (جب میں نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت سے لے کر اب تک تمہارے علاوہ کسی نے مجھ سے یہ دریافت نہیں کیا اس سے مراد سچے خواب ہیں جو مسلمان دیکھتا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اسے دکھائے جاتے ہیں۔

(۲۲۰۰) أَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْأَسْحَارِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں (عام طور پر) زیادہ سچے خواب وہ ہوتے ہیں جو سحری کے وقت دیکھے جائیں۔

(۲۲۰۱) سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ ﴿لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ قَالَ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ أَوْ تُرَى لَهُ.

ترجمہ: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات بتائی گئی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا۔ ان لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہوگی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ سچے خواب ہیں جو مومن دیکھتا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) جو اسے دکھائے جاتے ہیں۔ مومنین جب آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو جنت کی نعمتوں کی خوشخبری ملائکہ دیں گے وہ تو ظاہر ہے مگر دنیا میں خوشخبری کی کیا صورت ہوتی ہے اس کا تذکرہ درج ذیل روایات میں ہے۔

باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدَرَانِي

باب ۴: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھے دیکھا

(۲۲۰۲) مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدَرَانِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي.

تَوَكَّعْتُمْ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما: کہ یہ فرمان نقل کرتے ہیں جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔

تَشْرِیْح: نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے تعلق سے وہ متفق علیہ روایتیں ہیں: یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے:

(۱) متقدمین میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو آخری زندگی والے حلیہ میں دیکھا: اس نے بالیقین آپ ﷺ کو دیکھا چنانچہ وہ حضرات خواب دیکھنے والے سے حلیہ دریافت کیا کرتے تھے اگر خواب دیکھنے والا وہ حلیہ بیان کرتا جو آپ ﷺ کا آخری زندگی میں تھا تو وہ اس خواب کی تصدیق کرتے تھے ورنہ کہتے کہ آپ نے نبی ﷺ کو خواب میں نہیں دیکھا۔ چنانچہ

ابن سیرین رحمہ اللہ سے جب کسی نے اپنا خواب سنایا جو آپ ﷺ کے حلیہ مخصوصہ پر نہ تھا تو فرمایا: اذهب ما رايت النبی ﷺ۔

(۲) متقدمین کی دوسری رائے یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ کو آپ کے حلیہ میں دیکھا خواہ وہ آخری زندگی کا حلیہ ہو یا پہلے کا اس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور اگر ایسی حالت میں دیکھا جو آپ ﷺ کا حلیہ کبھی نہیں رہا تو اس نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

اور متاخرین کی رائے یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے آپ ﷺ کو جس حلیہ میں بھی دیکھا ہو اگرچہ نامناسب حلیہ میں دیکھا ہو اور خواب میں قرآن سے جانا ہو کہ یہ نبی ﷺ ہیں تو وہ آپ ﷺ ہی ہوتے ہیں اور کوئی نہیں ہوتا خواہ روایات میں منقول حلیہ میں دیکھا ہو یا کسی اور حلیہ میں۔

(۳) علامہ مازری رحمہ اللہ فرماتے: ہیں حضور ﷺ کو معروف مشہور اور مخصوص صورت پر دیکھے یا اس کے علاوہ صورت پر بہر حال وہ حضور ﷺ کو دیکھنا ہوگا فرق صرف یہ ہے کہ اگر مخصوص و معہود صورت پر دیکھا تو وہ حقیقی رؤیا ہے اور اگر دوسری صورت پر دیکھا تو اول رؤیا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضور ﷺ کی متفرق مبارک ہڈیوں کو جمع کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تو ابن سیرین رحمہ اللہ نے تعبیر دی کہ آپ کی احادیث کے معانی کے جامع ہوں گے جن احادیث کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم کے درمیان اختلاف ہے پھر آپ امام المسلمین ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۴) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس صورت پر بھی حضور ﷺ کو دیکھے وہ حضور ﷺ کو دیکھنا ہوگا ہاں البتہ دین و ایمان کے کمال و نقص کے اعتبار سے مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جس نے آپ کو اچھی صورت پر دیکھا تو یہ کمال دین و ایمان کی علامت ہے اور جس نے اس کے خلاف دیکھا تو یہ دیکھنے والے کے نقص دین و ایمان کی طرف اشارہ ہے تاکہ وہ اپنے دین و ایمان کا علاج کر سکے تو حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنا ایک کسوٹی ہے جس سے آدمی اپنے باطنی حالات معلوم کر سکتا ہے کامل الایمان مزید ترقی کر سکتا ہے اور ناقص الایمان اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی رائے برحق ہے کیونکہ خواب دیکھنے والے جس شخص سے مناسبت ہوتی ہے اس کی شکل میں آپ ﷺ نظر آتے ہیں نیز خواب دیکھنے والے کی ایمانی حالت نیت اور امور باطنہ کے اختلاف سے بھی آپ ﷺ کی زیارت مختلف صورتوں میں ہوتی ہے۔

شرح: فرماتے ہیں اس کی مثال آئینہ کی طرح ہے کہ جس رنگ کا آئینہ ہوگا ایسی ہی صورت نظر آئے گی جس قسم کے احوال دیکھنے والے کے ہوں گے ویسی ہی صفات کے ساتھ آپ ﷺ کی زیارت ہوگی۔ پھر اہل علم فرماتے ہیں بعینہ آپ کی ذات نظر آتی ہے یا صورت مثالیہ کی زیارت ہوتی ہے صوفیاء کے اس بارے میں دونوں قول ہیں بعض کو اللہ تعالیٰ اتنی قوت عطا فرمادیتے ہیں کہ وہ بعینہ

آپ کی ذات اقدس کی زیارت کرتے ہیں اور بعض کو آئینہ کی طرح مثال کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔
اعتراض: آپ ﷺ کی زیارت ایک ہی وقت میں مختلف شہروں اور مختلف ملکوں میں مختلف افراد کو ہوتی ہے حضور ﷺ بیک وقت کہاں کہاں تشریف لے جاسکتے ہیں۔

جواب: آپ کی مثال مثل آفتاب و مہتاب کے ہے آفتاب اپنی جگہ قائم مگر مختلف مقامات سے لوگ دیکھتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کہیں تشریف نہ لے جائیں پھر بھی مختلف مقامات پر مختلف افراد یک وقت زیارت سے مشرف ہو جائیں تو کیا اعتراض ہے۔
 فان الشیطان لایتمثل بی: یعنی شیطان تمثیل نہیں کر سکتا اور اپنے کو حضور ﷺ کی صورت میں نہیں دیکھا سکتا ہے یعنی جیسا کہ شیطان کسی کے سامنے بیداری کی حالت میں آپ کی صورت بنا کر نہیں آ سکتا ہے ایسے ہی نوم کی حالت میں بھی آپ کی صورت میں نہیں آ سکتا ہے اور یہ معجزہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

حضرات محققین فرماتے ہیں کہ شیطان اللہ کی مثال میں تمثیل کر کے کسی کو یہ وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ میں اللہ ہوں لیکن حضور ﷺ کا تمثیل کر کے وسوسہ نہیں ڈال سکتا ہے اور اس کی مختلف وجوہات اہل علم نے بیان فرمائی ہیں۔

(۱) حضور ﷺ منبع ہدایت اور مظہر رشد ہیں اور شیطان مظہر ضلالت اور ہدایت و ضلالت میں تضاد ہے پھر تمثیل کیسے کر سکتا ہے اور اللہ کے لیے صفت ہدایت کے ساتھ صفت اضلال بھی ثابت ہے بلکہ وہ تو تمام صفات متضادہ کا جامع ہے۔ لہذا شیطان جو مظہر ضلالت ہے وہ صفت اضلال کے مرتبہ میں اللہ کا تمثیل کر سکتا ہے۔

(۲) مخلوق کی جانب سے دعویٰ الوہیت صریح البطلان ہے محل اشتباہ نہ ہونے کی بناء پر دعویٰ الوہیت کے بعد خواہ اس سے صدور خوارق بھی ہو جائے تب بھی وہ باطل ہے لہذا شیطان اگر اللہ تعالیٰ کا تمثیل کر کے کسی کے پاس آئے اور صدور خوارق بھی کرے تو یہ صریح البطلان ہونے کی وجہ سے کسی کو شبہ نہ ہوگا اس لیے تمثیل باری تعالیٰ کر سکتا ہے ہاں شیطان کے دعویٰ نبوت کرنے میں اشتباہ ہوگا کیونکہ نبی انسان ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ (الکہف: ۱۱۰) اب شیطان بھی انسانی صورت لے کر دعویٰ نبوت کرے تو یہ محل اشتباہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ قدرت نہیں عطا فرمائی کہ وہ آپ ﷺ کا تمثیل کر سکے تاکہ منصب نبوت محفوظ رہے اور حق و باطل میں اشتباہ نہ ہو۔ چونکہ سچا خواب جزء نبوت ہے اب جھوٹ خواب بیان کرنے والا گویا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے جزء نبوت عطا فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولنے سے بڑھ کر کون سا گناہ ہوگا اس لیے اس کو دوامی عذاب دیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا رَأَى فِي الْمَنَامِ مَا يَكْرَهُ مَا يَصْنَعُ؟

باب ۵: جب ناپسندیدہ خواب نظر آئے تو کیا کرے؟

(۲۲۰۳) أَنَّهُ قَالَ الرُّؤْيَا مِنَ اللَّهِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُتْ عَنْ تَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ.

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کچھ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں جب کوئی شخص کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے بائیں طرف تین دفعہ تھوک دینا چاہیے اور اس خواب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے تو وہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

تشریح: اور اس حدیث میں پسندیدہ خواب دیکھنے کی صورت میں دو کام کرنے کی ہدایت فرمائی ہے دیگر روایات میں جو آگے آرہی ہے اور اعمال بھی منقول ہیں۔

اچھا خواب نظر آئے تو تین کام کرنے چاہئیں: (۱) اس خواب پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے۔ (۲) اس خواب سے خوش ہو۔ (۳) وہ خواب دوسروں سے بیان کرے مگر ایسے شخص سے بیان کرے جو خواب دیکھنے والے سے محبت رکھتا ہو جو اس کو ناپسند کرتا ہو اس سے بیان نہ کرے۔

اور ناپسندیدہ خواب دیکھنے پر چھ کام کرے: (۱) اس خواب کی برائی سے اللہ کی پناہ چاہے۔ (۲) شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہے۔ (۳) جب نیند سے بیدار ہو تو بائیں طرف تین مرتبہ تھکا کر دے۔ (۴) اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔ (۵) کم از کم دو نفلیں پڑھے۔ (۶) اور پہلو بدل کر سو رہے۔

فانہ لایضرہ: یعنی ان اعمال مذکورہ کرنے کے بعد وہ خواب پر اگندہ کوئی نقصان نہ دے گا کہ وسوس بھی دفع ہو جائیں گے اور امر مکروہ سے سلامتی بھی حاصل ہوگی اور یہ ایسا ہی ہے کہ صدقہ دفع بلاء کا سبب ہے اور حفاظت مال کا ذریعہ بھی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا

باب ۶: خوابوں کی تعبیر کا بیان

(۲۲۰۴) رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ أَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النَّبُوءَةِ وَهِيَ عَلَى رَجُلٍ طَائِرٍ مَا لَمْ يَتَحَدَّثْ بِهَا فَإِذَا تَحَدَّثَ بِهَا سَقَطَتْ قَالَ وَأَحْسَبُهُ قَالَ وَلَا يُحَدِّثُ بِهَا إِلَّا لِبَيْبَا أَوْ حَبِيبَا.

ترجمہ: حضرت ابو زرین عقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مؤمن کے خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں اور یہ آدمی کے لیے اڑنے والی چیز کی مانند ہوتے ہیں جب تک انسان اسے بیان نہ کر دے جب اسے بیان کر دیا جائے تو یہ گر پڑتے ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے انہوں نے یہ بات بھی بیان کی ہے تم اس خواب کو صرف عقل مند شخص کو (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اپنے دوست کو سناؤ۔

(۲۲۰۵) رُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النَّبُوءَةِ وَهِيَ عَلَى رَجُلٍ طَائِرٍ مَا لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا فَإِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ.

ترجمہ: حضرت زرین رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں اور یہ آدمی کے لیے پرندے کی طرح ہوتے ہیں جب تک انسان اس کو بیان نہ کرے جب وہ اس کو بیان کر دے تو یہ گر جاتا ہے۔

تشریح: ان دونوں حدیثوں کی سند میں ایک راوی وکیع ہے اس کے باپ کا نام عین کے ساتھ عدس ہے یا حاء حطی کے ساتھ حدس؟ روات میں اس سلسلہ میں اختلاف ہے واضح عین کے ساتھ ہے۔

باب

باب ۷: جب ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کیا کرے؟

(۲۲۰۶) الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ فَرُؤْيَا حَقٌّ وَرُؤْيَا يُحَدِّثُ الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ وَرُؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ فَمَنْ رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ وَكَانَ يَقُولُ يُعْجِبُنِي الْقَيْدُ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے خواب تین طرح کے ہوتے ہیں کچھ خواب سچے ہوتے ہیں کچھ خواب ایسے ہیں جن میں آدمی اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے اور کچھ خواب وہ ہیں جو شیطان کی طرف سے غم میں مبتلا کرنے کے لیے ہوتے ہیں جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اٹھے اور نماز ادا کرے۔ (محمد بن سیرین) بیان کرتے ہیں مجھے (خواب میں) زنجیر دیکھنا پسند ہے اور میں طوق دیکھنا ناپسند کرتا ہوں کیونکہ زنجیر سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے۔

نبی اکرم ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے جو شخص مجھے خواب میں دیکھے تو وہ میں ہی ہوں گا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے خواب صرف کسی صاحب علم یا خیر خواہ کے سامنے بیان کرو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُكْذِبُ فِي حُلْمِهِ

باب ۸: جھوٹا بنانے پر وعید

(۲۲۰۷) مَنْ كَذَبَ فِي حُلْمِهِ كَلَّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَقْدَ شَعِيرَةٍ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے) انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے طور پر اس بات کو نقل کیا ہے جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے اس کو قیامت کے دن جو کے دانوں کے درمیان گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا۔

(۲۲۰۸) مَنْ تَحَلَّمَ كَاذِبًا كَلَّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَعْقِدَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص اپنی طرف سے جھوٹا خواب بیان کرے گا قیامت کے دن اسے اس بات کا پابند کیا جائے گا کہ وہ جو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگائے اور وہ ان کے درمیان گرہ نہیں لگا سکے گا۔ تشریح: کلفہ امراء کے معنی ہیں: کسی شکل اور بامشقت کام کو لازم کرنا۔ اور تحلمہ کے معنی ہیں: خواب گڑھ کر بیان کرنا۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

لن یعقد بینہما: تعلیق بالحال ہے اس کی نظیر پہلے گزری ہے کہ تصویر بنانے والے کو قیامت کے دن مکلف کیا جائے گا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان ڈالے اور جب تک وہ اس میں روح نہیں پھونکے گا سزا جاری رہے گی۔

فائدہ: لوگ مختلف مقاصد سے جھوٹے خواب گڑھتے ہیں جس طرح پارٹی مقاصد سے حدیثیں گڑھی جاتی تھیں خواب بھی گڑھے جاتے ہیں نیز پیر کو دھوکہ دینے کے لیے اور جلدی خلافت حاصل کرنے کے لیے بھی اچھے اچھے خواب گڑھ کر پیر کو سنائے جاتے ہیں اور کسی کو بدنام کرنے کے لیے یا نیک نام کرنے کے لیے بھی یہ حرکت کی جاتی ہے جس پر یہ سخت وعید سنائی گئی ہے پس لوگوں کو اس حرکت سے باز آ جانا چاہئے۔

باب فی رؤیا النبی ﷺ

باب ۹: خواب میں دودھ دیکھنا

(۲۲۰۹) بَيْنَمَا اَنَا كَائِمٌ اِذْ اُتَيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضَلِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ اَمَّا اَوْلَتْهُ يَارَسُوْلَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْعِلْمُ:

تو جب تک: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ایک مرتبہ میں سویا ہوا تھا میرے سامنے دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس میں سے پی لیا اور پھر باقی بچا ہوا عمر کو دے دیا لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا علم۔

تشریح: دودھ کی تعبیر علم سے کیوں:

قال العلم: بالرفع والنصب لبن کی تعبیر علم کے ساتھ فرمائی ہے چونکہ کثیر النفع ہونے میں دونوں مشترک ہیں حافظ ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لبن اللہ تعالیٰ کا ایسا عطیہ ہے جو مختلف اخبار دم فرث سے طیب نکل کر آتا ہے جس طرح علم ظلمۃ جہل سے نکل کر آتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا علم بصورۃ لبن عالم مثال میں اس مناسبت سے ہے کہ جس طرح لبن اول غذائے بدن ہے اس طرح علم بھی روح کی اول غذاء اور اس کی صلاح کا سبب ہے۔

اہل معرفۃ نے فرمایا کہ تجلی علم کا ظہور چار صورتوں میں ہوتا ہے: (۱) بصورۃ ماء (۲) بصورۃ لبن (۳) بصورۃ خمر (۴) بصورۃ عسل اور یہ چاروں جنت کی نہریں ہیں کما فی القرآن۔ جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ پانی پی رہا ہے اس کو علم لدنی حاصل ہوگا اور جو شخص دودھ پیتے دیکھے اس کو اسرار شریعت کا علم حاصل ہوگا اور جس نے شراب پیتے دیکھا اس کو علم بالکمال حاصل ہوگا اور جو شخص اپنے کو شہد پیتے دیکھے اس کو علم بطریق وحی حاصل ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم نبوت سے خوب نوازا تھا کہ علم سیاست سے لے کر علم شریعت تک ان کو کامل علوم حاصل تھے نیز ان کا زمانہ خلافت بھی طویل ہے فتوحات بھی اس زمانہ میں خوب ہوئیں تو اشاعت دین کا موقع بھی زیادہ میسر ہوا ہے اور ان کی اطاعت پر امت کا اتفاق رہا ہے۔

نوٹ: چونکہ علم کی کوئی خاص مقدار اس روایت میں نہیں بیان کی گئی ہے اس وجہ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ان کو فضیلت حاصل نہ ہوگی چونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علم الصحابہ ہونے میں بھی اتفاق ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما صحیح الخرجہ الشیخان۔

باب فی رؤیا النبی ﷺ القصص

نبی ﷺ کا خواب میں گرتے دیکھنا

(۲۲۱۰) بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الشَّدِيدُ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ اَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجْرُهُ قَالَوا فَمَا اَوْلَتْهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الدِّينَ.

ترجمہ: ابو امامہ بن سہل نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ انہیں میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے انہوں نے قمیص پہنی ہوئی تھی کچھ کی قمیصیں سینے تک تھی اور کچھ کی اس سے نیچے تک تھی میرے سامنے عمر کو لایا گیا تو وہ اپنی قمیص کو گھسیٹ رہے تھے (یعنی وہ زیادہ لمبی تھی) لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر کی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دین۔

تشریح: دین کو لباس سے تعبیر کیوں کیا؟

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قمیص اور اس کا اتنا بڑا ہونا کہ زمین سے گھسٹ رہی ہے یہ عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی بشارت ہے کہ وہ دین کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں اور ان کے آثار جمیلہ اور سنن و طرق مسلمانوں میں باقی رہیں گے کہ لوگ ان کی وفات کے بعد ان کی اتباع کریں گے اور کامیاب ہوں گے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں دین کو لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے قال اللہ تعالیٰ: ﴿لِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (الاعراف: ۲۶) نیز اہل عرب لفظ قمیص سے تعبیر کرنے میں مناسبت ظاہر ہے کہ جس طرح قمیص ساتر عورت ہے دنیا میں اسی طرح دین ساتر ہے آخرت میں اور حاجب ہے مکروہات سے۔

فائدہ: اس روایت سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے جو لوگ آپ کو خواب میں دکھائے گئے ہوں ان میں ابو بکر رضی اللہ عنہ نہ ہوں نیز ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذکر سے یہاں سکوت ہے عمر رضی اللہ عنہ کی قمیص کے طویل ہونے سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قمیص کے طویل ہونے کی نفی لازم نہیں آتی۔ نیز مقصود عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان کرنا ہے نہ کہ تقابل جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کثیر روایات سے ثابت اور امت کے درمیان مجمع علیہ ہے۔ کرتے کی تعبیر دینداری متعین نہیں مذکورہ خواب میں لوگوں نے جس طرح چھوٹے بڑے کرتے پہن رکھتے تھے اس تناظر میں اس کی تعبیر دینداری ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے دینداری میں بڑھے ہوئے تھے جو اس منظر میں دکھائے گئے تھے ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں تھے کیونکہ خواب کا مقصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کی وضاحت تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمِيزَانِ وَالذَّلْوِ

باب: ترازو اور ڈول میں نبی ﷺ کا خواب

(۲۲۱۱) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ مِّنْ رَّأَىٰ مِنْكُمْ رُؤْيَا فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا رَأَيْتُ كَاَنَّ مِيزَانًا تَرُلُ مِنَ السَّمَاءِ

فَوَزِنْتَ اَنْتَ وَابُو بَكْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ يَا بَنِي بَكْرٍ وَوزَنَ ابُو بَكْرٍ وَوزَنَ عُمَرُ وَوزَنَ عُمَرُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رَفَعَ الْمِيزَانَ فَرَأَيْنَا الْكَرَاهِيَةَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم میں سے کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں نے دیکھا گویا ایک ترازو ہے جو آسمان سے نیچے نازل ہو رہا ہے اس میں آپ ﷺ کا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ ﷺ کا پلڑا بھاری تھا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری تھا پھر اس ترازو کو اٹھالیا گیا۔ راوی بیان کرتے ہیں ہم نے نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناپسندیدگی کے تاثرات دیکھے۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ ہر کتاب کے آخر میں کچھ متفرق حدیثیں ذکر کرتے ہیں جن پر یا تو باب بلا ترجمہ قائم کرتے ہیں یا بالکل ہی باب قائم نہیں کرتے ابواب الرؤیا کے آخر میں بھی ایسا ہی کیا ہے..... اور اس باب کے تحت جو پہلی اور تیسری حدیث لائے ہیں وہ تو باب سے متعلق ہیں مگر دوسری حدیث کا باب سے کچھ تعلق نہیں۔

مراتب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم:

آپ ﷺ سے لے کر عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک خلافت متفق علیہ رہی ہے تو یہ ادوار متقارب ہوئے اس لیے ترازو کے ذریعہ ان کا وزن کیا گیا کیونکہ وزن اشیاء متقاربہ کے درمیان ہوا کرتا ہے اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا کہ ایک جماعت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی اور دوسری جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی خلافت علی رضی اللہ عنہ کی مناسبت پہلی خلافتوں سے بعید ہو گئی اس وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں تولایا گیا۔

روایت سے حضرات خلفاء کے مابین درجات بھی معلوم ہو گئے کہ رائج کو مرجوح پر فضیلت ہے آپ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ افضل اور عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ افضل ہیں۔

وجہ کراہیت؟ فراینا الکراہیۃ فی وجہ رسول اللہ ﷺ: عمر فاروق رضی اللہ عنہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وزن کے بعد ترازو اٹھائی گئی جس کی وجہ سے آپ کو غم واقع ہوا پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ وجہ کراہیت کیا ہے۔

(۱) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں غالباً وہ کراہیت یہ ہے کہ آپ نے رفع میزان سے یہ سمجھا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ایسا زمانہ آجائے گا جس میں ظہور فتن ہوگا اور دین میں انحطاط شروع ہو جائے گا اب اس کو ترازو کے ذریعہ دوسرے کے مقابلہ میں تولہ نہیں جائے گا۔

(۲) منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اس بات پر غم ہوا کہ درجات فضائل تین افراد کے درمیان منحصر ہو گئے کاش اور مزید درجات ہوتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

(۳) علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کے غمگین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رفع میزان سے آپ نے یہ جان لیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جو شخص یعنی عثمان رضی اللہ عنہ خلافت پر متمکن ہوں گے مگر ان کا زمانہ فتن کا ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا تو آپ ﷺ کو انحطاط دین کے

ساتھ ساتھ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنوں کے ظہور پر غم ہوا۔

(۴) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کو غم مطلقاً امت پر فتنوں اور مصائب کے وقوع سے ہوا کیونکہ رفع میزان سے یہی مفہوم

ہوا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد امت پر مصائب واقع ہوں گے۔ ہذا حدیث حسن صحیح اخرجہ ابوداؤد والمندری وسمکتا عنہ۔

سفید لباس جنتی ہونے کی علامت

(۲۲۱۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ وَرَقَةٍ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ أَنَّهُ كَانَ صَدَقَكَ وَأَنَّهُ مَاتَ قَبْلَ أَنْ تُظْهَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أُرِيْتُهُ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيَاضٌ وَلَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ غَيْرُ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ سے ورقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی اور آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے وہ خواب میں دکھایا گیا ہے اس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اگر وہ جہنمی ہوتا تو اس کے جسم پر دوسرا لباس ہوتا۔

سفید کے علاوہ سبز رنگ بھی اہل جنت کا لباس ہے

(۲۲۱۳) قَالَ رَأَيْتُ النَّاسَ اجْتَمَعُوا فَنَزَعَ أَبُو بَكْرٍ ذَنْوَبًا أَوْ ذَنْوَبَيْنِ فِيهِ ضَعْفٌ وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ قَامَ عُمَرُ فَنَزَعَ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ أَرِ عَبْقَرِيًّا يَغْفِرُ فَنَزَعْتُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے خواب میں نظر آنے کے بارے میں بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اکٹھے ہوئے پھر ابوبکر نے ایک یا شاید دو ڈول نکالے ان کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ ان کی مغفرت کرے پھر عمر اٹھا اس نے اسے پکڑا تو وہ ایک بڑا ڈول بن گیا میں نے اس جیسا محنتی شخص کوئی نہیں دیکھا اس نے لوگوں کو سیراب کر دیا یہاں تک کہ وہ اپنی آرام گاہوں میں چلے گئے۔

تشریح: اور یہ حدیث باب سے غیر متعلق ہے اس لیے میں نے اس حدیث پر نیا عنوان لگایا ہے اور سفید کے علاوہ سبز رنگ بھی اہل جنت کا لباس ہے پس اگر کسی میت کو ہرے کپڑوں میں دیکھا جائے تو یہ بھی اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔

ورقہ بن نوفل: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی ہیں جو نصرانی تھے عمر رسیدہ تھے اور نابینا ہو گئے تھے۔

صدقك: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ورقہ نے تو آپ کی تصدیق کی ہے یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب آپ پر اول وحی نازل ہوئی تھی اور آپ گھبرارے تھے تو اس وقت ورقہ نے آپ کو تسلی دی تھی اور عرض کیا تھا: ابشر ثم ابشر فاننا اشهد

لك الذي بشر به عيسى بن مريم وانك نبى مرسل۔ (کناف زیادات المغازی من رواية یونس عن ابن اسحاق)

وانہ مات قبل ان تظہر: اس سے مراد یہ ہے کہ ورقہ وفات پا گئے اور انہوں نے آپ کی دعوت کا زمانہ نہیں پایا البتہ وہ آپ کی تصدیق کرتے تھے اور اپنے مذہب نصرانی پر عمل کرتے ہوئے مر گئے ہیں۔

حاصل جواب: یہ ہے کہ ورقہ کے بارے میں میرے اوپر کوئی وحی جلی تو نہیں آئی البتہ میں نے خواب میں ان کو سفید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے جو اہل جنت میں سے ہونے کی علامت ہے اگر وہ اہل جہنم میں سے ہوتے تو سفید کپڑے ان کو نہ پہنائے جاتے۔

اسلام ورقہ بن نوفل: ورقہ بن نوفل کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ وہ مسلمان تھے یا نہیں، نیز صحابی تھے یا نہیں؟ بظاہر

حدیث الباب اور اسی طرح بخاری شریف کی حدیث الوحی وغیرہ سے ان کے مؤمن ہونے پر دلالت ہوتی ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث الوحی سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا اقرار کیا تھا ہاں البتہ دعوت الی الاسلام سے پہلے انتقال کر گئے تو ہجرا کی طرح ہوئے۔ علامہ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ رجال میں سب سے پہلے اسلام لانیوالے ورقہ بن نوفل ہیں وہ قال الواقدی، اور ابن مندہ نے بھی ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں ذکر کیا ہے اسی طرح حافظ نے اصحابہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی قسم اول میں ذکر کیا ہے اور پھر اختلاف بھی ذکر کیا ہے۔ وہ قال العینی رحمۃ اللہ علیہ۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر یہ بات مان لی جائے کہ دین عیسوی منسوخ ہو گیا تھا آپ پر اول وحی کے وقت تو پھر ورقہ کا تصدیق کرنا ثابت ہے تو پھر وہ مؤمن بھی تھے اور صحابی بھی ورنہ نہیں۔ وفي المستدرک الحاکم من حدیث عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسبوا ورقہ فانہ کان لہ جنة او جنتان۔ بہر حال ناجی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس حدیث کا ایک راوی عثمان ضعیف ہے۔

قوله عن رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر ای روى ابن عمر عن تلك الرؤیا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کے بارے میں خواب روایت کیا ہے۔

لعنات: ذنوب: بڑا ڈول جس میں پانی ہو جمع ذنائب الغرب بیل کی کھال سے بنایا ہوا بڑا ڈول۔ العبقری: عبقر کی طرف نسبت پرانے عربوں کے خیال کے مطابق جنات کا مسکن عبقر کہلاتا تھا پھر قابل تعجب مہارت و صلاحیت کو اس کی طرف منسوب کیا جانے لگا سورة الرحمن میں ہے عبقری حسان عجیب خوبصورت کپڑے اسی طرح حیرت انگیز باکمال اور بے مثال آدمی یا چیز کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے رجل عبقری نادرہ روزگار غیر معمولی اوصاف کا حامل آدمی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) جیسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیتا ہو۔ فری کو فری بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے بھی یہی معنی ہیں..... حتی ضرب الناس بالعطن یہاں تک کہ لوگوں نے مارا یعنی وہ اونٹوں کو ہانک کر لے گئے بیٹھنے کی جگہ میں عطن اور معاطن: اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔

پراگندہ سروالی کالی عورت و باء کا پیکر محسوس

(۲۲۱۳) رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةٍ وَهِيَ الْجُحْفَةُ وَأَوَّلُهَا وَبَاءُ الْمَدِينَةِ يُنْقَلُ إِلَى الْجُحْفَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے وہ مدینہ سے نکلی اور مہیجہ جا کر کھڑی ہوگی (راوی کہتے ہیں اس سے مراد جحفہ ہے)۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے اس سے مراد مدینہ کی وباء ہے جو جحفہ کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔

تشریح: مدینہ منورہ ہجرت سے پہلے وبائی شہر تھا جب مہاجرین وہاں پہنچے تو ہر شخص بیمار ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ وباء مدینہ منورہ سے ہٹا دی اور اس کا پیکر محسوس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا۔ ایک حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس خواب کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آب و ہوا موافق نہ آئی بحر وغیرہ میں مبتلاء ہو

گئے تو آپ نے دعاء فرمائی: اللّٰھم حبب الینا المدینة وانقل حمّاھا الی الجحفة۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ خواب یہ بشارت دے دی کہ آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ ہذا حدیث غریب اخرجہ البخاری

مؤمن کا سچا خواب

(۲۲۱۵) فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ لَا تَكَادُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَاصْدَقُهُمْ رُؤْيَا اَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا وَالرُّؤْيَا ثَلَاثُ الْحَسَنَةِ بُشْرَى مِنَ اللّٰهِ وَالرُّؤْيَا يُحَدِّثُ الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ وَالرُّؤْيَا تَحْزِنُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلَا يُحَدِّثُ بِهَا أَحَدًا وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَا يُعْجِبُنِي الْقَيْدُ وَآكْرَهُ الْغُلُّ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ قَالَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں آخری زمانے میں مؤمن کے خواب بہت کم جھوٹے ہوں گے لوگوں میں سب سے زیادہ سچے خواب وہ دیکھے گا جو بات کرنے میں سب سے زیادہ سچا ہوگا خواب تین طرح کے ہوتے ہیں اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی خوشخبری ہوتی ہے کچھ خواب وہ ہوتے ہیں جس میں آدمی اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے اور کچھ خواب وہ ہوتے ہیں جو شیطان کی طرف سے غم میں مبتلا کرنے کے لیے ہوتے ہیں تو جب کوئی شخص کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو وہ اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرے بلکہ اٹھ کر نماز ادا کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے خواب میں زنجیر دیکھنا پسند ہے اور میں طوق دیکھنا ناپسند کرتا ہوں زنجیر سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے مؤمن کے خواب نبوت کا چھپا لیسواں حصہ ہے۔

سونے کے کنگن جھوٹے مدعیان نبوت کا پیکر

(۲۲۱۶) رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِي يَدَيَّ فِي سَوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَهَمَّ بَنِي شَأْنُهُمَا فَأَوْحَى إِلَيَّ أَنْ أَنْفُخَهُمَا فَانْفَخْتُهُمَا فَطَارَ أَفَاوَلُهُمَا كَاذِبَيْنِ يَخْرُجَانِ مِنْ بَعْدِي يُقَالُ لَا حَدِيثَ لِمُسَيْلَمَةَ صَاحِبِ الْيَمَامَةِ وَالْعَنَسِيُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں میں ان کی وجہ سے بڑا پریشان ہوا پھر میری طرف یہ بات وحی کی گئی کہ میں انہیں پھونک ماروں میں نے انہیں پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے میرے بعد دو جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے ان میں سے ایک کا نام مسیلہ کذاب ہوگا اور وہ یمامہ کا رہنے والا ہوگا اور ایک عنسی ہوگا جو صنعاء کا رہنے والا ہوگا۔ تشریح: یخرجان من بعدی: بعد نبی اکرم ﷺ

استراض: بخاری میں روایت کے الفاظ فاولتہما الکذابین الذین انابینہما جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے وہ کذاب آئیں گے اور ترمذی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بعد آئیں گے لہذا تعارض ہو گیا۔

جواب ①: یہاں بعدی سے مراد بعد نبوتی ہے کیونکہ وہ دونوں بوقت خواب موجود تھے اور دعویٰ نبوت کر چکے تھے البتہ غلبہ ان کو نہیں

ہوا تھا اور ایک تو آپ کی حیات ہی میں مارا گیا تھا کما سیاتی۔

جواب ②: بعدی سے مراد بعد رؤیتی ہذا۔

یقال لاحدهما مسلبة: بفتح الميم واللام وبينهما سين ساكنه اور مشہور مسيلمہ مصغرا ہے۔

مسيلمہ کے حالات:

مسيلمہ کا اصل نام مسلمہ ہے نبی ﷺ نے اس کے خط کے جواب میں بطور تحقیر مسيلمہ (مصغر) لکھا تھا اس لیے اس کی اسی نام سے شہرت ہو گئی یہ قبیلہ بن حنیفہ کا ایک شخص تھا جس کا مسکن یمامہ تھا فتح مکہ کے بعد جب اس قبیلہ کا وفد آیا تو مسيلمہ بھی اس کے ساتھ تھا مگر وہ خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہوا سامان کی حفاظت کے بہانے پیچھے رہ گیا اس کی قوم حاضر ہوئی اور ایمان لائی جب وہ وفد واپس گیا تو مسيلمہ نے نبی ﷺ کو خط لکھا:

من مسلمة رسول الله الى محمد رسول الله سلام عليك اما بعد: فاني قد اشركت في الامر معك وان لنا نصف الارض ولقریش نصفها ولكن قریشا قوم يعتدون.

یعنی آپ ﷺ کے ساتھ مجھے بھی رسول بنایا گیا ہے اور عرب کی سرزمین ہمارے قریش کی آدمی آدمی ہے مگر قریش حد سے بڑھنے والے لوگ ہیں یعنی وہ ساری زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

نبی ﷺ نے اس کے خط کا یہ جواب لکھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

من محمد رسول الله ﷺ الى مسيلمة الكذاب السلام على من اتبع الهدى اما بعد فان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين.

”یعنی اللہ تعالیٰ نہایت مہربان بڑے رحم والے کے نام سے شروع کرتا ہوں یہ نامہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے مہاجھوٹے مسيلمہ کے نام ہے سلام اس پر جو راہ ہدایت کی پیروی کرے حمد و صلوة کے بعد زمین اللہ کی ہے وہ اس کا وارث بناتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اور اچھا انجام پر ہیزگاروں کے لیے ہے۔“

یہ واقعہ سن ۱۰ ہجری کے آخر کا ہے اور ابھی اس کا فتنہ پوری طرح ظاہر نہیں ہوا تھا کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کا سخت معرکہ پیش آیا جس میں بارہ سو مسلمان شہید ہو گئے جس میں چار سو پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم تھے آخر میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کامیاب ہوئے اور مسيلمہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مارا گیا اور اس کا فتنہ ختم ہوا۔ قال ابو بکر رضی اللہ عنہ له قتلت خير الناس في الجاهلية وشر الناس في الاسلام. چونکہ حضرت وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کو زمانہ کفر میں قتل کیا تھا۔

اسود عنسی کے حالات:

اس شخص کا اصل نام عیبلہ یا عیبلہ تھا ذوالنمر اس کا لقب تھا بڑا شعبہ باز (کرتب دکھانے والا) تھا یمن کے قبیلہ مذحج سے اس کا تعلق تھا جو مقام صنعاء کا رہنے والا تھا جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے تو اس نے بھی اسلام قبول کیا پھر نبی ﷺ کے زمانہ ہی

میں مرتد ہو گیا اسلام میں یہ پہلا مرتد ہے پھر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنی قوم کو کرتب دکھا کر ویدہ بنالیا اس کا پورا قبیلہ اس کا تابع ہو گیا علاوہ ازیں: نجران اور صنعاء پر بھی اس نے قبضہ کر لیا اس کے پاس فوج اگرچہ صرف سات سو کی تعداد میں تھی مگر اس کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گیا نبی ﷺ نے یمن کے مسلمانوں کو لکھا کہ اس کے فتنہ سے کسی طرح نمٹا جائے۔ چنانچہ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا آپ کے حکم سے زمانہ مرض الوفا میں فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ ایک ماہ قبل اس کو قتل کر دیا اور اس کا فتنہ ختم ہوا۔ آپ نے فرمایا فاز فیروز رضی اللہ عنہ۔ ہذا حدیث صحیح غریب اخرجہ الشیخان

اور الکواکب الدرری میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ دونوں کنگنوں نے نبی ﷺ کے دونوں ہاتھوں پر قبضہ جمالیا در انحالیکہ ہاتھ کمانے والے اعضاء ہیں پس ان دونوں کنگنوں نے آپ ﷺ کو اپنے دین کی اشاعت سے اور اپنی قوت کی تشہیر سے روک دیا اس لیے آپ ﷺ کو یہ کنگن ناگوار گذرے اور ان دونوں کنگنوں کا پھونکنے سے اڑ جانا ان دونوں جھوٹے نبیوں کا خاص جدوجہد کی حاجت کے بغیر ہلاک ہو جانا ہے۔

فائدہ: سونے کے کنگنوں میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جھوٹی نبوت کے فتنے ہمیشہ زر (مال) کے بل بوتے پر چلتے ہیں مگر جب قوت بازو سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو وہ دم توڑ دیتے ہیں اور قادیانی کا فتنہ اس لیے ختم نہیں ہوا کہ انگریز کی حکومت کی وجہ سے کسی نے قوت بازو سے اس کا مقابلہ نہیں کیا اور شاہ کامل نے اس کو لکھا تھا کہ ایں جابیا مگر وہ نہیں گیا ورنہ اس کا کام تمام ہو جاتا۔

ایک خواب جس کی تعبیر صدیق ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دی

(۲۲۱۷) كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ ظُلَّةً يَنْطُفُ مِنْهَا السَّمْنُ وَالْعَسَلُ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَسْتَقْفُونَ بِأَيْدِيهِمْ فَأَلْمُسْتُكَثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ وَرَأَيْتُ سَبَبًا وَأَصْلًا مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَأَرَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ بَعْدَكَ فَعَلَا ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ بَعْدَهُ فَعَلَا ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ فَقَطَعَ بِهِ ثُمَّ وَصَلَ لَهُ فَعَلَا بِهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَيْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِأَيِّ أَنْتَ وَأَيُّي وَاللَّهِ لَتَدْعُنِي أُعْبِرُهَا فَقَالَ أَعْبُرُهَا فَقَالَ أَمَّا الظُّلَّةُ فَظُلَّةُ الْإِسْلَامِ وَأَمَّا مَا يَنْطُفُ مِنَ السَّمْنِ وَالْعَسَلِ فَهَذَا الْقُرْآنُ لَيْعُنُهُ وَحَلَاوَتُهُ وَأَمَّا الْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ فَهُوَ الْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِلُّ مِنْهُ وَأَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَهُوَ الْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ فَأَخَذْتَ بِهِ فَيَعْلِيكَ اللَّهُ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ بَعْدَكَ رَجُلٌ آخَرُ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ رَجُلٌ آخَرُ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ رَجُلٌ آخَرُ فَيَنْقَطِعُ بِهِ ثُمَّ يُوَصِّلُ فَيَعْلُو بِهِ أَيْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَتُخْبِرَنِي مَا الَّذِي أَخْطَأْتُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا قَالَ أَقْسَمْتُ بِأَيِّ أَنْتَ وَأَيُّي يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَتُخْبِرَنِي مَا الَّذِي أَخْطَأْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تُقْسِمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی میں نے خواب میں ایک بادل دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کے ذریعے اس کو پی رہے تھے کچھ لوگ زیادہ لے رہے تھے کچھ کم لے رہے تھے پھر میں نے ایک رسی دیکھی

جو آسمان سے زمین کی طرف آئی ہوئی تھی پھر میں نے آپ ﷺ کو دیکھا یا رسول اللہ کہ آپ ﷺ نے اس کو پکڑا اور آپ ﷺ اوپر چڑھ گئے ایک اور شخص نے اسے پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا پھر ایک اور شخص نے اس کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی پھر وہ مل گئی پھر وہ شخص اوپر چڑھ گیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ کی قسم آپ مجھے موقع دیجئے کہ میں اس کی تعبیر بیان کروں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس کی تعبیر بیان کرو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بولے بادل سے مراد اسلام کا بادل ہے اس سے شہد چکنے سے مراد مطلب ہے یہ قرآن ہے اس کی نرمی اور اس کی حلاوت ہے اور زیادہ لینے اور تھوڑا لینے سے مراد یہ ہے کچھ لوگ قرآن کا علم زیادہ حاصل کریں گے اور کچھ کم حاصل کریں گے آسمان سے لے کر زمین تک آنے والی رسی سے مراد وہ حق ہے جس پر آپ ﷺ گامزن ہیں آپ ﷺ نے اسے تھا ما اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ کو بلندی عطا کی اور پھر آپ کے بعد ایک اور شخص اس کو تھامے گا وہ اس کے ذریعے بلندی حاصل کرے گا پھر ایک اور شخص اس کے ذریعے بلندی حاصل کرے گا پھر ایک شخص کو پکڑے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی پھر وہ مل جائے گی اس طرح وہ بھی بلندی حاصل کریگا یا رسول اللہ میں نے ٹھیک تعبیر بیان کی ہے یا غلط کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ ٹھیک ہے اور کچھ غلط کی ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں یا رسول اللہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں آپ ﷺ مجھے بتائیں کہ میں نے کیا غلطی کی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم قسم نہ دو۔

تشریح: موضع خطاء: اصبحت بعضاً واخطأت بعضاً: اس حدیث میں یہ بات زیر بحث آئی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے تعبیر میں کیا چوک ہوئی۔ موضع خطاء کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔

(۱) ابن قتیبہ وغیرہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر تو صحیح دی ہے مگر تعبیر دینے کی طلب کرنا یہ خطاء ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قول درست نہیں اس لئے بعد الاذن اس طرح کے فعل کو خطاء سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔

(۲) خطاء یہ ہے کہ چکنے والی دوشی گھی اور شہد تھی صرف غسل کی تفسیر و تعبیر تو قرآن کریم کے ساتھ کر دی مگر سن کی تعبیر نہیں بیان کی اس سے مراد سنت ہے جو صدیق اکبر کو قرآن و سنت کہنا چاہئے فعلی هذا القول خطاء بمعنی ترک ہے اشار الیہ الطحاوی۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں خطاء تعین رجال کی ہے کہ افراد متعین نہیں کئے مگر ظاہر کہ یہ بھی درست نہیں چونکہ یہاں تعین رجال مقصود نہیں ہے۔

(۴) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خطا یہ ہے کہ رائی نے کہا کہ آخری فرد کے لئے رسی ٹوٹ گئی اور پھر اس کے لئے جوڑ دی گئی حالانکہ رسی اس کے بعد والے شخص یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے جوڑی گئی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے تو رسی ٹوٹ گئی تھی اس کی وضاحت تعبیر میں نہیں ہوئی ہے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو حق پر تھے ان کے لئے خلافت کی رسی توڑ دی گئی اور ان کو قتل کر دیا گیا تھا تو حق کو اختیار کرنے کی حالت میں شہید ہو کر اپنے پہلے ساتھیوں سے جا ملے تھے پھر اس رسی کو یعنی حق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جوڑ دیا گیا تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور متفق علیہ ہے۔

(بخاری حدیث ۷۰۳۶ کتاب التعلیل باب ۷ مسلم حدیث ۲۲۶۹ کتاب الرؤیا باب ۱۳)

مگر فیض الباری (۴: ۳۹۴) میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ بات نہیں بتائی تو اب کون یہ بتا سکتا ہے؟ اس لیے اب اس کے

در پے ہونا لا حاصل ہے۔

فائدہ: ① خواب کی فی نفسہ حقیقت ہوتی ہے: اس حدیث میں یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ آیا خواب کی فی نفسہ کوئی حقیقت ہوتی ہے یا وہ تعبیر کے تابع ہوتا ہے؟ حق یہ ہے کہ اس کی اپنی مستقل حقیقت ہوتی ہے، اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اصبت بعضاً و اخطات بعضاً: یعنی کچھ تعبیر صحیح دی اور کچھ چوک گئے، یہ جملہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ خواب کی اپنی ایک حقیقت ہے جس میں سے بعض کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پایا اور بعض کو چوک گئے۔

فائدہ: ② اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ قسم دینے سے قسم نہیں ہوتی بلکہ قسم کھانے سے قسم ہوتی ہے مگر نبی ﷺ نے امت کو جن سات باتوں کا حکم دیا ہے ان میں ابرار القسم بھی ہے۔ (بخاری حدیث ۱۲۳۹) یعنی قسم دینے والے کی قسم حتی الامکان پوری کرنی چاہئے، پھر نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قسم پوری کیوں نہیں کی؟ اور ان کو ان کی چوک کیوں نہیں بتائی؟ جواب: یہ ہے کہ ابرار القسم کا حکم استجابی ہے، یہ بات اس حدیث سے واضح ہوئی، اگر وہ امر وجوبی ہوتا تو نبی ﷺ ضرور ان کی قسم کو سچا بناتے اور ان کی چوک ان کہ بتلاتے، مگر چونکہ مصلحت نہیں تھی کہ از پردہ بیرون افتد رازے اس لئے آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

خواب پیش بینی کا ذریعہ

(۲۲۱۸) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى بِنَا الصُّبْحِ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ وَقَالَ هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب ہمیں صبح کی نماز پڑھا لیتے تھے تو آپ اپنا چہرہ مبارک لوگوں کی طرف کرتے تھے اور دریافت کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے گزشتہ رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ تشریح: پیش بینی یعنی آگے کی باتیں جاننے کی بہت سی صورتیں ہیں، ان میں سے ایک خواب بھی ہے، اللہ تعالیٰ خوش کن خوابوں کے ذریعہ بندوں کو آگے کی باتیں بتاتے ہیں، اس لئے نبی ﷺ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی تازہ خواب دیکھا ہو تو بیان کرے، کیونکہ بعض خواب پرانے ہو کر اپنی حقیقت کھودیتے ہیں، پس اگر کوئی تازہ خواب بیان کرتا ہے تو اس سے کبھی آگے کی باتوں کی راہنمائی مل جاتی، مثلاً خود نبی ﷺ نے جنگ احد سے پہلے خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر آپ ﷺ نے یہ دی تھی کہ ابتداء میں شکست ہوگی، پھر وہ فتح سے بدل جائے گی، اس طرح خوابوں کے ذریعہ پیش بینی کی جاسکتی ہے، اور اسی لئے اچھے خوابوں کی شریعت میں اہمیت ہے۔



أَبْوَابُ الشَّهَادَاتِ

گواہیوں کے بیان میں

گواہیوں کا تعلق قضاء سے ہے، جلد اول میں ابواب البیوع کے ضمن میں ابواب الاحکام (قضا کے ابواب) آئے ہیں، وہاں ایک گواہ اور قسم کے ذریعہ فیصلہ کرنے کی روایت بھی آئی ہے، پس مناسب تھا کہ ابواب الشہادات کی روایات بھی وہیں ذکر کی جاتیں، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کے لئے یہاں جگہ نکالی ہے، جبکہ آگے پیچھے کے ابواب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور ان ابواب میں چار پانچ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے دو تین پہلے گزر چکی ہیں، اور ایک حدیث کا دوسری حدیث سے تعارض ہے اس کو حکم کیا ہے، اور ایک حدیث میں مسائل کا بیان ہے۔

تحقیق لفظ شہادت:

(۱) شہادات شہادت کی جمع ہے جو شہید شہد کا مصدر ہے جو ہری کہتے ہیں شہادت کے معنی خبر قطعی کے ہیں اور مشاہدہ بمعنی معاینہ پر ماخوذ ہے معاینہ مشہود سے جس کے معنی میں حضور کے معنی ملحوظ ہے شاہد کہا جاتا ہے کہ وہ ان اشیاء کا مشاہد و معاین ہوتا ہے جو دوسروں سے غائب ہیں۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کے معنی میں اعلام کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔

(۳) امام راغب رحمہ اللہ کہتے ہیں شہادت ایسا قول ہے جو شاہد سے صادر ہوتا ہے اس کے مشاہدہ کرنے کی بناء پر مشاہدہ خواہ بصیرۃ ہو یا بصراً ہو۔ ہدایہ کے حواشی میں ہے: شہادۃً لغةً اخبار بصحة الشیء بمشاهدة وعیان کا نام ہے اس وجہ سے اہل علم نے فرمایا کہ شہادت کا مدار مشاہدہ پر ہے جو مبنی بر معاینہ ہے۔ اور اصطلاح فقہاء میں شہادت اخبار صادق فی مجلس الحکم بلفظ الشہادۃ کا نام ہے۔

فائدہ: کہ شہادت کے لئے چند امور ضروری ہیں:

① العدالة ② البلوغ ③ الاسلام ④ العقل ⑤ الحرية ⑥ نفی التهمة - من المحبة والعدادة۔

اسی طرح ضابطہ شہادت کے اصول ہیں سے یہ بھی ہے گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں صرف عورتوں کی گواہی

عام معاملات میں معتبر نہیں ہے۔

شہادت ہے مگر خود بخود خواہ گواہ بننے کی کوشش کرے۔

بَاب مَا جَاءَ فِيهِ مِنْ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ

باب ۲: کن لوگوں کی گواہی مقبول نہیں؟

(۲۲۲۱) لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا فَجْلُودٍ حَدًّا وَلَا فَجْلُودَةٍ وَلَا ذِي غَمْرٍ لَا خِيَةَ وَلَا فَجْرٍ شَهَادَةُ وَلَا الْقَانِيعِ أَهْلُ الْبَيْتِ لَهُمْ وَلَا ظَلَمِينَ فِي وَلَا قَرَابَةٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے خیانت کرنے والے مرد خیانت کرنے والی عورت (جس مرد یا عورت کو) حد قذف میں کوڑے مارے گئے ہوں جس کی ذاتی دشمنی ہو جو جھوٹا گواہ ہو کسی گھرانے کے ملازم کی ان کے حق میں دلاء یا قرابت میں تہمت زدہ شخص (ان سب کی) گواہی قبول نہیں ہوگی۔

تشریح: سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲ میں گواہوں کے تعلق سے ارشاد پاک ہے: ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ یعنی گواہ ایسے ہونے چاہئیں جن کو تم پسند کرتے ہو، اور گواہوں کی پسندیدگی ان کی چند خوبیوں کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً عقلمند ہونا، پوری عمر کا ہونا، معاملہ فہم ہونا، قوت گویائی کا مالک ہونا، مسلمان ہونا (جبکہ مدعی علیہ مسلمان ہو) دیندار ہونا، بامروت ہونا اور متہم نہ ہونا وغیرہ۔ کما مر

بَاب مَا جَاءَ فِيهِ شَهَادَةُ الزُّورِ

باب ۳۔ جھوٹی گواہی پر وعید (پہلا باب)

(۲۲۲۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ خَطِيبًا فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَدِلْتُ شَهَادَةَ الزُّورِ إِشْرَاكًَا بِاللَّهِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ (الحج)

ترجمہ: حضرت ایمن بن خرم بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو جھوٹی گواہی دینا کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے جتنا جرم ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔

(۲۲۲۳) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عَدِلْتُ شَهَادَةَ الزُّورِ بِالْإِشْرَافِ بِاللَّهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ ﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

ترجمہ: حضرت خرم بن فاطم اسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ آپ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا جھوٹی گواہی دینے کو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینے (کی طرح بڑا) گناہ قرار دیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو یہ آیت آخر تک ہے۔

(۲۲۲۴) أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكِبَائِرِ قَالُوا بَلَىٰ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْإِشْرَاطُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَوْ قَوْلُ الزُّورِ قَالَ فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ هَا حَتَّىٰ قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ.

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جھوٹی بات کہنا راوی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ آرزو کی کاش آپ ﷺ خاموش ہو جائیں۔

پہلے ابواب البر والصلۃ، باب عقوق الوالدین میں یہ روایت گزری ہے۔ (تفصیل ابواب البر والصلۃ باب ۴ میں گزر چکی ہے) تشریح: لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنة: یہاں خیانت سے مراد لوگوں کی امانت میں خیانت ہے قالہ القاری، دوسرا قول یہ ہے کہ عام خیانت مراد ہے خواہ حقوق العباد میں ہو یا حقوق اللہ اور اس کے احکام میں ہو، قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَتَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ فالمراد بالخائن الفاسق۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے اول کو رائج قرار دیا ہے۔

اعتراض: فاسق کا ذکر تو آگے الفاظ میں ہے۔

جواب: هو من عطف الخاص على العام۔

ولا مجلود حدًا ولا مجلودة: اس سے مراد اگر حد قذف ہے تو مراد یہ ہے کہ جس شخص پر حد قذف جاری کر دی گئی ہو خواہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو مگر اس کی سزا یہ بھی ہے کہ کبھی بھی اس کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

مذہب فقہاء: اس مسئلہ کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی بعد التوبہ معتبر ہے یا نہیں؟ (۱) امام ابو حنیفہ، زفر، ابو یوسف، محمد، سفیان ثوری، حسن بن صالح رحمہم فرماتے ہیں اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو۔

(۲) امام مالک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

(۳) امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مطلقاً محدود فی الاسلام کی شہادت مردود ہے۔

منشاء اختلاف کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ آیت شریفہ ﴿فَاجْلِدُوهُمْ ثَلَاثِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (النور: ۴) سے، شافعیہ رحمہ اللہ وغیرہ نے استثناء کا تعلق ولا تقبلوا الہم شہادۃ اور واولئک ہم الفسقون دونوں سے قرار دیا ہے مگر حنفیہ رحمہ اللہ نے اقرب مذکور واولئک ہم الفسقون سے ہے۔

حضرات احناف رحمہم نے اپنے مدعی کے اثبات پر نقل و عقلاً دونوں طرح کے دلائل قائم فرمائے ہیں بہر حال نقل فرماتے ہیں کہ قراء کا اتفاق ہے کہ ولا تقبلوا الہم شہادۃ ابدًا پر وقف ہے۔ اور واولئک ہم الفسقون علیحدہ جملہ ہے کیونکہ فاجلدوہم امر کا صیغہ ہے اور ولا تقبلوا الہم شہادۃ نہی کا صیغہ ہے یہ دونوں جملہ انشائیہ ہوئے اور واولئک ہم الفسقون جملہ اسمیہ خبریہ

ہے لہذا اس کا عطف ماقبل جملہ انشائیہ پر نہیں ہو سکتا ہے۔ تو یہ جملہ اسمیہ متانفہ ہو اب الذین کا استثناء اسی سے ہوگا اور مراد یہ کہ توبہ کے ذریعہ فسق تو زائل ہو گیا اور ولا تقبلوا الھم شہادۃ کا حکم اپنی جگہ پر برقرار رہا۔ اس حکمت کی وجہ سے جملہ انشائیہ کے بعد جملہ خبریہ لایا گیا ہے۔ اور عقلاً قاذف جس نے محضات کو زبان سے تہمت لگائی ہے جو بڑا جرم ہے اس کی سزا اصل تو قطع لسان ہوتی مگر شریعت نے مثلاً کو حرام قرار دیا ہے اس وجہ سے زبان تو نہ کاٹی جائے گی نیز مصالح دنیا کا فوت کر دینا بھی زبان کاٹنے میں لازم آتا ہے اس وجہ سے قاذف کی زبان کو یہ سزا دی گئی کہ آئندہ اس کی شہادت ہمیشہ کے لئے رد کر دی گئی جو مناسب سزا ہے۔

ولا نعرف معنی هذا الحدیث: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث یعنی ولا ظنن فی ولاء ولا قرابۃ کے معنی نہیں جانتے کیونکہ بظاہر اس جملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً ایک رشتہ دار کی گواہی اپنے رشتہ دار کے حق میں معتبر نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے چنانچہ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ قرابت دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) عام قرابت جسے مطلق قرابت بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) خاص قرابت جس میں رشتہ ولادت پایا جاتا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کے اس جملے سے مطلق قرابت مراد لی ہے اس لیے انہوں نے فرمایا: ولا نعرف معنی هذا الحدیث حالانکہ اس سے قرابت خاص مراد ہے معنی یہ ہیں کہ ان رشتہ داروں کی آپس میں شہادت درست نہیں جس کے درمیان ولادت کا رشتہ ہو اور جن کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں لیکن ہیں وہ رشتہ دار تو ان کی شہادت آپس میں شرعی شہادت کی شرائط کی بنیاد پر درست ہوگی۔ (تحفۃ الاحوذی ۶/۴۷۹)

لعنات: خان خیانت کرنے والا مجلود حد جس پر حد کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے ہوں۔ غمر: (غین کے نیچے زیر اور میم کے سکون کے ساتھ) حسد و بغض اور عداوت، ذی عمر کے معنی ہیں بغض و حسد اور دشمنی والا۔ احنة: (ہمزہ کے نیچے زیر کے ساتھ) بغض و حسد دشمنی مجرب۔ شہادۃ: جسے جھوٹی گواہی میں بار بار آزمایا جا چکا ہو۔ قانع: ماتحت گھر کا خادم ظنن: متہم مشکوک۔

بَابُ مِثْنَةٍ

باب ۴: جھوٹی گواہی پر وعید (دوسرا باب)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

(۲۲۲۵) خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَجِيئُ قَوْمٌ مِّنْ بَعْدِهِمْ يَتَسَنَّوْنَ وَيُجَبِّنُونَ السِّسَنَ يُعْطَوْنَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوْهَا.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے لوگوں میں سے سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان کے بعد والوں کا زمانہ ہے پھر ان کے بعد والوں کا زمانہ ہے یہ بات آپ ﷺ نے تین زمانوں کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے (پھر ان کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو موٹے ہوں گے اور موٹاپے کو پسند کریں گے اور وہ شہادت کا مطالبہ کئے جانے سے پہلے ہی گواہی دیں گے۔

تشریح: خیر الناس قرنی: ان سے مراد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

ثم الذين يلونهم: ای یقربونهم فی الرتبة او يتبعونهم فی الايمان والايقان اور ان سے مراد حضرات تابعین رضی اللہ عنہم ہیں۔

ثم الذين يلونهم: اس سے مراد اتباع تابعین رضی اللہ عنہم ہیں۔

حدیث کا مطلب: یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم یہ تینوں فضیلت کے لحاظ سے اسی طرح مراتب رکھتے ہیں۔

قرنی: قرن کا اطلاق اہل کل زمان پر ہوتا ہے کیونکہ ہر زمانہ کے لوگ اپنی اعمار و احوال کے اعتبار سے ملے جلے ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو قرن کہا گیا۔

فائدہ: علامہ سیوطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صح قول یہ ہے کہ اس کی تخصیص کسی مدت کے ساتھ کرنا مشکل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ کو ایک قرن فرمایا حالانکہ وہ زمانہ ایک سو بیس سال کا ہے۔ پھر تابعین رضی اللہ عنہم کا زمانہ سو سے ستر تک کا ہے اور اتباع تابعین کا دو سو بیس تک کا ہے اس وقت بہت سی باطل اشیاء کا ظہور ہو گیا تھا خلق قرآن کا مسئلہ پیدا ہو چکا تھا: ثم یجئ قوم من بعدهم: یتسمنون ما خوذ من السمن جس کے معنی لغت میں موٹا پا علامہ تورپشتی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں دراصل یہ کنایہ ہے غفلت اور قلت اہتمام سے کہ دین کا اہتمام نہ ہوگا بلکہ امور دین سے غفلت ہوگی چونکہ جو لوگ ماکولات و مشروبات میں زیادہ مشغول رہتے ہیں ان کے بدن پھول جاتے ہیں اور ریاضت نفس نہیں کرتے ہیں بلکہ حظوظ نفسانیہ کو پورا کرتے رہتے ہیں۔

لعنات: فشا یفشو فشا و فشا: ظاہر ہونا، پھیلنا، عام ہونا۔ استشهد: گواہ بنانا۔ استحلف: قسم کھلانا، حلف اٹھوانا۔



أَبْوَابُ الزُّهْدِ

دُنیا سے بے رغبتی کا بیان

زہد: رغبت کی ضد ہے فتح، سمع، کرم سے آتا ہے مصدر زہد و زہادۃ ہے یہاں مراد ترک الرغبة فی الدنیا علی ما یقتضیہ الکتاب والسنة دنیا سے اس طرح اعراض کرنا جو کتاب وسنة کا مقتضی ہے۔ بالفاظ دیگر ترک المحظوظ مع اداء الحقوق بحسن النية یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی نیت کے ساتھ ادا کرتے ہوئے حظوظ نفس کو ترک کر دینا زہد کہلاتا ہے۔ اگر ترک حظوظ کے ساتھ ترک حقوق بھی ہو تو خلاف شرع زہد ہے جو ہرگز مقبول نہیں آج کل لوگوں نے ترک حظوظ کے ساتھ ترک حقوق کا نام زہد رکھ لیا ہے یہ غلط ہے۔

فائدہ: زہد: کسی چیز کو حقارت سے، یا بے رغبتی سے، یا اس سے پریشانی کی بنا پر چھوڑ دینا، اس سے الگ ہو جانا۔ اور زہد فی الدنیا کے معنی ہیں: دنیا سے بے رغبت ہونا، حلال چیزوں کو محاسبہ کے خوف سے، اور حرام چیزوں کو مواخذہ کے اندیشہ سے چھوڑ دینا۔ دوسرا لفظ: الرقاق (بکسر الراء) ہے یہ الریق (لفح الراء) کی جمع ہے اس کے لغوی معنی ہیں: باریک، لطیف، اور اصطلاحی معنی ہیں: وہ باتیں جو دل کو نرم کریں، جن کی وجہ سے دل میں دنیا کی بے رغبتی پیدا ہو اور آخرت کی یاد تازہ ہو، پس زہد اور رقاق متقارب المعنی ہیں، چنانچہ حدیث کی کتابوں میں کہیں زہد کا عنوان قائم کرتے ہیں اور کہیں رقاق کا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں ابواب الزہد کا عنوان قائم کیا ہے، اور آگے ابواب صفة القيامة والورع کا عنوان قائم کیا ہے۔

اور ابن المبارک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب: کتاب الزہد والرقاق میں اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں دونوں کو جمع کیا ہے، وہ دونوں بابوں کی حدیثیں ایک ساتھ لائے ہیں، پس زہد کی روایات وہ ہیں جن سے آدمی کا دل دنیا سے اکھڑتا ہے، اور رقاق کی روایتیں وہ ہیں جن سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے، آخرت یاد آتی ہے، اور عمل کا داعیہ ابھرتا ہے۔

فائدہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زہد کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) حرام یہ عام لوگوں کا زہد کہلاتا ہے اس درجے کا زہد ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۲) ضرورت سے زائد حلال چیزوں کو محاسبہ اور مواخذے کے خوف سے چھوڑ دینا یہ زہد کا خاص درجہ ہے جس سے چند مخصوص لوگ ہی استفادہ کرتے ہیں۔

(۳) دنیا کی ہر اس چیز کو ترک کر دینا جو اللہ سے غافل کرنے کا باعث ہو یہ وہ خاص مقام ہے جو اہل اللہ اور عارفین کو حاصل ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ مدارج السالکین میں فرماتے ہیں کہ زہد اس چیز کا نام نہیں کہ آدمی کے پاس نہ مال و دولت ہو نہ ساز و سامان ہو اور نہ اہل و عیال ہو کیوں کہ انبیاء کرام سب سے بڑے زہد تھے لیکن اہل و عیال سب کے تھے بعضوں کے پاس مال و دولت اور دنیاوی سامان کی بھی فراوانی تھی یہی حال صحابہ رضی اللہ عنہم اور امت کے نیک افراد کا رہا ہے۔

اس سے چند باتیں معلوم کریں: پہلی بات: مال بری چیز نہیں، البتہ ضروری ہے کہ مال حلال ذرائع سے حاصل کیا جائے۔ قرآن کریم نے صرف دو چیزوں کو لوگوں کا سہارا قرار دیا ہے: ایک بیت اللہ کو، دوسرے: مال کو۔ سورۃ المائدہ آیت ۹۷ میں کعبہ شریف کے تعلق سے ارشاد پاک ہے: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكُعبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِّلنَّاسِ﴾ (المائدہ: ۹۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کی جگہ ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے، یعنی اس کی بقاء تک عالم کا بقاء مقدر ہے، چنانچہ جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے تو جلد ہی قیامت آجائے گی۔ اسی طرح قرآن وحدیث میں مال اڑانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے، مال کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے اسراف کی ممانعت کی ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۳۱ میں ہے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ان آیات پاک کا حاصل بھی یہی ہے کہ مال سوچ سمجھ کر خرچ کیا جائے، بے موقع نہ اڑایا جائے، نیز مال پر سانپ بن کر نہ بیٹھا جائے، بلکہ رشتہ داروں اور غریبوں کے حقوق حسب استطاعت دیئے جائیں۔

مال صرف اس دنیا ہی میں کار آمد نہیں:، بلکہ دوسری دنیا بنانے میں اور اس کو سنوارنے میں بھی اہم رول ادا کرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ غریب صحابہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا کہ مالدار صحابہ ہم سے آگے نکلے جا رہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ انھوں نے عرض کیا: ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور وہ ہماری طرح روزہ بھی رکھتے ہیں اور اللہ نے ان کو مال دیا ہے جس میں سے وہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، اس طرح وہ ہم سے آگے نکلے جا رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ لوگوں کو اس سے واقف کیا جائے اور ان کی توجہ اس طرف مبذول کی جائے کہ وہ لوجہ اللہ مال خرچ کریں، تاکہ ان کی آخرت آباد ہو، ابواب الزہد والرقاق کی حدیثوں میں یہ پہلو خاص طور پر ملحوظ ہے۔

فقر اختیاری: ناداری کی دو صورتیں ہیں: اختیاری اور اضطراری۔ اختیاری ناداری پسندیدہ چیز ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: الفقر فخری، غریبی میرے سر کا تاج ہے، مگر یہ مقام ہر کسی کا حصہ نہیں، ایک لاکھ نیک بندوں میں سے کسی ایک ہی کو یہ مقام میسر آتا ہے، اور اضطراری (نہ چاہتے ہوئے) غریبی بہت بری چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے: کاد الفقر ان یکون کفرًا: محتاجی کی سرحدیں کفر سے ملی ہوئی ہیں، یعنی غریبی کی وجہ سے آدمی مرتد بھی ہو سکتا ہے، آئے دن ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اس لئے اسلام نے کمانے کو فرض کیا ہے، حدیث میں: کسب الحلال فریضة بعد الفریضة: یعنی جب آدمی اول نمبر کے فرائض سے فارغ ہو جائے تو حلال روزی کمانا فرض ہے، اس کے علاوہ کمانے کی ترغیب کے سلسلہ میں بہت روایات ہیں، کیونکہ جب آدمی کے پاس اندوختہ ہوگا تو وہ کسی کا دست نگر نہیں ہوگا، اور نہ شیطان اس کی متاع ایمانی پر ڈاکہ ڈالے گا، زہد کے سلسلہ میں جو روایات آرہی ہیں ان کو پڑھتے ہوئے اس نکتہ کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہئے۔

بَابُ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ

باب ۱: تندرستی اور فارغ بالی دو ایسی نعمتیں ہیں: جن میں اکثر لوگ دھوکہ خوردہ ہیں

(۲۲۲۶) نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے دو طرح کی نعمتوں کے بارے میں بہت سے لوگ نقصان کا شکار ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت۔

تشریح: نعمتان: موصوف مغبون فیہما کثیر من الناس صفت موصوف سے مل کر مبتدا ہوا اور الصیحة والفراغ خبر۔ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے دو نعمتیں صحت بدن اور امور دنیا سے بے فکری کہ ان دونوں کے نعمتوں کے حصول کے زمانہ میں اپنی کوششیں دین کے لئے نہیں کرتے تو ان کو دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے خسارہ ہی خسارہ رہتا ہے۔ جب یہ دونوں نعمتیں ختم ہو جاتی ہیں تو پھر احساس ہوتا ہے اور ان کو ندامت ہوتی ہے کاش مذکورہ زمانہ میں ایسے اعمال کر لیتا جن سے کامیابی و کامرانی حاصل ہو جاتی مگر زوال نعمت کے بعد ندامت سے کوئی فائدہ نہیں قال تعالیٰ: ﴿ذَلِكَ يَوْمُ التَّعَابُنِ﴾ (التغابن: ۹) نیز آپ کا ارشاد ہے:

لیس یتحسر اهل الجنة الا على الساعة مرت بهم ولم يدركوا الله فيها۔

”اہل جنت کو کسی چیز کا افسوس نہیں ہوگا سوائے اس گھڑی کے جو اللہ کے ذکر کے بغیر گزری ہو۔“

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے فرمایا کبھی انسان صحیح البدن ہوتا ہے مگر فارغ البال نہیں اور کبھی فارغ البال تو ہے مگر صحیح البدن نہیں بلکہ بیمار ہوتا ہے اگر دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو طاعات میں سستی کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ مغبون (قابل رشک) ہوتا ہے۔ درحقیقت دنیا مزرعة الآخرة ہے دنیا کا زمانہ تجارت آخرت کا زمانہ ہے

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے مکلف انسان کی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ تاجر ہے جس کو صحت اور فراغت بطور راس المال دیا گیا اب وہ اس میں تجارت کرتا ہے لہذا اس کو چاہئے کہ اس راس المال کی قدر کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے اگر اس زمانہ میں اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی تو گویا اس نے راس المال سے فائدہ اٹھایا ورنہ وہ نقصان میں رہا۔

بَابُ مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ عَبْدُ النَّاسِ

باب ۲: ممنوعات سے پرہیز کرنا بڑی عبادت ہے

(۲۲۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْخُذْ عَنِّي هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلْ بِهِنَّ أَوْ يَعْلَمْ مَنْ يَعْمَلْ بِهِنَّ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قُلْتُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَقَدْ خُمُسًا وَقَالَ اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ عَبْدَ النَّاسِ وَأَرْضُ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَعْنَى النَّاسِ وَأَحْسِنُ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاجِبٌ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمَيِّتُ الْقُلُوبَ.

تَرْجَمَتُہَا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کون شخص ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سیکھ کر ان پر عمل کرے اور ان لوگوں کو ان کی تعلیم دے جو اس پر عمل کریں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی میں یا رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے پانچ چیزیں گنوائیں آپ ﷺ نے فرمایا حرام کاموں سے بچنا تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے جو تمہارا مقدر میں کیا ہے اس سے راضی رہنا سب سے بڑا بے نیاز بن جاؤ گے اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کامل مومن ہو جاؤ گے لوگوں کے لیے اسی چیز کو پسند کرنا جو اپنے لیے پسند کرتے ہو کامل مسلمان ہو جاؤ گے اور زیادہ نہ ہنسنا کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

تَشْرِیْح: دین کے احکام دو قسموں پر مشتمل ہیں: مامور بہ اور منہی عن، یعنی کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ کاموں سے روکا گیا ہے، دین کے یہ دونوں ہی حصے اہم ہیں، مگر ان میں بھی اہم منہیات سے بچنا ہے، اور مامورات پر عمل کرنا اتنا دشوار نہیں جتنا منہیات سے بچنا دشوار ہے، اور مامورات کی ادائیگی سے جس قدر فائدہ پہنچتا ہے منہیات کے ارتکاب سے اس سے زیادہ ضرر پہنچتا ہے۔ اور جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین کی باتیں دو مقاصد سے سیکھنی چاہئیں: ایک: یہ کہ خود ان پر عمل کرے، دوسرے: یہ کہ اوروں کو پہنچائے تاکہ وہ بھی اس پر عمل کریں اور جو بندہ ان پانچوں باتوں پر کار بند ہو جائے وہ دنیا ہی میں جنت کا مزہ چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے اطمینان والی ہوگی، لوگ اس سے محبت کریں گے، دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اور آخرت میں وہ اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتوں سے ہم کنار ہوگا۔ اللہم وفقنا لہا تحب وترطی (آمین)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُبَادَرَةِ بِالْعَمَلِ

باب ۳: عمل کرنے میں دیر مت کرو

(۲۲۲۸) بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ سَبْعًا هَلْ تَنْتَظِرُونَ إِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًّا أَوْ غَنًى مُطْغِيًّا أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا أَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا أَوِ الدَّجَالَ فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ أَوِ السَّاعَةِ فَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمَرُّ.

تَرْجَمَتُہَا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ارشاد فرمایا ہے سات (طرح کی صورتحال) ظاہر ہونے سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کر لو کیا تم لوگ بھلا دینے والی غربت سرکش کر دینے والی خوشحالی فاسد کر دینے والی بیماری محبوظ الحواس کر دینے والے بڑھاپے جلد رخصت کر دینے والی موت یا دجال کا انتظار کر رہے ہو؟ جو غیر موجود چیزوں میں سب سے برا ہے جن کا انتظار کیا جاتا ہے یا پھر قیامت کا انتظار کر رہے ہو اور قیامت تو نہایت ہی سخت اور کڑوی ہے۔

تَشْرِیْح: لوگ دنیا کے کاموں میں چست ہوتے ہیں، تندرستی میں خوب محنت کرتے ہیں، فرصت کے لمحات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مشغولیت کے زمانہ کا خیال کر کے پہلے ہی کاموں کو نمٹاتے ہیں، مگر دین کے تعلق سے اور آخرت کی تیاری کے معاملہ میں لوگ ان باتوں کا خیال نہیں کرتے، بلکہ معاملہ اتنا ہو جاتا ہے۔ تندرستی کے زمانہ میں سوچتے ہیں ابھی عیش کر لیں، جب بوڑھے ہو جائیں گے تو

دین کے کاموں میں لگ جائیں گے۔ اسی طرح فرصت کے لمحات بھی ضائع کر دیتے ہیں، پھر جب مشغولیت کا زمانہ آتا ہے تو کف افسوس ملتے ہیں، طلبہ کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں، اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ فرصت کے لمحات غنیمت سمجھیں، اور رضائے الہی اور فلاح اخروی حاصل کرنے کے لئے کمر بستہ رہیں، عام طور پر لوگ یوم و فردا کرتے ہیں، اور وقت ضائع کرتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ آگے کیا احوال پیش آنے والے ہیں۔

لعنات: بادرو: تم سبقت کرو آگے بڑھو۔ منس: جو فقر کہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کو بھلا دینے والا ہو۔ مطغ: ایسی مالدارى جو سرکشی میں ڈال دینے والی ہے مفسد خراب اور تباہ کرنے والی۔ مفسد: ایسا بڑھاپا جو غور و فکر کی صلاحیت کو کمزور کر دے۔ مجھڑ: اچانک جلدی سے آنے والی موت جس میں توبہ اور وصیت پر بھی قدرت نہ ہو سکے۔ آڈھلی: حوادث و آفات کے لحاظ سے زیادہ سخت امر زیادہ کڑوی اور شدید۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ الْمَوْتِ

باب ۴: موت کو بکثرت یاد کرو

(۲۲۲۹) أَكْثَرُوا إِذْ ذَكَرَ هَٰذِهِ اللَّذَاتِ يَعْنِي الْمَوْتِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز کو یاد کرو راوی کہتے ہیں اس سے مراد موت ہے۔

تشریح: موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں، مگر عام طور پر لوگ اسے بھولے رہتے ہیں اور اس طرح زندگی گزارتے ہیں جیسے موت کبھی آنے والی نہیں، یہی غفلت آخرت کے کاموں سے بے فکر کر دیتی ہے، پس آدمی اگر آخرت والے کام کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے انجام سے غافل نہیں ہونا چاہئے، ہر وقت موت کو یاد کرنا چاہئے۔

موت کی یاد دل میں راسخ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہم عصر وہم سر لوگوں کے بارے میں خیال کرے کہ وہ موت کی آغوش میں پہنچ گئے ہیں ان کی یاد دل میں تازہ رکھے اور سوچے کہ ان بیماروں کو موت نے س طرح گرفت میں لے لیا ہے۔ پہلے وہ زندہ اشیائے موجودہ کے مالک تھے کتنے اونچے مناصب پر فائز تھے کتنے خوشحال اور فارغ البال تھے لیکن مٹی نے ان کے سارے مناصب و مراتب مٹا دیئے ان کی حسین صورتیں مسخ کر دیں ان کے اعضاء بکھر گئے اب وہ خود مٹی بن چکے ہیں ان کی بیویاں بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں بچے یتیم ہیں مال و جائیداد کا کوئی ذکر بھی نہیں کرتا گویا وہ پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں حالانکہ ان کو اس کی آمد کا گمان بھی نہ تھا اپنے اعضاء و جوارح پر نظر ڈالے اس وقت یہ کس قدر خوبصورت جاندار مضبوط ہیں لیکن عنقریب قبر کے کیڑے ان کو اپنی خوراک بنالیں گے ہڈیاں بکھر جائیں گی کیڑے پہلے دائیں پھر بائیں آنکھ کے ڈھیلے کو لقمہ بنائیں گے میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جسے کیڑے نہیں کھائیں گے اگر میرے ساتھ کچھ جائے گا تو وہ صرف علم صحیح یا عمل صالح ہوگا پھر قبر میں منکر نکیر کے سوال و نشر، احوال قیامت اور بڑے دن کی پیشی کے لئے آواز یہ ایسے امور ہیں کہ اگر ان میں فکر کیا جائے تو موت کی یاد تازہ رہتی ہے اور اس کے لئے تیاری کی خواہش رہتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ: أَنَّ الْقَبْرَ أَوَّلَ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ

باب: قبر آخرت کی پہلی منزل ہے

(۲۲۳۰) كَانَ عُمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرِ يَلَى حَتَّى يَبْلُغَ لِحْيَتَهُ فَقِيلَ لَهُ تُذَكِّرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَتَّبِعِي وَتَتَّبِعِي مِنْ هَذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلَ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَإِنْ نَجَّامِنَهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ.

ترجمہ: ہانی بیان کرتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس ہوتے تو اتار دیا کرتے تھے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو جایا کرتی تھی ان سے دریافت کیا گیا (آپ کے سامنے) جنت اور جہنم کا تذکرہ کیا جاتا ہے لیکن آپ نہیں روتے لیکن قبر پر آ کر آپ رونے لگتے ہیں تو انہوں نے بتایا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے اگر آدمی نے اس سے نجات پائی تو بعد کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہوں گی اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو بعد والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جتنے بھی گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والے منظر دیکھے ان میں سب سے زیادہ سخت گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والا منظر قبر ہے۔

تشریح: موت کے بعد آدمی کو قبر میں پہنچنا ہے، قبر اس کی پہلی منزل ہے، اور قبر درحقیقت عالم برزخ کا نام ہے یعنی اس عالم کا نام ہے جو اس دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے، پس جو بھی مرتا ہے: قبر میں پہنچتا ہے، چاہے اس کو جلا دیا جائے، دفن کیا جائے، یا جانور کھا جائیں بہر صورت آدمی قبر میں پہنچتا ہے۔

اور انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے، بیداری میں یہ دونوں ساتھ ہوتے ہیں اور سونے کی حالت میں دونوں میں فاصلہ ہو جاتا ہے مگر زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا البتہ مرنے کے بعد یہ فاصلہ زیادہ ہو جاتا ہے۔

اور عالم برزخ مجازات کا پہلا مقام ہے، قبر میں پہنچتے ہی جزاء و سزا شروع ہو جاتی ہے، اور اس عالم میں جو اچھی بری واردات پیش آتی ہیں وہ براہ راست روح پر گزرتی ہیں، مگر جسم کے اجزاء بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں، اس لئے قبر بہت ڈرنے کا مقام ہے، معلوم نہیں وہاں پہنچ کر کیا احوال پیش آئیں، اللہ ہم سب کو قبر کی راحتوں سے ہمکنار فرمائیں اور برزخ کے عذاب سے بچائیں۔ (آمین)

اعتراض: جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے تو وہ یقیناً عذاب قبر سے محفوظ تھے تو پھر عذاب قبر کے تذکرہ سے کیوں روتے تھے؟

جواب: بشارت جنت کے لئے عذاب قبر کا نہ ہونا لازم نہیں بلکہ عذاب نار کا نہ ہونا بھی لازم نہیں چونکہ ممکن ہے کہ بشارت مقید ہو کسی قید کے ساتھ یا مبہم ہو۔

بَابُ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ

باب ۵: جو شخص اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے: اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں

(۲۲۳۱) مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ: أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کو پسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاضری کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کو ناپسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاضری کو ناپسند کرتا ہے۔

یہ حدیث کتاب الجنائز (حدیث ۱۰۵۹) میں گزر چکی ہے، باقی تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِذْكَارِ النَّبِيِّ ﷺ قَوْمَهُ

باب ۶: نبی ﷺ کا اپنی قوم کو ڈرانا

(۲۲۳۲) قَالَتْ لَهَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا صَفِيَّةُ بِنْتُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ يَا بِنْتِي عَبْدَ الْمُطَّلِبِ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی۔ ”تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔“ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے صفیہ عبد المطلب اے فاطمہ بنت محمد اے بھینٹی عبد المطلب! میں تمہارے لیے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہوں تم مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مانگ سکتے ہو۔

تشریح: سلونی من مالی ما شئتم (میرے مال میں سے جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو): علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں مال سے مراد معروف مال نہیں ہے بلکہ وہ تصرفات ہیں جو آپ ﷺ کر سکتے ہوں اور اب مطلب یہ ہوگا کہ میں اللہ کے عذاب مقدر کا دفاع تم سے نہیں کر سکتا ہوں اس کے علاوہ جو چیزیں میرے تصرف و قدرت کے تحت ہیں ان کے بارے میں تم مجھ سے مطالبہ کر لو میں پورا کروں گا۔ اصل عبارت اسئلونی من ما شئتم تھی بعض رواۃ نے من وما کے درمیان لفظ بڑھا دیا ہے اور یہ تاویل اس لئے ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے جہاں آپ کے پاس کوئی مال نہیں تھا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل درست نہیں چونکہ قرآن کی آیت ﴿وَوَجَدَكَ عَالِيًا فَاَعْتَنَىٰ﴾ (النحی: ۸) ای مال خدا بچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس مال مکہ مکرمہ میں حاصل تھا کما صرح بہ المفسرون۔

اعتراض: اس باب کو ابواب الزہد سے کیا مناسبت ہے؟

جواب: آپ ﷺ نے اپنے اعزہ کو یہ مضمون بیان فرما کر بتایا کہ آدمی کے اموال و اقرباء اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتے حتیٰ کہ خود نبی کریم ﷺ بھی دافع عن العذاب نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر آدمی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں منہمک رہے اور آخرت کی فکر کرے دنیا کے غموم و ہوموم میں نہ پڑے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ تَعَالَى

باب ۷: اللہ تعالیٰ کے ڈر سے رونے کی فضیلت

(۲۲۳۳) لَا يَلْجُ النَّارَ رَجُلٌ بَلَىٰ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَعُوذَ اللَّيْلُ فِي الصَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ عُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے رونے والا شخص جہنم میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک دودھ تھن میں واپس نہیں چلا جاتا (یعنی یہ عملی طور پر ناممکن ہے) اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں (انسان کے جسم پر لگنے والا) غبار اور جہنم کا دھواں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔
یہ حدیث ابواب فضائل الجہاد (باب ۸ حدیث ۱۶۲۵) میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا

باب ۸: اگر لوگوں پر حقائق کھل جائیں تو وہ ہنسنا بھول جائیں!

۲۲۳۴۔ إِنْ أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ وَاسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ أَظَلَّ السَّمَاءُ وَحَقٌّ لَهَا أَنْ تَنْطَ مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكَ وَاضِعٌ جَهَنَّمَ سَاجِدًا لِلَّهِ وَاللَّهُ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعَدَاتِ تَجَارُونَ إِلَى اللَّهِ لَوِ دِدْتُ إِنْ كُنْتُ شَجَرَةً تُعْصَدُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں وہ چیز دیکھ لیتا ہوں جسے تم نہیں دیکھ سکتے اور میں وہ چیز سن لیتا ہوں جسے تم نہیں سن سکتے آسمان چر چرا رہا ہے اور اسے اس بات کا حق ہے وہ چر چراتا رہے کیونکہ اس کے اندر چار انگلیاں رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کسی فرشتے کا سر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سجدہ ریز نہ ہو اللہ کی قسم جو میں جانتا ہوں وہ اگر تم لوگ جان لو تو تھوڑا ہنسنا اور زیادہ روؤ اور تم پچھونوں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرو بلکہ تم ویرانوں کی طرح نکل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرو میری تو یہ خواہش ہے کاش میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ لیا جاتا۔

(۲۲۳۵) لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو میں جانتا ہوں اگر تم لوگ جان لو تو تم لوگ تھوڑا ہنسنا

اور زیادہ روؤ۔

تشریح: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: من علم ان الموت موردة والقيامة موعدة والوقوف بين يدي الله وشهوده فحقه ان يطول في الدنيا حزنه۔

لغات: اطت السماء: آسمان چرچراتا ہے آواز نکالتا ہے حق لھا: اس کا حق ہے اس کے لیے مناسب ہے ماتلذذتم لطف اندوز نہ ہو تم لذت حاصل نہ کرو فرش: فراش کی جمع ہے: بسترے بچھونے۔ صعداۃ: (صاد اور عین پر پیش کے ساتھ) صعدة کی جمع ہے اور یہ صعيد کی جمع ہے گویا صعداۃ جمع الجمع ہے اس کے دو معنی ہیں: (۱) راستے (۲) صحراء جنگل حدیث میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں اکثر حضرات نے دوسرے معنی کو اختیار کیا ہے۔ تجارون الی اللہ: تم اللہ سے خوب گڑگڑا کر تضرع و خشوع کے ساتھ دعا مانگو۔ تعصدا: (مجبہول کا صیغہ ہے) وہ درخت جسے کاٹ دیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ تَكَلَّمَ بِالْكَلِمَةِ لِيُضْحِكَ النَّاسَ

باب ۹: لوگوں کو ہنسانے والی باتیں کرنا

(۲۲۳۶) إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ لَا يَدْرِي بِهَا بَأْسًا يَهْوِي بِهَا سَبْعِينَ خَرِيفًا فِي النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی ایک بات کہتا ہے جس کی وہ کچھ پرواہ نہیں کرتا حالانکہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں ستر برس کی مسافت جتنی گہرائی میں گر جاتا ہے۔

(۲۲۳۷) وَيُلِّ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ وَيُلِّ لَهُ وَيُلِّ لَهُ۔

ترجمہ: بہر بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس شخص کے لیے بربادی جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے کوئی جھوٹی بات کہتا ہے اس شخص کے لیے بربادی ہے اس شخص کے لیے بربادی ہے۔

(۲۲۳۸) قَالَ ثُوَيْبِيُّ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَعْنِي رَجُلًا أَبْشَرَ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوْ لَا تَدْرِي فَلَعَلَّهُ تَكَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَعْنِيهِ أَوْ بَعْلًا يَنْقُصُهُ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صاحب کا انتقال ہو گیا تو ایک شخص نے (مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا تمہیں جنت مبارک ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں علم نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی ایسی بات کہی ہو جو جس کی اس نے پرواہ نہ کی ہو یا اس نے اس حوالے سے بخل سے کام لیا ہو جس سے اس کا کوئی نقصان نہ ہوتا۔

تشریح: اگر تفریح طبع کے لئے ایسی بات کہی جائے جو جھوٹی نہ ہو اور اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو تو وہ جائز ہے، دوسری حدیث میں فیکذب کی جو قید ہے وہ پہلی حدیث میں فیکذب کی جو قید ہے وہ پہلی حدیث میں بھی ملحوظ ہے، اور دل آزادی کا معاملہ جھوٹ سے زیادہ سنگین ہے، پس اس کا بھی وہی حکم ہے جو جھوٹ کا ہے۔

فائدہ: جنت میں درجات ہیں یعنی مقامات نیچے سے اوپر چڑھتے ہیں، اور جہنم میں درجات ہیں یعنی عذاب کی سختی نیچے کے مقامات میں زیادہ ہے، اور دوزخ میں ستر سالہ مسافت میں گرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بلندی سے نیچے ڈالی جائے تو وہ ستر سال میں کہاں تک پہنچے گی؟ اتنی گہرائی میں یہ مسخرہ ڈال دیا جاتا ہے۔

لغات: بأساً: کوئی حرج مضائقہ۔ یہوی: گر جاتا ہے خریفا برس سال۔ ویل: ہلاکت جہنم کی ایک گہری وادی لیٹھک باب افعال سے تاکہ وہ ہنسائے۔

بَابُ مِنْ حُسْنِ الْإِسْلَامِ الْمَرْءُ تَزَكَّاهُ مَا لَا يَغْنِيهِ

باب: دین کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لا یعنی باتیں چھوڑ دے

(۲۲۳۹) مِنْ حُسْنِ الْإِسْلَامِ الْمَرْءُ تَزَكَّاهُ مَا لَا يَغْنِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آدمی کے اسلام کی اچھائیوں میں یہ بات بھی شامل ہے وہ لا یعنی چیزوں کو ترک کر دے۔

(۲۲۴۰) إِنَّ مِنْ حُسْنِ الْإِسْلَامِ الْمَرْءُ تَزَكَّاهُ مَا لَا يَغْنِيهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں یہ بات بھی شامل ہے وہ لا یعنی چیزوں کو ترک کر دے۔
مالا یعنی کی حقیقت:

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مالا یعنی سے مراد وہ امور ہیں جن کی ضرورت نہ دین میں ہے اور نہ دنیا میں اور رضائے الہی بغیر ان کے حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ان المومن لایکون صمته الا فکر او نظره الا عبرة ونطقه الا ذکر۔ یعنی مومن کی خاموشی فکر ہے اور اس کی نظر عبرت ہے اور اس کا کلام ذکر الہی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: طوبی لمن امسك الفضل من لسانه وانفق الفضل من ماله۔ (بیہقی) یعنی اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو اپنا زائد کلام روکے اور زائد مال خرچ کرے۔

ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کہتے ہیں مومن بولنے سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ بولنا اس کے حق میں مفید ہے یا نہیں اگر مفید ہے تو بولتا ہے ورنہ چپ رہتا ہے اور فاجر بے سوچے بولتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا آدمی کے لئے جس عضو کو پاک کرنا زیادہ ضروری ہے وہ زبان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَلَّةِ الْكَلَامِ

باب ۱۰: کم بولنے کی فضیلت

(۲۲۴۱) إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُثِبُ اللَّهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ

إِلَى يَوْمٍ يَلْقَاهُ وَإِنْ أَحَدُكُمْ لَيَسْكَكُلُهُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخِطِ اللَّهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخِطُهُ إِلَى يَوْمٍ يَلْقَاهُ.

ترجمہ: حضرت بلال بن حارث مزیؓ جو نبی اکرم ﷺ کے صحابی ہیں وہ یہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے متعلق کوئی بات کہتا ہے حالانکہ اسے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کے نیچے میں اسے کیا کچھ مل جائے گا پس اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے لیے اس دن تک کی رضامندی لکھ دیتا ہے جب وہ شخص اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اسی طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے متعلق کوئی بات کہتا ہے حالانکہ اسے یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا وبال کتنا ہو سکتا ہے؟ لیکن اس بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس دن تک کے لیے اس سے ناراضگی لکھ دیتا ہے جب وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔

تشریح: قلت کلام محمود و مطلوب ہے:

زبان اللہ کی نعمتوں میں سے عظیم نعمت ہے اس کا حجم اگر چہ چھوٹا ہے لیکن اس کی طاعت بھی زیادہ ہے اور گناہ بھی بڑا ہے چونکہ اظہار ایمان اسی سے ہوتا ہے جو طاعت طاعت ہے اور کفر بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے جو انتہائی درجہ کی معصیت ہے اس کا دائرہ اختیار تمام اعضاء سے زائد ہے اس لئے اس کو قابو میں رکھنا نہایت ضروری ہے یہ ایسا محفوظ و چالاک عضو ہے کہ اس سے کسی کو گالی دی برا بھلا کہا خود تو منہ کے اندر دانتوں کے پیچھے محفوظ ہو جاتی ہے اور جسم کی پتائی کرادیتی ہے اس وجہ سے حدیث میں مضمون ہے سب اعضاء اس سے صحیح رہنے کی درخواست کرتے رہتے ہیں احادیث میں بھی بکثرت زبان پر قابو پانے کا حکم فرمایا گیا ہے اس کے ضرر سے بچنے کا واحد راستہ خاموشی ہے جس کی تعریف احادیث میں وارد ہے فرمایا من صمت نجا جورہا اس نے نجات پائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللَّهِ

باب ۱۱: اللہ کے نزدیک دنیا کی بے قدری

(۲۲۴۲) لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بُعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً مَاءٍ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دنیا کی حیثیت مچھر کے پر جتنی ہوئی تو وہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

(۲۲۴۳) كُنْتُ مَعَ الرُّكْبِ الَّذِينَ وَقَفُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى السَّخْلَةِ الْمَيْتَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَرَوْنَ هَذِهِ هَانَتْ عَلَى أَهْلِهَا حِينَ أَلْقَوْهَا قَالُوا أَمِنْ هَوَانِهَا أَلْقَوْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَالدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ عَلَى أَهْلِهَا.

ترجمہ: حضرت مستور بن شدادؓ بیان کرتے ہیں میں کچھ سواروں کے ساتھ تھا جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے مالک نے جب اسے پھینکا تھا اس وقت یہ اپنے مالک کے

نزدیک بے حیثیت تھی؟ لوگوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس کے بے حیثیت ہونے کی وجہ سے ہی تو لوگوں نے اسے پھینکا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جتنی یہ اپنے مالک کے نزدیک بے حیثیت ہے دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بے حیثیت ہے۔

تشریح: ہاں الشیخی علیہ (ن) ہوٹا: کسی چیز کا حقیر اور معمولی ہونا، جاننا چاہئے کہ جس طرح یہ دنیا ایک حقیقی عالم ہے اسی طرح آخرت بھی بالکل واقعی عالم ہے، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے، اور آخرت جاودانی ہے، اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی ہو جائے گا، نیز آخرت کی نعمتیں اور لذتیں اس دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے بے انتہا فائق ہیں، بلکہ اصلی نعمتیں آخرت ہی کی ہیں، دنیا کی چیزوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

دنیا اسی شئی کا نام ہے: جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔ متاع دنیا پر دنیا کا اطلاق اسی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ وہ عموماً ذکر اللہ سے غفلت کا سبب ہوتا ہے۔ دنیا سب کی دشمن ہے، دنیا اللہ کی دشمن ہے، اللہ کے دوستوں کی بھی دشمن اور دشمنوں کی بھی دشمن ہے اللہ کی دشمن تو اس لئے کہ اس کے بندوں کو راہ راست پر نہیں چلنے دیتی۔

اللہ کے دوستوں کی بھی دشمن کیونکہ ان کے سامنے آرائش اور زیبائش کر کے نکلتی ہے ان کو اپنی رونق و شادابی سے لپاتی ہے تاکہ کسی طرح وہ اس کے دامن میں آجائیں دنیا کے پھیلے ہوئے جال سے نکلنے کے لئے انہیں صبر کے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ دشمنان خدا کی بھی دشمن ہے کیونکہ اس نے ان کو اپنے قریب میں پھنسا لیا اور انہیں سبز باغ دکھا کر اپنے قریب کر لیا یہاں تک کہ وہ اس کی گرفت میں آ گئے اور اس پر اعتماد کر بیٹھے تو انہیں ذلت میں مبتلا کر دیا اگر دنیا میں ذلت سے بچ گئے تو آخرت میں رسوائی اور ندامت سے چھٹکارا نہ پاسکیں گے اور ابد الابد کی سعادت سے محروم ہوں گے۔

باب ۱۲

(۲۲۴۴) **أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذَكَرَ اللَّهُ وَمَا وَالَاكَوَعَالِمُ أَوْ مُتَعَلِّمٌ.**

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے دنیا ملعون ہے اور اس میں موجود ہر چیز ملعون ہے صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کا ذکر کرنے والا اور عالم طالب (ملعون نہیں ہیں)۔

باب ۱۳

(۲۲۴۵) **مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ أَصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَاذَا يَرْجِعُ.**

ترجمہ: قیس بن ابو حازم بیان کرتے ہیں میں نے بنو فہر سے تعلق رکھنے والے حضرت مستورد رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی صرف یہی حیثیت ہے جس طرح کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈال کر اس بات کا جائز لے کہ اس نے کتنا پانی نکالا ہے؟۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ

باب ۱۴: دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کا باغ ہے

(۲۲۴۶) الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔
تشریح: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن کیلئے دنیا قید خانہ ہے کہ اس کو دنیوی شہواتِ محرمہ سے روک دیا گیا دنیا کے لذائذ سے اس کو منع کیا جاتا ہے اور طاعاتِ شاقہ کا اس کو مکلف بنایا گیا ہے جب اس کو موت آجائے گی تو ان سب چیزوں سے وہ راحت محسوس کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ نعمتیں اس کو دی جائیں گی جو ہمیشہ رہنے والی ہوں گی اس کے بالمقابل کافر اس کے لئے دنیا میں جملہ لذائذ و شہوات ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں تفصیلاً بیان کیا ہے ﴿ذُوقُوا النَّارَ حَبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ...﴾ (النہل: ۱۴) مگر مرنے کے بعد عذابِ دائمی میں مبتلا ہوگا اور وہاں کی نعمتوں سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لئے بد بخت ہوگا۔

قید خانہ کی دو خصوصیتیں ہیں:

پہلی خصوصیت: قیدی قید خانہ میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر کام میں جیلر کے حکم کا پابند ہوتا ہے، جو کھانے کو ملتا ہے کھاتا ہے، جو پینے کو دیا جاتا ہے پیتا ہے، جہاں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کا حکم ہوتا ہے بیٹھتا یا کھڑا ہوتا ہے۔ غرض جیل میں اپنی مرضی نہیں چلتی، چارونا چار ہر معاملہ میں دوسرے کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔

دوسری خصوصیت: قید خانہ میں قیدہ کا جبہ کبھی نہیں لگتا وہ اس کو اپنا گھر سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند رہتا ہے۔

باغ کی بھی دو خصوصیتیں ہیں:

پہلی خصوصیت: لوگ جب باغ میں تفریح کے لئے جاتے ہیں تو وہاں کوئی قانونی پابندی نہیں ہوتی، ہر شخص آزاد ہوتا ہے، باغ میں جہاں چاہے گھوم سکتا ہے، اگر کسی باغ میں گھومنے میں پابندی ہو تو اس باغ میں تفریح کا کیا مزہ؟

دوسری خصوصیت: جو لوگ باغ میں گھومنے جاتے ہیں، اگر باغ شاندار ہو تو وہاں ان کا دل لگ جاتا ہے، وہ باغ سے واپس لوٹنا نہیں چاہتے، مجبوراً ہی جب وقت تنگ ہوتا ہے تو لوٹتے ہیں۔

اب جاننا چاہئے کہ دنیا کا حال بھی مومن کے تعلق سے ایسا ہی ہے اس کو حکم خداوندی اور قانون شریعت کی پابندی کرنی پڑتی ہے، وہ اس دنیا میں آزاد نہیں ہے، اپنی مرضی کی زندگی نہیں گزار سکتا، نہ یہاں اس کی ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے، اور مومن کا جی دنیا میں کبھی نہیں لگتا، وہ ہر وقت اس دنیا سے نکل کر آخرت میں پہنچنا چاہتا ہے۔

اور کافر کے لئے اس دنیا میں کوئی قانونی پابندی نہیں، وہ جو چاہتا ہے کھاتا ہے، پیتا ہے اور اپنی مرضی کی زندگی گزارتا ہے اور اس کا دل دنیا سے ایسا لگا ہوا ہوتا ہے کہ وہ کبھی یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا ﴿يُوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ (البقرہ: ۹۶): ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کو ہزار برس کی زندگی مل جائے!

اور آخرت میں دونوں کا معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ آخرت کافر کا قید خانہ ہے اور مومن کی جنت (باغ) مومن کے لئے جنت میں کوئی قانونی پابندی نہیں ہوگی، ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گزارے گا، اور وہاں اس کی ہر آرزو پوری ہوگی، اور لاکھوں برس گزرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے اکتائے گا نہیں۔

اور کافروں کے لئے دوزخ میں ہر طرح کی پابندیاں ہوں گی، زقوم کھانے کو دیا جائے گا: وہی کھانا پڑے گا۔ اور زخموں کی پیپ پینے کو دی جائے گی وہی پینی پڑے گی، اور جتنا بھی لمبا عرصہ گزر جائے وہاں ان کا دل نہیں لگے گا، وہ جہنم کے جیلر مالک سے کہیں گے: اپنے پروردگار سے عرض کر کہ وہ ہمارا کام تمام کر دے، مالک ایک ہزار سال کے بعد جواب دیں گے: تم ہمیشہ اسی جال میں رہو گے۔ (الزخرف: ۷۷)

بَابُ مَا جَاءَ مِثْلَ الدُّنْيَا مِثْلُ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ

باب ۱۵: دنیا کا حال چار شخصوں کے حال جیسا ہے

(۲۲۴۷) ثَلَاثٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأَحَدٌ ثُكْمٌ حَدِيثًا فَاحْذَرُوهُ قَالَ مَا نَقَصَ مَالٌ عَبْدٌ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلْمَةٍ عَبْدٌ مَظْلَمَةٌ صَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةٍ نَحْوَهَا وَأَحَدٌ ثُكْمٌ حَدِيثًا فَاحْذَرُوهُ فَقَالَ إِنَّمَا الدُّنْيَا لَا رُبْعَةَ نَفَرٍ عَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي رَبَّهُ فِيهِ وَيَصِلُ بِهِ رَحْمَةً وَيَعْلَمُ اللَّهُ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَزُرْ قَهْ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النَّبِيِّ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فَلَانٍ فَهُوَ بِنَيْتِهِ فَاجْرُ هُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يَزُرْ قَهْ عِلْمًا يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحْمَةً وَلَا يَعْلَمُ اللَّهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فَلَانٍ فَهُوَ بِنَيْتِهِ فَوِزُّهُمَا سَوَاءٌ.

توضیح: حضرت ابو کبشہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تین چیزوں کے بارے میں میں قسم دیتا ہوں اور تمہیں ایک بات بتانے لگا ہوں تم انہیں یاد رکھنا صدقہ کرنے کی وجہ سے آدمی کے مال میں کوئی کمی نہیں ہوتی جس بندے کے ساتھ کوئی زیادتی ہو وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جب کوئی شخص مانگنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غربت کا دروازہ کھول دیتے ہیں یا اس کی مانند آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی (پھر فرمایا) میں تم لوگوں کو ایک بات بتانے لگا ہوں اسے یاد رکھنا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دنیا میں چار طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم عطا کیا ہو اور وہ اس بارے میں اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو رشتہ داری کے حقوق کا خیال رکھتا ہو اور اسے اس بات کا علم ہو کہ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے؟ یہ سب سے زیادہ فضیلت والے مقام پر ہوگا ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہے لیکن اسے مال عطا نہیں کیا لیکن وہ نیت کا سچا ہے اور یہ کہتا ہے اگر مجھے مال مل جاتا تو میں بھی فلاں شخص کی طرح عمل کرتا اسے اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا لہذا ان دونوں کا اجر برابر ہوگا ایک وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے لیکن اسے علم عطا نہیں کیا وہ

اپنے مال کو اس جگہ پر خرچ کرتا ہے (جو درست نہیں ہے) اور ایسا لاعلمی لاعلمی کی وجہ سے کرتا ہے اور اس کے بارے میں اپنے پروردگار سے ڈرتا نہیں ہے اس کے حوالے سے رشتہ داری کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہ مال عطا کیا ہے نہ علم عطا کیا ہے لیکن وہ یہ کہتا ہے اگر مجھے مال مل جاتا تو میں بھی اس فلاں کی طرح اسے (غلط راستے پر) خرچ کرتا تو اسے اس کی نیت کے مطابق بدلہ مل یگا اور ان دونوں کا گناہ برابر ہوگا۔
تشریح: اچھے برے عمل کی نیت پر اس وقت جزاء و سزا ہوتی ہے جب وہ عزم کے درجہ میں آجائے، اگر نیکی کا پختہ ارادہ ہو مگر کسی مجبوری سے نہ کر سکا، تو وہ نیکی اس کے لئے لکھ دی جاتی ہے، یہی حال گنہگار ہے جب اس کا پختہ ارادہ ہو جائے مگر کسی وجہ سے وہ گناہ نہ کر سکے تو اس کی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

وسیلہ ①: حدیث میں ہے:

مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا، كَتَبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبَتْ لَهُ بَعْشَرًا مِثْلَهَا: (احمد: ۱۷۹، ۳۶۱)
یعنی جو شخص کسی نیکی کا پختہ ارادہ کرے پھر وہ اس کو نہ کر سکے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ اس کو کر لے تو وہ نیکی اس کے لئے دس گنا لکھی جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاهَمِّ الدُّنْيَا وَخَبَرِهَا

باب ۱۶: دنیا کی فکر اور اس کی محبت کا بیان

(۲۲۳۸) مَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَّةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ وَمَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَّةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللَّهِ فَيُوشِكُ اللَّهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کو فاقہ لاحق ہو اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کر دے تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہو جائے گا اور جس شخص کو فاقہ لاحق ہو اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے تو عنقریب اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے رزق عطا کر دے گا۔

(۲۲۳۹) قَالَ جَاءَ مُعَاوِيَةُ إِلَى أَبِي هَاشِمٍ بْنِ عَثْبَةَ وَهُوَ مَرِيضٌ يَعُودُهُ فَقَالَ يَا خَالَ مَا يُبْكِيكَ أَوْ جَعَّ يُشِيرُكَ أَمْ حِزْصٌ عَلَى الدُّنْيَا قَالَ كُلُّ لَا وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَهْدًا إِلَى عَهْدًا لَمْ أَخْذِ بِهِ قَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ مِنْ بَهِيمِجِ الْمَالِ خَادِمٌ وَمَرْكَبٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﷺ وَأَجْدُنِي الْيَوْمَ قَدْ جَمَعْتُ.

ترجمہ: ابو داؤد بیان کرتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جو مریض تھے اور وہ ان کی عیادت کرنے کے لیے آئے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ماموں آپ کیوں رورہے ہیں؟ کیا تکلیف آپ کو تنگ کر رہی ہے یا دنیا کی محبت پریشان کر رہی ہے انہوں نے فرمایا دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ایک وعدہ لیا تھا جس پر میں عمل نہیں کر سکا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا مال جمع کرنے کے حوالے سے تمہارے لیے ایک خادم اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانے

کے لیے ایک سواری کافی ہے۔ لیکن آج میں یہ محسوس کر رہا ہوں میں نے مال جمع کیا۔

باب ۱۷

(۲۲۵۰) لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَرْغَبُوا فِي الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے باغات اور کھیتیاں وغیرہ نہ بناؤ ورنہ تم دنیا ہی کے ہو کر رہ جاؤ گے۔

تشریح: حدیث میں ہے حب الدنیا اس کل خطیئہ: دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الرقاق، حدیث ۵۲۱۳) مگر یہ بات اس وقت ہے جب دنیا سے محبت دنیا کی وجہ سے ہو، مال و منال سے تعلق عیش کرنے کے لئے ہو، ورنہ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ کی خانقاہ کے دروازہ پر لکھا تھا: نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد! جو دولت اللہ کے لئے رکھتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ایسے بندوں کو دنیا سے کچھ محبت نہیں ہوتی نہ وہ دنیا کی فکر میں پڑ کر آخرت برباد کرتے ہیں۔ اس روایت میں مطلق ذریعہ معاش اختیار کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ معنی یہ کہ دنیا کے کسب میں اس قدر مشغول ہونا کہ اللہ کی عبادت سے آدمی غافل ہو جائے اس سے ممانعت ہے چونکہ کسب معاش تو فرض ہے جس کی فضیلت احادیث میں بکثرت وارد ہے بلکہ معاش کے وہ اسباب جو یقینیہ ہیں ان کا اختیار کرنا فرض ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے معنی لا تتوغلوا فی اتخاذ الضیعة فتلہوا بہا عن ذکر اللہ قال تعالیٰ: ﴿رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ...﴾ (النور: ۳۷)

لغات: فاقۃ: تنگدستی شدید حاجت و ضرورت۔ لم تسد: اس کی حاجت کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ یشئذک: آپ کو مغموم اور پریشان کر رکھا ہے بے چین کر رکھا ہے۔ الضیعة: (ضاد پرزبر کے ساتھ) غلہ اگانے والی زمین جاگیر کاروبار اور تجارت ترغبو فی الدنیا تم دنیا کی طرف مائل ہو جاؤ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَوْلِ الْعُمَرِ لِمُؤْمِنٍ

باب ۱۸: حسن عمل کی توفیق مل جائے تو زندگی بڑی نعمت ہے

(۲۲۵۱) أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ خَيْرُ النَّاسِ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دیہاتی نے عرض یا رسول اللہ ﷺ سب سے بہتر شخص کون سا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھا ہو۔

باب ۱۹

(۲۲۵۲) أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَشَى النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ قَالَ فَأَشَى النَّاسِ

شَرَّ قَالَ عُمُرُكَ وَحَسُنَ وَسَاءَ عَمَلُكَ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے یہ نقل کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کون سا شخص سب سے بہتر ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور عمل نیک ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں اس شخص نے دریافت کیا کون سا شخص سب سے برا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور عمل برا ہو۔

تشریح: علامہ طبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اوقات و ساعات بمنزلہ راس المال ہے تو تاجر اپنی تجارت کے ذریعہ راس المال کی حفاظت کے ساتھ نفع کے لئے محنت کرتا ہے اور جس قدر راس المال زیادہ ہوگا نفع بھی زیادہ ہوتا ہے اب تاجر آخرت جس کو طویل عمر دی گئی تو اس کو کثیر راس المال دیا گیا اب اس نے حسن عمل کے ذریعہ راس المال پر نفع کثیر حاصل کیا اور کامیاب ہو گیا اس کے بالمقابل جو اعمال بد میں مبتلا رہا اس نے راس المال کو ضائع کر دیا اور نفع بھی کچھ نہ ہوا تو ایسا شخص ناکام رہا اور خسران میں مبتلا ہو گیا۔ اس روایت میں طویل العمر اور حسن العمل شخص کے لئے خوشخبری ہے۔

ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عقلاً لوگوں کی عمر و عمل کے اعتبار سے چار قسم ہوتی ہیں: (۱) طویل العمر حسن العمل (۲) طویل العمر سیئی العمل ان دونوں کو اس روایت میں ذکر کر دیا گیا۔ (۳) قصیر العمر حسن العمل (۴) قصیر العمر سیئی العمل۔ ان دونوں قسموں میں نہ زیادہ خیر ہے اور نہ زیادہ شر بلکہ دونوں برابر ہیں اس لئے ان کو ذکر نہیں فرمایا گیا ہے۔ نیز سائل کے سوال میں بھی مذکور نہیں نہر حال روایات سے معلوم ہوا کہ طویل العمر ہونا جب ہی محمود ہے کہ عمل اچھا ہو ورنہ برے عمل کے ساتھ طویل العمر ہونا پسندیدہ نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَنَاءِ أَعْمَارِ هَذِهِ الْأُمَّةِ مَا بَيْنَ السَّبْعِينَ إِلَى سَبْعِينَ

باب ۲۰: اس امت کی عمریں ساٹھ تا ستر سال ہیں

(۲۲۵۳) عُمُرُ أُمَّتِي مِنْ سَبْعِينَ سَنَةً إِلَى سَبْعِينَ سَنَةً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (عام طور پر) میری امت کی عمریں ساٹھ سے لے کر ستر سال تک ہوں گی۔

تشریح: ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بہترین عمر جس کو معتدل و محمود کہا جائے وہ ساٹھ و ستر سال کے درمیان ہے کیونکہ اسی عمر میں نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و عمر فاروق رضی اللہ عنہ وغیرہ بہت سے صحابہ و اولیاء نے انتقال فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض حکماء نے فرمایا عمر کے چار درجات ہیں طفولیت، شباب، کہولت، شیخوختہ۔ یہ آخری درجہ اکثر و بیشتر ساٹھ و ستر کے درمیان ہے اس وقت ضعف ہوتا ہے لہذا اس عمر میں پہنچ کر آدمی کو چاہئے کہ آخرت کی طرف راغب ہو جائے کہ اب زندگی کی زیادہ امید نہیں رہی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَقَارِبِ الزَّمَانِ وَقِصْرِ الْأَمَلِ

باب ۲۱: تقارب زمان کا بیان

(۲۲۵۴) لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَكُونُ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَتَكُونُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَيَكُونُ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُونُ السَّاعَةُ كَالظَّرَمَةِ بِالنَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زمانہ سمٹ نہیں جائے گا سال مہینے کی طرح ہو جائے گا مہینہ ہفتے کی طرح ہوگا ہفتہ ایک دن کی طرح ہوگا اور ایک دن ایک گھڑی کی طرح ہوگا اور ایک گھڑی یوں ہوگی جیسے آگ کا انگارہ ہوتا ہے۔

تشریح: تقارب زمان کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں: (۱) قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس قدر زیادہ ہو جائے گی کہ وقت میں برکت اٹھ جائے گی وقت نہایت تیزی سے گذرتا چلا جائے گا کہ اس کا فائدہ محسوس ہی نہیں ہوگا۔

(۲) یا یہ معنی کہ قرب قیامت میں لوگ اپنی پریشانیوں اور فتنوں میں اس قدر مشغول ہوں گے کہ وقت گزرنے کا انہیں احساس تک نہیں ہوگا اور نہ یہ معلوم ہوگا کہ دن کب ختم ہوا اور رات کب ختم ہوئی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي قِصْرِ الْأَمَلِ

باب ۲۲: آرزو مختصر رکھنے کا بیان

(۲۲۵۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِي قَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَعَدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ فَقَالَ لِي ابْنُ عُمَرَ إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ لَا تَدْرِي يَأْبَدُ اللَّهُ مَا إِيْسَمُكَ غَدًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے میرے جسم کو پکڑا اور ارشاد فرمایا تم دنیا میں یوں رہو جیسے اجنبی ہو یا مسافر ہو اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔

راوی بیان کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا جب تم صبح کرو تو شام کا خیال ذہن میں نہ رکھو اور جب شام ہو جائے تو تم صبح کا خیال ذہن میں نہ رکھو اور بیماری سے پہلے صحت کو اور مرنے سے پہلے زندگی کو غنیمت سمجھو اے اللہ کے بندے تم نہیں جانتے کل تمہارا کیا انجام ہوگا (یعنی زندہ ہو گے یا مر جاؤ گے)۔

(۲۲۵۶) هَذَا ابْنُ آدَمَ وَهَذَا أَجَلُهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ قَفَاهُ ثُمَّ بَسَطَهَا فَقَالَ وَثَّمْ أَمَلُهُ وَثَّمْ أَمَلُهُ وَثَّمْ أَمَلُهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے یہ آدم کا بیٹا ہے اور یہ اس کی موت ہے پھر آپ ﷺ نے اپنی گدی کے پاس ہاتھ رکھا اور پھر اسے پھیلا یا اور فرمایا یہ اس کی امیدیں ہیں یہ اس کی امیدیں ہیں اور یہ اس کی امیدیں ہیں۔

(۲۵۷) قَالَ مَرَّ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نُعَاجِلُ خُصًّا لَنَا فَقَالَ مَا هَذَا فَقُلْنَا قَدْ وَهَىٰ فَتَحْنُ نُصْلِحُهُ قَالَ مَا أَرَىٰ إِلَّا أَمْرًا لَا أَجَلُ مِنْ ذَلِك.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس سے گزرے ہم اپنے مکان کے لیے گارا بنا رہے تھے تو آپ ﷺ نے دریافت کیا یہ کس لیے ہے ہم نے عرض کی مکان پرانا ہو گیا ہے ہم اسے ٹھیک کر رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میرا خیال ہے معاملہ (یعنی قیامت) اس سے جلدی آجائے گا۔

تشریح: قصائل سے مراد یہ ہے کہ امور دنیا کی بابت آدمی لمبی لمبی امیدیں نہ کرے کہ موت اور زاد عقبیٰ سے غافل ہو جائے ہاں البتہ تحصیل علم و عمل کیلئے آدمی اللہ سے لمبی لمبی امیدیں وابستہ رکھے تو مضائقہ نہیں بلکہ محمود ہے کقولہ تعالیٰ طوبیٰ لمن طال عمرہ... الخ۔
لغات: قصر الال امید کو چھوٹا کرنا ضرمتہ (ضاد پر زبر اور راء کے سکون اور زبر کے ساتھ) وہ شعلہ اور چنگاری جو ماچس جلاتے وقت ایک دم چمک کر بجھ جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ فِتْنَةَ هَذِهِ الْأُمَّةِ فِي الْمَالِ

باب ۲۳: اس امت کا خاص فتنہ مال ہے

(۲۵۸) إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ.

ترجمہ: حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہر امت کی مخصوص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی مخصوص آزمائش مال ہے۔

تشریح: اور گزشتہ امتوں کی آزمائش مختلف طرح سے کی گئی ہے، اور اس امت کی آزمائش مال و منال کے ذریعہ کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خوب مال عنایت فرمایا ہے، وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ امت مال کس طرح حاصل کرتی ہے، اور کس طرح خرچ کرتی ہے؟ پس مسلمانوں کو مال کی تحصیل میں اور صرف میں بہت زیادہ محتاط رہنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مال ہمارے لئے وبال جان بن جائے۔

مال فتنہ کس طرح ہے؟ آپ ﷺ نے اس امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ مال ارشاد فرمایا ہے درحقیقت کوئی شخص بھی مال سے بے نیاز نہیں اگر مال حاصل ہو جائے تو اس کی آفات سے محفوظ رہنا دشوار بھی ہے اور اگر مال نہ ہو تو فقر ہے جو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے لہذا مال کے دو پہلو ہوئے خیر و شر اور ان دونوں پہلوؤں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے اس کو فتنہ و ابتلاء سے تعبیر کیا گیا ہے قال تعالیٰ: ﴿أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (الانفال: ۲۸)

بَابُ مَا جَاءَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانٍ مِنْ مَالٍ لَا يَبْتَغِي ثَابِتًا

باب ۲۴: دولت کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی

(۲۲۵۹) لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانٍ مِنْ ذَهَبٍ لَا حُبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ ثَالِثٌ وَلَا يَمْلَأُ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر آدمی کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس دوسری بھی ہو اس کا پیٹ مٹی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔
مال و دولت کی محبت فطری ہے، مگر حد سے بڑھی ہوئی محبت پسندیدہ نہیں، انسان کا حال یہ ہے کہ اگر دولت سے گھر بھر جائے تو بھی اس کا دل قانع نہیں ہوتا، وہ اس میں اضافہ چاہتا ہے اور زندگی کے آخری سانس تک اس کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، بس قبر میں جا کر ہی اس کو ننانوے کے پھیر سے چھٹکارا ملتا ہے۔

البتہ جو بندے دولت کے بجائے اپنے دل کا رخ اللہ کی طرف پھیر دیتے ہیں اور اس سے لو لگا لیتے ہیں ان پر اللہ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو غنائے نفس کی دولت عطا فرماتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ قَلْبُ الشَّيْخِ شَابٍ عَلَى حُبِّ اثْنَتَيْنِ

باب ۲۵: بوڑھے کا دل دو باتوں میں جوان ہوتا ہے

(۲۲۶۰) قَلْبُ الشَّيْخِ شَابٌ عَلَى حُبِّ اثْنَتَيْنِ طَوِيلِ الْحَيَاةِ وَكَثْرَةِ الْمَالِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے دو چیزوں کی محبت میں بوڑھے شخص کا دل بھی (ہمیشہ جوان) رہتا ہے ایک لمبی زندگی اور دوسرا مال زیادہ ہونا۔

(۲۲۶۱) يَهْرُمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَتَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو طرح کی حرص اس میں جوان رہتی ہے ایک (لمبی) زندگی کی اور دوسرا مال کی۔

تشریح: تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب زندگی تمام ہونے آتی ہے، اور عقل کمزور پڑ جاتی ہے، تو دو خواہشیں ابھرتی ہیں: ایک مال کی زیادتی کی خواہش، دوسری: بہت دنوں تک زندہ رہنے کی خواہش۔ لیکن یہ حال عوام کا ہے، جن بندوں نے اپنے نفس کی تربیت کر لی ہے، ان کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے، ان میں مال و منال کی محبت اور زندگی کی آرزو کی جگہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ، اور آخرت کی نعمتوں کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے، اور مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الزَّهَادَةِ فِي الدُّنْيَا

باب ۲۶: دنیا سے بے رغبتی کا بیان

(۲۲۶۲) الزَّهَادَةُ الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَائِلِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ وَلَكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْ تَتَّقِيَ فِي يَدِ اللَّهِ وَأَنْ تَكُونَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيبَةِ إِذَا آتَتْ أَصِيبَتْ بِهَا أَرْغَبَ فِيهَا لَوْ أَنَّهَا أَبْقِيَتْ لَكَ.

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں دنیا سے بے رغبتی سے مراد یہ نہیں ہے حلال چیز کو حرام قرار دے دیا جائے مال کو ضائع کر دیا جائے بلکہ دنیا سے بے رغبتی یہ ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جب تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہو تو تم اس کے ثواب میں زیادہ رغبت رکھو اور یہ خواہش ہو کہ یہ میرے لیے باقی رہتی (یعنی مجھے مسلسل اس کا اجر ملتا رہتا)۔

(۲۲۶۳) لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هَذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ وَجُلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءُ.

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ابن آدم کو صرف انہی چیزوں کا حق ہے ایک گھر جس میں وہ رہتا ہو ایک لباس جس کے ذریعے وہ اپنی شرمگاہ کو ڈھانپتا ہو صرف روٹی اور پانی۔

باب ۲۸

(۲۲۶۴) أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ (أَلْهَاكُمْ التَّكَاثُرُ) قَالَ يَقُولُ ابْنُ آدَمَ مَا لِي مَالِي وَهَلْ لَكَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ أَوْ أَكَلْتَ فَأَفْتَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ.

ترجمہ: مطرف اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ یہ پڑھ رہے تھے۔ کثرت تمہیں غافل کر دے گی۔ راوی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آدم کا بیٹا میرا مال میرا مال کہتا رہتا ہے تمہارا مال تو درحقیقت صرف وہی ہے جسے تم صدقہ کر کے آگے بھیج دو یا کھا کر فنا کر دو یا پہن کر پرانا کر دو۔

باب ۲۹

(۲۲۶۵) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّ تَبَذُّلَ الْفَضْلِ خَيْرٌ لَكَ وَإِنْ تُمْسِكُهُ شَرٌّ لَكَ وَلَا تَلَامُ عَلَى كَفَافٍ وَأَبْدًا يَمْنَنُ تَعُولُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اے آدم کے بیٹے تمہارا اضافی مال کو خرچ کر دینا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور تمہارا اسے اپنے پاس روک کر رکھنا تمہارے لیے برا ہے البتہ ضرورت کے مطابق مال اپنے پاس رکھنے پر تمہیں

ملا مت نہیں کی جائے گی اور خرچ کرتے ہوئے تم اپنے زیر کفالت لوگوں سے آغاز کرو اور پروالا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

باب ۳۰

(۲۲۶۶) لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرِزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسے اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق عطا کیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے وہ صبح کے وقت خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کے وقت بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔

(۲۲۶۷) كَانَ أَخَوَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ ﷺ وَالْآخَرُ يَخْتَرِفُ فَشَكَا الْمَخْتَرِفُ أَخَاهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں دو بھائی تھے ان میں سے ایک نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور دوسرا محنت مزدوری کرتا تھا محنت کرنے والے نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے بھائی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ہو سکتا ہے تمہیں بھی اسی کی وجہ سے رزق ملتا ہے۔

(۲۲۶۸) مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ أَمِنًا فِي سِرِّهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ عِنْدَهُ قُوَّةٌ يَوْمَهُ فَكَأَنَّمَا حَيَّرَتْ لَهُ الدُّنْيَا.

ترجمہ: سلمہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں جنہیں نبی اکرم ﷺ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے وہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ وہ خوشحال ہو جسمانی طور پر تندرست ہو اس کے پاس اس دن کی خوراک موجود ہو تو گویا اس کے لیے دنیا سمیٹ دی گئی۔

تشریح: حدیث ①: کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندوں کو اس دنیا میں عافیت اور راحت کے بجائے تکلیف اور مصیبت کی تمنا کرنی چاہئے، کیونکہ دوسری حدیثوں میں ان کی ممانعت آئی ہے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کو ہمیشہ تاکید کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیریت طلب کریں، اور خود آپ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا۔ بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف پہنچے تو پھر زہد (دنیا سے بے رغبتی) کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جو اجر و ثواب ملے گا وہ آخرت کی چیز ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور مصیبت نہ پہنچنا عافیت اور راحت ہے، اور وہ اس دنیا کی چیز ہے اور وہ چند روزہ ہے، پس مومن کو باقی رہنے والی چیز میں راغب ہونا چاہئے، فانی کی حرص نہیں کرنی چاہئے۔

حدیث ②: نبی ﷺ نے فرمایا: انسان کے لئے ان تین باتوں کے علاوہ میں کوئی حق نہیں: (۱) ایسا گھر جس میں سکونت پذیر ہو۔ (۲) اور ایسا کپڑا جس سے ستر پوشی کرے (۳) اور روکھی (بے سالن) روٹی اور پانی۔

تشریح: یہ تین چیزیں انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں:

حدیث ③: حدیث میں چار ہدایتیں ہیں:

(۱) فضل یعنی زائد از حاجت مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا انسان کے لئے مفید ہے، اور اس کو روک رکھنا یعنی ضرورت کی جگہ میں بھی خرچ نہ کرنا مضر ہے۔

(۲) بقدر ضرورت روزی جمع رکھنے پر کوئی ملامت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جمع شدہ مال ہی میں زکوٰۃ فرض کی ہے۔

(۳) خرچ کرنے میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اہم مصارف میں پہلے خرچ کرے، پھر جو بچے وہ درجہ بدرجہ دوسری جگہوں میں خرچ کرے۔

(۴) اور خرچ کر کے بالکل خالی ہاتھ نہ ہو جائے ورنہ لوگوں کے سامنے پسارنا پڑے گا۔ جبکہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، پس انسان کو ہمیشہ دینے کی پوزیشن میں رہنا چاہئے، مانگنے کی حالت میں نہیں پہنچ جانا چاہئے۔

لعنات: خماص: خالی پیٹ: خمیص کی جمع ہے، خمیص البطن: بھوکا۔۔۔ بطن: پیٹ بھرا، شکم سیر۔ غذا یغذو غدوا: صبح کو جانا۔ راح یروح رواحاً: شام کے وقت واپس آنا۔

حدیث ④: بخاری شریف کی حدیث میں ہے: هل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم: نہیں مدد کئے جاتے تم اور نہیں روزی دیئے جاتے تم مگر تمہارے کمزوروں کی وجہ سے، اس حدیث میں بھی نبی ﷺ نے یہی بات فرمائی ہے کہ ممکن ہے تجھے تیرے خستہ حال بھائی کی برکت سے روزی مل رہی ہو، پس تجھے اس کی کفالت کرنی چاہئے، کیونکہ وہ دین کے کام میں لگا ہوا ہے، اور پڑھنے میں مشغول ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْكَفَافِ وَالصَّبْرِ عَلَيْهِ

باب ۳۱: بقدر ضرورت روزی پر صبر کرنا

(۲۲۶۹) إِنْ أَغْبَطَ أَوْلِيَائِي عِنْدِي لَمُؤْمِنٍ خَفِيفُ الْحَازِ ذُو حَظٍّ مِّنَ الصَّلَاةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِأَلْسَابِيعٍ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ نَقَرَ بِبَيْدِهِ فَقَالَ تَجَلَّتْ مَنِئِيَّتُهُ قُلْتُ بَوَا كَيْفَهُ قُلْتُ تَرَاتُّهُ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میرے دوستوں میں سب سے زیادہ قابل رشک وہ شخص ہے جس کے پاس مال کم ہو نماز میں اس کا حصہ زیادہ ہو وہ اپنے پروردگار کی اچھی طرح عبادت کرتا ہو اور خفیہ طور پر بھی اس کی فرمانبرداری ہی کرتا ہو اس کا رزق اس کی ضروریات کے مطابق ہو اور وہ اس پر صبر سے کام لیتا ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک زمین پر مارتے ہوئے فرمایا اس کو موت جلدی آ جائے اور اس پر رونے والے کم ہوں اس کے وارث کم ہوں۔

(۲۲۷۰) عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا قُلْتُ لَا يَأْتِ وَلَكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا وَقَالَ ثَلَاثًا أَوْ نَحْوَ هَذَا فَإِذَا جُعْتُ تَصَرَّ عَنِّيكَ وَذَكَرْتُكَ وَإِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُكَ وَحَمِدْتُكَ.

ترجمہ: اسی سند کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی منقول ہے۔ میرے پروردگار نے میرے سامنے یہ پیش کش کی کہ مکہ کا میدانی علاقہ میرے لیے سونا بن جائے تو میں نے عرض کی نہیں اے میرے پروردگار بلکہ میں ایک دن پیٹ بھر کر رہوں اور ایک دن بھوکا رہوں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) تین دنوں کے بارے میں آپ نے ایسا کہا یا اسی کی مانند کوئی اور بات ارشاد فرمائی (پھر فرمایا) جب میں بھوکا ہوں تو تیری بارگاہ میں گریہ وزاری کروں اور تیرا ذکر کروں اور جب میں شکم سیر ہوں تو تیرا شکر ادا کروں اور تیری حمد بیان کروں۔

(۲۲۷۱) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا وَقَتَّعَهُ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اسے ضروریات کے مطابق رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قناعت عطا کی۔

(۲۲۷۲) طُوبَى لِمَنْ هَدَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَتَّعَ.

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس شخص کے لیے بشارت ہے جسے اسلام کی طرف رہنمائی دی گئی اور اس کی زندگی اس کی ضروریات کے مطابق ہو اور وہ اس پر قناعت کرے۔
تشریح: یہ ایک جزوی فضیلت ہے: اس حدیث میں کفاف کے اعلیٰ فرد کا بیان ہے، اس سے اوپر کفاف کا کوئی درجہ نہیں۔ نبی ﷺ نے اس کو اپنے لئے پسند فرمایا ہے، اور یہی فقر اختیاری ہے، جو نہایت پسندیدہ حالت ہے۔

لغات: اغبط: اسم تفضیل: بہت زیادہ قابل رشک، غبط فلانا یغبطہ (ض) غبطا: رشک کرنا، کسی کی خوشحالی دیکھ کر اس کے زوال کی تمنا کئے بغیر اپنے لئے اس حلت کی آرزو کرنا۔ الحاذ: پیٹھ، خفیف الحاذ: ہلکی پیٹھ یعنی جس کی پیٹھ اہل و عیال کی ذمہ داریوں سے بوجھل نہ ہو، کم مال اور چھوٹے کنبے والا۔ غامض: گمنام، غمض الشئ یغمض (ن) غموضًا: پوشیدہ ہونا، غیر واضح ہونا۔ لایشار الیہ بالا صابغ: غامضًا کی تفسیر ہے۔ الکفاف: بقدر ضرورت روزی۔ نقر (ن) نقرًا الشیء بالشیء: ایک چیز کو دوسری چیز پر مارنا۔ نبی ﷺ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر اس طرح مارا جیسے ہاتھ جھاڑتے ہیں نقر کے معنی: چٹکی بجانا بھی ہیں، مگر یہاں یہ معنی نہیں، کیونکہ حدیث میں بید یہ ہے اور چٹکی دو انگلیوں سے بجائی جاتی ہے دو ہاتھوں سے نہیں بجائی جاتی۔ عجل جلدی کرنا۔ منیۃ: موت، جمع: منایا۔ بواکی: رونے والیاں، باکیۃ کی جمع۔۔ تراث: میراث۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفَقْرِ

باب ۳۲: ناداری کی فضیلت

(۲۲۷۳) قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَاللَّهِ إِنِّي لَا حِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَاذَا تَقُولُ قَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَا حِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَاذَا تَقُولُ قَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَا حِبُّكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِي فَأَعِدِّ لِلْفَقْرِ تَجْفَافًا فَإِنَّ

الْفَقْرَ أَسْرَعَ إِلَى مَنْ يُجِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مفضل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تم اس بات کا جائزہ لو جو کہ تم کہہ رہے ہو اس نے عرض کی اللہ کی قسم میں آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں یہ بات اس نے تین مرتبہ کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو غریب رہنے کے لیے تیار رہو کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے غربت اس کی طرف اس سے زیادہ تیزی سے آتی ہے جتنی تیزی سے سیلابی پانی اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔

تشریح: بحث فضل فقر و غنی؟

یہاں سے مصنف رحمہ اللہ متعدد ابواب فضیلت فقر کے بارے میں قائم فرما رہے ہیں جن میں مختلف روایات ذکر فرما کر فقر کی فضیلت کو ثابت فرما رہے ہیں ان کے علاوہ کثیر روایات اور ہیں جن سے فقر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نیز آیات شریفہ بھی اس بارے میں کثیر نازل ہوئی ہیں بہر حال نصوص سے فقر کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے بالمقابل طاعن شا کر کی فضیلت بھی کثیر روایات میں وارد ہے ان نصوص کے اختلاف کی بناء پر اہل علم میں قدرے اختلاف ہے بعض نے غنا کو افضل کہا اور بعض نے فقر کو اور بعض نے فرمایا اختلاف اشخاص کے اعتبار سے فضیلت ہوگی بعض نے فرمایا کفاف کا درجہ افضل ہے بعض نے توقف فرمایا ہے۔

قول فیصل: اس سلسلہ میں حق بات یہ ہے کہ دنیا میں اصل مقصد یہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اور اس کے ساتھ انس ہو اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب بندے کو اللہ کی معرفت سے مانع جس طرح مال ہوتا ہے اسی طرح فقر بھی مانع ہوتا ہے اصل مانع دنیا کی محبت ہے اس کا اجماع محبت الہی کے ساتھ ممکن نہیں جس کے دل میں جس چیز کی محبت ہوتی ہے وہ اس میں مشغول رہتا ہے خواہ اس کے فراق میں مبتلا ہو یا وصال میں پھر بعض لوگ فراق میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں اور بعض وصال میں یہ لوگوں کے رجحانات و حالات کے اختلاف پر مبنی ہے۔ لہذا اگر فقر مانع معرفت ہے تو اس کو کس طرح فضیلت ہوگی غنی پر، اور غنی مانع ہے تو وہ یقیناً فقر سے افضل نہیں ہو سکتی لہذا فقیر حریص اور غنی حریص دونوں برابر ہیں، اس طرح فقیر قانع اور غنی شا کر بحیثیت تعلق مع اللہ دونوں برابر ہیں اسی وجہ سے بعض حضرات نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔

الحاصل: فقر و غنا کے باہم افضل ہونے نہ ہونے کا مدار تعلق مع اللہ پر ہے۔ البتہ اکثر و بیشتر غنا و شواغل کا ذریعہ زیادہ بنتی ہے بہ نسبت فقر کے اس وجہ سے مجموعی اعتبار سے اگر فقر کو افضل قرار دیا جائے تو یہ زیادہ درست ہوگا۔

(نقل انظر ما تقول) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اے شخص ذرا سوچ کر دعویٰ کر کہوں کہ تیری محبت دو حال سے خالی نہیں یا تو اضطراری ہے یا اختیاری۔ اگر اضطراری اور بلا کسی تیرے اختیار کے ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر لوازم محبت کا ترتیب ضرور ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے اذا ثبت الشیء ثبت بلوازمہ اور لوازم محبت میں سے یہ ہے کہ ہماری طرح تجھ کو مسلسل فقر لاحق ہوگا تو اپنے نفس کو اس کے لئے تیار کر لے اور اگر تیرا یہ دعویٰ بتکلف ہے تو ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ محبت جو تیرے اختیار میں ہے ترقی کرتے کرتے غیر اختیاری ہو جائیگا تو پھر اس محبت پر وہی آثار مرتب ہوں گے شدائد و مصائب کا شکار ہوگا بالخصوص مسلسل فقر تیری طرف

دوڑے گا لہذا تو اپنے نفس کو تیار کر لے کہ فقر کو مسلسل برداشت کرے تو غور کر اور اس وجہ محبت کے لئے تکلف نہ کر گویا آپ کا یہ ارشاد اس شخص کو بطور ترحم ہے۔ فان الانبياء اشد بلاء الامثل فالامثل.

لغات: اعد: فعل امر، آمادہ کرنا، التجفاف: (بفتح التاء وکسرھا) پاکھر: آہنی پوشاک، جو لڑائی کے وقت ہاتھی گھوڑے وغیرہ کو پہناتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ فَقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ

باب ۳۳: نادار مہاجرین: مالدار مہاجرین سے پہلے جنت میں جائیں گے

(۲۲۷۴) فَقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ بِخَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا غریب مہاجرین خوشحال مہاجرین سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۲۲۷۵) اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مُسْكِينًا وَأَمِتْنِي مُسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَمَّا يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّهُمْ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا يَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَا تَرُدِّي الْمَسْكِينِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ يَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَحْيِي الْمَسَاكِينَ وَقَرِّبِيهِمْ فَإِنَّ اللَّهَ يُقَرِّبُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے دعا کی۔ اے اللہ مجھے (ظاہری طور پر) غریب حالت میں زندہ رکھ اور اسی حالت میں موت دینا اور مجھے قیامت کے دن غریبوں کے ساتھ زندہ کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کرنے پر کیا وہ کس وجہ سے؟ یا رسول اللہ ﷺ! نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ اس لیے کہ یہ لوگ خوشحال لوگوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم کسی مسکین کو واپس نہ بھیجنا خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہو (تم وہ ہی اسے دے دینا) اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم غریبوں سے محبت رکھنا انہیں اپنے قریب رکھنا اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن اپنے قریب رکھے گا۔

(۲۲۷۶) يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَهُوَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے غریب مسلمان خوشحال مسلمانوں سے (قیامت کے) نصف دن جو پانچ سو سال کا ہوگا پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۲۲۷۸) يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے غریب مسلمان جنت میں خوشحال مسلمانوں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے۔

تشریح: ان مذکورہ روایات سے فقراء اور مساکین کی فضیلت اغنیاء کے مقابلہ میں معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب وہ دنیا

میں نعمتوں سے محروم رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا اغنیاء سے پہلے وہاں کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ کہا قال تعالیٰ: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَذِهِ مَا آسَفْتُمُ فِي الْآيَاتِ الْخَالِيَةِ﴾ (الحاقہ: ۲۴)

اعتراض: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے چالیس سال قبل داخل ہوں گے اور بعض سے پانچ سو سال قبل فکیف التطبيق اس کے علماء نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

جواب ①: اعداد مذکورہ فی الروایات سے تحدید مقصود نہیں ہے بلکہ تکثیر مقصود ہے یعنی یہ بیان کرنا ہے کہ اغنیاء سے کافی زمانہ پہلے فقراء جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

جواب ②: یا یہ اختلاف عدد مراتب اشخاص کے اعتبار سے ہے کہ بعض فقراء اپنے صبر و رضا اور شکر کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ہوں گے وہ پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے اور بعض کم درجہ کے ہوں گے وہ چالیس سال قبل۔ چنانچہ جامع الاصول میں ہے کہ فقیر حریص غنی سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوگا اور فقیر زاہد غنی راغب سے پانچ سو سال قبل جنت میں جائے گا۔

اعتراض: ان روایات سے فقر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے حالانکہ آپ ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی ہے کما فی رویۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا۔
جواب: آپ ﷺ نے مطلق فقر سے پناہ نہیں مانگی بلکہ فقر ملہی سے پناہ مانگی ہے یعنی جو فقر اللہ کی یاد سے غافل کر دے اور کفر کا موجب ہو جائے یا ایسا فقر جو جزع و فزع پیدا کر دے اور جس سے الٰہی کی تقدیر سے عدم رضا معلوم ہو اور اللہ کی تقسیم پر اعتراض کا موجب ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَآهْلِهِ

باب ۳۴: نبی ﷺ اور آپ کے گھر والوں کا گزارہ

(۲۲۷۹) دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَدَعَسَتْ لِي بِطَعَامٍ وَقَالَتْ مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بَكَيْتُ قَالَ قُلْتُ لِمَ قَالَتْ أَذْكَرُ الْحَالِ الَّتِي فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدُّنْيَا وَاللَّهُ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَنَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِي يَوْمٍ.

ترجمہ: مسروق بیان کرتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا پھر انہوں نے فرمایا میں جب بھی سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں تو مجھے رونا آ جاتا ہے۔ مسروق بیان کرتے ہیں میں نے دریافت کیا وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے جواب دیا مجھے وہ حالت یاد آ جاتی ہے جس حالت میں نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے اللہ کی قسم آپ ﷺ نے کبھی بھی ایک دن میں دو مرتبہ سیر ہو کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

(۲۲۸۰) مَا شَبِعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ خُبْزٍ شَعِيرٍ يَوْمَئِذٍ مُتَتَابِعِينَ حَتَّى قُبِضَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی لگا تار دو دن تک جو کی بنی ہوئی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

(۲۲۸۱) مَا شَبِعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَآهْلُهُ ثَلَاثًا تَبَاعًا مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہل خانہ نے کبھی بھی مسلسل تین دن تک گیہوں کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۲۲۸۲) مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ خُبْزُ الشَّعِيرِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے گھر والوں کے لیے جو کی روٹی کبھی بھی ضرورت سے زیادہ نہیں ہوئی۔

(۲۲۸۳) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عِشَاءً وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزُ الشَّعِيرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی راتوں تک مسلسل بھوکے رہتے تھے کیونکہ آپ کے گھر والوں کے پاس رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا ویسے بھی عام طور پر ان کی خوراک جو کی بنی ہوئی روٹی ہوتی تھی۔

(۲۲۸۴) اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قَوْنًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے دعا کی۔ اے اللہ محمد ﷺ کے گھر والوں کو ان کی خوراک جتنا رزق عطا کر۔

(۲۲۸۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَدْخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کل کے لیے کوئی چیز سنبھال کر نہیں رکھتے تھے۔

(۲۲۸۶) مَا أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى خَوَانٍ وَلَا أَكَلَ خُبْزًا مَرَّقًا حَتَّى مَاتَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی میز پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی آپ نے کبھی نرم چپاتی کھائی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

(۲۲۸۷) أَنَّهُ قِيلَ لَهُ أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ التَّقِيَّ يَعْنِي الْخَوَازِي فَقَالَ سَهْلٌ مَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ التَّقِيَّ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ فَقِيلَ لَهُ هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ قِيلَ فَكَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِالشَّعِيرِ قَالَ كُنَّا نَنْفَعُهُ فَيَطِيرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نُتْرِيهِ فَنَنْعِجُهُ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے ان سے دریافت کیا گیا کیا نبی اکرم ﷺ نے کبھی میدے کی روٹی کھائی ہے تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے تک کبھی بھی چھنے ہوئے آنے کی روٹی نہیں کھائی ان سے دریافت کیا گیا کیا نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں آپ کے پاس چھانی نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے جواب دیا ہمارے پاس چھانی نہیں ہوتی تھی ان سے دریافت کیا گیا پھر آپ جو کا کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس پر پھونک مارتے تھے جو چیز اڑنی ہوتی تھی وہ اڑ جاتی تھی پھر ہم اس میں پانی ڈال کر اسے گوندھ لیتے تھے۔

تشریح: حضور اکرم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کا حال:

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کو بیان کیا گیا ہے آپ ﷺ نے دوروز مسلسل جوکی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اور نہ ہی گوشت اور روٹی دن میں دو مرتبہ تناول فرمائے آپ کا یہ معمول تھا کہ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ نے خوشحالی کی زندگی پر فقر و فاقہ اور تنگدستی کی زندگی کو ترجیح دی تھی اور یہ درست ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس زندگی کے آخری حصے میں مال غنیمت سے خوب مال آیا لیکن حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ اس میں بھی آپ اپنی ذات کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرتے بلکہ اللہ کی رضا کے لیے اسے تقسیم کر دیتے اور ازواج مطہرات کو سال کا خرچہ عنایت فرما دیتے اور آپ ﷺ خود ہمیشہ کی طرح خالی ہاتھ ہی رہ جاتے البتہ آپ ﷺ کے دل کے غنا میں مزید اضافہ ہو جاتا لہذا احادیث میں جو لاید خیر شیشا لغد فرمایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ذات کے لیے کچھ بھی جمع نہ فرماتے اس لیے اپنی عیال کے لیے بقدر کفایت سال کی روزی جمع کرنا اس کے منافی نہیں۔ نبی ﷺ کی ناداری تو اختیاری تھی جیسا کہ بار بار بیان کیا جا چکا ہے، اسی طرح ازواج مطہرات کی ناداری بھی اختیاری تھی، نبی ﷺ جب باغوں اور کھیتوں کی آمدنی ہوتی تھی تو ہر بیوی صاحبہ کو ان کا پورے سال کا نفقہ دے دیا کرتے تھے، مگر ازواج مطہرات اس کو مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیا کرتی تھیں، اور نادار ہو جاتی تھیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نور وایتیں ذکر کی ہیں۔

فائدہ: آل کا لفظ گھروالوں یعنی بیوی بچوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور متبعین کے لیے بھی، مگر اس حدیث میں آپ ﷺ کے گھروالے مراد ہیں، اور قوت سے مراد بس اتنی روزی ہے جس سے کام چلتا رہے، نہ تنگی ہو کہ فاقہ کی نوبت آئے اور دست سوال دراز کرنا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ آئندہ کے لیے بچ جائے، احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی اسی طرح گزرتی تھی۔

لغات: النقی: میدہ، جمع نقاء۔ الحواری: سفید کیا ہوا یعنی میدہ، حور الشوب او الدقیق: سفید کرنا۔ المنخل (بضم المیم) چھلنی، جمع مناخل، نخل الشی (ن) نخلا: چھاننا، جیسے نخل الدقیق۔ ففی ثری الشی: پانی چھڑکنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ أَصْحَابِ ﷺ

باب ۳۵: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزارہ

(۲۲۸۸) قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ إِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ أَهْرَاقَ دَمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَهِلَ بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَقَدْ أَيْتَنِي أَغْزُوفِي الْعَصَابَةِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَا نَأْكُلُ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْجُبْلَةَ حَتَّىٰ إِنَّا أَحَدًا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيرُ وَأَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ يُعَزِّرُونِي فِي الدِّينِ لَقَدْ خَبْتُ إِذْنًا وَضَلَّ عَمَلِي.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں (دشمن کا) خون بہایا اور میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پھینکا مجھے اپنے بارے میں اچھی طرح یاد ہے نبی اکرم ﷺ کے

کچھ اصحاب کے ہمراہ میں ایک جنگ میں شریک ہوا ہم لوگ صرف درختوں کے پتے اور خاردار جھاڑیوں کے پھل کھا کر گزارا کیا کرتے تھے اور ہم میں سے ہر شخص اسی طرح پاخانہ کرتا تھا جیسے بکری یا اونٹ میٹنی کرتے ہیں اب اگر بنو اسد قبیلے سے تعلق رکھنے والے لوگ دین کے حوالے سے مجھ پر اعتراض کریں تو پھر میں تو رسوا ہو گیا اور میرا عمل ضائع ہو گیا۔

(۲۲۸۹) يَقُولُ إِنِّي أَوَّلُ رَجُلٍ مِّنَ الْعَرَبِ رَحَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا الْحُبْلَةُ وَهَذَا السَّمَرُ حَتَّىٰ إِنَّا أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ يُعْزِرُونِي فِي الدِّينِ لَقَدْ خَبِثْتُ إِذَا وَضَلَّ عَمَلِي.

ترجمہ: قیس بیان کرتے ہیں میں نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے میں عربوں میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پھینکا تھا مجھے اپنے بارے میں یہ بات اچھی طرح یاد ہے ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک جنگ میں شریک ہوئے ہماری خوراک صرف درختوں کے پتے تھے اور خاردار درختوں کے پھل تھے یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص اس طرح پاخانہ کرتا تھا جیسے بکری میٹنی کرتی ہے اب اگر بنو اسد دین کے حوالے سے مجھ پر اعتراض کریں تو پھر تو میں خسارے کا شکار ہو گیا اور میرا عمل ضائع ہو گیا۔

(۲۲۹۰) قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُشَقَّانِ مِنْ كَثَانٍ فَتَمَخَّطُ فِي أَحَدِهِمَا ثُمَّ قَالَ نَحْ نَحْ يَتَمَخَّطُ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي الْكَثَانِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَا خَيْرَ قِيمَا بَيْنَ مَنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَحَجَرَةٍ عَائِشَةَ مِنَ الْجُوعِ مَغْشِيًّا عَلَىٰ فَيْجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَىٰ عُنُقِي يَزِي أَنِّي الْجُنُونُ وَمَا بِي جُنُونٌ وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوعُ.

ترجمہ: محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں ہم لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے انہوں نے سرخ رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے انہوں نے اس میں سے ایک کپڑے کے ذریعے ناک صاف کیا اور پھر بولے بہت اچھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت اچھے تم اس کپڑے سے ناک صاف کر رہے ہو ایک وہ زمانہ تھا جب میں نبی اکرم ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو کر گر گیا تھا اور گزرنے والے شخص یہ سوچ کر میری گردن پر پاؤں رکھنے لگے شاید مجھے جنون لاحق ہو گیا ہے حالانکہ بھوک کی وجہ سے میری یہ حالت تھی۔

(۲۲۹۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى بِالنَّاسِ يُخْرِجُ رَجُلًا مِّنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الْخِصَاصَةِ وَهُمْ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ حَتَّىٰ يَقُولَ الْأَعْرَابُ هَؤُلَاءِ هَجَائِدُنْ أَوْ هَجَانُونَ فَإِذَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ لَا حَبَبَتْكُمْ أَنْ تَزْدَادُوا فَاقَةً وَحَاجَةً قَالَ فَضَالَةٌ وَأَنَا يَوْمَ مَعِدٍ مَّعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو آپ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ بھوک کی شدت کی وجہ سے گر جاتے تھے یہ اصحاب صفہ تھے یہاں تک کہ دیہاتی لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ شاید پاگل ہیں جب نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا کر لی اور آپ ﷺ نے ان کی طرف رخ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں یہ پتہ چل جائے

کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہاری کیا حیثیت ہے تو تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تمہارے فاقے میں اور ضروریات میں مزید اضافہ ہو۔
حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ان دنوں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔

(۲۲۹۲) خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيهَا أَحَدٌ فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ خَرَجْتُ أَلْقَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَأَنْظُرُ فِي وَجْهِهِ وَالتَّسْلِيمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ قَالَ الْجُوعُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَأَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذَلِكَ فَاذْطَلِقُوا إِلَى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيَّهَانِ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ رَجُلًا كَثِيرَ التَّغْلِ وَالشَّاءِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خَدَمٌ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَقَالُوا لِامْرَأَتِهِ أَيْنَ صَاحِبُكَ فَقَالَتْ انْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَاءَ وَلَمْ يَلْبَثُوا أَنْ جَاءَ أَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَزْعُمُهَا فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ ﷺ وَيَقْدِيهِ بِأَيْمِهِ وَأُمِّهِ ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى حِدِيقَتِهِ فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى تَحْلَةٍ فَجَاءَ بِقَنُوبٍ فَوَضَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَفَلَا تَنْقِيتُ لَنَا مِنْ رُطْبِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوا أَوْ قَالَ تَخَيَّرُوا مِنْ رُطْبِهِ وَبُسْرِهِ فَأَكْلُوا وَشَرِبُوا مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَذَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مِنَ التَّعْيِمِ الَّذِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَرُطْبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ فَاذْطَلِقُوا أَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَذْبَحَنَّ ذَاتَ دَرَفٍ فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَّا قَا أَوْ جَدِيًّا فَأَتَاهُمُ بِهَا فَأَكَلُوا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَإِذَا أَتَانَا سَبِي فَأَتِنَا فَأَتَى النَّبِيُّ ﷺ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اخْتَرِ مِنْهُمَا قَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ اخْتَرْنِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هَذَا فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا فَاذْطَلِقُوا أَبُو الْهَيْثَمِ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ امْرَأَتُهُ مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا أَنْ تُعْتِقَهُ قَالَ هُوَ عَتِيقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيفَةً إِلَّا وَلَهُ بَطَانَتَانِ بَطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَبَطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا وَمَنْ يُؤَقِّ بَطَانَةَ الشُّوءِ فَقَدْ وُقِيَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ایسے وقت میں گھر سے باہر تشریف لائے جس میں عام طور پر آپ ﷺ تشریف نہیں لاتے تھے اور ان اوقات میں کوئی آپ ﷺ سے ملاقات بھی نہیں کرتا تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا اے ابو بکر تم کس وجہ سے گھر سے باہر ہو انہوں نے عرض کی میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے اور ان کی زیارت کے لیے اور انہیں سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کچھ دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے آپ ﷺ نے دریافت کیا عمر تم کس وجہ سے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بھی بھوک محسوس ہو رہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں پھر یہ حضرات حضرت ابوشیم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے ان صاحب کے کھجوروں کے باغات تھے اور بکریاں بھی تھیں تاہم ان کا کوئی خادم نہیں تھا ان حضرات نے ان صاحب کو گھر نہیں پایا تو ان کی اہلیہ

سے دریافت کیا تمہارے میاں کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں تھوڑی دیر بعد حضرت ابو یوسفؒ نے انہوں نے ایک مشکیزہ اٹھایا ہوا تھا انہوں نے اس مشکیزے کو رکھا اور آ کر نبی اکرم ﷺ سے گلے ملے اور اپنے ماں باپ کو ان پر فدا کرنے لگے پھر وہ ان حضرات کو لے کر اپنے باغ میں گئے ان کے لیے چٹائی بچھائی پھر وہ ایک کھجور کے درخت کی طرف بڑھے اور وہاں سے کھجور کا ایک خوشہ لا کر آپ ﷺ کے آگے رکھ دیا آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اس میں سے چن کر تازہ کھجوریں کیوں نہیں لیں انہوں نے عرض کی میں اس وجہ سے تازہ اور نیم پختہ کھجوریں لایا ہوں تاکہ آپ ﷺ جو چاہیں وہ کھالیں ان حضرات نے کھجوریں کھائیں میٹھا پانی پیا آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یہ ان نعمتوں میں شامل ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے گا ٹھنڈا سایہ پاکیزہ کھجوریں ٹھنڈا پانی۔

راوی بیان کرتے ہیں پھر حضرت یثیم چلے گئے تاکہ ان حضرات کے لیے کھانا تیار کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم ہمارے لیے دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا پھر حضرت ابو یثیم نے ان حضرات کے لیے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اسے تیار کر کے ان کے پاس لائے تو ان حضرات نے اسے کھالیا آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہارے پاس کوئی خادم ہے انہوں نے عرض کی نہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب ہمارے پاس قیدی آئیں گے تو تم ہمارے پاس آنا پھر (کچھ عرصے بعد) آپ ﷺ کی خدمت میں دو قیدی پیش کئے گئے ان کے ساتھ کوئی تیسرا قیدی نہیں تھا تو حضرت ابو یثیم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تم ان دونوں میں سے جسے چاہو اختیار کرو انہوں نے عرض کی اے اللہ کے نبی آپ ﷺ میرے لیے جسے چاہیں اختیار کر لیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے تم اسے لے لو کیونکہ میں نے اسے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے بارے میں بھلائی کی تلقین کو قبول کرو۔

راوی بیان کرتے ہیں حضرت ابو یثیمؒ اپنی اہلیہ کے پاس گئے اور انہیں نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے بارے میں بتایا تو ان کی اہلیہ نے کہا آپ ﷺ نے اس کے بارے میں جو بات ارشاد فرمائی ہے آپ اس وقت تک اس پر حقیقی طور پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے جب تک اسے آزاد نہ کر دیں تو حضرت ابو یثیم نے فرمایا یہ آزاد ہے۔

(بعد میں) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس بھی نبی یا جس بھی شخص کو بھیجا اس کے ساتھ دو طرح کے رفقاء ہوتے ہیں ایک اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور دوسرا اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے تو جس شخص کو برے رفیق سے بچالیا گیا اسے (خرابی سے) بچالیا گیا۔

(۲۲۹۳) شَكُّونَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْجُوعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بَطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ فَفَرَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ حَجَرَيْنِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک حضرت ابو طلحہؓ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ہم نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے (پیٹ پر موجود) پتھر سے کپڑا اٹھایا نبی اکرم ﷺ نے کپڑا اٹھایا تو وہ دو پتھروں پر تھا۔

(۲۲۹۴) قَالَ سَمِعْتُ النَّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ أَلَسْتُ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقْلِ مَا يَمْلَأُ بِهِ بَطْنَهُ.

تَوَجَّعْتُمْ: سماک بن حرب بیان کرتے ہیں میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کیا اب تم لوگ جو چاہو وہ کھاپی نہیں سکتے؟ میں نے تمہارے نبی ﷺ کی زیارت کی ہے آپ ﷺ کے پاس کھانے کے لیے معمولی قسم کی کھجوریں اتنی بھی نہیں ہوتی تھیں جو آپ ﷺ کے پیٹ کو بھر لیں۔

تَشْرِیْح: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اسوۂ نبی پاک ﷺ کی ذات تھی، ہر صحابی آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کرتا تھا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں سات حدیثیں ذکر کی ہیں، جن سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو، جن کے والد کا نام مالک ہے اور جو بڑے درجہ کے صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، قبیلہ بنو اسد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایتیں کیں، اور یہ بھی کہا کہ وہ نماز ٹھیک سے نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً ان کو کوفہ سے طلب کر لیا، اور ان کی جگہ دوسرا گورنر مقرر کیا، پھر دو شخص حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے کہ وہ ان کو لے کر کوفہ جائیں اور کوفہ کی ہر مسجد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے لوگوں سے پوچھیں کہ ان کو کیا شکایت ہے؟ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی، صرف ایک شخص نے تین شکایتیں کیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ باتیں کہیں جو ان دو روایتوں میں ہیں کہ میں پہلے دن سے اسلام کا ساتھی ہوں، اور انتہائی تنگی کی حالت میں ہم نے دین کی خدمت کی ہے اور نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کیا ہے، پھر بھی اگر میں نے دین نہیں سیکھا اور مجھے نماز پڑھنی نہیں آئی تو میں کسی کثرت کا نہ رہا، اور میری ساری محنت رائیگاں گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں پہلے سے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اچھا لگان رکھتا تھا، مگر جب شکایت آئی تو اس کی تحقیق کرنا میرا فرض تھا۔

فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا: یعنی گرمی کی ایک دوپہر میں فاقہ کی وجہ سے نبی ﷺ کو نیند نہیں آئی، اس لئے آپ ﷺ گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے، عرب میں دوپہر میں کوئی گھر سے نہیں نکلا کرتا، دھوپ لگ جاتی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی بھوک کی وجہ سے نکلے تھے، مگر انھوں نے اظہار نہیں کیا، وہ وضع دار تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کھرا پن تھا، اس لئے انھوں نے بے تکلف عرض کر دیا۔

لَعَنَات: اهرق الماء: (باب افعال) پانی بہانا، اوپر سے ڈالنا، مجرد: هرق (ف) هرقاً کے بھی یہی معنی ہیں۔ رایتنی: میں دو ضمیریں ہیں۔ دیکھا میں نے مجھ کو جہاد کر رہا ہوں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ۔ الحبلة: لویے وغیرہ جیسی ترکاری۔ عزز فلاناً: علی فرائض الدین و احکامہ: دین کے فرائض و احکام سے واقف کرانا، اسی فعل کے معنی: مدد کرنے کے بھی ہیں: (تعزروہ و توقروہ) یعنی تم ان کی (رسول اللہ ﷺ کی) مدد کرو، اور ان کی تعظیم کرو (الف: ۹)۔ السمر: بول کا درخت۔ مشق الثوب: کپڑے کو گیسو سے رنگنا، المشق: سرخ متی (گیرو)۔ الکتان: سن سن کا ریشہ جس سے کپڑا بنایا جاتا ہے سنی کا کپڑا۔ تمخط فلان: ناک صاف کرنا، نخ یا نخ نخ: واہ واہ، شاباش۔ استعذب فلان: میٹھا پانی طلب کرنا۔ القنو: کھجور کا خوشہ۔ تنقی الشبی: چھانٹنا۔ چننا۔ البطانة: ہم راز، حدیث میں بیوی مراد ہے، کوئی اچھی بیوی ہوتی ہے جو شوہر سے ہر اچھا کام کرواتی ہے اور کوئی بری ہوتی ہے جو شوہر کو ہر برائی میں پھنساتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

باب ۳۶: مالداری دل کی بے نیازی ہے

(۲۲۹۵) لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا خوشحالی ساز و سامان زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اصل خوشحالی دل کی خوش حالی ہے۔

تشریح: یہ متفق علیہ روایت ہے، روایت کا مطلب: یہ ہے کہ غنا جس کو اردو میں بے نیازی سے تعبیر کرنا ہوگا یہ قلب کی صفت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے دیئے ہوئے پر اکتفاء کرے اور اس کی تقسیم پر راضی ہو مزید کا متلاشی نہ ہو اور کسی سے سوال نہ کرے بلکہ اپنے نفس کو یقین دلادے کہ ہمارے لئے جو اللہ نے عطا فرمایا ہے وہی مناسب ہے اور دوسرے کے پاس دنیا کی زیادتی کو دیکھ کر اس کا متمنی نہ ہو تو اصل غنا اسی کا نام ہے رہا اسباب کا کثیر ہونا یہ غنی نہیں کیونکہ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے جس کے پاس دنیا کے اسباب زیادہ ہیں وہ مزید کی تلاش میں رہتا ہے اور وہ قانع بھی نہیں ہوتا اور اس قدر پریشان رہتے ہیں کہ ان کو خواب آور گولیاں کھانی پڑتی ہیں۔ اور غریب جن کا دل بے نیاز ہوتا ہے آرام سے سوتے ہیں، اور یہاں جاننے کی بات یہ ہے کہ اگر دونوں باتیں جمع ہو جائیں یعنی مال سامان بھی ہو اور دل بھی بے نیاز ہو تو کیا کہنے!

بَابُ مَا جَاءَ فِي اخْذِ الْمَالِ بِحَقِّهِ

باب ۳۷: برحق طور پر مال حاصل کرنا

(۲۲۹۶) إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَصْرَةٌ خُلُوَّةٌ مَنْ أَصَابَهُ بِحَقِّهِ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ قِيَمًا شَاءَتْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ مَالِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَيْسَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ.

ترجمہ: حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جو حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں وہ بیان کرتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یہ مال سرسبز اور مزیدار ہے جو شخص اس مال کو اس کے حق کے ہمراہ حاصل کرے گا اس کے لیے اس میں برکت رکھی جائے گی کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مال سے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن صرف آگ ہوگی۔

تشریح: روایت کا مطلب: حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا سرسبز و شاداب ہے نہایت لذیذ اور ظاہر اچک دار اور پر رونق ہے کہ دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے اگر کسی کو یہ حاصل ہو جائے اور اس نے اس کے حقوق پورے پورے ادا کئے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتے ہیں اور اگر خواہشات نفسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے دنیا کو حاصل کیا اور جس طرح چاہا تصرف کیا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔

فائدہ: برحق طور پر مال حاصل کرنے سے مراد جائز ذرائع سے مال کمانا اور اشرف نفس کے بغیر ہدیہ لینا ہے۔ اور ناجائز ذرائع سے

مال کماتا یا لوگوں سے سوال کرنا یا اشرف کے ساتھ ہدیہ قبول کرنا ناحق طریقہ پر مال حاصل کرنا ہے۔

فیما شاءت بہ نفسہ: یعنی اس مال میں من مانی کرنا، اور بے جا تصرف کرنا۔ جو لوگ قومی خزانوں کے ذمہ دار ہوتے ہیں جیسے مدرسوں کے مہتمم، اداروں کے صدور اور حکومت کے سربراہ وہ قومی فنڈ میں بڑے غیر محتاط ہوتے ہیں، ان کے لئے قیامت کے دن دوزخ کے علاوہ کچھ نہیں۔

لعنات: خضرة: سرسبز شاداب۔ اصابہ: جو اس کو حاصل کرے متخوض یہ خوض سے ماخوذ ہے اور خوض کے معنی ہیں پانی میں چلنا اور اسے حرکت دینا اور خوض کے معنی ہیں گھسنے والا یہاں اس سے متصرف مراد ہے یعنی مال میں تصرف کرنے والا۔

باب

مال کا پجاری ملعون ہے!

(۲۲۹۷) لُعِنَ عَبْدُ الدِّينَارِ لُعِنَ عَبْدُ الدِّهْمِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے دینار کے بندے پر لعنت کی گئی ہے درہم کے بندے پر لعنت کی گئی ہے۔

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لفظ عبد فرمایا نہ کہ جامع الدینار و مالک الدینار اس سے اشارہ فرمایا کہ درہم و دینار کا جمع کرنا اور ان کا مالک ہونا مذموم نہیں بلکہ بقدر ضرورت ان کا حاصل کرنا ضروری ہے اور ان کو وقت ضرورت و ادائے حقوق کے لئے جمع کرنے میں بھی مضائقہ نہیں ہاں البتہ ان سے محبت کرنا اور ان کا حریص ہونا حرام ہے اور اللہ کی لعنت کا موجب ہے۔

مال و دولت کی بندگی یہ ہے کہ اس کی طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو جائے کہ اللہ کے احکام کی پابندی باقی نہ رہے، اور حلال و حرام کی تمیز اٹھ جائے، اور اس کے پیچھے ایسا لگ جائے کہ احکامات شرعیہ کو پس پشت ڈال دے۔ اور یہ حدیث بخاری شریف کتاب الرقاق وغیرہ میں ہے، اور اس میں اور بھی مضامین ہیں۔

باب

باب: مال و جاہ کی حرص تباہ کن ہے

(۲۲۹۸) مَا ذُئِبَانَ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں پر چھوڑ دیا جائے تو وہ انہیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا مال اور مرتبے کا لالچ آدمی کے دین کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

تشریح: جب مال اور حب جاہ آدمی کے دین کو بے حد نقصان پہنچاتے ہیں، بکریوں کے ریوڑ میں گھسے ہوئے بھیڑیے بکریوں کو اتنا

نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا یہ دو چیزیں دین کو تباہ کرتی ہیں، مال کی محبت جب چھا جاتی ہے تو آدمی جائز ناجائز کا خیال نہیں رکھتا اسی طرح جاہ و شرف کی چاہت بھی آدمی کو تباہ کر دیتی ہے، پس ان دونوں سے دامن بچانا چاہئے۔

نحوی ترکیب: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مانا فیہ مشابہ بلیس ہے ذہان اس کا اسم اور موصوف ہے جانعان پہلی صفت اور ارسلانی غنم دوسری صفت ہے اور ب اُمسد..... ما کی خبر ہے اس میں باء زائدہ ہے..... علی المال والشرف حرص سے متعلق ہے اور لدیہ نہتہ افسد سے متعلق ہے اور اس میں لام برائے بیان ہے۔

باب

باب: مؤمن کو دنیا میں کس طرح رہنا چاہئے؟

(۲۲۹۹) تَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَرُ فِي جَنْبِهِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَوْ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً فَقَالَ مَالِي وَمَالِ الدُّنْيَا مَا أَتَانِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَ كَهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ایک چٹائی پر سو گئے جب آپ ﷺ اٹھے تو اس کا نشان آپ ﷺ کے پہلو پر موجود تھا ہم نے عرض کی یا رسول اللہ اگر آپ ﷺ اپنے لیے کوئی بچھونا استعمال کر لیں (تو مناسب ہوگا) آپ ﷺ نے فرمایا میرا دنیا کے ساتھ کیا واسطہ؟ میں دنیا میں صرف ایک سوار کی طرح ہوں جو ایک درخت کے نیچے سائے میں آتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے اور اسے وہیں چھوڑ جاتا ہے۔

تشریح: کراکب الخ: وجہ تشبیہ سرعت رحیل و قلت مکث ہے۔ دراصل آپ ﷺ کی زندگی نہایت عسرت کے ساتھ گزری ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پاس بستر بھی کوئی خاص نہ ہوتا تھا بلکہ کھجور کی چھال سے بھرا ہوا بچھونا ہوتا یا صرف چٹائی جس پر آپ ﷺ آرام فرماتے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے بدن پر چٹائی کے نشانات دیکھ کر نرم بستر کی گزارش کی تو آپ ﷺ نے بے رغبتی کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ دنیا تو انسان کے لئے قرار گاہ نہیں بلکہ گزرگاہ کی طرح ہے اور گزرگاہ میں آدمی جب تھوڑی دیر ٹھہرتا ہے تو کوئی انتظام نہیں کرتا کیونکہ اس کو آگے جانا ہے۔

لغات: حصیر: چٹائی بوریا اثر: اس چٹائی نے نشان چھوڑ دیئے جب پہلو و طاء (واو کے نیچے زیر) نرم بستر آرام دب بچھونا استظل: سایہ تلاش کرنے لگے۔

باب

باب: صحبت اثر انداز ہوتی ہے

(۲۳۰۰) الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آدمی اپنے دوست کے دین (یعنی اخلاقیات) پر ہوتا

ہے اس لیے ہر شخص کو یہ چاہیے کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ اس کا دوست کون ہے تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ آدمی کو نیک اور پارسا دوست بنانا چاہیے اس لیے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا اثر ضرور لیتا ہے حریص آدمی سے دوستی ہوگی تو مزاج میں حرص ہی آئے گا اور زاہد و پرہیزگار انسان کے پاس بیٹھیں گے تو دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگی چنانچہ عربی زبان میں محاورہ ہے کہ جب کسی آدمی کے بارے میں تحقیق کرنی ہو کہ وہ کیسا ہے تو کہتے ہیں: لَا تَسْأَلُ عَنِ الْمَرْءِ وَهَلْ عَنْ قَرِينِهِ کہ اس آدمی کے بارے میں لوگوں سے نہ پوچھو بلکہ یہ سوال کرو کہ اس کے دوست کیسے ہیں اگر دوست اچھے ہوئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی اچھا ہوگا اور دوست برے ہوئے تو وہ بھی بد ہی شمار ہوگا۔

باب

باب ۳۸: اعمال ہی آخر تک ساتھ دینے والے ہیں

(۲۳۰۱) يَتَّبِعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثٌ فَيَزِجُ اثْنَانِ وَيَبْقَى وَاحِدٌ يَتَّبِعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَزِجُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں ان میں سے دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے اس کے اہل خانہ اس کا مال اور اس کا عمل ساتھ جاتے ہیں اہل خانہ اور مال واپس آ جاتے ہیں اور اس کا عمل ساتھ رہ جاتا ہے۔

تشریح: علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اتباع اہل سے مراد حقیقت ہے کہ وہ جنازہ کے پیچھے جاتے ہیں اور دفن کے بعد لوٹ کر آ جاتے ہیں رہا اتباع مال اس سے مراد یہ ہے کہ مرنے کے بعد مال کا تعلق بطور تجہیز و تکفین وغیرہ میت سے رہتا ہے جب میت کو دفن کر دیتے ہیں تو اس کا تعلق بھی میت سے بالکل ختم ہو جاتا ہے تو یہ دونوں چیزیں گویا میت کو دفن کر کے واپس ہو جاتی ہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كَثْرَةِ الْأَكْلِ

باب ۳۹: پر خوری کی ناپسندیدگی

(۲۳۰۲) مَا مَلَأَ أَدَمِيَّ وَعَاءٌ شَرًّا مِنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أَكْلَاتٌ يُقْمَنُ صَلْبُهُ فَإِنْ كَانَ لَا حَالَةَ فَثُلُثُ لِبَطْنِهِ وَثُلُثُ لَشَرِّهِ وَثُلُثُ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: حضرت مقدم بن معد کیرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے آدمی پیٹ سے زیادہ برے کسی برتن کو نہیں بھرتا آدم کے پیٹ کے لیے چند لقمے کافی ہوتے ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں اگر زیادہ ہی کھانا ہو تو (پیٹ کا) ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے ایک تہائی حصہ پانی کے لیے اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لیے رکھے۔

تشریح: علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کی اتنی مقدار تناول کرنا ضروری ہے جس سے انسان زندہ رہ سکے جس سے اس کی پشت کھڑی رہ سکے تاکہ وہ بقدر ضرورت رزق حلال کے حصول کے لیے کوشش کر سکے اور اللہ کی عبادت

بجالاتے لیکن اگر کوئی شخص اس حد تک قناعت نہ کرے بلکہ اس سے زیادہ کھانا کھانا چاہے تو اسے بھی اعتدال کو نہیں چھوڑنا چاہیے چنانچہ پیٹ کے ایک حصے کو کھانے سے بھر لے اور ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس کے لیے خالی چھوڑ دے اس حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بہت نقصانات ہیں۔

شکم تمام شہوتوں کا سرچشمہ ہے:

اولاد آدم کے لئے سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن شہوت پیٹ کی شہوت ہے اسی کی وجہ سے آدم و حواء کو جنت سے نکالا گیا حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا پیٹ ہی تمام شہوتوں کا سرچشمہ اور تمام آفتوں کا منبع و معدن ہے شہوت شکم سے شہوت کو تحریک ملتی ہے اور ان دونوں شہوتوں سے جاہ و مال کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کی زیادتی سے رعونت ایک دوسرے سے سبقت، حسد و منافرت و غرور جیسے عیوب پیدا ہوتے ہیں کینہ، عداوت و بغض کے جذبات کو تحریک ملتی ہے حتیٰ کہ آدمی نافرمانی بغاوت و تمرد پر کمر باندھتا ہے منکرات و خواہشات میں مبتلا ہوتا ہے یہ اس کو پر کرنے کے نتائج ہیں اسی وجہ سے آپ ﷺ نے معدہ کو خالی رکھنے اور کم کھانے کی بار بار ترغیب دی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَمِيتُوا الْقَلْبَ بِكَثْرَةِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ فَإِنَّ الْقَلْبَ كَالزَّرْعِ يَمُوتُ إِذَا كَثُرَ عَلَيْهِ الْمَاءُ. نِيز
ارشاد فرمایا الفکر نصف العبادة وقلة الطعام هي العبادة.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّيَاءِ وَالسَّمْعَةِ

باب ۴۰: رياء وسمعه (نیک عمل دکھانے اور سنانے) کا بیان

(۲۳۰۳) مَنْ يُرِئِ يُرِئِ اللّٰهُ بِهِ وَمَنْ يُسْمِعْ يُسْمِعِ اللّٰهُ بِهِ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَا يَزِيحُ النَّاسَ لَا يَزِيحُهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص دکھاوے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دکھاوے کو ظاہر کر دے گا جو شخص شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی (مشہور ہونے کی خواہش) کو ظاہر کر دے گا۔
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرے گا۔ حقیقت رياء: رویت سے مشتق ہے اور سمعه سماع سے رياء کے معنی اچھی عادتوں اور کاموں کا مظاہرہ کر کے لوگوں کے دلوں میں قدر و منزلت کا طالب ہونا اگر اس کا تعلق بحاسہ بصر ہے تو رياء اور اگر بحاسہ سماع ہے تو سمعه ہوگا۔ پھر رياء کاری کا ظہور بدن، ہیئت و لباس و قول و عمل اور دوست و احباب کے ذریعہ ہوتا ہے جس کی تفصیل امام غزالی نے احیاء العلوم میں بیان فرمائی ہے۔

رياء نہایت مہلک بیماری ہے:

رياء وسمعه ایسے مہلکات و آفات میں سے ہے جو نہایت مخفی مکر ہے بڑے بڑے علماء بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ احادیث و قرآن میں اس کی مذمت نہایت بلیغ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ لہذا تمام اچھے اعمال کی روح اور جان اخلاص ہے، اچھے اعمال اگر

اس جذبہ سے خالی ہوں اور انکا مقصد رضائے الہی نہ ہو بلکہ نام و نمود یا کوئی اور ایسا ہی جذبہ ہو تو اللہ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی قیمت نہیں، ان پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔

لعنات: سمعہ (سین پر پیش اور میم کے سکون کے ساتھ) شہرت۔ من یروانی: جو ریا کاری کرے گا یعنی خلافت حقیقت تقویٰ و پرہیزگاری کا اظہار کرے گا۔ من یسمع: جو اعمال سے شہرت طلب کرے گا۔ یسمع اللہ بہ: اللہ تعالیٰ اسے بری شہرت دیں گے۔ بحق و بحق: اس لفظ کا تکرار تاکید کے طور پر ہے اور باء زائدہ ہے۔ لہا حدثتہ: یہاں پر لہا الا کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں البتہ معنی ہیں صحیح اور حق بات نشخ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ خار اعلیٰ وجہہ: منہ کے بل گرتے ہوئے۔ فاسندتہ طویلا: میں نے کافی دیر انہیں سہارا دیئے رکھا۔ جائیۃ: گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی امت۔ الم اوسع علیک: کیا میں نے تمہیں خوشحال اور مالدار نہیں بنایا۔ لم ادعک: میں نے تمہیں نہیں چھوڑا۔ تسعر: (صیغہ مجہول) جہنم کو دھکایا اور بھڑکایا جائے گا۔ سیاف: شمشیر زن جلاو۔ نوف: ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ لا یبغسون: کمی نہیں کی جائے گی۔

باب

باب: دکھاوا کرنے والے قراء (علماء) کا انجام

(۲۳۰۴) أَنَّهُ دَخَلَ الْمَدِينَةَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَقَالَ مَنْ هَذَا فَقَالُوا أَبُو هُرَيْرَةَ فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتَّى قَعَدْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يَخْذِلُ النَّاسَ فَلَمَّا سَكَتَ وَخَلَا قُلْتُ لَهُ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ وَبِحَقِّ لِمَا حَدَّثْتَنِي حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَقَلْتَهُ وَعَلِمْتَهُ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَفَعَلُ لَأَحَدٍ ثَنَّاكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَقَلْتَهُ وَعَلِمْتَهُ ثُمَّ نَشَخَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً فَمَكَّثْنَا قَلِيلًا ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَفَعَلُ لَأَحَدٍ ثَنَّاكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي هَذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ ثُمَّ نَشَخَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيدَةً ثُمَّ أَفَاقَ وَ مَسَحَ وَجْهَهُ وَقَالَ أَفَعَلُ لَأَحَدٍ ثَنَّاكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَا وَهُوَ فِي هَذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ ثُمَّ نَشَخَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيدَةً ثُمَّ مَالَ خَارًا أَعْلَى وَجْهَهُ فَاسْتَدْتُهُ طَوِيلًا ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ ثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَنْزِلُ إِلَى الْعِبَادِ لِيَقْضِيَ بَيْنَهُمْ وَكُلُّ أُمَّةٍ جَائِيَةٌ فَأَوَّلُ مَنْ يَدْعُو بِهِ رَجُلٌ يَجْمَعُ الْقُرْآنَ وَرَجُلٌ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَرَجُلٌ كَفَّرَ الْهَالِ فَيَقُولُ اللَّهُ لِلْقَارِئِ أَلَمْ أُعَلِّمَكَ مَا أَنْزَلْتُ عَلَى رَسُولِي قَالَ بَلَى يَا رَبِّ قَالَ فَمَاذَا عَمِلْتَ قِيَمًا عَمِلْتَ قَالَ كُنْتُ أَقُومُ بِهِ أَنْاءَ اللَّيْلِ وَأَنْاءَ النَّهَارِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ كَذَبْتَ وَتَقُولُ الْبَلَاءُ كُفَّةً لَهُ كَذَبْتَ وَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ بَلْ أَرَدْتُ أَنْ يُقَالَ فُلَانٌ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ذَلِكَ وَيُؤْتَى بِصَاحِبِ الْهَالِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ أَلَمْ أُوسِّعْ عَلَيْكَ حَتَّى لَمْ أَدْعُكَ أَلَمْ تَحْتَاجْ إِلَى أَحَدٍ قَالَ بَلَى يَا رَبِّ قَالَ فَمَاذَا عَمِلْتَ قِيَمًا أَتَيْتُكَ قَالَ كُنْتُ أَصِلُ الرَّحِمَ وَأَتَصَدَّقُ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ كَذَبْتَ وَتَقُولُ الْبَلَاءُ كُفَّةً لَهُ كَذَبْتَ وَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ بَلْ أَرَدْتُ أَنْ يُقَالَ فُلَانٌ جَوَادٌ وَقَدْ قِيلَ ذَلِكَ وَيُؤْتَى بِالَّذِي قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ

فِيمَاذَا قُتِلَتْ فَيَقُولُ أَمَرْتُ بِالْجِهَادِ فِي سَبِيلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتَّى قُتِلْتُ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ كَذَبْتَ وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ كَذَبْتَ وَيَقُولُ اللَّهُ بَلْ أَرَدْتُ أَنْ يُقَالَ فُلَانٌ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيلَ ذَلِكَ ثُمَّ ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى رُكْبَتَيْ فَقَالَ يَا أَبَاهُزَيْرَةَ أُولَئِكَ الثَّلَاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللَّهِ تُسْعَرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ الْوَلِيدُ أَبُو عُمَيْرٍ الْمَدَائِنِيُّ فَأَخْبَرَنِي عَقْبَةُ أَنَّ شَفِيئًا هُوَ الَّذِي دَخَلَ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا قَالَ أَبُو عُمَيْرٍ وَحَدَّثَنِي الْعَلَاءِيُّ عَنْ أَبِي حَكِيمٍ أَنَّهُ كَانَ سَيِّفًا لِمُعَاوِيَةَ قَالَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ قَدْ فَعَلَ بِهَؤُلَاءِ هَذَا فَكَيْفَ يَمُنُّ بَقِي مِنَ النَّاسِ ثُمَّ بَكَى مُعَاوِيَةُ بَكَاءً شَدِيدًا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ هَالِكٌ وَقُلْنَا قَدْ جَاءَ نَاهُذَا الرَّجُلُ بِشَرٍّ ثُمَّ أَفَاقَ مُعَاوِيَةَ وَمَسَحَ عَنْ وَجْهِهِ وَقَالَ صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَتَهَا تَوَفَّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ.

ترجمہ: حضرت شفی اصبھی بیان کرتے ہیں وہ مدینہ منورہ آئے تو وہاں ایک صاحب تھے جن کے پاس لوگ اکٹھے ہوتے تھے انہوں نے دریافت کیا یہ کون صاحب ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں شفی بیان کرتے ہیں میں ان کے قریب ہو گیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا وہ لوگوں کو حدیث سنارہے تھے جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہا میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے واسطے سے ایک سوال کرتا ہوں آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیے جسے آپ نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی سنا ہو اسے سمجھا ہو اس کا علم حاصل کیا ہو تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسا کرتا ہوں میں تمہیں ایسی حدیث سناؤں گا جو نبی اکرم ﷺ نے مجھے سنائی تھی میں نے اسے سمجھا اور اس کو جان لیا (یعنی محفوظ رکھا) پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد ان کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے فرمایا میں ایسا ہی کروں گا میں تمہارے سامنے ایسی حدیث بیان کروں گا جو نبی اکرم ﷺ نے میرے سامنے اس گھر میں بیان کی تھی اس وقت میرے اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ گھر میں اور کوئی نہیں تھا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری جو زیادہ زوردار تھی اور بے ہوش ہو گئے پھر انہیں ہوش آیا تو انہوں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا میں ایسا ہی کروں گا میں تمہارے سامنے ایسی حدیث بیان کروں گا جو نبی اکرم ﷺ نے میرے سامنے بیان کی تھی اس وقت میں اور آپ ﷺ اس گھر میں موجود تھے میرے اور آپ ﷺ کے علاوہ ہمارے ساتھ اور کوئی شخص نہیں تھا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے زوردار چیخ ماری اور منہ کے بل آگے کی طرف گرنے لگے تو میں نے انہیں سہارا دیا اور کافی دیر سہارا دیئے رکھا پھر ان کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے بتایا۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہ حدیث سنائی تھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے نزول کرے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے سب لوگ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے سب سے پہلے اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے قرآن پاک جمع کیا (یعنی اس کا علم حاصل کیا) اور اس شخص کو بلایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا گیا اور اس شخص کو بلایا جائے گا جس کے پاس مال بہت زیادہ تھا اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے عالم سے فرمائے گا کیا میں نے تمہیں اس چیز کا علم نہیں دیا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی وہ جواب دے گا جی ہاں اے میرے پروردگار اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے اپنے علم پر کیا عمل کیا؟ وہ جواب دے گا میں رات دن

اس کے ساتھ مصروف رہتا تھا (یعنی اس کی تلاوت کرتا تھا یا اس کی تعلیم دیتا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم نے غلط کہا ہے فرشتے بھی اس سے کہیں گے تم نے غلط کہا ہے اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تمہارا مقصد یہ تھا یہ کہا جائے فلاں صاحب بڑے عالم ہیں تو وہ کہہ دیا گیا۔

پھر اس شخص کو لایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تمہیں کس وجہ سے قتل کیا گیا تو وہ جواب دے گا تو نے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تو میں نے جنگ میں حصہ لیا یہاں تک کہ مجھے قتل کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم نے غلط کہا ہے فرشتے بھی اس سے کہیں گے تم نے غلط کہا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارا مقصد یہ تھا یہ کہا جائے فلاں شخص کتنا بہادر ہے تو وہ کہہ دیا گیا

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) پھر آپ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ وہ تین لوگ ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ان کے ذریعے سب سے پہلے جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔
عقبہ نامی راوی بیان کرتے ہیں شفی نامی راوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اس حدیث کے بارے میں بتایا۔

ابو عثمان نامی راوی بیان کرتے ہیں علاء بن ابو حکیم نے یہ بات بیان کی ہے وہ صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جلاوتھے راوی بیان کرتے ہیں ان کے پاس ایک آدمی آیا اور انہیں اس حدیث کے بارے میں بتایا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اگر ان تینوں کے ساتھ یہ سلوک ہوگا تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ روئے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے تو ہم نے کہا یہ شخص ہمارے پاس شر لے کر آیا ہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے اپنے چہرے کو پونچھا اور بولے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے)۔ جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش و زیبائش کا طلب گار ہوگا ہم دنیا میں اس کے اعمال کا پورا بدلہ اسے دیں گے اور اس بارے میں اس کے ساتھ جو زیادتی نہیں کی جائے گی یہی وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں حصہ صرف آگ ہوگی اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ ضائع ہو جائے گا اور جو کچھ انہوں نے اعمال کئے تھے وہ باطل ہوں گے۔

(۲۳۰۵) تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ حُبِّ الْحَزَنِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا حُبُّ الْحَزَنِ قَالَ وَاِدٍ فِيْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلُّ يَوْمٍ مِّائَةً مَّرَّةً فَلَمَّا يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَمَنْ يَدْخُلُهُ قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاتُونَ بِأَعْمَالِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہ حب حزن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ جب الحزن کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی روزانہ ایک سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے عرض کی گئی اے اللہ تعالیٰ کے رسول اس میں کون داخل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا دکھاوے کے طور پر قرآن مجید پڑھنے والے لوگ۔
لغات: الحب: بڑا کنواں، گڑھا۔ الحزن (ح کا زبر اور ساکن) اسم ہے، جس کے معنی ہیں: رنج و غم، اور الحزن (بفتحین) مصدر ہے جس کے معنی ہیں: رنجیدہ اور غمگین ہونا، حدیث میں دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ اور جہنم غم کے اس میدان سے سو مرتبہ اس لئے

پناہ مانگتی ہے کہ اس میدان کا عذاب بہت سخت ہے، خود جہنم بھی اس سے پریشان ہے، اس لئے پناہ مانگتی ہے۔

باب

باب ۴۱: عمل کھل جانے پر خوش ہونا ریاء نہیں

(۲۳۰۶) قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ الرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ فَيُسِرُّهُ فَإِذَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ أَحَبَّ بِهِ ذَلِكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَهُ أَجْرَانِ أَجْرُ السِّرِّ وَأَجْرُ الْعَلَانِيَةِ.

تَوْجِيهًا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص جب کوئی عمل کرتا ہے اور اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب وہ ظاہر ہو جائے تو اسے یہ بات اچھی لگتی ہے راوی بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ایسے شخص کو دو گنا اجر ملے گا ایک چھپانے کا اجر اور ایک اس کے ظاہر ہونے کا اجر۔

تشریح: اجر السر و اجر العلانیۃ: جس طرح چھپ کر عمل کرنے میں اخلاص اور ریاء سے نجات ہے اسی طرح ظاہر کرنے میں بھی یہ فائدہ ہے کہ لوگ اتباع کریں گے اور ان میں خیر کی رغبت پیدا ہوگی کہا قال تعالیٰ: ﴿إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۷۱)

طاعات کے اظہار کا معیار:

پھر اظہار کی دو قسمیں ہیں: (۱) نفس عمل کو ظاہر کرنا۔ (۲) عمل کر کے بتلا دینا۔

نفس عمل کا اظہار: جیسے مجمع عام میں صدقہ دینا تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ صدقہ دیں اسی طرح روزہ، نماز، حج، جہاد وغیرہ اعمال ہیں لہذا اگر کسی کی نیت نفس عمل کے اظہار میں محض ترغیب ہو تو پھر اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ عمل کو ظاہر کرنے والے کی دوزمہ داریاں ہیں اول ان لوگوں کے سامنے عمل کو ظاہر کرے جن کے بارے میں یقین ہو کہ وہ اس کی اقتداء کریں گے یا گمان غالب ہو۔ دوسری یہ ہے کہ اپنے دل کی نگرانی رکھے کہ دل کے کسی گوشہ میں لدنی ریاء موجود نہ ہو۔ دوسری قسم یہ ہے کہ عمل سے فارغ ہونے کے بعد بیان کر دے کہ میں نے فلاں عمل کیا ہے یہ بھی درست ہے۔

فائدہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ بندے نے ایک عمل صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا، کوئی دوسرا جذبہ کارفرما نہیں تھا، مگر جب بارگاہ خداوندی میں قبول ہوا، تو وہ قبولیت زمین میں اتری اور لوگ اس کی تعریف کرنے لگے اور اس سے محبت کرنے لگے، پس یہ مؤمن کے لئے ایذا و انس خوشخبری ہے، یہ دکھانے اور سنانے کے لئے عمل کرنا نہیں ہے۔ اسی طرح باب کی حدیث اس صورت میں ہے جب خوش ہونا مغلوب ہو، صرف خوش ہونا عمل کا باعث نہ بن سکتا ہو، یعنی خواہ کوئی دیکھتا یا نہ دیکھتا وہ عمل ضرور کرتا، مگر اتفاقاً کسی نے دیکھ لیا تو اس کو اچھا لگا: یہ دکھانا سنانا نہیں، ریاء یہ ہے کہ کوئی دیکھے تو عمل کرے ورنہ نہ کرے۔

قول فیصل: جن اعمال کو خفیہ ادا کرنا ممکن نہ ہو مثلاً جہاد، حج، جمعہ وغیرہ ان میں سبقت کرنا اور دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے ظاہر

کرنا افضل ہے اور جو اعمال خفیہ ادا کئے جاسکتے ہیں جیسے نماز، صدقات وغیرہ ان میں اخفاء افضل ہے الا یہ کہ ترغیب مقصود ہو یا دفع عار و عیب وغیرہ ہو۔

نیز یہ بھی ممکن ہے یہاں اعجاب سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کوئی اچھی حالت پر دیکھے اتفاقاً یہ نماز پڑھ رہا تھا اس حالت میں کسی نے دیکھا اب اس نمازی کی طبیعت خوش ہو گئی کہ خدا کا شکر ہے مجھے اس نے اچھی حالت میں دیکھا تو یہ اعجاب مذموم نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من سرته حسنته سیئته فهو مؤمن یعنی یہ تو علامت ایمان ہے نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾ (یونس: ۵۸) جس سے معلوم ہوا کہ عبادات پر فرحت کا ہونا یہ اعجاب مذموم ہیں داخل نہیں ہے بلکہ اچھی خصلت ہے اور محمود ہے۔

خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لتاتموا بی ولتعلموا صلوٰتی۔ طبرانی فرماتے ہیں ابن عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے اعمال کی اقتداء کریں۔ الحاصل جہاں اعمال و طاعات میں اخفاء افضل ہے بعض مرتبہ اظہار بھی بہتر ہے۔
وقد فسر بعض اهل العلم... الخ: امام ترمذی نے روایت کا ایک محل اور نقل کیا ہے کہ بعض اہل علم نے یہ فرمایا کہ طاعات پر اطلاع اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی تعریف کرنے کو اپنے حق میں گواہی سمجھتا ہو تو اس کے حق میں یہ بہتر ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: انتم شهداء الله في الارض... الخ۔ ہاں البتہ اگر اس اطلاع و اعجاب کو وہ اپنے مقتداء بننے کا ذریعہ بنائے تو مذموم ہے اور ریاء کاری میں داخل ہے۔

بَابُ أَنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

باب ۴۲: محبت آخرت میں معیت کا ذریعہ ہے

(۲۳۰۷) جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَتَى قِيَامُ السَّاعَةِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ آتَيْنَ السَّائِلُ عَنْ قِيَامِ السَّاعَةِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَتَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا أَعَدَدْتُ لَهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا أَعَدَدْتُ لَهَا كَبِيرَ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ إِلَّا إِنِّي أُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ وَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحَبَبْتَ فَمَا رَأَيْتُ فَرَحَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَذَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب قائم ہوگی آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے جب آپ نے نماز مکمل کی تو آپ نے دریافت کیا قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کی میں ہوں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے دریافت کیا تم نے اس کے لیے تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس کے لیے کوئی زیادہ نمازیں اور روزے تیار نہیں کئے لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھے گا اور تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اسلام قبول کرنے کی خوشی کے بعد میں نے مسلمانوں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو سب سے زیادہ اس بات پر خوش ہوتے دیکھا۔

(۲۳۰۸) الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ وَلَهُ مَا اكْتَسَبَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے گا اور اسے وہی اجر ملے گا جو اس نے عمل کیا ہوگا۔

(۲۳۰۹) جَاءَ أَعْرَابِيٌّ جَهْوَرَتِي الصَّوْتِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَهَا يَلْحَقُ بِهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دیہاتی شخص آیا جس کی آواز بلند تھی اس نے دریافت کیا اے حضرت محمد ﷺ آدمی کسی قوم سے محبت رکھتا ہے حالانکہ وہ خود ان کا حصہ نہیں ہوتا تو آپ ﷺ نے فرمایا آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہو۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں: اعتراض: منازل اہل جنت تو متفاوت ہوں گی پھر معیت کس طرح حاصل ہوگی؟

جواب: معیت کا حصول کسی کے ساتھ کدی امر میں مجتمع ہونے سے متحقق ہو جاتا ہے لہذا دخول جنت میں معیت ہوگی اگرچہ درجات مختلف ہوں گے۔

فرح المسلمون بعد الاسلام الخ: یعنی اہل اسلام کو اسلام لانے کے بعد اتنی خوشی کسی اور شئی سے نہ حاصل ہوئی جس قدر آپ کے اس فرمان سے ہوئی۔ یا اسلام کی توفیق کی خوشی کے بعد کسی اور چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ محبت پر معیت مرتب فرمائی گئی اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ سے غایت درجہ محبت تھی تو ان کا حشر بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوگا اور اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں قال انك مع من احببت فقلنا ونحن كذلك قال نعم ففرحنا فرحاً شديداً صراحة واقع ہے۔

ساتھ ہونے کا یہ مطلب: نہیں ہے کہ محب اور محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، بلکہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے درجہ میں اور اپنے اپنے حال میں ہوگا، مگر ان کو ملائقات کا موقع ملے گا، درجات جنت کا تفاضل ملاقات سے مانع نہیں ہوگا۔ جیسے خادم کا اپنے مخدوم کے ساتھ اور تابع کا اپنے متبوع کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے، اور یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔ اور یہ حدیث سورۃ النساء کی آیت (۷۰، ۶۹) کے انداز پر ہے۔

بَابُ فِي حُسْنِ الظَّنِّ بِاللَّهِ تَعَالَى

باب ۴۳: اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنا

(۲۳۱۰) إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بارے میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔
تشریح: انا عند ظن عبدی بی: اس جملہ کے متعدد مطالب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) بندہ میرے بارے میں جو گمان کرتا ہے خواہ خیر کا یا شر کا میں اس کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں گویا روایت میں اس بات کی ترغیب ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ مجھ سے امید غالب رکھے بہ نسبت خوف کے نیز اللہ سے حسن ظن رکھے چنانچہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لا یؤمن احدکم الا وہو یحسن الظن باللہ۔

(۲) ممکن ہے ظن سے یہاں مراد یقین ہو اور مطلب یہ ہے کہ بندے کو جو یقین میرے بارے میں ہوتا ہے میں اس کے یقین کے مطابق رہتا ہوں مثلاً اس کا گمان ہے کہ مرنے کو بعد وہ میرے پاس حاضر ہوگا اور جو کچھ میں نے اس کے مقدر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے جس کو وہ دینے والا ہے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس سے وہ روکنے والا ہے کوئی دینے والا نہیں ہے قالہ الطیبی۔

(۳) قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ دعا مانگتے ہوئے جیسا میرے بارے میں قبولیت کا یقین ہوگا میں اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کروں گا اگر نہایت جزم و یقین قبولیت کے ساتھ دعا مانگے گا اس کی دعا ضرور قبول کروں گا چنانچہ دوسری روایت میں ادعوا اللہ و اتمم موقنوں بالا جابہ واقع ہے لہذا آدمی کو چاہئے کہ دعا مانگتے ہوئے قبولیت کا یقین رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور ان اللہ لا یخلف الہیعاد۔

(۴) علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ظن سے یقین مراد ہے معنی یہ ہیں کہ بندے کا میرے بارے میں جو یقین ہوگا میں اس کے یقین کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ دعا کرتے وقت بندے کا میرے بارے میں جیسا گمان ہوگا میں اس طرح کرتا ہوں اگر اس یقین کے ساتھ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ میری اس دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے عبادات پر اجر و ثواب عنایت فرمائیں گے تو میں اس کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہوں بشرطیکہ اس کا کھانا پینا رزق حلال سے ہو۔

خلاصہ کلام: ایمان: خوف و رجاء کی مرکب کیفیت کا نام ہے، مگر غالب رجاء رہنی چاہئے۔ زندگی میں بھی اور موت کے وقت بھی، اگر بندے کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی معمولی کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں گے تو ایسا ہی ہوگا، اور اگر وہ گمان کرتا ہے کہ اس کی خرد گیری کی جائے گی یعنی اس کی معمولی باتوں پر بھی پکڑ ہوگی تو ایسا ہی ہوگا، پھر وہ زندگی میں بھی پریشان رہے گا اور موت

کے وقت بھی رحمت سے مایوس ہوگا، اس لئے بندے کو اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا چاہئے۔

واقعہ: حجاج بن یوسف ثقفی جو بڑا ظالم حاکم گزرا ہے، جب مرض موت میں مبتلا ہوا تو اس کو سخت تکلیف سے سابقہ پڑا۔ اس کی ماں نے اس سے کہا تو نے کرتوت ہی ایسے کئے ہیں کہ تجھے سخت تکلیف ہو، ماں کی یہ بات سن کر وہ سنبھل گیا، اس نے ماں سے پوچھا: امی! بتا اگر آخرت میں میرا فیصلہ تجھے سونپ دیا جائے تو تو میرے لئے کیا فیصلہ کرے گی؟ جنت کا یا جہنم کا؟ ماں نے جواب دیا: بیٹا! میں تو جنت کا فیصلہ کروں گی، اس پر حجاج نے کہا: پس امی سن! میرا خدا مجھ پر تجھ سے زیادہ مہربان ہے! کہتے ہیں: جب اس کی یہ بات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو انھوں نے لوگوں کو منع کیا کہ حجاج کو برا مت کہو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی اس بات پر اس کی بخشش فرمادیں۔

فائدہ: قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ گناہوں پر اصرار کے ساتھ مغفرت کا امیدوار رہنا محض نادانی اور دھوکا خوردگی ہے، یہ تو مرجہ کا مذہب ہے (کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں)۔ (فتح الباری ۱۳: ۳۸۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبِرِّ وَالْإِثْمِ

باب ۴۴: نیکی اور گناہ کا بیان

(۲۳۱۱) أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے من میں کھلے اور تمہیں یہ بات ناپسند ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔
تشریح: البر: مختلف استعمالات میں مختلف معانی میں آتا ہے، مگر اس کے عام معنی نیکی کے ہیں، خواہ کوئی سی نیکی ہو۔ پس یہ ایک جامع لفظ ہے اور تمام عقائد حقہ و اعمال صالحہ کے مجموعہ پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

فائدہ: مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل حسنت کی طرف مائل ہوتا ہے اور کم از کم دوسروں کو نیکیاں کرتے دیکھ کر وہ خوش ہوتا ہے اور دل سے ان کو اچھا سمجھتا ہے اور برائیوں کو ناپسند کرتا ہے اور اس کے دل میں برائی کا ارتکاب کرنے کے باوجود اس کی قباحت دل میں رہتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُبِّ فِي اللَّهِ

باب ۴۵: اللہ کے لئے محبت کرنے کا بیان

(۲۳۱۲) قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُتَحَابُّونَ فِي جَلَالِي لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ يَغِيظُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری

ذات کی خاطر آپس میں محبت رکھنے والوں کے لیے (قیامت کے دن) نور کے منبر ہوں گے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔

(۲۳۱۳) سَبْعَةً يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللَّهِ وَرَجُلٌ كَانَ قَلْبُهُ مَعْلَقًا بِالسَّجْدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ فَاجْتَمَعَا عَلَى ذَلِكَ وَتَفَرَّقَا وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا ففَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَا لَهُ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيزُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا شاید حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات منقول ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے سات طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا خاص سایہ نصیب کرے گا اس دن جب اس کے سایہ رحمت کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا عادل حکمران وہ نوجوان جس کی نشوونما اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے ہوئی ہو وہ شخص جس کا دل ہمیشہ مسجد میں لگا رہتا ہو جب وہ وہاں سے نکلے یہاں تک کہ دوبارہ اس میں چلا جائے دو ایسے افراد جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں اس کی وجہ سے ملتے ہوں اور جدا ہوتے ہوں ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور ایک وہ شخص جسے کوئی صاحب حیثیت اور خوبصورت عورت گناہ کی دعوت دے تو وہ یہ جواب دے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور ایک وہ شخص جو کوئی صدقہ کرے تو اسے اتنا خفیہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو یہ پتہ نہ چل سکے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

تشریح: وہ خوش نصیب بندے جن کو قیامت کے دن اللہ کا سایہ نصیب ہوگا وہ سات میں منحصر نہیں، اس حدیث میں سات کا ذکر بطور مثال ہے، دیگر روایات میں ان کے علاوہ بندوں کا بھی ذکر آیا ہے، یہ بندے بڑے خوش نصیب ہیں۔ میدان محشر میں جب سب لوگ انتہائی پریشان ہونگے، یہ بندے اللہ کے سایہ میں آرام سے ہونگے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے احادیث کا تتبع کیا اور ان مذکورہ افراد کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد کا ذکر روایات میں ہے ان سب روایات کو ایک رسالہ میں جمع فرمایا جس کا نام معرفۃ الخصال الموصلة الی الظلال ہے۔

فائدہ: انسان مدنی الطبع ہے، باہمی تعلقات اس کی ناگزیر ضرورت ہے، اور تعلقات کا اعلیٰ معیار محبت ہے لوگوں میں انس و محبت ہو گی تو وہ ایک دوسرے کو نفع پہنچا سکیں گے، اس کے بغیر نہ خود دوسروں سے مانوس ہو سکتے ہیں اور نہ دوسرے اس سے مانوس ہونگے، پھر محبت کی مختلف وجوہ ہیں، اور بہتر محبت وہ ہے جو بے غرض ہو، اس لئے ضروری ہے کہ مومن کی مومن سے محبت اللہ کے لئے ہو اور اس کے احکام کے ماتحت ہو، یعنی دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا لوجہ اللہ ہو کوئی اور دنیوی غرض اس میں شامل نہ ہو۔

اعتراض: انبیاء و شہداء کے غبطہ کا کیا مطلب کیا ہے ان حضرات کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوگا اگر نہیں تو لازم آئے گا کہ متحائین فی اللہ کا درجہ ان حضرات سے بڑھ گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

جواب: یہاں مراد مسرت ہے اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء و شہداء متحائین فی اللہ کے اس درجہ کو دیکھ کر خوش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اس مرتبہ سے نوازا ہے جو خود انبیاء و شہداء کو حاصل ہے۔

جواب: اگرچہ انبیاء و شہداء کو اس درجہ سے بڑھ کر درجات حاصل ہوں گے مگر متحائین فی اللہ کے اس درجہ کو دیکھ کر وہ تمنا کریں گے

کاش یہ مرتبہ بھی ان کو حاصل ہو جائے تو کیا ہی بہت ہے جیسا کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے درجات والے کسی دوسرے درجہ کو جس کی نوعیت الگ ہے دیکھ کر خواہش کیا کرتے ہیں کہ بڑے درجات کے ساتھ کاش یہ چھوٹا درجہ جو دوسری نوع کا ہے وہ بھی ان کو حاصل ہو جائے۔

جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں اس سے مقصد مدح ہے یعنی انبیاء و شہداء متحائین فی اللہ کے اس درجہ کو دیکھ کر ان کی اس فعل پر تعریف کریں گے۔ قالہ القاری

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْلَامِ الْخُبِّ

باب ۴۶: محبت کی اطلاع دینا

(۲۳۱۴) إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ إِيَّاهُ.

ترجمہ: حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرے تو وہ اسے اس بارے میں بتادے۔

(۲۳۱۵) إِذَا أَحَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَحَسَنَ هُوَ فَإِنَّهُ أَوْصَلَ لِلْمَوَدَّةِ.

ترجمہ: حضرت یزید بن نعاصہ ضعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ساتھ بھائی چارگی قائم کرے تو اس سے اس کا نام اور اس کے والد کا نام اور اس کے قبیلے (یا علاقے) کا نام دریافت کر لے کیونکہ اس طرح محبت زیادہ ہوتی ہے۔

تشریح: قلبی محبت ختم کی مثال ہے، اس کی آبیاری کی ضرورت ہے۔ اگر اس کی طرف سے بے التفاتی برتی جائے تو بیج رائیگاں جاتا ہے۔ اور کبھی پودا نکلنے کے بعد بھی خشک ہو جاتا ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں ایک ہدایت یہ آئی ہے کہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہے تو وہ اس کو آگاہ کر دے کہ مجھے آپ سے محبت ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ محبوب کی طرف سے دلداری ہوگی، اور بے التفاتی نہیں پائی جائے گی، یہی دو چیزیں نفیاً اثباتاً محبت کی آبیاری کرتی ہیں

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْمَذْحَةِ وَالْمَذَاحِينَ

باب ۴۷: تعریف کی اور تعریف کرنے والوں کی ناپسندیدگی

(۲۳۱۶) قَالَ رَجُلٌ فَأَثَلِي عَلَى أَمِيرٍ مِنَ الْأَمْرَاءِ فَجَعَلَ الْبَقْدَادُ يَخْشَوْنِي وَجْهَهُ التُّرَابُ وَقَالَ أَمْرٌ تَارَ سُؤْلُ اللَّهِ ﷻ أَنْ تَخْشَوْنِي وَجُوهَ الْمَذَاحِينَ التُّرَابُ.

ترجمہ: ابو عمر بیان کرتے ہیں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے ایک امیر کی تعریف کرنا شروع کی تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اس

کے چہرے پر مٹی پھینکنا شروع کی اور فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی ہے ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی پھینکیں۔

(۲۳۱۷) اَمَرَ تَارِسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تُخْشَوْفِيْ اَفْوَاهِ الْمَدْحِيْنَ التُّرَابَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی ہے ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی ڈالیں۔
تشریح: المدحہ: مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: ستائش، تعریف، وہ وصف جو خوبی کے طور پر بیان کیا جائے۔

تعریف کی تین قسمیں ہوتی ہیں: (۱) کسی کے منہ پر تعریف کی جائے یہ ممنوع ہے۔

(۲) کسی کی غائبانہ تعریف کی جائے لیکن خواہش یہ ہو کہ اس تک یہ تعریف پہنچ جائے یہ بھی ممنوع ہے۔

(۳) کسی کی غیر موجودگی میں تعریف کی جائے اور اس کی بالکل پرواہ نہ ہو کہ اس تک یہ تعریف پہنچے گی یا نہیں اور وہ بندہ جس کی تعریف کی جا رہی ہے وہ اس قابل بھی ہے تو اس تعریف کی شرعا اجازت ہے اور اس انداز سے تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قول فیصل: کسی کے منہ پر تھوڑی عترت کرنے کی گنجائش ہے، البتہ تعریف میں مبالغہ آرائی کرنا جس سے مدوح خود فریبی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے دوسرے کی منہ پر تعریف کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: قتلت اخاک تو نے اپنے بھائی کو ذبح کر دیا، یعنی اس کو خود فریبی میں مبتلا کر دیا، حشو تراب سے کیا مراد ہے: یا تو یہ حقیقت پر محمول ہے۔ (۲) یا اس سے مراد مال کا دینا ہے کہ مال حقیر شئی ہے مٹی جیسی چیز ہے لہذا ایسے مداحین کو کچھ مال دے دیا جائے تاکہ وہ آئندہ ہجو نہ کریں اور زبان بند رکھیں۔
(۳) یا مراد عطائے قلیل ہے۔ (۴) یا یہ کنایہ ہے عدم اعطاء سے اور مراد ان کو محروم کرنا ہے یعنی ایسے تعریف کرنے والوں کو کچھ نہ دیا جائے تاکہ آئندہ وہ اس سے باز رہیں۔ اور اگر واقعی تعریف کی یعنی کسی قول حسن یا فعل حسن پر کسی نے تعریف کی تاکہ دوسروں کو ترغیب ہو تو پھر اس کا اکرام کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صُحْبَةِ الْمُؤْمِنِ

باب ۴۸: نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا

(۲۳۱۸) لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيًّا.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم صرف مؤمن کے ساتھ رہا کرو اور تمہارا کھانا صرف پرہیزگار آدمی کھائے۔

تشریح: صحبت رنگ لاتی ہے، جو عطر فروش کے پاس بیٹھتا ہے خوشبو سونگھتا ہے اور جو لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھتا ہے: کپڑے جلاتا ہے، اور دھواں سونگھتا ہے، اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ ایمان دار دیندار لوگوں کی صحبت اختیار کرے، تاکہ دینی جذبہ بڑھے، اور بد اطوار لوگوں سے نہ ملے تاکہ ان کے ضرر سے محفوظ رہے۔

مؤمن سے دوستی کا حکم:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مؤمنین کو دو چیزوں کا حکم دیا ہے:

- (۱) مؤمن کے ساتھ رہو اس سے تعلق اور دوستی لگاؤ اس سے درحقیقت کافر اور منافقین کی صحبت اختیار کرنے سے منع کرنا مقصود ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق سے دینی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے البتہ بقدر ضرورت ان سے رابطہ رکھنے کی گنجائش ہے۔
- (۲) اپنی دعوت میں صرف پرہیزگار لوگوں کو ہی بلایا کریں یہ کھانا ان کے لیے عبادات میں طاقت کا باعث ہوگا جس سے تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

ہاں وہ کھانا جو حاجت اور اضطراری حالت میں کھلایا جاتا ہے وہ کافر اور منافقین کو بھی کھلا سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے: ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (الدر: ۸) یہ قیدی کافر تھے مسلمان نہیں تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ۷-۶۵)

بَابُ فِي الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ

باب ۴۹: آفتوں پر صبر کرنا

(۲۳۱۹) إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُؤَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں بھلائی کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے اور جب کسی بندے کے بارے میں برائی کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے پوری سزا دے گا۔

(۲۳۲۰) إِنَّ عَظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عَظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ.

ترجمہ: اسی سند کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے عظیم آزمائش کے نتیجے میں عظیم جزاء ملتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کچھ لوگوں کو پسند کرتا ہے تو انہیں آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے تو جو شخص اس سے راضی رہتا ہے اسے رضا نصیب ہوتی ہے اور جو اس پر ناراض ہوتا ہے تو اسے ناراضگی نصیب ہوتی ہے۔

(۲۳۲۱) مَا رَأَيْتُ الْوَجَعَ عَلَى أَحَدٍ أَشَدَّ مِنْهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے کسی بھی شخص کو نبی اکرم ﷺ سے زیادہ شدید تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھا۔

(۳۲۲۲) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاءُهُ وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ أُبْتَلِيَ عَلَى قَدْرِ دِينِهِ فَمَا يَبْرَحُ

الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتُوكَّهُ يَمْنَحِي عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ.

ترجمہ: مصعب بن سعد اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کون سب سے زیادہ شدید آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا انبیاء پھر اس کے بعد جو لوگ درجہ بدرجہ ان کے قریب ہوں آدمی کو اپنے دین کے حساب سے آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے اگر اس کے دین میں پختگی ہوگی تو اس کو سخت آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا اور اگر اس کا دین کمزور ہوگا تو اسے اپنے دین کے حساب سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا آدمی مسلسل آزمائش میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ آزمائش اسے اس حالت میں چھوڑتی ہے جب وہ روئے زمین پر چلتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا (یعنی وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے)۔

(۲۳۲۳) مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةُ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مومن مرد اور مومن عورت آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں جو ان کی جان ان کی اولاد یا مال کے بارے میں ہوتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا (ان کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں)۔

تشریح: صبر و ہمت سے قلعہ فتح ہوتا ہے اور جو انمردی سے منزل سر کی جاتی ہے، پس آدمی کو ہر مصیبت میں صبر و ہمت سے کام لینا چاہئے، اور کیسے بھی حالات پیش آئیں گھبرانا نہیں چاہئے، انشاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔

مصائب پر صبر کیا جائے؟

باب کی احادیث سے یہ امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی آزمائش اور مصیبت آجائے جزع فزع اور زبان پر گلے شکوے کے کلمات نہ لائے جائیں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور غضب الہی نازل ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص جس قدر تبع سنت پر ہیزگار ہوگا اس پر اسی حساب سے آزمائشیں بھی زیادہ آسکتی ہیں کبھی اس کے نفس کے بارے میں آزمائش ہوگی کبھی اس کی اولاد کے بارے میں اور اس کے مال و دولت اور کاروبار کے بارے میں ایسے میں صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

(۳) ابتلاء و آزمائش اور مصائب سے گناہ معاف ہوتے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ سے مشکل حالات اور مصیبتوں کا سوال نہ کیا جائے، غیر اختیاری طور پر اگر حالات سازگار نہ ہوں تو ان پر صبر کیا جائے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام پر سب سے سخت آزمائشیں آتی ہیں، کیونکہ اگر ان پر آزمائشیں نہ آتیں تو لوگ انہیں خدا سمجھنا شروع کر دیتے نیز اس سے امت کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ اگر کوئی آفت و مصیبت تم پر آجائے تو جزع فزع کرنے کے بجائے اس پر صبر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کی جائے تاکہ آزمائش سے خلاصی حاصل ہو جائے۔

لغات: البلاء: آزمائش امتحان مصیبت۔ عجل: پیشگی یعنی دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ امسك: روک لیتے ہیں یوانی: پورا پورا دیں گے۔ سخط (سین اور خا پر زبر کے ساتھ) ناراضگی غضب الہی دردناک عذاب۔ وجع: درد یہاں اس سے مرض مراد ہے۔

الامثل: جو انبیاء کے زیادہ قریب ہوگا نیکی اور تقویٰ کے اعتبار سے۔ صلیبا: مضبوط سخت۔ رفة: (را کے نیچے زیر اور قاف پر زبر اور تشدید کے ساتھ نرمی کمزوری۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْبَصَرِ

باب ۵۰: نابینا ہو جانے پر ثواب

(۲۳۲۴) إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ إِذَا أَخَذْتُ كَرِيمَتِي عَبْدِي فِي الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ جَزَاءٌ عِنْدِي إِلَّا الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں دنیا میں اپنے بندے کی دو محبوب چیزیں (یعنی اس کی آنکھیں) سلب کر لیتا ہوں تو میری بارگاہ میں اس کی جزاء صرف جنت ہے۔

(۲۳۲۵) يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ أَذْهَبْتُ حَبِيبَتِيهِ فَصَبِرَ وَاحْتَسَبَ لَمْ أَرْضَ لَهُ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس شخص کی دو محبوب (آنکھیں) میں لے جاتا ہوں اور وہ صبر سے کام لیتا ہے اور ثواب کی امید رکھتا ہے تو میں اس کے لیے جنت سے کم کسی اور ثواب پر راضی نہیں ہوں گا۔

تشریح: فصبر و احتساب: حافظ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دونوں آنکھوں کی بینائی کے ختم ہونے پر اس استحضار کے ساتھ صبر کرے کہ صابرین سے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا وعدے فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی ہو کوئی شکوہ زبان و قلب میں نہ ہو بلکہ قول و فعل سے رضاء بر قضاء کا مظاہرہ کرے نیز ایک روایت میں یہ قید بھی مذکور ہے کہ جس وقت بینائی ختم ہونے کا حادثہ پیش آئے اسی وقت صبر و احتساب ہو نہ یہ کہ جب مایوس ہو جائے تو صبر کرے اور حادثہ کے وقت شکوہ و شکایت ہو بعض روایات ضعیفہ میں تو حمدنی علیہا بھی واقع ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ذہاب بصر کو اپنے لئے نعمت سمجھتے ہوئے اللہ کی تعریف زبان پر ہو کیونکہ اس کی جزاء جنت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ لہذا ارض له ثوابا دون الجنة: دنیا میں بینائی ختم ہو کر لذات دنیا سے یہ شخص محروم ہو گیا اور اس پر اسی نے صبر کیا ہے اس لئے اللہ لذات باقیہ جنت اس کو عطا فرمائیں گے۔ بھر حال انسان پر جو مختلف بلائیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں ان میں ایک بڑی مصیبت نابینا ہو جانا بھی ہے، آنکھوں کی قدر و قیمت نابینا جانتا ہے، بینا نہیں جانتا۔ جب آدمی نابینا ہو جاتا ہے تو ہر کام میں دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے، اور عام طور پر آدمی بڑھاپے میں نابینا ہوتا ہے، اس وقت اور بھی پریشانی کھڑی ہو جاتی ہے، لیکن اگر بندہ صبر کرے، اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے تو وہ آخرت میں بہت بڑے اجر کا مستحق ہوگا۔

باب

باب: مصیبت زدوں کا اجر قابل رشک ہے

(۲۳۲۶) يُوَدُّ أَهْلَ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يُعْطَى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُودَهُمْ كَانَتْ قُرْصَتِي

الدُّنْيَا بِالْمَقَارِئِضِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن عافیت میں رہنے والے لوگ یہ آرزو کریں گے جب (دنیا میں) آزمائش کا شکار رہنے والے لوگوں کو اجر و ثواب عطا کیا جائے گا کہ کاش دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں کے ذریعے کاٹ دی جاتی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اہل عافیت فی الدنیا کو حسرت و تمنا ہوگی جب اہل مصائب کے اجر عظیم کو دیکھیں گے کہ کاش ان کو دنیا میں بجائے عافیت کے قینچیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ دیا جاتا یعنی مصائب ان کو دیئے جاتے تاکہ اسی قدر ثواب ان کو زیادہ حاصل ہو جاتا۔

باب

باب: موت کے بعد ہر شخص پیچھتائے گا

(۲۳۲۷) مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُوتُ إِلَّا نَدِمَهُ قَالُوا وَمَا نَدَامَتْهُ يَارَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَهُ أَنْ لَا يَكُونَ إِذَا دَاوَدَ أَنْ كَانَ مُسِيئًا نَدِمَهُ أَنْ لَا يَكُونَ نَزَعَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مرنے والا ہر شخص ندامت کا شکار ہوگا تو لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس کی ندامت کس بات پر ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ نیکی کرنے والا ہوگا تو اس بات پر ندامت کا شکار ہوگا کہ اس نے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور اگر وہ گنہگار ہوگا تو اس بات پر ندامت کا شکار ہوگا کہ اس نے گناہ چھوڑے کیوں نہیں۔

باب

باب: دین کے پردے میں دنیا کمانے والے آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں

(۲۳۲۸) يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رَجَالٌ يُخْتَلُونَ الدُّنْيَا بِالذِّبْنِ يَلْبَسُونَ لِلنَّاسِ جُلُودَ الضَّأْنِ مِنَ اللَّيْلِ أَلَسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنَ الشُّكْرِ وَقُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الذِّئَابِ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ابْنِي يَغْتَرُّونَ أَمْرًا عَلَى يَجْتَرِيُونَ فَبِي حَلَفْتُ لَا بَعَثَنَ عَلَى أَوْلِيكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدْعُ الْحَلِيمَةَ مِنْهُمْ حَيَرَانًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ نکلیں گے جو دنیا کو دین کے عوض میں حاصل کریں گے۔ وہ لوگوں کے سامنے دنوں کا لباس پہنیں گے۔ انکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوگی لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے دل ہونگے۔ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تم مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہو؟ میرے سامنے یہ جرات کر رہے ہو۔ میں اپنی ذات کی قسم اٹھاتا ہوں میں انہیں ایک ایسے فتنے میں مبتلا کروں گا جس میں انکا سمجھدار آدمی بھی حیران رہ جائے گا۔

(۲۳۲۹) إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا أَلَسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ وَقُلُوبُهُمْ أَمْرٌ مِنَ الصَّبْرِ فَبِي حَلَفْتُ

لَا تَبِيحَهُمْ فِتْنَةٌ تَدْعُ الْحَلِيمَةَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا فَيُبِي يَعْتَرُونَ أَمْرًا عَلَى مَجْتَرُونَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ فرمان نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے ایک مخلوق کو پیدا کیا ہے ان کی زبانیں شہد سے زیادہ بیٹھی ہیں اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہیں۔ میں اپنی ذات کی قسم اٹھاتا ہوں میں ان لوگوں کو ایسی آزمائش میں مبتلا کروں گا کہ جس میں ان کا سمجھ دار شخص بھی حیران رہ جائے گا کیا یہ لوگ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں یا میرے سامنے جرات کرتے ہیں۔

تشریح: قرآن کریم میں اہل کتاب کے تعلق سے یہ مضمون آیا ہے کہ جو لوگ دین کے ذریعہ کماتے ہیں: ان کے لئے جنت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں، (سورۃ آل عمران آیت ۷۷) میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾

بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ

باب ۵۱: زبان کی حفاظت کا بیان

(۲۳۳۰) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا النَّجَاةُ قَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسْعَكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ نجات کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی زبان قابو میں رکھو۔ اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

۲۳۳۱۔ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكْفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ اتَّقِ اللَّهَ فِينَا فَمَا تَمْنَحُنِي بِكَ فَإِنْ اسْتَقَمْتُ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اغْوَجَجْتَ اغْوَجَجْنَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث کے طور پر نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (صبح کے وقت ابن آدم کے تمام اعضاء زبان سے یہ التجا کرتے ہوئے کہتے ہیں تم ہمارے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا کیونکہ ہم تمہارے ساتھ وابستہ ہیں اگر تم ٹھیک رہو گی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اگر تم ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

(۲۳۳۲) مَنْ يَتَكَفَّلُ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَتَكْفُلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو دو داڑھوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۲۳۳۳) مَنْ وَقَّاهُ اللَّهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ دو چیزوں کے درمیان والی چیز (یعنی زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان والی چیز (یعنی شرمگاہ) کے شر سے محفوظ کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۳۳۴) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَدِّثْنِي بِأَمْرٍ أَعْتَصِمُ بِهِ قَالَ قُلْ رَبِّيَ اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا أَخَوْفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ ثُمَّ قَالَ هَذَا.

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھے کسی ایسے معاملے کے بارے میں بتائیں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ اعتراف کرو کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر استقامت اختیار کرو۔

باب

(۲۳۳۵) لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللَّهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللَّهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللَّهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ بکثرت کلام نہ کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ کثرت کلام کرنا دل کو سخت کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہوگا جس کا دل سخت ہو۔

(۲۳۳۶) كُلُّ كَلَامٍ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ لَالَةٌ إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا یہ نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہے ابن آدم کا ہر کلام اس پر بوجھ ہوتا ہے اس کا اسے فائدہ نہیں ہوتا سوائے اس کے جو نیکی کا حکم دے یا برائی سے منع کرے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

تشریح: امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اس باب میں سات حدیثیں ذکر کی ہیں: زبان اور شرم گاہ کے گناہ خطرناک ہیں:

اعضاء زبان کے تابع ہیں:

حفظ لسان کے سلسلہ میں آپ ﷺ سے بے شمار روایات مروی ہیں جو کتب احادیث میں موجود ہیں جو قوت زبان کی حفاظت نہیں کرتے وہ بے شمار آفات میں مبتلا ہوتے ہیں، غلطی، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، ریاء، نفاق، فحش گوئی، خود نمائی خود ستائی، خصومت، لغو گوئی، تعریف، بات بڑھانا گھٹانا، ایذا دہی، پردہ دری، اسی طرح لایعنی کلام، کثرت کلام۔

اعتراض: اس روایت سے معلوم ہوا کہ تمام اعضاء زبان کے تابع ہیں اور اسی پر ان کا مدار ہے حالانکہ دوسری روایت ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعضاء قلب سے متعلق ہیں اور قلب اصل ہے۔

جواب: زبان قلب کے لئے ترجمان ہے اور ظاہر بدن کے لحاظ سے اس کا خلیفہ ہے زبان کی طرف جب کوئی حکم منسوب ہوگا تو مجازاً کہا گیا ہے۔ زہد (تصوف) میں زبان کی بہت زیادہ حفاظت کی جاتی ہے، کیونکہ یہ خرمن ایمان کو پھونک دیتی ہے، اور لوگوں کی دل آزاری کا سبب بھی بنتی ہے اور تصوف میں سب سے زیادہ اہمیت لوگوں کی دل داری کی ہے۔ نیز ذکر اللہ کے عموم میں تمام دینی باتیں داخل ہیں، جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا، پس حدیث کا مصداق فضول کلام ہے، بے کار باتوں سے دل سخت ہو جاتا ہے اور

سخت دل اللہ سے بہت دور پھینکا ہوا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ اپنی زبان کی حفاظت کریں، تاکہ دل سخت نہ ہو جائے اور بندہ راندہ درگاہ نہ بن جائے۔

شرمگاہ کی شہوت غالب؟

انسان پر تمام شہوتوں میں سب سے زیادہ شرمگاہ کی شہوت غالب ہوتی ہے اور یہ ہیجان کے وقت عقل کی سب سے زیادہ نافرمان بھی ہے اس کے نتائج شرمناک حد تک برے ہیں اگر آدمی اپنے آپ پر قابو نہ رکھے اور اس شہوت کو اعتدال میں نہ کرے تو آفتوں کا شکار ہوگا جس سے دنیا بھی کھودے گا اور آخرت و دین بھی برباد ہو جائے گا۔ شہوت کا اعتدال یہ ہے کہ آدمی شہوت کے تابع نہ ہو بلکہ شہوت عقل و شرع کے تابع ہو ان کی ہدایات پر عمل کرے شہوت کی زیادتی بھوک و نکاح کے ذریعہ ختم کی جاسکتی ہے: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَ فَلَْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ الصِّيَامُ فَانَّهُ لَهُ وَجَاءَ۔ بہر حال روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ بلا و مصیبت آدمی پر زبان و فرج کی بناء پر آتی ہیں جو شخص ان دونوں کے شر سے بچ گیا تو مصائب سے بچا رہے گا اور آخرت میں آپ ﷺ نے اس کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اعتراض: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں روایت الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ذکر اللہ کے علاوہ کوئی کلام مفید نہیں بلکہ مضر ہے حالانکہ بہت سے کلام مباح ہیں اور ان کی اجازت ہے؟

جواب: یہ ہے کہ روایت الباب مبالغہ پر دل ہے نیز تقلیل کلام کی ترغیب و تاکید کے لئے آپ نے فرمایا ہے۔

جواب (۲): یہاں مراد نفع فی العقبیٰ ہے یعنی ابن آدم کا ہر کلام نافع فی العقبیٰ نہیں ہے سوائے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ذکر اللہ کے اور ظاہر ہے کہ کلام مباح بھی کلام ابن آدم کے تحت اس اعتبار سے داخل ہے کہ وہ نافع فی العقبیٰ نہیں اگرچہ دنیا میں منفعت اس سے متعلق ہے۔

فائدہ: روایت الباب سے معلوم ہوا کہ آدمی کو کلام سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ مومن بولنے سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ بولتا ہے عالم کا فتنہ یہ ہے کہ اسے سننے سے زیادہ بولنے میں لطف آئے اگر کوئی بولنے والا مل جائے تو اس کے لئے سننا بہتر ہے اسی میں سلامتی ہے بولنے میں تخریب تلبیس و تزئین وغیرہ کے خطرات ہیں۔ ابراہیم بن ادہم رمانے ہیں آدمی مال اور کلام کی زیادتی سے تباہ ہوتا ہے قلت کلام کے بارے میں باب گزر چکا ہے۔

باب

باب ۵۴: حقوق کی ادائیگی بھی زہد میں شامل ہے

(۲۳۳۷) أَخِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ فَرَأَى سَلْمَانَ أَبَا الدَّرْدَاءِ قَرَأَى أُمُّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَدِّلَةً قَالَتْ مَا شَأْنُكَ مُتَبَدِّلَةً قَالَتْ إِنَّ أَخَاكَ أَبَا الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا قَالَتْ فَلَمَّا جَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ قُرِبَ إِلَيْهِ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ قَالَ مَا أَنَا بِإِكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ قَالَ فَأَكَلَ فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ

لِیَقُومَ فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ ثُمَّ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَقُومَ قَالَ لَهُ نَمَ فَنَامَ فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الصُّبْحِ فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ
فَمِ الْآنَ فَقَامَا فَصَلَّيَا فَقَالَ إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لَاهْلِكَ
عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَأَتَيَا النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ صَدَقَ سَلْمَانُ.

ترجمہ: عون بن ابوجحیفہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے گئے تو انہوں نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہ کو میلی کچلی حالت میں دیکھا تو دریافت کیا آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ میلی کچلی کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا آپ کے بھائی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو دنیا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے سامنے کھانا رکھا گیا تو انہوں نے کہا آپ کھالیں کیونکہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک آپ نہیں کھائیں گے راوی بیان کرتے ہیں تو حضرت درداء رضی اللہ عنہ نے بھی کھانا کھا لیا جب رات کا وقت ہوا تو حضرت درداء رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھنے لگے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا ابھی سو جائیں وہ سو گئے پھر وہ اٹھنے لگے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا ابھی سوتے رہیں پھر وہ سو گئے جب صبح کے قریب کا وقت ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اب آپ اٹھ جائیں ان دونوں حضرات نے اٹھ کر نماز ادا کی پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کی ذات کا بھی آپ پر حق ہے آپ کے پروردگار کا بھی آپ پر حق ہے آپ کے مہمان کا بھی آپ پر حق ہے آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے آپ ہر حق دار کو اس کا حق دیں پھر یہ دونوں حضرات نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اس بات کا تذکرہ آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا سلمان نے ٹھیک کہا ہے۔

باب

باب ۵۵: اللہ کی خوشنودی چاہئے اگرچہ لوگ ناراض ہو جائیں

(۲۳۳۸) قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنْ كُتِبَ إِلَيْهَا كِتَابًا تَوْصِيَنِي فِيهِ وَلَا تُكْثِرَنِي عَلَى فَكْتَبَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا إِلَى مُعَاوِيَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ: مَنْ التَّمَسَّ رِضَا اللَّهِ يَسْخَطِ النَّاسَ كَفَاهُ اللَّهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنْ التَّمَسَّ رِضَا النَّاسِ يَسْخَطِ اللَّهُ وَكَلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ.

ترجمہ: عبدالوہاب بن ورد مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک شخص کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خط میں لکھا کہ آپ مجھے خط میں کوئی نصیحت کریں جو زیادہ لمبی نہ ہو راوی بیان کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا۔ تم پر سلام ہو اما بعد میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی لوگوں کی ناراضگی میں تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کے غصے کو دور کر دے گا اور جو شخص لوگوں کی رضا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دے گا۔ تم پر سلام ہو۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ کی طرف خط میں دو باتیں لکھیں:

(۱) جو شخص ہر معاملے میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ خوش ہیں یا ناراض تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لوگوں کی تکلیف و ایذاء سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ حزب اللہ یعنی اللہ والوں کی جماعت میں شامل ہو چکا ہے اور جو اللہ کا ہو جائے وہ کبھی نامراد و ناکام نہیں ہوتا ﴿الْأَنْ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلہ: ۲۲)

(۲) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کے ہر وقت لوگوں کی خوشنودی کے پیچھے پڑا رہے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں اور لوگوں کی تکلیف و ایذاء سے اس کی حفاظت نہیں فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کامیاب مسلمان وہی ہے جو ہر وقت اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر اور کوشش میں لگا رہے یہی چیز اس کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں باعث عافیت اور ذریعہ نجات ہے۔

کفایہ اللہ مونة الناس: یعنی ایسے شخص کو اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کی ایذاء سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اس نے اپنے کو حزب اللہ میں داخل کر دیا اور اللہ تعالیٰ اس کو محروم نہیں فرماتے ہیں بلکہ دنیا و آخرت میں کامیاب فرماتے ہیں قال تعالیٰ: ﴿الْأَنْ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلہ: ۲۲)۔

وكله الله الى الناس: لوگوں کے حوالہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی ایذاء و تکلیف سے حفاظت نہیں فرمائیں گے چونکہ نظر غیر اللہ کی طرف ہے اور اس نے اللہ کے احکام کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے۔ روایۃ الباب سے خط و کتابت کا یہ ادب بھی معلوم ہوا کہ خط کے اول و آخر میں سلام لکھا جائے۔ یہ روایت فقط والسلام جو عام طور پر خطوط میں لکھتے ہیں اس کی دلیل ہے۔



أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ

قیامت کے احوال کا بیان

قیامت کے احوال، دل کو موم کرنے والی اور پرہیزگاری کی باتیں

نسخوں میں یہ ابواب علیحدہ نہیں ہیں، ابواب الزہد کا تتمہ ہیں اور وہ ابواب ابواب صفة الجنة تک چلے گئے ہیں، مگر مصری نسخہ میں عنوان ہے: ابواب صفة الزہادة، والرقائق، والورع: یعنی قیامت کے احوال اور دلوں کو نرم کرنے والی باتیں اور پرہیزگاری کا بیان۔ ابواب صفة الجنة تک یہ تین مضمون بیان ہوئے ہیں، پہلے قیامت کے حالات ہیں، پھر رقائق کی حدیثیں ہیں، رقائق: رقیق کی جمع ہے اور رقائق: رقیقہ کی جمع ہے یعنی دلوں کو نرم کرنے والی باتیں، پھر ورع یعنی احتیاط اور پرہیزگاری کا بیان ہے، پھر جنت کے احوال شروع ہو گئے۔

ابواب الایمان تک جتنی حدیثیں آرہی ہیں: سب کا تعلق زہد سے ہے، قیامت کا بیان ہو، یا دل کو موم کرنے والی حدیثیں، یا محتاط زندگی گزارنے کی ہدایات، یا جنت اور جہنم کے احوال سب کا تعلق زہد یعنی دل کو دنیا سے اکھاڑنے سے ہے، یہ سب روایات ذہن کو آخرت کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔



بَابُ فِي الْقِيَامَةِ

باب ۱: قیامت کا بیان

(۲۳۳۹) مَا مِنْكُمْ مِنْ رَجُلٍ إِلَّا سَيَكَلِّمُهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُحَانٌ فَيَنْظُرُ أَيَمَنْ مِنْهُ فَلَا يَرَى شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ أَشَأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرَى شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ تَلْقَاءَ وَجْهِهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَقِيَ وَجْهَهُ حَرَّ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے عنقریب قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک شخص کے ساتھ اس کا پروردگار اس طرح کلام کرے گا کہ اس شخص اور پروردگار کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا پھر وہ شخص اپنے دائیں طرف

دیکھے گا تو اسے صرف وہ چیز نظر آئے گی جسے اس نے آگے بھیجا تھا (یعنی اس کے اعمال نظر آئیں گے) پھر وہ اپنے بائیں طرف دیکھے گا تو وہ صرف اسی چیز کو دیکھے گا جسے اس نے آگے بھیجا تھا (یعنی اپنے اعمال کو دیکھے گا) پھر وہ اپنے سامنے کی طرف دیکھے گا تو اسے جہنم اپنے سامنے نظر آئے گی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے جو بھی شخص اپنی ذات کو جہنم سے بچا سکتا ہو اسے ایسا کرنا چاہیے خواہ وہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہی ایسا کرے۔

(۲۳۴۰) لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عُنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ آيِنٍ اِكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ قِيَامًا عَلِيمًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قیامت کے دن کسی بھی آدمی کے پاؤں اپنے پروردگار کی بارگاہ سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں حساب نہیں لیا جائے گا اس کی عمر کے بارے میں کہ اس شخص نے اسے کس کام میں صرف کیا؟ اس کی جوانی کے بارے میں کہ اس شخص نے اسے کس میں گزارا اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اس مال کو کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور (اس بارے میں) کہ اس نے اپنے علم پر کس حد تک عمل کیا؟۔

(۲۳۴۱) لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ عَلَيْهِ فِيمَا فَعَلَ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ آيِنٍ اِكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَعَنْ جَسَدِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بندے کے قدم (حساب کے دوران اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے) اس وقت تک نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے حساب نہیں لے لیا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کو کس چیز میں صرف کیا اور اس نے اپنے علم پر کس حد تک عمل کیا اور اس نے اپنے مال کو کہاں سے حاصل کیا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے جسم کو کون کاموں میں مصروف کیا؟۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

فائدہ: مخلوقات میں ملکیت کا تصور نہیں۔ کائنات کی ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، مخلوق اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ آپ دیکھیں؛ کسی جانور کی ملکیت میں کچھ نہیں۔ صرف انسانوں میں عارضی مصلحت سے مجازی ملکیت تسلیم کی گئی ہے۔ اور سورۃ الحديد (آیت ۷) میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ انسان مال میں اللہ کا نائب ہے، وہ مستقل طور پر مال کا مالک نہیں۔ فرمایا: ﴿وَأَنْفَقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ﴾ یعنی جس مال میں تم کو اللہ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔ جب صورت حال یہ ہے تو لامحالہ کمانے کے سلسلہ میں بھی کچھ پابندیاں ہیں اور اس کے خرچ کرنے کے لئے بھی کچھ ضابطے ہیں۔

سند: اس حدیث کی پہلی سند امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابو معاویہ کی ہے، پھر اسی حدیث کو اعظم سے امام دکیج رضی اللہ عنہ بھی روایت کرتے ہیں، ان کے شاگرد ابوالسائب کہتے ہیں: ایک دن ہم سے دکیج نے اعظم سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی جب وہ یہ حدیث بیان کر چکے تو فرمایا: یہاں جو خراسان کے لوگ ہیں وہ ثواب کی امید سے اس حدیث کو خراسان میں پھیلائیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس لئے کہ جہیہ اس حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ

باب: حساب اور بدلے کا بیان

(۲۳۴۲) أَتَذُرُونَ مِنَ الْبُفْلِسِ قَالُوا أَلْبُفْلِسُ فِينَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلْبُفْلِسُ مَنْ أُمِيتَ مِنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَ أَكَلَ مَالَ هَذَا وَ سَفَكَ دَمَ هَذَا وَ ضَرَبَ هَذَا فَيُقْعَدُ فَيُقْتَضُ هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَ هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْتَضَ مَا عَلَيْهِ مِنَ الْخَطَايَا أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کیا تم لوگ یہ بات جانتے ہو کہ بفلس کون شخص ہے لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے درمیان وہ شخص بفلس شمار ہوتا ہے جس کے پاس درہم یا کوئی سامان نہ ہو آپ ﷺ نے فرمایا میری امت سے تعلق رکھنے والا بفلس شخص وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز روزے زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس عالم میں آئے گا کہ اس نے کسی شخص کو گالی دی ہوگی دوسرے پر جھوٹا الزام لگایا ہوگا اور کسی شخص کا مال کھایا ہوگا اور کسی شخص کا خون بہایا ہوگا کسی شخص کو مارا ہوگا لہذا اسے بٹھالیا جائے گا اور اس کی نیکیاں بدلے کے طور پر وصول کر لی جائیں گی یہ تو اس کی نیکیوں کا معاملہ ہے جب اس کی نیکیاں (ان گناہوں کا) حساب پورا ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گی جو اس کے ذمے تھے تو دوسرے لوگوں کے گناہ لے کر اس کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس شخص کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۲۳۴۳) لَتَوَدََّنَّ الْحَقُوقُ إِلَى أَهْلِهَا حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجُلُحَاءُ مِنَ الشَّاةِ الْقُرُنَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے حق داروں کو ان کے حقوق پورے پورے ادا کئے جائیں گے یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری کی طرف سے بھی بدلہ دیا جائے گا۔
تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر انسان سے بغیر کسی واسطہ کے براہ راست کلام کرے گا درمیان میں نہ تو کوئی حجاب اور مانع ہوگا اور نہ ہی کوئی ترجمان ہوگا۔

یہ جمہور اہل سنت کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دیگر صفات کی طرح صفت کلام بھی ثابت ہے صرف جہیمہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں یہ ایک گمراہ فرقہ ہے جس کا سربراہ جہم بن صفوان ہے۔

لَعَنَاتُ: اقتص فلان: بدلہ لینا، قصاص لینا۔ مظلمة: باب ضرب کا مصدر ہے، اور بطور اسم بمعنی ظلم مستعمل ہے۔ استحل فلان الشی: کسی سے کوئی چیز حلال کرانا اس کے لئے دوسرا لفظ الجماء ہے۔ القرناء: اقربان کا مؤنث: لمبے سینگوں والا جانور۔ تقاد (فعل مجہول) اقاد القاتل بالقتیل: مقتول کے بدلہ میں قاتل کو مارنا۔ تقاد: بدلہ لیا جائے گا۔

رہی یہ بات کہ جانوروں کا بدلہ چکایا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ جانوروں کا کوئی حساب نہیں، اور تیسری حدیث: صرف تمثیل یعنی پیرایہ بیان ہے، مگر عام رائے یہ ہے کہ جانور بھی دوبارہ پیدا

کئے جائیں گے اور ان کا بھی حساب ہوگا، تیسری حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حیوانات کو بھی قیامت کے دن اٹھایا جائے گا جیسا کہ قرآن میں ہے وَاِذَا الْوُحُوشُ حْشَرَتْ لِهٰذَا اِسْ حَدِیْث کو ظاہر پر ہی محمول کیا جائے گا۔

استراض: کہ حیوان جب مکلف ہی نہیں تو بکری سے قصاص لینے کے کیا معنی ہیں؟

جواب (۱): اللہ تعالیٰ افعال پر قادر اور خود مختار ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔

جواب (۲): حدیث میں بکری کے قصاص کے ذکر سے بندوں کو اس امر سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ جب بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا جو کہ احکام شرع کی مکلف نہیں ہے تو پھر انسان جو کہ مکلف ہے اس سے کیسے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

باب

باب: قیامت کے دن لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے

(۲۳۴۵) اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اُذْنِيَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْعِبَادِ حَتَّى تَكُونَ قَيِّدًا مِّمْلٍ اَوْ اِثْنَيْنِ قَالَ سَلِيْمٌ لَا اُذِرْنِي اَتَى الْمَيْلَيْنِ عَلَى اَمْسَافَةِ الْاَرْضِ اَمِ الْمَيْلُ الَّذِي تُكْتَحَلُ بِهِ الْعَيْنُ قَالَ فَتَضَهَّرُهُمُ الشَّمْسُ فَيَكُونُونَ فِي الْعَرَقِ بِقَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ اِلَى عَقْبِيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ اِلَى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ اِلَى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُ الْجَمَامُ فَرَأَيْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُشِيرُ بِيَدِهِ اِلَى فِيْهِ اَمِ يُلْجِمُهُ الْجَمَامُ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے قیامت کا دن ہوگا تو سورج کو بندوں کے اتنا قریب کر دیا جائے گا کہ وہ ایک یا دو میل کے فاصلے پر رہ جائے گا۔ سلیمان بن عامر نامی راوی بیان کرتے ہیں مجھے یہ معلوم نہیں ہے اس سے مراد وہ میل ہے جو زمین کی مسافت کے لیے استعمال ہوتا ہے یا پھر اس سے مراد ہوسلائی ہے جس کے ذریعے سرمہ لگایا جاتا ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) سورج ان لوگوں کو پگھلانا شروع کرے گا تو وہ لوگ اپنے اعمال کے حساب سے پسینے میں ڈوب جائیں گے ان میں سے کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا کسی کا گھٹنوں تک ہوگا کسی کا کمر تک ہوگا اور کسی کا منہ تک ہوگا۔ راوی بیان کرتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دست مبارک کے ذریعے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس کے منہ میں اس کی لگام ڈالی جائے گی (یعنی پسینہ اس کے منہ تک ہوگا)۔

(۲۳۴۶) ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ قَالَ يَقُومُونَ فِي الرَّشْحِ اِلَى اَنْصَافِ اَذَانِهِمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: جس دن لوگ تمام جہانوں کے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں وہ لوگ پسینے میں اتنے ڈوبے ہوئے ہوں گے کہ وہ ان کا نصف کانوں تک آ رہا ہوگا۔
تشریح: اللہ کے نیک بندے اس سے محفوظ رہیں گے پہلے یہ حدیث گزری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو قیامت کے دن

جب کوئی سایہ نہیں ہوگا اپنا سایہ عنایت فرمائیں گے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ انبیاء شہداء اور کامل ایمان والے مسلمان یعنی اولیاء اللہ اور جسے اللہ چاہے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اللہم اجعلنا منهم

لعنات: ادنیٰ (مجهول کا صیغہ ہے) سورج قریب کر دیا جائے گا سرمہ کی سلائی۔ تصہر ہم: سورج ان کو پگھلائے گا۔ عرق: پسینہ۔ حقایہ (حاء پر زبر اور قاف کے سکون کے ساتھ) حقو کا تنفیہ ہے: کوکھ ازار باندھنے کی جگہ، یلجمہ: وہ پسینہ اس کو لگام پہنا دیے گا یعنی وہ پسینہ کی وجہ سے بول نہیں سکے گا۔ رشح: (را پر زبر اور شین کے سکون کے ساتھ) پسینہ۔ انصاف: نصف کی جمع ہے: آدھا نصف۔

بَاب مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الْخَشْرِ

باب ۲: قیامت کے دن مخلوق کو جمع کرنے کا بیان

(۲۳۴۷) يُخَشِّرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَفَاةً عُرَاةً غُرْلًا كَمَا خُلِقُوا ثُمَّ قَرَأَ (كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعُدًّا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ) وَ أَوَّلُ مَنْ يُكْسَى مِنَ الْخَلَائِقِ إِبْرَاهِيمُ وَيُؤْخَذُ مِنْ أَصْحَابِ بَرِّ جَالٍ ذَاتِ السِّمِينِ وَ ذَاتِ الشِّمَالِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحَدٌ ثَوَّابَعْدَكَ إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ (إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پاؤں برہنہ جسم اور ختنے کے بغیر اکٹھا کیا جائے گا جس طرح انہیں پہلے پیدا کیا گیا تھا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ جس طرح ہم نے انہیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارا وعدہ ہے ہم ایسا ضرور کریں گے۔ (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) مخلوق میں سے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا پھر میرے امتیوں میں سے کچھ لوگوں کو دائیں طرف لے جایا جائے گا اور کچھ کو بائیں طرف لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے پروردگار یہ تو میرے ماننے والے ہیں تو کہا جائے گا آپ ﷺ نہیں جانتے آپ ﷺ کے بعد انہوں نے کون سی نئی چیز ایجاد کی تھی جب آپ ﷺ ان سے جدا ہوئے تو یہ ایڑھیوں کے بل پیچھے کی طرف پھر گئے تھے (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) تو میں وہی بات کہوں گا جو نیک بندے نے کہی تھی (جس کا ذکر قرآن میں ہے)۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت کر دے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

(۲۳۴۸) إِنَّكُمْ فَخْشُورُونَ رِجَالًا وَرُكْبَانًا وَتَجْرُونَ عَلَى وُجُوْهِكُمْ.

ترجمہ: بہر بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے قیامت کے دن تم لوگوں کو پیدل اور سوار حالت میں اٹھایا جائے گا اور کچھ لوگوں کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔

استراض: ہوتا ہے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے ننگے دن اٹھائے جائیں گے جبکہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ قبروں سے اسی لباس میں اٹھائے جائیں گے۔ بظاہر تعارض ہے؟

جواب ①: ان روایات میں تعارض نہیں کیونکہ بعض لوگوں کو ننگا اور بعض کو لباس میں اٹھایا جائے گا۔

جواب ②: یاسب کو ننگے بدن اٹھایا جائے گا پھر انبیاء علیہم السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

جواب ③: یا قبروں سے تو لباس کے ساتھ اٹھایا جائے گا پھر حشر کی ابتداء میں انہیں ننگا کر دیا جائے گا پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا

جواب ④: بعض شارحین حدیث کے نزدیک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تعلق شہداء سے ہے کہ انہیں اسی لباس میں اٹھایا جائے گا جس میں ان کی شہادت واقع ہوئی ہوگی اور عام مردوں کو ننگے بدن ہی اٹھایا جائے گا اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴) سے بھی ہوتی ہے۔

حشر دو قسم کا ہے: (۱) ایک وہ حشر ہے جو قیامت کے دن ہوگا اس حدیث میں یہی آخرت کا حشر مراد ہے۔

(۲) دوسرا وہ حشر ہے جو دنیا میں واقع ہوگا اور جو علامات قیامت میں سے ہے کہ قرب قیامت میں ایک آگ مشرق کی طرف سے نمودار ہوگی جو لوگوں کو گھیر کر ملک شام کی ایک جگہ کی طرف لے جائے گی اور وہاں سب کو اکٹھا کرے گی۔

لغات: حفاة: حاف کی جمع ہے: ننگے پاؤں والا۔ عراة: عار کی جمع ہے: ننگے بدن۔ غولا: اغول کی جمع ہے: غیر مختون جس کا ختنہ نہ ہو۔ یکسی: کپڑا پہنایا جائے گا۔ ماحدثوا: انہوں نے کیا کیا ایجاد کیا۔ مرتدین: لوٹ رہے ہیں۔ رجال راجل کی جمع ہے پیدل چلنے والا۔ رکبان: راکب کی جمع ہے، سوار۔ تجرون: (صیغہ مجہول) تمہیں کھینچنا اور گھسیٹنا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرَضِ

باب ۳: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان (پہلا باب)

(۲۳۴۹) يُعَرَّضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ فَأَمَّا عَرَضَتَانِ فِجْدَالٍ وَمَعَاذِيرٍ وَأَمَّا الْعَرَضَةُ الثَّلَاثَةُ فَعِنْدَ ذَلِكَ تَطِيرُ الصُّحُفُ فِي الْأَيْدِي فَأُخَذَ بِيَمِينِهِ وَأُخِذَ بِشِمَالِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی پہلی دو پیشیوں میں تفتیش ہوگی اور معذرتیں ہوں گی جبکہ تیسری پیشی کے وقت نامہ اعمال ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے تو کوئی شخص دائیں ہاتھ میں اسے پکڑے گا اور کوئی بائیں میں پکڑے گا۔

تشریح: ثلاث عرضات: (تین) ای ثلاث مرات۔ پہلی پیشی میں لوگ اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کریں گے، وہ کہیں گے، ہمیں انبیاء نے دین نہیں پہنچایا، ہم اس سے محض بے خبر تھے، اس لئے انبیاء کو بلایا جائے گا، وہ کہیں گے: ہم نے ان کو دین پہنچایا تھا پس انبیاء سے گواہ طلب کئے جائیں گے، کیونکہ وہ مدعی ہوں گے، وہ امت محمدی کو گواہی میں پیش کریں گے، کفار ان کو گواہوں پر جرح

کریں گے کہ یہ ہمارے زمانہ کے لوگ نہیں، یہ کیسے گواہی دیتے ہیں؟ پس گواہوں سے پوچھا جائے گا کہ جب تم ان اقوام کے زمانہ میں نہیں تھے تو تم گواہی کیسے دے رہے ہو؟ یہ امت جواب دے گی: ہمیں یہ باتیں ہمارے پیغمبر ﷺ نے بتائی ہیں، چنانچہ نبی ﷺ کو دربار میں لایا جائے گا، آپ ﷺ عرض کریں گے: پروردگار! میری امت صحیح کہتی ہے، میں نے ان کو یہ باتیں بتائی ہیں، اور میں نے ان کہ یہ باتیں اس بنیاد پر بتائی ہیں کہ آپ نے قرآن مجید میں یہ باتیں نازل فرمائی ہیں، پس بات لوٹ کر اللہ تعالیٰ پر چلی جائے گی، اور ان مجرموں کو خواہی نخواہی اعتراف کرنا پڑے گا، اس کے بعد کورٹ کی بساط لپیٹ دی جائے گی پھر دوسری پیشی میں کفار جرم کا اعتراف کریں گے (فاعترفوا بذنوبکم) وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے، مگر طرح طرح کے بہانے بنائیں گے، کہیں گے: ہم سے بھول ہو گئی، ہم سے چوک ہو گئی، ہم نادان تھے، ہمیں ہمارے بڑوں نے گمراہ کیا وغیرہ وغیرہ۔ اور اس دوسری پیشی میں بھی معاملہ نمٹے گا نہیں، ابھی ان کے بارے میں کوئی فیصلہ سنایا جائے گا۔ پھر تیسری پیشی کے وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے، وہ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں گے، نیک بختوں کے دائیں ہاتھ میں پہنچیں گے اور بد بختوں کے بائیں ہاتھ میں: اس دن انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا جتلا دیا جائے گا، خواہ وہ کتنے ہی بہانے بنائے (سورۃ القیامہ آیت ۱۳-۱۵) پھر اس پیشی میں نامہ اعمال کے مطابق بندوں کے درمیان فیصلے کر دیئے جائیں گے، جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں۔

بَابُ مِثْنَةٍ

باب ۴: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان (دوسرا باب)

(۲۳۵۰) مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ (فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا) قَالَ ذَلِكَ الْعَرَضُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کے ساتھ حساب کتاب میں سختی کی گئی وہ ہلاکت کا شکار ہو جائے گا میں نے عرض کی یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے۔ جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد پیشی ہے۔

بَابُ مِثْنَةٍ

باب ۵: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان (تیسرا باب)

(۲۳۵۱) يُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ بَذَّجٌ فَيُوقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ تَعَالَى فَيَقُولُ اللَّهُ أَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَاذَا صَنَعْتَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ جَمَعْتُهُ وَتَمَرَّتْهُ وَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَأَرْجِعْنِي إِلَيْكَ بِهِ كُلِّهِ فَيَقُولُ لَهُ أَرِنِي مَا قَدَّمْتَ فَيَقُولُ جَمَعْتُهُ وَتَمَرَّتْهُ فَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَأَرْجِعْنِي إِلَيْكَ بِهِ كُلِّهِ فَإِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُطْمَسُ بِهِ إِلَى النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قیامت کے دن ابن آدم کو اس طرح لایا جائے گا جیسے وہ بھیڑ کا بچہ ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہیں مال و دولت اور طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں اور تم پر اپنا انعام کیا تو تم نے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا میں نے اسے اکٹھا کیا اور اس میں اضافہ شروع کیا اور اسے پہلے سے زیادہ کر دیا (اے میرے پروردگار) تو مجھے واپس (دنیا میں) بھیج تاکہ میں ان سب کو لے کر آؤں تو پروردگار اس سے فرمائے گا تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آگے کیا بھیجا؟ تو وہ کہے گا میں نے اسے جمع کیا اس کو بڑھایا اور پھر اسے (دنیا میں) پہلے سے زیادہ کر کے چھوڑ دیا تو مجھے واپس بھیج تاکہ میں اس سارے کو لے آؤں۔ (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) اگر اس شخص نے کوئی بھی بھلائی آگے نہیں بھیجی ہوگی تو اسے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

(۲۳۵۲) يُؤْتَى بِالْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ أَلَمْ أَجْعَلْ لَكَ سَمْعًا وَبَصَرًا وَمَالًا وَوَلَدًا وَاسْتَحْرْتُ لَكَ الْأَنْعَامَ وَالْحَرْثَ وَتَرَكْتُكَ تَرَأْسَ وَتَرْبَعٍ فَكُنْتَ تَظُنُّ أَنَّكَ مُلَاقِي يَوْمَكَ هَذَا قَالَ فَيَقُولُ لَا فَيَقُولُ لَهُ الْيَوْمَ أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن بندے کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تمہیں سننے دیکھنے کی قوت مال اور اولاد نہیں دیئے پھر میں نے تمہارے لیے جانوروں اور کھیتوں کو مسخر نہیں کیا تھا میں نے تمہیں اس حالت میں نہیں رکھا تھا کہ تم بڑے بن گئے تھے اور تم لوگوں سے چوتھائی مال لینے لگے تھے کیا تم یہ گمان کرتے تھے کہ تم آج کے دن (میری بارگاہ میں) حاضر نہیں ہو گے تو وہ جواب دے گا نہیں تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا آج کے دن میں تمہیں اسی طرح تمہارے حال پر چھوڑ رہا ہوں جس طرح تم نے مجھے بھلا دیا تھا۔

تشریح: سورۃ الاعراف (آیت ۵۱) میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا: آج ہم ان کو بھول جائیں گے جس طرح انھوں نے اپنے اس دن کو بھلا دیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں چھوڑ دیں گے، ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے، اور ایسا معاملہ کفار ہی کے ساتھ ہوگا، مؤمنین کا حال اس سے مختلف ہوگا، ان سے آسان حساب لیا جائے گا، اور آسان حساب کی مختلف صورتیں ہوں گی: (۱) ایک یہ کہ وہ بے حساب بخش دیئے جائیں گے۔ (۲) یہ کہ حساب میں مناقشہ نہیں ہوگا، صرف پیشی ہوگی، ان کے سامنے ان کے اعمال رکھ دیئے جائیں، پھر بخش کر دی جائے گی۔ (۳) یہ کہ دائمی عذاب نہیں ہوگا، یہ بھی آسان حساب کی ایک صورت ہے۔

بَابُ مِنْهُ

باب ۶: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان (چوتھا باب)

(۲۳۵۳) قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ (يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا) قَالَ اتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا أَنْ تَقُولَ عَمِلَ كَذَا وَكَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا

قَالَ فَهَذِهِ أَخْبَارُهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کیا تم لوگ یہ بات جانتے ہو کہ اس کے خبر دینے سے مراد کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اس کا اطلاع دینا یہ ہے وہ ہر بندے اور کنیز کے بارے میں یہ گواہی دے گی جو اس نے زمین کی پشت پر عمل کیا تھا اور وہ یہ کہے گی اس نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کیا تھا تو یہ اس کا اطلاع دینا ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصُّورِ

باب ۷: صور اسرافیل علیہ السلام کا بیان

(۲۳۵۴) مَا الصُّورُ قَالَ قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دیہاتی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے دریافت کیا صور کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایک سینک ہے (یا باجہ) ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔

(۲۳۵۵) كَيْفَ أَنْعَمَ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدْ التَّقَمَ الْقَرْنُ وَاسْتَمَعَ الْإِذْنَ مَتَى يُؤْمَرُ بِالْبَفْخِ فَيَنْفَخُ فَكَانَ ذَلِكَ ثَقْلَ عَلَى أَصْحَابِ النَّبِيِّ فَقَالَ لَهُمْ قُولُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں کس طرح آرام سے رہ سکتا ہوں؟ جبکہ سینک (صور والے) فرشتے نے اپنا منہ اس کے ساتھ لگایا ہوا ہے اور کان اس بات پر لگائے ہوئے ہیں کہ اسے کب پھونک مارنے کا حکم ملے؟ اور وہ پھونک مار دے۔

تشریح: الصور: نرسنگا (بڑا سینک) بگل قرآن کریم میں دس جگہ صور کا تذکرہ آیا ہے۔

صور ایک سینک نما چیز ہے جس میں پھونک ماری جائے گی یہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا پہلی مرتبہ مارنے کے لیے اور دوسری مرتبہ سب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے ہوگا۔ سینک نوک کی طرف سے باریک ہوتا ہے اور دوسری طرف سے کشادہ ہوتا ہے، اور حضرت اسرافیل علیہ السلام جس صور میں پھونکیں گے، اس کی پوری حقیقت ابھی کوئی نہیں جانتا، نبی ﷺ نے اس کو سینک سے تشبیہ دی ہے، اور سینک کی طرح کے باجے آج بھی بنتے ہیں، اس کا پتلا حصہ منہ میں لے کر پھونکا جائے تو بہت بلند آواز پیدا ہوتی ہے اور صور کی یہ حدیث طویل ہے، جس کو ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور علامہ ابن کثیرؒ نے اس کو البدایہ (۲۳۵:۱) میں نقل کیا ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں اللہ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں جیسے ہی حکم ہو تو اس میں پھونک دیا جائے صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان سے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ایک وظیفہ پڑھنے کا انہیں ارشاد فرمایا اور وہ ہے: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑی سے بڑی مصیبت و آفت اور سخت سے سخت مشکل دور فرمادیتے ہیں چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانا تھا تو آپ کی زبان پر یہی بابرکت جملہ جاری اسی طرح

ایک جہاد میں کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہا: ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم یعنی دشمنوں نے آپ لوگوں کے مقابلے کے لیے بڑا لشکر جمع کر لیا ہے لہذا تم لوگوں کو ان سے ڈر جانا چاہیے تو اس وقت بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسبنا اللہ پڑھا۔

فائدہ: جب بھی کوئی پریشانی پیش آئے خواہ وہ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا تو حسبنا اللہ ونعم الوکیل علی اللہ تو کلنا: بار بار کہنا چاہئے، یہ بہت قیمتی ذکر ہے، اس سے بڑی سے بڑی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے۔

لعنات: صور: سرسگھا، بگل۔ قرن: سنگ۔ التقم: نکل جانا منہ میں لے لینا۔ استمع: غور سے سننا سننے کے لیے متوجہ ہونا (ہمزے اور دال پر پیش) کان۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الصِّرَاطِ

باب ۸: پل صراط کا بیان

(۲۳۵۶) شِعَارُ الْمُؤْمِنِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے پل صراط پر اہل ایمان کے لبوں پر یہ جاری ہوگا۔ اے میرے پروردگار سلامتی رکھنا۔

(۲۳۵۷) سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنْ يَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ أَنَا فَاعِلٌ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَيُّنِ أَطْلُبُكَ قَالَ أَطْلُبُنِي أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِي عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْمِيزَانِ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْحَوْضِ فَإِنِّي لَا أُخْطِئُ هَذِهِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ.

ترجمہ: نصر بن انس اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ آپ قیامت کے دن میری شفاعت کیجئے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں ایسا کروں گا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو کہاں تلاش کروں آپ ﷺ نے فرمایا تم سب سے پہلے مجھے پل صراط کے پاس تلاش کرنا میں نے عرض کی اگر پل صراط کے پاس میری آپ ﷺ سے ملاقات نہ ہو سکی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم مجھے میزان کے قریب تلاش کرنا میں نے کہا اگر میزان کے پاس بھی میری آپ سے ملاقات نہ ہو سکی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم مجھے حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین جگہوں کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوں گا۔
تشریح: قیامت کا دن اس دنیا کا آخری دن ہے، اور جنت و جہنم دوسری دنیا میں ہیں قیامت کے دن جب جنت و جہنم کے فیصلے ہو جائیں گے تو لوگ اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل کئے جائیں گے، وہ ایک پل کے ذریعہ منتقل کئے جائیں گے، جنتی اس سے پار ہو جائیں گے اور جہنمیوں کو آنکڑے جہنم کی طرف کھینچ لیں گے۔

الشعار: علامت، خاص نشان نعرہ، وہ عبارت جس سے کوئی جماعت اپنا تعارف کرائے جیسے مسلمان نعرہ تکبیر لگاتے ہیں، یہ مسلمانوں کا شعار ہے۔ اللہ اکبر سے پہچانے جاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اسی طرح پل صراط پر انبیاء اور امتوں کا شعار: رب سلم سلم! ہوگا، یعنی ہر ایک کی زبان پر یہی دعا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے جامع صغیر میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: پل صراط پر سے گزرتے وقت میری امت کا شعاریہ جملہ ہوگا: **يَا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ** جب کہ حدیث باب میں رب سلم سلم کا جملہ ہے؟ اس لیے اس کی تشریح میں علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رب سلم سلم کا جملہ عام ہے جو کسی بھی امت کے اہل ایمان اسے پل صراط پر بولیں گے اور امت محمدیہ کا شعاریہ مخصوص جملہ یعنی **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ** ہوگا۔

فائدہ: قیامت کے دن ترتیب اس طرح ہوگی، سب سے پہلے میدان حشر میں حوض کوثر ہوگا، پھر میزان عمل، پھر پل صراط۔ اور اس حدیث میں اس کے برعکس ہے، پس ممکن ہے یہ ترتیب ہول و شدت یعنی معاملہ کی سنگینی کے اعتبار سے ہو، کیونکہ سب سے سنگین معاملہ پل صراط پر ہوگا، اس سے کم میزان عمل پر، اور سب سے کم حوض کوثر پر حوض کوثر پر تو صرف یہ ڈر رہے گا کہ فرشتے لائن سے ہٹانہ دیں، اور میزان عمل پر یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ کونسا پلڑا جھکتا ہے؟ اور پل صراط کا معاملہ بہت ہی سخت ہے، پس ہول و شدت کے لحاظ سے پہلے پل صراط کا پھر میزان عمل کا، پھر حوض کوثر کا تذکرہ کیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہو، حرب بن میمون ابو الخطاب انصاری معمولی راوی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے خصوصی سفارش کی درخواست کی تو آپ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ میں تمہاری خصوصی سفارش کروں گا آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن یا پل صراط پر ہوں گا یا میزان پر اور یا حوض کوثر پر۔

استراض: یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت (ابوداؤد حدیث ۴۷۵۵ کتاب النہ باب ۲۸ فی ذکر المیزان) میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا: **هل تذكرون اهليكم يوم القيامة**: کیا آپ حضرات قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **تین جگہوں میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔** اور باب کی حدیث میں یہی تین مقامات نبی ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بتائے ہیں کہ تم مجھے ان مقامات میں تلاش کرنا پھر آپ ﷺ ان کے لئے سفارش کریں گے، یہ تعارض ہے کیونکہ یہ یاد کرنا ہے۔

جواب ①: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا غائبین پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان تین موقعوں پر جو لوگ آپ کے سامنے نہیں ہوں غائب ہوں گے آپ ان کو از خود یاد نہیں فرمائیں گے اور حدیث انس رضی اللہ عنہ حاضرین پر محمول ہے معنی یہ ہیں کہ آپ کی امت کے جو لوگ آپ کے سامنے ہوں آپ ان کی خصوصی سفارش بھی فرمائیں گے۔

جواب ②: علامہ طبری رحمہ اللہ نے ان دونوں احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مذکورہ جواب آپ نے اس لیے دیا کہ وہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں یہ مخصوص سفارش کی امید میں اعمال میں سستی اور غفلت اختیار نہ کر لیں کیونکہ آخرت میں قربت نہیں بلکہ نیک اعمال کام آئیں گے اس کے برخلاف آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ جواب اس لیے دیا کہ وہ ناامید اور مایوس نہ ہو جائیں۔

جواب ③: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانے سے متعلق ہے جس میں آپ کی طرف اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی تھی اس لیے آپ نے خصوصی سفارش کی نفی فرمادی اور حدیث انس رضی اللہ عنہ اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ کو وحی کے ذریعہ خصوصی سفارش کی اجازت عطا فرمائی گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ

باب ٩: شفاعت کبریٰ کا بیان

(٢٣٥٨) اُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِلَحْمٍ فَرَفَعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ فَأَكَلَهُ وَكَانَ يُعْجِبُهُ فَتَهَشَّ مِنْهُ تَهَشَّةٌ ثُمَّ قَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَلْ تَدْرُونَ لِمَ ذَاكَ يَجْمَعُ اللَّهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَيُسَبِّعُهُمُ الدَّاعِيَ وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرَ وَتَدْنُوا الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَتَحَمَّلُونَ فَيَقُولُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فَيَقُولُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَلَيْكُمْ بِأَدَمَ فَيَأْتُونَ أَدَمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَمَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ أَدَمُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ نَهَاَنِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللَّهُ عَبْدًا شَكُورًا اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ نُوحٌ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلَى قَوْمِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ يَا إِبْرَاهِيمُ أَنْتَ نَبِيُّ اللَّهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ فَذَكَرْهُنَّ أَبُو حَيَّانٍ فِي الْحَدِيثِ نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُونَ يَا مُوسَى أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَضَّلَكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ وَكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أَوْمَرْ بِقَتْلِهَا نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى عِيسَى فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُونَ يَا عِيسَى أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرِيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ وَكَلِمَتُ النَّاسِ فِي الْهَيْدِ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ عِيسَى إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَلَمْ يَذْكَرْ ذَنْبًا نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا ﷺ فَيَقُولُونَ يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَغُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَاتَّطَلَّقَ فَأَتَى تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَخْرَجُ سَاجِدًا لِرَبِّي ثُمَّ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى مَنْ هَمَّ بِهِ وَحُسْنُ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِي ثُمَّ يُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تُشْفَعْ فَارْفَعْ رَأْسِي فَأَقُولُ

يَا رَبِّ اُمَّتِي يَا رَبِّ اُمَّتِي فَيَقُولُ يَامُحَمَّدُ اَدْخُلْ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَاحِسَابِ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْاُتَمِّينِ
مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فَيَمَسُوهُ ذَلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّ مَا بَيْنَ
الْبَصَرِ اَعْيُنٍ مِنْ مَصَارِيحِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرَ وَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرَى.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا آپ ﷺ کے سامنے دستی رکھی گئی تو آپ ﷺ نے اسے کھانا شروع کیا وہ آپ ﷺ کو پسند تھی آپ ﷺ دانتوں کے ذریعے نوح کر اسے کھانے لگے پھر آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ ایسا کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ پہلے والے اور بعد والے سب لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا اس طرح کہ ایک شخص ان سب تک اپنی آواز پہنچا سکے گا اور ان سب کو دیکھ سکے گا سورج قریب آجائے گا لوگ اتنے غم اور کرب کا شکار ہوں گے جو وہ طاقت نہیں رکھتے ہوں گے اور جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے ہوں گے تو لوگ ایک دوسرے سے یہ کہیں گے کیا تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ تمہاری کیفیت کیا ہے؟ تم لوگ یہ جائزہ نہیں لیتے کہ کون شخص تمہارے پروردگار کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کر سکتا ہے تو کچھ لوگ ایک دوسرے سے یہ کہیں گے تم لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے وہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور یہ عرض کریں گے آپ بنی نوع انسان کے جد امجد ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت کے ذریعے پیدا کیا ہے آپ میں اپنی روح کو پھونکا ہے اور اس کے حکم کے تحت فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا ہے آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے ہم اس وقت کس پریشانی کا شکار ہیں اور کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یہ کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام ان سے یہ کہیں گے میرا پروردگار آج اتنا غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور اسکے بعد بھی اتنا غضب ناک نہیں ہوگا اس نے مجھے درخت سے منع کیا تھا میں نے اس کی بات نہیں مانی اس لیے مجھے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے تم لوگ میری بجائے کسی اور کے پاس جاؤ تم لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور یہ عرض کریں گے اے حضرت نوح علیہ السلام آپ سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں روئے زمین والوں کی طرف مبعوث کیا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہماری حالت کیا ہے آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ یہ پریشانی کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ تو حضرت نوح علیہ السلام ان سے کہیں گے میرا پروردگار آج اتنا غضب ناک ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور اس کے بعد کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوگا میں نے اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی اس لیے مجھے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے صرف اپنی فکر ہے تم لوگ میری بجائے کسی اور کے پاس جاؤ تم لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور یہ عرض کریں گے اے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور اہل زمین میں سے اس کے خلیل ہیں آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ تو وہ جواب دین گے میرے پروردگار آج اتنا غضب نام ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضب نام نہیں ہوا اور اس کے بعد کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوگا میں نے تین مرتبہ ذومعنی کلام کیا تھا۔

ابو حیان نامی راوی نے ان کا تذکرہ اپنی روایت میں کیا ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے) مجھے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے صرف اپنی فکر ہے تم لوگ میری بجائے کسی اور کے پاس جاؤ تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام کے ذریعے آپ کو دیگر لوگوں پر فضیلت عطا کی ہے آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کتنی بڑی پریشانی میں ہیں تو وہ جواب دیں گے میرا پروردگار آج جتنا غضب ناک ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور اس کے بعد بھی کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوگا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا تھا جسے قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں ملا تھا۔ اس لئے مجھے فکر ہے اپنی فکر ہے صرف اپنی فکر ہے۔ تم لوگ میرے بجائے کسی اور کے پاس جاؤ تم لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور یہ عرض کریں گے: اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کا ایک ایسا کلمہ ہیں جسے اس نے لوگوں کی طرف القاء کیا تھا۔ اس کی طرف سے آنے والی روح ہیں۔ آپ نے پتنگھوڑے میں لوگوں کے ساتھ کلام کیا تھا تو اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری سفارش کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس پریشانی کا شکار ہیں؟ تو حضرت عیسیٰ جواب دیں گے میرا پروردگار آج جتنا غضب ناک ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی اتنا غضب ناک ہوگا۔ وہ کسی ذنب کا ذکر نہیں کریں گے (لیکن یہ کہیں گے) مجھے اپنی فکر ہے مجھے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے صرف اپنی فکر ہے۔ تم لوگ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ! تو وہ لوگ حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے حضرت محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں آپ کے گزشتہ اور آئندہ ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس پریشانی کا شکار ہیں؟ (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) میں چل پڑوں گا اور عرش کے نیچے آ جاؤں گا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدے میں چلا جاؤں گا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی حمد کا اور اپنی تعریف بیان کرنے کا ایسا طریقہ میرے لیے کشادہ کریگا جو اس نے مجھ سے پہلے کسی کے لیے کشادہ نہیں کیا پھر کہا جائے گا اے محمد ﷺ اپنا سراٹھاؤ مانگو دیا جائے گا شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی تو میں اپنا سراٹھاؤں گا اور عرض کروں گا اے میرے پروردگار میری امت (کو بخش دے) اے میرے پروردگار میری امت (کو بخش دے) اے میرے پروردگار میری امت (کو بخش دے) اے میرے پروردگار میری امت (کو بخش دے) تم اپنی امت کے ان لوگوں کو جن پر حساب لازم نہیں ہوا جنت کے دائیں طرف والے دروازے سے جنت میں داخل کر دو ویسے وہ لوگ دوسرے دروازوں سے داخل ہونے کا بھی حق رکھتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جنت کے دو دروازوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ہجر کے درمیان ہے اور جتنا مکہ اور بصری کے درمیان ہے۔ تشریح: قیامت میں جو شفاعتیں ہوں گی ان کے بارے میں بکثرت روایات مروی ہیں وہ سب مل کر تو اتنی حد کو پہنچ جاتی ہیں، مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں، شفاعت کا مقصد سفارش قبول کرتا ہے تو سفارش کرنے والے کی عزت بڑھتی ہے، یہی حکمت اخروی شفاعتوں کی بھی ہے۔ کہ آخرت میں نبی ﷺ کی سفارش کئی طرح کی ہوگی، پہلی شفاعت کبریٰ ہوگی، پھر دوسری شفاعتیں ہوں گی:

(۱) سب سے پہلے جب تمام اہل محشر پریشان ہونگے، حساب کتاب شروع نہیں ہو رہا ہوگا، اور کسی کو لب ہلانے کی مجال نہیں ہوگی

اس وقت تمام امتیں مل کر حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سبھی انبیاء علیہم السلام سے درخواست کریں گی کہ وہ ان کے لئے سفارش کریں کہ حساب کتاب شروع ہو جائے، اور مؤمنین کی بے چینی ختم ہو، مگر ہر ایک نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، کوئی شفاعت کی ہمت نہیں کرے گا، تب آخر میں تمام اہل محشر نبی ﷺ سے درخواست کریں گے، آپ ﷺ ہمت کر کے اور اللہ کے لطف و کرم پر اعتماد کر کے آگے بڑھیں گے، اور پوری نیاز مندی اور حسن ادب کے ساتھ اہل محشر کے لئے سفارش کریں گے، جو بارگاہ جلالیت میں قبول ہوگی، پھر ملائکہ اور رب ذوالجلال زمین پر اتریں گے، اور حساب اور فیصلے شروع ہونگے، یہ شفاعت چونکہ تمام اہل محشر کے لئے ہوگی اس لئے اس کو شفاعت کبریٰ کہتے ہیں۔

(۲) پھر آپ ﷺ اپنی امت کے مختلف درجات کے گنہگاروں کے لئے سفارش کریں گے، آپ ﷺ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی اور بے شمار گناہ گار امتی جہنم سے چھٹکارا پائیں گے۔

(۳) اسی طرح آپ ﷺ اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں ترقی درجات کی بھی استدعاء کریں گے، یہ دعا بھی قبول ہوگی اور ان جنتیوں کے درجات دوبالا ہو جائیں گے۔

(۴) اسی طرح کچھ نیک امتیوں کے لئے آپ ﷺ سفارش کریں گے اور ان کو بے حساب جنت میں داخلہ مل جائے گا۔

(۵) پھر جب رسول اللہ ﷺ کے زریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جائے گا تو امت کے صالحین بھی اپنے متعلقین کے لئے سفارش کریں گے، یہاں تک کہ وہ معصوم بچے جو کم عمری میں فوت ہوئے ہیں: وہ بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کریں گے۔

(۶) اسی طرح بعض اعمال صالحہ بھی اپنے عاملوں کے لئے سفارش کریں گے، جیسے سورہ بقرہ اور آل عمران اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارش کریں گی، اور یہ سفارشیں بھی قبول ہوگی۔

(۷) اسی طرح انبیائے کرام بھی اپنی امتوں کے لئے مختلف سفارشیں کریں گے۔

(۸) نیز معزز فرشتے بھی بعض انسانوں کے لئے سفارش کریں گے اور یہ سفارشیں بھی قبول کی جائیں گی۔

(۹) اور آخر میں رب ذوالجلال اپنی مہربانی سے باقی ماندہ مؤمنین کو جہنم سے نکالیں گے۔ یہ بھی ایک طرح کی سفارش ہے۔ جو اللہ

تعالیٰ نے کی اور اللہ تعالیٰ ہی نے قبول فرمائی۔ مگر یہ بات قطعی ہے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کو دوزخ سے نہیں نکال سکے گا،

نہ سفارش کیلئے زبان کھول سکے گا، آیت الکرسی میں ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَآ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ کون ہے وہ جو اس بارگاہ

میں ان کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے کوئی سفارش کرے؟ اور سورہ الانبیاء آیت ۲۸ میں ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ

أَرَادُوا﴾ اور فرشتے سفارش نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہوگی۔

غرض شفاعت: دراصل سفارش کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لئے اور ان کے اکرام و اعزاز کے لئے ہوگی، ورنہ

حق تعالیٰ کے کاموں میں اور ان کے فیصلوں میں دخل دینے کی کسی میں مجال نہیں۔ (ماخوذ از معارف الحدیث ۱: ۲۳۶ مع اضافہ)

لوگ قیامت کے دن میدان حشر میں جمع کر کے چھوڑ دیئے جائیں گے، حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں اتریں

گے، جب شفاعت کبریٰ ہوگی، اس کے بعد ملائکہ اور رب ذوالجلال زمین پر آئیں گے اور قیامت کے معاملات شروع ہوں گے۔

قوله: نفسی! ای نفسی ہی التی تستحق ان یشفع لہا: میرا نفس ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کے لئے سفارش کی

جائے، یعنی مجھے اپنی ہی فکر ہے، میں دوسروں کے لئے کیا سفارش کروں!

سیدنا نوح علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا کہ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کا مجھ سے سوال نہ کرو تو وہ سفارش کرنے سے بھی اس لیے معذرت کر دیں گے کہ کہیں سفارش کی درخواست بھی ممانعت کی قبیل نہ ہو۔

فیقولون یا نوح انت اول الرسل الی اهل الأرض: اے نوح علیہ السلام آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں۔

اعتراض: ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تین نبی حضرت آدمی حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہ السلام دنیا میں آچکے تھے تو پھر حضرت نوح علیہ السلام اہل زمین کی طرف پہلے رسول کیسے ہیں؟

جواب: یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو ان کے مخاطب اہل ایمان اور اہل کفر دونوں تھے ان کے برخلاف حضرت نوح علیہ السلام کو جب مبعوث کیا گیا تو پوری روئے زمین صرف کافر ہی کافر تھے اہل ایمان کا وجود ہی نہیں تھا اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں آنے والے پہلے نبی ہیں جن کا واسطہ صرف کافروں سے پڑا تھا۔

(۱) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین خلاف واقعہ باتوں کا تذکرہ پہلے (ابواب البر والصلة باب ۲۶ میں) آچکا ہے۔

(۲) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی کوتاہی کا ذکر نہیں کیا، مگر ترمذی (۱۴۳:۲) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت آرہی ہے کہ انی عبدت من دون اللہ یعنی لوگوں نے میری پوجا کی اس لئے اگر اللہ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ یہ تعلیم تم نے دی تھی؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ اس لئے آج سفارش کرنے کی میری ہمت نہیں۔

یارب امتی یارب امتی.....

اعتراض: ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں ان لوگوں کی شفاعت کی درخواست کا ذکر ہے جو میدان حشر کی سختیوں سے تنگ آ کر نبی کریم ﷺ سے شفاعت کی درخواست کریں گے تاکہ ان کا حساب جلد شروع ہو جائے میدان حشر کی تنگیوں سے نکل جائیں لیکن حدیث کے آخر میں صرف امت محمدیہ کے لیے شفاعت کا ذکر ہے۔

جواب (۱): حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت میں اختصار ہے راوی نے پورا کلام ذکر نہیں کیا چنانچہ سب سے پہلے شفاعت عظمیٰ ہوگی جس میں ان لوگوں کی درخواست کے مطابق نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے سفارش فرمائیں گے تاکہ ان کا حساب جلد شروع ہو جائے اور وہ اس سختی سے نکل جائیں پھر نبی کریم ﷺ اپنی امت کی خاص طور پر سفارش فرمائیں گے راوی نے صرف ایک شفاعت کا ذکر کر دیا یا دوسری کو اختصار ترک کر دیا۔

(۲) قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا: ادخل من أمتك من لا حساب عليه اس میں اگر غور کیا جائے تو اس میں اس شفاعت کا بھی ذکر موجود ہے جس شفاعت کا ذکر حدیث کے شروع میں کیا گیا ہے کیونکہ نبی ﷺ حشر کی سختیوں سے نکلنے کے لیے جلد حساب کی سفارش فرمائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ اپنی امت کے ان افراد کو جنت میں داخل کر دیں۔ جنت میں دائیں جانب کا ایک دروازہ اس امت کے لئے خاص ہوگا۔ اور دوسرے دروازوں سے بھی یہ امت جنت میں داخل ہوگی۔ اور یہ روایت متفق علیہ ہے، مسلم شریف کتاب الایمان (باب ۸۴ حدیث ۱۹۴) بخاری شریف (حدیث ۴۷۱۲) (تفسیر سورہ بنی اسرائیل)۔

بَابُ مِنْهُ

باب ۱۰: شفاعت صغریٰ کا بیان

(۲۳۵۹) شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

(۲۳۶۰) شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ فَقَالَ جَابِرٌ يَا مُحَمَّدُ مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْكِبَائِرِ فَمَالَهُ وَلِلشَّفَاعَةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے محمد (یعنی امام باقر) جو لوگ کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہیں ہوں گے ان کا شفاعت سے کیا تعلق؟

باب ۱۱:

(۲۳۶۱) وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا وَثَلَاثُ حَشِيَّاتٍ مِنْ حَشِيَّاتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میرے پروردگار نے میرے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے وہ میری امت کے ستر ہزار افراد کو اس طرح جنت میں داخل کرے گا کہ ان پر حساب دینا لازم نہیں ہوگا اور انہیں کوئی عذاب نہیں ہوگا ان میں سے ہر ایک ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے (اور میرا پروردگار) تین مرتبہ لپ بھر کر (لوگوں کو جہنم سے آزاد کرے گا)۔

(۲۳۶۲) يُدْخِلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَكْثَرُ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ سِوَاكَ قَالَ سِوَايَ فَلَمَّا قَامَ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا هَذَا ابْنُ أَبِي الْجَدْعَاءِ.

ترجمہ: عبد اللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں میں کچھ افراد کے ہمراہ اہلیاء کے مقام پر تھا ان میں سے ایک صاحب بولے میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری امت کے ایک فرد کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں بنو تميم سے زیادہ افراد داخل ہوں گے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ وہ شخص آپ کے علاوہ کوئی ہوگا؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ میرے علاوہ کوئی ہوگا۔ (راوی بیان کرتے ہیں) جب وہ صاحب چلے گئے تو میں نے دریافت کیا یہ کون تھے؟ تو لوگوں نے بتایا یہ حضرت ابن ابی جدعاء رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲۳۶۳) يَشْفَعُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ لِلنَّبِيِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمِثْلِ رَبِيعَةَ وَمُصَرَّ.

ترجمہ: حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ربیعہ اور مضر (قبیلوں کے افراد جتنی تعداد میں) لوگوں کی شفاعت کرے گا۔

(۲۳۶۴) إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَشْفَعُ لِلْفِتَامِ مِنَ النَّاسِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْقَبِيلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْعَصْبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلزَّجَلِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ایک بڑے گروہ کی شفاعت کریں گے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو ایک قبیلے کی شفاعت کریں گے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو ایک جماعت کی شفاعت کریں گے اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو ایک شخص کی شفاعت کریں گے (اور ان کی شفاعت کی وجہ سے) وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

باب ۱۲

(۲۳۶۵) أَتَانِي ابْنُ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: مَنْ دَخَلَ النَّارَ فَخَرَّ فِيهَا فَخَرَّتْ الشَّفَاعَةُ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت عو بن مالک انسجی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ میرے پاس آیا اس نے مجھے یہ اختیار دیا ہے میں اپنی نصف امت کو جنت میں داخل کروادوں یا شفاعت کے حق کو اختیار کروں تو میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا یہ شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو اس عالم میں مرے کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراتا ہو۔
تشریح: گزشتہ باب کے شروع میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ شفاعت کبریٰ کے علاوہ نبی ﷺ اپنی امت کے لئے اور بھی مختلف سفارشیں کریں گے، جن کا بیان اس باب میں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں سات حدیثیں لکھی ہیں جن میں مختلف شفاعتوں کا ذکر ہے۔

حدیث (۳) کی تشریح: یہ حدیث شفاعت صغریٰ کے باب میں اس لئے لائی گئی ہے کہ اللہ پاک کا نبی ﷺ سے یہ وعدہ کہ وہ ایک بڑی تعداد کو بے حساب اور بے عذاب جنت میں داخل کریں گے، یہ وعدہ آپ ﷺ کا اعزاز و اکرام ہے، پس یہ وعدہ بھی حکمی شفاعت ہے اور آخر میں پروردگار عالم جو تین لپیں بھر کر جہنم سے جنت میں ڈالیں گے یہ بھی حکمی شفاعت ہے، کیونکہ اس کا بھی وعدہ فرمایا گیا ہے۔

حدیث (۴) کی تشریح: ہر نبی اپنی امت کا فرد ہوتا ہے، چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی جس طرح امتیوں کے لئے ضروری ہے، نبی ﷺ کے لئے بھی ضروری تھی۔ جب مؤذن اذان پکارتا تھا تو نبی ﷺ بھی اس جملہ کا یہی جواب دیتے تھے، چنانچہ صحابہ نے پوچھا کہ وہ امتی جس کی سفارش سے لوگوں کی بڑی تعداد جنت میں جائے گی وہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور شخصیت ہوگی یا

آپ ﷺ ہی کی سفارش سے یہ تعداد جنت میں جائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے علاوہ امتی ہوگا۔
حدیث (۷) کی تشریح: نبی ﷺ نے دوسری بات یعنی شفاعت کو اس لئے اختیار فرمایا کہ آپ اس کے ذریعہ اپنی پوری امت کو بخشوائیں گے، البتہ نام نہاد امتی مستثنیٰ ہیں، کیونکہ جو شرک کی دلدل میں پھنسا ہو اس کی مغفرت ہرگز نہیں ہو سکتی۔
امت محمدیہ کی ایک خصوصیت:

ان احادیث میں امت محمدیہ کی ایک خصوصیت کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن اس امت کے ان لوگوں کی حضور ﷺ سفارش فرمائیں گے جنہوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہوگا اور توبہ کے بغیر دنیا سے چلے گئے ہوں گے دوسری امتوں کے لیے یہ شفاعت نہیں ہوگی۔
امت محمدیہ میں سے حساب کے بغیر جنت میں جانے والوں کی تعداد:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار لوگوں کو حساب و کتاب کے بغیر ہی جنت میں داخل فرمائیں گے اور پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور مزید اللہ تعالیٰ اپنے تین چلو کے بقدر لوگوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں سبعین کے لفظ سے یا تو یہ مخصوص تعداد ہی مراد ہے اور یا اس سے کثرت مراد ہے کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ سے بطور مبالغہ کے کثرت و زیادتی مراد لی جاتی ہے نیز ثلاث حثیات کے لفظ سے بھی کثرت و زیادتی مراد لی جاتی ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے میری امت کے بے شمار لوگوں کو حساب و عذاب کے بغیر ہی جنت میں داخل فرمائیں گے۔
رجل سے کون مراد ہے؟ دو قول ہیں: (۱) رجل،، سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مراد ہیں جیسا کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی مرسل روایت امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

(۲) ان سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ مراد ہیں، کیونکہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہے جسے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کہا جاتا، وہ قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مضر کے برابر لوگوں کی سفارش کرے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْحَوْضِ

باب ۱۳: حوض کوثر کے احوال

(۲۳۶۶) إِنَّ فِي حَوْضِي مِنَ الْبَارِئِ بَعْدَ نُجُومِ السَّمَاءِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میرے حوض پر آسمان کے ستاروں کی تعداد جتنے کوزے ہوں گے۔

(۲۳۶۷) إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَإِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ أَهْلَهُمْ أَكْثَرُ وَارِدَةً وَإِنِّي أَزْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً.

ترجمہ: حضرت سرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور وہ آپس میں اس بات پر فخر کا اظہار کریں گے ان میں سے کس کے حوض پر زیادہ لوگ آئے ہیں؟ مجھے یہ امید ہے میرے حوض پر سب سے زیادہ تعداد میں لوگ

آئیں گے۔

تشریح: حوض کوثر کا طول و عرض کتنا ہوگا؟

حوض کوثر کی وسعت بیان کرنے کے لیے مختلف حدیثوں میں مختلف شہروں اور علاقوں کے درمیانی فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔
اعتراض: کوثر کے لئے بعض احادیث میں لفظ حوض استعمال کیا گیا ہے، اور بعض میں نہر اور حوض کوثر کا رقبہ اتنا بڑا ہوگا کہ ایک راہ رواں کے کنارہ سے دوسرے کنارہ تک کی مسافت ایک مہینہ میں طے کر سکے گا، اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ اس کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک کا فاصلہ عدن اور عمان کے درمیان کے فاصلہ کے بقدر ہوگا، بہر حال آخرت کی چیزوں کا صحیح تصور اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا، اس کی واقعی نوعیت اسی وقت سامنے آئے گی جب ہم اس حوض پر پہنچیں گے۔

گویا مسافت کے بیان کے لحاظ سے روایات میں تعارض ہے؟ تو کیا تطبیق ہے؟

جواب ①: ان تمام احادیث میں حوض کوثر کی لمبائی اور چوڑائی کو متعین طور پر حد بندی کے ساتھ بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان سے صرف اس کی لمبائی اور چوڑائی کی وسعت و زیادتی کو بیان کیا گیا ہے اور احادیث میں مختلف شہروں کی مسافتیں مختلف سامعین کے اعتبار سے بیان کی گئی ہیں جو شخص جن علاقوں سے واقف تھا ان کی مسافتوں کے بارے میں اسے علم تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے سامنے حوض کوثر کی وسعت کو سمجھانے کے لیے اسی علاقے کا نام ذکر فرمادیا۔

جواب ②: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا نبی کریم ﷺ نے پہلے تھوڑی مسافت کا ذکر فرمایا پھر آپ کو وحی کے ذریعہ زیادہ کا بتایا گیا تو آپ ﷺ نے پھر زیادہ مسافت کو بیان فرمادیا۔

سوال: پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہر جنت کے اندر ہے، اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت کے باہر میدان حشر ہے اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض سے جس کا پانی نہایت سفید و شفاف اور بے انتہا لذیذ و شیریں ہوگا نوش جاں کریں گے۔

جواب: یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکز جنت کے اندر ہے، اور میدان محشر میں سیکڑوں میل کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہوگا جس میں جنت کے اس چشمہ سے پانی آکر جمع ہوگا، جیسے واٹر ورکس سے پورے شہر میں پانی سپلائی ہوتا ہے۔
 فقراء المہاجرین: سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے نیز انہی کے حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن سے ہجرت اختیار کی اور مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جاکر بس گئے اور دین کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔

ولکنی نکحت المتنعمات: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خوشحال گھرانے سے شادی کی تھی ان کی اہلیہ فاطمہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کی بیٹی تھی، اور اس کے چاروں بھائی سلیمان یزید ہشام اور ولید بھی خلیفہ تھے اور ان کے شوہر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی خلیفہ تھے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ آوَانِي الْحَوْضِ

باب ۱۴: حوض کوثر کے برتنوں کے احوال

(۲۳۶۸) قَالَ بَعَثَ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَحَمَلْتُ عَلَى الْبَرِيدِ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَقَدْ شَقَى عَلَى مَرْكَبِي الْبَرِيدُ فَقَالَ يَا أَبَا سَلَامٍ مَا أَرَدْتُ أَنْ أَشَقَّ عَلَيْكَ وَلَكِنْ بَلَّغْنِي عَنْكَ حَدِيثُ تَحَدُّثُهُ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْحَوْضِ فَأَحْبَبْتُ أَنْ تَشَافِهَنِي بِهِ قَالَ أَبُو سَلَامٍ ثَنِي ثَوْبَانَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ حَوْضِي مِنْ عَدْنٍ إِلَى عَمَّانَ الْبَلَقَاءِ مَاءٌ وَأَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ وَأَكْوَابُهُ عَدَدُ نُجُومِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا أَبَدًا أَوَّلُ النَّاسِ وَرُودًا عَلَيْهِ فَقَرَأَ الْمُهَاجِرِينَ الشُّعْثُ رُؤُوسًا الدُّنَاسِ ثِيَابًا الَّذِينَ لَا يَنْكِحُونَ الْمُتَنَعِمَاتِ وَلَا يَفْتَحُ لَهُمُ السَّدُّ قَالَ عُمَرُ لِكَيْتِي نَكَحْتُ الْمُتَنَعِمَاتِ وَفُتِحَتْ لِي السَّدُّ نَكَحْتُ فَاطِمَةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمَلِكِ لَا جَرَمَ أَنِّي لَا أَعْسِلُ رَأْسِي حَتَّى يَشْعَثَ وَلَا أَعْسِلُ ثَوْبِي الَّذِي يَلِي جَسَدِي حَتَّى يَنْتَسِخَ.

ترجمہ: ابو سلام حبشی بیان کرتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا تو میں ڈاک والے جانور پر سوار ہو کر آیا جب میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ نے ڈاک والے جانور پر سوار کر کے مجھے مشقت کا شکار کیا ہے تو انہوں نے فرمایا اے ابو سلام میں آپ کو مشقت کا شکار نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے آپ کے حوالے سے ایک حدیث کا پتہ چلا جسے آپ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے حوض کوثر کے بارے میں نقل کرتے ہیں تو میری یہ خواہش ہوئی کہ میں بالمشافہ طور پر آپ سے اسے سن لوں تو ابو سلام نے جواب دیا مجھے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حوالے سے یہ حدیث سنائی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

میرا حوض عدن سے لے کر عمان بلقاء تک بڑا ہوگا اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اور اس کے برتن آسمان کے ستاروں جتنے ہوں گے جو شخص اس میں سے پی لے گا اس کے بعد اسے کبھی پیاس نہیں لگے سب سے پہلے اس حوض پر غریب مہاجرین آئیں گے جن کے بال بکھرے ہوئے ہوں گے کپڑے میلے کھیلے ہوں گے وہ لوگ جو صاحب حیثیت عورتوں کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے تھے اور جن کے لیے بند دروازے کھولے نہیں جاتے تھے۔

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بولے میں نے تو صاحب حیثیت عورتوں کے ساتھ شادی بھی کی ہے اور میرے لیے بند دروازے کھولے بھی جاتے ہیں میری شادی فاطمہ بنت عبدالملک سے ہوئی ہے اس لیے میں کم از کم یہ ضرور کروں گا کہ اپنے سر کو اس وقت تک نہیں دھوؤں گا جب تک وہ گرد آلود نہ ہو جائے اور اپنے کپڑے اس وقت تک نہیں دھوؤں گا جب تک وہ میلے کھیلے نہ ہو جائیں گے۔

(۲۳۶۹) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا أَيْنَةُ الْحَوْضِ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَبِيدُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ

وَكَوَاكِهَهَا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ مُصْحِيَّةٍ مِّنْ أُنْيَةِ الْجَنَّةِ مَن شَرِبَ مِنْهَا شَرِبَتْ لَمْ يَظْمَأْ آخِرَ مَا عَلَيْهِ عَرَضُهُ مِثْلُ طُولِهِ مَا بَيْنَ عُمَانَ إِلَى أَيْلَةَ مَاؤُكَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ.

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ حوض (کوثر) کے برتن کیسے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہوں گے وہ ستارے جو ایسی اندھیری رات میں ہوتے ہیں جس میں بادل نہ ہوں وہ جنت کے برتنوں سے تعلق رکھتے ہوں گے جو شخص اس حوض سے پی لے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی اس کی چوڑائی اس کی لمبائی جتنی ہوگی اور اتنی ہوگی جتنا عمان اور ایلہ کے درمیان فاصلہ ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔

تشریح: الليلة المظلمة: تاریک رات یعنی جس میں چاند نہ ہو، ایسی رات میں تارے بہت نظر آتے ہیں، کیونکہ چاند کی روشنی بھی بہت سے تاروں کو چھپا دیتی ہے۔ من انية الجنة: کا متعلق کائنۃ پوشیدہ ہے، اور مبتدأ ہی بھی پوشیدہ ہے، یعنی حوض کوثر کے برتن جنت سے لائے جائیں گے۔ آخر ما عليه: منصوب بنزع خافض ہے ای الی آخر ما عليه: اس حالت کے آخر تک جس پر وہ ہے یعنی قیامت کے پورے دن میں وہ پیاسا نہیں ہوگا۔

اور باب کے آخر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے مگر یہ حدیث معلوم نہیں کس کتاب میں ہے، اور امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے روى فعل مجہول استعمال کیا ہے، اور امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے جو روایت بیان کی ہے وہ اس لئے بھی صحیح نہیں کہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں کوفہ کا وجود نہیں تھا، یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بسایا گیا ہے۔

لغات: اباریق: ابریق کی جمع ہے: آنجورے، جگ۔ يتباهون: آپس میں فخر و مباحات کریں گے۔ واردة: آنے والے۔ برید: یہ فارسی زبان کا کلمہ ہے، اس کے معنی ”خچر“ کے ہیں، اور اصل میں یہ لفظ ”بریدہ دم“ ہے جس کے معنی ”دم کٹا“ کے ہیں، یہ خچر ایک مقام سے دوسرے مقام تک ڈاک لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اور علامت کے طور پر اس کی دم کو کاٹ دیا جاتا تھا، پھر اس ڈاک کو برید کہا جانے لگا جو اس پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا یہاں حدیث میں برید کے اصل معنی یعنی خچر ہی مراد ہیں۔ احلی: زیادہ میٹھا۔ اکواب: رکوب کی جمع ہے: دستہ کے بغیر کوزہ گلاس۔ الشعث: (شین پر پیش اور عین کے سکون کے ساتھ) اشعث کی جمع ہے پراگندہ بال منتشر اور بکھرے ہوئے بال والا۔ الدنس: (دال اور نون پر پیش کے ساتھ) دنس (دال اور نون پر زبر کے ساتھ) میل کچیل۔ المتنعمات: متنعمۃ کی جمع ہے ناز و نعمت میں پروردہ لڑکیاں۔ لا ینکحون المتنعمات: اس مضارع کی معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے معروف کی صورت میں معنی ہوں گے: آسودہ حال لڑکیوں سے نکاح نہیں کر سکتے، اور مجہول کی صورت میں معنی ہوں گے: وہ خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے، سدد: (سین پر پیش اور دال پر زبر کے ساتھ) سدة کی جمع ہے: دروازے۔ یتسخ: وہ میلا کچلا ہو جائے۔ مصحیة: وہ رات جو بادل سے بالکل صاف ہو۔



أَبْوَابُ الرِّقَائِقِ

دل نرم کرنے کے بیان میں

الرقائق: الرقیقۃ کی جمع ہے، اور الرقاق: الرقیق کی جمع ہے، دونوں کے معنی ہیں: پتلی، اور مراد ہے: دل کو نرم کرنے والی باتیں۔ اب یہاں سے رقاق کی حدیثیں شروع ہوتی ہیں، اب تک جو حدیثیں تھیں وہ قیامت کے احوال سے متعلق تھیں، اور گذشتہ عنوان میں تین باتیں شامل تھیں: قیامت کے احوال، دل کو نرم کرنے والی باتیں، اور پرہیزگاری کا بیان۔ قیامت کے احوال بیان ہو چکے، اب رقاق کی روایتیں شروع ہوتی ہیں۔

باب

باب ۱: اللہ پر بھروسہ کرنے والے بے حساب جنت میں جائیں گے

(۲۳۷۰) لَبَّأَسِرَى النَّبِيِّ ﷺ جَعَلَ يَمْرُؤًا بِالنَّبِيِّ وَالنَّبِيِّينَ وَمَعَهُمُ الْقَوْمُ وَالنَّبِيُّ وَالنَّبِيِّينَ وَمَعَهُمُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ وَالنَّبِيِّينَ وَلَيْسَ مَعَهُمْ أَحَدٌ حَتَّى مَرَّ بِسَوَادٍ عَظِيمٍ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قِيلَ مُوسَى وَقَوْمُهُ وَلَكِنْ أَرْفَعُ رَأْسَكَ فَانْظُرْ قَالَ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ قَدْ سَدَّ الْأَفْقَ مِنْ ذَا الْجَانِبِ وَمِنْ ذَا الْجَانِبِ فَقِيلَ هُوَ لَأَ أُمَّتِكَ وَسَوَى هُوَ لَأَ مِنْ أُمَّتِكَ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ فَدَخَلَ وَلَمْ يَسْأَلُوهُ وَلَمْ يُفَسِّرْ لَهُمْ فَقَالُوا نَحْنُ هُمْ وَقَالَ قَائِلُونَ هُمْ أَبْنَاؤُنَا الَّذِينَ وَلِدُوا عَلَى الْفِطْرَةِ وَالْإِسْلَامِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ هُمُ الَّذِينَ لَا يَكْتُمُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَنْتَطِرُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَالَ عُكَّاشَةُ بْنُ مُحْصَنٍ فَقَالَ أَنَا مِنْهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب آپ ﷺ کو معراج کروائی گئی تو آپ ﷺ کا گزر کچھ ایسے انبیاء کے پاس سے جن کے ساتھ کافی لوگ تھے کچھ ایسے انبیاء کے پاس سے ہوا جن کے ساتھ چند لوگ تھے کچھ ایسے انبیاء کے پاس سے ہوا جن کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا گزر ایک بڑے گروہ کے پاس سے ہوا (تو آپ ﷺ فرماتے ہیں) میں نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ تو جواب دیا گیا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہیں لیکن آپ اپنا سراٹھائیے اور ملاحظہ کیجئے آپ ﷺ نے

فرماتے ہیں تو وہاں ایک بڑی جماعت تھی جس نے افق کی اس طرف سے بھی اور اس طرف سے بھی بھر دیا تھا تو یہ بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت ہے اور آپ ﷺ کی امت کے ان افراد کے علاوہ ستر ہزار لوگ ایسے ہیں جو کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ (راوی بیان کرتے ہیں) اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے لوگوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور آپ نے بھی ان کے سامنے اس کی وضاحت نہیں کی لوگوں نے یہ کہا اس سے مراد ہم لوگ ہوں گے (جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے) کچھ حضرات نے یہ کہا اس سے مراد ہماری اولاد ہوگی جو دین فطرت اور اسلام پر پیدا ہوئے ہوں گے پھر آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور فال نہیں نکالتے بلکہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں (راوی بیان کرتے ہیں) حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ان میں ہوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اس نے عرض میں ان میں سے ہوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا عکاشہ تم پر سبقت لے گیا ہے۔

تشریح: سوال یہ ہے کہ اس بات سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو نہیں پہچان سکیں گے جب کہ دیگر بے شمار روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے افراد کو اعضاء وضو کے روشن اور چمکنے کی وجہ سے ہی پہچان لیں گے بظاہر تعارض ہے؟
جواب: یہ ہے کہ دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں اس لیے کہ وہ لوگ جنہیں آپ نے معراج کے موقع پر افق پر دیکھا انہیں پہچانا نہیں جاسکتا تھا انہیں دیکھ کر صرف کثرت اور بھاری تعداد ہی پر اندازہ لگایا جاسکتا تھا اور جن روایات میں پہچاننے کا ذکر ہے ان سے مراد یہ ہے کہ اس وقت لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوں گے جس سے آپ انہیں پہچان لیں گے۔

(۲) اس امت کے ستر ہزار لوگ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے چنانچہ حدیث میں فرمایا: **هؤلاء أمتك وسوي هؤلاء من أمتك سبعون الفا.....**

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر ہزار سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان لوگوں کے علاوہ ہیں جن کے بارے میں آپ کو بتایا گیا: **هؤلاء أمتك** سے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ستر ہزار لوگ بھی ان ہی میں سے ہوں، جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، اس کے دوسرے معنی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے: **هذه أمتك ويدخل الجنة من هؤلاء سبعون الفا**۔ یہ آپ کی امت کے افراد ہیں اور انہی میں سے ستر ہزار انسان ایسے بھی ہیں، جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول ہوئی: مگر دوسرے صاحب کی قبول نہ ہوئی سبقتک بہا عکاشہ کس وجہ سے فرمایا؟

توجیہ ①: بعض حضرات کے نزدیک حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے جب دعا کرائی تو وہ قبولیت کا وقت تھا اس لیے ان کے حق میں تو دعا قبول ہوگئی لیکن دوسرے نے جب کہا تو اس وقت دعا کی قبولیت کا وقت نہیں تھا اس لیے اس کے بارے میں آپ نے دعا نہیں فرمائی۔

توجیہ ②: یا اس لیے کہ وہ پوچھنے والا ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن کی بغیر حساب کے مغفرت ہوگی۔

توجیہ ③: اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو لیکن حضور ﷺ نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب ہر ایک اٹھ کر اپنے بارے میں پوچھنا شروع کر دے کہ میں بھی ان خوش نصیب لوگوں

میں سے ہوں یا نہیں؟

صحیح وجہ پہلی ہے جو مسلم شریف کی روایت میں آئی ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی درخواست کی تھی، چنانچہ نبی ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور وہ قبول ہوئی، کیونکہ وہ قبولیت کی گھڑی تھی، پھر جب دوسرے صاحب نے درخواست کی تو وہ گھڑی ختم ہو چکی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا نہیں کی، اور فرمایا: عکاشہ سبقت لے گئے اور تم پیچھے رہ گئے!

فَقَالَ اَنَا مِنْهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَ نَعَمْ، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے انہوں نے دعا کروائی اور پھر پوچھا کہ کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے بتا دیا کہ: جی ہاں تم بھی ان میں سے ہو گویا تمہارے حق میں دعا قبول ہو گئی ہے۔

حضرت عکاشہ ایک مشہور صحابی رضی اللہ عنہ کا تعارف:

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محسن بن حرثان، یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے ابتداء میں اسلام قبول کر لیا تھا تمام غزوات میں پابندی سے شریک ہوتے رہے غزوہ بدر میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو نبی ﷺ نے ایک لکڑی یا کھجور کی شاخ انہیں دی تو ان کے ہاتھ میں معجزانہ طور پر وہ تلوار بن گئی اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے انہیں بشارت دیدی کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں حساب کے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

لعنات: الرهط: (راپر ہا کے سکون کے ساتھ) گروہ جماعت۔ سواد: بھاری تعداد جم غفیر جمع اسودۃ سد الافق آسمان کو کثرت کی وجہ سے ڈھانپ دیا۔ لایکتبون: وہ داغ نہیں لگاتے۔ لایسترقون: وہ لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ لایتطیرون: وہ بدقالی نہیں لیتے جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ پرندوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

باب

باب: دین پر صحیح طرح عمل ضروری ہے

(۲۳۷۱) مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كُنَّا عَلَيْهِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ آئِينَ الصَّلَاةُ قَالَ أَوْلَكُمْ تَصْنَعُوا فِي صَلَاتِكُمْ مَا قَدْ عَلِمْتُمْ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اب مجھے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جو آپ ﷺ کے زمانے میں رائج ہوئی تھی راوی بیان کرتے ہیں میں نے دریافت کیا نماز کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اپنی نمازوں کے بارے میں تم لوگ جو کچھ کرتے ہو وہ تمہارے علم میں ہے۔

یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ طبقات ابن سعد میں ہے، اور یہاں ابو عمران جوئی کی جو روایت ہے وہ مختصر ہے، اور اس میں یہ جملہ کا بھی مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا، اور یہ حدیث بخاری شریف میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دیگر تلامذہ سے مروی ہے۔ (حدیث ۵۲۹، ۵۳۰)

باب

باب: چند برے لوگوں کا تذکرہ

(۲۳۷۲) يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا تَخَيَّلَ وَ اخْتَالَ وَ نَسِيَ الْكَبِيرَ الْمُتَعَالِي يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا تَجَبَّرَ وَ اعْتَدَى وَ نَسِيَ الْجَبَّارَ الْأَعْلَى يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا سَهَا وَلَهَا وَ نَسِيَ الْمَقَابِرَ وَ الْبِلَى يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا عَتَا وَ طَغَى وَ نَسِيَ الْمُبْتَدَا وَ الْمُنْتَهَى يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا يَخْتَلُ الدُّنْيَا بِالْدِّينِ يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا يَخْتَلُ الدِّينَ بِالشُّبُهَاتِ يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا طَمَعَ يَقْوَدُهُ يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا هَوَى يُضِلُّهُ يَبْسُ الْعَبْدُ عَبْدًا رَغَبٌ يُذِلُّهُ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے وہ بندہ بہت برا ہے جو خود کو (دوسروں) سے اچھا سمجھے اور تکبر کرے اور کبیر متعال کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو سختی کرے اور زیادتی کرے اور جبار اور اعلیٰ ذات کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو بھول جائے اور لعولعب میں مشغول ہو جائے اور قبر اور گل سڑ جانے کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو سرکشی اور نافرمانی کرے اور اپنے آغاز اور انتہاء کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو دین میں شبہات شامل کر دے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو لالچ کو رہنما بنا لے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جس کی خواہش نفس اسے گمراہ کر دے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جس کی خواہشات اسے ذلیل کر دیں۔

تشریح: اس روایت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان کو ان بری صفات سے بچ کر زندگی گزارنی چاہیے تاکہ وہ اللہ اور رسول کی نظر میں بہترین انسان ثابت ہو اور اسے وہ فضیلتیں حاصل ہو سکیں جو کہ کامل ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔

لغات: تخیل: دوسروں سے اپنے آپ کو اچھا اور بہتر جانا تکبر کیا۔ اختال: فخر و غرور اور تکبر کیا۔ تجبر: تکبر کیا۔ اعتدی: ظلم و زیادتی کی۔ سہی: دنیاوی امور میں مشغولیت کی وجہ سے دین کے کاموں کو یعنی اللہ کی اطاعت کو بھول گیا۔ لہی: لہو و لعب اور کھیل کود میں مشغول رہا۔ البلی: (باء کے نیچے زیر) ہڈیوں کا بوسیدہ اور فنا ہو جانا۔ عتا: فساد پھیلانے طغی: تکبر و سرکشی کرے۔ المبتداء: ابتداء اس سے تخلیق مراد ہے کہ وہ کس قدر ذلیل اور گندے پانی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ المنتہی: انتہاء مراد یہ ہے کہ بالآخر اس نے قبر میں جانا ہے جو وحشت و تنہائی اور کیڑے مکوڑوں کا گھر ہے۔ یختل: طلب کرتا ہے حاصل کرتا ہے فساد پھیلاتا ہے خراب کرتا ہے۔ الشبہات: شبہہ کی جمع ہے: شبہات اور اعتراضات۔ یقودہ: اس کو ہانک کر لے جاتی ہے کھینچ کر لے جاتی ہے رعب (را پر پیش اور زبرغین پر زبر اور سکون کے ساتھ) دنیا طلبی کی زیادہ رغبت۔ و حرص یذللہ: (یا پر پیش اور ذال کی زیر کے ساتھ) حرص و ہوس اس کو ذلیل کرے گی۔

حدیث کا حال: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی ہاشم ضعیف ہے، اور زید شعمی مجہول راوی ہے۔

باب

باب: غریبوں کو کھلانے، پلانے اور پہنانے کی فضیلت

(۲۳۷۳) أَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَطْعَمَ مُؤْمِنًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ ثَمَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَقَى مُؤْمِنًا عَلَى ظَمَاءٍ سَقَاهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ كَسَا مُؤْمِنًا عَلَى عُرَى كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو بھی مومن کسی دوسرے مومن کو اس کی بھوک کے عالم میں کھانا کھلائے گا اللہ تعالیٰ اس (پہلے مومن کو) قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مومن کسی پیاسے مومن کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے مہر لگا ہوا خالص مشروب پلائے گا اور جو مومن کسی دوسرے مومن کی ضرورت کے وقت اسے لباس پہننے کے لیے دے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز لباس پہنائے گا۔

تشریح: تینوں صورتوں میں جزاء جنس عمل سے ہے یعنی دنیا میں جو عمل کیا ہے آخرت میں اس کی ویسی ہی جزا ملے گی۔

جوع: (جیم پر پیش کے ساتھ) بہوک ظما (ظا اور میم پر زبر کے ساتھ) پیاس۔ ر حیق: صاف اور خالص شراب۔ مختوم: مہر لگایا ہوا یعنی اس کا ڈھکن کسی نے نہیں کھولا ہوگا۔ عری (عین پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ برہنہ جسم ننگے بدن۔ خضر (خاء پر پیش اور ضاد کے سکون کے ساتھ) اخضر کی جمع ہے: سبز لباس۔

سند کا حال: اس حدیث کا راوی ابوالجارد الاعمی الکوفی رافضی تھا، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اس کو کذاب کہا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے موقوف بھی مروی ہے، اور وہی ہمارے نزدیک اشبہ بالصواب ہے، مگر یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۱۶۸۲) میں ایک دوسری سند سے مرفوع مروی ہے، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس پر سکوت فرمایا ہے، پس یہ حدیث قابل اعتبار ہے۔

باب

باب: جنت نہایت قیمتی سامان ہے

۲۳۷۴۔ مَنْ خَافَ آذَ الْجَحِيمِ وَ مَنْ آذَ الْجَحِيمِ أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللَّهِ غَالِيَةً أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللَّهِ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص خوف زدہ ہو وہ رات کے ابتدائی حصے میں سفر شروع کر دیتا ہے اور جو شخص رات کے ابتدائی حصے میں سفر شروع کر دے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کا سامان مہنگا ہے یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔

تشریح: جنت بیش قیمت متاع ہے، پس اس کو حاصل کرنے کے لئے بڑی تیاری کی ضرورت ہے، جیسے وہ مسافر جسے دشمن کے شب

خوں کا ڈر ہے، شروع رات سے سفر شروع کر دیتا ہے، اور دشمن سے بچ جاتا ہے، اور جو شخص دیر کرتا ہے وہ دشمن کی زد میں آ جاتا ہے، اسی طرح جو زندگی کے لمحات گنواتا ہے: ممکن ہے جنت اس کے ہاتھ نہ آئے، کیونکہ جنت کوئی گرا پڑا سامان نہیں جو ہر کسی کے ہاتھ آ جائے۔ اس مثال سے اس بات کو سمجھانا (پیش نظر ہے کہ اللہ کا مال متاع جنت ہے جو بلاشبہ انتہائی قیمتی ہے اور یہ اصول ہے کہ جو چیز جس قدر قیمتی ہو تو اس کے حصول کیلئے زیادہ محنت زیادہ تگ و دو جان و مال اور وقت کی قربانی دینی پڑتی ہے اور وہ یہ ہیکہ گناہوں کو مکمل طور پر چھوڑ دیا جائے اور اعمال صالحہ کئے کئے جائیں اور دشمن کے وار سے بچنے کے لیے عزم و ہمت سے کام لیا جائے ہمارا دشمن شیطان ہے ہمارا نفس۔

باب

باب: آدمی پر ہیزگار کب بن سکتا ہے؟

(۲۳۷۵) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَدَرًا لِمَا بِهِ الْبَأْسُ.

ترجمہ: حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں وہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کوئی بھی شخص اس وقت تک پرہیزگاروں میں شامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی حرج نہیں ہوتا تاکہ وہ ان میں مبتلا ہونے سے بچ جائے جن میں حرج ہوتا ہے۔

تشریح: تقویٰ کے تین درجات ہیں: (۱) ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کفر و شرک سے برائت کا اظہار کر دے۔

(۲) ان تمام کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔

(۳) خلاف اولیٰ امور کو بھی ترک کر دے تاکہ گناہوں میں مبتلا ہونے سے بچ جائے یہ تقویٰ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

ترکیب: ان یکون لا یبلغ کا ظرف ہے، اور مضاف مقدر ہے، ای لا یبلغ العبد درجۃ المتقین، حذر: ایدع کا مفعول لہ ہے، ای خوفًا من ان یقع فیما فیہ باس۔ اور مناوی رحمہ اللہ نے پوری حدیث کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے یتزک فضول الحلال حذرًا من الوقوع فی الحرام یعنی بے فائدہ حلال کو چھوڑ دے اس اندیشہ سے کہ وہ حرام میں جا پڑے گا۔

باب

باب: دین کا ولولہ دائم قائم نہیں رہتا

(۲۳۷۶) لَوْ أَنَّكُمْ تَكُونُونَ كَمَا تَكُونُونَ عِنْدِي لَا ظَلْتُكُمْ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنَحَتَيْهَا.

ترجمہ: حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر تم لوگ (میرے پاس سے اٹھ کر بھی) اسی طرح رہو جیسے میری موجودگی میں ہوتے ہو تو فرشتے اپنے پروں کے ذریعے تم پر سایہ کر لیں۔

تشریح: دل کو عربی میں قلب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا، الثابتا پلٹتا رہتا ہے، چنانچہ کبھی اعمال دینی کی طرف

رغبت ہوتی ہے، کبھی نہیں ہوتی، سستی چھا جاتی ہے، پس قلب کی اچھی حالت سے فائدہ اٹھانا چاہئے، جب وہ اعمال صالحہ کی طرف راغب ہو: عمل کر لینا چاہئے، جب وہ اعمال صالحہ کی طرف راغب ہو: عمل کر لینا چاہئے، کیونکہ یہ حالت بدل جائے گی پھر عمل کرنا مشکل ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قلب کے احوال دائم قائم نہیں رہتے، بس بجلی کی طرح کوندتے ہیں، اس لئے جب دل اعمال صالحہ کی طرف راغب ہو تو اس حالت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور جو کچھ ممکن ہو کر لینا چاہئے، اور باب میں اسی مضمون کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، جو آگے ابواب صفۃ الجنة (باب ۲ حدیث ۲۵۲۱) میں آ رہی ہے۔

لغات: شرۃ (شین کے نیچے زیر اور را پر تشدید اور زبر) حرص نشاط تیزی کمال فترۃ (فا پر زبر اور تا کے سکون کے ساتھ) ضعف کمزوری ڈھیلا پن زوال فان صحابہا ان حرف شرط ہے اور صاحبہا بعد والے فعل کا فاعل مقدم ہے۔ قارب: اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے فارجہ: (صیغہ امر ہے) تم اس کی بہتری اور کامیابی کی امید رکھو۔ فلا تعدوہ: تم اسے کسی شمار میں نہ لاؤ یعنی وہ ریاکار ہے۔ لہذا اسے نیکیوں میں سے نہ سمجھو۔ عروضہ: عرض کی جمع ہے: مصائب اور تکلیفیں بیماری بھوک پیاس اور پریشانی وغیرہ۔ ینہشہ: اسے دس لے گا۔

باب

باب: چستی کے بعد سستی آ جاتی ہے

(۲۳۷۷) إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا سَدَدًا وَقَارَبَ فَارْجُوهُ وَإِنْ أُشِيرَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِ فَلَا تَعْدُوهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ہر چیز کی ایک مخصوص کشش ہوتی ہے اور ہر پرکشش چیز سے بے رغبتی بھی ہوتی ہے اگر وہ شخص سیدھا رہے اور میانہ روی اختیار کرے تو مجھے اس کے بارے میں (بھلے کی) امید ہے اور اگر انگلیوں کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کیا جائے تو تم اسے کسی گنتی میں شمار نہ کرو۔

تشریح: عمل میں اعتدال ضروری ہے، جو شخص اس حال میں سیدھا چلتا ہے، اور اعتدال پر قائم رہتا ہے اس سے امید باندھو کہ وہ کچھ بنے گا اور اگر وہ حد سے تجاوز کر جائے، اور اتنا عبادت میں مشغول ہو جائے کہ لوگ اس کی طرف اشارے کرنے لگیں کہ فلاں ایسا عبادت گزار ہے، ویسا عبادت گزار ہے، تو وہ شخص قابل لحاظ نہیں، کیونکہ یہ ہانڈی کا ابال ہے جو تھوڑی دیر میں بیٹھ جائے گا، آدمی انہی اعمال پر برقرار رہ سکتا ہے جن میں اعتدال ہوتا ہے۔

یہ حدیث سیوطی رحمہ اللہ نے جامع صغیر قرار دیا ہے، اسی لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روى (فعل مجہول) استعمال کیا ہے۔

باب

باب: امیدیں کوتاہ کرنے کا بیان

(۲۳۷۸) حَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حُطًّا مُرَبَّعًا وَحَطَّ فِي وَسْطِ الْحُطِّ حُطًّا وَحَطَّ خَارِجًا مِّنَ الْحُطِّ حُطًّا وَحَوَّلَ الَّذِي فِي الْوَسْطِ حُطُّوْطًا فَقَالَ هَذَا ابْنُ آدَمَ وَهَذَا أَجَلُهُ فُحِيطُ بِهِ وَهَذَا الَّذِي فِي الْوَسْطِ الْإِنْسَانُ وَهَذِهِ الْحُطُّوْطُ عُرُوضُهُ إِنَّ تَجَاوَزَ هَذَا يَنْتَهَشُهُ هَذَا وَالْحُطَّ الْحَارِجُ الْأَمَلُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے مربع کی شکل میں لکیریں کھینچیں اور پھر ان لکیروں کے درمیان میں ایک لکیر کھینچی پھر اس مربع کے باہر ایک لکیر کھینچی اور جو درمیان میں لکیر تھی اس کے ارد گرد کچھ اور لکیریں کھینچیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ آدم کا بیٹا ہے یہ اس کی زندگی ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور یہ جو درمیان میں ہے یہ انسان ہے اور یہ جو لکیریں ہیں یہ اس کو لاحق ہونے والے حادثات ہیں اگر وہ ایک سے نجات پالے تو دوسرا اے اچک لیتا ہے یہ انسان ہے اور یہ جو لکیریں ہیں یہ اس کو لاحق ہونے والے حادثات ہیں اگر وہ ایک سے نجات پالے تو دوسرا اسے اچک لیتا ہے اور یہ باہر والی لکیریں اس کی امید ہے (یعنی اس کی خواہشات ہیں)۔ کبھی انسان پر دنیا کی محبت اس درجہ غالب آجاتی ہے کہ وہ حیات دراز کا خواب دیکھنے لگتا ہے، حالانکہ دنیا کی زندگی عارضی ہے، دائمی زندگی آخرت کی ہے، پس اسی کی تیاری میں مشغول ہونا چاہئے۔

باب

باب: آخری زندگی میں مال اور حیات دراز کی حرص بڑھ جاتی ہے

(۲۳۷۹) يَهْرُمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشَبُّ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آدم کا بیٹا بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن اس کے ہمراہ دو چیزیں جوان رہتی ہیں ایک مال کا لاچ اور دوسرا لمبی عمر کا لاچ۔

تشریح: عجیب بات ہے: جب زندگی ختم ہونے آتی ہے، موت کے آثار نظر آنے لگتے ہیں، قوی جواب دے دیتے ہیں تو آدمی میں جینے کی تمنا بڑھ جاتی ہے اسی طرح جب مال کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی، آدمی آل اولاد کے جھمیلوں سے نمٹ جاتا ہے اور مصارف زندگی بھی کم ہو جاتے ہیں تو مال کی حرص بڑھ جاتی ہے۔ یہ دو باتیں بڑی ہی عجیب ہیں، مگر واقعی ہیں۔ پس آدمی کو چاہئے کہ ہوسوں پر کنٹرول کرے، اور زندگی کے لمحات کو غنیمت سمجھے اور جو کچھ آخرت کیلئے کر سکتا ہے کر لے۔

لغات: یہرم (راپر زبر کے ساتھ) بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے۔ تشب (شین کے نیچے زیر اور باکی تشدید کے ساتھ) جوان اور قوی ہو جاتی ہے۔

باب

باب: انسان اسباب موت میں گھرا ہوا ہے

(۲۳۸۰) مُثَلِّ ابْنُ أَدَمَ وَإِلَى جَنْبِهِ تِسْعَةٌ وَتَسْعُونَ مَنِيَّةً إِنْ أَخْطَأَتْهُ الْمَنَائِيَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ.

ترجمہ: مطرف بن عبد اللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ابن آدم کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ اس کے پہلو میں ۹۹ آفات ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی آفت اسے لاحق نہ ہو تو بھی وہ بڑھاپے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث ابواب القدر میں گزر چکی ہے۔

باب

باب: آخرت کی تیاری اور کثرت درود شریف کی فضیلت

(۲۳۸۱) قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللَّهَ اذْكُرُوا اللَّهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ قَالَ أُبَيُّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي أَكْثَرُ الصَّلَاةِ عَلَيْكَ فَكُمُ أَجْعَلْ لَكَ مِنْ صَلَاتِي قَالَ مَا شِئْتُ قُلْتُ الرُّبْعَ قَالَ مَا شِئْتُ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ بِهِ قُلْتُ فَالْنِصْفُ قَالَ مَا شِئْتُ وَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ قُلْتُ فَثُلَاثِي قَالَ مَا شِئْتُ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ أَجْعَلْ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذَا تَكْفَى هَمَّكَ وَيُغْفِرُ ذَنْبَكَ.

ترجمہ: طفیل بن ابی بن کعب اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا جب دو تہائی رات گزر جاتی تو آپ اٹھ کر کھڑے ہوتے اور ارشاد فرماتے اے لوگو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو قیامت آرہی ہے جس کے بعد دوسری سختی موت ہے اپنی سختیوں سمیت آرہی ہے۔ حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ پر بکثرت درود بھیجتا ہوں تو میں آپ ﷺ پر کتنا درود بھیجا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم چاہو میں نے عرض کی (میں اپنی عام نفلی عبادات کا) ایک چوتھائی کر لوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو تم چاہو لیکن اگر تم زیادہ کر لو تو یہ زیادہ بہتر ہے میں نے عرض کی پھر نصف کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم پسند کرو لیکن اگر زیادہ کر لو تو یہ زیادہ بہتر ہوگا میں نے عرض کی پھر میں دو تہائی کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو تم پسند کرو لیکن اگر تم زیادہ کر لو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوگا میں نے عرض کی پھر میں (اپنی نفلی عبادات کے اوقات کا) سارا حصہ آپ ﷺ پر درود بھیجوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس صورت میں یہ تمہاری تمام پریشانیوں کے حل کے لیے کافی ہوگا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی۔

تشریح: (راجفہ رجف سے ہے جس کے معنی حرکت کرنے اور بے چین و بے قرار ہونے کے ہیں اور راجفہ کے معنی ہیں قیامت کے دن صور کا پہلا نغمہ یعنی صور پھونکنے کی پہلی آواز کہ جس سے تمام مخلوق مرجائے گی۔ الرادفہ یہ رد ف سے ہے کسی کے

پیچھے سوار ہونا پیچھے چلنا اور رادفۃ قیامت کے دن صور کا دوسرا نفل یعنی صور پھونکنے کی دوسری آواز کہ جس سے تمام مخلوق زندہ ہو جائے گی۔ تتبعہا اس کے پیچھے آئے گی من صلاتی اپنی دعا کے مقرر کردہ وقت میں سے اذا تکفی ھمک یعنی اس کی برکت سے تمہارے تمام مقاصد اور ضروریات پوری ہوں گی اس میں تکفی فعل مجہول انت ضمیر نائب فاعل ہے اور ھمک مفعول ثانی ہے۔

باب

باب: اللہ سے شرم کرو، جیسا شرم کرنے کا حق ہے

(۲۳۸۲) اسْتَحْيُوا مِنْ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَسْتَحْيِي وَالْحَمْدُ لِلَّهِ قَالَ لَيْسَ ذَاكَ وَلَكِنَّ الْإِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعَى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوَى وَلِتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْيَلَّيَ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيَا مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کرو جس طرح حیاء کرنے کا حق ہے ہم نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے نبی الحمد للہ ہم لوگ حیاء کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد وہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی طور پر حیاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے سر کی اور جو کچھ اس میں ہے (یعنی ناک کان آنکھ وغیرہ کی) حفاظت کرو اور اپنے پیٹ کی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی حفاظت کرو اور موت کو یاد رکھو جو شخص آخرت چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے جو شخص ایسا کر لے گا تو اس نے واقعی حیاء کی (راوی بیان کرتے ہیں) آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کی جائے جس طرح حیاء کرنے کا حق ہے۔

تشریح: حیاء کے لغوی معنی ہیں: نفس کا ایسی چیزوں سے باز رہنا جن کو لوگ عموماً برا جانتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں حیاء نفس میں جمی ہوئی اس کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے نفس بارگاہ خداوندی میں ایسا پگھل جاتا ہے جیسا نمک پانی میں پگھل جاتا ہے، اور آدمی ان خیالات کی تابع داری کرنے سے رک جاتا ہے جو شریعت کی خلاف ورزی کی طرف مائل کرتے ہیں، حیاء کا انسان کی سیرت سازی میں بڑا دخل ہے، اس وصف کی وجہ سے آدمی بہت سے برے کاموں سے اور بری باتوں سے بچ جاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کام کرنے لگتا ہے، چنانچہ احادیث میں اس وصف پر بہت زور دیا گیا ہے، صحیحین کی حدیث میں شرم و حیاء کو شجر ایمان کی ایک اہم شاخ قرار دیا ہے، اور بیہقی کی روایت میں حیاء اور ایمان میں چولی دامن کا ساتھ بتایا ہے، یعنی اگر ایک وصف اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے، رہی یہ بات کہ حیاء کا مورد کیا کیا چیزیں ہیں؟ تو اس کی تفصیل درج ذیل روایت میں ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ سے شرم و جیسا شرم مانے کا حق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے یعنی کامل تقویٰ اختیار کرو جس میں تمام معاصی کا چھوڑنا شامل ہے۔ اور صحابہ نے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے: جیسا اللہ سے شرم مانے کا حق ہے، نہیں کہا، بلکہ صرف یہ کہا کہ ہم اللہ سے شرماتے ہیں

سرکی حفاظت: میں یہ بات بھی شامل ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے، نام و نمود کے لئے نماز نہ پڑھی جائے، غیر اللہ کے

سامنے سر نہ جھکایا جائے اور تکبر سے سراونچا نہ کیا جائے اور سر میں یہ قوتیں شامل ہیں: زبان، آنکھ، ناک، کان، دماغ اور حواس باطنہ۔ ان سب کو ناجائز کاموں سے بچانا کما حقہ شرمنا ہے۔۔ اور پیٹ کی حفاظت سے مراد حرام کھانے سے بچنا ہے اور پیٹ کے قوی جو پیٹ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ شرم گاہ، پاؤں، ہاتھ اور دل ہیں۔ یہ سب اعضاء پیٹ سے متصل ہیں اور ان کی نگہداشت یہ ہے کہ ان کو معاصی میں استعمال نہ کیا جائے، بلکہ اللہ کی خوشنودی میں استعمال کیا جائے۔۔

سند پر کلام: یہ حدیث صباح بن ابی حازم بجلی احمدی کوئی کی وجہ سے ضعیف ہے، یہ راوی موقوف حدیثوں کو مرفوع کر دیا کرتا تھا، اور ذہبی رحمہ اللہ نے (میزان ۲: ۳۰۶، ترجمہ ۳۸۴۸ میں) لکھا ہے کہ اس راوی نے حضرت ابن مسعود کے دو قولوں کو مرفوع کر دیا ہے (ان میں سے ایک یہ ہے)۔

باب

باب: عقلمند آدمی نفس کا محاسبہ کرتا ہے

(۲۳۸۳) الْكَفِيُّ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَتَّى عَلَى اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت شداد بن عوف رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں عقل مند شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو عبادت میں مصروف رکھے اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کرے اور بے وقوف وہ شخص ہے جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھے۔

تشریح: نفس اور اعمال کی پڑتال کرنا عقلمندی کی بات ہے، جس کی عقل نور ایمانی سے منور ہوتی ہے، اور آخرت اس کی نگاہ میں دنیا سے زیادہ اہم ہوتی ہے: وہ ذرور اپنا محاسبہ کرتا ہے، اور محاسبہ کا فائدہ یہ ہے کہ جو غلطیاں سامنے آتی ہیں، انسان آگے ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جو نیک اعمال صادر ہوتے ہیں ان میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔

باب

باب: قبر مردے سے کیا کہتی ہے؟

(۲۳۸۴) دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُصَلًّا فَرَأَى نَاسًا كَأَنَّهُمْ يَكْتُمُونَ قَالَ أَمَا إِنَّكُمْ لَوَأَكْثَرُتُمْ ذِكْرَ هَازِمِ اللَّذَاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرَى فَأَكْثَرُوا مِنْ ذِكْرِ هَازِمِ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ إِلَّا تَكَلَّمَ فِيهِ فَيَقُولُ أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَأَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَأَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَأَنَا بَيْتُ الدُّودِ فَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَأَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَا حَبَّ مِنْ يَمَشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَى فَادُو لَيْتَكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَى فَسْتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَتَسَّعُ لَهُ مُدَبَّرُهُ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوْ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَلَا أَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَا بَغْضَ مِنْ يَمَشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَى فَادُو لَيْتَكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَى فَسْتَرَى صَنِيعِي

بِكَ قَالَ فَيَلْتَمِمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَلْتَقِيَ عَلَيْهِ وَتَخْتَلِفُ أَصْلَاحُهُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اپنی جائے نماز پر تشریف لائے آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم لذتوں کو ختم کرنے والی چیز (یعنی موت کو) بکثرت یاد کرو تو یہ تمہیں اس چیز کی فرصت نہ دے جس میں تمہیں دیکھ رہا ہوں (یعنی ہنسنے کا موقع نہ ملے) تو تم لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو قبر روزانہ یہ کہتی ہے میں تنہائی کا گھر ہوں میں اکیلے رہنے کا گھر ہوں میں مٹی کا گھر ہوں میں کیڑوں کا گھر ہوں جب بندہ مومن کو اس میں دفن کر دیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تمہیں خوش آمدید ہے میری (یعنی زمین کی) پشت پر جتنے بھی لوگ چلتے تھے تم مجھے ان سب میں سے زیادہ محبوب تھے اب تمہیں میرے سپرد کر دیا گیا ہے اب تم میرا حسن سلوک دیکھنا پھر وہ قبر اس شخص کے لیے حدنگاہ تک کشادہ ہو جاتی ہے اور اس شخص کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے لیکن جب گنہگار بندے یا کافر شخص کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تمہیں کوئی خوش آمدید نہیں ہے تم میری پشت پر چلنے والے ناپسندیدہ ترین شخص تھے آج تمہیں میرے حوالے کیا گیا ہے اور تم میرے پاس چلے آئے ہو تو اب اپنے ساتھ میرا سلوک دیکھو گے آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر وہ تنگ ہو جاتی ہے اور اسے بھینچ دیتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں (راوی بیان کرتے ہیں) آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے اشارے کے ذریعے یہ بات بتائی۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے اس شخص پر ۷۰ ایسے سانپ مسلط کئے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک زمین پر پھونک مارے تو رہتی دنیا تک وہاں کبھی کوئی چیز نہ اگے وہ اس شخص کو کاٹتے ہیں اور نوچتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس مردے کو حساب کے لیے (قیامت کے دن) لے جایا جائے گا۔

لعنات: کشر عن اسنانہ یکشر (ض) کشرًا: ہنستے وقت دانت نکالنا، اکبشر الرجل: ہنستے وقت خوب دانت نکالنا۔ مرحبًا: خوش آمدید، المرحب: کشادگی، فراخی، مرحبا بک: آپ کے لئے ہمارے پاس کشادگی ہے، آپ کھلی اور فراخ جگہ میں آئے۔ لا مرحبا بک: بددعا کے لئے ہے، یعنی خدا کرے تمہارے لئے یہاں جگہ تنگ ہو۔ السهل: نرم، ہموار جگہ، سهل: ای اتیت سهلا: آپ نرم جگہ میں آئے، بوقت ملاقات کہتے ہیں: اهلاً وسهلاً: ای لقیث اهلاً، وحللت سهلاً: ای اتیت سهلاً: آپ نرم جگہ میں آئے، بوقت ملاقات کہتے ہیں: اهلاً وسهلاً: ای لقیث اهلاً، وحللت سهلاً: آپ اپنے لوگوں سے ملے، اور آرام والی جگہ میں آئے، اردو میں ایسے موقع پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے: اس کا ایک راوی عبید اللہ بن الولید الوصافی ابو اسماعیل الکونی نہایت کمزور راوی ہے۔

باب

باب: سادہ زندگی اختیار کرو

(۲۳۸۵) دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَإِذَا هُوَ مُتَكِيٌّ عَلَى رَمْلٍ حَصِيرٍ فَرَأَيْتُ أَثَرَ كَفٍّ فِي جَنْبِهِ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک چٹائی کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی میں نے اس کا نشان آپ ﷺ کے پہلو پر دیکھا۔

باب

دنیا میں منافست تباہ کن ہے

(۲۳۸۶) أَخْبَرَنَا أَن عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ وَكَانَ شَهِيدًا بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَخْبَرَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ فَقَدِمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَبَّحَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَاقُوا صَلَوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْصَرَفَ فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ رَأَاهُمْ ثُمَّ قَالَ أَطْنَكُمُ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ قَالُوا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَأَبْشُرُوا وَأَمْلُوا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللَّهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا فَتُهْلِكُكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ جو بنو عامر بن لوی کے حلیف ہیں اور غزوہ بدر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں وہ بتاتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو وہ بحرین سے کچھ مال لے کر آئے جب انصار کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے آنے کے بارے میں پتہ چلا تو وہ فجر کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں کثیر تعداد میں شریک ہوئے جب آپ ﷺ نے نماز ادا کر لی تو یہ لوگ آپ ﷺ کے سامنے آئے تو آپ ﷺ انہیں دیکھ کر مسکرا دیئے پھر آپ نے ارشاد فرمایا میرا خیال ہے تمہیں یہ اطلاع مل گئی ہے ابو عبیدہ کچھ ساز و سامان لے کر آیا ہے لوگوں نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم خوشخبری قبول کرو اور امید رکھو اس چیز کی جو تمہیں خوش کرے اللہ تعالیٰ کی قسم تمہارے بارے میں مجھے غربت کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ تمہارے بارے میں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ دنیا تمہارے لیے کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں کے لیے کشادہ کر دی گئی تھی اور تم اس کی طرف راغب ہو جاؤ گے جس طرح وہ لوگ اس کی طرف راغب ہو گئے تھے اور وہ تمہیں بھی ہلاکت کا شکار کر دے گی جس طرح اس نے ان لوگوں کو ہلاکت کا شکار کیا تھا۔

منافست: یعنی ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا: دینی کاموں میں اچھی بات ہے، سورۃ المطففین میں ہے: ﴿وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾ یعنی حرص کرنے والوں کو جنت کی نعمتیں حاصل کرنے میں حرص کرنی چاہئے، اور دنیا کی فانی چیزوں میں منافست تباہ کن ہے۔ پس دنیا ضرور کمائی جائے مگر منافست سے بچا جائے۔

باب

باب: برکت والا اور بے برکتی مال

(۲۳۸۷) سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ثُمَّ قَالَ يَا حَكِيمُ إِنَّ هَذَا

الْبَالُ خَصْرَةً حُلُوَةً فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى فَقَالَ حَكِيمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرَى أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتَّى أَفَارِقَ الدُّنْيَا فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَدْعُو حَكِيمًا إِلَى الْعَطَاءِ فَيَأْتِي أَنْ يَقْبَلَهُ ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي أَشْهَدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى حَكِيمٍ أَنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ مِنْ هَذَا الْفَيْءِ فَيَأْتِ أَنْ يَأْخُذَهُ فَلَمْ يَزِرْ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَتَّى تُوَفِّيَ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا کر دیا میں نے آپ ﷺ سے پھر مانگا تو آپ ﷺ نے پھر مجھے عطا کر دیا میں نے پھر آپ سے مانگا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا کر دیا پھر ارشاد فرمایا اے حکیم یہ مال سرسبز و شاداب اور مزیدار ہے جو شخص نفس کی سخاوت کے ہمراہ اسے حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس میں برکت رکھی جاتی ہے اور جو شخص لالچ کے ذریعے اسے حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس میں برکت نہیں رکھی جاتی اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کھانے کے باوجود سیر نہیں ہوتا اور پروالا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے آپ کے بعد اب میں کسی سے بھی مرتے دم تک کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔

(راوی بیان کرتے ہیں) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو بلایا کرتے تھے کہ انہیں کچھ دیں تو وہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا تا کہ انہیں کچھ دیں تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بھی چیز وصول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اے مسلمانوں کے گروہ میں حکیم کے بارے میں تم سب کو گواہ بنا رہا ہوں میں نے ان کا حق ان کے سامنے پیش کیا تھا جو اس مال غنیمت میں سے تھا لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(راوی بیان کرتے ہیں) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے بعد زندگی میں کبھی بھی کسی شخص سے کوئی چیز نہیں مانگی یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا؟

تشریح: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بار بار مال کا سوال کیا: یہی نفس کا جھانکنا ہے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں آپ ﷺ کے بعد کبھی کسی کا مال نہیں گھٹاؤں گا، تا آنکہ دنیا سے جدا ہو جاؤں، یعنی اب میں کسی سے کچھ نہیں لوں گا، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو بلاتے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو بلاتے تا کہ وہ ان کو ان کا (وظیفہ) دیں مگر حضرت حکیم رضی اللہ عنہ ان سے بھی کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانو! میں آپ لوگوں کو حکیم رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں گواہ بناتا ہوں: میں ان کے سامنے ان کا وہ حق پیش کرتا ہوں جو ان کا اس مال فی میں ہے پس وہ اس کو لینے سے انکار کرتے ہیں، غرض حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے وفات تک نبی ﷺ کے بعد کسی سے کوئی چیز نہیں لی۔

لغات: السخاوة، والسخاء: فیاض، دریادلی، سخاوت نفس، رال نہ پٹکانا۔ الاشراف: اُوپر سے دیکھنا، اسی معنی میں استشراف بھی ہے، یعنی نگاہ اٹھا کر دیکھنا۔ اشراف نفس: نفس کا جھانکنا، امیدوار رہنا۔

باب

باب: خوش حالی میں پامروی مشکل ہوتی ہے

(۲۳۸۸) ابْنُ عَلِيٍّ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ بِالطَّرِيقِ فَصَبَرَ نَائِمًا ابْتُلِيَ نَائِمًا بِالسَّيْرِ بَعْدَهُ فَلَمْ نَضِمْ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے تنگی میں مبتلا کیا گیا تو ہم نے صبر سے کام لیا آپ ﷺ کے بعد ہمیں خوشحالی میں مبتلا کیا گیا تو ہم صبر سے کام نہیں لے سکے۔ امتحان ہر حال میں ہوتا ہے، بد حالی میں بھی اور خوش حالی میں بھی، یعنی دونوں حالتوں کے لئے

لغات: الضراء: سختی، فقر و فاقہ، تکلیف کی حالت۔ ابتلاء: آزمانا، آزمائش میں ڈال کر صورت حال جاننا۔ ابتلی: فعل مجہول ہے۔ السراء: خوش حالی، آسودگی۔

باب

باب: طالب آخرت کا دل مطمئن ہوتا ہے، اور طالب دنیا کا پریشان

(۲۳۸۹) مَنْ كَانَتْ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللَّهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَآتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللَّهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قَدِرَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس کی سوچ کا مرکز آخرت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غناء ڈال دیتا ہے اور اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو سمیٹ دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس سرنگوں ہو کر آتی ہے اور جس شخص کی سوچ کا مرکز صرف دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کے فقر کو اس کے سامنے کر دیتا ہے اس کے معاملات کو بکھیر دیتا ہے اور دنیا اسے اتنی ہی ملتی ہے جو اس کا نصیب ہوتی ہے۔

(۲۳۹۰) إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ يَا ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلاً صَدْرَكَ غِنًى وَأَسَدَّ فَقْرَكَ وَإِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسَدِّ فَقْرَكَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے تو میری عبادت میں مشغول ہو جا میں تیرے سینے کو بے نیازی سے بھر دوں گا تیری محتاجی کو ختم کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تجھے مصروف رکھوں گا اور تیری محتاجی کو ختم نہیں کروں گا۔

(۲۳۹۱) تُوُوِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ عِنْدَنَا شَطْرٌ مِّنْ شَعِيْرٍ فَاَكَلْنَا مِنْهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ قُلْتُ لِلْجَارِيَةِ كَيْلِيْهِ فَكَالَتْهُ فَلَمْ يَلْبَسْ اَنْ فَنِيْ قَالَتْ فَلَوْ كُنَّا تَرَكْنَا لَا كَلْنَا مِنْهُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت ہمارے پاس کچھ جو تھے جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا ہم اس میں سے کھاتے رہے پھر میں نے ایک کنیز سے کہا اے ماپ! لو جب اس نے ماپ لیا تو کچھ ہی عرصے بعد وہ ختم ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اگر ہم اسے ایسے ہی رہنے دیتے تو اس سے زیادہ عرصے تک ایسے ہی کھاتے رہتے۔ لعنات: الہم: فکر، رنج، غم۔ الشمل: اجتماعیت، شیرازہ۔ جمع اللہ شملہم: اللہ ان کو متحد کرے۔ شنت شملہم: اللہ ان میں پھوٹ ڈالے۔ جمع الشمل: شیرازہ بندی کرنا۔ راغمة: اسم فاعل واحد مؤنث۔ رغم (ف) رغما: ذلیل ہونا، حقیر ہونا۔ تشریح: جو بندہ آخرت کی فلاح کو اپنا مقصود بناتا ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو قناعت اور جمعیت خاطر نصیب ہوتی ہے، اور جو کچھ دنیا اس کے لئے مقدر ہوتی ہے کسی نہ کسی راستہ سے مل جاتی ہے، اور اس کے برعکس جو دنیا کو مطلوب بناتا ہے: محتاجی اور پریشانی اس پر مسلط کر دی جاتی ہے، دیکھنے والے کو اس کے چہرے سے اس کی پریشانی صاف نظر آتی ہے، اور اس کو رات دن دوڑ دھوپ کرنے کے باوجود دنیا بس اتنی ہی ملتی ہے جو اس کے لئے مقدر ہوتی ہے پس جب واقعہ یہ ہے تو بندے کو چاہئے کہ آخرت کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کر اس کی صرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کسی عارضی اور وقتی چیز کی فکر کی جاتی ہے۔

باب

باب: دل کش چیزوں سے دور رہا جائے

(۲۳۹۲) كَانَ لَنَا قِرَامٌ سِتْرٌ فِيْهِ تَمَائِيْلٌ عَلٰى بَابِيْ فَرَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنْرِعِيْهِ فَاِنَّهُ يُذَكِّرُنِي الدُّنْيَا قَالَتْ وَكَانَ لَنَا سَمَلٌ قَطِيْفَةٌ تَقُوْلُ عَلَمُهَا مِنْ حَرِيْرٍ كُنَّا نَلْبَسُهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے اپنے دروازے پر ایک ایسا پردہ لگایا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ نے فرمایا اسے اتار دو کیونکہ یہ مجھے دنیا کی یاد دلاتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ہمارے پاس ایک پرانی اونی چادر تھی جس پر ریشم سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے ہم اسے اوڑھا کرتے تھے۔

(۲۳۹۳) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ وِسَادَةٌ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الَّتِي يَضْطَجِعُ عَلَيْهَا مِنْ اَدِمٍ حَشُوْهَا لَيْفٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ کا وہ تکیہ جس سے آپ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے وہ چمڑے سے بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا خلاصہ دو باتیں ہیں: ۱۔ دل بھانے والی چیزوں سے دور رہا جائے، کیونکہ دنیا کی کشش بری چیز ہے، آدمی

اس میں پھنستا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ ٹھاٹھ کی زندگی پر شیفہ ہو جاتا ہے، اور دنیا میں بری طرح مشغول ہو جاتا ہے، اور آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے۔

(۲) انسان کو سادہ زندگی اختیار کرنی چاہئے، نبی ﷺ کے بستر کا حال آپ نے پڑھا، اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے، وہ کیا آرام دہ ہوگا! مگر زندگی گزارنے کے لئے کافی تھا۔

فائدہ: کوئی خوبصورت چیز بے قدری کے محل میں استعمال کی جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، جیسے پرانی جھالردار چادر جس میں ریشمی پھول تھے نبی ﷺ کے گھر میں استعمال ہوتی تھی، یہ بے قدری کے محل میں استعمال ہے، اسی طرح بے قدری کی جگہ میں چھوٹی سائز کی جانداروں کی تصویروں میں بھی گنجائش ہے، اس سے بھی فساد پیدا نہیں ہوتا۔

لغات: القرام: نقشیں پردہ، مختلف رنگوں کا ادنیٰ کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا تھا، اور ہودج میں بھی بچھایا جاتا تھا۔ تماثیل: التمثال کی جمع: وہ تصویر جو کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر بنی ہوئی ہو،۔ السمل: پرانا اور بوسیدہ کپڑا۔ القطیفۃ: جھالردار چادر یا کبیل۔ الوسادة: تکیہ اور گدا، یہاں آخری معنی ہیں۔ اللیف: کھجور کے درخت کے ریشے، کھجور کے پتوں کی جڑ میں ایک جھلی ہوتی ہے جو سوکھ کر گر جاتی ہے، اس کو کوٹ کر برادہ بنا لیتے تھے، پھر اس کو گدوں وغیرہ میں بھرتے تھے۔

باب

باب: جو اللہ کے لئے خرچ ہو گیا وہی بچ گیا

(۲۳۹۴) اَتْلَهُمْ ذَبْحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا بَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَيْفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَيْفُهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ان لوگوں نے ایک بکری ذبح کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں سے کیا باقی بچا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا اس میں سے صرف ایک دستی بچی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس دستی کے علاوہ باقی سب بچ گیا ہے (کیونکہ اسے صدقہ کر دیا گیا تھا)۔ جو اللہ کے لئے خرچ ہو گیا وہی آخرت میں بچ گیا، اور جو دنیا میں بچ گیا وہ دنیا ہی میں رہ گیا، آخرت میں ساتھ نہیں گیا، اس لئے وہ اکارت گیا۔

باب

باب: ایک ماہ تک کھجور پانی پر گزارہ

(۲۳۹۵) اِنْ كُنَّا اِلٰلَ مُحَمَّدٍ نَمُكُّ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بَنَارًا اِنْ هُوَ اِلَّا الْمَاءُ وَالشَّمْرُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے گھر والے کوئی مہینہ ایسے گزار دیتے تھے کہ اس دوران ہم آگ نہیں جلاتے تھے صرف پانی اور کھجور پر گزار ہوتا تھا۔

ترکیب: ان مخففہ ہے، ضمیر شان اس کا اسم محذوف ہے، اور ال محمد: منصوب علی الاختصاص ہے، اور جملہ نمکث: کان کی خبر ہے۔

باب

آدھا وسق جو پر بہت دنوں تک گزارہ

(۲۳۹۶) لَقَدْ أَخْفَتْ فِي اللَّهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُذِيتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذِي أَحَدٌ وَلَقَدْ آتَتْ عَلَى ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَمَالِي وَلِبَالٍ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبْدٍ إِلَّا شَيْئًا يُؤَارِيهِ إِنْطِ بِلَالٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجھے جتنا خوف زدہ کیا گیا ہے اتنا اور کسی کو نہیں کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجھے جتنی اذیت دی گئی ہے اتنی کسی اور کو اذیت نہیں دی گئی مجھ پر تیس دن ایسے بھی گزرے ہیں کہ جب میرے اور بلال کے لیے اتنا بھی کھانا نہیں تھا کہ اسے کوئی ذی روح کھا سکے ماسوائے اس چیز کے جو بلال کی بغل میں آ جاتی۔
تشریح: یہاں دو سوال ہیں: پہلا اعتراض: حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: کیلو طعامکم یبارک لکم فیہ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ ۴۱۹۸ کتاب الاطعمۃ)

اس حدیث میں اور باب کی حدیث میں تعارض ہے، باب کی حدیث ہے کہ ناپنے سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ ناپنے سے برکت ہوتی ہے، اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

جواب ①: بخاری کی حدیث میں خرید و فروخت کے وقت تولنا مراد ہے، تاکہ بائع اور مشتری میں سے کسی کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ رہے، اور خرچ کرتے وقت تولنا ٹھیک نہیں، مسلم شریف میں ہے: ایک شخص نے نبی ﷺ سے غلہ مانگا، آپ ﷺ نے اس کو آدھا وسق جو دیئے، وہ اور اس کی بیوی اور اس کے مہمان اس میں سے کھاتے رہے، یہاں تک کہ اس کو تولنا تو وہ جلدی ختم ہو گئے، اس نے نبی ﷺ سے یہ بات ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس کو نہ ناپتے تو اس میں سے اور بھی کھاتے، یعنی وہ غلہ تمہارے لئے کئی دنوں تک چلتا۔
جواب ②: بخاری کی حدیث میں غلہ کی وہ مقدار مراد ہے جو استعمال کے لئے نکالی جاتی ہے، یعنی ناپ تول کر پکانا چاہئے، اس سے غلے میں برکت ہوتی ہے، اور باب کی حدیث میں سارا غلہ تولنا مراد ہے، اس کو تولنے سے بے برکتی ہو جاتی ہے۔

دوسرا اعتراض: بخاری میں حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ سے اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بوقت وفات نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ اونٹ، نہ غلام، نہ باندی اور نہ کوئی اور چیز، علاوہ سفید خچر، جنگی سامان اور زمین کے، جس کو آپ ﷺ نے وقف کر دیا تھا اور باب کی حدیث میں ہے کہ آپ نے آدھا وسق جو بھی چھوڑے تھے، پس یہ بھی تعارض ہے۔
جواب: یہ جو آپ ﷺ کے نہیں تھے، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نفقہ کے تھے، جو ان کو نبی ﷺ نے دیئے تھے۔

باب

چند مٹھی تو شے پر ایک ماہ تک گزارہ

(۲۳۹۱) تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَ عِنْدَنَا شَطْرٌ مِنْ شَعِيرٍ فَأَكَلْنَا مِنْهُ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ قُلْتُ لِلْجَارِيَةِ كَيْلِيهِ

فَكَالَتْهُ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ فَنِي قَالَتْ فَلَوْ كُنَّا تَرَكْنَا مِنْهُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت ہمارے پاس کچھ جو تھے جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا ہم اس میں سے کھاتے رہے پھر میں نے ایک کنیز سے کہا اے ماپ! لو جب اس نے ماپ لیا تو کچھ ہی عرصے بعد وہ ختم ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اگر ہم اسے ایسے ہی رہنے دیتے تو اس سے زیادہ عرصے تک ایسے ہی کھاتے رہتے۔ تشریح: اور اس زمانہ میں آپ ﷺ کی معیشت کی صورت حال یہ تھی کہ ایک دفعہ پورا مہینہ اس حال میں گزرا کہ آپ ﷺ کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، چند مٹھی توشہ تھا جس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی بغل کے نیچے دبا رکھا تھا، پورے مہینے تک دونوں اسی پر گزارہ کرتے رہے۔ اور یہ واقعہ کس موقعہ کا ہے؟ ایک موقعہ تو وہ ہے جبکہ نبی ﷺ طائف تشریف لے گئے تھے، اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ نہیں تھے، بلکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، پس یہ کوئی اور موقعہ ہے، جب نبی ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے نکلے ہیں، مگر اس واقعہ کی تفصیل مروی نہیں۔

چنانچہ نبوت کے دسویں سال آپ کے چچا ابوطالب کی وفات ہو گئی اس کے کچھ عرصہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہو گئی یہ دونوں حادثے آپ کے لیے انتہائی المناک اور سخت تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال فرمایا آپ ﷺ کے چچا کی وفات کے بعد کفار مکہ نے اپنی ایذا رسانیوں میں مزید اضافہ کر دیا اس وقت تنگ آ کر نبی کریم ﷺ نے سفر طائف کا ارادہ فرمایا تاکہ وہاں لوگوں کو دعوت اسلام دیں اور آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ تھے یہ سفر سارا پیدل ہوا وہاں پہنچ کر طائف کے سردار عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی وہ نہ مانا مسلسل۔

اخفت: (مجبور کا صیغہ ہے) مجھے ڈر یا گیا خوف و دہشت میں ڈالا گیا۔ اوذیت (ماضی مجہول کے) مجھے دکھ درد و ایذا پہنچائی گئی ذو کبد جگر والا یعنی جاندار یواریہ اس کو چھپا رکھا ہے۔ ابط (ہمزے اور با کے نیچے زیر) بغل۔

باب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ناداری کا حال

(۲۳۹۷) خَرَجْتُ فِي يَوْمٍ شَاتٍ مِنْ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ أَخَذْتُ إِهَابًا مَعْطُوبًا فَخَوَلْتُ وَسَطَهُ فَأَدْخَلْتُهُ عُنُقِي وَشَدَدْتُ وَسَطِي فَخَرَمَتْهُ بِحُوصِ النَّخْلِ وَإِنِّي لَشَدِيدُ الْجُوعِ وَلَوْ كَانَ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ طَعَامٌ لَطَعَنْتُ مِنْهُ فَخَرَجْتُ أَلْتَمِسُ شَيْئًا فَمَرَرْتُ بِيَهُودِيٍّ فِي مَالٍ لَهُ وَهُوَ يَسْقِي بِبَكْرَةٍ لَهُ فَأَطْلَعْتُ عَلَيْهِ مِنْ ثُلْمَةٍ فِي الْحَائِطِ فَقَالَ مَا لَكَ يَا أَعْرَابِي هَلْ لَكَ فِي كُلِّ دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ قُلْتُ نَعَمْ فَأَفْتَحَ الْبَابَ حَتَّى أَدْخُلَ فَفَتَحَ فَدَخَلْتُ فَأَعْطَانِي دَلْوَةً فَكَلَّمَا نَزَعْتُ دَلْوًا أَعْطَانِي تَمْرَةً حَتَّى إِذَا امْتَلَأْتُ كَفَيْتُ أَرْسَلْتُ دَلْوَهُ وَقُلْتُ حَسْبِي فَأَكَلْتُهَا ثُمَّ جَرَعْتُ مِنَ الْمَاءِ فَشَرِبْتُ ثُمَّ جِئْتُ الْمَسْجِدَ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِيهِ.

ترجمہ: محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں مجھے ان صاحب نے یہ بات بتائی ہے جنہوں نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی زبان

اسے سنا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن سردی کے موسم میں میں نبی اکرم ﷺ کے گھر سے نکلا میں نے ایک بودار چڑا لیا اسے درمیان میں سے کاٹ کر اپنی گردن میں ڈال لیا اور اسے کھجور کے پتوں سے باندھ دیا اس وقت مجھے بہت شدید بھوک لگی ہوئی تھی اگر آپ ﷺ کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہوتی تو میں اسے کھا لیتا میں نکلتا کہ کوئی چیز تلاش کروں میرا گزر ایک یہودی کے پاس سے ہوا جو اپنی زمین میں موجود تھا اور کھجور کے درخت کو پانی دے رہا تھا میں نے دیوار میں موجود سوراخ کے ذریعے جھانکا تو وہ بولا اے دیہاتی تمہارا کیا مسئلہ ہے کیا تم ایک کھجور کے عوض ایک ڈول (کنویں میں سے پانی) نکالو گے؟ میں نے جواب دیا ہاں تم دروازہ کھولو تاکہ میں اندر آ جاؤں اس نے دروازہ کھولا میں اندر گیا اس نے اپنا ڈول مجھے پکڑا دیا میں جب بھی ایک ڈول نکالتا وہ مجھے ایک کھجور دے دیتا یہاں تک کہ میری ہتھیلی بھر گئی تو میں نے اس کا ڈول چھوڑ دیا میں نے کہا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے میں نے ان کھجوروں کو کھا لیا اور وہ پانی پی لیا پھر میں مسجد میں آیا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس میں موجود پایا۔

لعنات: الاہاب۔ کچی کھال۔ معطون: اسم مفعول۔ اہاب معطون: رگی ہوئی کھال۔ جوب الشیبی: بیچ سے کاٹنا۔ جواب کو جواب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سوال کو کاٹتا ہے۔ حزم (ض) حزمًا: باندھنا، بندل بنانا۔ الخوص: کھجور اور ناریل وغیرہ کے پتے۔ البکرة: چرنی، جس سے کوئی وزنی چیز کھینچی جائے۔ اطلع: جھانکنا۔ الشلمة: سوراخ، دراڑ۔ جرع: گھونٹ گھونٹ پینا۔ یہ عنبر مچھلی تھی اور طانی نہیں تھی، یعنی مر کر بھول کر پانی کے اوپر نہیں آئی تھی، بلکہ سمندر کا پانی اس سے ہٹ گیا تھا، اس لئے وہ خشکی میں رہ گئی تھی، اور مر گئی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں سے اٹھارہ دن تک خوب کھایا، کیونکہ یہ اللہ کا رزق تھا۔

باب

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی خستہ حالی

(۲۴۰۰) إِنَّا جُلُوسٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ طَلَعَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ الْيَوْمَ فِيهِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِي حُلَّةٍ وَرَاحَ فِي حُلَّةٍ وَوَضَعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةً وَرَفَعَتْ أُخْرَى وَسَتَرْتُمْ بُيُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُّ الْكُعْبَةُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِمَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُونَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا أَنْتُمْ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب بیان کرتے ہیں ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اسی دوران حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس پر فرو کے پیوند لگے ہوئے تھے جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کیونکہ وہ پہلے کس طرح نعمتوں میں تھے اور اس وقت ان کی کیا حالت تھی؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی کہ جب تمہیں صبح کے وقت ایک لباس پہننے کو ملے گا اور شام کے وقت ایک اور لباس پہننے کو ملے گا تمہارے سامنے ایک برتن رکھا جائے گا تو دوسرا اٹھایا لیا جائے گا تم اپنے گھروں میں یوں پردے لٹکاؤ گے جس طرح

خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس وقت ہم آج کے مقابلے میں بہتر حالت میں ہوں گے اور زیادہ توجہ کے ساتھ عبادت کر سکیں گے اور ہمیں محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ آج اس سے زیادہ بہتر حالت میں ہو جس میں اس دن ہوں گے۔

(۲۴۰۱) قَالَ كَانَ أَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ عَلَى أَهْلِ وَمَالٍ وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِنْ كُنْتُ لَا أَعْتَمِدُ بِكَتَبِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْجُوعِ وَأَشَدُّ الْحَجَرِ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ فِيهِ فَمَرَّ بِي أَبُو بَكْرٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيَسْتَتْبِعَنِي فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ عُمَرُ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيَسْتَتْبِعَنِي فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ فَتَبَسَّمَ حِينَ رَأَى وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ﷺ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْحَقُّ وَمَطَى فَاتَّبَعْتُهُ وَدَخَلَ مَنْزِلَهُ فَاسْتَأْذَنْتُ فَأَذِنَ لِي فَوَجَدَ قَدْحًا مِنَ اللَّبَنِ قَالَ مِنْ آيِنَ هَذَا اللَّبَنِ لَكُمْ قِيلَ أَهَذَا لَنَا فَلَانَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبَا هُرَيْرَةَ ﷺ قُلْتُ لَبَّيْكَ قَالَ الْحَقُّ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ وَهُمْ أَضْيَافُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ عَلَى أَهْلِ وَلَا مَالٍ إِذَا آتَتْهُ الصَّدَقَةُ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا وَإِذَا آتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ فَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا فَسَاءَ لِي ذَلِكَ وَقُلْتُ مَا هَذَا الْقَدْحُ بَيْنَ أَهْلِ الصُّفَّةِ وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَسَيَأْمُرُنِي أَنْ أُدِيرَهُ عَلَيْهِمْ فَمَا عَسَى أَنْ يُصِيبَنِي مِنْهُ وَقَدْ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ أُصِيبَ مِنْهُ مَا يُغْنِينِي وَلَمْ يَكْ بُدُّ مِنْ طَاعَةِ اللَّهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ فَآتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ فَأَخَذُوا فَجَالِسَهُمْ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ خُذِ الْقَدْحَ فَأَعْطِهِمْ فَأَخَذْتُ الْقَدْحَ فَجَعَلْتُ أَنَا وَلَهُ الرَّجُلُ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَزُولَ ثُمَّ يَرُدُّهُ فَأَنَا وَلَهُ الْآخِرَ حَتَّى انْتَهَيْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ رَوَى الْقَوْمُ كُلُّهُمْ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْقَدْحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَتَبَسَّمَ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِشْرَبْ فَشَرِبْتُ ثُمَّ قَالَ إِشْرَبْ فَلَمْ أَزَلْ أَشْرَبْ وَيَقُولُ إِشْرَبْ ثُمَّ قُلْتُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا فَأَخَذَ الْقَدْحَ فَحَبَدَ اللَّهُ وَسَمَّى وَشَرِبَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے ان کا کوئی گھر نہیں تھا ان کی کوئی زمین نہیں تھی اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے (بعض اوقات میں بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنا کلیجہ زمین پر ٹیک دیا کرتا تھا) اور بعض اوقات بھوک کی شدت کی وجہ سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا ایک مرتبہ میں لوگوں کے راستے میں بیٹھا ہوا تھا جہاں وہ گزر رہے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے میں نے ان سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا میں نے ان سے صرف اس لیے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ (اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلائیں گے لیکن وہ گزر گئے اور انہوں نے ایسا نہیں کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو میں نے ان سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا میں نے ان سے صرف اس لیے سوال کیا تھا تاکہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے (اور اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلائیں گے) لیکن وہ گزر گئے انہوں نے ایسا نہیں کیا پھر حضرت ابو القاسم رضی اللہ عنہ گزرے آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرا دیئے

آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو پھر آپ تشریف لے گئے میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے آ گیا آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے میں نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت دی گئی آپ ﷺ نے (گھر کے اندر) دودھ کا ایک پیالہ پایا تو دریافت کیا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ تو آپ ﷺ کو بتایا گیا فلاں شخص نے ہمارے لیے تحفے کے طور پر بھیجا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نے عرض کی میں حاضر آپ ﷺ نے فرمایا اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں بلا کر لاؤ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) یہ لوگ اسلام کے مہمان تھے ان کا کوئی گھر بار اور مال نہیں تھا جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ کی کوئی چیز تحفے کے طور پر آتی تھی تو وہ آپ ان لوگوں کو بھجوا دیا کرتے تھے اور خود اسے استعمال نہیں کرتے تھے لیکن جب آپ ﷺ کے پاس کوئی چیز تحفے کے طور پر آتی تھی تو وہ آپ انہیں بھی بھجوا دیتے تھے آپ ﷺ اس کا کچھ حصہ خود استعمال کرتے تھے اور انہیں اس چیز میں شریک کر لیتے تھے (اب آپ ﷺ نے انہیں بلوایا) تو مجھے یہ بات بہت بری لگی میں نے سوچا تمام اہل صفہ کے درمیان اس ایک پیالے کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیونکہ میں ان لوگوں کے لیے نبی اکرم ﷺ کا پیغام رساں ہوں اس لیے مجھے یہ حکم دیں گے کہ میں وہ پیالہ لے کر ان سب کے پاس جاؤں تو امید تو یہ ہے کہ مجھے اس میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا جبکہ میری تو یہ آرزو تھی کہ میں اسے اتنا پی لیتا جس سے میری تسلی ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا اس لیے میں ان لوگوں کے پاس آیا میں نے انہیں دعوت دی پھر وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ اس پیالے کو پکڑو اور انہیں (پینے کے لیے) دو میں نے پیالہ پکڑا اور اسے ایک شخص کی طرف بڑھایا اس نے پی لیا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا تو اس نے اس پیالے کو واپس کر دیا میں نے اسے دوسرے کی طرف بڑھایا (یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا تو اس نے پیالہ واپس کر دیا یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے تمام لوگوں نے اسے پی لیا) یہاں تک کہ میں نبی اکرم ﷺ کے سامنے پہنچ گیا تو تمام حاضرین سیر ہو چکے تھے آپ ﷺ نے اس پیالے کو پکڑا اس پر اپنا دست مبارک رکھا پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور مسکرا دیئے آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اب تم پیو میں نے پی لیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور پیو (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) میں پیتا رہا اور آپ ﷺ یہ فرماتے رہے اور پیو یہاں تک کہ میں نے عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے اب اسے پینے کی مزید گنجائش نہیں ہے تو آپ ﷺ نے اس پیالے کو پکڑا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر اسے پی لیا۔

تشریح: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے دار ارقم میں اپنی ماں اور اہل وعیال سے چھپ کر اسلام قبول کر لیا تھا پھر جب ان کے اہل خانہ کو ان کے اسلام کا پتہ چلا تو انہوں نے انہیں زنجیروں سے جکڑ کر قید کر دیا تاکہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکیں لیکن ان کے دل میں ایمان رچ بس چکا تھا انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر گھر سے کسی طرح بھاگ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی غزوہ احد میں شریک ہوئے بالآخر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا جبکہ اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔

نبی کریم ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد انہیں اہل مدینہ کی طرف معلم بنا کر بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور دینی مسائل سکھائیں اسلام سے پہلے بڑے ناز و نعمت عیش و عشرت اور خوب خوشحال تھے، اسلام قبول کرنے سے پہلے ٹھاٹھ کی زندگی

گزارتے تھے، مگر مسلمان ہونے کے بعد دین کے کاموں میں ایسے لگے کہ دنیا کمانے کی فرصت نہ رہی، نبی ﷺ نے ان کو ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ روانہ کیا تھا، تاکہ وہ وہاں کے مسلمانوں کو قرآن پڑھائیں، اور ان کی دینی تربیت کریں، جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر قباء وارد ہوئے تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ملنے کے لئے آئے وہ بھی قباء ہی میں رہتے تھے،؟ امام ترمذی رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے جب انہیں خستہ حال میں دیکھا کہ ایک چادر اوڑھ رکھی ہے اور وہ بھی کتنی جگہ سے پیوند لگی ہوئی ہے تو آپ ﷺ انہیں دیکھ کر رو پڑے کہ ایک دن وہ تھا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ انتہائی ناز و نعمت میں تھے اور آج ان کے پاس پہننے کا صحیح لباس بھی نہیں اسلام کی وجہ سے سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنے ترکہ میں صرف ایک کپڑا چھوڑا تھا کہ جس سے کفن کے طور پر ان کے پاؤں ڈھانپے جاتے تو سرنگا ہو جاتا اور سر پر وہ کپڑا کیا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے پاؤں پر از خرگھاس ڈال دو۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہ بھی مسجد میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو امت کی طرف سے جزائے خیر فرمائیں، انہی حضرات کی محنتوں سے ہم آج مسلمان ہیں!

باب

صحابہ رضی اللہ عنہم کا فقر وفاقہ

(۲۳۹۸) اِنَّهُ اَصَابَهُمْ جُوعٌ فَاَعْطَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَمْرَةً مَمْرَةً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کو انتہائی بھوک لاحق ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک ایک کھجور دی۔

(۲۳۹۹) بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ ثَلَاثُ مِائَةٍ نَحْمِلُ زَادَنَا عَلَى رِقَابِنَا فَقَبِي زَادَنَا حَتَّى اِنْ كَانَ يَكُونُ لِلرَّجُلِ مِمَّا كُلَّ يَوْمٍ مَمْرَةً فَقِيلَ لَهُ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ وَاَيْنَ كَانَتْ تَقْعُ الشَّمْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْنَا فَقَدْهَا حِينَ فَقَدْنَاهَا وَاتَيْنَا الْبَحْرَ فَاِذَا نَحْنُ بِحُوتٍ قَدْ قَذَفَهُ الْبَحْرُ فَاَكَلْنَا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بھیجا ہم تین سو افراد تھے ہم نے اپنے کھانے کا سامان اپنی گردن پر اٹھایا ہوا تھا ہمارا کھانے کا سامان ختم ہو گیا یہاں تک کہ ہم میں سے ایک شخص کو روزانہ ایک کھجور ملتی تھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اے ابو عبد اللہ ایک کھجور کے ساتھ آدمی کا کیسے گزارا ہو سکتا ہے؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں جب وہ بھی نہیں ملتی تو ہمیں اس کی قدر و قیمت کا احساس ہوا پھر ہم سمندر تک آ گئے وہاں ایک مچھلی موجود تھی جسے سمندر نے باہر پھینک دیا تھا ہم اٹھارہ دن تک اسے کھاتے رہے جتنا ہمارا جی چاہا۔

تشریح: ان احادیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فقر وفاقہ اور معاشی تنگدستی معلوم ہوتی ہے کہ وہ دین پر عمل کرنے کی خاطر ہر قسم کی تکلیف اور مشکل برداشت کرتے تھے یہی حال ان صحابہ کرام کا بھی تھا۔ جو اصحاب صفہ تھے جس کا ذکر دوسری حدیث میں ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ باب کی دوسری حدیث میں سفر کا واقعہ ہے کہ دور دراز کے سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید بھوک لگی تو آپ ﷺ نے انہیں ایک ایک کھجور عنایت فرمائی۔

سن ۶ ہجری یا اس سے بھی پہلے نبی ﷺ نے تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قریش کے قافلے کی گھات لگانے کے لیے بھیجا یہ حضرات سمندر کے کنارے پر تقریباً آدھا مہینہ ٹھہرے رہے اور پھر واپس آ گئے۔ اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سریہ کو جہنیہ کے ایک قبیلہ کی طرف بھیجا تھا جو سمندر کے ساحل پر رہتے تھے پھر یہ حضرات نصف ماہ کے بعد بغیر کسی لڑائی کے واپس آ گئے۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سریہ قریش کے قافلے کی گھات اور نگرانی کے لیے گیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنیہ کے ایک قبیلہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کی طرف بھیجے گئے ہوں اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام چونکہ ساحل سمندر پر رہا تھا اس لیے اسے سریہ سیف البحر کہا جاتا ہے اور اس سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس کھانے کی کوئی چیز بھی نہیں بچی تھی۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ درختوں کے پتے جھاڑ کے کھائے جاتے تھے اس لیے اسے غزوۃ الخبط بھی کہا جاتا ہے۔

فاکلنا منہ ثمانیۃ عشر یوماً: اس روایت میں اٹھارہ دن کا ذکر ہے اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں مہینے کا اور ایک دوسری روایت میں پندرہ دن کا ذکر ہے بظاہر دونوں کی تعداد میں تعارض لازم آ رہا ہے؟ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ روایت جس میں مہینے کا ذکر ہے وہ چونکہ زیادہ مقدار کو ثابت کر رہی ہے اس لیے وہ راجح ہے اور جن روایات میں کم دنوں کا ذکر ہے ان سے اکثر کی نفی ثابت نہیں ہوتی اس لیے تعارض نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یوں تطبیق دی ہے کہ جس روایت میں اٹھارہ دن کا ذکر ہے وہ اصل ہے اور جن روایات میں پندرہ دن یا مہینے کا ذکر ہے ان میں کسر کو حذف کر دیا گیا ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ حدیث کے راویوں کی توجہ اصل قصہ کے بیان کی طرف ہوتی ہے اس میں وہ پورا اہتمام کرتے ہیں دنوں کی تعداد یا اس جیسی چیزوں کی طرف وہ خاص توجہ نہیں فرماتے کیونکہ وہ یہ مقصود نہیں ایسے میں اگر کوئی تعارض پیش آ جائے تو اس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

باب

دنیا کا شکم سیر: آخرت کا بھوکا!

(۲۴۰۲) تَجَشَّأَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كُفَّ عَنَّا جُشَاءَكَ فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ شَبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْلَوْهُمُ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ڈکاری تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم ڈکارو نہم سے دُور رکھو کیونکہ دنیا میں پیٹ بھر کر کھانے والے لوگ قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں دو ضعیف راوی ہیں: عبدالعزیز قرشی اور یحییٰ بکاء۔ اور خود حضرت ابو جحیفہ سے روایت حاکم میں ہے، منذری رحمہ اللہ نے اس کو بھی ضعیف قرار دیا ہے، لیکن مسند بزار میں اس کی دو سندیں ہیں ان میں سے ایک کے روات ثقہ ہیں۔

باب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لباس کی حالت

(۲۴۰۳) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ يَأْتِيَنِي لَوْ رَأَيْتُنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَصَابَتُنَا السَّمَاءُ لَحَسِبْتُ أَنَّ رِيحًا رِيحَ الصَّانِ.

ترجمہ: ابو بردہ بن ابوموسیٰ اپنے والد (حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں اے میرے بیٹے اگر تم نے ہمیں اس وقت دیکھا ہوتا جب ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے اور ہم پر بارش نازل ہو جاتی تھی تو تم یہ سمجھتے کہ ہماری بو بھیڑ کی بو کی طرح ہے۔

تشریح: دور اول میں صحابہ رضی اللہ عنہم اونی کپڑے پہنتے تھے، پس جب بارش ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے کپڑوں سے بھیڑ کی بو کی طرح بو آتی، اس دور میں سوتی کپڑے میسر نہیں تھے، اور اونی کپڑے بھی اتنے نہیں تھے کہ بارش میں بھیگنے کے بعد فوراً بدل لیں، اس لئے وہی کپڑے پہنے رہتے تھے اور اس کا انجام یہ ہوتا تھا کہ بدن سے بھیڑ کی طرح بو آتی تھی۔

باب

خاکساری کے طور پر زینت کا لباس چھوڑنا

(۲۴۰۵) مَنْ تَرَكَ اللَّبَاسَ تَوَاضَعًا لِلَّهِ وَهُوَ يُقَدِّرُ عَلَيْهِ دَعَاكَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَيَّرَهُ مِنْ آتِي حُلَلِ الْإِيمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهَا.

ترجمہ: حضرت سہل بن معاذ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کی وجہ سے (قیمتی اور بہترین) لباس ترک کر دے گا حالانکہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے تمام مخلوق کی موجودگی میں بلوائے گا اور اسے یہ اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے حلوں میں سے جو چاہے پہن لے۔

تشریح: اور ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عزت کا سوٹ پہنائیں گے، اور مخلوقات کے سامنے اس کو اس لئے پہنائیں گے کہ اس کی خوبی کی تشہیر ہو۔

باب

بے ضرورت تعمیر پر خرچ کرنا (پہلا باب)

(۲۴۰۴) عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ قَالَ الْبِنَاءُ كُلُّهُ وَبَالٌ قُلْتُ اَرَاَيْتَ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ قَالَ لَا اَجْرَ وَلَا وَزَرَ.

ترجمہ: ابراہیم نخعی فرماتے ہیں ہر طرح کی تعمیر وبال ہوتی ہے (راوی کہتے ہیں) جو عمارت ضروری ہو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا اور اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا۔

(۲۴۰۶) التَّفَقُّةُ كُلُّهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ہر طرح کا خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں شمار ہوتا ہے سوائے تعمیر کے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

تشریح: عمارت پر خرچ کرنے کا حکم:

انسان اپنا مال شرعی دائرے میں رہتے ہوئے جہاں بھی خرچ کرے تو اسے اس پر اجر و ثواب ملتا ہے خواہ وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے یا غرباء و مساکین پر خواہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اپنا مکان بنائے کوئی مدرسہ و مسجد یا رفاہی ادارہ بنائے۔ ان تمام خرچوں پر اسے اجر و ثواب ملتا ہے مگر وہ خرچہ جو ضرورت کے بغیر تعمیرات پر کیا جائے یا اسے آراستہ کرنے پر لگایا جائے، اس پر کوئی ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ ضرورت کے لیے جو تعمیر کی جائے گی اس پر اسے اجر و ثواب ملتا ہے کیونکہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا مالا بدمنہ لحاجة الانسان (جو انسانی حاجت کے لیے ضروری ہو) اور روایت میں ابراہیم بن یزید نخعی نے ضروری تعمیر کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ اس کے مالک کے لیے نہ اجر و ثواب ہے اور نہ عذاب یہ ان کی اپنی رائے ہے جو حدیث کے مقابلے میں بہر حال حجت نہیں ہے۔

باب

بے ضرورت تعمیر پر خرچ کرنا (دوسرا باب)

(۲۴۰۷) اَتَيْنَا خَبَابًا نَعُوذُ وَقَدْ اُكْتُوِي سَبْعَ كَيَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ تَطَاوَلَ مَرَضِي وَلَوْ لَا اِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تَمْتُوا الْمَوْتَ لَتَمَتَّيْتُ وَقَالَ يُوجِرُ الرَّجُلُ نَفَقَتَهُ كُلَّهَا إِلَّا التُّرَابَ اَوْ قَالَ فِي الْبِنَاءِ.

ترجمہ: حارثہ بن مضرب بیان کرتے ہیں ہم لوگ خباب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوئے انہوں نے سات داغ لگوائے تھے انہوں نے فرمایا میری بیماری طویل ہو چکی ہے اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا تم لوگ موت کی آرزو نہ کرنا تو میں ضرور اس کی آرزو کرتا آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اس پر اسے اجر دیا

جاتا ہے سوائے اس کے جو مٹی پر خرچ کیا جائے (یعنی جو تعمیرات وغیرہ پر خرچ کیا جائے) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں مٹی میں (خرچ کیا جائے)۔

تشریح: ہے کہ ضروری تعمیر میں ثواب ملے گا کیونکہ اس کے بغیر آدمی گزارہ نہیں کر سکتا۔ نبی ﷺ نے بھی مسجد نبوی سے متصل اپنے لئے رہائشی کمرے بنائے تھے، پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو بھی اس تعمیر کا کوئی ثواب نہیں ملا!

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ:

حضرت خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں گرفتار ہو گئے تھے پھر انہیں مکہ مکرمہ میں فروخت کیا گیا اسلام کا سورج طلوع ہوا تو ابتداء میں ہی سن چھ نبوی میں اسلام قبول کر لیا اسلام کے اعلان پر انہیں سخت زود کوب کیا گیا غزوہ بدر اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے پھر کوفہ میں سن ۳۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر شریعت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہوتا تو میں تمنا کر لیتا کیونکہ میری بیماری کو طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ طبرانی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب جنگ صفین سے واپس تشریف لارہے تھے تو راستے میں حضرت خباب کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا:

رحم الله خبابا اسلم راغبا وهاجرا طائعا وعاش مجاهدا وابتلى في جسمه احوالا ولن يضيع الله اجره

باب

دین دار مسلمان کے ساتھ حسن سلوک کرنا

(۲۴۰۸) جَاءَ سَائِلٌ فَسَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِلْسَّائِلِ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ وَتَصُومُ رَمَضَانَ قَالَ نَعَمْ قَالَ سَأَلْتُ وَلِلْسَّائِلِ حَقٌّ إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْنَا أَنْ نَصِلَكَ فَأَعْطَاهُ ثَوْبًا ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا إِلَّا كَانَ فِي حِفْظِ اللَّهِ مَا دَامَ مِنْهُ عَلَيْهِ خِرْقَةٌ.

ترجمہ: حصین بیان کرتے ہیں ایک شخص آیا اور اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا (یعنی کچھ مانگا) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سوال کرنے والے سے دریافت کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس نے جواب دیا جی ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کیا تم لوگ رمضان کے روزے رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا جی ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم نے مانگا ہے اور مانگنے والے کا حق ہوتا ہے تو اس شخص کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے ایک کپڑا دیا اور پھر ارشاد فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو لباس پہناتا ہے تو وہ لباس اس دوسرے مسلمان کے جسم پر جب تک رہتا ہے وہ پہلا شخص اللہ تعالیٰ کی حفظ و ایمان میں رہتا ہے۔

تشریح: اور نماز کے بارے میں اس لئے نہیں پوچھا کہ اس دور میں ہر مسلمان نماز پڑھتا تھا۔ اور زکوٰۃ اور حج کے بارے میں اس لئے نہیں پوچھا کہ وہ غریب تھا۔ اور حدیث میں ہے: للسائل حق، ولو جاء علی فرس: سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر آئے۔ اور ہر انسان کے ساتھ بلکہ ہر مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بھی ثواب ہے، مگر مسلمان کے ساتھ خاص طور پر دین دار مسلمان کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بہت اجر و ثواب ہے۔

باب

جنت میں لے جانے والے چند کام

(۲۴۰۹) لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ انْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ وَقِيلَ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجُمْتُ فِي النَّاسِ لَا نُنْظَرُ إِلَيْهِ فَلَمَّا اسْتَشْبَهْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ وَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ أَنْ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامًا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جب یہ بتایا گیا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے ہیں لوگوں کے درمیان میں بھی آیا تا کہ آپ کی زیارت کروں جب میری نظر آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے سب سے پہلے آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ ”اے لوگو (اپنے درمیان) سلام کو پھیلا دو (دوسروں کو) کھانا کھلاؤ اور اس وقت (نفل) نماز ادا کرو جب لوگ سو چکے ہوں (ایسا کرنے کے نتیجے میں) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

باب

حسن سلوک اور غم خواری کے جواب میں دعا دینا

(۲۴۱۱) لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُونَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا رَأَيْنَا قَوْمًا أَبْذَلَ مِنْ كَثِيرٍ وَلَا أَحْسَنَ مَوَاسَاةً مِنْ قَلِيلٍ مَنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُونَةَ وَأَشْرَكُونَا فِي الْمَهْنَةِ حَتَّى لَقَدْ خَفْنَا أَنْ يَذْهَبُوا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا مَادَعَوْتُمْ اللَّهَ لَهُمْ وَأَتْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم جن لوگوں کے مہمان بنے ہیں ہم نے زیادہ مال کی موجودگی میں ان سے زیادہ خرچ کرنے والا اور کم مال ہوتے ہوئے ان سے زیادہ ہمدرد کوئی قوم نہیں دیکھی یہ لوگ ہماری طرف سے کام کر لیتے ہیں اور ہمیں معاوضے میں شریک کر لیتے ہیں یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا ہے کہ یہ سارے کا سارا اجر حاصل کر لیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں (ایسا

اس وقت تک نہیں ہوگا) جب تک تم ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہو گے اور ان کی تعریف کرتے رہو گے۔
لغات اور ترکیب: من کثیر: اہل سے متعلق ہے، اور من قلیل: مواساۃ سے اور من قوم: مفضل منہ ہے اور جملہ
نزلنا: قوم کی صفت ہے۔ کفاہ المونۃ: اسے اس کی مشقت سے بچالیا۔ المونۃ: کلفت، بوجھ، یہی معنی المونۃ کے ہیں۔
المہنا: خوشگوار، من پسند چیز، جمع مہانی، ہنا یہنا (ف) الطعام: کھانے کو مزے دار بنانا۔

باب

کھا کر شکر بجالانے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے

(۲۴۱۰) الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں (کچھ) کھا کر شکر ادا کرنے والا صبر کے ساتھ روزہ رکھنے والے کی مانند ہے۔

تشریح: روزہ دار چونکہ کھانے پینے سے احتراز کرتا ہے، اس لئے اجر پاتا ہے، پس اگر کھانے پینے والا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے تو وہ بھی ثواب کا حقدار ہوتا ہے، اس لئے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد شکر بجالانا چاہئے۔

باب

وہ شخص جس پر جہنم کی آگ حرام ہے

(۲۴۱۲) أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ يَمْنَنُ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو جہنم پر حرام ہوگا اور جہنم اس پر حرام ہوگی؟ ہر وہ شخص جو ساتھ رہے تو آسانی فراہم کرے اور نرمی کرے۔

تشریح: یہ تینوں اخلاق متقارب (ایک دوسرے سے ملتے جلتے) ہیں: قریب: یعنی لوگوں سے نزدیک، جس کو لوگ پسند کریں اور محبت رکھیں۔ ہین: نرم مزاج اور سہل: آسان، یعنی خوش اخلاق آدمی جس کا لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ ہو، اور جس کو لوگ پسند کریں، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے، یعنی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

باب

گھر کے کام میں حصہ لینا

(۲۴۱۳) قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَيْ شَيْءٍ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ كَانَ يَكُونُ فِي مَهْنَةِ أَهْلِهِ فَإِذَا

حَضَرَتِ الصَّلَوةُ قَامَ فَصَلَّى.

ترجمہ: اسود بن یزید بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا نبی اکرم ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو کیا کرتے تھے تو انہوں نے بتایا آپ ﷺ گھر کے کام کاج کر لیتے تھے جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو آپ ﷺ اٹھ کر نماز ادا کرنے لگتے تھے (یا نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے)۔
لغات: البهنة: (بفتح المیم وکسرھا) کام، مشغلہ۔

باب

ملاقات اور مجلس میں بیٹھنے کا ادب

(۲۴۱۴) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَصَافَحَهُ لَا يَنْزِعُ يَدَهُ مِنْ يَدِهِ حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ يَنْزِعُ وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهِ حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ يَصْرِفُهُ وَلَمْ يَرْمُقْ مَارُ كُبْتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيسٍ لَهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کے سامنے آتا تھا تو آپ ﷺ اس سے مصافحہ کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہیں کھینچتے تھے بلکہ وہ شخص خود اپنا ہاتھ کھینچتا تھا آپ ﷺ اپنا چہرہ اس کے چہرے سے نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہ خود کسی اور طرف چلا جاتا تھا آپ ﷺ کو کبھی بھی سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

تشریح: اس حدیث میں چند اخلاق حسنہ کا ذکر ہے، جب کسی سے مصافحہ کیا جائے تو اس کی طرف متوجہ رہا جائے، اور جب تک وہی ہاتھ نہ چھوڑ دے اپنا ہاتھ نہ کھینچا جائے، اور جب تک وہ نہ چل پڑے اپنا چہرہ اس سے نہ پھیرا جائے، اور مجلس میں اپنے پیر ساتھی کی طرف لمبے نہ کئے جائیں، یہ بات تواضع کے بھی خلاف ہے۔

باب

متکبروں کا بُرا انجام

(۲۴۱۵) خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فِي حُلَّةٍ لَهُ يَخْتَالُ فِيهَا فَأَمَرَ اللَّهُ الْأَرْضَ فَأَخَذَتْهُ فَهُوَ يَتَجَلَجَلُ فِيهَا أَوْ قَالَ يَتَأَجَّجُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایک شخص ایک حلہ پہن کر نکلا اس پر وہ تکبر کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا زمین نے اسے پکڑ لیا تو وہ اس میں دھنستا رہے گا (راوی کو شک ہے یا یہ الفاظ ہیں) وہ قیامت تک اس میں دھنستا رہے گا۔

(۲۴۱۶) يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذِّبِّ فِي صُورِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمْ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُونَ إِلَى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ يُسَمَّى بُولَسَ تَعْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقُونَ مِنْ عَصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِينَةَ الْحَبَالِ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو آدمی کی شکلوں میں چیونٹیوں کی مانند اٹھایا جائے گا اور ہر طرف سے ان پر ذلت مسلط ہو جائے گی اور انہیں جہنم میں ایک قید خانے کی طرف دھکیلا جائے گا جس کا نام بولس ہوگا ان پر آگ چھا جائے گی اور انہیں جہنمیوں کی پیپ پلائی جائے گی جو بدبودار کیچڑ کی شکل میں ہوگی۔

تشریح: قیامت کے دن متکبر لوگ،، چیونٹیوں کی مانند،، ہوں گے اس سے کیا مراد ہے؟

(۱) علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ،، چیونٹیوں کی مانند،، ہونے کے مجازی معنی مراد ہیں حقیقی نہیں مطلب یہ ہے کہ متکبر لوگ چیونٹیوں کی طرح ذلیل و رسوا ہوں گے کہ لوگ انہیں قیامت کے دن اپنے قدموں سے روندیں گے جس طرح کہ چیونٹیوں کو قدموں سے رونداجاتا ہے۔

(۲) محدثین کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث سے حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ تکبر کرنے والوں کا جسم واقعتاً چیونٹیوں کی طرح ہوگا، البتہ ان کی شکل و صورت انسانوں جیسی ہوگی۔

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کے بعد یہ تحقیق لکھی ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کی طرح تکبر کرنے والوں کے جسموں کو بھی اپنے اصلی اجزاء کے ساتھ دوبارہ اٹھائیں گے تاکہ وہ دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت الہی ظاہر ہو جائے لیکن پھر اللہ تعالیٰ میدان حشر میں ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح کر دیں گے تاہم ان کی شکل و صورت مردوں کی سی ہی رہے گی اور ان کے ساتھ یہ رویہ اس لیے اختیار کی جائے گا تاکہ ان کی ذلت و رسوائی پوری مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھے۔

لَعْنَات: یتجلجل فیہا: وہ زمین میں دھنستا جا رہا ہے۔ یتلجلج: وہ زمین میں مترد ہے زمین کے اندر متحرک ہے دھنستا جا رہا ہے لڑکھڑا رہا ہے۔ ذر: (ذال پر زبر کے ساتھ) چیونٹیاں۔ یغشاهم: ان پر چھا جائے گی۔ تعلوہم: آگوں کی آگ انہیں گھیرے گی اور بعض نسخوں میں تغلوغین کے ساتھ ہے: ان کو ابلے گی۔ الانیار: نار کی جمع ہے اصل میں اس کی جمع داؤ کے ساتھ ہے۔ انوار ہونی چاہیے مگر چونکہ اس میں نور کی جمع کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ نور کی جمع ہے یا نار کی، اس لئے فرق کرنے کے لئے،، انیار،، کی جمع لائی جاتی ہے۔ بولس: (با پر پیش زبر کے ساتھ) جہنم کا ایک قید خانہ، جو متکبر لوگوں کے لئے خاص ہے۔ عصارۃ: (عین پر پیش کے ساتھ) اہل دوزخ کا بہتا ہوا خون اور پیپ۔ طینۃ: کیچڑ۔ الحبال: اس کے معنی فساد کے ہیں یعنی بگڑی ہوئی چیز اور طینۃ الحبال کے معنی ہیں: وہ کیچڑ جو زیادہ سڑنے کی وجہ سے نہایت بدبودار اور متعفن ہو چکا ہو اور ”طینۃ الحبال“ ترکیب نحوی کے اعتبار سے ”عصارۃ اہل النار“ سے بدل ہے، اس لئے اس پر زیر پڑھی جائے گی۔

باب

غصہ پی جانے کی فضیلت

(۲۴۱۷) مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَا اللَّهَ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيَّرَهُ فِي آتِي الْحُورِ شَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص غصے کو پی جائے حالانکہ وہ اس کے اظہار کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی موجودگی میں اسے بلائے گا اور اسے یہ اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے اختیار کر لے۔

باب

کمزور کے ساتھ نرمی کرنے وغیرہ کی فضیلت

(۲۴۱۸) ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ سَتَرٌ اللَّهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَأَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ رَفِقٌ بِالضَّعِيفِ وَشَفِيقٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَاحْسَانٌ إِلَى الْمَمْلُوكِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تین چیزیں ایسی ہیں جو انہیں اختیار کر لے گا اللہ تعالیٰ اس پر اپنا خاص فضل کرے گا اور اسے جنت میں داخل کر دے گا کمزور شخص پر نرمی کرنا والدین کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اور غلام کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

یہ حدیث نہایت ضعیف ہے اس کا ایک راوی عبد اللہ بن ابراہیم متروک ہے، اور اس کا باپ مجہول ہے۔

باب

تمام نعمتیں اللہ کے پاس ہیں، اور وہ بڑے سخی ہیں

(۲۴۱۹) يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُ فَسَلُونِي الْهُدَى أَهْدِيكُمْ وَكُلُّكُمْ فَقِيرٌ إِلَّا مَنْ أَغْنَيْتُ فَسَلُونِي أَرْزُقْكُمْ وَكُلُّكُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَيْتُ فَمَنْ عَلِمَ مِنْكُمْ آتِي دُوقُدْرَةٍ عَلَى الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفِرْنِي غَفَرْتُ لَهُ وَلَا أَبَالِي وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيِّكُمْ وَمَمِيتَكُمْ وَرَطْبُكُمْ وَيَا بِسْكُمْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْتَفَى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِي مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيِّكُمْ وَمَمِيتَكُمْ وَرَطْبُكُمْ وَيَا بِسْكُمْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَشْفَى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِي مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيِّكُمْ وَمَمِيتَكُمْ وَرَطْبُكُمْ وَيَا بِسْكُمْ اجْتَمَعُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلَ كُلُّ إِنْسَانٍ

مِنْكُمْ مَا بَلَغَتْ أُمْنِيَّتُهُ فَاَعْظِيَتْ كُلَّ سَائِلٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي إِلَّا كَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ مَرَّ
بِالْبَحْرِ فَعَمَسَ فِيهِ إِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا إِلَيْهِ ذَلِكَ بِأَنِّي جَوَّادٌ وَاجِدٌ مَا جِدْتُ أَفَعَلَ مَا أُرِيدُ عَطَائِي كَلَامٌ وَعَذَابِي كَلَامٌ
إِنَّمَا أَمْرِي لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ.

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو تم سب گمراہ
رہو گے سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں تو تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا تم سب غریب ہو ماسوائے اس کے
جسے میں بے نیاز کر دوں تو تم مجھ سے مانگو میں تمہیں رزق دوں گا تم سب گنہگار ہو ماسوائے اس کے جسے میں عافیت عطا کروں تو تم میں
سے جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں اس بات کی قدرت رکھتا ہوں کہ میں بخش دوں تو وہ مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت
کر دوں گا اور میں اس بات کی پرواہ نہیں کروں گا اور اگر تمہارے سب سے پہلے والے اور سب بعد والے سب زندہ اور سب مرحومین
سب تر اور خشک لوگ اکٹھے ہو کر میرے بندوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار بندے کی مانند ہو جائیں تو اس کے ذریعے میری
بادشاہی میں مجھ کے پر جتنا اضافہ بھی نہیں کریں گے اور اگر تمہارے سب پہلے والے اور سب بعد والے سب زندہ اور سب مرحومین
سب تر اور سب خشک لوگ اکٹھے ہو کر میرے بندوں میں سب سے بد بخت ترین بندے کی مانند ہو جائیں تو بھی میری بادشاہی
میں ایک مجھ کے پر کے برابر بھی کمی نہیں کریں گے اور اگر تمہارے سب پہلے والے اور سب بعد والے سب زندہ اور سب مرحومین
سب تر اور خشک لوگ ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور ان میں سے ہر شخص جو اس کی آرزو ہو سکتی ہے اسے مانگے تو میں تم میں سے
ہر ایک مانگنے والے کو (اس کے سوال کے مطابق) عطا کروں گا اور اس سے میری بادشاہی میں اتنی بھی کمی نہیں آئے گی کہ جس طرح
کوئی شخص سمندر کے پاس سے گزرتے ہوئے اس میں سوئی ڈبوئے اور پھر نکال کر یہ دیکھے کہ اس نے سوئی کے ذریعے سمندر کا کتنا
پانی کم کیا ہے) میں سخی ہوں میرے پاس سب کچھ ہے اور میں بزرگی کا مالک ہوں میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں میرا عطا کرنا حکم ہے
اور میرا عذاب کلام (کے ذریعے واقع ہو جاتا ہے) کسی بھی شے کے بارے میں میرا حکم یہ ہے جب میں اس کا ارادہ کر لوں تو اسے یہ
فرماتا ہوں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

تشریح: خود نبی پاک ﷺ کے تعلق سے ارشاد پاک ہے ﴿وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ (الضحیٰ: ۷) یعنی اللہ نے آپ ﷺ کو
دین سے بے خبر پایا، پس آپ ﷺ کو باخبر کیا، پھر دوسرا کوئی از خود دین سے باخبر کیسے ہو سکتا ہے؟ وہی شخص ہدایت پاتا ہے جسے اللہ
تعالیٰ ہدایت بخشتے ہیں، اسی لئے ہر مومن ہر نماز میں دعا کرتا ہے ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (الفاتحہ: ۵) اے اللہ ہمیں سیدھا
راستہ دکھا! اسی طرح ہدایت پر ثابت قدمی بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہئے۔

تشریح: سورۃ الذاریات میں ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْبَتِّينُ﴾ (الذاریات: ۵۸) بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب کو
روزی پہنچانے والے ہیں، وہ طاقت ور، نہایت قوت والے ہیں، اور سورۃ ہود میں ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ
رِزْقُهَا﴾ (ہود: ۶) روئے زمین پر جو بھی ریگنے والا ہے اس کی روزی اللہ کے ذمے ہے، پس ہر بندے کو اللہ ہی سے روزی طلب کرنی
چاہئے، وہی روزی عطا فرمانے والے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہے اور مالداری بھی ان کے اختیار میں ہے، پس بندوں کو چاہئے کہ ہدایت بھی ان سے مانگیں، اور حاجتیں بھی ان سے طلب کریں، وہی حاجت روا ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی اگر حفاظت کریں تو بندے گناہوں سے معصوم رہ سکتے ہیں، ان کی شان بڑی نرالی ہے، اور جو بندے گنہگار ہیں وہ اگر اس یقین کے ساتھ مغفرت طلب کریں کہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف فرمادیتے ہیں، اور ساری کائنات اگر سرور دو عالم ﷺ جیسی ہو جائے تو اللہ کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اور ساری مخلوق اگر شیطان لعین جیسی ہو جائے تو اللہ کے ملک میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اسی طرح اگر تمام مخلوقات اپنی انتہائی آرزو مانگنے لگے اور اللہ سب کو عنایت فرمائیں تو اللہ کے فضل میں کچھ کمی نہیں آئے گی، بس اتنی ہی کمی ہوگی کہ سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالی جائے، پھر دیکھا جائے کہ سمندر کے پانی میں کتنی کمی آئی؟ بس اتنی ہی کمی آئے گی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سخی ہیں، وہ ہر ایک کی حاجت پوری کرتے ہیں، وہ پانے والے ہیں، یعنی ان کے پاس فضل کی کمی نہیں، وہ بزرگ ہیں، ان کی شان بہت برتر ہے، ان کو دینے لینے میں صرف ”کن“ کہنے کی ضرورت ہے، بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں، ان کا ارادہ ہی چیزوں کے وجود کے لئے کافی ہے، اس لئے ہر بندے کو اپنی ہر ضرورت اسی سے مانگنی چاہئے، اور پر امید رہنا چاہئے کہ وہ بندوں کی ہر ضرورت پوری کرنے والے ہیں۔



أَبْوَابُ الْوَرَعِ

پرہیز گاری کے بیان میں

باب

کفل کی مغفرت کا واقعہ

(۲۴۲۰) كَانَ الْكُفْلُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا يَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَهُ فَأَتَتْهُ أُمْرَأَةٌ فَأَعْطَاهَا سِتْرَيْنِ دِينَارًا عَلَى أَنْ يَطَّأَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنْ أُمْرَأَتِهِ أُرْعِدَتْ وَبَكَتْ فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ أَا كُرْهُتُكَ قَالَتْ لَا وَلَكِنَّهُ عَمِلَ مَا عَمِلْتُهُ قَطُّ وَمَا حَمَلَنِي عَلَيْهِ إِلَّا الْحَاجَةُ فَقَالَ تَفْعَلِينَ أَنْتِ هَذَا وَمَا فَعَلْتِهِ أَذْهَبِي فِيهِ لَكَ وَقَالَ لَا وَاللَّهِ لَا أَغْصِي اللَّهَ بَعْدَهَا أَبَدًا فَمَاتَ مِنْ لَيْلَتِهِ فَأَصْبَحَ مَكْتُوبًا عَلَى بَابِهِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لِكَفْلِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا اور میں نے آپ ﷺ کو یہ بات کرتے ہوئے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سات تک گنتی کی اور پھر فرمایا اس سے بھی زیادہ مرتبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کفل نامی شخص کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا وہ کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرنے سے پرہیز نہیں کرتا تھا ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی اس نے اس عورت کو ساٹھ دینار دیئے اس شرط پر کہ وہ اس عورت کے ساتھ زنا کرے گا جب وہ اس کے ساتھ زنا کرنے لگا تو وہ عورت کا بچہ لگی اور رونے لگی اس نے دریافت کیا تم کیوں رو رہی ہو کیا میں نے تمہارے ساتھ زبردستی کی ہے اس عورت نے جواب دیا نہیں لیکن یہ ایک ایسا عمل ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا اور انتہائی مجبوری کے عالم میں اس پر مجبور ہوئی ہوں تو وہ بولا تم یہ کام کر رہی ہو؟ حالانکہ تم نے پہلے کبھی یہ کام نہیں کیا تم جاؤ یہ دینار تمہارے ہوئے پھر اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اب میں اس کے بعد کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا پھر اسی رات اس کا انتقال ہو گیا تو صبح اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کر دی۔

تشریح: کفل نامی شخص بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا جو ہر قسم کا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا تھا ایک دفعہ نفسانی خواہش کی تسکین کے لیے ایک عورت کو ساٹھ دینار دیئے تاکہ اس سے جنسی استفادہ کرے وہ عورت اللہ سے ڈر کی وجہ سے کانپنے لگی کہ آج تک میں

نے یہ گناہ نہیں کیا تھا اور اب مالی حاجت کی وجہ سے یہ کام کرنا پڑ رہا ہے اس مرد نے یہ کیفیت دیکھی تو اسے اس پر ترس آ گیا، اس نے وہ پیسے اس عورت کو بخش دیئے اور اس کے ساتھ وہ عمل بھی نہیں کیا اور ساتھ ہی اللہ سے سچی توبہ کر لی کہ آج کے بعد کبھی بھی میں یہ گناہ نہیں کروں گا اسی رات اس کی وفات ہو گئی صبح کے وقت اس کے دروازے پر یہ لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی بخشش کر دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے جس قدر سنگین گناہ ہو جائے جب وہ تہ دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ کو بالکل مٹا دیتے ہیں۔

تشریح: تین غار میں پھنسنے والے آدمیوں کا واقعہ صحیحین میں مروی ہے، اس میں بھی ایک شخص نے اپنی پچازاد بہن کو زنا کرنے کے لئے سودینا دیئے تھے، پھر اس سے زنا نہیں کیا تھا، وہ واقعہ اور ہے۔ (مسلم شریف: حدیث ۳۷۴۳)

باب

گناہوں کے تعلق سے مؤمن اور بدکار کا حال

(۲۴۲۲) عَبْدُ اللَّهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَىٰ ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ فِي أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَىٰ ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ وَقَعَ عَلَىٰ آفِئَةٍ قَالَ بِهِ هَكَذَا فُطَارَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات ارشاد فرمائی مؤمن اپنے گناہوں کو یوں دیکھتا ہے جیسے کوئی شخص پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہو اور اسے یہ اندیشہ ہو کہ یہ پہاڑ اس پر گر پڑے گا اور گنہگار شخص اپنے گناہوں کو یوں دیکھتا ہے جیسے وہ مکھی ہے جو اس کی ناک پر آ کر بیٹھ گئی ہے اور وہ اسے ایسے کرے گا اور وہ اڑ جائے گی۔

(۲۴۲۳) كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُهُمُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر انسان خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرتے ہوں۔ اور توبہ سے اللہ تعالیٰ کا بے حد خوش ہونا

تشریح: یہ حدیث صحیحین میں اس سے زیادہ مفصل ہے، غور کیجئے! ایک مسافر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر، اور اس پر کھانے پینے کا سامان لاد کر، دور دراز کے سفر پر نکلا، وہ حیران و سراسیمہ ہو کر اونٹنی کی تلاش میں دوڑا بھاگا، مگر کامیاب نہ ہوا، یہاں تک کہ جب گرمی اور پیاس نے اس کو لب دم کر دیا تو اس نے سوچا: شاید میری موت اس بیابان میں مقدر ہے، چنانچہ وہ مرنے کے لئے اسی درخت کے سایہ میں آ کر پڑ گیا، آنکھ پھر چھپکی، اور جب کھلی تو اونٹنی پورے ساز و سامان کے ساتھ وہاں موجود تھی، اس وقت اس محروم مسافر کو اپنی اونٹنی کے مل جانے پر کتنی خوشی ہوگی؟ اسی طرح جب بندہ جرم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اس مہربان اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے، پس گنہگاروں کو مایوس نہیں ہونا چاہئے، انہیں پہلی فرصت میں اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ اس کے لئے اس دروازہ کے علاوہ کوئی دروازہ نہیں!

لغات: لله: اللہ کے فتح کے ساتھ، اور یہ لابتدائیہ ہے جو تاکید کے لئے لایا جاتا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ البتہ کیا جاتا ہے، اور الله: مبتداء ہے اور افرح اس کی خبر۔ من راجل: افرح کا منفضل منہ ہے۔ الفلانة: بیابان، ایسا ویران جنگل جہاں دور دور تک

سبزہ اور پانی نہ ہو، جمع فلوات۔ الدو: بڑا جنگل، الدوی اور الدویۃ: جنگل، بیابان، اس میں واؤ مشدد ہے، اور نسبت کی ہے، الدو کی طرف نسبت ہے۔ مہلکۃ: م پر زبر اور ل پر فتح اور کسرہ دونوں: خونناک اور ہلاکت کی جگہ۔ تشریح: توبہ کی حقیقت تین چیزیں ہیں: (۱) جو گناہ ہو گیا ہے اس پر پشیمانی ہو۔ (۲) اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا پختہ ارادہ ہو۔ (۳) اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے، تاکہ وہ اس گناہ کی سزا سے بچ جائے۔

باب

خاموشی میں نجات ہے

(۲۴۲۴) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصُبْتُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت افزائی کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے بھلائی کی بات کہنی چاہیے ورنہ خاموش رہنا چاہیے۔

(۲۴۲۵) مَنْ صَمَتَ نَجَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص خاموش رہے وہ نجات پاتا ہے۔ تشریح: یہ حدیث ابواب البر والصلة میں حضرت ابو شریح عدوی کی روایت سے گزر چکی ہے۔

باب

مسلمان کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا

(۲۴۲۶) حَكَيْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ رَجُلًا فَقَالَ مَا يَسُرُّنِي أَيْ حَكَيْتُ رَجُلًا وَأَنْ لِي كَذَا وَقَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ صَفِيَّةَ امْرَأَةً وَقَالَتْ بَيْنَهَا هَذَا كَأَنَّهَا تَعْنِي قَصِيرَةً فَقَالَ لَقَدْ مَزَجَتْ بِكَلِمَةٍ لَوْ مَزَجَ بِهَا مَاءُ الْبَحْرِ لَمْزَجَ.

ترجمہ: ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں ہے میں کسی شخص کی خامی کا تذکرہ کروں اگرچہ مجھے یہ کچھ مل جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! صفیہ رضی اللہ عنہا تو اس طرح کی عورت ہیں اور پھر انہوں نے اپنے ہاتھ کے ذریعے یہ ارشاد کیا کہ ان کا قدم ہے تو آپ ﷺ

نے فرمایا تم نے ایسی بات شامل کی ہے اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جاتا تو وہ بھی تبدیل ہو جاتا۔

(۲۴۲۷) مَا أَحْبَبُّ إِلَيَّ حَكِيئَةُ أَحَدًا وَّأَنِّي كَذَاوُ كَذَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں یہ نہیں چاہتا کہ میں کسی کا عیب بیان کروں اگرچہ مجھے اس کے بدلے میں یہ یہ کچھ مل جائے۔

(۲۴۲۸) سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الْمُسْلِمِينَ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کون سا مسلمان زیادہ فضیلت رکھتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(۲۴۲۹) مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَعْمَلَهُ قَالَ أَحْمَدُ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنے کسی بھائی کو اس کے کسی گناہ کی وجہ سے عار دلانے تو وہ خود اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اس کا ارتکاب نہ کر لے گا۔

تشریح: اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ کی ایذا رسانیوں کا ذکر ہے، ورنہ حقیقت میں مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کسی طرح بھی تکلیف نہیں پہنچاتا، ایذا رسانی اسلام کے منافی ہے، مگر اس سے مراد وہ ایذا رسانی ہے جو بغیر کسی معقول وجہ کے ہو، ورنہ مجرموں کو سزا دینا، ظالموں کی زیادتیوں کو اور مفسدوں کی فساد انگیزوں کو روکنا مسلمان کا فرض منصبی ہے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو دنیا امن و راحت سے محروم ہو جائے گی۔

سوال: ذنب کے معنی جرم، گناہ اور غلطی کے ہیں، پس کسی کو گناہ پر عار دلانے کا یہ نتیجہ کیسے نکلا کہ اللہ نے اس عار دلانے والے کو اس گناہ میں مبتلا کیا؟ نہی عن المنکر تو ضروری ہے؟

جواب: دیا گیا ہے (۱) عار دلانے کا مطلب ہے کسی کو برے فعل سے شرم دلانا، طعنہ دینا اور عیب لگانا، اور نہی عن المنکر میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا، اس میں خیر خواہی کے جذبہ سے برائی پر نصیحت کی جاتی ہے۔ (۲) اور دوسرا جواب امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ احمد بن منیع رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ حدیث میں وہ گناہ مراد ہے جس سے گنہگار نے توبہ کر لی ہے، پھر بھی کوئی اس گناہ پر اس کو عار دلانے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہو جاتا ہے، پس اس کو عار دلانے والا اس سزا کا مستحق ہوگا۔

باب

کسی کی مصیبت پر خوش ہونا وبال لاتا ہے

(۲۴۳۰) لَا تَظْهَرِ الشَّهَادَةَ لِأَخِيكَ فَيُؤْخَذَ بِكَ اللَّهُ وَيَبْتَلِيكَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے گا۔

تشریح: اس حدیث کا ایک راوی امیہ بن القاسم ہے، حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ چونکہ ضعیف ہے، صحیح نام قاسم بن امیہ حذاء (موچی) ہے، یہ بصرہ کا راوی ہے، اور ٹھیک ہے، اور اس پر ابن حبان نے جو بلا وجہ تنقید کی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور حدیث کی تحسین کی ہے۔ کسی کی نقل اتارنا بھاری گناہ ہے۔

لغات: حکیت: میں کسی کی نقل اتاروں کسی کا ذکر کروں۔ قصیدۃ: گھنگنی، پست قد والی مزجت تو نے ملایا۔ لمزج (صیغہ مجہول) سمندر کا پانی تبدیل ہو جائے متغیر ہو جائے۔

باب

لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کی فضیلت

(۲۳۳۱) الْمُسْلِمُ إِذَا كَانَ مُحَايِلًا النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى آذَانِهِمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي لَا يُحَايِلُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى آذَانِهِمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے لاحق ہونے والی اذیت پر صبر سے کام لیتا ہے یہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ گھل مل کر نہیں رہتا اور اسے ان کی طرف سے کسی اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عزلت (گوشہ نشینی) بہتر ہے یا لوگوں سے میل جول رکھنا؟ جو لوگ کہتے ہیں: لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا، ان کی کڑوی کیلی باتوں کو برداشت کرنا، ان کو بھلائی کا حکم دینا، ان کو برائی سے روکنا اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا گوشہ نشینی سے بہتر ہے: وہ لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور جن کی رائے اس کے خلاف ہے وہ مسلم شریف کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: مجاہد کے بعد بہترین شخص وہ ہے جو کسی گھائی میں علیحدہ رہتا ہو، اللہ کی عبادت کرتا ہو، اور لوگوں کو اپنے شر سے بچاتا ہو (مسلم کتاب الامارۃ باب ۳۴ حدیث ۱۸۸۸)۔

اور اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ لوگوں کے احوال مختلف ہیں، اس لئے حکم بھی مختلف ہے، جو شخص لوگوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، اور ان کی حرکتیں برداشت کر سکتا ہے، اس کے لئے لوگوں سے میل جول رکھنا بہتر ہے، اور جو ان کی باتیں برداشت نہیں کر سکتا، نہ وہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے، وہ اگر لوگوں سے علیحدہ رہے تو یہی اس کے حق میں بہتر ہے۔

باب

باہمی معاملات بگاڑنا دین کا ناس کر دیتا ہے

(۲۳۳۲) إِنَّا كُمْ وَسُوءَاتِ الْبَيْنِ فَأَيُّهَا الْحَالِقَةُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آپس کی عداوت سے بچو کیونکہ یہ تباہ کن چیز ہے۔

(۲۴۳۳) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلٍ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوا بَلَى قَالَ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کیا میں تمہیں ایسی چیز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ جو روزہ رکھنے نماز پڑھنے صدقہ کرنے کے درجے سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے لوگوں نے عرض کی جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا آپس میں محبت اور میل جول رکھنا کیونکہ آپس کا فساد ہلاکت کا شکار کر دیتا ہے۔

(۲۴۳۴) ذَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأَمِّ قَبْلَكُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَخْلُقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَخْلُقُ الدِّينَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا حَتَّى تَتَحَابُّوا أَفَلَا أُتَبِّئُكُمْ بِمَا يُغَيِّبُكُمْ ذَاكُمْ لَكُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے سابقہ امتوں کی بیماری تمہارے اندر بھی آگئی ہے وہ حسد اور بغض ہے جو مونڈ دیتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتی ہے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک مومن نہیں بن جاتے اور تم لوگ اس وقت کامل مومن نہیں بن سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہیں رکھو گے کیا میں تمہیں وہ بات بتاؤں؟ جو تمہاری محبت کو پختہ کرے؟ تم اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا فرض نماز فرض روزے اور فرض صدقہ سے بھی اس صورت میں افضل ہو سکتی ہے کہ جب صلح ایک ایسے فساد کو ختم کرنے کے لیے ہو جس کے نتیجہ میں لوگوں میں قتل و خون ریزی مال و اسباب کی غارت گری اور عزت و ناموس کی بے حرمتی یقینی ہو ایسے میں عقل کا تقاضا یہی ہے کہ یہ صلح مذکورہ عبادات سے افضل ہو کیونکہ اول تو عبادات ایسے اعمال ہیں جو اگر وقت پر ادا نہ ہو سکیں تو بعد میں ان کی قضا کی جاسکتی ہے جبکہ اس عداوت و دشمنی کے نتیجہ میں جو نقصان مال و دولت کا ضیاع انسانی جانوں کی ہلاکتیں اور عزت و ناموس کی بے حرمتی رونما ہوگی اس کا ازالہ اور تلافی ممکن نہیں دوسرے یہ کہ ان عبادات کا تعلق حقوق اللہ سے زیادہ ہے اس لحاظ سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اصلاح بین الناس کو ایک طرح سے عبادات پر فضیلت حاصل ہے جیسے یوں کہا جاتا ہے کہ نفس انسان فرشتہ بہتر ہے اور مرد عورت سے بہتر ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷-۱۷۹)

باب

ظلم اور قطع رحمی کی سزا

(۲۴۳۵) مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعْجَلَ اللَّهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدْخُرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبُغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بغاوت اور رشتہ داری کے حقوق کی پامالی سے زیادہ کوئی گناہ اس لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس

کے مرتکب کو دنیا میں ہی سزا جلدی دے دے اس کے علاوہ جو اس نے آخرت میں اس کے لیے سزا تیار رکھی ہے۔
فائدہ: گناہوں کی سزا کے سلسلہ میں کوئی واضح قاعدہ وارد نہیں ہوا، البتہ مختلف نصوص سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعض گناہوں کی پوری سزا دنیا میں دیدی جاتی ہے، یہ گناہ عام طور پر لازم ہوتے ہیں، یعنی ان کا ضرر دوسروں تک نہیں پہنچتا، اور جو گناہ متعدی ہوتے ہیں جیسے ظلم و زیادتی اور قطع رحمی وغیرہ، ان کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی، اور ایسا ان گناہوں کی سنگینی کی وجہ سے کیا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ دو گناہ بہت بھاری ہیں، ان سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

باب

صبر و شکر کا جذبہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟

(۲۳۳۶) خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتْ فِيهِ كَتَبَهُ اللَّهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ لَمْ تَكُنَا فِيهِ لَمْ يَكْتُبَهُ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدَى بِهِ وَمَنْ نَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونُهُ فَحَمِدَ اللَّهَ عَلَى مَا فَضَّلَهُ بِهِ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللَّهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُونُهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِيفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبَهُ اللَّهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے جس شخص میں دو خوبیاں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا لکھ دے گا اور جس شخص میں یہ دونوں نہیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا نہیں لکھے گا وہ شخص جو اپنے دین میں اس شخص کی طرف دیکھے جو بلند ہے اور اس کی پیروی کرے اور جو اپنی دنیا میں اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے کمتر ہے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس دوسرے شخص پر فضیلت عطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا لکھ دیتا ہے اور جو شخص اپنے دین میں اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے کمتر ہے اور دنیا میں اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے برتر ہے اور اس بات پر افسوس کرے جو اسے نہیں ملا تو اللہ تعالیٰ اسے شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا نہیں لکھتا۔

(۲۳۳۷) اُنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے کمتر حیثیت کا مالک ہے اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو تم سے برتر حیثیت کا مالک ہے کیونکہ ایسی صورت حال میں تم اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر نعمتوں کو حقیر نہیں سمجھو گے۔

تشریح: انسان کی ایک فطری کمزوری یہ ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت میں، شکال و صورت میں، اور دنیوی وجاہت میں اس سے بہتر ہے تو اس میں طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور وہ خیال کرتا ہے کہ اللہ نے اسکو ایسا کیوں نہیں بنایا! اس حدیث میں اس کا علاج بتایا گیا ہے کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے جو اس سے ان چیزوں میں کمتر ہے، اس سے صبر و شکر کا جذبہ پیدا ہوگا، اللہ

نے جس حال میں اس کا رکھا ہے اس پر وہ صبر و شکر بجالائے گا البتہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ نظر ان بندوں کی طرف رہنی چاہئے جن کا مقام دین میں بلند ہے، اور ان کی پیروی کرنی چاہئے، اس طرح وہ آخرت کے کاموں میں ترقی کرتا چلا جائے گا۔

باب

احوال دائمی نہیں ہوتے

(۲۳۳۸) وَكَانَ مِنْ كُتَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ مَرَّ بِأَبِي بَكْرٍ وَهُوَ يَبْكِي فَقَالَ مَالِكُ يَا حَنْظَلَةُ قَالَ نَافَقٌ حَنْظَلَةُ يَا أَبَا بَكْرٍ نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَيْ عَيْنٍ فَإِذَا رَجَعْنَا إِلَى الْأَزْوَاجِ وَالضَّيْعَةِ نَسِينَا كَثِيرًا قَالَ فَوَاللَّهِ إِنَّا لَكُنْذِرُكَ أَنْ تَطْلُقَ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَنْطَلَقْنَا فَلَمَّا رَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَالِكُ يَا حَنْظَلَةُ قَالَ نَافَقٌ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ نَكُونُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَيْ عَيْنٍ فَإِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالضَّيْعَةَ وَنَسِينَا كَثِيرًا قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ تَدْرُمُونَ عَلَى الْحَالِ الَّذِي تَقُومُونَ بِهِ مِنْ عِنْدِي لَصَافَحْتُكُمْ الْمَلَائِكَةُ فِي مَجَالِسِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَعَلَى فُرُشِكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً وَسَاعَةً وَسَاعَةً.

ترجمہ: حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اسیدی رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے ماتحت تھے وہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے روتے ہوئے گزرے تو انہوں نے دریافت کیا اے حنظلہ رضی اللہ عنہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے ابو بکر حنظلہ منافق ہو گیا ہے جب ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے سامنے جہنم اور جنت کا تذکرہ کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب ہم واپس آتے ہیں تو اپنی بیویوں اور دنیاوی معاملات کے اندر مشغول ہو کر اکثر چیزوں کو بھول جاتے ہیں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میری بھی یہی کیفیت ہے تم میرے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں چلو تو ہم لوگ چل پڑے جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں دیکھا تو دریافت کیا اے حنظلہ تمہیں کیا ہوا ہے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ حنظلہ منافق ہو گیا ہے جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جہنم اور جنت کا تذکرہ کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب ہم واپس جاتے ہیں تو بیویوں اور دنیاوی معاملات میں الجھ جاتے ہیں اور بہت سی چیزوں کو بھول جاتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم مستقل اسی حالت میں رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہاری محفلوں میں آ کر تمہارے ساتھ مصافحہ کریں تمہارے پچھونوں پر آ کر تمہارے راستوں میں آ کر (تمہارے ساتھ مصافحہ کریں) لیکن اے حنظلہ وقت وقت کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔

تشریح: حال: نفس کی وہ کیفیت ہے جو عارضی اور وقتی ہوتی ہے، پھر جب وہ کیفیت دائمی ہو جاتی ہے تو مقام کہلاتی ہے۔ مقامات دائمی ہوتے ہیں مگر احوال دائمی نہیں ہوتے۔

حنظلہ دو ہیں: ایک حنظلہ الکاتب، جن کے باپ کا نام ربیع ہے، یہ قبیلہ اسید کے ہیں، جو قبیلہ بنو تمیم کی شاخ ہے، یہ حکیم العرب

اکثم بن صیفی کے بھتیجے ہیں، یہ واقعی انہی کا ہے، دوسرے: حنظلة الغسیل ہیں، ان کے باپ کا نام ابو عامر راہب ہے، یہ انصاری اویسی ہیں، جنگ احد میں شہید ہوئے ہیں، فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا، کیونکہ وہ حالت جنابت میں شہید ہو گئے تھے، یہ واقعہ ان کا نہیں ہے۔

لغات: رای عین: آنکھوں کے سامنے اس لفظ کو ترکیبی اعتبار سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے مرفوع کی صورت میں یہ خبر ہوگی اور منصوب کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی: تراہما رای عین (تم جنت و دوزخ کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو)۔ عافسنا: ہم اپنی بیویوں سے ملاقات کرتے ہیں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ الضیعة: جائداد صنعت حرفت کاروبار فرش فراش کی جمع ہے بستر بچھونے ساعة وساعة اصل عبارت یوں ہے: یکون ساعة کذا ویکون ساعة کذا۔ یعنی ایک گھڑی وہ اس طرح ہوتا ہے اور دوسری گھڑی میں وہ دوسری کیفیت میں ہوتا ہے۔

باب

ایمان کامل کی علامت

(۲۴۳۹) لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے اسی چیز کو پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے

تشریح: اس حدیث میں لایومن سے کمال ایمان کی نفی مراد ہے، ایمان میں کمال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دوسرے مسلمانوں کے لئے عبادتوں میں سے اور جائز کاموں میں سے وہ بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور یہ کچھ مشکل امر نہیں، دل میں خیر خواہی کا جذبہ ہو تو یہ بات بہت آسان ہے۔

باب

صرف اللہ تعالیٰ نافع اور ضار ہیں

(۲۴۴۰) كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ كَلِمَاتٍ أَحْفَظُ اللَّهُ يَحْفَظُكَ اللَّهُ تَجِدُهُ مُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَعَمَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے موجود تھا آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے میں تمہیں چند کلمات سکھا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا خیال رکھنا وہ تمہاری حفاظت کریگا اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھنا تم اسے اپنے سامنے پاؤ

گے تم نے جب بھی کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور جب بھی مدد مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگنا یہ بات جان لو کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہیں تو وہ صرف تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب لوگ مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے (تقدیر لکھنے کے بعد) قلم اٹھا دیئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

باب

تدبیر اور توکل میں منافات نہیں

(۲۴۴۱) قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَعْظِمُهَا وَآتَوْكُلُّ اَوْ اُطْلِقُهَا وَآتَوْكُلُّ قَالَ اَعْظِمُهَا وَآتَوْكُلُّ.

ترجمہ: ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ میں (جانور کو) باندھنے کے بعد توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے باندھ کر پھر توکل کرو۔

تشریح: الکوکب الدری میں ہے: توکل کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آدمی اسباب اختیار کرے، مگر ان پر تکیہ نہ کرے، پھر یہ بات ہے کہ اسباب اختیار نہ کرے اور اللہ پر بھروسہ کرے، پھر اس کے بعد توکل کا کوئی درجہ نہیں، یعنی اسباب اختیار کرنا اور ان پر بھروسہ کرنا توکل نہیں بلکہ توکل کے منافی ہے۔

اور حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تدبیر اور توکل میں منافات نہیں، اس لئے دونوں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

باب

کھٹک والی بات چھوڑ دو اور بے کھٹک بات اختیار کرو

(۲۴۴۲) حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ دَعَا مَا يَرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيْبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ وَإِنَّ الْكُذْبَ رِيْبَةٌ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص کے بکثرت عبادت و ریاضت کرنے کا ذکر کیا گیا اور دوسرے شخص کے مشتبہ چیزوں سے بچنے کا ذکر کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مشتبہ چیزوں سے بچنے کی مانند (نفل عبادت و ریاضت) نہیں ہے۔

تشریح: جس چیز کے بارے میں کوئی حتمی حکم معلوم نہ ہو کہ یہ حلال ہے یا حرام سنت ہے یا بدعت جائز ہے یا ناجائز تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اس مشکوک شے کو چھوڑ دیا جائے اور اس چیز یا عمل کو اختیار کر لیا جائے جس سے کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ ہو اور جس پر آدمی کو یقین ہو کیونکہ صدق تو اطمینان قلبی کا نام ہے اور کذب میں بے چینی اور اضطراب ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے ایک مثال سے اس کی وضاحت فرمائی کہ سچ بولنا دل کو اطمینان بخشتا ہے، اور جھوٹ بولنا الجھن پیدا کرتا ہے، آدمی جھوٹ بول کر کام نکال لیتا ہے، مگر دل میں کانٹا چبھتا رہتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا! اور سچ بولنے سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، اگرچہ سچ بولنے سے کبھی نقصان ہوتا ہے، مگر یہ نقصان اہول (ہلکا) ہے، پس ہر معاملہ میں سچ بولنا چاہئے، اور یہ بات کہ کھٹک والی بات چھوڑ دو اور بے کھٹک بات اختیار کرو:

قاعدہ کلیہ ہے اس کو ہر جگہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

باب

ورع کا مقام عبادت سے بلند ہے

(۲۴۴۳) ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ وَذُكِرَ عِنْدَهُ آخِرُ بَرِّ عَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُعَدُّ بِالرِّعَةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی کثرت عبادت اور ریاضت کا تذکرہ کیا گیا جبکہ دوسرے شخص کے شبہات سے بچنے کا تذکرہ کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی عبادت (اس دوسرے شخص کی) پرہیزگاری کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

تشریح: اور حدیث میں ہے کہ بندہ اس مقام تک نہیں پہنچتا کہ وہ پرہیزگاروں میں شمار ہو، جب تک وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں گنجائش ہے، ان چیزوں سے بچنے کے لئے جن میں گنجائش نہیں۔ (مشکوٰۃ حدیث ۲۷۷۵) یعنی آدمی کی دینداری اس وقت مکمل ہوتی ہے جب وہ مشتبہ چیزوں کو چھوڑ دے، اور وہ بات اختیار کرے جس میں کوئی شک نہیں، یہی اعلیٰ درجہ کی پرہیزگاری ہے۔

باب

جنت میں لے جانے والے تین کام

(۲۴۴۴) مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسَ بِوَأَيْقَنَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ قَالَ فَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص حلال کھائے اور سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ چیز تو آج بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ میرے بعد کے کچھ زمانوں میں بھی ہوگی۔

باب

وہ کام جن سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے

(۲۴۴۵) مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ وَأَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَنْكَحَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی کو کچھ دے اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی کو کچھ نہ دے اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی سے محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی سے ناراضگی رکھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نکاح کرے تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

تشریح: یہ حدیث حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ کی سند سے تو نہایت ضعیف ہے، مگر ابوداؤد میں یہ حدیث حضرت ابوامامہ سے مروی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے، مگر اس میں واضح لفظ نہیں ہے۔ اور حدیث کا سبق یہ ہے کہ جو شخص اپنے تمام کاموں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے، کسی سے محبت رکھتا ہے تو اللہ کے لئے رکھتا ہے، شدید نفرت رکھتا ہے تو اللہ کے لئے رکھتا ہے، کسی کو کچھ دیتا ہے یا ہاتھ روک لیتا ہے تو اللہ کی خوشنودی کے لئے ایسا کرتا ہے، اور کسی کا نکاح کراتا ہے یعنی کسی کے نکاح میں دامے، درمے، ستنے، قدمے تعاون کرتا ہے تو وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے: تو یہ کام بندے کے کمال ایمان کی دلیل ہیں، اور کامل الایمان شخص آخرت میں جنت کے اونچے درجات پر فائز ہوگا۔



أَبْوَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ

جنت کے احوال کا بیان

فائدہ: عالم دو ہیں: یہ دنیا اور وہ دنیا۔ یعنی دنیا اور آخرت اور یہ دونوں عالم حادث ہیں، یعنی پہلے ناپید تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو موجود کیا، پہلے عالم آخرت کو پیدا کیا پھر ہماری یہ دنیا پیدا کی اور جب دو عالم وجود میں آئے، تو درمیان میں آڑ ضروری ہوئی، جس کا نام عالم برزخ اور عالم قبر ہے۔

پھر عالم آخرت تو ہمیشہ چلنے والا عالم ہے یعنی وہ اپنے آخری سرے کی طرف سے ابدی ہے، اور جنت و جہنم، جو رقص اور ملائکہ وغیرہ مخلوقات عالم آخرت کی چیزیں ہیں، اور وہ سب چیزیں فی الحال موجود ہیں۔ عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا ان میں جنت اور جہنم بھی ہیں، یہی دونوں تمام انسانوں کی آخری منزل اور ابدی ٹھکانہ ہیں، قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جنت اور اس کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی تکلیفوں کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، ج کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اس کے عذاب کا خوف پیدا ہو، اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں، اور جنت اور اس کی بہاروں کا شوق پیدا ہو وہ اچھے اعمال کریں اور جنت نشیں بنیں۔

فائدہ: قرآن کریم میں اور احادیث شریفہ میں جنت و جہنم کے تعلق سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی پوری حقیقت ابھی سمجھ میں نہیں آسکتی، مشاہدہ کے بعد ہی پوری حقیقت واضح ہوگی، فی الحال ایک اجمالی نقشہ ہی ذہن میں لایا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن و حدیث کے مضامین کو پڑھنا چاہئے۔

فائدہ: دوسری دنیا کی حقیقتیں بیان کرنے کے لئے ہماری اس دنیا کے الفاظ مستعار لئے گئے ہیں، اور ہمارے الفاظ کا موضوع لہ اس دنیا کے الفاظ مستعار لئے گئے ہیں اور ہمارے الفاظ کا موضوع لہ اس دنیا کی چیزیں ہیں مثلاً انگور، کیلا اور بیڑی وغیرہ کہا جائے تو ہمارے ذہن میں ہماری اسی دنیا کے پھل آتے ہیں، آخرت کے یہ پھل کیسے ہونگے؟ یہ بات ان الفاظ سے ہم پوری طرح نہیں سمجھ سکتے، غرض یہاں بھی ٹھیک وہی معاملہ ہے جو صفات باری کا ہے وہاں بھی جن الفاظ کے ذریعہ صفات کو بیان کیا گیا ہے ان سے صفات کو کا حقہ نہیں سمجھا جاسکتا اسی طرح آخرت کی نعمتوں اور آخرت کے عذاب کا بھی پورا ادراک قرآن و حدیث میں آنے والے الفاظ سے نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: احادیث میں نبی ﷺ نے جنت و دوزخ کے احوال بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں، کیونکہ یہ احوال آپ ﷺ کے دیدہ

تھے، صرف شنیدہ نہیں تھے، معراج میں آپ ﷺ کو عالم بالا کی سیر کرائی گئی تھی، آسمانوں کے احوال سے واقف کیا گیا تھا، جنت و جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا تھا، اور ان گنت عجائبات قدرت دکھائے گئے تھے، تاکہ آپ ﷺ اپنی امت کو دوسری دنیا کا آنکھوں دیکھا حال بتلائیں، چنانچہ دوسری آسمانی کتابوں میں اور دوسرے انبیاء کے اقوال میں یہ باتیں اتنی تفصیل سے نہیں ہیں جتنی تفصیل سے قرآن و حدیث میں ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آخرت کے احوال اور جنت و جہنم کے کوائف تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کے سامنے بیان کئے ہیں، مگر وہ سب شنیدہ تھے، یعنی وحی کے ذریعہ جن احوال کی ان کو اطلاع دی گئی تھی وہی احوال انھوں نے اپنی امتوں سے بیان کئے تھے۔



بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَجَرِ الْجَنَّةِ

باب ۱: جنت کے درختوں کا حال

(۲۴۴۶) إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً لِّسِيرُ الرَّكْبِ فِي ظِلِّهَا مِائَةٌ سَنَةٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں درخت اتنا بڑا ہوگا کہ ایک سوار اس کے سائے میں ایک سو سال تک چلتا رہے گا۔

(۲۴۴۷) فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ لِّسِيرِ الرَّكْبِ فِي ظِلِّهَا مِائَةٌ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَ قَالَ ذَلِكَ الظِّلُّ الْمَبْدُودُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں درخت (اتنا بڑا) ہوگا کہ ایک سوار اگر ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے تو اسے پار نہیں کر سکے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھیلے ہوئے سائے سے یہی مراد ہے۔

(۲۴۴۸) مَا فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ إِلَّا وَ سَاقُهَا مِنْ ذَهَبٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں موجود ہر درخت کا تناسونے کا ہوگا۔

تشریح: اس باب میں جنت کے درختوں کے بارے میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں: ایک ان کا سایہ بہت لمبا ہے، دوسری: ان کے تنے جن پر شاخیں نکلتی ہیں: سنہرے ہیں۔

جنت کے شجر طوبیٰ کا ذکر:

جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے وہ اس قدر طویل و عریض اور پھیلا ہوا ہوگا کہ کوئی گھوڑ سوار تیز رفتار گھوڑے پر سو سال تک بھی اس کے نیچے چلتا رہے تو اسے پار نہیں کر سکے گا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ واقعہ میں جو ظل ممدود (لمبا سایہ) فرمایا: اس سے یہی درخت مراد ہے اس کی تائید بخاری کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے اس حدیث کے بعد فرمایا: واقراؤ ان شئتم وظل ممدود اگر تم چاہو تو آیت پڑھ لو ﴿و ظِلِّ مَّهْدُودٍ﴾ (الواقعہ: ۳۰)۔

باب کی مذکورہ احادیث میں اگرچہ لفظ طوبیٰ کی تصریح نہیں ہے لیکن چونکہ دوسری احادیث میں لفظ موجود ہے اس لیے شارحین

کے نزدیک ان احادیث میں بھی اس درخت سے شجرہ طوبیٰ ہی مراد ہے چنانچہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تصریح کی ہے اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کے لیے طوبیٰ ہے جس نے مجھے ایمان کی حالت میں دیکھ لیا ہے ایک شخص نے پوچھا طوبیٰ کیا ہے؟ فرمایا وہ جنت کا درخت ہے جس کی مسافت سو سال ہے اہل جنت کے کپڑے اس کی شاخوں سے نکلیں گے۔

ان حدیثوں میں کسی معین درخت کا ذکر ہے یا ہر درخت کا یہ حال ہے؟ اور معین درخت سے مراد شجر طوبیٰ ہے، جو جنت کا ایک بہت بڑا درخت ہے، جس کی شاخیں جنت کے ہر درجہ میں پہنچی ہوئی ہیں، شارحین کرام کا خیال ہے کہ یہ شجر طوبیٰ کا بیان ہے، ہر درخت کا یہ حل نہیں، اس لئے معروف سایہ بھی وہاں نہیں، اور اس کا دراز ہونا ظاہر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَنَعِيمِهَا

باب ۲: جنت کا اور اس کی نعمتوں کا حال

(۲۴۴۹) قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا لَنَا إِذَا كُنَّا عِنْدَكَ رَقَّتْ قُلُوبُنَا وَزَهَدْنَا وَكُنَّا مِنْ أَهْلِ الْآخِرَةِ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ فَأَنَسْنَا أَهَالِيَنَا وَشَمَعْنَا أَوْلَادَنَا أَنْ كُنَّا أَنْفُسَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ أَنَّكُمْ تَكُونُونَ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِي كُنْتُمْ عَلَى حَالِكُمْ ذَلِكَ لَزَارَتْكُمْ الْمَلَائِكَةُ فِي بُيُوتِكُمْ وَلَوْ كُمْ تَذُنُّوا الْجَاءَ اللَّهُ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ كَي يُذْنِبُوا فَيَغْفِرَ لَهُمْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مِمَّ خُلِقَ الْخَلْقُ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْتُ الْجَنَّةُ مَا بَيْنَا وَهَآ قَالَ لَبَنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَلَبَنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ وَحَصْبَاءُهَا اللَّوْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ وَتُرْبَتُهَا الزُّعْفَرَانُ مَنْ يَدْخُلُهَا يَنْعَمُ لَا يَبْأَسُ وَيَخْلُدُ لَا يَمُوتُ وَلَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنَى شَبَابُهُمْ ثُمَّ قَالَ ثَلَاثُ لَا يُودُّ دَعْوَتُهُمُ الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حِينَ يُفْطِرُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ يَرْفَعُهَا فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَعِزَّتِي لَا أَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ کیا وجہ ہے؟ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں اور ہم دنیا سے لاتعلقی ہو جاتے ہیں اور آخرت کی طرف زیادہ رجحان ہو جاتا ہے لیکن جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور اپنے گھر والوں سے ملتے جلتے ہیں بچوں سے ملتے ہیں تو ہماری کیفیت تبدیل ہو جاتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میرے پاس سے اٹھ کر جاتے ہو تو اگر اس وقت بھی تمہاری وہی کیفیت ہو جو میری موجودگی میں ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری زیارت کریں اگر تم لوگ گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نئی مخلوق لے آئے گا تاکہ وہ لوگ گناہ کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کو کس چیز کے ذریعے پیدا کیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی سے میں نے عرض کی جنت کی تعمیر کس چیز سے ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک

اینٹ سونے کی ہے اور اس کا گارا خوشبودار مشک کا ہے اور اس کے کنکر موتی اور یاقوت ہیں اور اس کی مٹی زعفران ہے جو شخص اس میں داخل ہو جائے گا وہ نعمتوں میں رہے گا اور کبھی مایوس نہیں ہوگا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی اس کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے اس کی جوانی ختم نہیں ہوگی۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا تین طرح کے لوگوں کی دعا مسترد نہیں ہوتی عادل حکمران روزہ دار شخص جب وہ افطار کرے اور مظلوم شخص کی دعا وہ بادلوں پر بلند ہوتی ہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری عزت کی قسم میں تمہاری ضرورت مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر بعد کروں۔

تشریح: باب کی حدیث چار حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ گناہ بشریت کا خاصہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مصلحت یہ ہے کہ فرشتوں کی دنیا کے علاوہ بشر کی بھی ایک دنیا ہو، جو گناہ کریں اور توبہ کریں، پس اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کریں، اس لئے اگر انسانوں کا حال فرشتوں جیسا ہو جائے تو وہ بشر نہیں رہے، بلکہ ملائکہ ہو گئے پس اللہ تعالیٰ دوسری مخلوق پیدا کریں گے جس میں بشریت ہوگی اور اس میں بشریت کے تقاضے پائے جائیں گے اور جواب نبوی کا حاصل یہ ہے کہ میرے پاس سے نکلنے کے بعد جو تمہاری حالت بدل جاتی ہے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، یہ تو بشریت کا خاصہ ہے۔ البتہ اس روایت کا پہلا حصہ مسند احمد میں ہے، اور دوسرا حصہ مسلم شریف میں ہے، اور تیسرا حصہ مسند احمد اور دارمی وغیرہ میں ہے، اور چوتھا حصہ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے، اور آگے ترمذی میں بھی کتاب الدعوات میں آ رہا ہے، پس علیحدہ علیحدہ روایتیں صحیح ہیں۔ اور منذری نے ترغیب میں لکھا ہے کہ یہ پوری حدیث مسند احمد، مسند بزار، معجم طبرانی اور صحیح ابن حبان میں مروی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے قدروی سے غالباً اسی کا ذکر کیا ہے۔

ولو لد تذنبوا اس سے گناہ گار لوگوں کو گناہ پر ابھارنا یا ان کی حوصلہ افزائی مقصود نہیں بلکہ اس سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت غفار کی شان کو ظاہر کرنا پیش نظر ہے۔

کیونکہ وہ غفار ذات ہے چاہتے ہیں کہ کوئی مغفور ہو جس کی بخشش کی جائے جیسے رازق یہ چاہتا ہے کہ کوئی مرزوق ہو کہ جسے رزق دیا جائے گو کہ سارے انسانوں کی اطاعت سے اللہ کی قدرت میں کوئی اضافہ اور نافرمانی سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی لیکن ان کی حکمت و مصلحت اور مشیت اسی طرح ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۷ / ۱۹۳)

لعنات: نعیم آسودہ حالی آرام و راحت مال و دولت رقت: ہمارے دل نرم ہوتے ہیں زهدنا ہم دنیا سے بے رغبت اور بے زار ہو جاتے ہیں۔ انسننا: ہم مانوس ہو جاتے ہیں مل جاتے ہیں۔ اہالی: اہل کی جمع ہے: اہل و عیال اہلیہ۔ شممنا: ہم سو گتھے ہیں یعنی ہم اپنی اولاد میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ انکرنا انفسنا: ہم اپنے نفسوں سے جاہل ہو جاتے ہیں یعنی ہماری وہ کیفیت نہیں رہتی جو نبی کریم ﷺ کے پاس تھی۔ لبنة: اینٹ۔ ملأط: لپائی کا گارا۔ المسك: مشک۔ الاذفر: بوکا اڑنا خواہ وہ خوشبو ہو یا بدبو شدید مہک والی۔ حصا: کنکریاں۔ ینعم: خوشحال اور آسودہ ہوگا۔ لا یبأس: (صیغہ معروف) وہ حاجت مند اور مفلس نہیں ہوگا۔ یخلد: وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ لا تبلی: پرانے اور بوسیدہ نہیں ہوں گے۔ لا یفنی شبابہم: ان کی جوانی کبھی فنا نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ عُرْفِ الْجَنَّةِ

باب ۳: جنت کے بالا خانوں کا حال

(۲۴۵۰) إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَعُورًا يُرَى ظُهُورُهُمَا مِنْ بُطُونِهِمَا وَبُطُونُهُمَا مِنْ ظُهُورِهِمَا فَقَامَ إِلَيْهِ أَعْرَابِي فَقَالَ لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ هِيَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلَّى لِلَّهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایسے کمرے ہوں گے جن کا اندرونی منظر باہر سے اور بیرونی منظر اندر سے نظر آ سکے گا ایک دیہاتی کھڑا ہوا اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی یہ کس کے لیے ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس شخص کے لیے ہوں گے جو اچھی گفتگو کرے (دوسروں کو) کھانا کھلائے اور ہمیشہ (نفل) روزہ رکھے اور اللہ تعالیٰ کے لیے رات کے وقت (نفل) نماز ادا کرے جب لوگ سو چکے ہوں۔

(۲۴۵۱) إِنَّ فِي الْجَنَّةِ جَنَّتَيْنِ أُنْيَتْهُمَا وَمَا فِيهِمَا مِنْ فِضَّةٍ وَجَنَّتَيْنِ أُنْيَتْهُمَا وَمَا فِيهِمَا مِنْ ذَهَبٍ وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِذَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں دو باغ ہیں جن کے برتن چاندی سے بنے ہوئے ہیں اور ان میں موجود ہر چیز چاندی سے بنی ہوئی ہے اور دو باغ ایسے ہیں جن کے برتن اور ان میں موجود ہر چیز سونے سے بنی ہوئی ہے لوگوں اور ان کے اپنے پروردگار کے دیدار کرنے کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہے جو اس کی ذات پر جنت عدن میں ہے۔

ترکیب: ان فی الجنة جنتین من فضة، انیتہما وما فیہما: کی خبر محذوف ہے، ای كذلك، یعنی وہ سب چیزیں چاندی کی ہیں۔ دوسری ترکیب: فضة خبر مقدم ہے اور انیتہما وما فیہما مبتدا مؤخر ہے، اور جملہ جنتین کی صفت ہے۔ یہی دو ترکیبیں اگلے جملہ کی بھی ہیں۔ علی وجہ: رداء الکبریاء کا حال ہے اور فی جنة عدن کا تعلق القوم سے ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ایک لمبی بحث ہوئی ہے کہ رداء کبریا کیا چیز ہے جو اللہ کے چہرے پر پڑی ہوئی ہوگی؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ اللہ کی ایک صفت ہے، مشہور حدیث ہے: الکبریاء ردائی، والعظمة ازاری: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری لنگی ہے، اور صفات نہ عین ذات ہوتی ہیں نہ غیر ذات پس یہ سوال ختم ہو گیا کہ ماسوی اللہ نے اللہ کے چہرے کا احاطہ کیسے کیا؟

لغات: عُرْف: کمرے بالا خانے۔ ظہور ہا من بطونہا: ظہور جمع ہے ظہر کی اور بطون بطن کی جمع ہے: اندرونی منظر عام سے و بطونہا من ظہورہا: باہر کا منظر اندر سے (دکھائی دے)۔ اطاب: عمدہ اور اچھے طریقے سے کرے۔ نیام: نائم کی جمع ہے: سونے والے۔ انیة: اناء کی جمع ہے: برتن دُرُ تشدید کے ساتھ۔ موتی۔ محوفة: کھوکھلا۔ عرضہا: اس کی چوڑائی۔ زاویة: گوشہ کونا۔

ترکیب: جنتین میں فضة انیتہما وما فیہما، اس میں جنتین موصوف ہے اور من فضة۔ اس کی صفت ہے من فضة کی دو

ترکیبیں ہیں ایک یہ کہ یہ خبر مقدم ہے اور انیتہا وما فیہا مبتداء مؤخر ہے اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ من فضة جنتین کی صفت ہے اور انیتہا وما فیہا مبتداء ہے اور کذا لک ان کی خبر محذوف ہے پھر یہ جملہ ہو کر جنتین کی صفت ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ

باب ۴: جنت کے درجات کا حال

(۲۴۵۲) فِي الْجَنَّةِ مِائَةٌ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِائَةٌ عَامٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں ایک سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان ایک سو برس کا فاصلہ ہے۔

(۲۴۵۳) مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّى الصَّلَاةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ لَا أَدْرِي أَذَكَرَ الزَّكَاةَ أَمْ لَا إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ إِنْ هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَكَتَ بِأَرْضِهِ الَّتِي وَلَدَّيْهَا قَالَ مُعَاذُ اللَّهِ أَلَا أُخْبِرُ بِهَذَا النَّاسُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَرِ النَّاسَ يَعْمَلُونَ فَإِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا وَفَوْقَ ذَلِكَ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهَا تُفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب کوئی شخص رمضان کے روزے رکھے اور نماز ادا کرے اور بیت اللہ کا حج کرے (راوی کہتے ہیں) مجھے علم نہیں ہے انہوں نے زکوٰۃ کا تذکرہ کیا تھا یا نہیں کیا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے میں یہ لازم ہے کہ اس کی مغفرت کر دے خواہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے یا وہ اپنی سرزمین پر ٹھہرا رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (انہوں نے عرض کی) کیا میں لوگوں کو اس بارے میں بتا دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو جو وہ عمل کرتے ہیں کرنے دو کیونکہ جنت میں دو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور فردوس جنت کا بلند ترین اور بہترین درجہ ہے اور اس پر رحمن کا عرش ہے اسی سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں جب تم نے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو جنت فردوس مانگنا۔

(۲۴۵۵) إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ أَنَّ الْعَالَمِينَ اجْتَمَعُوا فِي إِحْدَاهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک سو درجے ہیں تمام جہان کے لوگ اگر اکٹھے ہو جائیں تو وہ ان (سو درجوں) میں سے کسی ایک میں بھی سما سکتے ہیں۔

تشریح: الدرجۃ: کے معنی ہیں۔ رتبہ، مرتبہ، اور درجہ حسی بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی، اور درجہ ہمیشہ نیچے سے اوپر چڑھتا ہے، کہا جاتا ہے: لہ علیہ درجۃ اسے اس پر فوقیت حاصل ہے۔ نعتوں اور عزتوں کے لحاظ سے جنت ایک درجہ کی نہیں ہے، بلکہ اس کے متفاوت درجات ہیں اور نیچے کے درجات سے اوپر کے درجات حسی طور پر بھی اور معنوی طور پر بھی بلند و بالا ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر کی ہیں۔

فی الجنة مائة درجة: (۱) سو درجے میں سو سے کیا مراد ہے؟

(۱) سو کے عدد سے تحدید پیش نظر نہیں بلکہ اس سے کثرت مراد ہے اس کی تائید سنن بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں جنت کے درجات کی تعداد قرآن کی آیتوں کے برابر بیان کی گئی ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں: عدد درج الجنة عدد ای القرآن فمن دخل الجنة من اهل القرآن فليس فوقه درجة۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے سو کا مخصوص عدد ہی مراد ہو اور اس کے ذریعہ جنت کے کثیر درجات میں سے جو سو درجوں کو بیان کرنا مقصود ہو جن کے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے لہذا ایسا ہو سکتا ہے کہ جنت کے اور کثیر درجات ایسے ہوں کہ جن کے درمیان فاصلہ یا تو اس مسافت سے کم ہو یا اس سے بھی زیادہ ہو۔

(۲) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ حدیث میں درجات سے بلند مراتب مراد ہیں جو اہل جنت کو ان کے اچھے اعمال اور نیکیوں کی وجہ سے حاصل ہوں گے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۶۳) ”اہل جنت اللہ کے نزدیک درجات و مراتب میں مختلف ہوں گے۔“

معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنے اپنے اعمال صالحہ کے بقدر الگ الگ مرتبے اور درجے ملیں گے۔

لعنات: مکث: ٹھہرا رہے، سکونت اختیار کرے۔ ذر الناس: آپ لوگوں کو (عمل میں ہی) رہنے دیں چھوڑ دیں۔ فردوس: وہ باغ جو ہر شے کو جامع ہو یہ جنت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَرْتُونَ الْفُرْدُوسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (المومن: ۱۱)

”یہ (مذکورہ) لوگ فردوس کے وارث بنیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اعلیٰ الجنۃ: جنت میں سب سے اونچی اور برتر۔ اوسطھا: تمام جنتوں کے درمیان سب سے افضل اور عمدہ کیونکہ جو چیز کسی چیز کے درمیان ہو تو وہ اس پاس کے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہوتی ہے اس لیے اسے سب سے افضل عمدہ اور بہترین شمار کیا جاتا ہے۔ وفوق ذلک اور جنت الفردوس کے اوپر تفجیر: (مجهول کا صیغہ ہے) نکالی جاتی ہیں جاری ہوتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۵: جنتیوں کی عورتوں کا حال

(۲۴۵۶) إِنَّ الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ لَيُرَى بَيَاضُ سَاقِيهَا مِنْ وَرَاءِ سَبْعِينَ حُلَّةً حَتَّى يُرَى مُخْطَا وَذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يَقُولُ (كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ) فَأَمَّا الْيَاقُوتُ فَإِنَّهُ حَجَرٌ لَوْ أُدْخِلَتْ فِيهِ سِلَاقُ ثَمَرٍ اسْتَصْفَيْتَهُ لَأُرِيَتْهُ مِنْ وَرَائِهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت کی عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر جوڑوں میں سے بھی نظر آ جائے گی یہاں تک کہ اس کی ہڈی

کو گودا بھی دکھائی دے گا اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ارشاد فرمایا ہے گویا کہ وہ یا قوت اور مرجان ہیں۔

جہاں تک یا قوت کا تعلق ہے تو یہ ایک پتھر ہے اگر تم اس میں دھاگہ داخل کرو تو وہ اس کے اندر بھی تمہیں نظر آ جائے گا۔

(۲۴۵۷) إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءٌ وَجُوهُهُمْ عَلَى مِثْلِ ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالزُّمَرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَى مِثْلِ أَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلَى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُونَ حُلَّةً يُرَى مَخَّ سَاقِهَا مِنْ وَرَائِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے سب سے پہلا گروہ جو قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا وہ چمک کے اعتبار سے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے جو دوسرا گروہ ہوگا وہ آسمان میں موجود سب سے زیادہ چمکدار ستارے کی طرح ہوگا ان میں سے ہر ایک شخص کی دو بیویاں ہوں گی اور ہر بیوی کے ستر جوڑے ہوں گے اور ان کپڑوں کے پار سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔

(۲۴۵۸) أَوَّلَ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالثَّانِيَةُ عَلَى لَوْنِ أَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلَى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُونَ حُلَّةً يَبْدُو مَخَّ سَاقِهَا مِنْ وَرَائِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوں گے جو دوسرا گروہ ہے وہ آسمان میں موجود سب سے بہترین ستارے کی مانند (چمکدار) ہوں گے ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں اور ہر بیوی نے ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کپڑوں کے پار سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔

تشریح: یہ بات پہلے نادر تھی، اب عام ہو گئی ہے، گلاس کی ایسی بہت سی چیزیں وجود میں آ گئی ہیں جن میں اگر دھاگا ڈالا جائے تو وہ باہر سے نظر آئے گا، اسی طرح یا قوت (ہیرا) بھی ایک پتھر ہے، اگر اس میں دھاگا ڈالا جائے تو یا قوت کا جو صاف حصہ ہے وہاں سے دھاگا نظر آئے گا، یہی حال جنت کی عورتوں کا ہے، انھوں نے خواہ کتنے ہی جوڑے پہن رکھے ہوں، ان کی پنڈلی کا گودا پن نظر آئے گا، بلکہ ان کی ٹلی کا گودا بھی نظر آئے گا۔

لغات: بیاض ساقھا: اس کی پنڈلی کی سفیدی۔ وراء: اندر سے باہر سے۔ حُلَّة: جوڑا، پوشاک۔ مَخَّهَا: اس کی ہڈی کا گودا، مغز۔ یا قوت: مشہور قیمتی پتھر جو سرخ نیلا زرد اور سفید رنگ کا نہایت صاف شفاف ہوتا ہے کہ اس کے اندر اگر دھاگا داخل کیا جائے تو وہ بھی دکھائی دے۔ مرجان: خاص قسم کے سفید موتی۔ زُمْرَةُ: جماعت گروہ۔ علی مثل ضوء القمر: چاند کی چمک کی مانند۔ لیلۃ البدر: چودھویں رات۔ دُرِّي: (راکی تشدید کے ساتھ) موتی کی طرح حسین خوب چمکدار ستارہ۔

اعتراض: یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنتی کو صرف دو بیویاں ملیں گی جبکہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر جنتی کے لیے بہت سی بیویاں ہوں گی۔

جواب: سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اہل جنت میں سے ہر آدمی کے لیے کم از کم دو بیویاں ہوں گی جن کی یہ یہ صفات ہوں گی اس میں گویا کم از کم عدد کو بیان کرنا مقصود ہے اس سے زیادہ کی نفی کرنا مقصود نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس جواب کو زیادہ ظاہر یہی ہے کہا ہے۔ (فتح الباری ۶/۱۸۳)

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ جَمَاعِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۶: جنتیوں کی مجامعت کا حال

(۲۳۵۹) يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ قُوَّةٌ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْجَمَاعِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَوْ يُطِيقُ ذَلِكَ قَالَ يُعْطَى قُوَّةٌ مِائَةً.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بندہ مومن کو جنت میں صحبت کرنے کے لیے اتنی اتنی قوت دی جائے گی عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ شخص اتنی طاقت رکھے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے سو آدمیوں جتنی طاقت دی جائے گی۔
تشریح: اور مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے کہ جنتی بہت مرتبہ مجامعت کرے گا۔ اس پر سوال ہوا کہ بہت سی عورتوں سے یا بہت مرتبہ فارغ ہونا آدمی کے لئے کیونکر ممکن ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: جنتی کو دنیا کے مردوں کی طاقت دی جائے گی، کیونکہ جنت میں جسم اور جسم کی طاقت بڑھادی جائے گی۔ ابواب صفة جہنم میں جہنمیوں کے تعلق سے جو روایات آرہی ہیں ان پر جنتیوں کو قیاس کیا جائے، پس جنت میں اسی اعتبار سے جنتی فارغ ہوگا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۷: جنتیوں کے احوال

(۲۳۶۰) أَوَّلُ زُمَرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُورُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا يَبْصُقُونَ فِيهَا وَلَا يَمْنَحُطُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ إِنِّيئَهُمْ فِيهَا الذَّهَبُ وَأَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَفُجَامَرُهُمْ مِنَ الْأَلُوَّةِ وَرَشْحُهُمُ الْبُسْكُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُزَيَّحُ سُوقُهُمَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ قُلُوبُهُمْ قَلْبٌ رَجُلٍ وَوَاحِدٍ يُسَبِّحُونَ اللَّهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک دار ہوگی وہ لوگ اس میں تھوکیں گے نہیں نال صاف نہیں کریں گے قضائے حاجت نہیں کریں گے ان کے برتن سونے کی ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی جبکہ ان کی انگلیٹھیاں عود سے بنی ہوئی ہوں گی ان کا پسینہ مشک (کی طرح خوشبودار) ہوگا ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی جنکی پنڈلی کا گودا گوشت میں سے نظر آئے گا یہ ان کے حسن کی وجہ سے ہوگا ان لوگوں کے درمیان آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا ان کے دلوں میں کوئی بغض نہیں ہوگا اور یہ سب ایک جیسی قلبی کیفیت کے مالک ہوں گے وہ صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے۔

(۲۳۶۱) لَوْ أَنَّ مَا يُقَلُّ ظُفْرُ مِثْلِي الْجَنَّةِ بَدَأَ لَتَزَخَّرَتْ لَهُ مَلْبِئِينَ خَوَافِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا

مَنْ أَهْلُ الْجَنَّةِ اِطَّلَعَ فَبَدَأَ اسَاوِرُهُ لَطَمَسَ ضَوْءُ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُومِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر ایک ناخن سے کم مقدار جتنی جنت کی کوئی چیز ظاہر کر دی جائے تو وہ آسمان اور زمین کے تمام کناروں کو روشن کر دے اور اگر جنت کا کوئی شخص جھانک لے اور اس کے نگن ظاہر ہو جائیں تو وہ سورج کی روشنی کو ماند کر دیں بالکل اسی طرح جیسے سورج ستاروں کی روشنی کو ماند کر دیتا ہے۔

تشریح: جنت کی غذا لطیف اور نورانی ہوگی، پیٹ میں اس کا کوئی فضلہ تیار نہیں ہوگا، بس ایک خوشگوار ڈکار آئے گی اور معدہ ہلکا ہو جائے گا، اور کچھ پسینہ کے راستہ سے نکل جائیگا، مگر پسینہ بھی مشک جیسا خوشبودار ہوگا۔

لعنات: تلج: داخل ہوگی۔ لا یبصقون: اہل جنت نہ تھوکیں گے۔ ولا یتخطون: اور نہ وہ ناک صاف کریں گے۔ ولا یتغوطون: اور نہ وہ پاخانہ کریں گے اور نہ ہی انہیں قضا حاجت کا تقاضا ہوگا۔ امشاط: منشط کی جمع ہے: کنگھیاں: محامر: محمر کی جمع ہے انگلیٹھیاں۔ أَلُو (واو مشدد) اگر کی لکڑ، عود۔ رشحہم: ان کا پسینہ مایقل ظفر: یا پر پیش اور قاف کے نیچے زیر باب افعال) وہ چیز جسے ناخن اٹھالے یعنی ناخن سے بھی کم مقدار والی کوئی چیز ظاہر ہو جائے۔ لتزخرفت: مزین اور روشن ہو جائے۔ خوافق: خافقہ کی جمع ہے، طرف کنارہ۔ اطلع: جھانکے۔ اساور: اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ: سوار کی جمع ہے کنگن۔ طمس: مٹا دے ماند کر دے۔ ضوء النجوم: ستاروں کی روشنی۔

ترکیب اور لغات: مایقل میں ماموصلہ ہے، اور عائد محذوف ہے۔ ای مایقلہ خوافق: خافقہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں۔ جانب اور دنیا کی چار جانبیں: چار دانگ عالم کہلاتی ہیں، وہی یہاں مراد ہیں اور مابین الخ فاعل ہے اور بتاویل الاماکن: فضل مؤنث لایا گیا ہے۔ اساور: اسورۃ کی جمع ہے اور وہ سوار کی جمع ہے جس کے معنی ہیں۔ کنگن، چوڑی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ ثِيَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۸: جنتیوں کے کپڑوں کا حال

(۲۴۶۲) أَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدُ مُرْدٌ كُحْلٌ لَا يَفْلِي شَبَابُهُمْ وَلَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اہل جنت کے جسم اور چہروں پر بال نہیں ہوں گے ان کی آنکھیں سرمکیں ہوں گی ان کی جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی اور ان کے لباس بوسیدہ نہیں ہوں گے۔

(۲۴۶۳) فِي قَوْلِهِ ﴿وَفُرُشٌ مَّرْفُوعَةٌ﴾ قَالَ ارْتِفَاعُهَا الْكَمَابَيْنِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بچھے ہوئے بچھونے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی بلندی اس طرح ہے جس طرح آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے جو پانچ سو برس کی مسافت پر مشتمل ہے۔

تشریح: جنت کے بچھونے:

نبی کریم ﷺ نے ﴿وَفُرُشٌ مَّرْفُوعَةٌ﴾ (الواقعة: ۳۴) کی تفسیر میں فرمایا: ارتفاعہا: اس ارتفاع سے کیا مراد ہے؟

(۱) اس سے جنت کے وہ بچھونے مراد ہیں جو تختوں اور چار پائیوں کے اوپر ہوں گے اور اتنے بلند اور اونچے ہوں گے کہ بظاہر یہ نظر آئے گا کہ وہ آسمان جیسی بلندی تک ہیں۔

(۲) اس آیت میں جن اونچے اونچے بچھونوں کا ذکر ہے یہ جنت کے ان درجات میں بچھے ہوں گے جن کی بلندی آسمان وزمین کی مسافت کے بقدر ہوگی جیسا کہ اس سے پہلے حدیث گزری ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے درجات میں جو بستر بچھے ہوئے ہوں گے، اس درجہ میں اور دیگر درجات میں پانچ سو سالہ مسافت ہوگی، خود بستر پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر اونچے نہیں ہوں گے۔

(۳) بعض مفسرین نے فرش سے عورتیں مراد لی ہیں کیونکہ عربی زبان میں عورت کو بھی لفظ فراش سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ الولد للفراش اس میں فراش سے بیوی مراد ہے اس کے بعد کی آیتوں میں جو جنتی عورتوں کی صفات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے بھی اس کی تفسیر کی تائید ہوتی ہے اس صورت میں لفظ مرفوعة رفعت درجہ کے اعتبار سے ہوگا یعنی بلند پایہ۔ یہ حدیث اول تو رشدین کی وجہ سے ضعیف ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے بعض اہل علم کے حوالہ سے حدیث کی یہی شرح نقل کی ہے، فرماتے ہیں۔ حدیث کے معنی یہ ہیں: ان الفرش فی الدرجات: درجات جنت میں بچھے ہوئے بستر و بین الدرجات اور اس درجے اور دیگر درجات کے درمیان فاصلہ، کہا بین السماء والارض: اتنا ہوگا جتنا آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے لیکن اس تفسیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر قرآن کریم میں ان بستروں کی صفت مرفوعة کیوں لائی گئی ہے، جبکہ وہ خود اونچے نہیں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اونچا ہونا رتبہ میں بھی ہوتا ہے، یعنی وہ بستر بے حد بلند رتبہ ہوں گے، مگر ساتھ ہی ظاہری بلندی بھی کسی درجہ میں مراد لینی ہوگی، رہی پانچ سو سالہ مسافت تو وہ بستروں کی نہیں، بلکہ درجات جنت کی ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ ثَمَارِ الْجَنَّةِ

باب ۹: جنت کے پھلوں کا حال

(۲۴۶۳) وَذُكِرَ لَهُ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى قَالَ يَسِيرُ الرَّاِكِبُ فِي ظِلِّ الْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةٌ سَنَةً أَوْ يَسْتَضِلُّ بِظِلِّهَا مِائَةً رَاِكِبٍ شَاكٍ يَخْبِي فِيهَا فِرَاشُ الذَّهَبِ كَأَنَّ ثَمَرَهَا الْقِلَالُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بات نقل کرتی ہیں وہ فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہی کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی سوار اس کی شاخوں کے سائے میں ایک سو سال تک چل سکتا ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں کوئی سوار اس کے سائے میں چلتے ہوئے) ایک سو سال تک رہ سکتا ہے یہاں پر یحییٰ نامی راوی کو شک ہے۔

اس کا فرش (یا بچھونے) سونے کے ہوں گے اور اس کے پھل مشکوں کی مانند ہوں گے۔

تشریح: سدرۃ المنتہی: جنت کا وہ درخت ہے جو اس کے انتہائی کنارے پر واقع ہے اس سے آگے کسی فرشتے کو جانے کی اجازت

نہیں ہے حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس سے آگے نہیں جاسکتے صرف نبی کریم ﷺ شب معراج میں اس درخت سے آگے تشریف لے گئے ہیں ایک روایت کے مطابق یہ درخت چھٹے آسمان پر ہے لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر ہے ان دونوں روایتوں میں یوں مطابقت بیان کی جاسکتی ہے کہ اس درخت کی جڑ تو چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر ہوں گی۔ اس درخت پر سونے کے پروانے ہوں گے اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) اس درخت پر جو نورانی فرشتے کثیر تعداد میں ہیں ان کے پر اس طرح چمکتے ہیں جیسے اس کی شاخوں پر سونے کے پروانے اڑ رہے ہوں۔

(۲) یا یہ کہ اس درخت سے جو انوار و برکات اٹھتے ہیں اور شاخوں سے جو ایک خاص قسم کی روشنی پھوٹی رہتی ہے اسے سونے کے پروانوں سے تعبیر کیا۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد سونے کے پروانے اس پر ہوں گے دراصل اس آیت ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى﴾ (النجم: ۱۶) کی تفسیر ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱۰-۳۰۵ کتاب احوال القیامۃ)

لعنات: السدرة: بیری کا درخت۔ المنتہی: سرحد، ساتویں آسمان کے اوپر عرش سے ورے ایک ایسا مقام ہے جس سے آگے ملائکہ وغیرہ نہیں جاسکتے، یہی سدرة المنتہی (باڈر کی بیری) ہے۔ الفنن: درخت کی سیدھی شاخ، جمع افنان، سورة الرحمن میں ہے: ﴿ذَوَاتَا أَفْنَانٍ﴾ (الرحمن: ۳۸) سیدھی شاخوں والے دو باغ۔ الفراش (بفتح الفاء) تلی، پروانہ، مفرد فراشة۔ القلة: پانی کی صراحی، مٹکا، جمع قلال اور قلل۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَيْرِ الْجَنَّةِ

باب ۱۰: جنت کے پرندوں کا حال

(۲۴۶۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا الْكَوْثَرُ قَالَ ذَلِكَ مَهْرٌ أَعْطَانِيهِ اللَّهُ يَغْنَى فِي الْجَنَّةِ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ فِيهِ طَيْرٌ أَعْنَأُ قُفَّهَا كَأَعْنَأِ الْجُزْرِ قَالَ عُمَرُ إِنَّ لَهُدَاهُ لَنَا عِمَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكَلْتُمَهَا أَنْعَمُ مِنْهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کوثر سے مراد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ یہ نہر جنت میں ہوگی (آپ ﷺ نے یہ فرمایا) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور جنت میں پرندے ہوں گے جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گی (یعنی ان کا حجم بڑا ہوگا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یہ تو بڑی زبردست نعمتیں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا انہیں کھانے والے اس سے زیادہ نعمتوں میں ہوں گے۔

تشریح: کاعناق الجزر، سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ وہ پرندے جو حوض کوثر میں ہوں گے خرد و ذبح کے لیے بالکل تیار ملیں گے تاکہ حوض کوثر سے سیراب ہو کر ان کا گوشت کھا سکیں کیونکہ لفظ جزر ایسے اونٹ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو خرد و ذبح کے لیے

تیار ہو۔

فائدہ: یہ پرندے تو نہر کوثر کے آبی پرندے ہیں، اور جنت میں خشکی کے پرندے بھی ہوں گے، جن کا تذکرہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے، مسند احمد میں ہے: ان طیر الجنة کأمثال البخت ترعى فی شجر الجنة: جنت کے پرندے بختی اونٹوں جیسے ہوں گے جو جنت کے درختوں میں چریں گے، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ان هذه الطیر ناعمة: یہ پرندے تو بڑے دلچسپ ہوں گے، وانی لارجوان تکون من یاکل منها: اور مجھے امید ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان پرندوں کا کھانے والوں میں سے ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خَيْلِ الْجَنَّةِ

باب ۱۱: جنت کے گھوڑوں کا حال

(۲۳۶۶) أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ قَالَ إِنْ اللَّهُ أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَسْأَلُ أَنْ تُحْمَلَ فِيهَا عَلَى فَرَسٍ مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ قَالَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ إِبِلٍ قَالَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِصَاحِبِهِ قَالَ إِنْ يُدْخِلَكَ اللَّهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيهَا مَا اشْتَهَيْتَ نَفْسُكَ وَلَدَّتْ عَيْنُكَ.

ترجمہ: ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب تمہیں جنت میں داخل کریں گے تو تم اس میں سرخ یا قوت سے بنے ہوئے جس بھی گھوڑے پر سوار ہو کر جنت میں جہاں بھی جانا چاہو گے وہ تمہیں لے جائے گا۔

راوی بیان کرتے ہیں ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا جنت میں اونٹ ہوں گے راوی بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے اس شخص سے وہ نہیں فرمایا جو اس کے ساتھی سے فرمایا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں داخل کیا تو اس میں تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کا تمہارا نفس خواہش کرے گا اور جس سے تمہاری آنکھوں کو سرور ملے گا۔

(۲۳۶۷) آتَى النَّبِيَّ ﷺ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أُحِبُّ الْخَيْلَ أَفِي الْجَنَّةِ خَيْلٌ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ أُدْخِلْتَ الْجَنَّةَ أُتِيتَ بِفَرَسٍ مِنْ يَاقُوتَةٍ لَهُ جَنَاحَانِ فَحَبَلَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طَارَ بِكَ حَيْثُ شِئْتَ.

ترجمہ: ایک دیہاتی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے گھوڑے بہت پسند ہیں کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں جنت میں داخل کیا گیا تو یا قوت کا گھوڑا لایا جائے گا جس کے دو پر ہوں گے پھر تمہیں اس پر سوار کیا جائے گا پھر وہ تمہیں لے کر جہاں تم چاہو گے وہاں چلا جائے گا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي سِنِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۱۲: جنتیوں کی عمروں کا بیان

(۲۳۶۸) يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكْحَلِينَ أَبْنَاءَ ثَلَاثِينَ أَوْ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ سَنَةً.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اہل جنت جب میں داخل ہوں گے تو ان کے چہرے اور جسم پر بال نہیں ہوں گے ان کی آنکھیں سرگیں ہوں گی اور (دیکھنے میں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ ۳۲ یا ۳۳ سال کے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں راوی کو عدد میں شک ہے، مگر مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں بغیر شک کے ۳۳ سال کا عدد مذکور ہے، اسی طرح حضرت مقدم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ۳۳ سال کا عدد ہے اس لئے یہی اصح ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَمْ صَفِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟

باب ۱۳: جنتیوں کی کتنی صفیں ہوں گی؟ (اور ان میں اس امت کی نسبت کیا ہوگی؟)

(۲۳۶۹) أَهْلُ الْجَنَّةِ عَشْرُونَ وَمِائَةً صَفِّ ثَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے ۸۰ صفیں اس امت کی ہوں گی اور ۴۰ صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی۔

(۲۳۷۰) كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي قُبَّةٍ نَحْوًا مِنْ أَرْبَعِينَ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبْعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِنْ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ مَا أَنْتُمْ فِي الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک قبہ میں موجود تھے تقریباً چالیس افراد تھے آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو لوگوں نے عرض کی جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو؟ لوگوں نے عرض کی جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی ہو اہل جنت کا نصف حصہ ہو؟ بے شک جنت میں صرف مسلمان داخل ہوگا مشرکین کے درمیان تمہاری حیثیت اسی طرح ہوگی جیسے کالی جلد والے بیل کے جسم پر سفید بال ہو یا سفید جلد والے بیل کے جسم پر کوئی کالا بال ہو۔

تشریح: شیخ عبدالحق صاحب رحمہ اللہ اپنی کتاب اشعة البعات میں فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے تو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی امید قائم کی ہو کہ آپ کی امت کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہوں مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے

خصوصی فضل و کرم سے اس امید کو اور بڑھادیا ہو اور جنتیوں میں امت محمدیہ کی تعداد کو دو تہائی تک کرنے کی بشارت عطاء فرمادی ہو یا یوں کہیے کہ پہلے وحی چوتھائی تہائی اور نصف کے بارے میں آئی تھیں بعد میں دو تہائی تعداد کی وحی آگئی لہذا نبی کریم ﷺ نے پہلے کم تعداد ذکر فرمائی اور بعد میں دو تہائی ذکر فرمائی اس لیے روایات میں حقیقتاً کوئی تعارض نہیں۔

جواب ②: نبی ﷺ نے پہلے یہ خبر دی کہ جنت میں ان کی تعداد چوتھائی ہوگی پھر تہائی کی خبر دی، پھر آدھے کی خبر دی، یہ ترقی تدریجاً وحی آنے کی وجہ سے ہوئی ہے، جس طرح وحی آتی گئی، آپ امت کو مطلع فرماتے رہے، اور آخری وحی وہ ہے جو پہلی حدیث میں گزری ہے کہ یہ امت جنتیوں میں دو تہائی ہوگی (یہ دیگر امتوں کی بہ نسبت اس امت کی تعداد کا بیان ہے)۔

دوسرا مضمون: اور مشرکین یعنی جہنمیوں کی بہ نسبت جنتیوں کی تعداد بہت ہی معمولی ہوگی، کالے نیل کی کھال میں ایک سفید بال کی جو نسبت ہے وہی نسبت جنتیوں اور جہنمیوں میں ہوگی۔ اور ہمیں اس فکر میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ حدیث کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جنتیوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہوگی، کیونکہ جنت میں مسلمان ہی جائے گا۔ کفار و مشرکین کا وہاں گزر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ

باب ۱۴: جنت کے دروازوں کا حال

(۲۴۷۱) بَابُ أُمَّتِي الَّذِينَ يَدْخُلُونَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهُ مَسِيرَةُ الرَّاحِبِ الْمَجُودِ ثَلَاثًا ثُمَّ إِنَّهُمْ لَيُضْغَطُونَ عَلَيْهِ حَتَّى تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُولُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کا وہ دروازہ جس سے وہ جنت میں داخل ہوں گے اس کی چوڑائی اتنی ہے جتنی مسافت کوئی تیز رفتار تین دن میں طے کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کا اس میں اتنا ہجوم ہوگا کہ یوں محسوس ہوگا کہ ان کے بازو اتر جائیں گے۔

تشریح: مسافت مراد سے مراد کیا ہے؟

(۱) اس سے تین دن اور تین رات کی مسافت مراد ہے۔

(۲) اس سے تین سال کی مسافت مراد ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں زیادہ مبالغہ ہے اور اس تین سال سے بھی کثرت مراد ہے تاکہ حدیث باب اور اس روایت کے معارض و مخالف نہ ہو جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازے کی دونوں کواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے۔

ترکیب: باب امتی: مبتداء ہے، الذین یدخلون موصول صللہ کرامۃ کی صفت ہیں، اور عرضہ: دوسرا مبتداء ہے اور مسیرۃ اس کی خبر ہے، پھر جملہ: پہلے مبتداء کی خبر ہے اور ثلاثاً: مسیرۃ کا ظرف ہے۔

حدیث کا حال: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی خالد بن ابی بکر کمزور راوی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ

باب ۱۵: جنت کے بازار کا تذکرہ

(۲۴۷۲) أَنَّهُ لَقِيَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَسْأَلُ اللَّهَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ أَفِيهَا سُوقٌ قَالَ نَعَمْ أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلُوهَا نَزَلُوا فِيهَا بِفَضْلِ أَعْمَالِهِمْ ثُمَّ يَوْذُنُ فِي مِقْدَارِ يَوْمٍ الْجُمُعَةِ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا فَيُزَوَّرُونَ رِبَّهْمُ وَيَبْرُزُ لَهُمْ عَرْشُهُ وَيَتَّبِدِي لَهُمْ فِي رَوْضَةٍ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَتُوضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ وَمَنَابِرُ مِنْ لَوْلُوءٍ وَمَنَابِرُ مِنْ يَاقُوتٍ وَمَنَابِرُ مِنْ زَبَرَجَدٍ وَمَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ وَمَنَابِرُ مِنْ فِضَّةٍ وَيَجْلِسُ أَدْنَاهُمْ وَمَا فِيهَا مِنْ آدْنَى عَلَى كُثْبَانِ الْيُسْكِ وَالْكَافُورِ مَا يَرَوْنَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكِرَاسِيِّ بِأَفْضَلٍ مِنْهُمْ فَجَلَسَا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهَلْ تَرَى رَبَّنَا قَالَ نَعَمْ هَلْ تَحَارُونَ فِي رُؤْيَا الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قُلْنَا لَا قَالَ كَذَلِكَ لَا تَحَارُونَ فِي رُؤْيَا رَبِّكُمْ وَلَا يَبْقَى فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ إِلَّا حَاضَرَهُ اللَّهُ مُحَاضَرَةً حَتَّى يَقُولَ لِلرَّجُلِ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَتَذْكُرُ يَوْمًا قُلْتُ كَذَا وَكَذَا فَيَذْكُرُهُ بِبَعْضِ غَدَاتِهِ فِي الدُّنْيَا فَيَقُولُ يَا رَبِّ أَفَلَمْ تَغْفِرْ لِي فَيَقُولُ بَلَى فَبِسَعَةِ مَغْفِرَتِي بَلَّغْتَ مَنَزِلَتِكَ هَذِهِ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ غَشِيَتْهُمْ سَحَابَةٌ مِنْ فَوْقِهِمْ فَأَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طَيْبًا لَمْ يَجِدُوا مِثْلَ رِيحِهِ شَيْئًا قَطُّ وَيَقُولُ رَبَّنَا قَوْمُوا إِلَيْنَا مَا أَعْدَدْتُ لَكُمْ مِنَ الْكِرَامَةِ فَخَذُوا مَا اسْتَهَيَّتُمْ فَنَاتَى سُوقًا قَدْ حَقَّتْ بِهِ الْمَلَائِكَةُ مَا لَمْ تَنْظُرِ الْعُيُونُ إِلَى مِثْلِهِ وَلَمْ تَسْمَعْ الْأَذَانُ وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوبِ فَيَخْمَلُ إِلَيْنَا مَا اسْتَهَيَّتْنَا لَيْسَ يُبَاعُ فِيهَا وَلَا يُشْتَرَى وَفِي ذَلِكَ السُّوقِ يَلْقَى أَهْلَ الْجَنَّةِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا قَالَ فَيَقْبِلُ الرَّجُلُ ذُو الْمَنَزِلَةِ الْمُرْتَفِعَةِ فَيَلْقَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَمَا فِيهِمْ دَنِيٌّ فَيَرُوْهُ مَا يَرَى عَلَيْهِ مِنَ اللَّبَاسِ فَمَا يَنْقُصُ أَحَرُ حَدِيثِهِ حَتَّى يَتَخَيَّلَ عَلَيْهِ مَا هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ وَذَلِكَ أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَحْزَنَ فِيهَا ثُمَّ نَنْصَرِفُ إِلَى مَنَازِلِنَا فَتَتَلَقَّاَنَا أَرْوَاجُنَا فَيَقْلُنَ مَرَحَبًا وَأَهْلًا لَقَدْ جِئْتُ وَإِنَّ لَكَ مِنَ الْجَمَالِ أَفْضَلَ مِنَّمَا فَارَقْتَنَا عَلَيْهِ فَنَقُولُ إِنَّا جِئْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ وَيَحْقُنَا أَنْ نَنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا.

ترجمہ: سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ان کی ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں اکٹھا کرے تو سعید نے دریافت کیا کیا اس میں بازار بھی ہوں گے انہوں نے جواب دیا جی ہاں آپ ﷺ نے مجھے یہ بات بتائی ہے جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہ اپنے اعمال کی فضیلت کے اعتبار سے اس میں قیام کریں گے پھر دنیا کے دنوں کے حساب سے جمعہ کے دن انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنے پروردگار کی زیارت کریں ان کے سامنے اس کا عرش ظاہر ہوگا وہ ان کے سامنے جنت کے ایک باغ میں تجلی فرمائے گا تو ان لوگوں کے لیے وہاں نور کے منبر رکھے جائیں گے اور موتی یا قوت زمرد سونے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے ان میں سے سب سے کتر

حیثیت کا مالک ویسے ان میں کوئی کمتر نہیں ہوگا مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوگا انہیں یہ محسوس نہیں ہوگا کہ کرسی پر بیٹھا ہوا شخص محفل میں بیٹھنے کے اعتبار سے ان سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے پروردگار کی زیارت کریں گے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا جی ہاں کیا تمہیں سورج کو دیکھنے میں یا چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تمہیں اپنے پروردگار کی زیارت کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی اور اس محفل میں موجود ہر شخص براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک شخص سے یہ فرمائے گا اے فلاں بن فلاں کیا تمہیں یاد ہے؟ تم نے فلاں فلاں دن یہ بات کہی تھی تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں کی ہوئی غلطی یاد کروائے گا تو وہ کہے گا اے میرے پروردگار کیا تو نے میری مغفرت نہیں کر دی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے تم اس مقام تک پہنچے ہو اس دوران ان لوگوں کو ایک بادل ڈھانپ لے گا اور ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی جو انہوں نے کبھی نہیں سونگھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اٹھو اور میرے انعامات کی طرف جاؤ جو میں نے تمہارے لیے رکھے ہیں ان میں سے جو تم چاہو اسے حاصل کر لو پھر وہ لوگ اس بازار کی طرف جائیں گے جسے فرشتوں نے گھیرا ہوا ہوگا اس میں وہ چیزیں موجود ہوں گی جنہیں کسی آنکھ نے کبھی دیکھا نہیں ہوگا اور کسی کان نے ان کے بارے میں کچھ سنا نہیں ہوگا اور کسی کے ذہن میں ان کا خیال بھی نہیں آیا ہوگا (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) ہم جس چیز کی خواہش کریں گے وہ ہمیں دے دی جائے گی وہاں خرید و فروخت نہیں ہوگی پھر اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے (آپ ﷺ فرماتے ہیں) اعلیٰ مرتبے والا جنتی اپنے سے کم مرتبے والے جنتی سے ملاقات کرے گا ویسے ان میں کوئی بھی کم حیثیت کا مالک نہیں ہوگا تو اسے اس کا لباس پسند آجائے گا ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی ہوگی کہ اس کے اپنے جسم پر اس سے بہتر لباس ظاہر ہوگا اس کی وجہ یہ ہے جنت میں کوئی بھی شخص کسی بھی غم کا شکار نہیں ہوگا (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) پھر ہم وہاں سے اپنے گھر روانہ ہوں گے جب ہم اپنی بیویوں کے سامنے آئیں گے تو وہ یہ کہیں گی آپ کو خوش آمدید ہو آپ تو پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو کر لوٹے ہیں تو ہم یہ جواب دیں گے ہم زبردست پروردگار کی بارگاہ میں سے آرہے ہیں تو ہم اس بات کے حقدار تھے کہ اس کیفیت میں واپس آئیں جس میں اب آئے ہیں۔

(۲۷۷۳) إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوقًا مَّا فِيهَا شَرَاءٌ وَلَا بَيْعٌ إِلَّا الصُّوَرُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُورَةً دَخَلَ فِيهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں ایک بازار ہوگا جس میں کوئی خرید و فروخت نہیں کی البتہ اس میں کچھ مردوں اور عورتوں کی تصاویر ہوں گی جب کوئی شخص کسی تصویر کو پسند کرے گا تو وہ اسی کی طرح ہو جائے گا۔

تشریح: جنت کا بازار: اہل جنت اپنے اپنے اعمال کے بقدر جنت کے مختلف درجات میں ہوں گے۔ ہر جمعہ کو نداء ہوگی کہ فلاں بارغ میں جمع ہو جاؤ رب کریم تمہیں اپنا دیدار کرانا چاہتا ہے اور جنت میں چونکہ شب و روز کی گردش اور نہ دینا کی طرح لیل و نہار ہوں گے اس لیے دنیاوی جمعہ کا دن سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جو وقت ہے اس کا لحاظ کر کے اس دن کو جمعہ کا

دن قرار دیا جائے گا دنیا میں مسلمان اس دن نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوتے اب جنت میں ہر جمعہ کو اپنے محلات سے نکل کر اپنے پروردگار کی زیارت کیا کریں گے مختلف قسم کی عالیشان کرسیوں پر یہ لوگ دیدار کے لیے جلوہ افروز ہوں گے اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے۔

جنت میں ایک بازار ہوگا جسے فرشتوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہوگا اس میں طرح طرح کے اعزاز و اکرام اور اہل جنت کے لیے انعامات ہوں گے اس بازار میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی بلکہ وہ بازار دراصل حسن و جمال سے مزین ہونے اور خوب صورت سے خوب صورت و شکل میں تبدیل ہونے کا ایک مرکز ہوگا وہاں ہر طرف ایک سے ایک حسین و جمیل صورت ہوگی اور اہل جنت میں سے جو شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت ان صورتوں میں سے جسے پسند کرے گا اسی طرح کا ہو جائے گا۔

جنت میں جو بارش ہوگی وہ حسن و جمال کی ہوگی، اور شمال کی جانب سے خوشبودار ہوا چلے گی، جس کی وجہ سے جنتیوں کا حسن دوبالا ہو جائے گا، اور پیچھے گھروں میں بھی حسن و جمال کی بارش ہوگی جس میں جنتیوں کی عورتیں نہائیں گی، اس سے ان کا حسن بھی کئی گنا بڑھ جائے گا، پس جب جنتی گھروں میں گے تو ان کی بیویاں ان سے کہیں گی کہ تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو تو جنتی بھی اپنی بیویوں سے کہیں گے۔ خوش نصیب! تم بھی پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو، وہ جواب دیں گی کہ آپ کے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جمال کی بارش برسائی، جس میں ہم نے غسل کیا۔ اور حسن میں اضافہ ہر ایک ہفتہ کی مقدار میں تا ابد ہوتا رہے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَا الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

باب ۱۶: جنت میں دیدار الہی

(۲۴۷۴) كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرْنَا إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَعْرَضُونَ عَلَى رَبِّكُمْ فَتَرَوْنَهُ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَيْهِ فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا ثُمَّ قَرَأَ ﴿سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا تو فرمایا عنقریب تمہیں تمہارے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تم اس کی اسی طرح زیارت کرو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اسے دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہو رہی اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے والی نماز اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز کے بارے میں مغلوب نہ ہونا (یعنی اسے قضا نہ کرنا) پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوہ کی۔ اپنے پروردگار کی حمد کے ہمراہ تسبیح بیان کرو سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔

(۲۴۷۵) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ نَادَىٰ مُنَادٌ إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ مَوْعِدًا قَالُوا أَلَمْ يُبَدِّضْ وَجُوهَنَا وَيُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ قَالُوا بَلَىٰ قَالَ فَيُنْكَشِفُ الْحِجَابَ قَالُوا اللَّهُ مَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ.

تَرْجَمَتُہَا: نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کا فرمان بیان کرتے ہیں: ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اچھائی کی اچھائی ہوگی اور مزید (بہتری) ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب اہل جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک وعدہ ہے اہل جنت یہ کہیں گے کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا اور ہمیں جہنم سے نجات نہیں دیدی اور جنت میں داخل نہیں کر دیا تو وہ جواب دیں گے جی ہاں پھر حجاب ہٹایا جائے گا آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم اس کے دیدار سے زیادہ اور کوئی چیز اہل جنت کے نزدیک محبوب نہیں ہوگی۔

باب ۷۱

(۲۴۷۶) إِنَّ أَذَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَنْظُرُوا إِلَى جَنَانِهِ وَزُجَاتِهِ وَنَعِيمِهِ وَخَدَمِهِ وَسُرُورِهِ مَسِيرَةٌ أَلْفَ سَنَةٍ وَأَكْرَمُهُمْ عَلَى اللَّهِ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى وَجْهِهِ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ (وَجُوهُكَ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ).

تَرْجَمَتُہَا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قدر و منزلت کے اعتبار سے جنت میں سب سے کمتر حیثیت کا مالک وہ شخص ہوگا جو ایک ہزار سال کی مسافت تک اپنے باغات بیویوں نعمتوں خدمت گاروں اور تختوں کو دیکھ سکے گا اور ان (اہل جنت) میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزز شخص ہوگا جو صبح شام اس کی زیارت کرے گا پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اہل دن کچھ چہرے بارونق ہوں گے جو اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے۔

(۲۴۷۷) اتَّضَامُونَ فِي رُتُوبَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَتَضَامُونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ قَالُوا لَا قَالَ فَإِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرُونَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ.

تَرْجَمَتُہَا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کیا تم لوگوں کو چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے یا تمہیں سورج دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عنقریب تم اپنے پروردگار کی اسی طرح زیارت کرو گے جیسے تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو اور تمہیں اسے دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کا دیدار: وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، یہ اہل السنہ والجماعہ کا اجماعی عقیدہ ہے، اور قرآن پاک میں اہل ایمان کو اس کی بشارت سنائی گئی ہے: ﴿وَجُوهُكَ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ۖ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ ۖ﴾ بہت سے چہرے اس دن بارونق ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے (سورۃ القیامہ آیات ۲۲، ۲۳) اور کفار کے بارے میں ہے ﴿كَأَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ۖ﴾ ”وہ لوگ اس دن (قیامت کے دن) اپنے رب سے حجاب میں رکھے جائیں گے۔“ (سورۃ المطففین آیت ۱۵) اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے بے حجاب ہوں گے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ جنت میں جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے جو اس دنیا میں عطا نہیں ہوئیں، ان کو ایسی آنکھیں عطا ہوں گی جن کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہیں ہوگی جتنی اس دنیا میں ہے، پس رویت کے لئے اس دنیا میں جو شرائط ہیں وہ وہاں نہیں ہوں گی، وہاں بغیر مقابلہ اور جہت کے اللہ جل شانہ کے جمال کا نظارہ ممکن ہو سکے گا۔ اور رویت باری کا تذکرہ جب صراحتاً قرآن مجید

میں آگیا تو اب احادیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی، پھر بھی اس مسئلہ میں اتنی حدیثیں مروی ہیں جو حد تو ترک پہنچ گئی ہیں۔

سوال: یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ (الانعام: ۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ کا دیدار ہو ہی نہیں سکتا، تو آخرت میں کیسے ہوگا؟

جواب ①: یہ نفی دنیا کے اعتبار سے ہے کہ اس دنیا میں کسی آنکھ میں دیدار الہی کی صلاحیت و طاقت نہیں آخرت کے دیدار کی نفی کرنا مقصود نہیں وہاں اس آنکھ میں اللہ جل شانہ کو دیکھنے کی طاقت اور صلاحیت پیدا کر دی جائے گی۔ اور نبی کریم ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی درحقیقت عالم آخرت کی زیارت ہے۔

جواب ②: آیت قرآنی کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار گویا ناممکن ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان کی نگاہ اللہ جل جلالہ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی دنیا میں تو بالکل نہیں کر سکتی اور آخرت میں اگرچہ زیارت اور دیدار الہی تو ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ دیکھنے میں وہاں بھی نہیں ہو سکے گا کیونکہ انسان کی نظر محدود ہے اور اللہ کی ذات کی کوئی حد اور انتہاء نہیں ظاہر ہے کہ محدود نظر اس ذات کا کیسے احاطہ کر سکتی ہے جو ذات کہ غیر محدود ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان میں سے چار حدیثیں ذکر کی ہیں۔ اور حدیث کے آخر میں نبی ﷺ نے نمازوں کے اہتمام کی تاکید فرمائی ہے، نمازوں کے اہتمام سے آدمی میں جمال حق کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ اعمال کے خواص ہیں: زکوٰۃ سے بخیلی دور ہوتی ہے، روزہ سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے، حج سے محبت الہی بڑھتی ہے، اسی طرح نماز سے اللہ کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پس جو بندے جمال حق کو دیکھنے کی آرزو مند ہیں وہ پانچوں نمازوں کا اہتمام کریں، اور دو نمازوں کی تخصیص ان کی اہمیت کی وجہ سے ہے، جو ان دو نمازوں کا اہتمام کرے گا وہ باقی نمازوں کا ضرور اہتمام کرے گا۔

لغات: ستعر ضون: (صیغہ مجہول) عنقریب تم پیش کئے جاؤ گے۔ لا تضامون: اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔

①: (میم کی تخفیف کے ساتھ) ”ضمیم“ سے مشتق ہے، جس کے معنی ظلم و زیادتی کرنے کے ہیں: تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا، مطلب یہ کہ رب کائنات کے دیدار میں تم پر ظلم نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو دیکھ لیں اور کچھ محروم رہیں یا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیدار میں آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرو گے کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کا انکار کرنے لگو اور کسی کو جھٹلاؤ، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ زیادہ تر اس لفظ کو یوں ہی پڑھا گیا ہے۔

② لا تضامون: (میم کی تشدید کے ساتھ) اس صورت میں یہ ”تضام“ سے ہوگا، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو دھکیلنا، دباننا، یا تنگی میں ڈالنا، ایک دوسرے سے ٹکرانا، آپس میں ایک دوسرے سے ملنا، اب مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کرنے لئے آپس میں مزاحمت اور ایک دوسرے کو دھکیلنے کی نوبت نہیں آئے گی، ہر شخص نہایت امن و سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی نشست پر بیٹھ کر دیدار الہی سے لطف اندوز ہوگا، کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ خذمہ: خادم کی جمع ہے: خدمت گار۔ سرور: سرید کی جمع ہے: تخت، چارپائی۔ مسبرة الف سنة: ایک ہزار سال مسافت کے بقدر فاصلہ۔ ناصرة: تروتازہ۔

باب

اللہ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے

(۲۴۷۸) إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ فَيَقُولُونَ مَا لَنَا لَا نَرْضَى وَقَدْ أُعْطِينَا مَا لَمْ نُعْطِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالُوا إِنَّ شَيْئَ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ أَجِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ أَبَدًا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا اے اہل جنت وہ جواب دیں گے ہم حاضر ہیں ہمارے پروردگار تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے ہو وہ جواب دیں گے ہم راضی کیوں نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کیا تو وہ فرمائے گا میں تمہیں اس سے زیادہ فضیلت والی چیز عطا کرنے لگا ہوں وہ عرض کریں گے اس سے زیادہ فضیلت والی چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہارے لیے اپنی رضامندی حلال کر دی ہے اب میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

تشریح: جنت اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت: دیدار الہی اور دائمی رضا کا تحفہ ہے، اور جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرا خالق مجھ سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوگا تو اس زندگی کا لطف دو بالا ہو جائے گا اور اسے وہ ذہنی سکون حاصل ہوگا کہ جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کا اہل بنائے۔

سورۃ التوبہ (آیت ۷۲) میں ہے: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ اور (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے نعمت ہے، یہی بڑی کامیابی ہے، اس حدیث میں بھی اسی نعمت عظمیٰ کا تذکرہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرَائِي أَهْلِ الْجَنَّةِ فِي الْغُرَفِ

باب ۱۸: جنتی بالا خانوں میں سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے

(۲۴۷۹) إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ فِي الْغُرَفِ كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكُوفُ الشَّرْقِيُّ وَالْكَوْكَبُ الْغَرْبِيُّ الْغَارِبُ فِي الْأُفُقِ وَالطَّالِعُ فِي تَفَاضُلِ الدَّرَجَاتِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أُولَئِكَ النَّبِيُّونَ قَالَ بَلَى وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ وَأَقْوَامٌ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اہل جنت اپنے کمرؤں میں سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے اسی طرح جیسے لوگ مشرق یا مغرب میں نکلنے والے ستارے کو دیکھتے ہیں جو افق میں ڈوب جاتا ہے یا طلوع ہوتا ہے ایسا ان کے درجات میں باہمی فرق کی وجہ سے ہوگا لوگوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول وہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اور ان کے علاوہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

تشریح: مشرق یا مغرب میں جو ستارہ غروب ہو رہا ہو یا نکل رہا ہو اس کو لوگ آنکھیں لمبی کر کے دیکھتے ہیں، اور جو ستارہ سر پر ہو اس کو دیکھنے کے لئے آنکھیں لمبی نہیں کرنی پڑتیں، پس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جنتی ایک بالا خانہ سے دوسرے بالا خانہ والے کو اسی طرح آنکھیں لمبی کر کے دیکھیں گے، کیونکہ وہ دور فاصلے پر ہوں گے۔ اور تفاضل درجات کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ ایک جنتی اپنے اونچے درجہ میں ہوگا، اور دوسرا اپنے نیچے درجہ میں ہوگا، پھر بھی ایک دوسرے کو دیکھیں گے، جب جنتی چاہے گا پردہ ہٹے گا، اور بے تکلف دوست کی زیارت ہوگی، اور اس سے باتیں بھی ہوگی، پھر پردہ پڑ جائے گا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال و جواب کا مطلب یہ ہے کہ صرف انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوگی، بلکہ دیگر کامل مؤمنین کو بھی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔

لغات: ترائی: آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنا نظارہ کرنا۔ لیترائون: وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ الغارب: غروب ہونے والا۔ اُفق: آفاق کی جمع ہے: کنارہ: آسمان کا کنارہ۔ طالع: طلوع ہونے والا۔ تفاضل: آپس میں ایک دوسرے سے فضیلت رکھنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُودِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ

باب ۱۹: جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے

(۲۳۸۰) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْبَحُ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يَطْلُعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فَيَقُولُ أَلَا يَتَّبِعُ كُلُّ إِنْسَانٍ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ فَيَمِثِلُ لَصَاحِبِ الصَّلِيبِ صَلَيبُهُ وَ لَصَاحِبِ التَّصَاوِيرِ تَصَاوِيرُهُ وَ لَصَاحِبِ النَّارِ نَارُهُ فَيَتَّبِعُونَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ وَ يَبْقَى الْمُسْلِمُونَ فَيَطْلُعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فَيَقُولُ أَلَا تَتَّبِعُونَ النَّاسَ فَيَقُولُونَ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ وَ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ اللَّهُ رَبُّنَا وَ هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى نَرَى رَبَّنَا وَ هُوَ يَا مُرْهُمُ وَيُنَبِّئُهُمْ قَالُوا وَ هَلْ نَرَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ وَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَاهِ تِلْكَ السَّاعَةِ ثُمَّ يَتَوَارَى ثُمَّ يَطْلُعُ فَيَعْرِفُهُمْ نَفْسُهُ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّبِعُونِي فَيَقُومُ الْمُسْلِمُونَ وَ يُوضَعُ الصِّرَاطُ فَيَمُرُّ عَلَيْهِمْ مِثْلُ جِيَادِ الْخَيْلِ وَ الرِّكَابِ وَ قَوْلُهُمْ عَلَيْهِ سَلَامٌ وَ يَبْقَى أَهْلُ النَّارِ فَيُطْرَحُ مِنْهُمْ فِيهَا فَوْجٌ فَيُقَالُ هَلِ امْتَلَأَتْ فَتَقُولُ هَلِ مِنْ مَزِيدٍ ثُمَّ يُطْرَحُ فِيهَا فَوْجٌ فَيُقَالُ هَلِ امْتَلَأَتْ فَتَقُولُ هَلِ مِنْ مَزِيدٍ حَتَّى إِذَا أَوْعِبُوا فِيهَا وَضَعَ الرَّحْمَنُ قَدَمَهُ فِيهَا وَ أُرِوِي بَعْضَهَا إِلَى بَعْضٍ ثُمَّ قَالَ قَطُّ قَالَتْ قَطُّ فَإِذَا ادْخَلَ اللَّهُ تَعَالَى أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَ أَهْلَ النَّارِ النَّارَ أَتَى بِالمَوْتِ مُلَبَّبًا فَيَوْقِفُ عَلَى السُّورِ الَّذِي بَيْنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَ أَهْلِ النَّارِ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَطْلَعُونَ خَائِفِينَ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ النَّارِ فَيَطْلَعُونَ مُسْتَبْشِرِينَ يَرْجُونَ الشَّفَاعَةَ فَيُقَالُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَ لِأَهْلِ النَّارِ هَلِ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ وَ هَؤُلَاءِ قَدْ عَرَفْنَاهُ هُوَ الْمَوْتُ الَّذِي وَجَّلَ بَيْنَا

فَيُضَجُّ فَيُذَبِّحُ ذَبْحًا عَلَى الشُّورِ الَّذِي بَيْنَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودًا لَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودًا لَا مَوْتَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا پھر تمام جہانوں کا پروردگار ان سے مخاطب ہوگا اور فرمائے گا ہر شخص اس کے پیچھے کیوں نہیں چلا جاتا؟ جس کی وہ عبادت کرتا تھا تو صلیب کے ماننے والوں کے لیے صلیب ایک وجود کی شکل میں آئے گی تصویروں کی عبادت کرنے والوں کے لیے ان کی تصویریں وجود ہو جائیں گی آگ کی عبادت کرنے والوں کے لیے آگ کو شکل کو دیدی جائے گی تو لوگ ان کے پیچھے چل پڑیں گے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور صرف مسلمان باقی رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کرے گا اور فرمائے گا تم لوگوں کے پیچھے کیوں نہیں گئے؟ وہ جواب دیں گے ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے ہم یہیں ٹھہرے رہیں گے جب تک ہم اپنے پروردگار کی زیارت نہیں کر لیتے (راوی کہتے ہیں) نبی اکرم ﷺ دراصل لوگوں کو ہدایت کر رہے تھے اور انہیں ثابت قدمی کی ترغیب دے رہے تھے لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم اپنے پروردگار کی زیارت کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے تو انہوں نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ آپ ﷺ نے فرمایا تو اس وقت اس کے دیدار میں بھی تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی پھر وہ حجاب کے پیچھے چلا جائے گا پھر وہ نمودار ہوگا اور اپنی ذات کی انہیں پہچان کر دے گا اور فرمائے گا میں تمہارا پروردگار ہوں تم میرے پیچھے آؤ تو مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے پھر پل صراط کو رکھا جائے گا تو لوگ اس پر عمدہ گھوڑوں کی طرح (تیزی سے) گزریں گے کچھ لوگ عمدہ اونٹوں کی طرح گزریں گے اور وہ اس وقت یہ کہہ رہے ہوں گے اے (اللہ تعالیٰ) تو سلامت رکھنا تو سلامت رکھنا پھر اہل جہنم باقی رہ جائیں گے اور انہیں اس میں گروہ کی شکل میں ڈال دیا جائے گا تو (جہنم) سے پوچھا جائے گا کیا تم بھر گئی ہو؟ تو وہ دریافت کرے گی کیا اور لوگ ہیں؟ پھر ان میں سے ایک گروہ کو ڈالا جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کیا تم بھر گئی ہو؟ تو وہ دریافت کرے گی کیا اور لوگ ہیں؟ یہاں تک کہ جب سب لوگوں کو اس میں ڈال دیا جائے گا تو رحمن اپنا قدم اس میں رکھ دے گا تو اس کا ایک حصہ دوسرے میں داخل ہو جائے گا (یعنی وہ سمٹ جائے گی) تو رحمن فرمائے گا اتنا کافی ہے؟ تو وہ جواب دے گی اتنا کافی ہے جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل کر دے گا اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کر دے گا تو موت کو کھینچ کر لایا جائے گا اور اسے دیوار پر رکھ دیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ہوگی پھر کہا جائے گا اے اہل جنت تو وہ لوگ خوف کے عالم میں جھانکیں گے پھر کہا جائے گا اے اہل جہنم تو وہ خوش ہو کر جھانکیں گے اس امید پر کہ شاید ان کی شفاعت کردی گئی ہے تو اہل جنت اور اہل جہنم سے یہ کہا جائے گا؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟ وہ جواب دیں گے یہ وہی ہے ہم اسے جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر مسلط کی گئی تھی پھر اسے لٹایا جائے گا اور اس دیوار پر ذبح کر دیا جائے گا اور پھر یہ کہا جائے گا اے اہل جنت اب تم ہمیشہ اس (جنت) میں رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور اہل جہنم تم ہمیشہ اس (جہنم) میں رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے۔

(۲۴۸۱) إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أُنِىَ بِالْمَوْتِ كَالْكَبْشِ الْأَمْلَحِ فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ فَيُذَبِّحُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ

فَلَوْ أَنَّ أَحَدًا مَاتَ فَرَحًا لِمَاتِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَلَوْ أَنَّ أَحَدًا مَاتَ حُزْنًا لِمَاتِ أَهْلِ النَّارِ.

ترجمہ: قیامت کے دن موت کو سیاہ و سفید رنگت کے دے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اس وقت وہ لوگ اسے دیکھ رہے ہوں گے۔ اگر کسی نے خوشی کی وجہ سے مرنا ہوتا تو اہل جنت (خوشی سے) مر جاتے اور اگر کسی نے غم کی وجہ سے مرنا ہوتا تو اہل جہنم (اس وقت غم کی وجہ سے مر جاتے)۔

تشریح: جنت ایمان کی دائمی جزاء ہے اور جہنم کفر کی دائمی سزا۔ کیونکہ ایمان و کفر ابدی حقیقتیں ہیں، وہ صحیح اور غلط عقیدے ہیں، اور عقیدے ہمیشہ باقی رہتے ہیں، پس ان کی جزاؤں سزا بھی ہمیشہ رہے گی، اور یہ بات قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان ہوئی ہے کہ جنت و جہنم ابدی ہیں اور ایمان و کفر کی جزاؤں سزا بھی ابدی ہیں۔

باقی رہے اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ موقت و محدود ہیں، مثلاً جب نماز پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو عمل تمام ہو جاتا ہے اسی طرح جب زانی زنا کر کے فارغ ہوتا ہے تو اس کا برا عمل پورا ہو جاتا ہے، پس قاعدہ سے اعمال کی جزاؤں سزا موقت و محدود ہونی چاہئے، مگر مؤمن کے اعمال صالحہ ایمان کے تابع کر دیئے جائیں گے اس لئے ان کی جزائے خیر مؤبد ہوگی، اور کفار کے اعمال سیئہ کفر کے تابع کر دیئے جائیں گے اس لئے ان کی سزا بھی مؤبد ہوگی۔ سورۃ المدثر (آیات ۴۱-۴۷) میں ہے: جنتی جنتوں میں مجرموں کا حال پوچھیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے: ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے، یعنی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے، اور ہم گھسنے والوں کے ساتھ گھسا کرتے تھے، یعنی اسلام کے خلاف باتیں چھانٹنے والوں کا ساتھ دیا کرتے تھے، اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی، یعنی خاتمہ ان برے اعمال پر ہوا اس لئے ہم دوزخ میں ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جہنم صرف کفر کی سزا نہیں ہے بلکہ کفار کے اعمال سیئہ ایمان کے تابع نہیں ہو سکتے، کیونکہ دونوں ہم جنس نہیں، اس لئے ان کی سزا دنیا میں، پھر قبر میں، پھر میدان حشر میں، پھر جہنم میں دی جائے گی، اور جب سزا پوری ہو جائے گی، حساب بے باق ہو جائے گا، یعنی اگر دنیا میں سزا پوری ہو گئی تو آگے معاملہ صاف ہے ورنہ قبر میں سزا ہوگی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ایک حدیث لکھی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت کی زیادہ تر سزائیں قبر میں نمٹ جائیں گی (حدیث پوری ہوئی) اور جن کی سزا پوری نہیں ہوگی وہ میدان حشر میں معذب ہوں گے، اور اگر اس دن میں بھی سزا پوری نہ ہوئی اور وہ نہ بخشے گئے تو باقی سزا پانے کے لئے جہنم میں جانا ہوگا پھر وہ سفارشوں کی بنا پر یا سزا بھگت کر ایمان کی وجہ سے جنت میں آئیں گے۔

ثم یطلع فیعر فہم نفسہ: اللہ تعالیٰ ان کے دل میں علم قطعی ڈال دیں گے کہ واقعی یہی ہمارے رب ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: انا ربکم فاتبعونی میں تمہارا رب ہوں لہذا تم لوگ میری پیروی کرو یعنی میرے ساتھ چلو امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اتباع سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے حکم کی اتباع کریں گے کہ جس میں انہیں جنت کی طرف جانے کا حکم ہوگا یا یہ کہ وہ فرشتوں کے ساتھ جنت کی طرف جانے کے اعتبار سے اس حکم کی پیروی کریں گے۔

(۲) پل صراط کو جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا مسلمان اس پر سے عمدہ اور تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی مانند تیزی سے گزر جائیں گے مسلمانوں کی زبان پر یا دوسری روایت کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی زبان مبارک پر رب سلم رب سلم کا جملہ ہوگا۔ چنانچہ

خوش نصیب حضرات اس پل کو پار کر لیں گے اور کافر و مشرکین اور گناہ ہار اس سے گر کر جہنم میں چلے جائیں گے۔
(۳) جب جہنم بھر جائے گی تو اس کے جوش و غضب کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم مبارک رکھیں گے۔ اس قدم رکھنے سے کیا مراد ہے؟ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ یہ بھی صفات تشابہات میں سے ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے یہاں پر دو تاویلیں ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ اس قدم رکھنے سے آگ کے جوش و غضب کو ٹھنڈا اور اس کی شدت کو ختم کرنا مراد ہے کیونکہ اس وقت کافر اور گناہ گار لوگوں پر جہنم اس قدر غضبناک اور جوش میں ہوگی کہ قریب ہے کہ تمام اہل محشر کو اپنی آغوش میں لے لے اس کی اس شدت اور سختی کے ختم کرنے کو قدم رکھنے سے تعبیر فرمایا۔ دوسری یہ کہ اس قدم سے بطور کنایہ کے یہ وہ لوگ مراد ہیں جو جہنم میں دیر سے داخل ہوں گے حالانکہ ان کا فیصلہ تو پہلے ہو چکا ہوگا ان کے ناموں کی پوری لسٹ جہنم کے داروغوں کے پاس ہوگی وہ ان لوگوں کے انتظار میں ہوں گے چنانچہ ہر داروغہ اپنی لسٹ کے مطابق جب اہل جہنم کو جہنم میں ڈال دے گا تو اس وہ داروغہ کہیں گے: قط، قط، (بس، بس) اس وقت یہ جہنم تمام اہل جہنم سمٹ جائے گی تو تاخیر سے داخل ہونے والوں کو قدم رکھنے سے ذکر کیا ہے۔

اعتراض: کہ موت تو ایک عرض ہے اسے جسم دے کر کیسے ذبح کیا جائے گا؟ اس لیے درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ عرض کو جسم میں تبدیل کر دیں جیسا کہ ایک سے زیادہ احادیث میں ہے کہ اعمال کو قیامت کے دن ان کے مناسب صورتیں دے دی جائیں گی اب اس کی کیا کیفیت ہوگی یہ ہمیں اس وقت معلوم نہیں اس پر ہمارا ایمان ہے اس کے بعد اعلان ہو جائے گا کہ اب کبھی کسی پر کوئی موت نہیں آئے گی۔

تنبیہ: کفار کے اعمال صالحہ کفر کے تابع نہیں ہو سکتے، کیونکہ دونوں ہم جنس نہیں اس لئے ان کے اعمال صالحہ کی جزاء ان کو دنیا میں دے دی جاتی ہے، ان کی نیکیاں ان کو دنیا میں کھلا دی جاتی ہیں، نعمتوں کی شکل میں یا بلائیں اور آفتیں روکنے کی صورت میں ان کو صلہ دے دیا جاتا ہے، قبر میں اور اس سے آگے کی زندگیوں میں ان کے لئے کوئی جزا نہیں۔

لغات: خلود: دوام ہمیشگی۔ یطلع: ظاہر ہوگا نمودار ہوگا۔ الا یتبع: کیوں نہیں جاتا کیوں پیروی نہیں کرتا۔ تضارون: اس لفظ کو را کی تشدید اور تخفیف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں تشدید کی صورت میں یہ ضرر سے مشتق ہوگا اور تخفیف کی صورت میں ضیر سے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں یعنی ضرر اور نقصان پہنچانا معنی یہ ہیں کہ: کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کسی قسم کے ضرر اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ مہینے کی ابتداء کا چاند دیکھنے میں بڑی مزاحمت اور دقت ہوتی ہے ظاہر ہے کہ تمہیں چودھویں کا چاند دیکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اسی طرح تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ مثل (صیغہ مجہول) صورت بنائی جائے گی صلیب: وہ لکڑی جس پر سولی دی جائے سولی دیا ہوا عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق وہ لکڑی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔ یعرفہم نفسہ: اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی ظاہر فرمائیں گے۔ جیاد: جو اد کی جمع ہے عمدہ گھوڑے۔ یطرح: (صیغہ مجہول) پھینکے جائیں گے ڈالا جائے گا۔ اذا وعبوا فیہا: جب تمام دوزخیوں کو احاطہ کر کے جہنم میں لایا جائے گا ازوی (صیغہ مجہول) سمیٹ دیا گیا ملا دیا گیا قط اس لفظ کو تین طرح پڑھا جاسکتا ہے (۱) طاء کے سکون کے ساتھ (۲) طاء کے نیچے زیر اور تینون (۳) طاء کے نیچے زیر بغیر تینون کے اس کے معنی ہیں: کافی۔

بَابُ مَا جَاءَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

باب ۲۰: جنت ناگوار یوں اور جہنم خواہشات کے ساتھ گھیری گئی ہے

(۲۳۸۲) حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت کو (دنیا میں) تکالیف کے سائے میں رکھا گیا ہے اور جہنم کو (دنیا میں) نفسانی خواہشات کے سائے میں رکھا گیا ہے۔

(۲۳۸۳) لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ أَرْسَلَ جِبْرِيلَ إِلَى الْجَنَّةِ فَقَالَ انْظُرِ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعَدَدْتُ لَاهْلِهَا فِيهَا قَالَ فَجَاءَهَا وَنَظَرَ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعَدَّ اللَّهُ لَاهْلِهَا فِيهَا قَالَ فَرَجَعَ إِلَيْهِ قَالَ فَوَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتِ بِالْمَكَارِهِ فَقَالَ ارْجِعْ إِلَيْهَا فَانْظُرْ إِلَى مَا أَعَدَدْتُ لَاهْلِهَا فِيهَا قَالَ فَرَجَعَ إِلَيْهَا فَإِذَا هِيَ قَدْ حُفَّتِ بِالْمَكَارِهِ فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خُفَّتْ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ قَالَ أَذْهَبَ إِلَى النَّارِ فَانْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعَدَدْتُ لَاهْلِهَا فِيهَا فَإِذَا هِيَ يَرْكَبُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَيَدْخُلَهَا فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتِ بِالشَّهَوَاتِ فَقَالَ ارْجِعْ إِلَيْهَا فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ لَا يَنْجُو مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کو پیدا کر لیا تو اس نے جبریل علیہ السلام کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا اس کا جائزہ لو اور ان چیزوں کا جائزہ لو جو میں نے اہل جنت کے لیے اس میں تیار کی ہیں آپ ﷺ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں آئے اس کا جائزہ لیا اور ان چیزوں کا جائزہ لیا جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے اس میں تیار کی ہیں جب وہ واپس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئے تو انہوں نے عرض کی تیری عزت کی قسم اس کے بارے میں جو شخص بھی سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اسے مصائب کے ذریعے گھیر دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم واپس اس کی طرف جاؤ اور اس کا جائزہ لو جو اس میں اہل جنت کے لیے تیار کیا ہے حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ اس کی طرف گئے تو اسے مصائب کے ذریعے گھیر دیا گیا تھا وہ واپس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کی تیری عزت کی قسم مجھے یہ اندیشہ ہے اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہو سکے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جہنم کی طرف جاؤ اور اس کا جائزہ لو اور اہل جہنم کے لیے اس میں نے جو کچھ تیار کیا ہے اس کو دیکھو (حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر دیکھا) تو اس کا ایک حصہ دوسرے پر سوار تھا حضرت جبریل علیہ السلام واپس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کی تیری عزت کی قسم اس کے بارے میں جو شخص بھی سنے گا وہ اس میں داخل نہیں ہوگا (یعنی اس سے بچنے کی کوشش کرے گا) تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اسے نفسانی خواہشات کے ذریعے ڈھانپ دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دوبارہ اس کی طرف جاؤ وہ دوبارہ اس کی طرف گئے (اور واپس آکر عرض کی) تیری عزت کی قسم مجھے یہ اندیشہ ہے اب اس میں سے کوئی نہیں بچے گا ہر شخص اس میں داخل

ہوگا۔

تشریح: جنت کو مکارہ یعنی تکلیفوں ناپسندیدہ امور اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفس کے نہ چاہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گذارتا ہے عبادات کو بجالاتا ہے اور ممنوع چیزوں سے بچتا ہے گویا وہ یوں مشقت اور تکلیف برداشت کرتا ہے صبر کرتا ہے تب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اسے جنت میں داخل کر دیں اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا ہے شہوات سے حرام کردہ چیزیں مراد ہیں مثلاً: شراب زنا غیر محرم پر نظر غیبت جھوٹ اور الزام ترشی وغیرہ وہ خواہشات جو مباح کے درجے میں ہیں وہ اس میں داخل نہیں تاہم ان میں بھی کثرت ناپسندیدہ ہے کیونکہ جائز خواہش کی کثرت سے بھی دل سخت ہو جاتا ہے یا عبادات و طاعات میں یکسوئی نہیں رہتی اس لیے مباح خواہشات میں بھی میانہ وری اور اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے۔

لغات: حفت: (صیغہ مجہول) احاطہ کر لی گئی گھیر لی گئی۔ مکارہ: (مکرہ پر زبر) کی جمع ہے اور بعض نے کہا کہ یہ مکروہ کی جمع ہے اور بعض کے نزدیک یہ خلاف قیاس کرہ کی جمع ہے ناپسندیدہ بات مشقتیں تکلیفیں شہوات شہوة کی جمع ہے لذتیں۔ اعدت: میں نے تیار کر رکھی ہیں۔ یو کب بعضہا بعضاً: جہنم کا ایک حصہ دوسرے پر چڑھا ہوا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِحْتِجَاجِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

باب ۲۱: جنت اور دوزخ کا آپس میں مباحثہ

(۲۴۸۴) اِحْتَجَبَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ الْجَنَّةُ يَدْخُلُنِي الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِينُ وَقَالَتِ النَّارُ يَدْخُلُنِي الْجَبَّارُونَ وَالْمُتَكَبِّرُونَ فَقَالَ لِلنَّارِ أَنْتِ عَذَابِي أَنْتِ قَمَرِي شِئْتُ وَقَالَ لِلْجَنَّةِ أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكَ مِنْ شِئْتُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت اور جہنم کے درمیان مکالمہ ہوا تو جنت نے کہا میرے اندر کمزور اور غریب لوگ داخل ہوں گے جہنم نے کہا میرے اندر ظالم اور متکبر لوگ داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا تم میرا عذاب ہو میں تمہارے ذریعے جس سے چاہوں گا انتقام لوں گا اور اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تم میری رحمت ہو میں تمہارے ذریعے جس پر چاہوں گا رحمت کروں گا۔

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جنت و دوزخ آپس میں بحث و مباحثہ کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کریں گی جنت کہے گی کہ میرے اندر ضعیف اور مسکین لوگ داخل ہوں گے جس سے انہیں بلند مقام اور عظمت و شرافت کا اونچا درجہ حاصل ہو جائے گا، اس لیے میرا مقام اونچا ہے اور جہنم کہے گی کہ میرا مقام اونچا ہے کیونکہ میرے اندر دنیا کے متکبر لوگ داخل ہوں گے میں انہیں اپنا تابع بناؤں گی اور ذلیل کروں گی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی شرف و فضیلت نہیں بس یہ سب کچھ میری مصلحت و حکمت اور مشیت کا تقاضا ہے کہ میں نے جنت کو اپنی رحمت اور لطف و کرم کا اور جہنم کو اپنے عذاب کا مظہر بنایا جنت کے ذریعے میں نیکو کار لوگوں کو مختلف انعامات سے نوازوں گا اور جہنم کے ذریعے میں کافر و مشرک اور گنہگار لوگوں سے انتقام لوں گا، اس لیے تم دونوں میں سے کسی کو بھی ایسی کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے

اتنی بات ضرور ہے کہ دوزخ کے معاملات کا تعلق عدل و انصاف سے ہے اور جنت کے معاملات محض اللہ کے فضل و کرم سے

تعلق رکھتے ہیں۔ (الکواکب الدری ۳-۳۱۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک جنت و دوزخ کا یہ مباحثہ اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قوت تمیز عطاء فرمائیں گے، جس سے یہ دونوں بحث و مباحثہ پر قادر ہو جائیں گے یہاں پر مجازی معنی مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱۰-۳۵۷)

بَابُ مَا جَاءَ مَا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْكَرَامَةِ

باب ۲۲: معمولی جنتی کی تعظیم کتنی ہوگی

(۲۳۸۵) أَذْنَىٰ أَهْلِ الْجَنَّةِ الَّذِي لَهُ ثَمَانُونَ أَلْفَ خَادِمٍ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ زَوْجَةً وَتُنْصَبُ لَهُ قُبَّةٌ مِّنْ لُّوْلُؤٍ وَزَبَرٍ وَيَأْقُوتُ كَمَا بَيْنَ الْجَابِيَةِ إِلَىٰ صَنْعَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں سب سے کمتر حیثیت کا مالک وہ شخص ہوگا جس کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور ۱۲ بیویاں ہوں گی اس شخص کے لیے موتیوں یا قوت اور زمرد سے بنا ہوا بڑا خیمہ نصب کیا جائے گا جو اتنا بڑا ہوگا جتنا جابیہ اور صنعاء کے درمیان فاصلہ ہے۔

(۲۳۸۶) مَن مَاتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ يُرَدُّونَ أَبْنَاءَ ثَلَاثِينَ فِي الْجَنَّةِ لَا يَزِيدُونَ عَلَيْهَا أَبَدًا وَكَذَلِكَ أَهْلُ النَّارِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کم عمر یا زیادہ عمر کا جو بھی جنتی فوت ہوگا جنت میں اس کی عمر تیس سال کر دی جائے گی اور وہ کبھی اس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اسی طرح اہل جہنم کے ساتھ ہوگا۔

(۲۳۸۷) أَلْمُؤْمِنُ إِذَا اشْتَهِى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ حَمْلُهُ وَوَضْعُهُ وَسِئْتُهُ فِي سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهِي.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بندہ مومن جب جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس بچے کا حمل اس کی پیدائش اور اس کا بڑا ہونا اسی ایک گھڑی میں ہوگا جیسے وہ جنتی خواہش کرے گا۔

تشریح: اہل جنت کی اولاد ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے اس بارے میں ان کے تین قول ہیں جنہیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

(۱) طاؤس مجاہد اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہاں صرف جماع ہوگا اولاد نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کی خواہش ہوگی۔

(۲) امام بخاری اور اسحاق بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جنتی اولاد کی خواہش کرے گا تو ایک گھڑی میں ہی اس کی خواہش پوری ہو جائے گی مگر کوئی جنتی ایسا چاہے گا ہی نہیں۔

(۳) ابوزین عقیلی رحمہ اللہ ایک حدیث سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ اہل جنت کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوگی۔

بعض حضرات نے ان تمام روایات اور اقوال کو سامنے رکھ کر یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ اہل جنت کے لیے اولاد کی نفی کرتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی اولاد کی طرح ان کی اولاد نہیں ہوگی کہ جو جماع اور نکاح کے نتیجہ میں آتی ہے اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ ان کی اولاد ہوگی اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بالفرض کوئی جنتی اس کی خواہش کرے گا تو اس کی خواہش کو پورا کیا جائے گا کیونکہ اہل جنت کی ہر خواہش اور تمنا کو فوراً پورا کیا جائے گا ان میں تاخیر نہیں ہوگی۔

لعنات: کرامۃ: اعزاز و اکرامِ ادنیٰ مرتبہ کے لحاظ سے کمتر۔ تنصب: نصب کیا جائے گا گاڑھا جائے گا۔ قُبۃ: خیمہ۔ جابیۃ: ملک شام کا ایک شہر ہے۔ صنعاء: یہ ایک شہر ہے جو یمن کا دار الخلافہ ہے۔ یردون (صیغہ مجہول) اہل جنت لوٹائے جائیں گے۔ تیجان: تاج کی جمع ہے۔ لتضئی: وہ روشن کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ الْخُورِ الْعَيْنِ

باب ۲۳: جنت میں گوری بڑی آنکھوں والی عورتوں کا گانا

(۲۳۸۸) إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمُجْتَمَعًا لِلْخُورِ الْعَيْنِ يُرْفَعْنَ بِأَصْوَاتٍ لَّهُمْ يَسْمَعُ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا قَالَ يَقُلْنَ نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبُوسُ وَنَحْنُ الرَّاٰضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ طُوبٰى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں حور عین اکٹھی ہوتی ہیں وہ بلند آواز میں گفتگو کرتی ہیں مخلوق کے ایسی آواز نہیں سنی ہوگی وہ یہ کہتی ہیں ہم ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں ہم فنا نہیں ہوں گے ہم ناز و نعمت والی ہیں اور ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی ہم راضی رہنے والی ہیں ہم کبھی ناراض نہیں ہوں گی اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو ہمیں ملے گا اور ہم اسے ملیں گی۔

(۲۳۸۹) عَنْ يَحْيٰى بْنِ اَبِي كَثِيْرٍ فِيْ قَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ (فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُحْبَرُوْنَ) قَالَ السَّمَاعُ وَمَعْنٰى السَّمَاعِ مِثْلُ مَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ.

ترجمہ: یحییٰ بن ابی کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے بارے میں وہ (جنت کے) باغ میں خوش و خرم ہوں گے کہتے ہیں یعنی وہ (باتیں سن کر) خوش و خرم ہوں گے (خوش کرنے والی باتیں سننے) کی مثال وہ ہے جو ایک حدیث میں مذکور ہے۔

ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، ہم ہلاک نہیں ہوں گی ہم نرم و نازک ہیں، ہم بد حال نہیں ہوں گی

ہم خوش ہونے والیاں ہیں، ہم ناراض نہیں ہوں گی خوش گوار ہے جو ہمارے لئے اور ہم جس کیلئے ہیں

لعنات: حور حوراء کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ گوری عورت اور العین: العیناء کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: بڑی آنکھوں والی، اور الحور العین جنت کی عورتوں کا لقب ہے اور اردو میں صرف حور کہتے ہیں۔

یرفعن: اُونچی آواز نکالیں گی۔ المجتمع: اجتماع گاہ، جلسہ گاہ۔ بادیبیدابیدا: ہلاک ہو جانا، ختم ہو جانا۔ الناعمة:

الناعمة مؤنث: نرم و نازک، تروتازہ۔ بئس یباس (س) یاسا و بوسا: بد حال ہونا، غریب و محتاج ہونا۔ الطوبی: خوشگوار حالت۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ

باب ۲۴: جنت کی نہروں کا حال

(۲۴۹۳) إِنْ فِي الْجَنَّةِ بَحْرُ الْمَاءِ وَبَحْرُ الْعَسَلِ وَبَحْرُ اللَّبَنِ وَبَحْرُ الْخَمْرِ ثُمَّ تُشَقُّ الْأَنْهَارُ بَعْدُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جنت میں پانی کا ایک سمندر ہے شہد کا ایک سمندر ہے دودھ کا ایک سمندر ہے اور مشروبات کا ایک سمندر ہے اور ان میں سے نہریں نکلتی ہیں۔
تشریح: ان نہروں کا ذکر سورہ محمد (آیت ۱۵) میں ہے:

﴿فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى﴾

”جنت میں بہت سی نہریں ایسے پانی کی ہیں جس میں زرا تغیر نہیں ہوگا (نہ بو میں، نہ رنگ میں نہ مزہ میں) اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں، جن کا ذائقہ زرا بدلا ہوا نہیں ہوگا، اور بہت سے نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور بہت سی نہریں صاف شفاف شہد کی ہیں۔“

اور اس حدیث میں ان نہروں کے سرچشمہ کا بیان ہے کہ یہ نہریں جنت کے چار سمندروں سے پوری جنت میں پھیلیں گی۔

متفرق احادیث

اب متفرق احادیث ذکر کرتے ہیں، جن پر کوئی باب قائم نہیں کیا۔

۱۔ جنت کے لئے دعا کرنا اور جہنم سے پناہ چاہنا

(۲۴۹۵) مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اللَّهُمَّ ادْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اللَّهُمَّ اجْزُكُمِ النَّارَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنت کا سوال کرتا ہے تو جنت یہ کہتی ہے اے اللہ اسے جنت میں داخل کر دے اور جو شخص جہنم سے تین مرتبہ پناہ مانگتا ہے تو جہنم یہ کہتی ہے اے اللہ اسے جہنم سے نجات عطا کر۔

تشریح: اور حدیث کا مقصد واضح ہے کہ ہر شخص کو بار بار جنت طلب کرنی چاہئے اور جہنم سے پناہ مانگنی چاہئے۔ جنت و جہنم کو عقل و شعور ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ کے سامنے اس بندے کے حق میں سفارش کرتی ہیں جمہور کے نزدیک اس کے حقیقی معنی مراد ہیں اگرچہ اس کی کیفیت اس وقت ہمیں معلوم نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ۷/ ۳۳۱)

۲۔ مشک کے ٹیلوں پر بیٹھنے والے تین آدمی

(۲۳۹۰) ثَلَاثَةٌ عَلَى كُثْبَانِ الْبُسْكِ أَرَاهُ قَالَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَغِيْطُهُمُ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ رَجُلٌ يُتَادَى بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَرَجُلٌ يَوْمَ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ وَعَبْدٌ آذَى حَقَّ اللَّهُ وَحَقَّ مَوَالِيَهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تین طرح کے لوگ مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے (راوی کہتے ہیں) میرا خیال ہے حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں قیامت کے دن (نور کے ٹیلوں پر ہوں گے) پہلے والے اور بعد والے لوگ ان پر رشک کریں گے ایک وہ شخص جو روزانہ پانچ وقت اذان دیتا ہو دوسرا وہ شخص جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہو اور وہ لوگ اس سے خوش ہوں اور ایک وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کرتا ہو اور اپنے آقا کا بھی حق ادا کرتا ہو۔

تشریح: یہ حدیث ابواب البر والصلۃ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ وہ لوگ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں

(۲۳۹۱) ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمْ اللَّهُ رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتْلُو كِتَابَ اللَّهِ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِسَيِّئِهِ يَخْفِيهَا أَرَاهُ قَالَ مِنْ شَمَالِهِ وَرَجُلٌ كَانَ فِي سِرِّيَّةٍ فَأَمَنَهُمْ أَصْحَابُهُ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (تین لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ایک وہ شخص جو رات کے وقت قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے ایک وہ شخص جو دائیں ہاتھ کے ذریعے خفیہ طور پر صدقہ دیتا ہے (راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں) کہ بائیں ہاتھ سے اسے مخفی رکھتا ہے۔

اور ایک وہ شخص جو کسی جنگ میں شریک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ پسپا ہو جاتے ہیں لیکن وہ دشمن کے مد مقابل رہتا ہے۔

(۲۳۹۲) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمْ اللَّهُ وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللَّهُ فَأَمَّا الَّذِينَ يُحِبُّهُمْ اللَّهُ فَرَجُلٌ آتَى قَوْمًا فَسَأَلَهُمْ بِاللَّهِ وَلَمْ يَسْأَلْهُمْ لِقَرَابَةِ بَيْنَةٍ وَبَيْنَهُمْ فَمَنْعُوهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِأَعْقَابِهِمْ فَأَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهِ إِلَّا اللَّهُ وَالَّذِي أَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوا إِلَيْكَهُمْ حَتَّى إِذَا كَانَ التَّوْمُ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدِلُ بِهِ فَوَضَعُوا رُؤُسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِي وَيَتْلُوا آيَاتِي وَرَجُلٌ كَانَ فِي سِرِّيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهَزَمُوا فَأَقْبَلَ بِصَدْرِهِ حَتَّى يُقْتَلَ أَوْ يُفْتَحَ لَهُ وَالثَّلَاثَةُ الَّذِينَ يُبْغِضُهُمُ اللَّهُ الشَّيْخُ الزَّانِي وَالْفَقِيرُ الْمُحْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظُّلُمُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تین لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور تین لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے تو ایک وہ شخص ہے جو کچھ لوگوں کے پاس آئے اور ان سے اللہ تعالیٰ کے نام پر کچھ مانگے ان لوگوں سے ان کے ساتھ اپنی کسی رشتہ داری کی وجہ سے سوال نہ کرے اور لوگ اسے انکار کر دیں اور پھر ان لوگوں میں سے ایک شخص الگ سے جا کر خفیہ طور پر اس مانگنے والے کو کچھ دیدے اس عطیے کو اللہ تعالیٰ اور جس شخص کو دیا گیا ہے کے علاوہ اور کوئی نہ جانتا ہو (دوسرا شخص وہ ہے کہ کچھ لوگ رات کے وقت سفر کر رہے ہوں جب نیند ان کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ پیاری ہو جائے اور وہ سر

رکھ کر سو جائیں (تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اس وقت وہ شخص کھڑا ہو کر میری بارگاہ میں گزر گزائے اور میری آیات کی تلاوت کرے (اور تیسرا وہ شخص) جو کسی جنگ میں شریک ہو اور دشمن کے سامنے آئے تو دوسرے لوگ پسپا ہو جائیں لیکن وہ سینہ سپر رہے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے یا وہ فتح یاب ہو (جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہیں اللہ ناپسند کرتا ہے تو ان میں سے ایک بوڑھا زانی ایک متکبر فقیر اور ایک ظلم کرنے والا خوشحال شخص (یعنی حکمران) ہے۔

۴۔ جب دریائے فرات میں خزانہ ظاہر ہو تو اس کو کوئی نہ لے

(۲۴۹۳) يُوشِكُ الْفُرَاتُ يَحْسِرُ عَنْ كَنْزٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَمَنْ حَضَرَ فَلَا يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے عنقریب دریائے فرات سے سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا تو جو شخص وہاں موجود ہو وہ اس میں سے کچھ نہ بھی لے۔

(۲۴۹۳) يَحْسِرُ عَنْ جَبَلٍ مِّنْ ذَهَبٍ.

ترجمہ: سونے کا پہاڑ نمودار ہوگا۔



أَبْوَابُ صِفَةِ جَهَنَّمَ

دوزخ کے بیان میں

کہ جنت کی لذتوں اور راحتوں کو اس دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے کوئی نسبت نہیں، وہاں کی نعمتیں ابدی ہیں، اور یہاں کی لذتیں اور راحتیں فانی ہیں، اسی طرح دوزخ کی کلفتیں اس دنیا کے دکھوں سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں، وہ کلفتیں ابدی ہیں، اور اس دنیا کی تکلیفیں ختم ہونے والی ہیں۔

پس جب ہم لفظ سیب یا انگور سنتے ہیں تو دنیا کے سیب اور انگور ہمارے ذہن میں آتے ہیں، اسی طرح جب ہم سانپ بچھو کے الفاظ سنتے ہیں تو اس دنیا کے سانپ بچھو ہمارے ذہن میں آتے ہیں، ہم ان لفظوں سے جنت کے سیب اور انگور کا اور جہنم کے سانپ اور بچھو کا پورا اندازہ نہیں کر سکتے، صرف دھندلا سا تصور ہی قائم ہو سکتا ہے۔

اور جنت و دوزخ کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، بلکہ اس بیان کا مقصد جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی، اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ النَّارِ

باب ۱: دوزخ کا حال

(۲۳۹۶) يُؤْتَىٰ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ مَّعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يُجْرُونَ بِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب جہنم کو لایا جائے گا تو اس کے ہمراہ ستر ہزار لگا میں ہوں گی اور ہر ایک لگام کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔

(۲۳۹۷) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُخْرَجُ عُنُقُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُولُ إِنِّي وَكَلْتُ بِغَلَاثَةِ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَبِالنَّصُورِيِّينَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جس کے ذریعے وہ دیکھ

رہی ہوگی دوکان ہوں گے جس کے ذریعے وہ سن رہی ہوگی اور ایک زبان ہوگی جس کے ذریعے وہ بولے گی اور وہ یہ کہے گی مجھے تین طرح کے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے ہر سرکش ظالم پر اور ہر اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کے ہمراہ کسی اور کی عبادت کرتا ہو اور تصویر بنانے والوں پر۔
لعنات: جہنم: آخرت کی آگ کا نام ہے اکثر نحوی حضرات کے نزدیک یہ عجمی لفظ ہے اور عجمہ اور تعریف کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ یوٹی مجہول کا صیغہ ہے لایا جائے گا۔ میجر و نہا: وہ فرشتے اس جہنم کو کھینچ کر لائیں گے عنق: دوزخ کی آگ کی لمبی گردن۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے ایک طاقتور شخص مراد ہے (۱) وکلت: متکلم مجہول مجھے مقرر کیا گیا ہے عنید ظالم جو جاننے کے باوجود حق کو رد کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ قَعْرِ جَهَنَّمَ

باب ۲: جہنم کی گہرائی کا بیان

(۲۴۹۸) إِنَّ الصَّخْرَةَ الْعَظِيمَةَ لَتُلْقَى مِنْ شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَتَهْوِي فِيهَا سَبْعِينَ عَامًا وَمَا تُفْضِي إِلَى قَرَارِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں اگر ایک بڑے پتھر کو جہنم کے گڑھے میں ڈال دیا جائے اور وہ اس میں ستر برس تک نیچے گرتا رہے تو پھر بھی اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے گا۔

(۲۴۹۹) الصُّعُودُ جَبَلٌ مِّنْ ثَّارٍ يَتَصَعَّدُ فِيهِ الْكَافِرُ سَبْعِينَ خَرِيفًا وَيَهْوِي فِيهِ كَذَلِكَ أَبَدًا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے صعود جہنم کا ایک پہاڑ ہے جس پر کافر شخص ستر سال تک چڑھتا رہے گا اور پھر اس سے اتنے ہی عرصے تک گرتا رہے گا۔

تشریح: باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ جہنم کی گہرائی کا ذکر فرمایا وہ یہ جہنم کے کنارے سے ایک بہت بڑا سخت پتھر اگر اس میں ڈال دیا جائے اور مسلسل ستر سال تک وہ نیچے گرتا رہے تب بھی جہنم کی یہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ستر کے عدد سے مخصوص تعداد مراد نہیں ہے بلکہ اس سے کثرت و زیادتی مراد ہے معنی یہ ہیں کہ بیسیوں سال بھی اگر وہ پتھر جہنم میں نیچے کی طرف گرتا رہے تو بھی وہ اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا اس سے اندازہ لگائیے کہ جہنم کس قدر وسیع و عریض اور گہری ہے چنانچہ عتبہ بن غزو ان کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق فرماتے تھے کہ دوزخ کو کثرت سے یاد کیا کرو، اس کی گرمی بہت سخت اس کی گہرائی بہت بعید اور اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں بار بار یاد کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دل نیکی کی طرف مائل ہوگا اور گناہوں سے پھر جائے گا۔ (تحفۃ الاحوذی ۷/ ۲۵۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی اس آیت سَأَرْهَقُهُ صُعُودًا کی تفسیر میں فرمایا کہ صعود جہنم کا ایک پہاڑ ہے، کافر کو اس پر چڑھنے کا حکم ہوگا، جب وہ اس پہاڑ پر ہاتھ رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا اور جب ہاتھ اٹھالے گا تو پہاڑ صحیح سالم ہو جائے گا ایسے ہی جب کافر اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا اٹھائے گا تو وہ پہاڑ صحیح حالت میں ہو جائے گا وہ ستر سال میں اس پر چڑھے گا اور اتنی ہی مدت میں اس سے اترے گا۔

لَعْنَاتُ: صخرۂ رخ کے سکون کے ساتھ بڑا سخت پتھر، لتلقی صینہ مجہول پھینکا جائے گا ڈالا جائے گا، شفیر کنارہ، تھوڑی فیہا جہنم میں گرتا رہے گا، ماتفضی وہ پتھر نہیں پہنچ سکے گا، قرارہا جہنم کی گہرائی اس کی تہ قعر عین کے سکون کے ساتھ گہرائی تہ، مقام مقبحة کی جمع ہے ہتھوڑے کوڑے۔ صعود جہنم کا ایک پہاڑ۔ یتصعد: صینہ معروف چڑھتا ہے۔ خریفاً: سال۔ ابدًا: ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَظْمِ أَهْلِ النَّارِ

باب ۳: جہنمی عظیم الجثہ ہوں گے

(۲۵۰۰) إِنَّ غُلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اثْنَانِ ۖ وَأَرْبَعُونَ ذِرَاعًا ۖ وَإِنْ ضُرْسُهُ مِثْلُ أَحَدٍ ۖ وَإِنْ فُجِلِسُهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کافر شخص کی کھال ۲۲ گز موٹی ہوگی اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی اور اس کے بیٹھنے کی جگہ جہنم میں اتنی ہوگی جتنا مکہ مدینہ کا درمیانی فاصلہ ہے۔

(۲۵۰۱) ضِرْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلُ أَحَدٍ ۖ وَتُخَذُ لَهُ مِثْلُ الْبَيْضَاءِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ مَسِيرَةُ ثَلَاثِ مِثْلِ الرَّبْدَةِ.

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن کافر شخص کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی اور اس کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح ہوگی اور جہنم میں اس کے بیٹھنے کی جگہ تین دن کے فاصلے جتنی ہوگی جتنا ربذہ تک فاصلہ ہے۔

(۲۵۰۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ ضِرْسُ الْكَافِرِ مِثْلُ أَحَدٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کافر شخص کی داڑھ احد پہاڑ کی مانند ہوگی۔

(۲۵۰۳) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْكَافِرَ لَيَسْحَبُ لِسَانَهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّأُ النَّاسُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کافر شخص اپنی زبان کو ایک یا دو فرسخ تک باہر نکال دے گا اور لوگ اسے اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گے۔

اس باب کی احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں کافروں کے جسم بڑے اور پھیلے ہوئے ہوں گے جبکہ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگوں کو میدان حشر میں اس طرح لایا جائے گا کہ ان کے جسم چوٹیوں کی طرح ہوں گے یہ تو تعارض ہے؟
جواب ①: حدیث میں متکبرین سے گنہگار مومن مراد ہیں جبکہ باب کی احادیث میں کفار کا ذکر ہے کہ ان کے جسم بہت بڑے کر دیئے جائیں گے۔

جواب ②: بعض نے کہا کہ میدان حشر میں تو انہیں چوٹیوں کے جسم میں لایا جائے گا جہاں وہ لوگوں کے قدموں کے نیچے روندے

جائیں گے اس کے بعد ان کے بدن اپنی شکل میں ہو جائیں گے پھر انہیں دوزخ میں ڈال کر ان کے جسم غیر معمولی ساخت میں بڑے کر دیئے جائیں گے جیسا کہ مذکورہ احادیث میں بیان کیا گیا ہے تاکہ انہیں زیادہ عذاب دیا جاسکے۔

جواب ③: بعض نے کہا ہے کہ اہل دوزخ کے عذاب مختلف ہوں گے بعضوں کو عذاب کے طور پر چیونٹیوں کی طرح کر دیا جائے گا اور بعضوں کے جسموں کو غیر معمولی انداز سے بڑا کر دیا جائے گا چنانچہ جس کافر پر جس قدر سخت عذاب کا فیصلہ ہوگا تو اس کا جسم بھی اسی قدر بڑی جسامت والا اور اس کے بیٹھنے کی جگہ بھی زیادہ لمبی چوڑی ہوگی اور جو کافر نسبتاً ہلکے عذاب میں ہوگا تو اس کی جسامت اور بیٹھنے کی جگہ بھی نسبتاً کم لمبی چوڑی ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے اس آیت یعنی ﴿اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ (آل عمران: ۱۰۲) کے بعد اہل دوزخ کی غذا زقوم کو ذکر فرمایا اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تقویٰ ہی عذاب دوزخ سے بچنے کا اصل سبب ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار نہ کرے تو وہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہو سکتا ہے۔

اور زقوم اہل دوزخ کی غذا ہوگی یہ ایک تلخ اور بدبودار درخت کا پھل ہے جو جہنمیوں کی غذا ہوگا وہ اتنا زہریلا گرم اور بدبودار ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا پر پکا دیا جائے تو ساری دنیا کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے تو جن لوگوں کی یہ خوراک ہوگا ان کا کیا حال ہوگا اللہ ہی محفوظ رکھے

لعنات: خس: دانت داڑھ۔ بیضاء: ایک پہاڑ کا نام ہے۔ لیسحب: گھسیٹے گا لے گا۔ فرسخ: زمین کی مسافت جو انگریزی تین میل کے برابر ہو۔ يتوطأ: اس زبان کو روندیں گے روندتے پھریں گے۔ غَلَطَ: موٹا ہونا موٹائی۔ ذراعاً: ہاتھ، گز۔ رُبْدَاةٌ: مدینہ منورہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ایک قصبہ جو ذات عرق کے قریب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ أَهْلِ النَّارِ

باب ۴: جہنمیوں کے مشروب کا بیان

(۲۵۰۴) فِي قَوْلِهِ ﴿كَالْهَلِ﴾ قَالَ كَعَكْرِ الزَّيْتِ فَإِذَا قَرَّبَهُ إِلَى وَجْهِهِ سَقَطَتْ فَرْوَةٌ وَجْهِهِ فِيهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں (جو قرآن پاک کے اس لفظ کے بارے میں ہے) کالہل آپ فرماتے ہیں یہ پچھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جب کوئی دوزخی شخص اپنا منہ اس کے قریب لے جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس کے اندر گر جائے گی۔

(۲۵۰۵) إِنَّ الْحَمِيمَ لَيَصَّبُ عَلَى رُئُوسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيمُ حَتَّى يَخْلُصَ إِلَى جَوْفِهِ فَيَسْلُتُ مَا فِي جَوْفِهِ حَتَّى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کھولتا ہوا پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا تو وہ سرایت کرتے ہوئے ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا اور ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ باہر نکل آئے گا اور ان کے منخنوں میں پہنچ جائے گا اسی کا نام گل جانا ہے پھر وہ پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔

(۲۵۰۶) عَنْ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ (وَيُسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ) قَالَ يُقَرَّبُ إِلَى فِيهِ فَيَكْرَهُهُ فَإِذَا أُذِنَ مِنْهُ شَوَى وَجْهَهُ وَوَقَعَتْ فَرْوَةٌ رَأْسَهُ فَإِذَا شَرِبَهُ قَطَعَ أَمْعَاءَهُ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ دُبُرِهِ يَقُولُ اللَّهُ (وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ) وَيَقُولُ (وَأَنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ).

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (کی تفسیر کے بارے میں ہے جو قرآن پاک میں ہے)۔ انہیں پیپ کا مشروب پلایا جائے گا جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے ان کے منہ کے قریب کیا جائے گا وہ اسے ناپسند کریں گے جب وہ ان کے منہ کے پاس ہوگا تو ان کے چہرے کو جلا دے گا اور اس شخص کے سر کی کھال اس میں گر پڑے گی پھر جب وہ اسے پئے گا تو یہ اس کی آنتوں کو کاٹ دے گا یہاں تک کہ اس کے پاخانے کے مقام سے باہر نکل آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں ایسا پانی دیا جائے گا جو پچھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا وہ بہت برا مشروب ہے اور وہ کتنی بری جگہ ہوگی۔

(۲۵۰۷) ﴿كَالْمُهْلِ﴾ كَعَكْرِ الزَّيْتِ فَإِذَا قُرِبَ إِلَيْهِ سَقَطَتْ فَرْوَةٌ وَجْهَهُ فِيهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (قرآن پاک میں ارشاد ہے) کالمہل آپ ﷺ فرماتے ہیں اس نے مراد (کھولتے ہوئے گرم) تیل کی تلچٹ کی مانند ہے جسے اس جہنمی کے قریب کیا جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

(۲۵۰۸) لِسَرَادِقِ النَّارِ أَرْبَعَةُ جُدُرٍ كَثُفَ كُلِّ جِدَارٍ مِثْلَ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ سَنَةً.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم میں چار دیواریں ہیں جن میں سے ہر ایک دیوار کی موٹائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہے۔

(۲۵۰۹) لَوْ أَنَّ دُلُومًا مِنْ غَسَاقٍ يَهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَأَنْتَنَ أَهْلُ الدُّنْيَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنمیوں کی پیپ کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو ساری دنیا میں اس کی بدبو پھیل جائے۔

(۲۵۱۰) أَنْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ (اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُومِ قُطِرَتْ فِي دَارِ الدُّنْيَا لَأَفْسَدَتْ عَلَى أَهْلِ الدُّنْيَا مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ يَمُنُّ يَكُونُ طَعَامَهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اور تم مرتے وقت صرف مسلمان ہونا۔ آپ ﷺ نے یہ بات بھی فرمائی ہے اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں پکا دیا جائے تو اہل دنیا کی زندگی برباد کر دے تو اس شخص کا کیا عالم ہوگا جس کی خوراک یہ ہوگی؟

لعنات: مہل ہر سکون تیل کی تلچٹ عکرتیل کی تلچٹ فزوة چمڑا کھال حمیم کھولتا ہوا گرم پانی یصب صیغہ مجہول ڈالا جائے گا

گرایا جائے گا۔ یمنفذ نفوذ کر جائے گا سریات کرے گا حتیٰ یخلص یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے گا۔ یسلط وہ کاٹ دے گا۔ حتیٰ یمرق یہاں تک کہ وہ نکل جائے گا۔ صہر: پگھلانا۔ صدید: پیپ۔ یتجرعہ: وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا۔ الی فیہ: اس کے منہ کی طرف ادنیٰ صیغہ مجہول قریب کیا جائے گا۔ شوی: بھون ڈالے گا۔ مرتفقا: رہنے کی جگہ منزل۔ سُر ادق: چاروں طرف سے گھیرنے والی دیوار یا پردہ اور قناتیں وغیرہ۔ کشف: موٹائی۔ غساق (س تشدید) دوزخیوں کی کھال سے بننے والا خراب خون اور پیپ۔ انتن: سڑ جائیں بد بودار ہو جائیں۔ یہرا: (ق صیغہ مجہول) بہایا جائے۔ زقوم: ایک تلخ اور بد بودار درخت جس کا پھل اہل دوزخ کی غذا ہے اور اس کی جڑ دوزخ کی تہ میں ہے دوزخی کڑواہٹ کی وجہ سے اسے نہیں کھائیں گے تو زبردستی انہیں کھلایا جائے گا، تھوہر۔ قطرت: صیغہ مجہول قطرہ ٹپکایا جائے گا۔ افسدت: تہس نہس کر دے تباہ و برباد کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ

باب ۵: جہنمیوں کے کھانے پینے کی چیزوں کا بیان

(۲۵۱۱) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُلْقَى عَلَى أَهْلِ النَّارِ الْجُوعُ فَيَعْدِلُ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ فَيَعَاثُونَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِيعٍ لَا يُسِينُ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ جُوعٌ فَيَسْتَغِيثُونَ بِالطَّعَامِ فَيَعَاثُونَ بِطَعَامٍ ذِي غُصَّةٍ فَيَذْكُرُونَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُجِيزُونَ الْغُصَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ بِالشَّرَابِ فَيَذْفَعُ إِلَيْهِمُ الْحَمِيمَ بِكَلَالِيْبِ الْحَدِيدِ فَإِذَا أَدْنَتْ مِنْ وَجُوْهِهِمْ شَوْتٌ وَجُوْهِهِمْ فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُونُهُمْ قَطَعَتْ مَا فِي بُطُونِهِمْ فَيَقُولُونَ ادْعُوا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ فَيَقُولُونَ أَوَلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَى قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ قَالَ فَيَقُولُونَ يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ فَيُجِيبُهُمْ إِنَّكُمْ مَا كَثُورُونَ قَالَ الْأَعْمَشُ نَبِئْتُ أَنَّ بَيْنَ دُعَائِهِمْ وَبَيْنَ إِبَابَةِ مَالِكٍ إِيَّاهُمْ أَلْفَ عَامٍ قَالَ فَيَقُولُونَ ادْعُوا رَبَّكُمْ فَلَا أَحَدَ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَيَقُولُونَ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ قَالَ فَيُجِيبُهُمْ احْسُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ قَالَ فَعِنْدَ ذَلِكَ يَدْعُوا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذَلِكَ يَأْخُذُونَ فِي الزَّفِيرِ وَالْحُسْرَةِ وَالْوَيْلِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اہل جہنم کو بھوک میں مبتلا کیا جائے گا تو یہ ان کے لیے اتنی ہی تکلیف دہ ہوگی جتنا عذاب تکلیف دہ ہوگا تو وہ کھانے کے لیے مانگیں گے تو انہیں ضریع (یعنی خاردار زہریلی جھاڑی) کھانے کے لیے دی جائے گی اور بھوکے رہنے کی وجہ سے وہ موٹے نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان کی بھوک ختم ہوگی وہ پھر کھانے کے لیے مانگیں گے تو انہیں ذی غصہ خوراک دی جائے گی (یعنی جوا نکنے والی ہوگی) تو وہ اس بات کا تذکرہ کریں گے وہ لوگ دنیا میں نوالہ انک جانے پر پانی پیا کرتے تھے پھر وہ پانی مانگیں گے تو لوہے کے برتنوں میں ان کی طرف پانی پھینکا جائے گا جب وہ ان کے چہرے کے قریب ہوگا تو ان کے چہرے کو بھون دے گا جب وہ ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹ میں موجود ہر چیز کو کاٹ دے گا تو وہ لوگ یہ کہیں گے جہنم کے دربانوں

کے بلاؤ تو وہ دربان یہ کہیں گے کیا رسول تمہارے پاس واضح نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے جی ہاں تو وہ دربان کہیں گے اب تم پکارو کفار کی پکار صرف گمراہی ہے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں پھر وہ لوگ یہ کہیں گے اے مالک (یعنی جہنم کے داروغہ) ہمارا پروردگار ہمارا فیصلہ کر دے آپ ﷺ فرماتے ہیں تو وہ داروغہ انہیں جواب دے گا تمہارا فیصلہ ہو چکا ہے۔
اعش نامی راوی بیان کرتے ہیں مجھے یہ بات بتائی گئی ہے ان کے پکارنے اور مالک (یعنی جہنم کے داروغہ) کے انہیں جواب دینے کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہوگا۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر وہ لوگ یہ کہیں گے تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کیونکہ تمہارے پروردگار سے زیادہ بھلائی عطا کرنے والا اور کوئی نہیں ہے تو وہ لوگ یہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے پروردگار تو ہمیں یہاں سے نکال دے اگر ہم نے دوبارہ ایسا کیا تو ہم ظالم ہوں گے۔
آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر پروردگار انہیں جواب دے گا اب ذلت کے ساتھ تم یہیں رہو اور میرے ساتھ کوئی کلام نہ کرنا۔
نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں اس وقت وہ لوگ ہر طرح کی بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور اس وقت وہ حسرت افسوس اور چیخ و پکار میں مصروف ہو جائیں گے۔

(۲۵۱۲) ﴿وَهُمْ فِيهَا كَالْحَيَوْنِ﴾ (المؤمنون: ۱۰۴) قَالَ تَشْوِيهِ النَّارُ فَتَقْلَصُ شَفَتُهُ الْعُلْيَا حَتَّى تَبْلُغَ وَسَطَ رَأْسِهِ وَتَسْتَرْجِي شَفَتُهُ السُّفْلَى حَتَّى تَضْرِبَ سُرَّتَهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے) اور وہ لوگ اس میں بد شکل ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں آگ ان کے چہروں کو جلادے گی اور ان کا اوپر کا ہونٹ سکڑ جائے گا یہاں تک کہ وہ سر کے درمیانی حصے تک پہنچ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ لٹک جائے گا یہاں تک کہ اس کی ناف تک پہنچ جائے گا۔

(۲۵۱۳) لَوْ أَنَّ رَصَاصَةً مِثْلَ هَذِهِ وَأَشَارَ إِلَى مِثْلِ الْجُمَّةِ أُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ هِيَ مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ لَبَلَّغَتْ الْأَرْضَ قَبْلَ اللَّيْلِ وَلَوْ أَنَّهَا أُرْسِلَتْ مِنْ رَأْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ أَصْلَهَا أَوْ قَعَهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر اتنا سیسہ (نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر کی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) آسمان سے زمین کی طرف ڈال دیا جائے جس کا فاصلہ پانچ سو برس ہے تو وہ رات ہونے سے پہلے زمین تک پہنچ جائے گا اور اگر اسے زنجیر کے سرے سے لٹکا کر (جہنم میں ڈالا جائے گا) تو وہ چالیس سال میں اس کی تہ تک پہنچے گا اس عرصے میں دن اور رات سب شامل ہوں گے۔
تشریح: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل جہنم کا یہ آخری کلام ہوگا جس کے جواب میں حکم ہو جائے گا کہ ہم سے کلام نہ کرو پھر وہ کسی سے کچھ بھی کلام نہ کر سکیں گے جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو طرف بھونکیں گے۔

دوزخیوں کو باندھنے کی زنجیر:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زنجیر سے وہ زنجیر مراد جس میں کافر دوزخی کو اس طرح جکڑا جائے گا کہ پاخانے

کے راستے سے اس میں ڈال کر ناک کے راستے سے اسے نکالا جائے گا تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے۔ اس زنجیر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقۃ کی اس آیت میں کیا ہے: ﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾ (الحاقۃ: ۳۲) ”پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس دوزخی کو ایک زنجیر میں جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز ہے۔“

اعتراض: قرآن کریم کی اس آیت میں اس زنجیر کی لمبائی ستر گز بیان کی گئی ہے جبکہ اس باب کی تیسری حدیث میں اس زنجیر کی اس سے کہیں زیادہ لمبائی کا ذکر ہے تو بظاہر ان دونوں مقداروں میں تعارض سا ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱) تعارض نہیں کیونکہ ستر کے عدد سے کوئی مخصوص تعداد مراد نہیں بلکہ اس سے محض کثرت و مبالغہ مراد ہے اور عربی زبان میں سے ستر کے عدد سے کثرت کے معنی مراد لینا عام ہے۔

(۲) اس گز سے دنیا کا گز مراد نہیں بلکہ اس سے آخرت کا گز مراد ہے جس کی وسعت لمبائی اور کیفیت و صورت اللہ ہی کو معلوم ہے اسے دنیا کے گز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال باب کی تیسری حدیث سے اس زنجیر کی لمبائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر ایک سیسہ کا گولہ آسمان سے پھوڑا جائے تو وہ تھوڑی سی دیر میں زمین پر پہنچ جائے گا کیونکہ گولہ اور بھاری چیز اوپر سے نیچے کی طرف بہت جلدی آتی ہے حالانکہ زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے لیکن اگر وہی گولہ اس زنجیر کے ایک سرے سے چھوڑا جائے تو یہ چالیس سال تک چلنے کے بعد وہ گولہ اس زنجیر کے دوسرے سرے تک پہنچ سکے گا اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ زنجیر کتنی بڑی ہوگی ہر کافر دوزخی کو اس میں جکڑا جائے گا تاکہ وہ آگ سے بچاؤ کے لیے ادھر ادھر حرکت نہ کر سکے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس سے امان رکھے۔ (شرح طبری: ۱۰/۲۸۷)

لغات: ضریع: دوزخ کا ایک خاردار اور بہت کڑوا درخت جو بدبودار اور انتہائی زہریلا ہوگا یہاں حدیث میں ضریع سے آگ کے کانٹے مراد ہیں جو ایلوے سے زیادہ کڑوے مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوں گے۔ لایسمن: مونا نہیں کرے گا۔ ذی غصۃ گلے میں اٹک جانے والا۔ یجیزون: گزار لیتے ہیں آسانی سے نگل لیتے ہیں۔ غصص: غصۃ کی جمع ہے انکی ہوئی چیز اٹکا ہوا لقمہ۔ کلایب: کلوب کی جمع ہے آکٹڑے خم دار تین نوکی لوہے کی سلاح جو کسی پھنسی ہوئی چیز کو نکالنے کے لیے ہوتی ہے زہور دنت گرم پانی کے برتن ان کے قریب ہوں گے شوت بھون ڈالیں گے۔ اخسؤ و فیہا: تم جہنم میں ہی پھنکارے ہوئے۔ رھویئسوا: ناامید ہو جائیں گے زفر: گدھے کی طرح چیخ و پکار اور آواز۔ حسرة: افسوس۔ ویل: ہلاکت و تباہی کلمہ عذاب ہے۔ کالحون: بد شکل بگڑی ہوئی شکل والے جس کے دونوں ہونٹ اس کے دانتوں کو نہ چھپائیں ایک اوپر رہے اور دوسرا نیچے اور دانت نکلے ہوئے نظر آئیں تشویہ النار آگ اس کو بھون ڈالے گی۔ تقلص: سمٹ جائے گا۔ شفة العلیا: اوپر کے ہونٹ۔ تسترخی: لٹک جائے گا۔ سرتہ: اس کی ناف تک۔ رصاصة: سیسہ رائگ کا گولہ۔ جھجبة: سر کی کھوپڑی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ نَارَكُمْ هَذِهِ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءٍ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ

باب ۶: دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا ستر واں حصہ ہے

(۲۵۱۳) نَارُكُمْ هَذِهِ الَّتِي تُوقِدُونَ جُزْءٌ وَاحِدٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ قَالُوا وَاللَّهِ إِنْ كَانَتْ لَكُلِّ فِئَةٍ

يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَإِنَّهَا فَضِّلَتْ بِتِسْعَةِ وَسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تم لوگوں کی یہ آگ جسے انسان جلاتے ہیں یہ جہنم کی آگ کا ۷۰ واں جز ہے لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ کی قسم یہی کافی ہے یا رسول اللہ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے ۶۹ گناہ فضیلت دی گئی ہے اور اس میں سے ہر ایک گناہ کی گرمی اس کے برابر ہے۔

(۲۵۱۵) تَارُكُهُ هَذِهِ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءٍ مِّنْ تَارِ جَهَنَّمَ لِكُلِّ جُزْءٍ مِّمَّهَا حَرُّهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا ۷۰ واں جز ہے ان میں سے ہر ایک جز کی گرمی اس گرمی کی مانند ہے۔ تشریح: دنیا کی بھی سب آگیں حرارت میں یکساں نہیں، بعض بعض سے بڑھی ہوئی ہیں، جیسے لکڑی کی آگ میں گھاس پھوس کی آگ سے زیادہ گرمی ہے، اور پتھر کے کونکے کی آگ میں اس سے بھی زیادہ حرارت ہے، اور جب بم پھٹتا ہے اور اس سے آگ نکلتی ہے تو اس کا درجہ حرارت بدرجہا بڑھا ہوا ہوتا ہے، اور اب ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جن سے پتا چلا لیا جاتا ہے کہ کس آگ کی گرمی دوسری آگ سے کس درجہ کم یا زیادہ ہے، اس لئے اب یہ بات سمجھنا کچھ مشکل نہیں، کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا حرارت میں بڑھی ہوئی ہے، اور ستر کا عدد عربی میں محض کثرت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ دوزخ کی آگ اپنی گرمی میں اور جلانے کی صفت میں دنیا کی آگ سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

یہ ارشاد پاک سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! سزا دینے کے لئے دنیا کی یہ آگ ہی کافی تھی! اس پر آپ ﷺ نے اور زیادہ واضح لفظوں میں پہلا والا مضمون دہرایا، کوئی نیا جواب نہیں دیا، یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ بندوں کو آتش دوزخ سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے، آخرت کی چیزوں کی تفصیلات جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا ہے، اور جو کچھ کیا ہے، اور جو کچھ وہ کریں گے: سب ٹھیک ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی آگ کی جہنم کی آگ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن چونکہ دنیا میں شدید ترین سزا آگ کے ذریعہ ہوتی ہے اس لیے سمجھانے کے لیے جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کے مقابلے میں ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ لِلنَّارِ نَفْسَيْنِ وَمَا ذَكَرَ مَنْ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ التَّوْحِيدِ؟

باب ۸: دوزخ کے دو سانس، اور یہ بات کہ کون سا مسلمان دوزخ سے نکلے گا؟

(۲۵۱۷) اَشْتَكَّتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا وَقَالَتْ أَكَلْتُ بَعْضِي بَعْضًا فَجَعَلَ لَهَا نَفْسَيْنِ نَفْسًا فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسًا فِي الصَّيْفِ فَأَمَّا نَفْسُهَا فِي الشِّتَاءِ فَرَمَهِيرٌ وَأَمَّا نَفْسُهَا فِي الصَّيْفِ فَسَبُومٌ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں شکایت کی اس نے عرض کی میرا ایک حصہ دوسرے کو کھا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی ایک مرتبہ سردی کے موسم میں اور ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں جہاں تک سردی کے موسم میں اس کے سانس لینے کا تعلق ہے تو انتہائی شدید سردی اسی وجہ سے ہوتی ہے جہاں تک گرمی کے موسم میں اس کے

سانس لینے کا تعلق ہے تو شدید اس کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۲۵۱۸) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ قَالَ هِشَامٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ وَقَالَ شُعْبَةُ آخِرُ جُؤَامِنِ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِينُ شَعِيرَةً آخِرُ جُؤَامِنِ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِينُ بُرَّةً آخِرُ جُؤَامِنِ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مَا يَزِينُ ذُرَّةً وَكَانَ مُحَقَّقَةً.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے یہاں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں جہنم میں سے نکلیں گے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں تم جہنم میں سے نکال دو ہر اس شخص کو جو یہ اعتراف کر چکا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اس کے دل میں اتنی بھلائی ہو جو ایک جو کے وزن جتنی ہو اور تم لوگ جہنم میں سے نکال دو ہر اس شخص کو جو کلمہ پڑھ چکا ہو اور اس کے دل میں اتنی بھلائی ہو جو گندم کے دانے کے برابر ہو اور تم جہنم میں سے نکال دو ہر اس شخص کو جو کلمہ پڑھ چکا ہو اور اس کے دل میں (اتنی بھلائی ہو) جو ایک چھوٹی چیونٹی کے وزن جتنی ہو۔ شعبہ کی نقل کردہ روایت میں یہ الفاظ ہیں ہلکی چیونٹی کے وزن جتنی ہو۔

(۲۵۱۹) آخِرُ جُؤَامِنِ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِي يَوْمًا أَوْ خَافَنِي فِي مَقَامٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا جہنم میں سے ہر اس شخص کو نکال دو جس نے کسی بھی دن میرا ذکر کیا ہو یا کسی بھی موقع پر مجھ سے ڈر گیا ہو۔

باب ۹

(۲۵۲۰) إِنِّي لَا أَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَيَقُولُ يَارَبِّ قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ قَالَ فَيَقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيَزْجَعُ فَيَقُولُ يَارَبِّ قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ قَالَ فَيَقَالُ لَهُ أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيَقَالُ لَهُ تَمَنَّيَ قَالَ فَيَتَمَنَّى فَيَقَالُ لَهُ فَإِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَعَشْرَةَ أَضْعَافِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُولُ أَتَسْخَرُنِي وَأَنْتَ الْمَلِكُ قَالَ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں جہنم سے نکلنے والے آخری شخص کو جانتا ہوں یہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے جہنم سے نکلے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار لوگ تو اپنی جگہ پر پہنچ چکے ہیں تو آپ ﷺ فرماتے ہیں اس سے کہا جائے گا تم جنت کی طرف چلے جاؤ تو وہ دیکھے گا کہ لوگ اپنی جگہ پر پہنچ چکے ہیں وہ واپس آئے گا اور عرض کرے گا اے میرے پروردگار لوگوں نے تو اپنی جگہ حاصل کر لی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں تو اس سے کہا جائے گا کیا تم اس وقت کو یاد کرو گے؟ جس صورت حال میں تم پہلے تھے تو وہ جواب دے گا جی ہاں تو اس سے کہا جائے گا تم نے جو آرزو کی ہے وہ اب تمہارا ہوا اور اس کا دس گناہ مزید تمہارا ہوا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں وہ عرض کرے گا یہ کیا تو میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے جبکہ تو بادشاہ ہے؟ راوی بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں نظر آنے لگی۔

(۲۵۲۱) اِنِّیْ لَا عَرِْفُ اٰخِرِ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِّنَ النَّارِ وَاٰخِرِ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةِ یُوْنٰی بِرَجُلٍ فِیْقُوْلُ سَلُوْا عَنْ صِغَارِ ذُنُوْبِهِ وَاٰخِبُوْهُ کِبَارَهَا فِیْقَالَ لَهُ عَمِلْتَ کَذَا وَکَذَا یَوْمَ کَذَا وَکَذَا عَمِلْتَ کَذَا وَکَذَا فِیْ یَوْمٍ کَذَا وَکَذَا قَالَ فِیْقَالَ لَهُ فَاِنَّ لَكَ مَمَّا لَكَ کُلِّ سَیِّئَةٍ حَسَنَةً قَالَ فِیْقُوْلُ یَا رَبِّ لَقَدْ عَمِلْتُ اَشْیَاءَ مَا اَرَاهَا هُنَا قَالَ فَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَحِیْحًا حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں جہنم سے نکلنے والے سب سے آخری اور جنت میں داخل ہونے والے سب سے آخری شخص کو جانتا ہوں ایک شخص کو لایا جائے گا تو پروردگار فرمائے گا اس سے اس کے چھوٹے گناہوں کے بارے میں سوال کرو اور اس کے بڑے گناہوں کو چھپا کر رکھو پھر اسے کہا جائے گا کیا تمہیں یاد ہے فلاں فلاں دن تم نے یہ عمل کیا تھا؟ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں تو اس سے کہا جائے گا تمہاری ہر ایک برائی کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں تو وہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میرے کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جو مجھے یہاں نظر نہیں آرہے راوی بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ مسکرا دیئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے کنارے کے دانت نظر آنے لگے۔

(۲۵۲۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُعَذَّبُ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ التَّوْحِیْدِ فِی النَّارِ حَتّٰی یَكُوْنُوْا فِیْهَا حُمَمًا ثُمَّ تُدْرِكُهُمُ الرَّحْمَةُ فِیْخْرَجُوْنَ وَیُطْرَحُوْنَ عَلٰی اَبْوَابِ الْجَنَّةِ قَالَ فِیْرُشٌ عَلَیْهِمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْمَاءُ فِیَنْبُتُوْنَ کَمَا یَنْبُتُ الْغُلَاءُ فِیْ حِمَالَةِ السَّیْلِ ثُمَّ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اہل توحید میں سے کچھ لوگوں کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لوگ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے پھر رحمت انہیں آ لے گی اور وہ وہاں سے نکالے جائیں گے انہیں جنت کے دروازوں پر ڈال دیا جائے گا آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر اہل جنت ان پر پانی بہائیں گے تو وہ یوں پھوٹ پڑیں گے جیسے سیلابی پانی کی گزرگاہ میں کوئی دانہ اگتا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر وہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

(۲۵۲۳) یُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْاِیْمَانِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم میں سے ہر ایسا شخص نکل جائے گا جس کے دل میں چھوٹی چوٹی ایمان کے برابر ایمان ہوگا۔

(۲۵۲۴) اِنَّ رَجُلَیْنِ مِّنْ دَخَلَ النَّارَ اَشْتَدَّ صِیَاحُهُمَا فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ اَخْرِجُوْهُمَا فَلَمَّا اُخْرِجَا قَالَ لَّهُمَا لَا یَّیْ شِیْءٍ اَشْتَدَّ صِیَاحُکُمَا قَالَا فَعَلْنَا ذٰلِکَ لِتَرْحَمَنَا قَالَ اِنَّ رَحْمَتِیْ لَکُمَا اَنْ تَنْطَلِقَا فَتُلْقِیَا اَنْفُسَکُمَا حَیْثُ کُنْتُمَا مِنَ النَّارِ فِیَنْطَلِقَانِ فِیُلْقِیْ اَحَدُهُمَا نَفْسَهُ فِیْجْعَلُهَا عَلَیْهِ بَرْدًا وَسَلَامًا وَیَقُوْمُ الْاٰخِرُ فَلَا یُلْقِیْ نَفْسَهُ فِیْقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُلْقِیْ نَفْسَکَ کَمَا اَلْقٰی صَاحِبُکَ فِیْقُوْلُ یَا رَبِّ اِنِّیْ لَا رَجُوْا اَنْ لَا تُعِیْدَنِیْ فِیْهَا بَعْدَ مَا اُخْرِجْتَنِیْ فِیْقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ لَکَ رَجَاؤُکَ فِیَدْخُلَانِ جَمِیْعًا الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم میں داخل ہونے والے دو آدمی زور سے چلائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان دونوں کو نکالو جب ان دونوں کو نکال دیا جائے گا تو ان سے دریافت کیا جائے گا تم کس وجہ سے چیخ و پکار کر رہے تھے؟ وہ عرض کریں گے ہم ایسا اس لیے کر رہے تھے تاکہ تو ہم پر رحم کرے پروردگار فرمائے گا میری تمہارے لیے رحمت یہی ہے تم دونوں واپس جاؤ اور اپنے آپ کو وہیں ڈال دو پہلے جس جگہ تم جہنم میں تھے تو وہ دونوں چل پڑیں گے ان میں سے ایک شخص خود کو اس میں ڈال دے گا تو اللہ تعالیٰ اس آگ کو اس کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دے گا دوسرا شخص کھڑا رہے گا وہ خود کو جہنم میں نہیں ڈالے گا تو پروردگار اس سے فرمائے گا تم نے اپنے آپ کو اس طرح جہنم میں کیوں نہیں ڈالا؟ جیسے تمہارے ساتھی نے ڈال دیا ہے تو وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار مجھے یہ امید ہے کہ جب تو نے مجھے یہاں سے نکال دیا تو اب تو دوبارہ مجھے اس میں نہیں ڈالے گا تو پروردگار اس سے فرمائے گا تمہیں تمہاری امید کے مطابق ملتا ہے پھر وہ دونوں ایک ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۲۵۲۵) لِيَخْرُجَنَّ قَوْمٌ مِّنْ أُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي يُسْمُونَ الْجَهَنَّمِيُونَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری شفاعت کی وجہ سے میری امت کے کچھ لوگ جہنم سے نکلیں گے اور (جنت میں) ان کا نام جہنمی (یعنی جہنم سے نکل کر آئے ہوئے) رکھا جائے گا۔

(۲۵۲۶) مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارٍ بِهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ طَالِبَهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جہنم کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس سے بھاگنے والا شخص سو جائے اور میں نے جنت کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس کا طلب گار سو جائے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دس حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں دو مضمون ہیں: پہلی حدیث باب کے پہلے جزء سے متعلق ہے، اور باقی حدیثیں دوسرے جزء سے متعلق ہیں۔ سانس لینے کی دو صورتیں ہیں:

- ① باہر سے ہوا اندر لینا پھر اس کو باہر نکالنا، حیوانات اسی طرح سانس لیتے ہیں۔
- ② اندر کی گیس باہر نکالنا، جمادات اسی طرح سانس لیتے ہیں، انجن اسی طرح گیس پھینکتے ہیں، یہی ان کا سانس لینا ہے، جہنم بھی اسی طرح دو سانس لیتی ہے، ایک گرمیوں میں ایک سردی میں، اس کے سرد سانس سے دنیا میں سخت سردی ہوتی ہے، اور اس کے گرم سانس سے جھلسا دینے والی لو چلتی ہے۔

چنانچہ کافروں کو جس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا اسی طرح زمہر پر یعنی سخت ٹھنڈک کا عذاب بھی انہیں دیا جائے گا دنیا میں اس حرارت و برودت کا ظہور سورج کے ذریعہ ہوتا ہے زمین کا جو خطہ جس قدر سورج کے قریب ہوتا ہے اس میں شدید گرمی اور جو ممالک جس قدر اس سے دور ہیں اسی قدر ان میں گرمی کم اور سردی زیادہ ہوتی ہے اور جو علاقے سورج سے نہ تو بہت دور ہیں اور نہ بہت قریب ان میں سردی اور گرمی کا توازن برابر ہی رہتا ہے۔ (الکواکب الدری ۳، ۳۲۳)

حدیث (۲) تشریح: جہنم سے نکالو یہ خطاب قیامت کے دن ان سفارش کرنے والوں سے ہوگا جن کی سفارش قبول کی جائے گی، ان سے کہا جائے گا۔ تم جس کے لئے سفارش کر رہے ہو اگر اس کے دل میں ایمان ہے، اگرچہ کم سے کم درجہ کا ہے، اس کو جہنم

سے نکال لو۔ دل میں جو کے دانے کے برابر، یا گئیوں کے دانے کے برابر، یا کئی کے دانے کے برابر، یا چنے کے دانے کے برابر خیر ہے: اس سے یہی لا الہ الا اللہ کہنا مراد ہے، یعنی خواہ کسی درجہ کا ایمان ہو، کمزور سے کمزور ایمان ہو اسے بھی جہنم سے نکال لو۔ حدیث (۹) تشریح: نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کو جنتی: جہنمی کہہ کر پکاریں گے، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ھو لاء عققاء اللہ: یعنی یہ جہنمی نہیں ہیں، بلکہ جہنم سے آزاد کردہ ہیں، اور مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کا یہ نام ہٹا دیں گے یعنی جنتی اس نام سے پکارنا چھوڑ دیں گے، اور یہ حدیث بخاری شریف میں کتاب الرقاق کے آخر میں ہے۔ (حدیث ۶۵۶۶)

اشتکت النار سے کیا مراد ہے؟

(۱) جمہور علماء کے نزدیک اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ آخرت میں جہنم اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گی اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

(۲) علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مجازی معنی مراد ہیں چنانچہ ان کے نزدیک شکایت سے جہنم کا جوش مارنا بعض کا بعض کو کھانے سے اس کے اجزاء کا ازدحام اور سانس لینے سے وہ عذاب مراد ہے جو جہنم سے نکلے گا۔

”اتسخر بی وانت الملک“ کیا آپ میرے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کر رہے ہیں اس سخریہ سے یہاں کیا مراد ہے؟

(۱) ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخریہ کی نفی کرنا مقصود ہے معنی یہ ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ مزاح نہیں کر رہے کیونکہ آپ رب العالمین ہیں اور جو نعمتیں آپ نے مجھے عطاء فرمائی ہیں وہ بھی حق ہیں بس تعجب اس بات پر ہے کہ آپ نے مجھے اتنا کچھ عطاء کیا ہے جبکہ میں تو اس کا اہل نہیں تھا اس میں ہمزہ استفہام برائے نفی ہے۔

(۲) قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملے سے سخریہ کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ یہ جملہ اس سے فرط مسرت کی وجہ سے صادر ہوگا جیسا کہ حدیث میں ایک بزرگ کا جملہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے فرط محبت میں یوں کہہ دیا: انت عبدی وانا ربک (تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں)۔

اس باب کی آخری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی خوفناک چیز سے یا کسی ظالم دشمن سے جان بچانے کے لیے بھاگتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن دوزخ اور جہنم کے بارے میں انسانوں کا عجیب حال ہے حالانکہ دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک چیز نہیں اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لیے رات دن ایک کیا جائے اللہ کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کیا جائے۔

غرض یہ کہ جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کے لیے ضروری ہے احکام کی مکمل اطاعت اور اس کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

لعنات: نفّس: سانس زہریر سخت ٹھنڈک سموم گرم لوشدید گرمی مایزن شعيرة جو کے وزن کے برابر برۃ گئیوں گندم ذرة: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے معمولی ذرہ انتہائی باریک ذرہ مطلب یہ ہے کہ جس دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ زحفاء: زمین پر گھسٹا ہوا بدت نوا جذۃ نوا جذۃ جمع ہے ناجذۃ کی ڈاڑھیں معنی یہ ہیں کہ

آپ ﷺ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ اخیٹو: تم چھپادو کبار کبیرۃ کی جمع ہے بڑے گناہ کبیرہ گناہ کُھما حمۃ کی جمع ہے: کوئلے تند کھدر رحمت الہی ان کو پالے گی یطرحون صیغہ مجہول انہیں ڈالا جائے گا یروش صیغہ معروف چھڑکیں گے ینببتون وہ اگے گئیں غشاء سیلاب کے ساتھ بہ کر آنے والا دانہ خس وخاشاک حمالة السیل وہ خس وخاشاک اور دانہ جسے ندی کا پانی اور سیلاب بہا لے اٹھا لے صیاحہما: ان دونوں کی چیخ و پکار۔ بردا و سلاما: ٹھنڈی اور سلامتی والی۔ ان لا تعبدنی یہ کہ تو مجھے دوبارہ نہیں لوٹائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ

باب ۱۰: دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی

(۲۵۲۷) اَظْلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جنت میں جھانکا تو مجھے اس میں اکثریت غریب لوگوں کی نظر آئی اور میں نے جہنم میں جھانکا تو مجھے اس میں اکثریت خواتین کی نظر آئی۔

(۲۵۲۸) اَظْلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جہنم میں جھانکا تو مجھے اس میں اکثریت خواتین کی نظر آئی اور میں نے جنت میں جھانکا تو مجھے اکثریت غریب لوگوں کی نظر آئی۔

تشریح: اعتراض: کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہوگی جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں ہر جنتی کو دو دوزخیاں ملیں گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں زیادہ عورتیں ہوں گی؟

جواب ①: ابتداء جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی شوہر کی ناشکری وغیرہ کی وجہ سے مگر چونکہ وہ اہل ایمان ہوں گی اس لیے سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائیں گی تو پھر جنت میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے۔ (فتح الباری ۶/۴۰۱)

جواب ②: حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ جنت کی یہ دو بیویاں جنت کی حوروں میں سے ہوں گی جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ (فیض الباری ۱/۱۱۷)

جواب ③: بعض نے یہ جواب دیا کہ عورتوں کی تعداد چونکہ دنیا میں زیادہ ہے اس لیے عورتوں کی تعداد جنت میں جنت کے مردوں سے زیادہ ہوگی اور جہنم میں ان کی تعداد جنت کی عورتوں اور جہنم کے مردوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ (الکوکب الدری ۳/۳۲۵)

جنت میں غریبوں کی تعداد دو وجہ سے زیادہ ہوگی:

پہلی وجہ: دنیا میں غریبوں کی تعداد زیادہ ہے، پس جنت میں بھی ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔

دوسری وجہ: غریبوں کو دنیا میں حرام اور ناجائز کاموں سے زیادہ واسطہ نہیں پڑتا، اس لیے آخرت میں بھی ان کے پاس حساب کا جھمیل نہیں ہوگا۔

باب

باب: وہ جہنمی جسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا

(۲۵۲۹) إِنَّ أَهْلَ النَّارِ عَذَابًا بَاقٍ فِي الْأَخْصِ قَدَمَيْهِ بَحْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاعُهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم میں سب سے کمتر عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے تلوؤں کے نیچے آگ کے دو انگارے رکھے جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھولے گا۔

تشریح: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بخاری و مسلم میں اس طرح ہے۔ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے، ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح چولہے پر دیکھی کھولتی ہے، وہ نہیں خیال کرے گا کہ کوئی شخص اس سے زیادہ سخت عذاب میں ہے یعنی وہ خود کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا، حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ اس رجل سے آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب مراد ہیں جو اگرچہ حالت کفر میں مرے تھے لیکن چونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی مشکل وقت میں بڑی مدد و نصرت کی تھی اس لیے انہیں جہنم کا سب سے خفیف عذاب ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمام مسلمانوں کو اس عذاب سے محفوظ فرمائے۔

باب

خاکساری اچھا وصف ہے اور گھمنڈ بُرا

(۲۵۳۰) أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلِّ ضَعِيفٍ مُتَّضِعٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ إِلَّا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلِّ عُتْلٍ جَوَّاطٍ مُتَكَبِّرٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ کیا میں تمہیں اہل جنت کے بارے میں بتاؤں؟ ہر وہ شخص جو بظاہر بے حیثیت لگتا ہو اور کمزور (نظر آتا ہو) لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھالے تو اللہ تعالیٰ اسے پوری کردے (وہ جنتی ہوگا) اور کیا میں تمہیں اہل جہنم کے بارے میں بتاؤں؟ سرکش بد دماغ متکبر شخص (جہنمی ہوگا)۔

لغات: کل ضعیف: اور کل عتل سے پہلے ہم مبتدا مخدوف۔ الضعیف: کمزور۔ المتضعف: (اسم مفعول) ناتواں قرار دیا ہوا، یعنی جس کو لوگ حقیر سمجھیں، اور اس کی حالت کی کمزوری کی وجہ سے اس پر ظلم کریں اور بعض نے اس کو متضعف (اسم فاعل) پڑھا ہے، اس صورت میں معنی ہوں گے: ناتواں ہونے والا یعنی بے حیثیت، گنہگار، ابر الیسین: قسم کو پورا کرنا۔ العتل: اکھڑ مزاج۔ الجواط: اکڑ کر چلنے والا۔ جاط (ن) جوطا: اکڑ کر چلنا۔

حدیث کا مطلب: یہ ہے کہ تواضع اور خاکساری وصف محمود ہے، جب وہ انتہائی درجہ کی دینداری کے ساتھ جمع ہو تو وہ جنت نشین

بنانے والا ہے، اس لئے فرمایا: ہر کمزور، کمزور قرار دیا ہوا کہ اگر وہ بظاہر نوشتہ تقدیر کے خلاف قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کر دیں، یہ اس کی انتہائی دینداری کی علامت ہے، پس جب یہ بات تواضع کے ساتھ ہو تو وہ دخول جنت کا سبب ہوگی۔ اسی طرح جہنم میں لے جانے والا وصف گھمنڈ ہے، اور اس کے ساتھ کفر وغیرہ کی کوئی قید نہیں، پس مؤمن بھی اگر اکھڑ مزاج اکڑ کر چلنے والا گھمنڈی ہے تو جہنم میں جائے گا، پناہ بخدا۔



أَبْوَابُ الْإِيمَانِ

ایمان کے بیان میں

ما قبل سے ربط: ابواب الزہد سے تعلق رکھنے والے ابواب پورے ہوئے، اب ایمان کا بیان شروع کرتے ہیں، کیونکہ اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اسی لئے قرآن و حدیث کی متعدد آیات میں عمل صالح کے ساتھ ایمان کی قید آئی ہے، سورۃ النساء آیت ۱۲۳ میں ہے: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾
ایمان کا لغوی معنی:

یعنی کسی کے اعتماد و اعتبار پر اس کی بات کو سچا ماننا۔

ایمان کی شرعی تعریف:

جمہور محققین نے اس کی تعریف کی التصدیق بما علمہ ہجیئ النبی ﷺ بہ ضرورۃ تفصیلاً فیما علم تفصیلاً واجمالاً فیما علم اجمالاً۔ (فتح الملہم: ۱/ ۴۲۷) مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کی تصدیق کرنا جس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے قطعی طور پر ہے اور یہ بات ضرورۃ یعنی بدھتہ معلوم ہو اگر آپ سے اس شئی کا علم تفصیلی طور پر حاصل ہوا ہے تو اس پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے اور جس شئی کا علم آپ سے اجمالی طور پر ہوا ہے تو اس پر اجمالی ایمان کافی ہے۔

ضرورۃ: سے وہ امور مراد ہیں جو نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر اور دلیل قطعی سے ثابت ہوں اور وہ اس درجہ مشہور ہوں کہ عام لوگوں کی ایک کثیر جماعت اسے جانتی ہو، ایمان شرعی کا تعلق درحقیقت ایسے امور غیب سے ہے جن کو ہم آلات احساس و ادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعہ معلوم کر سکتے، اس لئے قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ (بالغیب) کی قید آئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، ان کی صفات، اور ان کے احکام، رسولوں کی رسالت، ان پر وحی کی آمد، اور مبادی و معاد کے تعلق سے: ان حضرات نے جو اطلاعات دی ہیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر دل سے قبول کرنے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے

امور ایمان:

امور ایمان کو عقائد اسلام بھی کہا جاتا ہے، یہ عقائد اگر پھیلانے جائیں تو بہت ہیں، بہشتی زیور میں پچاس عقیدے بیان کئے ہیں، لیکن اگر ان کو سمیٹا جائے تو وہ چھ عقیدے ہیں، جن کا ذکر حدیث جبریل میں آیا ہے، اور جن کو ایمان مفصل میں لیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر) اور بھلی بُری

تقدیر پر ایمان لانا، اور اگر مزید سمیٹا جائے تو صرف دو بنیادی عقیدہ لا الہ الا اللہ ہے، مگر یہ وہ لا الہ الا اللہ ہے جس میں رسالت محمدی وغیرہ تمام عقائد شامل ہیں۔

(۱) اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے موجود، وحدہ لا شریک لہ، خالق کائنات، اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے اور ہر عیب و نقص سے ان کو پاک اور ہر صفت کمال سے انکو متصف مانا جائے۔

اسلام کے معنی:

اسلام کے لغوی معنی ہیں خود کو کسی کے سپرد کر دینا اور بالکل اسی کے تابع اور فرمانبردار ہو جانا، اور اصطلاحی معنی ہیں: اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کو اپنا دستور زندگی بنانا، اور اللہ کے احکام کا مطیع ہونا، سورۃ الحج آیت ۳۴ میں ہے: ﴿قَالَ لَهُكَمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا﴾ اللہ ہی تمہارے ایک معبود ہیں، پس تم اسی کے مطیع ہو جاؤ، اور سورۃ النساء میں ہے: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ﴾ (النساء: ۱۲۵) اور اس سے بہتر کون ہے جس نے خود کو خدا کے سپرد کر دیا؟

اسلام کی اصل روح:

اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ خود کو کلی طور پر اللہ کے حوالہ کر دے، اور ہر پہلو سے ان کا مطیع و فرمانبردار بن جائے، پھر انبیاء کی شریعتوں میں کچھ مخصوص بنیادی اعمال کا بھی حکم دیا گیا ہے جو دین کے پیکر محسوس ہوتے ہیں، اور اس باطنی حقیقت کی نشوونما اور اس کی تازگی کا مدار انہی مخصوص ارکان پر ہوتا ہے، اس لئے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کو دستور حیات بنائیں، انہی ارکان پر اسلام کا اطلاق کیا جاتا ہے، نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں یہ ارکان پانچ ہیں: ① توحید خداوندی، اور رسالت محمدی کی گواہی دینا، یعنی منکروں کو اسلام کے یہ دو بنیادی عقیدے پہنچانا ② نماز ③ زکوٰۃ ④ روزہ ⑤ اور بیت اللہ شریف کا حج، ان پانچ چیزوں کو ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے، آگے حدیث آرہی ہے کہ اسلام کی بنیاد انہی پانچ چیزوں پر ہے۔

ایمان اور اسلام کے درمیان نسبتوں کا بیان:

کہ ایمان اور اسلام کا استعمال شریعت میں تین طرح سے منقول ہے گویا ان کے درمیان تین طرح کی نسبتیں ہیں:

(۱) تساوی: بعض کے نزدیک اسلام اور ایمان دونوں مترادف ہیں جو معنی ایمان کے ہیں وہی اسلام کے بھی ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ تساوی کی نسبت ہے ان حضرات کی دلیل قرآن مجید کی سورۃ الذاریات کی وہ آیات ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھرانے کا ذکر ہے:

﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الذاریات: ۳۶)

”جب ان بستیوں پر عذاب کا وقت قریب آیا تو ہم نے جتنے ایمان دار تھے سب کو وہاں سے علیحدہ کر دیا سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر (مسلمانوں کا) ہم نے نہیں پایا۔“

اس بستی میں بالاتفاق ایک ہی گھر مسلمانوں کا تھا یعنی حضرت لوط علیہ السلام کا گھر انہیں کو مومن بھی کہا اور مسلم بھی، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں مترادف اور تساوی کی نسبت ہے۔

(۲) تباین: دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تباین ہے لیکن تباین کے باوجود دونوں آپس میں ایک دوسرے کو

متلازم ہیں۔ کہ ایمان تصدیق قلبی کا اور اسلام اقرار باللسان اور ظاہری طور پر اطاعت کا نام ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمَّا قُلٌّ لَّهُمُ تَوَاضَعُوا وَ لَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا﴾ (الحجرات: ۱۳) کہ اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ ابھی تک تو تم ایمان نہیں لائے اس لیے تم لوگ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں فرق اور تباین ہے۔

حدیث جبرائیل میں بھی ایمان اور اسلام کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ ایمان تصدیق قلبی کا اور اسلام اقرار باللسان اور ظاہری طور پر اطاعت کا نام ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمَّا قُلٌّ لَّهُمُ تَوَاضَعُوا وَ لَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا﴾ (الحجرات: ۱۳) کہ اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ ابھی تک تو تم ایمان نہیں لائے اس لیے تم لوگ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں فرق اور تباین ہے۔

(۳) **تداخل:** یعنی عام خاص مطلق کی نسبت: ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا: ای العمل افضل؟ (کون سا عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہے) آپ نے فرمایا ایمان باللہ جبکہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ارشاد ہے: فای الاسلام افضل؟ آپ ﷺ نے فرمایا الا ایمان اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں تداخل کی نسبت ہے اس صورت میں اسلام عام ہوگا کیونکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے اور زبان و اعضاء سے بھی جبکہ ایمان کا تعلق صرف قلب سے ہے۔

فائدہ: اب یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کس مقام پر اسلام اور ایمان کے درمیان یہ نسبت ہے؟ تو اس کے بارے میں شرح فرماتے ہیں کہ اگر اسلام اور ایمان ساتھ ساتھ مذکور ہوں اور سوال کے طور پر ذکر کئے جائیں تو اس وقت ان کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی جیسا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں یہ دونوں کلمے ساتھ ساتھ ہیں اور سوال کے موقع پر ہیں اگر ایک ساتھ نہ ہوں یا مقام سوال میں نہ ہوں تو پھر ان کے درمیان تداخل کی نسبت مراد ہوگی۔

اور حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ فقیر اور مسکین کی طرح ہیں جب ایک ساتھ ساتھ بولے جائیں تو ان میں تباین کی نسبت ہوگی یعنی ان کے الگ الگ معنی مراد ہوتے ہیں اور جب الگ الگ مذکور ہوں تو ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں یعنی ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہوگی۔ (فتح الملهم ۱/۴۲۸)

مگر نصوص میں ایمان و اسلام ایک دوسرے کی جگہ بھی مستعمل ہوئے ہیں، عقائد پر اسلام کا اطلاق کیا گیا ہے، اور اعمال پر ایمان کا، اس لئے طلبہ کو احادیث پڑھتے ہوئے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

باب ۱: ایمان قبول کرنے پر جنگ بند کرنا ضروری ہے

(۲۵۳۱) أَمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِذَا قَالُوا مَنَعُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا

بِحَقِّهَا وَحِسَابُهَا عَلَى اللَّهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ یہ اعتراف نہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے جب وہ یہ اعتراف کر لیں گے تو وہ اپنے خون اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے البتہ ان کا حق باقی رہے گا اور ان لوگوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔

(۲۵۳۲) لَمَّا تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ كَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَاللَّهِ لَا قَاتِلَ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الزَّكَاةِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللَّهُ لَوْ مَنَعُونِي عَقَالًا كَانُوا يُؤْذُونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنَعِهِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنَّ اللَّهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ.

ترجمہ: جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور ان کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو کچھ عرب کافر ہو گئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ایسے لوگوں کے ساتھ کیسے جنگ کریں گے؟ جبکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ یہ اعتراف نہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور جو شخص یہ اعتراف کر لے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو وہ اپنے مال کو اور اپنی جان کو مجھ سے محفوظ کر لے گا اور اس کا حق باقی رہے گا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں ایسے شخص کے ساتھ ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اگر وہ لوگ مجھے ایسی سی دینے سے بھی انکار کریں جو نبی اکرم ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں ان کے اس انکار کرنے پر بھی ان لوگوں کے ساتھ جنگ کروں گا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اس وقت مجھے یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کے بارے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر عطا کیا ہے اور مجھے پتہ چل گیا کہ ان کی رائے ٹھیک ہے۔

تشریح: اعتراض: اس حدیث سے تو یہ معلو ہوتا ہے کہ کفار سے بہر حال قتال کیا جائے گا الایہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں حالانکہ قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ مناسب موقع پر کفار سے صلح بھی کی جاسکتی ہے۔

جواب ①: علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ابتداء اسلام کی ہو اور جزیرہ صلح کا حکم بعد میں نازل ہوا ہو۔ (شرح الطبری، ۱۲۹، ۱)

جواب ②: اس سے اہل کتاب کے علاوہ مشرکین مکہ اور بت پرست مراد ہیں گویا صلح کا حکم پہلے تھا لیکن بعد میں مشرکین عرب کے لیے صلح کا حکم نہیں رہا بلکہ ان کے بارے میں یہ حکم ہے۔

اما السیف واما الاسلام۔ ”یعنی اسلام قبول کرو ورنہ لڑائی ہوگی۔“

جواب ③: حدیث میں قتال سے مراد ہے لڑائی اور وہ چیز جو قتال کے قائم مقام ہو خواہ جزیرہ ہو یا معاہدہ صلح ہو اس سے معلوم ہوا کہ

لفظ قتال میں جزیہ اور صلح دونوں داخل ہیں

جواب ④: اس حدیث میں جنگ بندی کا بیان ہے، دشمن اگر جنگ کے دوران ایمان لے آئے تو فوراً جنگ بند کرنا ضروری ہے، خواہ اس نے مسلمانوں کو کتنا ہی نقصان پہنچایا ہو، جب وہ ایمان لے آیا تو وہ ہمارا دینی بھائی ہے، اب اس سے لڑنا جائز نہیں اور جس طرح یہ حکم دشمن قوم کے لئے ہے: فرد کے لئے بھی ہے، کوئی فرد دوران جنگ صدق دل سے کلمہ پڑھ لے تو اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ کفر من العرب: علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے قبیلہ عطفان فزارہ اور بنی سلیم وغیرہ مراد ہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس فتنہ کے وقت اسلام سے روگردانی کرنے والے لوگ تین طرح کے تھے:

(۱) بعض لوگوں نے اسلام چھوڑ کر بت پرستی کی راہ اختیار کر لی۔

(۲) اور بعضوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے دار مسیلہ اور اسود غنسی کی تصدیق اور پیروی شروع کر دی چنانچہ اہل یمامہ نے مسیلہ کذاب کی اور صنعاء کے باشندوں نے اسود غنسی کو اپنا نبی مان لیا تھا بعد میں ان دونوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔

(۳) تیسرا طبقہ وہ تھا جو دین اسلام پر برقرار تھا لیکن انہوں نے زکوٰۃ کی فرضیت کا یا بقول بعض اسکی ادائیگی کا انکار کر دیا تھا اور تاویل میں یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کی آیت ﴿حٰزِنٌ مِّنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (التوبہ: ۱۰۳) کے مطابق زکوٰۃ کا حکم صرف نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھا۔

ان تین قسموں میں سے پہلی دو قسم کے لوگ تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک کافر تھے۔ ان سے لڑائی کرنے میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو کوئی اعتراض اور تامل نہیں تھا البتہ تیسرے طبقہ کے لڑائی کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ذرا تامل تھا کہ بظاہر یہ کلمہ اسلام پڑھتے ہیں ایسے میں اگر ان سے اس وقت لڑائی کی گئی تو حالات اور زیادہ خراب ہو جائیں گے لیکن جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں حقیقت حال بتائی تو پھر وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے اور ان کا اس بات پر شرح صدر اور یقین کامل ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایمانی فراست اور ان کے تدبیر نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ میں ان سے ضرور جنگ کروں گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر ہو گئے ہیں تو میں ان کے کفر اور مرتد ہو جانے کی وجہ سے لڑائی کروں گا اس صورت میں کفر من کفر سے کفر کے حقیقی معنی مراد ہوں گے اور اگر وہ زکوٰۃ کے منکر نہ ہوں بلکہ زکوٰۃ ادا نہ کر رہے ہوں تو پھر ان سے میری جنگ شعار اسلام کی حفاظت اور اس فتنہ کے سد باب کے لیے ہوگی اس صورت میں ان پر کفر کا اطلاق مجاز ہوگا کیونکہ ان کا زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا جزم انتہائی شدید ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ: کہنے سے مراد پورا دین اسلام قبول کرنا ہے، دوسرے باب کی پہلی حدیث میں یہ بات صراحتاً آرہی ہے، محض کلمہ پڑھ لینا مراد نہیں، اور الا بحقہا کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر لوگ کوئی ایسا جرم کریں جس کی سزا اللہ کے قانون میں جان یا مال لینا ہو تو حکم خداوندی کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی، ایمان لانے سے اور مسلمان کہلانے سے وہ قانونی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے، اور ضمیر مؤنث کلمۃ الاسلام کی طرف لوٹے گی۔

أَنَّ اللَّهَ قَدْ شَرَّحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان مانعین زکوٰۃ سے بھی بر بنائے ارتداد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جنگ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے انھوں نے مذکورہ حدیث سے معارضہ کیا مگر

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ وہ اس بنیاد پر جنگ نہیں کر رہے، بلکہ ملت کی شیرازہ بندی کے لئے یہ اقدام کر رہے ہیں، جیسے کسی علاقہ کے مسلمان اذان نہ دینے پر اجماع کر لیں تو ان سے جنگ کی جائے گی، اور یہ جنگ بر بنائے ارتداد نہیں ہوگی بلکہ ملت کی اجتماعیت برقرار رکھنے کے لئے ہوگی، اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس طرح یہ لوگ اجتماعی طور پر نمازیں ادا کرتے ہیں، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو تسبیح کے دانے بکھر جائیں گے، اور ملت میں یک جہتی باقی نہیں رہے گی یہ نکتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں بہت دیر میں آیا اور اس کے بعد ان کو شرح صدر ہو گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح ہے، پھر مانعین زکوٰۃ سے قتال کی نوبت نہیں آئی، وہ مدینہ کو زکوٰۃ کے لئے تیار ہو گئے۔

فائدہ: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتوں کی پیروی ضروری ہے، حدیث شریف میں اس کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ وہ سنتیں ہیں جو ملک و ملت کی تنظیم سے تعلق رکھتی ہیں، اور یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پہلی سنت (دینی طریقہ) ہے کہ جو کام اجتماعی طور پر انجام دینے ضروری ہیں اگر ان میں افتراق پیدا کیا جائے تو ان سے جنگ کی جائے گی۔

کفر کی تعریف:

انکار ما ثبت من الدین ضرورۃ: دین کی اس بات کا انکار کرنا جو قرآن و سنت سے قطعی طور پر ثابت ہو اور اس کے معنی اور مفہوم بھی قطعی ہو اور جس کے بارے میں ہر خاص و عام مسلمان کو معلوم ہو کہ یہ دین کا حصہ ہے پھر اگر وہ انکار کرتا ہے تو یہ کفر ہوگا لہذا اگر دین کا کوئی امر قطعی ہے مگر لوگوں کو عام طور سے معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا انکار کرنا کفر نہیں ہوگا ہاں فسق ضرور ہوگا۔

کفر کی اقسام:

کفر کی چار قسمیں ہیں:

- (۱) کفر انکار: یہ وہ کفر ہے کہ انسان کے دل میں بھی انکار ہو اور زبان پر بھی انکار ہو نہ دل میں تصدیق ہو اور نہ زبان سے تسلیم و اقرار ہو یہ عام کافروں کا کفر ہے۔
- (۲) کفر جھوٹ: وہ ہے کہ دل سے وہ پہنچاتا ہے اسلام کی حقانیت سمجھتا ہے لیکن زبان سے انکار کرتا ہے جیسے شیطان کا کفر کہ دل سے وہ سب کچھ جانتا ہے سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود زبان سے انکار کرتا ہے۔
- (۳) کفر عناد: اس سے مراد یہ ہے کہ ایک انسان ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن دوسرے دین سے برات کا اظہار کر کے رسول کی اطاعت اور اتباع کے لیے تیار نہیں جسے ہر قل اور ابوطالب کا کفر۔
- (۴) کفر نفاق: کہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے التزام طاعت کا بھی اظہار کرتا ہے لیکن دل میں انکار موجود ہے دل سے قبول کرنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں

لعنات: عصو: وہ بچالیں گے دماء دم کی جمع ہے خون جانیں مراد ہیں۔ الا بحقہا: مگر اس کلمے کے حق کے ساتھ، حسابہم علی اللہ: ان کا حساب اللہ پر ہے یعنی اگر زبان سے کلمہ پڑھ لیں اور اگر اس نے منافقانہ انداز سے اسلام قبول کیا ہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے لیں گے تاہم دنیا میں اس پر ایک مسلمان کے احکام جاری ہوں گے۔ استخلف: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے۔ عقال: وہ رسی جس سے صدقے کے اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ... الخ

باب ۲: اس وقت تک جنگ ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی نہ دیں

(۲۵۳۳) أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنْ يَسْتَقْبِلُوا قِبَلَتَنَا وَيَأْكُلُوا ذَبِیحَتَنَا وَأَنْ يُصَلُّوا صَلَاتِنَا فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ حَرِّمْتُ عَلَيْهِمْ دِمَاؤَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے خاص بندے اور رسول ہیں اور وہ لوگ ہمارے قبلہ کی طرف رخ نہ کریں اور ہمارے ذبیحہ کو کھائیں نہیں اور ہماری طرح نماز نہ پڑھیں جب وہ ایسا کر لیں گے تو ہمارے لیے ان کے خون اور ان کے اموال قابل احترام ہو جائیں گے البتہ ان کا حق باقی رہے گا اور انہیں ہر وہ حق حاصل ہوگا جو مسلمانوں کو حاصل ہے اور ان پر ہر وہ چیز لازم ہوگی جو مسلمانوں پر لازم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ بِنَبِيِّ الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسٍ

باب ۳: اسلام کے ارکان پانچ ہیں

(۲۵۳۴) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِنَبِيِّ الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔
تشریح: فائدہ: اور نوع بشری کی نیک بختی کا مدار اور نجات اخروی کا سرمایہ چار اخلاق ہیں: ① اخبات یعنی اللہ کے سامنے نیاز مند رہنا۔ ② طہارت یعنی پاکی اختیار کرنا۔ ③ ساحت یعنی فیاضی سے کام لینا۔ ④ اور عدل و انصاف برتنا اور نماز کے ذریعہ اخبات و نظافت بدست آتے ہیں، کیونکہ نماز کے لئے پاکی شرط ہے، اور نماز بارگاہ خداوندی میں اعلیٰ درجہ کی نیاز مندی ہے، اور زکوٰۃ ادا کرنے سے فیاضی اور عدل کی صفات بدست آتی ہیں، کیونکہ شرائط کا لحاظ کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی اعلیٰ درجہ کی فیاضی ہے، اور یہی انصاف کی بات بھی ہے کہ مالدار اللہ کی بخشی ہوئی دولت میں سے غریبوں کا حق ادا کرے۔

پھر انسانوں کے لئے کوئی ایسی عبادت بھی ضروری ہے جو اس کی خواہشات پر قہر مان ہو، تاکہ اس کے ذریعہ نفسانی خواہشات کو دبایا جاسکے، اور ایسی عبادت روزہ ہے، اس مقصد کیلئے اس سے بہتر کوئی عبادت نہیں، اس لئے روزہ کو چوتھا رکن قرار دیا۔
اور اللہ کی شریعتوں میں ایک بنیادی حکم یہ بھی رہا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کی جائے، اور اسلام کے اہم شعائر چار ہیں: قرآن مجید،

کعبہ شریف، نبی اور نماز۔ حج کی عبادت کعبہ شریف کی تعظیم کے لئے مقرر کی گئی ہے، نیز اس کا ایک اہم مقصد جذبہ محبت کو ہمیز کرنا بھی ہے، ہر مؤمن کے دل میں محبت الہی کی چنگاری موجود ہے، اسکو روشن کرنا اور اس کو بھڑکا کر لاوا بنانا حج کی عبادت کا خاص مقصد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ جَبْرِئِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ الْإِيمَانُ وَالْإِسْلَامُ

باب ۳: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوالات اور نبی ﷺ کے جوابات

(ایمان، اسلام، احسان، وقت قیامت اور علامات قیامت کا بیان)

(۲۵۳۵) أَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقَدْرِ مَعْبُدُ الْجَهَنَّمِ قَالَ خَرَجْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحَمِيرِيُّ حَتَّى آتَيْنَا الْمَدِينَةَ فَقُلْنَا لَوْ لَقِينَا رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا أَحَدَتْ هَؤُلَاءِ الْقَوْمُ فَلَقِينَاهُ يَعْنِي عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ فَكُنْتُ نَفْسُهُ أَنَا وَصَاحِبِي فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَلَا تَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ وَيَتَقَفَّرُونَ الْعِلْمَ وَيَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ لَا قَدَرَ وَأَنَّ الْأُمْرَانِ قَالَ فَإِذَا لَقِيتَ أُولَئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي مِنْهُمْ بَرِيٌّ وَأَنَّهُمْ مِثِّي بُرَاءٌ وَالَّذِي يَخْلُفُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا قُبِلَ ذَلِكَ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرَهُ وَشَرَّهُ قَالَ ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُ فَقَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَجَاءَ رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى آتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَلْزَقَ رُكْبَتَهُ بِرُكْبَتِهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا الْإِيمَانُ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرَهُ وَشَرَّهُ قَالَ فَمَا الْإِسْلَامُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَحُجُّ الْبَيْتِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ قَالَ فَمَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فِي كُلِّ ذَلِكَ يَقُولُ لَهُ صَدَقْتَ قَالَ فَتَعَجَّبْنَا مِنْهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَمَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَمَا أَمَارَتُهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأُمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْخُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ عُمَرُ فَلَقِينِي النَّبِيَّ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ بِثَلَاثٍ فَقَالَ عُمَرُ هَلْ تَنْدِرِي مِنَ السَّائِلِ ذَاكَ جَبْرِئِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ.

ترجمہ: یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں سب سے پہلے تقدیر کے بارے میں معبد جہنمی نے کلام کیا (یعنی اس کا انکار کیا) یحییٰ کہتے ہیں میں اور حمید بن عبد الرحمن روانہ ہوئے ہم لوگ مدینہ منورہ آئے ہم نے سوچا کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے کسی صحابی سے ہماری ملاقات ہوئی تو ہم ان سے ایسی باتوں کے بارے میں دریافت کریں گے جو اس قوم نے (تقدیر کے منکرین نے) نظریات پیش کئے ہیں تو ہماری ملاقات حضرت عبد اللہ بن عمر سے ہوئی وہ اس وقت مسجد سے باہر آرہے تھے یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں میں نے اور میرے ساتھی نے انہیں گھیر لیا مجھے محسوس ہوا کہ میرا ساتھی مجھے بات شروع کرنے کا موقع دے گا تو میں نے کہا اے ابو عبد الرحمن کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور علم بھی حاصل کرتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں تقدیر کی کوئی حقیقت نہیں ہے ہر کام خود سے ہوتا ہے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

نے فرمایا جب تم ان لوگوں سے ملو تو انہیں یہ بتادو کہ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور ان لوگوں کا میرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے اس ذات کی قسم جس کے نام کی عبد اللہ قسم کھاتا ہے اگر ان میں سے کوئی ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی اس کی طرف سے اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک وہ بری یا بھلی تقدیر پر ایمان نہیں لاتا یحییٰ بن یحمر بیان کرتے ہیں پھر انہوں نے گفتگو شروع کی اور یہ بات بیان کی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے ایک شخص آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید تھے اور بال انتہائی سیاہ تھے اس پر سفر کا کوئی نشان نہیں نظر آ رہا تھا اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اس نے اپنا گھٹنا نبی اکرم ﷺ کے گھٹنے کے ساتھ ملا دیا پھر اس نے کہا اے حضرت محمد ﷺ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لاؤ اس نے دریافت کیا اسلام سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا زکوٰۃ ادا کرنا بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اس نے دریافت کیا احسان سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہر مرتبہ میں وہ نبی اکرم ﷺ سے یہی کہتا رہا آپ ﷺ نے ٹھیک فرما رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمیں اس کی اس بات پر حیرت ہوئی کہ یہ خود ہی آپ ﷺ سے سوال کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے پھر اس دریافت کیا قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص سے اس بارے میں سوال کیا گیا وہ اس بارے میں سوال کرنے سے زیادہ نہیں جانتا اس نے عرض کی اس کی نشانیاں کیا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کنیز اپنے آقا کو جنم دے گی تم ننگے پاؤں ننگے بدن غریب لوگوں بکریوں کے چرواہوں کو دیکھو گے وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں اونچی عمارتیں تعمیر کریں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے تین دن کے بعد میری ملاقات آپ ﷺ سے ہوئی آپ ﷺ نے دریافت کیا اے عمر رضی اللہ عنہ کیا تم جانتے ہو کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ وہ جبریل علیہ السلام تھا وہ تمہارے پاس اس لیے آیا تھا کہ تمہیں تمہارے دین کے بارے میں تعلیم یہی دے۔

تشریح: اس حدیث کو حدیث جبرائیل کہا جاتا ہے۔ علامہ قطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ام السنۃ کہنا چاہیے جس طرح کہ سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی پورے قرآن کا خلاصہ اور بنیادی امور ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کس وقت ہوئی؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا یہ آنا حجۃ الوداع کے بعد ہوا ہے تاکہ ایک مرتبہ تمام مسلمانوں کو دین کا خلاصہ اور اہم امور سکھلا دیئے جائیں چنانچہ اس کے تین ماہ بعد آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

وصف یصف وصفاً و صفۃ: کے معنی ہیں: کیفیت و حالت بیان کرنا، اچھی یا بری صفت بیان کرنا۔

اس حدیث میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے لئے ایمان و اسلام کی وضاحت نہیں کی، بلکہ انھوں نے سوالات کئے ہیں، اور نبی ﷺ نے جوابات دیئے ہیں، پس وضاحت درحقیقت نبی ﷺ نے کی ہے مگر چونکہ اس کا سبب حضرت جبرائیل بنے تھے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے وضاحت کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کردی، پس یہ نسبت مجازی ہے۔

احسان: باب افعال کا مصدر ہے، اور اس کا ماخذ حسن (خوبی) ہے، پس احسان کے معنی ہیں: نیکو کردن، یعنی اچھا بنانا، سائل نے تیسرا

سوال یہ کیا ہے کہ اسلام کے ارکان خمسہ کو اور دیگر تمام اعمال کو عمدہ طریقہ پر ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ نبی ﷺ نے اس کے دو طریقے بتائے ہیں؛ ایک اعلیٰ دوسرا ادنیٰ:

پہلا طریقہ: اس دنیا میں حقیقتاً اللہ کا دیدار ممکن نہیں، البتہ گویا کے درجہ میں ممکن ہے، یعنی استحضاری کیفیت اتنی بڑھ جائے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے پس اس حالت میں جو عبادت کرے گا وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوگی، جیسے غلام اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرے جب وہ آقا کے سامنے ہو، اور یقین ہو کہ آقا اسے دیکھ رہا ہے، اس وقت غلام خوش اسلوبی سے وظائف خدمت انجام دیتا ہے، یہی حال بندوں کا ہے، اس وقت اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیاز مندی پیدا ہوگی، اور اس سے اعمال نہایت عمدہ کیفیت کے ساتھ وجود میں آئیں گے۔

دوسرا طریقہ: اور اگر یہ استحضاری حالت نصیب نہ ہو تو پھر اس عقیدہ کو تازہ کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بہر حال اسے دیکھ رہے ہیں، (سورۃ الانعام آیت ۱۰۳) میں ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ یعنی اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی، مگر وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتے ہیں، وہ بڑے باریک بین باخبر ہیں، اس لئے کوئی چیز ان سے مخفی نہیں۔ جب اس عقیدے کے ساتھ عبادت کرے گا تو بھی عبادت شاندار ہوگی،

فائدہ: کہ یہ حدیث نماز کے ساتھ خاص نہیں، حدیث میں تعبد کا لفظ ہے، جس کے معنی مطلق عبادت و بندگی کے ہیں، بلکہ ایک حدیث میں تنحی بھی آیا ہے، یعنی تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو، اور ایک دوسری روایت میں تعمل بھی آیا ہے، ان روایتوں سے واضح ہوا کہ احسان کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔

احسان کے تین درجے ہیں:

(۱) تمام عبادات کو ان کے فرائض ارکان اور واجبات کے ساتھ ادا کرنا احکام شرع کو بجالانا ممنوع اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا احسان کا یہ درجہ واجب ہے جس کی تحصیل ہر مسلمان پر لازم ہے۔

(۲) مقام مشاہدہ مکاشفہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس تصور کے ساتھ ساتھ عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہے یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے کہ وہ اس انداز سے عبادت کرتے ہیں کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور امت کے نیک لوگوں کو بھی یہ درجہ بڑی محنت و مشقت سے حاصل ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث کے اس جملے ان تعبد اللہ کا تک ترہ سے اس درجے کو بیان کیا گیا ہے اس مقام کا حاصل کرنا لازم و فرض نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔

(۳) انسان پر ہر وقت یہ کیفیت رہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں میرا ہر عمل خواہ وہ اچھا ہو یا برا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اس درجے کو مقام مراقبہ کہا جاتا ہے جب انسان کو یہ درجہ حاصل ہو جائے تو وہ نیکی کے ہر کام کو بڑے اچھے انداز سے کرتا ہے اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتا ہے۔

فائدہ: تصوف کے لئے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں یہی احسان کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، فرمایا:

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ، وَهُوَ مُحْسِنٌ، فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ.

اور احادیث میں احسان کے علاوہ تصوف کے لئے زہد کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی ہے، اسی جلد میں ابواب الزہد گزر چکے ہیں،

پھر جب لوگ خوش حال ہو گئے، اور شاندار کپڑے پہننے لگے، مگر اللہ کے دیندار بندے صوف (اُون) کے کپڑے ہی پہنتے رہے، تو وہ صوفی اور ان کا طریقہ تصوف کہلانے لگا، اور حاصل تینوں کا تصحیح نیت ہے یعنی احسان کا مقصد، زہد کی غرض، اور تصوف کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اپنی نیت درست کرے، اور ہر عمل کو اللہ کے لئے خالص کرے، یہ اخلاص ہی تصوف کی جان ہے، اور وہی احسان سے مراد ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کی علامتیں دو قسم کی ہیں ایک وہ علامتیں ہیں جو قیامت سے پہلے پائی جائے گی اور دوسری وہ بڑی علامتیں ہیں جو بالکل قیامت کے قریب ظاہر ہوں گی جیسے نزول عیسیٰ جانور کا نکلنا اور مغرب سے سورج کا طلوع ہونا۔ اس حدیث میں پہلی قسم کی علامتیں مراد ہیں۔

ان تلد الامۃ ربہا: اس جملے سے کیا مراد ہے؟

(۱) اس جملے سے درحقیقت زمانے کے انقلاب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قرب قیامت میں حالات میں اس قدر تغیر اور تبدیلی ہو جائے گی کہ جو سردار تھے وہ غلام اور جو غلام تھے وہ سردار بن جائیں گے اعلیٰ درجہ کے لوگ گھٹیا اور ادنیٰ درجہ کے لوگ اعلیٰ شمار ہوں گے۔

(۲) امام خطابی اور امام نووی رحمہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں جب اسلام خوب پھیل جائے گا مختلف ملک اور علاقے فتح ہوں گے ان کے بچے اور عورتیں قید ہوں گی پھر ان باندیوں سے اولاد ہوگی جس کی وجہ سے وہ اہم ولد بن جائے گی یہ اولاد نسب میں چونکہ باپ کے تابع ہے ان کو نبی شرافت حاصل ہوگی یہ اولاد گویا اپنی ماں کی آزادی کا سبب ہیں اس لیے وہ اپنی ماں کے لیے بمنزلہ سید کے ہیں اس لیے حدیث میں اسے ان تلد الامۃ ربہا سے تعبیر کیا ہے امام نووی رحمہ اللہ نے اسے اکثر حضرات کا قول قرار دیا ہے۔

(۳) اس سے اولاد کی نافرمانی کی طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں اولاد اپنے والدین کے ساتھ نافرمانی کا سلوک کرے گی اطاعت کے بجائے ان کے ساتھ حاکمانہ رویہ اختیار کریں گے۔

قال عمر رضی اللہ عنہ: فلقینینی النبی ﷺ بعد ذلک بثلاث، صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے اسی مجلس میں یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ هذا جبرئیل یعلمہ الناس دینہم تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

جواب: ان دونوں روایتوں میں تطبیق ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم اس شخص کی تلاش میں نکلے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے جب وہ شخص نہ ملا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس آگئے ہونگے آپ کو جب بتایا کہ وہ شخص نہیں ملا تو اس مجلس میں موجود لوگوں کے سامنے آپ نے وضاحت فرمادی کہ وہ شخص جبرئیل امین علیہ السلام تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوبارہ اس وقت نہیں آئے اس لیے ان کو حضور ﷺ نے تین دن کے بعد بتایا کہ وہ نو وارد شخص جبرئیل امین رضی اللہ عنہ تھے اس لیے دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔ (فتح الباری ۱/۱۶۶)

بَاب مَا جَاءَ فِي إِضَافَةِ الْفَرَائِضِ إِلَى الْإِيمَانِ

باب ۴: فرائض کی ایمان کی طرف نسبت

(۲۵۳۶) قَدِمَ وَفَدُ عَبْدُ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا إِنَّا هَذَا الْحَيُّ مِنْ رِبِيعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَأْخُذُكَ عَنْكَ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَأَيْنَا فَقَالَ أَمَرَكُمْ بِأَرْبَعِ الْإِيمَانِ بِاللَّهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةَ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةَ وَأَنْ تُؤَدُّوا الْحُمْسَ مَا غَنِمْتُمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں عبدالقیس قبیلے کا وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی ربیعہ قبیلہ کی وجہ سے ہم صرف حرمت والے مہینوں میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں آپ ﷺ ہمیں ان چیزوں کا حکم دیا جنہیں ہم آپ ﷺ سے سیکھ لیں اور اپنے پیچھے موجود لوگوں کو اس کی دعوت دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا اس سے مراد یہ ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں نماز قائم کرنا زکوٰۃ ادا کرنا اور جو مال غنیمت تمہیں حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔

تشریح: اضافہ کے معنی ہیں: ملانا، شامل کرنا، بڑھانا، اضافہ کرنا اور باب کا مطلب یہ ہے کہ احادیث میں فرائض (ارکان اسلام) کی ایمان کی طرف اضافت (نسبت) کی گئی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے، اور اختلاف کا مدار اس پر ہے کہ ایمان کی تعریف کیا ہے؟ اسلامی فرقوں میں ایمان کی تعریف میں اختلاف پایا جاتا ہے، ایمان کے بارے میں اہل سنت کا آپس میں اختلاف اہل سنت کے درمیان ایمان کی تعبیر میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ لیکن یہ نزاع صرف الفاظ کی حد تک ہے معنی اور مطلب کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۱) چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: وهو قول وفعل۔

(۲) محدثین نے ایمان کی تعریف یوں کی: الايمان معرفة بالقلب وقرار باللسان وعمل بالاركان کہ ایمان تصدیق قلبی، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کا نام ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور متکلمین نے یوں تعریف کی ہے: الايمان هو التصديق بالقلب والاقرار باللسان شرط لاجراء الاحكام والعمل بالاركان نتيجة التصديق وثمره الايمان. کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور دنیا میں اسلام کے احکام کے اجراء کے لیے زبان سے اقرار شرط ہے اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا یہ تصدیق کا نتیجہ اور ایمان کا ثمرہ ہے۔ الفاظ کا یہ اختلاف صرف تعبیرات کی حد تک ہے مگر اہل حق کے درمیان اختلاف لفظی ہے۔ جب مرتکب کبیرہ کے کفر و اسلام کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ راز کھلا کہ اہل حق (جمہور محدثین) نے جو اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیا ہے وہ صرف تکمیلی اور ترقینی جزء قرار دیا ہے، حقیقی جز قرار نہیں دیا ورنہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جہنم سے بچاؤ کے لیے نفس تصدیق ضروری ہے تصدیق کے بغیر کسی

صورت میں نجات نہ ہوگی نیز اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی نہ تو کافر ہوتا ہے اور نہ ہی دائمی جہنمی قرار پاتا ہے بس اس گناہ کی وجہ سے وہ فاسق ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے مرتکب کبیرہ کو مسلمان مانا اور معتزلہ اور خوارج اعمال کو ایمان کا حقیقی جزء مانتے ہیں، اس لئے وہ مرتکب کبیرہ کو اسلام سے خارج کرتے ہیں۔

فائدہ: اہل حق کے درمیان اختلاف لفظی کا منسرق کیوں؟ اس لیے ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں معتزلہ اور خوارج کا بہت زور تھا وہ یہ کہتے تھے کہ عمل ایمان کا جز ہے اعمال کے ترک سے انسان اسلام سے نکل جاتا ہے اس لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور متکلمین نے ان کی تردید کے لیے مؤثر عنوان اختیار کیا کہ اعمال اصل ایمان میں داخل نہیں اور نہ ترک عمل سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور اس وقت یہی کہنا مناسب تھا اور محدثین کے زمانے میں مرجعہ رونما ہو گئے جو اس بات کا پرچار کرتے تھے کہ عمل کی کوئی حیثیت نہیں اور عمل نہ کرنا ایمان کے لیے نقصان دہ نہیں تو اس وقت اس بات کی ضرورت تھی کہ عمل کی اہمیت بیان کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ عمل نہ کرنا بہر حال نقصان دہ ہے حتیٰ کہ اس سے ایمان کے سلب ہو جانے کا خطرہ ہے اس لیے حضرات محدثین نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے یہ انداز اختیار کیا۔

وضاحت: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، اس لئے بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔ یہ حدیث بخاری شریف میں گیارہ مرتبہ آئی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي اسْتِكْمَالِ الْإِيمَانِ وَزِيَادَتِهِ وَنُقْصَانِهِ

باب ۵: ایمان کی تکمیل اور اس میں کمی بیشی کا بیان

(۲۵۳۷) إِنْ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَالْطُّفُّهُمْ بِأَهْلِهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے کامل مؤمن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور اپنے اہل خانہ پر سب سے زیادہ مہربان ہو۔

(۲۵۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ فَوَعَّظَهُمْ ثُمَّ قَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنَّكُمْ أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لِكثْرَةِ لَعْنِكُنَّ يَعْنِي وَكُفْرِكُنَّ الْعَشِيرُ قَالَ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ تَأْقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِدَوِي الْأَلْبَابِ وَذَوِي الرَّأْيِ مِنْكُمْ قَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ وَمَا نُقْصَانُ دِينِهَا وَعَقْلُهَا قَالَ شَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ مِنْكُمْ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ وَنُقْصَانُ دِينِكُنَّ الْحَيْضَةُ تَمُكِّثُ أَحَدًا كُنَّ الثَّلَاثَ وَالْأَرْبَعُ لَا تُصَلِّيَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے واضح نصیحت کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خواتین کے گروہ تم صدقہ کیا کرو کیونکہ جہنم میں اکثریت تمہاری ہے تو ان میں سے ایک خاتون نے عرض کی اس کی کیا وجہ ہے؟ اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بکثرت لعنت کرنے کی وجہ سے یعنی اپنے شوہر کی نافرمانی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عقل اور دین کے اعتبار سے ایسی کوئی ناقص مخلوق نہیں دیکھی جو سمجھ دار عقل مند مردوں پر تم سے زیادہ غالب آجاتی

ہوں ایک خاتون نے عرض کی ان کے عقل اور دین میں کمی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے اور تمہارے دین میں کمی حیض ہے اس کی وجہ سے کوئی عورت چند دن تک نماز ادا نہیں کر سکتی۔

(۲۵۳۹) إِيْمَانُ بِضْعٍ وَ سَبْعُونَ بَابًا أَذْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَ أَرْفَعُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ..... الإِيْمَانُ أَرْبَعَةٌ وَ سِتُونَ بَابًا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایمان کے ستر سے زیادہ دروازے ہیں اور ان میں سے سب سے کم راستے میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور سب سے بلند اس بات کا اعتراف کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔
تشریح: ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟

یعنی ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟ یہ قدیمی اختلافی مسئلہ ہے، کیونکہ ایمان کے دو معنی ہیں، یا یہ کہئے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں: ① نفس ایمان۔ ② ایمان کامل، نفس ایمان۔ جس پر نجات اخروی کا مدار ہے، دوسرا کامل ایمان جو نجات اولیٰ کا ضامن ہے پس بعض حضرات نے نفس ایمان کی تعریف کی اور دوسروں نے ایمان کامل کی تعریف کی۔ اس لئے تعریضیں مختلف ہو گئیں۔ کما مر
ایمان میں کمی اور زیادتی کا مسئلہ:

ایمان زیادتی اور نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں اس میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے: ① ائمہ ثلاثہ اور جمہور اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایمان زیادت اور نقصان دونوں کو قبول کرتا ہے۔ ② امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور متکلمین کے نزدیک ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی۔ یہ اختلاف دراصل اس بات پر مبنی ہے کہ ایمان مرکب ہے یا بسیط۔ ماترید یہ اور جمہور محققین صرف تصدیق قلبی کو ایمان کہتے ہیں اور اقرار لسانی کو احکام دنیویہ جاری کرنے کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، پھر ان حضرات میں اختلاف ہوا کہ اقرار ایمان کا اصلی جزو ہے یا زائد؟ امام اعظم رحمہ اللہ نے اس کی صراحت نہیں کی کہ اقرار ایمان کا حقیقی جزو ہے یا اضافی؟ محققین کا خیال ہے کہ اضافی جزو ہے۔ دنیا میں کسی کو مسلمان قرار دینے کے لئے اقرار ضروری ہے ورنہ ایمان بسیط ہے، اس کا کوئی جز نہیں، پس ماترید یہ کی تعریف میں اور سرخی اور بزودی کی تعریف میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔ جو لوگ ایمان کو بسیط مانتے ہیں کہ وہ مجرد تصدیق قلبی کا نام ہے اس کا کوئی جز نہیں تو یہ وہ کہتے ہیں لایزید ولا ينقص کہ ایمان میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ اضافہ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نفس تصدیق میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور جو حضرات عمل کو ایمان کا جزو اصلی اور ایمان کو مرکب مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان میں طاعت سے اضافہ اور معصیت سے کمی واقع ہوتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو مشائخ کا یہ اختلاف بھی لفظی ہے حقیقی اختلاف نہیں۔

ایمان کے بسیط ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ متعدد آیتوں میں دل کو ایمان کا محل قرار دیا گیا ہے، مثلاً ﴿أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيْمَانَ﴾ (الباحلہ: ۲۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثابت فرما دیا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ دل میں صرف تصدیق پائی جاتی ہے، پس اسی کا نام ایمان ہے۔

اس کے بالمقابل جمہور محدثین، اشاعرہ، معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ایمان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے، یعنی تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور عمل بدنی۔

اختلاف کار از کھلتا ہے:

پھر جب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ مرتکب کبیرہ مؤمن ہے یا نہیں؟ تو معتزلہ اور خوارج نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ ایمان سے خارج ہے، کیونکہ ایمان تین اجزاء سے مرکب ہے، اور مرتکب کا کوئی بھی جز فوت ہو جائے تو مرتکب باقی نہیں رہتا، پس جب عمل صالح نہ رہا کہ اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تو وہ ایمان سے خارج ہو گیا، اور احناف نے مرتکب کبیرہ کو مؤمن قرار دیا، اسی طرح اشاعرہ اور تمام محدثین نے بھی مرتکب کبیرہ کو مؤمن قرار دیا۔ ایمان سے خارج نہیں کیا، اور جب ان سے پوچھا گیا کہ مرتکب کبیرہ مؤمن کیسے ہو سکتا ہے؟ ایمان تو مرکب ہے؟ یعنی اعمال ایمان کا جز ہیں، پس عمل کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جانا چاہئے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اعمال ایمان کا اصلی جز نہیں، بلکہ تکمیلی اور تزئینی جز ہیں، اس لئے ان کے نہ رہنے سے ایمان فوت نہ ہوگا۔

الغرض: اس جگہ محدثین نے معتزلہ اور خوارج کا ساتھ چھوڑ دیا، وہ احناف کے ساتھ ہو گئے تو معلوم ہوا کہ اہل حق کے درمیان اختلاف حقیقی نہیں، صرف لفظی ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

ولهذا ذهب الامام الرازي وكثير من المتكلمين الى ان هذا الخلاف لفظي.

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے۔

تشریح: یہ ہے کہ اسلام کے دور اول میں جتنا قرآن نازل ہوتا تھا بس اتنے پر ایمان لانا ضروری تھا، اسی طرح جو احکام نازل ہو چکے تھے ان پر ایمان لانا مکمل ایمان تھا، پھر جب نئی وحی آتی، اور نئے احکام اترتے تو ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا، اس طرح ان حضرات کا ایمان بڑھتا رہتا تھا، مگر وہ زیادتی نفس ایمان میں نہیں ہوتی تھی، بلکہ مؤمن بہ میں ہوتی تھی، یعنی ان چیزوں میں ہوتی تھی جن پر ایمان لانا ضروری تھا، مؤمن بہ کی اسی زیادتی کو ایمان کی زیادتی قرار دیا گیا تھا۔ پھر جب نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا اور وحی مکمل ہو گئی تو اب مؤمن بہ محدود و متعین ہو گیا، اور اب سب لوگوں کے لئے انہی باتوں پر ایمان لانا ضروری ہو گیا اب ان میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی، لہذا مؤمن بہ کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی کی کا سوال ختم ہو گیا۔

ہاں تصدیق کے مکملات یعنی اعمال کے اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی جاری ہے، اسی طرح تصدیق کی کیفیت یعنی شدت و ضعف کے اعتبار سے بھی ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، مگر کمیت یعنی مقدار کے اعتبار سے ایمان میں کچھ کمی بیشی نہیں ہوتی، کیونکہ ایمان خواہ کتنا ہی قوی ہو، مؤمن بہ میں کوئی جز نہیں بڑھتا۔

وَنُقْصَانُ دِينِكُمْ الْحَيِصَةُ: امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب حالت حیض میں نمازیں نہ پڑھنے سے عورتوں کے دین میں کمی آئی، اور مردوں کے نماز پڑھنے سے ان کے دین میں ترقی ہوئی تو معلوم ہوا کہ اعمال سے دین میں یعنی ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے

جواب: یہ تفاوت درجات جنت میں ہوتا ہے، نفس ایمان میں نہیں ہوتا، اس لئے ایمان کامل میں تو اس حدیث سے کمی بیشی ثابت ہوتی ہے مگر نفس ایمان میں جس پر نجات کا مدار ہے کمی بیشی ثابت نہیں ہوتی۔

إِلَّا إِيْمَانُ بِضَعٍّ وَسَبْعُونَ بَابًا: امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث سے بھی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چھوٹے بڑے تمام اعمال ایمان کا جز ہیں، پس ایمان کی تکمیل اعمال ہی سے ہوگی، اور اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی ہوگی مگر یہ ایمان کامل کا حال

ہے، اعمال سے ایمان کو رونق ملتی ہے، اور گناہوں سے ایمان کی شان گھٹتی ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف جو کچھ ہے وہ نفس ایمان میں کمی بیشی میں ہے، اور یہ حدیث اس سے ساکت ہے۔

اعتراض: اس روایت میں ستر سے زیادہ ابواب کا ذکر ہے جبکہ بعض روایات میں ساٹھ سے اوپر ایمان کے شعبوں کا ذکر ہے بعض میں ۷۶ اور بعض میں ستر تو بظاہر اس تعداد میں تعارض ہے؟

جواب ①: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بضع و سبعون کے الفاظ رائج ہیں کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

جواب ②: اس سے کسی مخصوص عدد کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس سے کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں نیز عربی زبان میں ستر کا عدد بطور کثرت کے استعمال ہوتا ہے۔

جواب ③: بعض نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حالات کے اعتبار سے مختلف عدد ذکر کئے ہیں اور اس وقت آپ کو اسی کا علم دیا گیا تھا وہ سب ہی اپنی جگہ بجا ہیں اس لیے ایک عدد سے دوسرے عدد کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔
حنفیہ اور متکلمین کی طرف سے مذکورہ دلائل کے جوابات:

- ① ایمان میں اضافے سے نور کی زیادتی مراد ہے کہ جو شخص احکام اسلام پر اہتمام سے عمل کرتا ہے سنت کے مطابق اعمال بجالاتا ہے تو اس کے نور ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ کمی بیشی اصل ایمان میں نہیں ہوتی بلکہ نور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔
- ② اس سے سکینہ اور طمانیت مراد ہے کہ اعمال صالحہ کی وجہ سے اسے ایک خاص قسم کا سکون اور شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔
- ③ ایمان کی زیادتی سے مؤمن بہ کی زیادتی مراد ہے نفس ایمان کی زیادتی مراد نہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآنی آیات اور شرعی احکام نازل ہوتے گئے اور اس کے علم میں آتے گئے تو اسی اعتبار سے اس مومن بہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ

باب ۶: حیا ایمان کا جز ہے

(۲۵۴۰) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ مَرَّ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَعْظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں تلقین کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا ایمان کا حصہ ہے۔

تشریح: گزشتہ دو بابوں سے ایمان کی بساطت و ترکیب کا مسئلہ چل رہا ہے، یعنی اعمال ایمان کا جز ہیں یا نہیں؟ احتاف اعمال کو ایمان حقیقی کا جز نہیں مانتے، اور محدثین کرام جز مانتے ہیں، یہ باب بھی اسی مسئلہ سے متعلق ہے اور آگے بھی کئی ابواب اسی مسئلہ سے متعلق آرہے ہیں، پہلے اعمال صالحہ کے ابواب آئیں گے، جن میں اعمال کا ایمان سے تعلق بیان کیا جائے گا، پھر معاصی کے ابواب آئیں گے، جن کو ایمان کے منافی قرار دیا جائے گا۔ اس باب میں حیا کا جزء ایمان ہونا ثابت کرتے ہیں۔

حیا کے لغوی معنی: وہ تبدیلی اور انکساری جو سزا یا ملامت کے خوف سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

حیا کی اصطلاحی تعریف: حیا وہ فطری صفت ہے جو انسان کو ممنوع چیزوں سے رکنے پر آمادہ کرتی ہے اور فرائض و حقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

حیاء کی چار قسمیں ہیں: (۱) حیاء شرعی: وہ حیا کہ جس کا سبب امر شرعی ہو اور حیاء نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص شرعاً ملامت کا مستحق قرار پاتا ہو۔

(۲) حیاء عقلی: وہ حیاء کہ جس کا سبب کوئی امر عقلی ہو کہ اسے چھوڑنے سے انسان عقلاء کا ہاں زجر اور ملامت کا مستحق ہوتا ہو۔

(۳) حیاء عرفی: وہ چیزیں کہ جو عرف میں ناپسندیدہ اور قبیح ہوں ان سے انقباض پیدا ہو جائے۔

(۴) حیاء طبعی: وہ چیزیں کہ جن سے طبعی طور پر انسان کو انقباض سا ہو جائے اور انہیں وہ نہ کرے۔

شریعت میں اصل مقصود حیاء شرعی ہے اس میں حیاء عقلی بھی داخل ہے کیونکہ شریعت کے تمام احکام عقل سلیم اور فطرت کے موافق ہیں۔ لہذا ان دونوں میں تعارض نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز شرعاً قبیح ہو اور عقلاً اچھی ہو یا عقلاً قبیح ہو اور شرعاً پسندیدہ ہو بشرطیکہ عقل سلیم ہو اور جہاں کہیں ان دونوں میں تعارض محسوس ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل سلیم وہاں نہیں۔ حیاء عرف اور حیاء طبعی بھی محمود ہے بشرطیکہ یہ حیاء شرعی کے مزاحم نہ ہوں ورنہ تو پھر حیاء عرفی و طبعی کو ترک کر دیا جائے گا۔

اخلاق حسنہ میں حیاء: کا نہایت اہم مقام ہے، حیا ہی وہ خوبی ہے جو آدمی کو بہت سی برائیوں سے روکتی ہے، اس وجہ سے ایمان اور حیا میں خاص رشتہ ہے اور حیا صرف ہم جنسوں سے نہیں کی جاتی بلکہ اصل حیا حق تعالیٰ سے کی جاتی ہے، پہلے ابواب البر والصلة میں باب الحیاء گزرا ہے، وہاں یہ حدیث آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایس حیا کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہئے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے اور اس حدیث سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں۔

جواب: ابواب الایمان کی تمہید کے آخر میں ہم نے یہ بات عرض کی ہے کہ نصوص میں ایمان اور اسلام کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے، پس اس حدیث میں ایمان سے اسلام مراد ہے، علاوہ ازیں ایمان کے دو معنی ہیں: حقیقی ایمان جس پر نجات کا مدار ہے، اور کامل ایمان جو نجات اولیٰ کا ضامن ہے، اور جس کی وجہ سے جنت کے بلند درجات ملتے ہیں، اور اختلاف جو کچھ ہے وہ پہلے معنی میں ہے، دوسرے معنی میں کوئی اختلاف نہیں، سب اہل حق متفق ہیں کہ اعمال صالحہ ایمان کامل کا جز ہیں، پس حیا بھی دوسرے معنی کے اعتبار سے ایمان کا جز ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ

باب ۷۔ نماز کی عظمت و تقدیس کا بیان

(۲۵۴۱) كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَصْحَبْتُ يَوْمًا قَرِيبًا مِنْهُ وَنَحْنُ نَسِيرُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يَدْخُلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسْرُهُ اللَّهُ عَلَيْهِ تَعَبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتُحْجُّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ آلا أَدُلُّكَ

عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ النَّارَ صَلَاةُ الرَّجُلِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ قَالَ ثُمَّ تَلَا (تَتَجَاوَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ) حَتَّى بَلَغَ (يَعْمَلُونَ) ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ كُلِّهِ وَعُمُودِهِ وَذُرْوَةِ سَنَامِهِ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعُمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَلَاكٍ ذَلِكَ كُلِّهِ قُلْتُ بَلَى يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ قَالَ كَفَّ عَلَيْكَ هَذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَإِنَّا لَمُؤَاخِذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ فَقَالَ ثَكَلْتُكَ أُمَّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدَ السِّنَنِ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں ایک سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ شریک تھا ایک دن میں آپ کے قریب ہوا ہم اکٹھے جا رہے تھے میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول آپ ﷺ ایسے عمل کے بارے میں مجھے بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ایک عظیم چیز کے بارے میں دریافت کیا ہے یہ اس شخص کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسان کر دے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ تم نماز قائم کرو تم زکوٰۃ ادا کرو رمضان کے روزے رکھو اور تم بیت اللہ کا حج کرو پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں بھلائی کے دروازوں کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کروں روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو یوں بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور نصف رات کے وقت آدمی کا (نفل) نماز ادا کرنا۔

(۲۵۳۲) إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ (إِنَّمَا يَعْبُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمَنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَاقَامِ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ).

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ باقاعدگی سے مسجد حاضر ہوتا ہے تو اس کے حق میں ایمان کی گواہی دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے بے شک اللہ تعالیٰ کی مساجد کو وہ شخص آباد کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور وہ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔

تشریح: الحرمة کے معنی ہیں: تقدیس، عظمت و عزت، جمع حرمت۔ یہ باب بھی گذشتہ سے پیوستہ ہے، نماز بھی اہم عبادت ہے، اس لئے وہ بھی ایمان کا جز ہے۔

لغات: حرمة: اس کے مختلف معنی ہیں یہاں پر اس کے معنی عظمت فضیلت کے ہیں، اس الامر: ہر امر کی اصل بنیاد اور جڑ۔ عمود: ستون۔ ذرۃ: چوٹی۔ سنام: کوہان۔ ملاک الامر: کسی معاملہ کی اصل روح خلاصہ کف علیک تم اپنے اوپر اسے روک کر رکھو۔ علی مناخیرہم: ان کے نٹھوں کے بل، مناخیر جمع ہے منخرک۔ یتعاهد: مسجد میں پابندی سے حاضر ہونا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ

باب ۸: نماز چھوڑنے پر سخت وعید

(۲۵۳۳) بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ تَرْكُ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا کفر اور ایمان کے درمیان بنیادی فرق نماز کو ترک کرنا ہے۔

(۲۵۳۳) بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ تَرْكُ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بندے اور کفر کے درمیان (بنیادی فرق) صرف نماز ترک کرنا ہے۔

(۲۵۳۵) اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ.

ترجمہ: عبد اللہ بن ابوبریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو عہد ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان ہے وہ نماز ہے تو جو شخص اس کو ترک کر دے گا اس نے کفر کیا۔

(۲۵۳۶) قَالَ كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرَكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کے اصحاب نماز کے علاوہ اور کسی بھی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے (یعنی وہ نماز کو ترک کرنے کو کفر اختیار کرنے کی طرح شدید گناہ سمجھتے تھے)۔

تشریح: اب تک جو ابواب آئے ہیں وہ مثبت پہلو سے آئے ہیں، اور یہ باب منفی پہلو سے ہے، نماز نہ پڑھنے پر احادیث میں جو سخت وعید آئی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز ایمان کا جز ہے، کیونکہ ترک نماز ایمان کے منافی ہے، نماز چھوڑنا انتہائی سنگین گناہ ہے اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں جو نماز چھوڑنے کی وعید پر مشتمل ہیں کہ نماز چھوڑنا اتنا سنگین جرم ہے کہ مسلمان اس کی وجہ سے کفر میں یا کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔ کان اصحاب محمد ﷺ لا یرون شیئاً۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں نماز نہ پڑھنا سب سے بڑا جرم تھا جو سخت ترین سزا کے لائق ہے اور انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں: ان حدیثوں کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑنے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہو جاتا ہے، اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، اس لئے اگر وہ اس حال میں مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، مگر یہ مذہب متروک ہے، سعودیہ میں بھی اس پر عمل نہیں اور دوسرے اکثر ائمہ کے نزدیک ترک نماز اگرچہ کفرانہ عمل ہے، جس کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں، مگر وہ صریح کفر نہیں، پس اگر کسی بد بخت نے غفلت سے نماز چھوڑ دی، اور اس نے دل سے نماز کی فرضیت کا انکار نہیں کیا، اور اس کے عقیدے میں کوئی انحراف بھی نہیں آیا تو اگرچہ وہ دنیا و آخرت میں سخت سزا کا مستحق ہے۔

باب

باب ۹: ایمان کب مزہ دیتا ہے؟

(۲۵۳۷) ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے سے راضی رہا اور اسلام کے دین

ہونے سے راضی رہا اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے سے راضی رہا (یعنی ان پر ایمان رکھے)۔

(۲۵۳۸) ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكُودُ أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تین خوبیاں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کے ذائقے کو پالے گا جس شخص کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان دونوں کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں اور آدمی کسی شخص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے اور آدمی کفر کی طرف دوبارہ جانے کو اسی طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اسے اس (کفر) سے بچا چکا ہو۔

محبت کے معنی اور اس کے اقسام:

محبت کے معنی امتیازی وصف کی وجہ سے دل کا کسی جانب مائل ہو جانا۔

- (۱) حب طبعی: انسان طبعی طور پر کسی چیز سے محبت کرے جیسے انسان اپنے والدین اولاد اور رشتہ داروں سے محبت کرتا ہے۔
- (۲) حب عقلی: عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس شے کے ساتھ محبت کی جائے جیسے انسان کی اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت والفت۔

(۳) حب کمالی: کسی میں کوئی ہنر فن اور کمال ہو کہ جس کی وجہ سے اس سے محبت کی جا رہی ہے۔

(۴) حب جمالی: کسی کے ساتھ محبت اس کے حسن و جمال کی وجہ سے کی جائے۔

(۵) حب احسانی: کسی کے احسان کی وجہ سے محبت کی جائے۔ (نفحات التنقیح ۱/۲۷۷)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ میں محبت کے تمام اسباب علی وجہ الکمال پائے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مدار ایمان کون سی محبت ہے؟ دو قول ہیں:

- (۱) اس سے محبت عقلی مراد ہے کہ عقلی طور پر انسان یہ سمجھتا ہو کہ نبی کریم ﷺ پوری دنیا میں سب سے زیادہ قابل محبت اور قابل تعظیم ہیں۔
- (۲) بعض حضرات کے نزدیک اس سے محبت طبعی مراد ہے لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو غیر اختیاری ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں محبت طبعی کا وہ درجہ مراد ہے جو اپنے اختیار سے حاصل ہوتا ہے یعنی اس محبت کے اسباب پر غور کریں تو اسباب محبت یعنی حسن و جمال کمال اور عطاء و احسان پر غور و فکر کرنے سے جو محبت پیدا ہوگی وہ محبت طبعی ہی ہوگی پھر اس کے ساتھ دوسری محبتیں بھی شامل ہو جائے گی تو عشق کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

بَابُ لَا يَزْنِي الزَّانِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ

حالت ایمان میں زنا کا صدور نہیں ہوتا

(۲۵۳۹) لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَكِنَّ التَّوْبَةَ

مَعْرُوضَةٌ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا زنا کرنے والا زنا کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا چوری کرنے والا چوری کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا البتہ توبہ کی گنجائش رہتی ہے۔

(۲۵۵۰) مَنْ أَصَابَ حَدًّا فَعَجَّلَ عِقُوبَتَهُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لَهُ مِنْ أَنْ يُثْنِيَ عَلَى عَبْدِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الْآخِرَةِ وَمَنْ أَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ قَالَ اللَّهُ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ يُعُودَ إِلَى شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن طالب نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں جو شخص قابل حد جرم کا ارتکاب کرے اور اسے دنیا میں اس کی سزا دے دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس حوالے سے سب سے زیادہ عدل کرنے والا ہے کہ وہ دوبارہ آخرت میں اس بندے کو اس کی سزا دے اور جو شخص کسی قابل حد جرم کا ارتکاب کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کر لے اور اس سے درگزر کرے تو اللہ تعالیٰ اس بارے میں سب سے زیادہ کریم ہے کہ وہ دوبارہ اس بارے میں سزا دے جسے وہ معاف کر چکا ہو۔

تشریح: لایزنی الزانی وهو مومن کے معنی میں چار اقوال ہیں:

(۱) اس گناہ سے اس کے دل سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے پھر جب وہ تہ دل سے اس گناہ سے توبہ کر لے تو وہ نور ایمان واپس لوٹ آتا ہے۔

(۲) معصیت کے ارتکاب کے وقت ایمان کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا ایمان کامل نہیں رہتا بلکہ ناقص ہو جاتا ہے۔

(۳) بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو شخص زنا اور چوری کو حلال اور جائز سمجھتا ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہتا ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے زجر اور تہدید مقصود ہے تاکہ مسلمان اس گناہ کا ارتکاب نہ کریں کیونکہ یہ عمل انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے یہ کافروں کے اعمال میں سے ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۷ / ۴۱۳)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ زنا، چوری اور شراب پینے کی وجہ سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اور پہلی روایت میں جو فرمایا ہے کہ کبار کے ارتکاب کے بعد بھی توبہ پیش کی ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کا موقع رہتا ہے، اگر بندہ قوی یا فعلی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس توبہ کو قبول کر لیتے ہیں اور دوسری حدیث میں یہ بیان ہے کہ زنا کرتے وقت اگرچہ ایمان نکل جاتا ہے، مگر وہ چلا نہیں جاتا، بلکہ اس کے سر پر سایہ لگن رہتا ہے، یعنی بندے سے ایمان کا تعلق قائم رہتا ہے، اور گناہ سے فارغ ہونے کے بعد ایمان حسب سابق لوٹ آتا ہے اور تیسری روایت میں امام باقر رحمہ اللہ نے یہی حقیقت سمجھائی ہے کہ ایمان تو نکل جاتا ہے مگر اسلام یعنی ظاہری انقیاد باقی رہتا ہے۔ مطالب روایات آخری حدیثوں میں یہ مضمون ہے کہ اگر گناہ کی سزا دنیا میں مل گئی تو آخرت میں حساب بے باق ہو جاتا ہے، اور اگر دنیا میں سزا نہیں ملی تو آخرت میں اس گناہ کی سزا مل بھی سکتی ہے اور معاف بھی ہو سکتی ہے اور بالکل آخری حدیث میں یہ مضمون ہے کہ اگر دنیا میں سزا ملی تو آخرت میں اس کو دوبارہ سزا دینا اللہ کے انصاف سے بہت ہی بعید ہے، اور اگر دنیا میں سزا نہ ملی اور اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو جس ہستی نے اس کی یہاں عزت رکھی ہے اس کے کرم سے

کیا بعید ہے کہ وہ آخرت میں بھی درگزر فرمائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ الْمُسْلِمُ مِّنْ سَلَمِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ

باب ۱۰: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں

(۲۵۵۱) الْمُسْلِمُ مِّنْ سَلَمِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُؤْمِنُ مَنَ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ لوگ اپنے خون اور اپنے اموال کے حوالے سے اس سے امن میں رہیں۔

(۲۵۵۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ أَىُّ الْمُسْلِمِينَ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کون سا مسلمان زیادہ فضیلت رکھتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا

باب ۱۱: اسلام کی ابتدا کسمپرسی کی حالت میں ہوئی ہے، اور آگے بھی یہی حال ہو جائے گا

(۲۵۵۳) إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ أَفْطُوْبِي لِلْغُرَبَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسلام کا آغاز غریب الوطنی میں ہوا تھا اور یہ عنقریب غریب الوطن ہو جائے گا جیسے اس کا آغاز ہوا تھا تو غریب الوطن لوگوں کے لیے خوشخبری ہے۔

(۲۵۵۴) إِنَّ الدِّينَ لَيَأْتِي إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْتِي إِلَى حُجْرَتِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينَ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرُؤِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا أَفْطُوْبِي لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُضْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنتِي.

ترجمہ: کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دین (اسلام) حجاز کی طرف یوں سٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سمتا ہے اور دین (اسلام) حجاز میں اس طرح پناہ گزین ہوگا جس طرح جنگلی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتا ہے نیز دین (اسلام) کا آغاز غریب الوطنی میں ہوا تھا اور یہ دوبارہ غریب الوطن ہو جائے گا تو ان غریب الوطن لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو اس چیز کی اصلاح کریں گے جس بارے میں لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں خرابی کی ہوگی۔

تشریح: اور حدیث کے پہلے دونوں جملوں کا مطلب ایک ہے کہ آخر زمانہ میں کفر والحاد کا ایسا غلبہ ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے حجاز

کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں رہنا دشوار ہو جائے گا، اور دنیا کے تمام مسلمان سمٹ کر حجاز میں یعنی مکہ و مدینہ میں آ رہیں گے، وہی جگہ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ ہوگی، جیسے سانپ بل سے روزی تلاش کرنے کے لئے نکلتا ہے پھر لوٹ کر وہیں آ جاتا ہے، اور پہاڑی بکرا چرنے چگنے کے لئے پہاڑ سے نیچے اترتا ہے، پھر گوٹی پر چڑھ جاتا ہے، اور ایسا اس زمانہ میں ہوگا جب ساری دنیا میں مسلمان کسمپرسی کی حالت میں ہو جائیں، اس وقت جو مسلمان دین کو مضبوط تھامے رہیں گے ان کے لئے آخرت میں ہر نعمت اور خوش حالی ہے۔

طوبیٰ سے کیا مراد ہے؟

اس سے غرباء کے لیے فرحت و مسرت ہر قسم کی خیر و برکت اور جنت مراد ہے اور بعض کے بقول طوبیٰ جنت میں ایک درخت کا نام ہے۔

غرباء سے کون لوگ مراد ہیں؟

(۱) ان سے وہ مسلمان مراد ہیں جو اسلام کے آغاز کے وقت تھے اور جو قیامت کے قریب آئیں گے یہ اسلام کی خاطر ہر قسم کی تکلیف پر صبر کریں گے۔

(۲) ان سے وہ مہاجرین مراد ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کی ہے۔

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے وہ مخلص مسلمان مراد ہیں جو فتنے کے دور میں مٹی ہوئی سنتوں کی اصلاح اور ان کو زندہ کریں گے جیسا کہ اس باب کی دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی وضاحت فرمادی ہے۔

لعنات: غریب پر دیسی مسافر اجنبی غربت والا۔ یارز: سمٹ کر آئے گا پناہ لے لے گا۔ حجاز: اس سے مکہ مدینہ اور ان کے اطراف کا علاقہ مراد ہے۔ مجز: بل سوراخ۔ لیعقلن: ضرور پناہ لے گا جگہ لے گا۔ اذویۃ: جنگلی بکری کو اس لیے ذکر کیا کیونکہ بیز کے مقابلے زیادہ دشوار جگہوں پر جاسکتی ہے۔ معقل: قلعہ پناہ لینے کی جگہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِلَامَةِ الْمَنَافِقِ

باب ۱۲: منافق کی علامتیں

(۲۵۵۵) آيَةُ الْمَنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اُوْتِيَ خَانًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے گا، تو جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے گا، تو اس کی خلاف ورزی کرے گا، جب اسے امین مقرر کیا جائے گا، تو خیانت کرے گا۔

(۲۵۵۶) اَزْبَعَ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا لَّوْ اَنَّ كَانَتْ حَصْلَةُ مِنْهُمْ فِيْهِ كَانَتْ فِيْهِ حَصْلَةٌ مِّنَ التَّيْفَاقِ حَتَّى يَدْعَهَا مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اَخَاصَمَ فَجَرٌ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں چار خامیاں جس شخص میں ہوں گی وہ منافق ہوگا، اور اگر کسی شخص میں ان میں سے کوئی ایک خامی ہو تو اس میں منافقت کی خصوصیت ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے وہ شخص کہ جب کوئی بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے جب لڑائی کرے تو بدزبانی کا مظاہرہ کرے جب کوئی عہد

کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔

(۲۵۵۷) إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ وَيَتَوَتَّى أَنْ يَفْعَلَ بِهِ فَلَمْ يَفْعَلْ بِهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب آدمی کوئی وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اسے پورا کرے گا اور پھر وہ اسے پورا نہ کر سکے تو اسے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

مناقت کے معنی ہیں: دل میں کفر کا ہونا اور ظاہر میں ایمان کا دعویٰ کرنا پس منافق وہ شخص ہے جو ایمان ظاہر کرتا ہے، مگر وہ بناوٹی ہے، دل میں اس کو یقین نہیں، لوگوں کے ڈر سے کسی مصلحت سے ایسا کرتا ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ تین طرح کے تھے ایک خالص مؤمن، دوسرے خالص کافر، تیسرے منافق، نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے احوال معلوم کر دیتے تھے۔
نفاق کے معنی اور اس کی قسمیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفاق کے معنی ہیں کہ باطن ظاہر کے مطابق نہ ہو پھر اس نفاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نفاق اعتقادی: ایک شخص کسی مصلحت اور غرض کی وجہ سے بظاہر اسلام کا اظہار کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اندرونی طور پر کافر ہوتا ہے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء: ۱۳۵)

(۲) نفاق عملی: اس شخص کا عقیدہ تو درست ہے مخلص مسلمان لیکن اس کا عمل باطن کے خلاف ہے اس کے اعمال منافقوں والے ہیں مثلاً وعدہ خلافی کرنا، گالیاں دینا، جھوٹ بولنا وغیرہ یہ اعمال منافقین والے ہیں یہ کام مسلمان کی شایان شان نہیں اور باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں: پہلی دو حدیثوں میں منافقانہ اعمال و اخلاق کا بیان ہے، اور تیسری حدیث میں وعدہ خلافی کے سلسلہ میں ایک مسئلہ ہے۔ باب کی مذکورہ احادیث میں قسم یعنی نفاق عملی مراد ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا میرے اندر آپ کچھ نفاق محسوس کرتے ہیں تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد نفاق عملی ہی تھا نہ کہ نفاق اعتقادی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نفاق اعتقادی کا تو وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بن ارقم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اس صورت میں مذموم اور نفاق کی علامت ہے جبکہ وعدہ کرتے وقت ہی اسے پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو لیکن اگر وعدہ کرتے وقت اسے پورا کرنے کا قصد اور ارادہ تھا لیکن پھر کسی وجہ سے اسے پورا نہ کر سکا تو یہ وعدہ خلافی کے حکم میں نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ

باب ۱۳: مسلمان کو گالی دینا بدکاری ہے

(۲۵۵۸) قِتَالُ الْمُسْلِمِ أَخَاهُ كُفْرٌ وَسَبَابُهُ فُسُوقٌ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔
تشریح: ابواب البر والصلة، باب ۵۱ میں یہ حدیث اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ رَمَى أَخَاهُ بِكُفْرٍ

باب ۱۴: مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا بدترین گناہ ہے

(۲۵۶۰) لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ قِيمًا لَا يَمْلِكُ وَلَا عَنِ الْمُؤْمِنِ كَقَاتِلِهِ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَاتِلِهِ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عَذَّبَهُ اللَّهُ بِمَا قَتَلَ بِهِ نَفْسَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو اس کے بارے میں اس پر کوئی نذر لازم نہیں ہوتی اور مومن شخص پر لعنت کرنے والا اسے قتل کرنے والے کی مانند ہے اور جو شخص کسی مومن کو کافر قرار دے تو وہ اسے قتل کرنے والے کی مانند ہے اور جو شخص جس چیز کے ذریعے خودکشی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اسی چیز کے ذریعے عذاب دے گا جس کے ذریعے اس نے خودکشی کی تھی۔

(۲۵۶۱) أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے وہ کفران دونوں میں سے کسی ایک میں پختہ ہوگا۔
فقد باء بها احدهما: جمہور کے نزدیک اس حدیث کے حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ ایک مسلمان خواہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ کا ارتکاب کر لے جیسے قتل اور زنا وغیرہ اور خواہ وہ اپنے کسی بھائی کو کافر کہدے تو اس سے وہ آدمی گنہگار تو ضرور ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ دین اسلام کے باطل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے جبکہ مذکورہ حدیث کے ظاہر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہدے جبکہ حقیقت میں وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جائے گا اس وجہ سے مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں۔
پہلی توجیہ: اس سے دوسرے مسلمانوں کو تنبیہ اور ڈرانا مقصود ہے تاکہ کوئی مسلمان اس قسم کا جملہ نہ کہے۔
دوسری توجیہ: جس شخص کو کافر کہا گیا ہے وہ اگر واقعتاً کافر ہے پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا ہے وہ اس کا مستحق ہے لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئے گا اس حدیث کی یہ توجیہ سب سے اچھی ہے۔

(فتح الباری ۱۰/۵۷۱ کتاب الادب)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ يَمُوتُ وَهُوَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

باب ۱۵: جس کی موت عقیدہ توحید پر آئے وہ جنتی ہے

(۲۵۶۲) أَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِي فَوَاللَّهِ لَئِنْ اسْتُشْهِدْتُ لَا شَهِدَانَ لَكَ وَلَئِنْ شَفَعْتُ لَا شَفْعَ لَكَ وَلَئِنْ اسْتَظَعْتُ لَا نَفْعَ لَكَ ثُمَّ قَالَ وَاللَّهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَكُمْ فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمْ بِهِ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ أُحَدِّثُكُمْ بِهِ الْيَوْمَ وَقَدْ أُحِيطَ بِنَفْسِي سَمِعْتُ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ.

ترجمہ: صابحی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت قریب المرگ تھے میں رونے لگا تو انہوں نے فرمایا خاموش ہو جاؤ تم کیوں رو رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر مجھ سے گواہی مانگی گئی تو میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا اور اگر مجھے شفیع بنایا گیا تو میں تمہاری شفاعت کروں گا اور اگر مجھ سے ہوسکا تو میں تمہیں نفع پہنچاؤں گا پھر انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آپ ﷺ کی زبانی جو بھی حدیث سنی جس میں تمہارے لیے بھلائی موجود تھی وہ میں نے تم لوگوں کے سامنے بیان کر دی سوائے ایک حدیث کے وہ میں آج تمہارے سامنے بیان کروں گا کیونکہ اس وقت میں قریب المرگ ہو چکا ہوں میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر جہنم کو حرام کر دے گا۔

(۲۵۶۳) إِنَّ اللَّهَ سَيَخْلِصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةَ وَتِسْعِينَ سِجِّلًا كُلُّ سِجِّلٍ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا أَظْلَمَكَ كَتَبْتَنِي الْخَافِظُونَ فَيَقُولُ لَا يَارَبِّ فَيَقُولُ أَفَلَاكَ عَذْرٌ فَيَقُولُ لَا يَارَبِّ فَيَقُولُ بَلَى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً فَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٍ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولُ أَحْضِرْ وَزَنَّاكَ فَيَقُولُ يَارَبِّ مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السِّجِّلاتِ فَقَالَ إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَنُوضِعُ السِّجِّلاتِ فِي كِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةَ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِّلاتُ وَثَقَلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ شَيْئٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی موجودگی میں میری امت کے ایک شخص کو الگ کرے گا اور اس کے سامنے اس کے ۹۹ دفتر (نامہ اعمال کے) کھولے جائیں گے ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا جہاں تک نگاہ پہنچتی ہو پھر وہ فرمائے گا کیا تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ کیا میرے مقرر کردہ محافظ فرشتوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے؟ وہ جواب دے گا نہیں اے میرے پروردگار تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟ تو وہ عرض کرے گا نہیں اے میرے پروردگار پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں میرے پاس تمہاری ایک نیکی ہے اور آج تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی پھر ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا جائے گا جس میں یہ تحریر ہوگا۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں حضرت محمد ﷺ اس کے خاص بندے اور رسول ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا (اس کا وزن ہونے لگا ہے) تم بھی میزان کے پاس رہو تو وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار ان دفاتروں کے مقابلے میں کاغذ کے اس ایک ٹکڑے کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے اوپر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر ان تمام دفاتروں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اس ایک کاغذ کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ تمام دفتر ہلکے ہو جائیں گے اور کاغذ کا وہ ٹکڑا بھاری ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام جتنی وزنی چیز اور کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔

تشریح: یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا ہے، پہلے مضمون چل رہا تھا وہ پورا ہوا یعنی اعمال صالحہ ایمان کے اجزاء میں اور

اعمال صالحہ ایمان کے منافی ہیں: یہ مضمون پورا ہوا۔

اعتراض: یہ ہے کہ جب ایمان کی حقیقت مرکب ہے، اور وہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے، اور اعمال صالحہ ایمان کے اجزاء ہیں اور اعمال طالحہ ایمان کے منافی ہیں تو جو مسلمان بدکاریاں کرتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوا، اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ کیا وہ ایمان کی حالت میں مرایا وہ مؤمن نہیں؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کر کے بتلایا کہ وہ مؤمن ہے، کیونکہ اعمال صالحہ ایمان کامل کے اجزاء ہیں، اور اعمال سیئہ ایمان کامل کے منافی ہیں، نفس ایمان کو یہ چیزیں مس نہیں کرتیں، اصل ایمان ایک بسیط حقیقت ہے، اور اسی کے ماتریدہ اور جمہور محققین قائل ہیں۔

یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور مسلم شریف کی روایت ہے، اور یہی مضمون دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے: من قال لا اله الا الله دخل الجنة: جس نے لا اله الا الله کہا وہ جنت میں جائے گا، ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ایمان ایک بسیط حقیقت ہے، وہ صرف عقائد کا نام ہے، اور اسی پر دخول جنت کا مدار ہے۔

لیکن یہ بات محدثین کے موقف کے خلاف ہے، اس لئے امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا: انما كان هذا في اول الاسلام قبل نزول الفرائض والامر والنهي. یعنی یہ ارشادات دور اول کے ہیں جبکہ فرائض اور اوامر و نواہی کا نزول نہیں ہوا تھا، بعد میں جب اعمال صالحہ مامور بہ ہوئے اور اعمال سیئہ منہی عنہ ٹھہرے تو وہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہو گئے، اور وہ ایمان کے اجزاء بن گئے۔ مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا، اس لئے اہل علم سے دوسری توجیہ نقل کی کہ جو بھی توحید کا قائل ہے، وہ کسی نہ کسی دن جنت میں ضرور جائے گا، اگرچہ اس کو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں بھیجا جائے، مگر وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، کیونکہ سات صحابہ سے ایسی حدیثیں مروی ہیں جن کا مضمون یہ ہے: سيخرج قوم من النار من اهل التوحيد ويدخلون الجنة. ”عنقریب کچھ لوگ جو توحید کے قائل ہیں جہنم سے نکالے جائیں گے، اور جنت میں داخل کئے جائیں گے۔“ اور متعدد تابعین سے سورۃ الحجرات ۲ ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾ کی تفسیر کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے، پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے بلاقہ والی حدیث پیش کی ہے، اس پرچہ میں کلمہ شہادت ہوگا، اور وہ تمام برائیوں سے بھاری ہو جائے گا، پس امام ترمذی رحمہ اللہ کی گفتگو کا حاصل امام زہری رحمہ اللہ کی توجیہ پر رد کرنا ہے۔

لغات: مهلا: ٹھہر و صبر سے کام لو۔ استشهدت: صیغہ مجہول مجھ سے گواہی طلب کی گئی۔ سيخلص: الگ اور ممتاز کر دے گا۔ سيجل: رجسٹر کاغذات کا مجموعہ اس کی جمع سجلات ہے۔ مثل مد البصر: تاحد نگاہ بڑا۔ کتبتی: کاتب کی جمع ہے میرے لکھنے والے فرشتے۔ بطانة: پرچہ کارڈ۔ كِفَّة: ترازو کا ایک پلڑا طاشت وہ رجسٹر ہلکے پڑ گئے یعنی ان کا پلڑا وزن کی کمی وجہ سے اوپر کو اٹھ گیا۔ ثقلت: اس پرچہ کا پلڑا بھاری اور وزنی ہو گیا۔

بَابُ افْتِرَاقِ هَذِهِ الْأُمَّةِ

أُمت میں گروہ بندیاں

(۲۵۶۳) تَفَرَّقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ أَوْ اثْنَتَيْنِ فِرْقَةً وَالنَّصَارَى مِثْلَ ذَلِكَ وَتَفَتَّرَقُ

أُمِّي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہودی ۱۷ فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے عیسائی بھی اسی کی مانند (اتنے ہی فرقوں میں تقسیم ہوئے) اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔

(۲۵۶۵) لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمِّي مَا آتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذُو النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ آتَى أُمَّهُ عِلَازِيَةً لَّكَانَ فِي أُمِّي مَن يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمِّي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میری امت کے ساتھ بھی وہی کچھ پیش آئے گا جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا تھا بالکل اسی طرح جیسے ایک جو تادوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ طور پر زنا کیا تھا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا شخص ہوگا جو ایسا کرے گا اور بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی ایک گروہ کے علاوہ باقی سب جہنم میں جائیں گے لوگوں نے دریافت کیا وہ کون لوگ ہوں گے؟ یا رسول اللہ ﷺ (جو جنت میں جائیں گے)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو اس راستے پر چلیں گے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔

(۲۵۶۶) إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ فَأَلْفَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ ذَلِكَ النُّورِ اهْتَدَى وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ فَلِذَلِكَ أَقُولُ جُفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللَّهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تاریکی میں مخلوق کو پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا تو جنہیں وہ نور نصیب ہو گیا وہ ہدایت حاصل کر گئے اور جنہیں نصیب نہیں ہوا وہ گمراہ ہو گئے اسی لیے میں یہ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق قلم خشک ہو چکا ہے۔

(۲۵۶۷) أَتَدْرِي مَا حَقَّقَ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ حَقَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا قَالَ أَتَدْرِي مَا حَقَّقَهُمْ عَلَيْهِ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ إِنْ لَا يُعَذِّبُهُمْ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ جانتے ہو؟ کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ان بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ بات جانتے ہو؟ کہ ان بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ ایسا کریں؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔

(۲۵۶۸) أَتَانِي جِبْرِيلُ فَيُبَشِّرُنِي فَأُخْبِرُنِي إِنَّهُ مِنْ مَّاتٍ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَلْنِي وَإِنْ

سَرِيقًا قَالَ نَعَمْ.

تَرْجُمَتُہَا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے یہ خوشخبری دی جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے دریافت کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔

تشریح: افتراق امتی، میں امت سے کیا مراد ہے؟ (۱) بعض نے کہا کہ اس سے امت دعوت مراد ہے یعنی امت محمدیہ کے تمام افراد خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر اس صورت میں ۷۳ فرقوں میں وہ مذہب والے گروہ بھی داخل ہونگے جو ہمارے ساتھ قبلہ میں شریک نہیں۔

(۲) رائج یہ ہے کہ اس سے امت اجابت مراد ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے جو ایک ہی قبلہ کے پیروکار ہیں ان کے ۷۳ فرقے ہوں گے۔

تنبیہ: یہ ذہن میں رہے کہ اس مذہب اختلاف سے ائمہ کرام اور فقہاء کافروعی اختلاف مراد نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف شرعاً مذہب نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعث رحمت ہے اس اختلاف سے اصول توحید اور نبوت و رسالت کی شروط وغیرہ کا اختلاف مراد ہے۔ چنانچہ بذل الجھود، میں ہے کہ اس اختلاف سے فروعی اور فقہی اختلاف مراد نہیں بلکہ اس سے اصولی اختلاف مراد ہے اور ۷۳ کے عدد سے کثرت مقصود ہے کہ اس امت میں اصولی اختلاف رکھنے والے بے شمار فرقے پیدا ہو جائیں گے نجات پانے والا اور راہ راست پر صرف ایک ہی فرقہ ہوگا جسے اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق ہوگا۔

ماحقہم علی اللہ.....

استراض: اللہ تعالیٰ پر تو بندوں کی کوئی چیز لازم نہیں تو پھر اس حق سے کیا مراد ہے؟

جواب ①: اس حق سے لائق اور مناسب کے معنی مراد ہیں کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں ورنہ تو اللہ کا عاجز ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب نقص اور عجز سے پاک ہے۔

جواب ②: اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر ایک شے کو لازم کر لیا ہے ورنہ بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے اسے وجوب احسانی اور تفضلی کہا جاتا ہے۔

جواب ③: کلام کے حسن اور مشاکلتہ کے طور پر لفظ حق استعمال کیا ہے پہلے لفظ حق اللہ علی العباد استعمال فرمایا تو اسی کے لحاظ سے دوسرے مقام پر بھی حق کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس سے لزوم اور وجوب کے معنی مراد نہیں۔ (مرآۃ: ۱/۱۷۲)

یہ باب گزشتہ بحث کا آخری باب ہے، اور یہ باب بھی دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج وغیرہ ایمان کو مرکب مانتے ہیں، اعمال صالحہ کو اس کا جز مانتے ہیں، اور مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟ یہ باب اس کا جواب ہے کہ یہ فرقے گمراہ ہیں، اس لئے ان کے اختلاف کا اعتبار نہیں، نبی ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح اس امت میں بھی اختلاف ہوگا، اور ان میں سے ناجی صرف ایک فرقہ ہوگا، باقی سب جہنم میں جائیں گے، اس لئے ان کے عقائد اور ان کے خیالات کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف فرقہ ناجیہ کی تعیین اس لئے پوچھی کہ وہی مقصود و مطلوب ہے، اسی کی پیروی کرنی ہے، گمراہ فرقوں سے امت کو کیا لینا ہے! ہاں علماء کے لئے ان کے احوال سے واقفیت ضروری ہے۔ اور فرقہ ناجیہ اہل السنہ والجماعہ ہے۔

ما انا علیہ: سنت سے تعبیر ہے، نبی ﷺ کا جو طریقہ ہے وہی سنت ہے، اور سنت ہی حجت ہے، حدیث حجت نہیں، کسی حدیث میں حدیثوں کو مضبوط پکڑنے کا حکم نہیں آیا، تمام حدیثوں میں سنت ہی کو مضبوط پکڑنے کا حکم ہے۔

اور ما انا علیہ اصحابی سے مراد: اجماع امت ہے، ابن ماجہ اور ابوداؤد میں یہی حدیث دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اس میں لفظ الجماعۃ ہے، یعنی نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ ایک ملت جو ناجی ہوگی وہ کونسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: الجماعۃ: یعنی جماعت مسلمین، اسی کا نام اجماع امت ہے، پس جس طرح فرقہ اہل قرآن گمراہ ہے بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، اسی طرح فرقہ اہل حدیث بھی گمراہ ہے، مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں، اور برحق ملت صرف اہل السنہ والجماعہ ہیں۔

وان زنی وان سرق: کا سوال پہلے نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کیا ہے، پھر جب یہ بات نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو انھوں نے بھی یہی سوال کیا اور ان آخری حدیثوں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ نجات کا مدار کلمہ توحید پر ہے، اور ایمان ایک بسیط حقیقت ہے، اقرار و اعمال اس کا جز نہیں، اقرار صرف دنیا میں احکام جاری کرنے کے لئے ضروری ہے، اور اعمال صالحہ اور کبار سے بچنا ایمان کامل کے لئے شرط ہے، جس کی وجہ سے بندہ نجات اولیٰ کا حقدار ہوتا ہے، اور جنت کے بلند درجات پر فائز ہوتا ہے، رہا نفس ایمان کا حامل یعنی توحید کا قائل تو وہ اگرچہ کبار میں ملوث رہا ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کی تمام کوتاہیاں معاف کر دیں گے یا وہ سزا پانے کے بعد نجات پائے گا۔



أَبْوَابُ الْعِلْمِ

علم کے بیان میں

ربط: ابواب الایمان کے بعد ابواب العلم اس لئے لائے ہیں کہ ایمان کا مدار معرفت و خشیت پر ہے، سورۃ الفاطر (آیت ۲۸) میں ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں، اس آیت میں علماء سے معروف علماء مراد نہیں، بلکہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی جو اللہ کی عظمت و کبریائی کو جانتا ہے وہی اللہ پر ایمان لاتا ہے، اور وہی اللہ سے ڈرتا ہے۔

علم کے لغوی معنی ہیں: جاننا، مگر اس کی تعریف میں بڑا اختلاف ہے، یعنی جاننے کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بات ابھی تک متعین نہیں ہو سکی، اسی طرح جاننے والی قوت کونسی ہے: عقل ہے یا دل؟ اور اس کا محل کیا ہے؟ یہ بات بھی ابھی تک طے نہیں ہو سکی۔ اور شرح عقائد میں علم کی تعریف یہ کی ہے:

صفة يتجلى بها الہد کور لمن قامت ہی بہ۔

یعنی علم ایک حالت کا نام ہے: جس سے وہ بات واضح ہو جاتی ہے جو عالم کے سامنے ذکر کی جاتی ہے، جبکہ عالم کے ساتھ وہ حالت قائم بھی ہو، یعنی اس میں موجود بھی ہو اور اگر وہ بے وقوف ہے تو اس کے سامنے معلوم کا خواہ کتنا ہی ذکر کیا جائے اس کو علم حاصل نہیں ہوگا۔ ورا یک تعریف یہ کی گئی ہے کہ علم ایک نور ہے جس سے معلوم واضح ہو جاتا ہے، جیسے آنکھ میں روشنی ہے جس سے دیکھی ہوئی چیز واضح ہو جاتی ہے۔ حکماء کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

حصول صورة الشئ فی العقل۔

کسی شے کی صورت عقل میں حاصل ہونا یہ تعریف وہم شک ظن جہل مرکب تقلید اور یقین کو شامل ہے۔ متکلمین کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

هو صفة يتجلى بها الہد کور لمن قامت ہی بہ۔ عالم کے ذہن میں کسی چیز کا انکشاف علم ہے۔

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ علم انکشاف ذہنی کا نام ہے، یہ انکشاف تام اور غیر مشتبہ ہونا چاہیے۔

محدثین کی اصطلاح میں علم کی تعریف:

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علم مومن کے قلب میں ایک نور ہے جو فانوس نبوت کے چراغ سے مستفاد ہوتا ہے یہ علم نبی ﷺ

کے اقوال افعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو کسی ہے اور اگر بلا واسطہ حاصل ہو تو علم لدنی ہے۔

علم دین کی تفصیل:

امام بیہقی رحمہ اللہ بیان کرتا ہیں: جب علم کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے اور اس کی متعدد اقسام ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کی معرفت کا علم اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔

(۲) اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم اس میں علم نبوت اور علم احکام اللہ بھی داخل ہے۔

(۳) کتاب و سنت کی نصوص اور ان کے معانی کا علم اس میں مراتب نصوص ناسخ اور منسوخ اجتہاد قیاس صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کا علم اور ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم بھی داخل ہے۔

(۴) جن علوم سے کتاب و سنت کی معرفت اور احکام شرعیہ کا علم ممکن ہو اس میں لغت عرب نحو صرف اور محاورات عرب کی معرفت داخل ہے۔

عوام کے لیے قدر ضروری علم کا بیان:

امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا علم کی دو قسمیں ہیں عوام کا علم اور خواص کا علم۔

عوام کا علم:

عوام کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ پانچ چیزیں ضروری ہیں کہ پانچ نمازیں فرض ہیں اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ماہ رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے اور ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے اور زنا قتل چوری اور شراب نوشی کو ان پر حرام کر دیا ہے اسی طرح وہ احکام جن کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلف کیا ہے جن کا کرنا یا جن سے اجتناب اس پر ضروری ہے ان سب کا جاننا اس پر ضروری ہے ان احکام کی صراحت قرآن مجید میں مذکور ہے اور یہ احکام اہل اسلام میں تو اتر کے ساتھ نبی ﷺ سے منقول ہیں یہ وہ علم ہے جس میں غلطی تاویل یا اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

خواص کے لیے قدر ضروری علم کا بیان:

احکام شرعیہ کی تمام فروعات کا علم حاصل کرنا قرآن مجید کی صریح عبارات دلائل اشارت اور اقتضاء نصوص کو جاننا اسی طرح احادیث اور آثار کا علم حاصل کرنا قیاس اور اس کی شرائط کو جاننا اور ایسی صلاحیت حاصل کرنا کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا کتاب اور سنت سے حل بتایا جاسکے ہر شخص کے لیے علم میں اتنی مہارت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے لیکن مسلمانوں میں سے چند افراد کے لیے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (التوبة: ۱۲۲)

”اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے ہوں تو ان کے ہر گروہ سے ایک جماعت کیوں نہ نکلی تاکہ وہ

لوگ دین کی فقہ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں تاکہ وہ (گناہوں سے) بچے رہیں۔
ایک بار فرقت سنجی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا فقہاء آپ کی مخالفت کرتے ہیں حسن نے کہا تم نے کوئی فقہ دیکھا ہے؟ فقہ وہ شخص ہوتا ہے جو دنیا میں زاہد آخرت میں راغب اپنے دین پر بصیرت رکھنے والا اپنے رب کی عبادت پر مداومت کرنے والا متقی لوگوں کی عزتوں سے بچنے والا ان کے اموال سے احتراز کرنے والا اور ان کی خیر خواہی کرنے والا ہو لیکن اب مشہور یہ ہے کہ فقہ وہ شخص ہے جو احکام جزئیہ کا حافظ ہو عام ازیں کہ اسے ان احکام کے دلائل مستحضر ہوں یا نہیں۔ (تحریر)
خلاصہ یہ ہے کہ اتنا وسیع علم حاصل کرنا جو احکام شرعیہ کی تمام فروع اور جزئیات پر مع ان کے دلائل کے محیط ہو یہ فرض کفایہ ہے اور ان جزئیات کے حافظ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام مسائل اور ان کے دلائل زبانی یاد ہوں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص میں ایسی مہارت ہو کہ جب بھی اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ قرآن مجید احادیث اور کتب فقہ سے دلائل کے ساتھ اس کا جواب دے سکے اور اسی شخص کو عالم مفتی اور فقہ کہتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر چند کہ اس حدیث کی سند کو غیر متصل قرار دیا ہے لیکن یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور اگر یہ محض ضعیف ہوتی تب بھی اس کا فضائل میں ذکر صحیح تھا اس حدیث کو امام ابو داؤد، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام احمد، اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بعض اجزاء کا ذکر کیا ہے۔
علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: امام حاکم اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی صحت کا التزام کیا ہے اور العلماء ورثۃ الانبیاء متعدد اسانید صالحہ کے ساتھ مروی ہے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث کی اصل قرآن مجید کی ان آیات میں ہے:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۖ يُؤْذِنُ اللَّهُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝﴾ (فاطر: ۳۲، ۳۵)

”پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تو کوئی ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی متوازن ہے اور ان میں سے بعض اذن الہی سے نیک کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں یہی بڑا فضل ہے۔“

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الظالم الذی اخذ القرآن ولم يعمل به والمقتصد الذی عمل به والسابق الذی اخذہ وعمل به
وبین للناس العمل به فعملوا به بقوله فهو کامل ومکمل والمقتصد کامل والظالم ناقص۔

”ظالم سے مراد وہ شخص ہے جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہیں کیا اور مقتصد وہ شخص ہے جس نے علم کے تقاضے پر عمل کیا اور سابق سے مراد وہ شخص ہے جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کر کے خود بھی عمل کیا اور لوگوں کو بھی قرآن مجید پر عمل کی دعوت دی اور لوگوں نے اس کی دعوت سے قرآن مجید پر عمل کیا پس سابق کامل اور مکمل ہے اور مقتصد کامل ہے اور ظالم ناقص ہے۔“

دنیا کا سورج اور علم کا سورج شیخ طریقت سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ رب العزت کے ہاں اہل علم کی بڑی شان ہے اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا: العلم نور ”علم ایک روشنی ہے“ اور یہ بات ذہن میں رکھیے کہ علم کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ افضل ہوتی ہے کیونکہ سورج تو کچھ حصے کے لیے چمکتا ہے پھر ڈوب جاتا ہے صرف دن کو روشنی دیتا ہے رات کو روشنی نہیں دیتا لیکن علم کا سورج دن کو بھی چمکتا ہے اور رات کو بھی چمکتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ اہل علم حضرات کی محفلیں راتوں کو بھی لگتی رہتی ہیں۔ اور ملا محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلم میں یہ کہہ کر سپردال دی: والحق انہ من اجلی البدیہیات، کالنور والسرور نعم تنقیح حقیقتہ عسیر جدًا: یعنی علم ایک بہت ہی بدیہی چیز ہے، جیسے روشنی اور خوشی، ہر شخص سمجھائے بغیر دونوں کو سمجھتا ہے، مگر اس کی حقیقت منہج کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ علم کی دو حقیقتیں ہیں: ① حقیقت اجمالیہ ② حقیقت تفصیلیہ۔ حقیقت اجمالیہ کے اعتبار سے علم بدیہی نہیں بلکہ اجلی البدیہیات ہے۔ اور حقیقت تفصیلیہ کی تنقیح اور وضاحت یقیناً انتہائی مشکل ہے تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے والحق انہ من اجلی البدیہیات میں حقیقت اجمالیہ کو بیان کیا اور نعم تنقیح حقیقتہ عسیر جدًا۔ اس قول میں حقیقت تفصیلیہ کو بیان کیا ہے۔ اس جواب سے ایک اور سوال کا جواب بھی ہو گیا۔

(مزید تفصیل کے لئے بدر النجوم شرح سلم العلوم)

علم اور معلومات میں فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طلباء سے پوچھا علم کسے کہتے ہیں؟ کسی نے کہا جاننا، کسی نے کہا پہچاننا، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ حضرت خاموش رہے طلباء نے عرض کیا حضرت! آپ ہی بتادیجئے۔ حضرت نے فرمایا! علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کئے بغیر چین نہیں آتا کیونکہ وہ تمام خبریں جو انسان کے دماغ میں تو موجود ہیں مگر عمل میں نہیں تو وہ معلومات کہلائیں گی۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے علم نافع مانگنے کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں مانگتے تھے کہ ”اے اللہ! مجھے علم نافع (نفع دینے والا علم) عطا فرما“۔ علم نافع وہی ہوتا ہے جس پر عمل کیا جائے اور اگر فقط معلومات ہوں تو یہ وبال بن جاتی ہیں۔



بَابُ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا فَقَّهَهُ فِي الدِّينِ

باب ۱: اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ خیر منظور ہوتی ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں

(۲۵۶۹) مَنْ يُرِيدُ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کر لے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے۔ تشریح: کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک فرض عین اس کی تحصیل ہر فرد پر لازمی ہے اور ایک فرض کفایہ اس علم کو ایک آدمی نے بھی حاصل کر لیا تو اس علاقے کے باقی لوگوں سے یہ فریضہ ساقط ہو گیا۔

فرائض دین کا اجمالی علم فرض عین ہے کوئی آدمی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اور دین کی سمجھ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دین کی اہمیت مومن کے لئے واضح ہو جائے اور وہ دیندار بن جائے، دنیا کی پرفریب زندگی کے چکر سے نکل جائے اور احکام شرعیہ کی پوری طرح

پیروی کرنے لگے، پس جتنے دیندار مسلمان ہیں سب اس حدیث کا مصداق ہیں۔

اور دین کی سمجھ کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ آدمی دین و شریعت سے پوری طرح واقف ہو جائے، قصہ مشہور ہے کہ کسی نے امام محمد رحمہ اللہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا: کیا حال گزرا؟ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے فرشتوں نے اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا، اللہ نے مجھ سے فرمایا: محمد! اگر مجھے تیرے ساتھ خیر منظور نہ ہوتی تو میں تجھے اپنا علم نہ دیتا جاتجھے بخش دیا۔ پس یہ حدیث جس طرح ہر دیندار مسلمان کے لئے بشارت ہے: علماء اور طلباء کے لئے بھی بہت بڑی خوشخبری ہے، آپ غور کریں: کروڑوں بچے گلیوں میں بھٹک رہے ہیں، یا اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں، اور آپ چند خوش نصیب نفوس کا اللہ تعالیٰ نے دین حاصل کرنے کے لئے انتخاب فرمایا ہے۔

پہلی وحی میں تحصیل علم کی تلقین:

قرآن پاک جب نازل ہوا تو پہلا لفظ جس سے اللہ رب العزت کی وحی فخر انسانیت نبی اکرم ﷺ کو نصیب ہوئی وہ تھا ﴿اقْرَأْ﴾ اس کا مطلب ہے ”پڑھ“ پڑھنے کے لفظ سے گویا وحی کی ابتداء کی گئی جس سے پتہ چلا کہ پڑھنا یا علم حاصل کرنا اس دین متین میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝﴾ تو پڑھ قرآن تیرا رب کرے گا تیرا اکرام۔ کون پروردگار؟ ﴿الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝﴾ جس نے آپ کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ تو قلم کا لفظ بتا کر بات واضح کر دی کہ صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ لکھنا بھی اس میں ضروری ہے۔

امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما کے درمیان اس بارہ میں بحث ہے کہ زندگی کو جہاد کی راہ پر صرف کرنا افضل ہے یا علم کی راہ میں لگانا بہتر ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما دونوں فرماتے ہیں کہ جہاد کے مقابلہ میں علم دین میں مشغول ہونے کا درجہ زیادہ ہے۔ گو بعض اوقات کافروں کے حملہ کرنے کے وقت جہاد کی اہمیت و افضلیت بڑھ جاتی ہے، مگر وہ منقبت عارضی ہے۔ جس طرح ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾

فقہ کون: انما الفقیة: الزاهد فی الدنیا الراغب فی الآخرة البصیر بأمر دینہ المداوم علی عبادۃ ربہ۔

بَابُ فَضْلِ طَلَبِ الْعِلْمِ

باب ۲: تحصیل علم کی فضیلت

(۲۵۷۰) مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسے راستے پر چلے جس میں وہ علم حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے آسان کر دیتا ہے۔

(۲۵۷۱) مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کے حصول کے لیے نکلے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوتا ہے جب تک وہ واپس نہیں آ جاتا۔

(۲۵۷۲) مَنْ ظَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِّمَا مَطَىٰ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرے تو یہ اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔
تشریح: اعضاء کی تقسیم محدث اعظم حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ کا ایک عجیب قول ہے: فرمایا: انسان کے جس میں مختلف اعضاء ہیں ان اعضاء کی تقسیم تین طرح سے ہے:

- ① کچھ اعضاء علم ہیں جن سے انسان علم حاصل کرتا ہے جیسے آنکھ، کان، دماغ، یہ ذرائع علم ہیں۔
 - ② کچھ اعضاء عمل ہوتے ہیں جیسے ہاتھ، پاؤں۔ ہاتھ اور پاؤں نے دماغ کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔
 - ③ کچھ اعضاء مال ہوتے ہیں وہ کچھ چیزوں کے خزانے ہوتے ہیں جیسے انسان کا دل، پھیپھڑے اور معدہ وغیرہ۔
- اللہ رب العزت کی تقسیم دیکھئے کہ ہاتھ اور پاؤں جن کو مزدور قسم کے اعضاء کہا جاسکتا ہے ان کو سب سے نیچے رکھا جو اعضاء مال تھے ان کو درمیان میں رکھا اور اعضاء علم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے اوپر رکھا یعنی انسان کے جسم میں علماء کی بستی سب سے اوپر بسائی پھر اہل مال کی اور اس کے بعد اہل محنت کی بستی بسائی گئی۔ گویا دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اعضاء علم کو شرافت بخشی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ ذرائع جو علم حاصل کرنے کا سبب بنتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شرافت بخش رہے ہیں تو جو انسان خود عالم بن جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو کیسی شرافت بخشے گا؟

علم دین کی تحصیل کے لئے گھر سے نکلنا مشکل کام ہے، اور ثواب بقدر مشقت ہوتا ہے، اور جنت کی راہ بھی دشوار گزار ہے، جنت ناگوار یوں سے گھیری ہوئی ہے، پس جو اللہ کے لئے علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور ہر طرح کی مشقتیں برداشت کرتا ہے اس کو اس کا صلہ اس طرح ملتا ہے کہ جنت کا راستہ اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَثْمَانِ الْعِلْمِ

باب ۳: علم چھپانے پر وعید

(۲۵۷۳) مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلَيْهِ ثُمَّ كَتَمَهُ أُحْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کسی علمی بات کے بارے میں دریافت کیا جائے جسے وہ جانتا ہو اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

تشریح: علم دین اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ خود بھی اس پر عمل کرے، اور دوسرے بندوں کو بھی اس پر لائے، پس جو شخص کوئی دینی بات جانتا ہے اور دوسرا مسلمان اس سے واقف نہیں اس لئے پوچھتا ہے، مگر وہ بتاتا نہیں تو وہ تحصیل علم کا مقصد فوت کرتا ہے اور کسی کام کا جتنا بڑا ثواب ہوتا ہے، اس کی ضد کا اتنا ہی بڑا وبال ہوتا ہے، اس لئے ایسے عالم کو قیامت کے دن جہنم کی لگام دی جائے گی، یعنی ایسا عالم جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہئے اور اللہ کے دین سے اللہ کے بندوں کو پہنچانا چاہئے۔
علم سے دین کی ایسی بات مراد ہے جس کی تعلیم ضروری اور لازم ہو مثلاً کوئی کافر اسلام قبول کرنے کے لیے اسلام کے بارے

میں سوال کرتا ہے یا نماز کے وقت نماز کے مسائل دریافت کرتا ہے یا کسی مسئلہ کا شرعی حکم کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام تو ان سب امور کا جواب دینا اس پر ضروری ہے کیونکہ عالم کا کام یہ ہے کہ وہ امت کی رہنمائی کرے غیر ضروری اور نقلی امور سے متعلق جواب دینا ضروری نہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک اس علم سے علم شہادت مراد ہے۔
قصہ کا صحیح علم حاصل ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی گواہی دے ایسے میں اس نے گواہی نہ دی تو وہ اس وعید کا مستحق ہوگا۔ (مرقاۃ: ۱/۲۳۷ کتاب العلم)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَسْتِصَاءِ بِمَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ

باب ۴: طالبین علم کے ساتھ حسن سلوک کرنا

(۲۵۷۴) إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبِعٌ وَإِنْ رَجَا لَا يَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضَيْنِ يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ فَإِذَا أَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ حَيًّا.

ترجمہ: ابو ہارون کہتے ہیں جب ہم لوگ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا ان لوگوں کو خوش آمدید جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے تلقین کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے لوگ تمہارے پیروکار نہوں گے کچھ لوگ زمین کے دور دراز علاقوں سے تمہارے پاس آئیں گے وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا چاہتے ہوں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے بارے میں بھلائی کی تلقین کو قبول کرو۔
مسند احمد کی روایت ہے:

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَالٍ الْمُرَادِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ مُتَّكِئٌ عَلَى بُرْدٍ لَهُ أَخَذَ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي جِئْتُ أَطْلُبُ الْعِلْمَ. فَقَالَ مَرْحَبًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ. أَنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ تَحِفُّهُ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنَحَتَيْهَا ثُمَّ يَرْكَبُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتَّى يَبْلُغُوا السَّمَاءَ الدُّنْيَا مِنْ مُحَبِّبِهِمْ لِمَا يَطْلُبُ. (رواه احمد)

ترجمہ: صفوان ابن عسال المرادی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سرخ چادر پر ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے کہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ تلاش علم میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے فرمایا: مرحبا اے طالب علم! فرشتے طالب علم کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اپنے پروں کے سائے میں اُسے لے لیتے ہیں۔ ایک پر ایک جمع ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ علم کی محبت میں سب سے نچلے آسمان تک چلے جاتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: العلم خزائن فسئلوا ریحکم اللہ فانہ یوجر فیہ اربعۃ تم سوال پوچھا کرو، اللہ تم پر رحم فرمائے، اس لیے کہ علم کا سوال پوچھنے پر چار قسم کے بندوں کی مغفرت ہوا کرتی ہے: السائل والمعلم والسماع والمحب لہم۔ پہلا بندہ جو سوال پوچھنے والا ہوتا ہے، دوسرا وہ شخص جو سوال کا جواب دے رہا ہوتا ہے، تیسرا وہ شخص جو پاس بیٹھا

ہو اور ان دونوں کے سوال و جواب سن رہا ہو اور چوتھے وہ لوگ جو اس سائل اور معلم سے محبت کرنے والے اور ان کا تعاون کرنے والے۔
علم ہی انسان کے لئے باعثِ فخر ہے۔

- ① أَلْعِلْمُ مَغْرُسٌ كُلِّ فَخْرٍ فَافْتَخِرْ
② وَاعْلَمْ بِأَنَّ الْعِلْمَ لَيْسَ يَنَالُهُ
③ إِلَّا أَخُو الْعِلْمِ الَّذِي يُغْنِي بِهِ
④ فَاجْعَلْ لِنَفْسِكَ مِنْهُ حَظًّا وَافِرًا
⑤ فَلَعَلَّ يَوْمًا إِنْ حَضَرْتَ بِمَجْلِسٍ

- وَاحْذَرْ يَفْؤُوكَ فخرُ ذاك المَغْرُسِ
مَنْ هُمُّهُ فِي مَطْعَمٍ أَوْ مَلْبَسٍ
فِي حَالَتَيْهِ عَارِيًّا أَوْ مُكْتَسِبِي
وَاجْعَلْهُ طَيْبَ الرِّقَادِ وَعَيْسٍ
كُنْتُ الرَّئِيسَ وَفَخْرُ ذَاكَ الْمَجْلِسِ

① علم ہر فخر کا منبع ہے، سو (اسی پر) فخر کرو اور اس (بات سے) پرہیز کرو کہ یہ فخر تم سے چھوٹ جائے۔

② یقین کرو کہ علم کو وہ شخص حاصل نہیں کر سکتا جس کا مقصد حیات بس کھانا اور پہننا ہو۔

③ ہاں وہ علم دوست (اُس کو حاصل کر لے گا) جو تنگی و فراخی دونوں حالتوں میں اُس پر فدا ہو

④ سو اپنے لیے علم کا بہت حصہ اختیار کرو اور اس کے لیے آرام و آسائش کو تھوڑا دو، زاہدانہ زندگی اپناؤ۔

⑤ پھر وہ دن آئے گا کہ تم کسی مجلس میں موجود ہو گے، اور تم ہی میرے مجلس اور فخر مجلس ہو گے۔ (دیوانِ امام شافعی رحمہ اللہ)

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْعِلْمِ

باب ۵: علم اٹھ جانے کا بیان

(۲۵۷۶) إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهًّا لَا فَسِيلُوا فَافْتُوا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ علم کو یوں قبض نہیں کرے گا کہ اسے لوگوں سے الگ کر دے بلکہ وہ علماء کو قبض کرنے کے ذریعے علم کو قبض کرے گا یہاں تک کہ وہ کسی عالم کو باقی نہیں رہنے دے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے ان سے سوال کئے جائیں گے وہ علم نہ ہونے کے باوجود جواب دیں گے وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(۲۵۷۷) كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَخَّصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا أَوَانٌ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ فَقَالَ زِيَادُ بْنُ أَبِي نَضْرَةَ كَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنْهُ وَقَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ فَوَاللَّهِ لَنَقْرَأَنَّ أَنْهُ وَلَنَقْرَأَنَّ أَنْهُ نِسَاءً نَا وَأَبْنَاءً نَا قَالَ ثَعْلَبُكَ أُمُّكَ يَا زِيَادُ إِنْ كُنْتُ لَا عُدَّكَ مِنْ فَقَهَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هَذِهِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ عِنْدَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فَمَاذَا اتَّغْنِي عَنْهُمْ قَالَ جُبَيْرٌ فَلَقِيْتُ عَبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ فَقُلْتُ أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ بِالَّذِي قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ قَالَ صَدَقَ أَبُو الدَّرْدَاءِ إِنْ شِئْتَ لَا أَحَدٌ ثَنَّاكَ

بِأَوَّلِ عِلْمٍ يَرْفَعُ مِنَ النَّاسِ الْخُشُوعُ يُوشِكُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَ الْجَامِعِ فَلَا تَرَى فِيهِ رَجُلًا خَاشِعًا.

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے آپ ﷺ نے نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ گھڑیاں ہیں جن میں علم کو لوگوں سے کھینچا جا رہا ہے یہاں تک کہ اس کی کسی بھی چیز پر قادر نہیں رہیں گے تو حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہم میں سے علم کو کیسے کھینچا جا رہا ہے جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اللہ کی قسم ہم اسے پڑھتے رہیں گے اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھاتے رہیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے زیاد تمہاری ماں تم پر روئے میں تو تمہیں مدینہ منورہ کے سمجھدار لوگوں میں ایک سمجھتا تھا یہ تو رات اور انجیل عیسائیوں کے پاس ہے لیکن اس کا انہیں کیا فائدہ ہوا۔ جبیر بیان کرتے ہیں بعد میں میری ملاقات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا آپ کو معلوم ہے آپ کے بھائی ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کیا حدیث بیان کی ہے؟ پھر میں نے انہیں وہ حدیث سنائی جو ابودرداء نے بیان کی تھی تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے سچ بیان کیا ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ سب سے پہلا علم کون سا لوگوں سے اٹھایا جائے گا؟ وہ خشوع و خضوع ہے عنقریب تم جامع مسجد میں جاؤ گے لیکن تمہیں وہاں ایک بھی شخص ایسا نظر نہیں آئے گا جس میں خشوع خضوع ہو۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صرف قرآن، حدیث اور فقہ پڑھنے سے دین باقی نہیں رہے گا، بلکہ جب تک اخلاص کے ساتھ قرآن پڑھا جائے گا دین باقی رہے گا، اور جب اس کو دنیوی مفادات کا ذریعہ بنا لیا جائے گا تو دین کا جنازہ نکل جائے گا، جیسا اگلے باب میں آ رہا ہے، پس طلبہ کو چاہئے کہ وہ نیت میں اخلاص پیدا کریں، دین کو صرف دین کے لئے حاصل کریں، اور اللہ کی خوشنودی کے لئے اس کو پھیلائیں، اپنا کوئی مفاد اس کے ساتھ وابستہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ يَطْلُبُ بِعِلْمِهِ الدُّنْيَا

باب: جو شخص اپنے علم سے دنیا کو طلب کرے

(۲۵۷۸) مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيَجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيَتَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ وَيَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ النَّارَ.

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم رضی اللہ عنہ سے سنا ہے جو شخص علم اس لیے حاصل کرے تاکہ اس کے ذریعے علماء کا مقابلہ کرے یا جہلا کے ساتھ بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(۲۵۷۹) مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِيُغَيِّرَ اللَّهُ أَوَّلَ أَدَبِهِ غَيَّرَ اللَّهُ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: نبی اکرم رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی (رضا) کی بجائے کسی اور مقصد کے لیے علم حاصل کرے یا وہ اپنے علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی اور کا ارادہ کرے تو وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پہنچنے کے لیے تیار رہے؟

تشریح: علم کی دو قسمیں ہیں: دینی اور دنیوی، دینی علم اللہ کی رضا کے لئے اور دنیوی علم دنیا کمانے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے، پھر

اگر کوئی دنیوی علم اللہ کی رضا کے لئے حاصل کرے تو اس کی خوبی کے کیا کہنے! اور اگر کوئی دینی علم دنیا کمانے کے لئے حاصل کرے تو اس کی قباحت ظاہر ہے، حدیثوں میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو ایک بڑے صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ اس امر کا خوف ہے کہ قیامت کے دن تمام جمع کے سامنے مجھے پکار کر یہ سوال نہ کیا جائے کہ جتنا علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو صرف زبان پر ہو (یعنی اس پر عمل نہ کرے) وہ اللہ تعالیٰ کا الزام ہے اور گویا اس عالم پر حجت تام ہے، دوسرا وہ علم جو دل پر اثر کرے (یعنی علم کے موافق عمل ہو) وہ علم نافع ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ (کسی چیز) کے لیے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہئے۔ (جمع الفوائد)

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: علم اس لئے نہ حاصل کرو کہ علماء پر فخر کرو جہلاء سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ بیٹھو جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لئے دوزخ ہے دوزخ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اپنا عمل اس کے مطابق رکھتے تو اللہ اور اللہ کے فرشتے اور صالحین ان سے محبت کرتے۔ تمام مخلوق پر ان کا رعب ہوتا لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا اس لئے اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہو گیا اور وہ مخلوق میں بھی بے وقعت ہو گئے۔

امام حماد رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْعَالِمُ اِذَا اَرَادَ يَعْزِلْهُ وَجْهَ اللّٰهِ هَابَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّكْثُرَ بِهِ الْكُنُوزُ، هَابَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ. ترجمہ: جب آدمی کا علم حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی مقصود ہو تو پھر اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جب اس کا مقصود علم حاصل کرنے سے مال کی کثرت اور زیادتی ہو تو پھر وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى تَبْلِيغِ السَّمَاءِ

باب ۷: پڑھی ہوئی حدیثیں دوسروں تک پہنچانے کی فضیلت

(۲۵۸۰) نَصَرَ اللّٰهُ اِمْرًا سَمِعَ مِنْ اَحَدٍ نَّحْفًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَ اَقْرَبَ حَامِلٍ فَقَدْ اِلَى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ وَرُبَّ حَامِلٍ فَقَدْ لَيْسَ بِفَقِيْهِ.

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابان اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ عین دوپہر کے وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مروان کے ہاں سے باہر نکلے تو ہم نے سوچا یہ اس وقت کسی ضروری کام سے آئے ہوں گے جو مروان نے ان سے دریافت کرنا ہوگا ہم اٹھے اور ہم نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا ہاں اس نے ہم سے کچھ چیزوں کے بارے میں دریافت کیا جو ہم نے آپ ﷺ کی زبانی سنی ہیں میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سنے پھر اس کو یاد رکھے یہاں تک کہ دوسرے تک اس کا پہنچا دے کیونکہ بعض اوقات فقیہ (یعنی علم) رکھنے والا اس شخص تک منتقل کر دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ (یعنی عالم) ہوتا ہے اور بعض اوقات علم حاصل کرنا بذات خود فقیہ نہیں ہوتا۔

(۲۵۸۱) نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مِنْ شَيْئًا قَبْلَهُ كَمَا سَمِعَ قُرْبُ مَبْلَغٍ أَوْ عَمَى مِنْ سَامِعٍ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبد اللہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہم سے کوئی چیز سنے اور اسے اسی طرح آگے پہنچا دے جیسے سنا تھا بعض اوقات جس شخص تک تبلیغ کی گئی ہو وہ براہ راست سننے والے سے زیادہ بہتر طور پر اسے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲۵۸۲) نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاَهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا قُرْبَ حَامِلٍ فِيهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ ثَلَاثُ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِمْ قَلْبُ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَمُنَاصَحَةُ أُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَلَزُومُ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنَّ الدَّعْوَةَ تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہم سے کوئی چیز سنے اسے محفوظ رکھے اور یاد رکھے پھر اس کی تبلیغ کر دے بعض اوقات جس شخص تک تبلیغ کی گئی ہو وہ براہ راست سننے والے سے زیادہ سمجھ دار (عالم یا فقیہ) ہوتا ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں مسلمان کا دل دھوکہ کا شکار نہیں ہوتا خالصتاً اللہ کے لیے عمل کرنا مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا کیونکہ ان کی دعوت (یعنی دعا) دوسرے سب (غیر موجود) لوگوں تک محیط ہوتی ہے۔

تشریح: پہلے حدیثیں لکھی نہیں جاتی تھیں، صرف زبانی روایتیں کی جاتی تھیں۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ جو بھی طالب علم کوئی حدیث سنے، وہ آگے بڑھائے تاکہ لوگ اس سے استفادہ کریں، اور اب جبکہ حدیثیں کتابوں میں لکھی گئی ہیں۔ بات پوری طرح منطبق نہیں رہی، مگر تعلیم کے بعد تعلیم کی اہمیت آج بھی برقرار ہے اور وجہ وہی ہے کبھی استاذ سے شاگرد آگے بڑھ جاتا ہے، اس لئے اگر ہر شخص دین کا علم آگے بڑھائے گا تو ممکن ہے اس کے شاگردوں میں کوئی اس سے بھی بڑا با کمال پیدا ہو۔

نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا: اللہ تروتازہ رکھیں: یہ علم دین کے طالب علموں کے لئے دعائے نبوی ہے، جو یقیناً بارگاہ الہی میں قبول ہوئی ہے۔ حتیٰ یبلغہ غیوہ: کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرے کو حدیث پہنچا کر خود بھول جائے، بلکہ اس جملہ میں حدیث پڑھنے کی غرض و غایت بیان کی گئی ہے کہ علم دین پڑھنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس علم کو آگے بڑھائے، اور اس کو دوسروں تک پہنچائے۔ پھر دوسروں تک حدیث پہنچانے کے دو فائدے ذکر کئے ہیں۔

پہلا فائدہ: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث میں کوئی گہرا مسئلہ ہوتا ہے، اور حامل حدیث فقیہ تو ہوتا ہے مگر وہ اس درجہ سمجھ دار نہیں ہوتا کہ وہ یہ گہرا مسئلہ نکال سکے، البتہ جس کو وہ حدیث پہنچاتا ہے وہ بڑا فقیہ ہوتا ہے وہ یہ گہرا مسئلہ حدیث سے نکال لیتا ہے، مشہور واقعہ ہے، امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ حضرت وکیعہ رضی اللہ عنہ کے درس میں تحصیل حدیث کے لئے بیٹھے ہوئے تھے، ایک عورت آئی اور اس نے

حضرت وکیع سے کوئی مسئلہ پوچھا انھوں نے جواب دیا: مجھے تیرا مسئلہ معلوم نہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جن کا نام یعقوب تھا عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں یہ مسئلہ بتا دوں، وکیع نے اجازت دے دی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ بتایا، مسئلہ بالکل صحیح تھا، استاذ خوش ہوئے اور پوچھا: یعقوب رحمۃ اللہ علیہ! تو نے یہ مسئلہ کہاں سے جانا؟ طالب علم نے کہا: حضرت! یہ حدیث تو مجھے اس وقت سے یاد ہے جب تیرے ماں باپ ملے بھی نہیں تھے، یعنی تیرا حمل ٹھہرا اس سے پہلے سے یہ حدیث جانتا ہوں، مگر میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْظِيمِ الْكَذِبِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

باب ۸: جھوٹی حدیث بیان کرنے کا وبال

(۲۵۸۳) لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ يَلْجُ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف جھوٹی بات منسوب نہ کرو کیونکہ جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

(۲۵۸۵) مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ حَسْبُنَا اللَّهُ قَالَ مُتَعَبِدًا فَلْيَتَّبِعُوا أَبِيتَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے (راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے) حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں جان بوجھ کر (جھوٹی بات منسوب کرے) تو وہ جہنم میں اپنے گھر تک پہنچنے کے لیے تیار رہے۔
تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں جس طرح صحابہ قرآن کریم کی تبلیغ کرتے تھے یعنی نیا نازل شدہ قرآن سب مسلمانوں تک پہنچاتے تھے، اور اس کا حکم بھی تھا۔

بلغوا عني ولو آية: میری طرف سے پہنچاؤ، اگرچہ ایک آیت ہو، اسی طرح حیات نبوی میں صحابہ حدیثیں بھی روایت کرتے تھے، کیونکہ سب صحابہ ہر وقت خدمت نبوی میں حاضر نہیں رہتے تھے، پس جو موجود ہوتے اور کوئی حدیث سنتے تو وہ اس کو دوسرے صحابہ تک پہنچاتے، اس لئے مذکورہ احادیث میں ہدایت دی گئی کہ کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے غلط بیانی نہ کرے، صحیح بات ہی بے کم و کاست پہنچائے

(۲) اور یہ حکم حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں، قیامت تک کے لئے امت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ احادیث بیان کرنے میں پوری احتیاط رکھیں، صحیح روایات ہی بیان کریں، بالقصد کوئی جھوٹی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ رَوَى حَدِيثًا وَهُوَ يُزِي أَنَّهُ كَذِبٌ

باب ۹: جس حدیث کے بارے میں خیال ہو کہ وہ جھوٹ ہے: اس کو روایت کرنا جائز نہیں

(۲۵۸۶) مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا وَهُوَ يُزِي أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَافِرِينَ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص ہمارے حوالے سے کوئی بات نقل کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں ایک شمار ہوگا۔

بَابُ مَا نَهَى عَنْهُ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

باب ۱۰: حدیث سن کر یہ کہنا کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے: خطرناک گمراہی ہے

(۲۵۸۷) عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ وَغَيْرِهِ رَفَعَهُ قَالَ لَا الْفَيْتَنَ أَحَدُكُمْ مُشَكِّمًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ أَمْرٌ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا أَذْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَا.

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (دیگر راویوں نے اسے مرفوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں تم سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ اس نے اپنے تکیے کے ساتھ ٹیک لگائی ہو اس کے پاس کوئی ایسا حکم آیا ہو جو ہم نے دیا ہو یا جس سے ہم نے منع کیا ہو اور وہ یہ کہے مجھے نہیں معلوم ہمیں یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ملا ورنہ ہم اس کی پیروی کر لیتے۔

(۲۵۸۸) أَلَا هَلْ عَسَى رَجُلٌ يَبْلُغُهُ الْحَدِيثُ عَنِّي وَهُوَ مُشَكِّمٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ فَيَقُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَلَالًا وَلَا اسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَرَامًا وَلَا حَرَّمَ اللَّهُ ﷻ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا خبردار عنقریب کسی شخص تک ہمارے حوالے سے کوئی حدیث پہنچے گی اس نے تکیے کے ساتھ ٹیک لگائی گئی ہوگی اور وہ یہ کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب (فیصلہ کرنے کے لیے موجود ہے) ہمیں اس میں جو چیز حلال ملے گی ہم اس کو حلال سمجھیں گے اور جو چیز ہمیں اس میں حرام ملے گی ہم اسے حرام قرار دیں گے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جسے اللہ کا رسول حرام قرار دے وہ اسی طرح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔

تشریح: حجیت حدیث کا مسئلہ:

قدیم زمانہ سے ایک گمراہی یہ چلی آرہی ہے کہ کچھ لوگ صرف قرآن کریم کو حجت مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا کام بس قرآن پہنچانا ہے، اور قرآنی احکام ہی کی تکمیل ضروری ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز حجت نہیں حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل بھی حجت اور واجب الاتباع نہیں، یہ فرقہ خود کو، اہل قرآن، کہتا ہے مگر حقیقت میں وہ منکرین حدیث ہیں، یہ لوگ حدیث کی تاریخی حیثیت کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، نبی ﷺ نے متعدد احادیث میں اس فرقہ کے وجود کی پیشین گوئی فرمائی ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ (اور اس مسئلہ پر مفصل گفتگو مقدمہ میں ہے)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ

باب ۱۱: حدیث لکھنے کی ممانعت

(۲۵۸۹) اِسْتَأْذَنَّا النَّبِيَّ ﷺ فِي الْكِتَابَةِ فَلَمْ يَأْذُنْ لَنَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے نبی اکرم ﷺ سے (احادیث) کو تحریر کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ہمیں اجازت نہیں دی۔

تشریح: مقدمہ میں تفصیل سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ شروع میں بعض مصالح کی بنا پر عمومی طور پر حدیثیں لکھنے سے منع کیا گیا تھا، مگر بعض خاص مواقع پر حدیثیں لکھی بھی گئی تھیں، اس لئے جب وہ عارض ہٹ گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حدیثیں جمع کرنے کا حکم دیدیا، اور اس طرح تدوین حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو کئی مرحلوں سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا۔ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں ممانعت کی روایت لائے ہیں، اور دوسرے باب میں جواز کی، پہلی روایت میں حدیثیں لکھنے کی ممانعت ہے اور دوسرے باب کی روایتوں سے جواز ثابت ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِيهِ

باب ۱۲: حدیث لکھنے کی اجازت (تدوین حدیث کا مسئلہ)

(۲۵۹۰) كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَجْلِسُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيَسْمَعُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ الْحَدِيثَ فَيُعْجِبُهُ وَلَا يَحْفَظُهُ فَشَكََا ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ الْحَدِيثَ فَيُعْجِبُنِي وَلَا أَحْفَظُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اسْتَعِنْ بِمِثْلِكَ وَأَوْمَأَ يَدَهُ لِلْخَطِّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا آپ ﷺ سے احادیث سنتا تھا جو اسے اچھی لگتی تھیں مگر وہ اسے یاد نہیں رکھ سکتا تھا اس نے اس بات کی شکایت آپ ﷺ کی خدمت میں کی اس نے عرض کی یا رسول میں آپ ﷺ سے کوئی بات سنتا ہوں جو مجھے اچھی لگتی ہے مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکتا آپ ﷺ نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے تحریر کرنے کی (ہدایت کی)۔

(۲۵۹۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ فَذَكَرَ الْقِصَّةَ فِي الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو شَاهٍ اُكْتُبُوا إِلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اُكْتُبُوا إِلَّا بِي شَاهٍ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا (اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کا پورا واقعہ بیان کیا ہے) تو ابو شاہ نامی صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اسے میرے لیے تحریر کرنے کا حکم دیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ احکام (ابو شاہ کو لکھ کر دے دو۔

(۲۵۹۲) لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِثْلِي إِلَّا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَكُنْتُ لَا أَكْتُبُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اصحاب میں سے کوئی بھی شخص مجھ سے زیادہ آپ ﷺ کی

احادیث روایت نہیں کرتا صرف عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ایسے ہیں کیونکہ وہ تحریر کیا کرتے تھے اور میں تحریر نہیں کرتا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

باب ۱۳: اسرائیلیات بیان کرنے کا حکم

(۲۵۹۳) يَلْغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنِّي بِبَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعِدًّا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے آگے پہنچا دو خواہ وہ ایک آیت ہو اور بنی اسرائیل کے حوالے سے روایت نقل کر لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو شخص جان بوجھ کر میری طرف کوئی بات منسوب کرے تو وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

تشریح: نبی کریم ﷺ نے ابتداء اسلام بنی اسرائیل سے روایت کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا، پھر جب شریعت کے امور مستحکم ہو گئے صحابہ کرام دین میں ثابت قدم اور مضبوط ہو گئے وہ احادیث رسول اور بنی اسرائیل کی روایات میں امتیاز کرنے لگے اس لیے قرآن مجید اور احادیث رسول کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی روایات کی کوئی حیثیت نہیں تاہم اب اگر تم لوگ ان کی وہ روایات نقل کرو جو قرآن مجید و حدیث کے اصول اور شریعت کے موافق ہوں جو وعظ و نصیحت قصے اور مثالوں پر مشتمل ہوں عبرت کے لیے ان روایات کو نقل کرنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں لیکن ایسے واقعات اور قصے جو من گھڑت قسم کے ہوں جن کو عقل بھی تسلیم نہ کرے محض فرضی ہوں انہیں بیان نہ کیا جائے البتہ بنی اسرائیل کے احکام کو نقل کرنا اور ان کی تبلیغ کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت محمدیہ کے آجانے کے بعد دیگر تمام شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دی گئی ہیں۔ جس کی وجہ ہے کہ سب نبیوں کا دین ایک ہے، اور قرآن کریم نے اعلان کیا ہے:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعَمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدہ: ۳)

”آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔“

یعنی اب قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے یہود و نصاریٰ سے دین کی کوئی بات روایت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور شریعتیں مختلف رہی ہیں، بنی اسرائیل کی شریعت اور تھی اور نبی ﷺ کی شریعت اور ہے، اس لیے جو باتیں گذشتہ شریعتوں کی قرآن و حدیث میں لے لی گئی ہیں، وہ تو حجت ہیں، باقی باتیں یہود و نصاریٰ کے ساتھ خاص ہیں اس لیے ان کو نقل کرنے کا بھی سوال نہیں البتہ انبیائے بنی اسرائیل کے واقعات احادیث میں بہت کم آئے ہیں، اس لیے ان کی تفصیلات اگر اصول اسلام کے خلاف نہ ہوں تو بنی اسرائیل سے روایت کی جاسکتی ہیں، مگر مفسرین کرام جو بے چوڑے واقعات آیات کے ذیل میں نقل کرتے ہیں وہ اکثر بے سرو پا ہوتے ہیں، اس قوم کے واقعات اگر نص قرآنی کے خلاف نہ

ہوں تو ان کی نہ تصدیق کرنی چاہئے نہ تکذیب، اور نہ ان کو تفسیروں اور تقریروں میں بیان کرنا چاہئے، بخاری شریف میں روایت ہے کہ اہل کتاب (یہود) عبرانی میں تورات پڑھتے تھے، اور عربی میں مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر کیا کرتے تھے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَصَدَّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تَكْذِبُوا هُمْ، وَقُولُوا: آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ.

بَابُ مَا جَاءَ إِنْ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ

باب ۱۴: خیر کے کام کی راہنمائی کرنے والا خیر کے کام کرنے والے کی طرح ہے

(۲۵۹۴) أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ يَسْتَحْبِلُهُ فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُ مَا يَتَحَبَّلُهُ فَدَلَّهٗ عَلَى آخَرٍ فَحَبَّلَهُ فَاتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ إِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ ﷺ سے سواری کے لیے جانور مانگے تو آپ ﷺ کے پاس اسے دینے کے لیے کوئی جانور نہیں تھا آپ ﷺ نے اس کی رہنمائی کسی دوسرے شخص کی طرف کی تو اس دوسرے شخص نے اسے جانور دیدیا تو وہ شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو اس بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھلائی کرنے والے کی مانند ہے۔

(۲۵۹۵) إِنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ يَسْتَحْبِلُهُ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ أَبْدَعَ بِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ائْتِ فَلَا تَأْتَاكَ فَحَبَّلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ أَوْ قَالَ عَامِلُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بدری کہتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ ﷺ سے سواری کے لیے جانور مانگا اس نے عرض کی میرا جانور گرم ہو گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم فلاں شخص کے پاس جاؤ وہ شخص اس شخص کے پاس آیا تو اس شخص نے اسے سواری کے لیے جانور دے دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کی بھلائی کی طرف رہنمائی کرے اسے اس پر عمل کرنے والے کی مانند اجر ملتا ہے (یہاں پر راوی کو ایک لفظ فاعل یا عامل کے بارے میں شک ہے)۔

(۲۵۹۶) اِشْفَعُوا وَلِئْتَوْ جَرُّوْا وَلِيَقْضِ اللّٰهُ عَلٰی لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم سفارش کرو تمہیں اجر ملے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبانی جو چاہے فیصلہ سنا دیتا ہے۔

(۲۵۹۷) مَا مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ كِفْلٌ مِنْ دِمَهِهَا وَذَلِكَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ أَسَنَّ الْقَتْلَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس بھی شخص کو ظلم کے طور پر قتل کیا جائے تو آدم کا بیٹا اس کے خون میں حصہ دار ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے اس نے ہی سب سے پہلے قتل کا آغاز کیا تھا۔

تشریح: جس طرح خیر و شر کے ارتکاب پر ثواب و عقاب ہوتا ہے اسی طرح ان کاموں کا سبب بننے پر بھی ثواب و عقاب ہوتا ہے، باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے چار حدیثیں ذکر کی ہیں، پہلی تین حدیثیں خیر کا سبب بننے پر ثواب ملنے کی ہیں، اور آخری حدیث شر کا

سبب پر عقاب کی ہے اور دین سکھانا بھی خیر کا کام ہے اس مناسبت سے یہ باب ابواب العلم لایا گیا ہے۔

إِشْفَعُوا وَلْتُؤْجَرُوا وَلَيَقْضِ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ.

اس حدیث میں تین باتیں بیان کی ہیں:

- ① سفارش کرنی چاہئے، یعنی کوئی شخص اتھارٹی سے کوئی درخواست کرے تو اس پر سفارش لکھنی چاہئے، مثلاً طالب علم اہتمام سے یا تعلیمات سے اپنا کوئی حق چاہے تو اساتذہ کو اس کی سفارش کرنی چاہئے۔
- ② سفارش کرنے والے کو سفارش کا ثواب ملے گا، خواہ درخواست دینے والے کا کام ہو یا نہ ہو۔
- ③ سفارش کا قبول کرنا ضروری نہیں، منتظم: ادارہ کی یا حکومت کی مصلحت پیش نظر رکھ کر درخواست قبول بھی کر سکتا ہے اور رد بھی کر سکتا ہے، کیونکہ سفارش اگر مامنی ضروری ہو تو وہ سفارش نہیں رہی، حکم ہو گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ دَعَا إِلَى هَذِي فَاتَّبَعَ أَوْ إِلَى ضَلَالَةٍ

باب ۱۵: ہدایت یا گمراہی کی دعوت دی جس کی لوگوں نے پیروی کی

(۲۵۹۸) مَنْ دَعَا إِلَى هَذِي كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورٍ مَنْ يَتَّبِعُهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ إِثْمِ مَنْ يَتَّبِعُهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے ان لوگوں کے اجر جتنا ثواب ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور جو گمراہی کی طرف بلائے تو اسے بھی اتنا گناہ ملے گا جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۲۵۹۹) مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتَّبَعَ عَلَيْهَا فَلَهُ أَجْرُهُ وَمِثْلُ أُجُورٍ مَنْ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتَّبَعَ عَلَيْهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِثْلُ أَوْزَارٍ مَنْ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا.

ترجمہ: عبد الملک بن عمیر حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے حوالے سے ان کے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص بھلائی کے طریقے کا آغاز کرے گا اور اس بارے میں اس کی پیروی کی جائے تو اس شخص کو اس کا اجر ملے گا اور بھلائی کی پیروی کرنے والوں کے اجر جتنا اجر ملے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص برے طریقے کا آغاز کرے گا اس کی پیروی کی جائے تو اس شخص کو اپنا گناہ ہوگا اور ان تمام لوگوں کے گناہ جتنا گناہ ہوگا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

تشریح: اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا، بعد میں آنا، تابع ہونا، اور باب کا لفظی ترجمہ ہے: جس نے ہدایت (دینی بات) کی دعوت دی، پس وہ پیروی کیا گیا، یا کسی گمراہی کی دعوت دی (اور اس کی پیروی کی گئی تو اس کے لئے کیا ثواب و عقاب ہے؟) اور یہ باب گزشتہ باب (باب ما جاء ان الدال على الخير كفاعله) سے عام ہے، وہ خیر کے ساتھ خاص تھا، یہ شر کو بھی عام ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدْعَةِ

باب ۱۶: سنت پر عمل اور بدعت سے احتراز کا بیان

(۲۶۰۰) وَعَظَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْغُيُُونُ وَوَجَلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مَوْدَعٌ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ فَإِنَّهُ مَنِ يَعُشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْتَدِينَ عَصُوا عَلَيْهَا بِالتَّوَّاجِدِ.

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہمیں بلوغ وعظ کیا اس کے نتیجے میں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل لرز گئے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ یہ تو الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ ہمیں کیا تلقین کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور (حاکم وقت کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی تلقین کرتا ہوں اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہو کیونکہ تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت جلد بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا اور تم لوگ نئے پیدا ہونے والے امور سے بچنا کیونکہ وہ گمراہی ہوں گے تم میں سے جو شخص ایسا زمانہ پالے تو وہ میری سنت اور ہدایت یافتہ ہدایت کا مرکز خلفاء کے طریقے کو لازم پکڑے اور اس کو مضبوطی سے تھام لے۔

(۲۶۰۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ اِعْلَمْ قَالَ مَا اَعْلَمُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّهُ مَنْ أَحْيَى سُنَّةَ مَنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرِضَاهَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا.

ترجمہ: کثیر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ بات جان لو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں کیا بات جان لوں آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص میری سنت کو اس وقت زندہ کرے جب وہ ختم ہو چکی ہو تو اس شخص کو اس سنت پر عمل کرنے والوں کے اجر جتنا اجر ملے گا حالانکہ ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گمراہی والی کسی بدعت کا آغاز کرے جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہ ہوں تو اس شخص کو ان تمام لوگوں جتنا گناہ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۲۶۰۲) قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا بَنِيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَأَفْعَلْ ثُمَّ قَالَ لِي يَا بَنِيَّ وَذَلِكَ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ: سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے میرے

بیٹے اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو ایسا ضرور کرو صبح کے وقت یا شام کے وقت (یعنی کسی بھی وقت) تمہارے دل میں کسی کے لیے دھوکہ نہ ہو پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے میرے بیٹے یہ میری سنت ہے اور جو شخص میری سنت کو زندہ رکھے گا اس میں نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

تشریح: فائدہ: اس حدیث میں خلفائے راشدین کی جن سنتوں کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے: ان سے مراد ملک و ملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی سنتیں ہیں، کیونکہ نبی ﷺ کے زمانہ تک قومی حکومت قائم ہوئی تھی، بین الاقوامی حکومت خلفائے راشدین کے زمانہ میں قائم ہوئی، اس لئے اس سلسلہ کے احکام نبی ﷺ نے بیان نہیں فرمائے۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں جب ایسی حکومت قائم ہوئی تو ان حضرات نے بہت سی باتیں ملک و ملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی بیان کیں، مثلاً ابھی مثال گزری ہے کہ ملت کی زیرازہ بندی کے لئے بھی جنگ ضروری ہے، یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، اور بیس رکعت باجماعت تراویح کا نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنایا ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، اول کا تعلق ملک کی تنظیم سے ہے اور ثانی کا ملت کی تنظیم سے۔

اور دین کی دوسری باتوں میں خلفائے راشدین بمنزلہ مجتہدین امت ہیں بعض باتیں لی جاتی ہیں، کیونکہ دین اگرچہ مکمل ہو گیا ہے، مگر کچھ اجتہادی امور باقی ہیں، جن کا نصوص سے استنباط کیا جاتا ہے، اور یہ کام مجتہدین امت کا ہے، اور ان میں اختلافات بھی ہوئے ہیں اور ایسے ہی امور میں تقلید کی ضرورت پیش آتی ہے، اور مجتہدین کی تقلید بھی انہی دو بنیادوں پر کی جاتی ہے کہ وہ راشد (راہ یاب) اور مہدی (ہدایت ماب) ہیں، ان سے چوک اگرچہ ممکن ہے، مگر وہ دانستہ غلط بیانی نہیں کرتے، اور تقلید شخصی: حکمی تقلید شخصی ہے، کیونکہ ہر فرقہ میں سربراہ کے سارے اقوال نہیں لئے جاتے، چھوڑے بھی جاتے ہیں۔

لغات: موعظة بلیغة: بلیغ اور مؤثر نصیحت ذرفت: آنکھیں بہ پڑیں آنسو جاری ہو گئے وجہلت دل اس نصیحت سے خوف زدہ ہو گئے مودع الوداع کہنے والا رخصت ہونے والا۔ بماذا تعهد الینا: آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں محدثات الامور نئی باتیں اور جدید امور المہدیین ہدایت یافتہ لوگ۔ عضوا: تم دانتوں سے پکڑو۔ نواجد ناجذۃ کی جمع ہے ڈاڑھ۔ غش کھوٹ بغض کینہ۔

بَابُ فِي الْإِنْتِهَاءِ عَمَّا نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

باب ۱۷: منہیات سے احتراز لازم ہے

(۲۶۰۳) اُتْرُ كُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِذَا حَدَّثْتُكُمْ فَخُذُوا عَلَيَّ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو چیز میں تمہارے لیے ترک کردوں (یعنی بیان نہ کروں) اس بارے میں مجھے چھوڑ دو اور جب میں تم سے کوئی بات بیان کردوں تو اسے مجھ سے حاصل کر لو کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام سے بکثرت سوالات کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہوئے تھے۔

تشریح: جس طرح ادا امر مامور بہ ہیں، نواہی منہی عنہ ہیں، جانب فعل میں جو درجہ مامورات کا ہے، وہی درجہ جانب ترک میں

منہیات کا ہے، کیونکہ شریعت کے دو حصے ہیں: مامورات اور منہیات، پس جس طرح مامورات کا چھوڑنا گناہ ہے، منہیات کا ارتکاب کرنا بھی گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اسے اس کی جگہ رکھتے تو اپنے زمانہ کے سردار بن جاتے مگر انہوں نے علم کی قدر نہ جانی، خود کو دنیا والوں کے قدموں پر ڈال دیا تا کہ ان کی دنیا میں سے کچھ حاصل کر لیں، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ذلیل و رسوا ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ (کسی چیز) کے لیے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہئے۔ (جمع الفوائد)

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَالِمِ الْمَدِينَةِ

باب ۱۸: مدینہ کے عالم کی فضیلت

(۲۶۰۲) يُؤْيِسُكَ أَنْ يَصْرَبَ النَّاسُ أَكْبَادَ الْأَبِلِ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُونَ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِينَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہے عنقریب لوگ علم کی تلاش میں (زیادہ) سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے لیکن انہیں کوئی ایک شخص بھی مدینہ کے عالم سے زیادہ علم والا نہیں ملے گا۔

تشریح: عالم مدینہ سے کون مراد ہے؟ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے ابن عیینہ سے دو قول نقل کئے ہیں۔

(۱) عالم مدینہ سے حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ مراد ہیں جو دارالہجرۃ کے امام اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے استاذ تھے۔

(۲) اس سے عمری زاہد عبدالعزیز بن عبداللہ مراد ہیں جو علم وفقہ کے ساتھ نہایت عبادت گزار بھی تھے۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے زمانے میں مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی دوری جگہ نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۳۶۰ کتاب العلم)

عمری زاہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے ہیں، ان کا پورا نام عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہے یہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، جو انھوں نے اسحاق بن موسیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، مگر تہذیب التہذیب میں ہے کہ عمری زاہد: عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا انتقال ۱۸۲ ہجری میں ہوا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفَقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ

باب ۱۹: عبادت پر فقہ (فہم دین) کی برتری

(۲۶۰۵) فَقِيهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک عالم شیطان کے لیے ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

(۲۶۰۶) قَدِمَ رَجُلٌ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى الدَّرْدَاءِ وَهُوَ بِدِمَشْقَ فَقَالَ مَا أَقْدَمَكَ يَا أَخِي قَالَ حَدِيثُ بَلْعَنِي أَنْتَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا قَالَ أَمَا قَدِمْتَ لِتَبْجَارَ قَالَ لَا قَالَ مَا جِئْتَ إِلَّا فِي طَلَبِ هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَتَّصِعُ أَجْنَحَتَهَا رِضَى لَطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالَمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْخَيْتَانِ فِي الْمَاءِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَ بِهِ فَقَدْ أَخَذَ بِحَبْطِ وَافِرٍ.

ترجمہ: قیس بن کثیر کہتے ہیں مدینہ منورہ سے ایک شخص حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت دمشق میں تھے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا تم تجارت کی غرض سے آئے ہو؟ اس نے عرض کی نہیں میں یہاں صرف اس حدیث کی غرض سے آیا ہوں تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے جس پر وہ علم کے حصول کے لیے جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے جنت کے راستے پر چلائے گا اور بے شک فرشتے علم کے طلب گار سے راضی ہو کر اپنے پر اس کے لیے بچھا دیتے ہیں بے شک عالم شخص کے لیے آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز یہاں تک کہ پانی میں موجود مچھلیاں بھی اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم شخص کی عبادت گزار پر وہی فضیلت حاصل ہے جو چودھویں کے چاند کو تمام ستاروں پر ہوتی ہے بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں انبیاء وراثت میں دینار یا درہم نہیں چھوڑتے وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں تو جو شخص اسے حاصل کر لے اس نے ایک بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں لکھی ہیں، پھر مفرق حدیثیں ہیں جن پر ابواب قائم نہیں کئے۔
علم کی فضیلت عبادت پر:

اس باب کی تمام احادیث میں علم کی عبادت کے مقابلے میں فضیلت اور شرف کو بیان کیا گیا ہے۔

فَقِيَّةٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ أَلْفِ عَابِدٍ.

شیطان کے لئے دین کے کسی واقف کا عالم کو پھسلانا ہزار عابدوں کو پھسلانے سے زیادہ مشکل ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں: پہلی وجہ: عالم دین: دین کا فہم رکھتا ہے، اس لئے اس کو جلدی دھوکا نہیں دیا جاسکتا، اور محض عبادت گزار چونکہ دین کا فہم نہیں رکھتا اس لئے اس کو آسانی سے دھوکا دیا جاسکتا ہے۔

دوسری وجہ: فقیہ اصلاح خلق کا کام کرتا ہے اور عابد اپنے فائدہ کے لئے عبادت کرتا ہے پس ہزار عابد اپنی عبادت سے خود کو سنواریں گے، اور ایک عالم ایک خلقت کو سنوارے گا، اس طرح وہ شیطان کو ناکوں چنے چبواتا ہے۔

وَالْمَلَائِكَةُ لَتَتَّصِعُ أَجْنَحَتَهَا رِضًا لَطَالِبِ الْعِلْمِ.

فرشتوں کے پر بچھانے سے کیا مراد ہے اس میں متعدد احتمال ہیں:

(۱) پروں کے بچھانے سے مراد یہ ہے کہ طالب علم کے سامنے اس علم کی شرف و فضیلت کی وجہ سے ادب اور احترام کے طور پر وہ

فرشتے تواضع اختیار کرتے ہیں۔

(۲) وہ اڑنا موقوف کر دیتے ہیں اور ذکر الہی سننے کے لیے طالب علم کے پاس اتر آتے ہیں۔ اس کو پروں کے بچھانے سے تعبیر کیا ہے۔
(۳) اس سے طلب علم میں مدد و نصرت طالب علم کا تعاون اور رحمت خداوندی کو اس کی طرف متوجہ کرنا مراد ہے تاکہ علم کا حصول اس کے لیے آسان ہو جائے۔

(۴) اکثر حضرات کے نزدیک پروں کے بچھانے سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں کہ وہ فرشتے واقعتاً اپنے پر طالب علم کے احترام میں اس کے قدموں کے نیچے بچھاتے ہیں۔

ابن یحییٰ ساجی رحمہ اللہ کا واقعہ:

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ابن یحییٰ ساجی رحمہ اللہ کا واقعہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک محدث کے درس میں شرکت کے لیے بصرہ کی گلیوں سے گذر رہے تھے اور ہم سب جلدی جلدی چل رہے تھے ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی تھا جو دینی اعتبار سے مشکوک سا تھا وہ استہزاء کے انداز میں کہنے لگا کہ اپنے پاؤں فرشتوں کے پروں سے اٹھا لو انہیں توڑ نہ دینا ابھی وہ اسی جگہ پر ہی تھا کہ اس کے پاؤں خشک ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے احمد بن شعیب رحمہ اللہ سے اسی قسم کا ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ہم بصرہ میں ایک محدث کے پاس تھے کہ انہوں نے یہ حدیث سنائی اس مجلس میں موجود ایک معتزلی مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا کہ بخدا میں کل جوتے پہن کر فرشتوں کے پروں کو ضرور روندوں گا چنانچہ اس نے جب یہ کہا تو اس کے دونوں پاؤں خشک ہو گئے اور ان میں کیڑے پڑ گئے۔

وان العلماء ورثة الانبياء (بیشک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بازار سے گزرتے ہوئے لوگوں کو تجارت میں مشغول دیکھا تو لوگوں سے فرمایا تم یہاں ہو جبکہ میراث نبوت مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے یہ سن کر لوگ مسجد میں پہنچ گئے لیکن وہاں قرآن کریم ذکر اللہ اور علمی حلقوں کے علاوہ اور کچھ نہ پایا تو وہ لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ کہاں ہے میراث؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قرآن کریم اور علم ہی تو میراث نبوت ہے جو نبی کریم ﷺ کے وارثین کے درمیان تقسیم ہو رہی ہے تمہاری یہ دنیا نبی کریم کی میراث میں شمار نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ اصل میراث دینی تعلیم یعنی قرآن مجید و سنت کا علم ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/ ۳۷۵، مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۴۲۷، کتاب العلم)

عالم کے لئے ایک جامع نصیحت

(۲۶۰۷) قَالَ يَزِيدُ بْنُ سَلَمَةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي سَمِعْتُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَخَافُ أَنْ يُنْسِيَ أَوَّلَهُ آخِرُهُ فَحَدِّثْنِي بِكَلِمَةٍ تَكُونُ جَمَاعًا قَالَ إِنْ تَقِيَ اللَّهَ فِي مَا تَعْلَمُ.

ترجمہ: حضرت یزید بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یزید بن سلمہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے بہت باتیں سنتا ہوں مجھے اندیشہ ہے: میں ان کا ابتدائی یا آخری حصہ بھلا نہ دوں آپ ﷺ مجھے ایسا کلمہ بتائیں جو جامع ہو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے علم کے مطابق اللہ سے ڈرتے رہو۔

عالم دین میں دو باتیں ہونی چاہئیں

(۲۶۰۸) خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّينِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دو خصوصیات منافق میں اکٹھی نہیں ہو سکتی اچھے اخلاق اور دین کی سمجھ بوجھ۔

(۲۶۰۹) ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْآخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَضَّلُ الْعَالِمَ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَذْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى الثَّمَلَةُ فِي حُجْرِهَا وَحَتَّى الْحَوْتَ لِيَصَلُّوا عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا تذکرہ کیا گیا جن میں سے ایک عبادت گزار تھا دوسرا عالم تھا تو آپ نے فرمایا عالم شخص کو عبادت گزار پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھے تم میں سے ادنیٰ شخص پر حاصل ہے۔
عالم کی عابد پر فضیلت:

علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم وفضلہ (۶:۲) میں حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

”جس نے علم دین حاصل کیا اور اس پر عمل کیا اور وہ علم دوسروں کو سکھایا تو وہ فرشتوں کی دنیا میں بڑا آدمی کہلاتا ہے۔“

مؤمن کا خیر سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا

(۲۶۱۰) لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں مؤمن بھلائی کی باتیں سن کر (یعنی کے علم حاصل کر کے) کبھی سیر نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا انجام جنت ہے۔

دانشمندی کی بات جہاں بھی ملے لے لینی چاہئے

(۲۶۱۱) الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ چیز ہے وہ جہاں اسے پاتا ہے تو وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: یعنی نصیحت اگر چہ دیوار پر لکھی ہوئی ہو، اسے لے لینا چاہئے، اور کہتے ہیں: انظر الی ما قال، ولا تنظر الی من قال: بات کو دیکھو، بات کہنے والے کو مت دیکھو یعنی بات اگر کام کی ہے تو لے لو، یہ مت دیکھو کہ بات کہنے والا اس پر عمل پیرا ہے یا نہیں؟ (یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی ابراہیم مخزومی متروک ہے)۔

أَبْوَابُ الْإِسْتِيزَانِ وَالْأَدَابِ

اجازت طلبی اور سلیقہ مندی کا بیان

ابواب کا ارتباط:

امام ترمذی رحمہ اللہ جب احکام سے یعنی عبادت و معاملات سے فارغ ہوئے، تو ایمان و علم کی باتیں شروع کیں، اب آخر میں سلیقہ مندی کی باتیں پیش کرتے ہیں، تاکہ معاشرہ خوشگوار بنے، اور لوگوں کے آپس کے تعلقات بہتر ہوں، پھر ابواب الامثال آئیں گے یعنی معنویات کو محسوس بنا کر کس طرح پیش کیا جائے؟ پھر فضائل القرآن، ابواب القراءات اور ابواب التفسیر آئیں گے، اور آخر میں دعوات و اذکار کا تذکرہ کر کے مناقب پر کتاب ختم کریں گے۔

آداب ادب کی جمع ہے ادب کے معنی کیا ہیں اس کی مختلف تعبیریں ہیں:

(۱) ادب کیا ہے؟

الادب اجتماع خصال الخیر فی العبد۔
”ادب، درحقیقت نیک خصلتوں کے اجتماع کا نام ہے۔“
اور ادیب وہ شخص ہے، جس میں نیک خصلتیں جمع ہوں۔
حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا:

نحن الی قليل من الادب احوج منا الی كثير من العلم۔

”کہ ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔“

احمد بن محمد البصری نے جلا جلی البصری رحمہ اللہ سے روایت کی کہ توحید ایسا موجب ہے کہ جس سے ایمان (بالرسالت) واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا جس کا ایمان نہیں، اس کی توحید بھی نہیں اور ایمان ایسا موجب ہے، جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے لہذا جس کی شریعت نہیں اس کا نہ ایمان ہے نہ توحید اور شریعت ایسا موجب ہے جس سے ادب واجب ہوتا ہے۔ لہذا جس کے پاس ادب نہیں اس کی نہ شریعت ہے نہ ایمان اور نہ توحید۔

حضرت رویم نے ابو عبداللہ بن حنفیہ رحمہ اللہ سے فرمایا:

يَا بُنَيَّ اجْعَلْ عَمَلَكَ مِلْحًا وَادْبَكَ دَقِيقًا. اَمْثِلْ كَثْرَتُكَ مِنَ الْاَدَبِ حَتَّى تَكُونَ نَسْبَةً الدَّقِيقِ إِلَى الْمِلْحِ.
”اے بیٹے! اپنے عمل کو نمک بنا اور ادب کو آٹا بنا۔ یعنی ادب میں اضافہ کر حتیٰ کہ کثرت عمل و ادب کی نسبت نمک اور آٹے

جیسی ہو جائے۔“

فقہ ابو الیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسلام کے پانچ قلعے ہیں۔ پہلا یقین، دوسرا اخلاص، تیسرا فرائض، چوتھا تکمیل سنن پانچواں حفظ آداب۔ جب تک آدمی آداب کی حفاظت و نگرانی کرتا رہتا ہے شیطان اس سے مایوس رہتا ہے اور جب یہ آداب چھوڑنے لگتا ہے تو شیطان سنتیں چھڑوانے کی فکر میں لگ جاتا ہے حتیٰ کہ پھر فرائض، اخلاص اور یقین تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ ادب کے معنی ہیں وہ قول و فعل جسے اچھا اور قابل تعریف کہا جائے۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک عمدۃ اخلاق کو ادب کہتے ہیں یعنی یقین قناعت صبر شکر بردباری سخاوت غیرت دلیری اور مروت جیسے اوصاف سے آراستہ ہونا۔

استیذان کی حکمت اور اس کے درجات:

سورۃ النور آیت ۲۷ میں ارشاد پاک ہے: ”اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل مت ہوؤ، یہاں تک کہ تم اجازت حاصل کر لو، اور ان کے رہنے والوں کو سلام کر لو، اور سورۃ النور کی آیات ۵۸، ۵۹ میں ارشاد پاک ہے: ”اے ایمان والو! چاہئے کہ تم سے اجازت لیں وہ لوگ جن کے تم مالک ہو۔“ یعنی غلام باندی، اور وہ لوگ جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے، تین اوقات میں:

استیذان کا مسنون طریقہ:

استیذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آنے والا پہلے سلام کرے، پھر نام بتلا کر اجازت طلب کرے، حدیث میں ہے کہ بنو عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح اجازت طلب کی: ”اللحج؟ میں اندر آؤں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم سے فرمایا: ”یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا، تم باہر جا کر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ کہے: السلام علیکم، داخل؟ تم سلامت رہو! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“ ان صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن لی، چنانچہ انھوں نے اسی طرح اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ (ابوداؤد حدیث ۵۱۷۷)

استیذان کا حکم دو وجہ سے دیا گیا ہے:

پہلی وجہ: آدمی کبھی تنہائی میں بے تکلف حالت میں ہوتا ہے، اگر کوئی اچانک گھر میں گھس آئے گا تو اس کی اس کے ستر پر نظر پڑے گی، اور یہ بات اس کو سخت ناگوار ہوگی،

فائدہ: گھر میں صرف بیوی ہو تو استیذان واجب نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ بدوں اطلاع داخل نہ ہو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں کھنکار کر داخل ہوتے تھے، ان کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول اس لئے تھا کہ وہ ہمیں ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو۔ (ابن کثیر)

دوسری وجہ: اور حکم استیذان کی علت ایذا رسانی سے بچنا، اور حسن معاشرت کے آداب سکھانا ہے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جھانکا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باریک سینگی سے سر مبارک کھجلا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں جانتا کہ تو گھر میں دیکھ رہا ہے تو تیری آنکھ میں سینگی مارتا، اجازت حاصل کرنے کا حکم آنکھ ہی کی وجہ سے ہے! (بخاری حدیث ۶۲۴۱)

استیذان کے تعلق سے لوگ تین طرح کے ہیں:

اول: اجنبی شخص جس سے ملنا جلنا نہیں ہوتا، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ صراحتاً اجازت لئے بغیر گھر میں داخل نہ ہوئے۔
دوم: ایسا غیر محرم جس کے ساتھ ملنا جلنا اور معاشرتی تعلقات ہیں، ایسے شخص کی اجازت طلبی پہلے شخص کی اجازت طلبی سے کم درجہ ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو نبی ﷺ کے خادم خاص تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
اذنك على ان يرفع الحجاب وان تستمع سوادى حتى انه ياك. (مسلم ۵۰/۱۴)

ترجمہ: میرے پاس آنے کے لئے تمہارے لئے اجازت یہ ہے کہ پردہ اٹھا دیا گیا ہو، یعنی دروازہ کھلا ہوا ہو، اور یہ بات ہے کہ تم (مجھے بات کرتا ہوا) سنو (اور) میری ذات کو (دیکھو) یہاں تک کہ میں تم کو روک دوں۔
سوم: بچے اور غلام جن سے پردہ واجب نہیں، اس لئے ان کے لئے استیذان کا حکم بھی نہیں، البتہ وہ اوقات جن میں عام طور پر پکڑے اتار دیئے جاتے ہیں: ان کو بھی اجازت لے کر اندر آنا چاہئے، اور یہ اوقات ملکوں اور قوموں کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، اور آیت کریمہ میں جن تین اوقات کا ذکر ہے، ان اوقات میں حصر نہیں، مثلاً آدھی رات میں آنا چاہیں تو بھی اجازت ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْشَاءِ السَّلَامِ

باب ۱: سلام کو رواج دینے کا بیان

(۲۶۱۲) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا وَلَا تُوْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوْا أَلَا أَدْلُكُمُ عَلَىٰ أَمْرٍ إِذَا أَنْتُمْ فَعَلْتُمْوُكُمْ تَحَابُّتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک کامل مومن نہ ہو جاؤ تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو کیا میں تمہاری ایسی بات کی رہنمائی کروں؟ جب تم اسے کر لو گے تو تمہاری آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی تم اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

تشریح: دنیا کی ہر مہذب قوم میں یہ رواج ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اپنی محبت کے اظہار کے لیے کوئی نہ کوئی کلمہ ضرور کہتے ہیں اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی اس موقع پر مختلف الفاظ کے استعمال کا رواج چل رہا تھا السلام علیکم کا یہ کلمہ اس قدر شیریں اور میٹھا ہے کہ جب انسان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو آپس میں پیار و محبت اور انس کا ایک ماحول بن جاتا ہے۔

لفظ سلام کے معنی ہیں ہر قسم کے عیب سے پاک صاف ہونا اور یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے معنی ہیں وہ ذات جو ہر قسم کے نقص و عیب آفت اور تغیر و فنا سے محفوظ اور سالم ہے ایک حدیث میں ہے کہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا ہے لہذا تم سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو۔

سلام کا حکم: امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بالا جماع سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے اور پھر بعض حضرات کے

نزدیک سلام کا جواب اتنی آواز سے ضرور دیا جائے کہ دوسرا اسے سن سکے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ مطلق سلام کا جواب دینا واجب ہے اور دوسرے کو سنوانا مستحب ہے ضروری نہیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا فوراً واجب ہوتا ہے لہذا اگر خط میں کوئی سلام لکھے یا قاصد کے ذریعہ سلام بھیجے تو فوراً اس کا جواب دینا ضروری ہے اور بذریعہ تحریر اس سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے لیکن اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا جائے تو مطلق اس تحریری سلام کا زبانی جواب دینا ضروری ہے تحریری طور پر اس کا جواب پہنچانا ضروری نہیں ہے۔

بَابُ مَا ذَكَرَ فِي فَضْلِ السَّلَامِ

باب ۲: سلام کی فضیلت (اجر و ثواب)

(۲۶۱۳) أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشْرُونَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثُونَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا السلام علیکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دس نیکیاں مل گئیں پھر دوسرا شخص آیا وہ بولا السلام علیکم ورحمۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بیس نیکیاں ملیں گی پھر ایک شخص آیا اور بولا السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے تیس نیکیاں ملیں گی۔

تشریح: وبرکاتہ پر اضافہ مشروع ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں کہ وبرکاتہ پر اضافہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ موطا مالک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: انتہی السلام الی البرکۃ: سلام برکت پر پورا ہو گیا۔ اور یہی حق نے شعب الایمان میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرۃ: تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسبک وبرکاتہ: یعنی صرف وبرکاتہ تک اضافہ کرنا چاہئے، یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اور چند دوسری روایات سے اضافہ کا جواز ثابت ہوتا ہے، موطا مالک میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے سلام کے جواب میں والغادیات والرائحات بڑھایا۔ قول فیصل یہ ہے کہ عام طور پر وبرکاتہ تک ہی اضافہ کرنا چاہئے، لیکن اگر کوئی اور اضافہ کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْإِسْتِيزَانَ ثَلَاثٌ

باب ۳: اجازت تین مرتبہ طلب کی جائے

(۲۶۱۴) اسْتَأْذَنَ أَبُو مُوسَى عَلَى عُمَرَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ فَقَالَ عُمَرُ وَاحِدَةً ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ فَقَالَ عُمَرُ ثِنْتَانِ ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ فَقَالَ عُمَرُ

ثَلَاثٌ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ عُمَرُ لِلْبَوَّابِ مَا صَنَعَ قَالَ رَجَعَ قَالَ عَلِيٌّ بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ قَالَ مَا هَذَا الَّذِي صَنَعْتَ قَالَ السُّنَّةُ قَالَ السُّنَّةُ وَاللَّهِ لَتَأْتِيَنِي عَلَى هَذَا بِبُرْهَانٍ وَبَيِّنَةٍ أَوْ لَا فَعَلَنِي بِكَ قَالَ فَأَتَانَا وَنَحْنُ رُفْقَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَسْتُمْ أَعْلَمَ النَّاسِ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَّا سِتَيْنِذَانِ ثَلَاثٌ فَإِنْ أُذِنَ لَكَ وَإِلَّا فَارْجِعْ فَجَعَلَ الْقَوْمُ يُمَارِزُ حُؤْنَهُ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَيْهِ فَقُلْتُ مَا أَصَابَكَ فِي هَذَا مِنَ الْعُقُوبَةِ فَأَتَا شَرِيكَكَ قَالَ فَأَتَى عُمَرُ فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ فَقَالَ عُمَرُ مَا كُنْتُ عَلِمْتُ بِهَذَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں اندر آنے کی اجازت مانگی اور بولے السلام علیکم کیا میں اندر آ جاؤں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے ایک ہی مرتبہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب نہیں دیا) پھر ابوموسیٰ کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے السلام علیکم کیا میں اندر آ جاؤں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خود سے کہا) دو مرتبہ ہو گیا (لیکن انہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دی) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے السلام علیکم کیا میں اندر آ جاؤں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تیسری مرتبہ ہے (یعنی انہوں نے اجازت پھر بھی نہیں دی) پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربان سے دریافت کیا انہیں کیا ہوا؟ دربان نے جواب دیا وہ واپس چلے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں میرے پاس لے کر آؤ جب حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی سنت کے مطابق کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی قسم یا تو اس پر آپ ثبوت یا دلیل لے کر آئیں یا پھر میں آپ کو سزا دوں گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے ہم انصاری دوست بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا اے انصار کے گروہ کیا آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے بارے میں سب سے زیادہ نہیں جانتے؟ کیا آپ ﷺ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے؟ کہ اجازت تین مرتبہ لی جاسکتی ہے اگر تمہیں اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس چلے جاؤ تو حاضرین ان کے ساتھ مذاق کرنے لگے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے اپنا سراٹھا کر ان کی طرف دیکھا میں نے کہا آپ کو اس بارے میں جو سزا ملے گی میں اس میں آپ کا شریک ہوں گا۔

(۲۶۱۵) اِسْتَأْذَنْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثًا فَأُذِنَ لِي.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے مجھے یہ بات بتائی ہے وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں نے آپ ﷺ سے اندر آنے کی تین مرتبہ اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دی۔

تشریح: اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جب کسی سے ملاقات کے لئے جائے تو پہلے سلام کرے اور اجازت مانگے، اگر کوئی جواب نہ ملے تو کچھ وقفہ کے بعد دوسری مرتبہ سلام کرے، اور اجازت طلب کرے، پھر بھی جواب نہ ملے تو کچھ وقفہ کے بعد تیسری مرتبہ یہ عمل کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ میں بھی جواب نہ ملے تو واپس لوٹ جائے اور یہ سمجھے کہ صاحب خانہ کسی ضروری کام میں مشغول ہے، یا اور وجہ ہے، اس لئے لوٹ جائے مزید پریشان نہ کرے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں انہیں بلا کر فرمایا کہ ہم کسی کام میں مشغول تھے اس وجہ سے آپ کو جواب نہ دے سکے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے پاس داخل ہونے کے لیے تین بار اجازت طلب کی اور آپ کو اجازت دیدی گئی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم تھی تو پھر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات پر دلیل اور گواہ کیوں طلب کئے؟

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات تو معلوم تھی کہ تین بار تک اجازت طلب کی جائے لیکن یہ بات معلوم نہیں تھی کہ تین بار اجازت کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے تو آدمی واپس ہو جائے اس لیے احتیاطاً انہوں نے اس بات پر دلیل طلب کی تاکہ تحقیق کے ساتھ یہ بات ثابت ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض باتیں کسی ماہر عالم کو معلوم نہ ہوں ان سے چھوٹے کو معلوم ہوں تاہم یہ بات ان کے لیے کوئی باعث عیب نہیں۔

اعتراض: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انکار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خبر واحد معتبر نہیں، چنانچہ انھوں نے واضح دلیل مانگی کہ کوئی دوسرا شخص لاؤ جس نے یہ بات نبی ﷺ سے سنی ہو، حالانکہ اخبار آحاد شریعت میں معتبر ہیں۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد واقعات میں خبر واحد قبول کی ہے، جیسے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو میراث دینے کا مسئلہ اور مجوس سے جزیہ لینے کا مسئلہ، ان مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خبر واحد پر عمل کیا ہے، بلکہ اس واقعہ کا تعلق، دین کے معاملہ میں احتیاط برتنے سے ہے۔ جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے تائیدی بیان دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاسف سے کہا میں بازار میں خرید و فروخت کرتا رہا اس لئے ان مسائل سے ناواقف رہا!

بَابُ كَيْفَ رَدِّ السَّلَامِ؟

باب ۴: سلام کا جواب کس طرح دینا چاہئے

(۲۶۱۶) دَخَلَ رَجُلٌ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْكَ إِزْجَعُ فَصَلَّى.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص مسجد میں داخل ہوا نبی اکرم ﷺ مسجد کے کنارے میں تشریف فرما تھے اس نے نماز ادا کی پھر وہ آیا اس نے آپ کو سلام کیا آپ ﷺ نے فرمایا تم پر بھی ہو واپس جاؤ نماز ادا کرو کیونکہ تم نے درحقیقت نماز نہیں پڑھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَبْلِيغِ السَّلَامِ

باب ۵: کسی سے سلام کہلوانا

(۲۶۱۷) لَهَا إِنَّ جِبْرِيلَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

ترجمہ: ابوسلمہ بیان کرتے ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ بات بتائی ہے نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا جبریل علیہ السلام تمہیں سلام کہہ رہے ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ان پر بھی سلام ہو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اور اس کی برکتیں ہوں۔
تشریح: جس طرح سلام کرنا مسنون ہے: سلام کہلوانا بھی مسنون ہے، اور جس طرح سلام کا جواب دینا ضروری ہے: آئے ہوئے سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے اور جواب میں سلام لانے والے کو بھی شریک کرنا چاہئے، کہنا چاہئے: علیک وعلیہ السلام۔
غائبانہ سلام کے جواب کا مسنون طریقہ:

اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام دینے والے اور پہنچانے والے دونوں کو یہ شخص سلام کا جواب دے مثلاً وہ یوں کہے: وعلیک وعلی فلان السلام یا وعلیک وعلیہ السلام۔ (تیرے اوپر اور فلاں پر بھی سلامتی ہو) سلام کے جواب کا یہ افضل طریقہ ہے چنانچہ نہائی کی روایت میں اس کی تصریح منقول ہے لیکن اگر یہ شخص غائبانہ سلام پہنچانے والے کو سلام نہ دے صرف اس غائب کے سلام کا جواب دے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ سلام پہنچانے والے کو سلام کے جواب میں شریک کرنا واجب نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جبریل علیہ السلام کے جواب میں نبی کریم ﷺ کو سلام نہیں کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ

باب ۶: سلام میں پہل کرنے کی فضیلت

(۲۶۱۸) قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلَانِ يَلْتَقِيَانِ أَيُّهُمَا يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ فَقَالَ أَوَّلَاهُمَا بِاللهِ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ دو آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں ان میں سے کون پہلے سلام کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے زیادہ نزدیک ہو۔

سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے، مگر یہ وہ سنت ہے جس کا ثواب واجب سے زیادہ ہے کیونکہ ایک تو اس کو سلام کرنے کا ثواب ملتا ہے دوسرا الدال علی الخیر کفاعله (خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہے گویا کہ خود کر رہا ہے) کے ضابطے سے جواب دینے کا ثواب بھی اس کو ملتا ہے، اس لئے اس کا ثواب دوگنا ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِشَارَةِ الْيَدِ فِي السَّلَامِ

باب ۷: ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنے کی ممانعت

(۲۶۱۹) لَيْسَ مِمَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِ نَأَا تَشَبُّهُ بِالْيَهُودِ وَلَا النَّصَارَى فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى الْإِشَارَةُ بِالْأَكْفَفِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس کا اسلام سے

کوئی تعلق نہیں ہے جو دوسروں کے ساتھ مشابہت اختیار کر لے تم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو کیونکہ یہودیوں کا سلام انگلیوں کے اشارے کے ذریعے ہوتا ہے اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلی کے اشارے کے ذریعے ہوتا ہے۔
تشریح: سلام میں کلمات سلام کا تلفظ ضروری ہے، اسی طرح جواب میں بھی کلمات جواب کا تلفظ ضروری ہے، نیز سلام سنانا بھی ضروری ہے، اگر کوئی صرف اشارے سے سلام کرے، اور کلمات سلام منہ سے نہ بولے، تو یہ سلام نہیں، اسی طرح جواب میں صرف ہاتھ سے اشارہ کر دینا اور منہ سے کلمات جواب ادا نہ کرنا کافی نہیں۔ البتہ کلمات سلام و جواب کے تلفظ کے ساتھ اشارہ بھی کیا تو یہ درست ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى الصَّبْيَانِ

باب ۸: بچوں کو سلام کرنے کا بیان

(۲۶۲۰) كُنْتُ أَمْشِي مَعَ ثَابِتِ الْبُنَاتِيِّ فَمَرَّ عَلَى صَبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ ثَابِتٌ كُنْتُ مَعَ أَنَسٍ فَمَرَّ عَلَى صَبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ أَنَسٌ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَمَرَّ عَلَى صَبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: سیار بیان کرتے ہیں میں ثابت بناتی کے ہمراہ جا رہا تھا وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا پھر ثابت بناتی نے بتایا میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی تھی میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا آپ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا تھا۔

تشریح: بچے مستقبل کی امت ہیں، کل ہم نہیں رہیں گے اور وہ ہماری جگہ لیں گے، اس لئے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے، پس جس طرح بچوں کو تمرین کے لئے نماز پڑھوائی جاتی ہے، اور روزہ رکھوایا جاتا ہے، اسی طرح ان کو سلام بھی کیا جائے تاکہ وہ سلام کرنا اور جواب دینا سیکھیں، علاوہ ازیں بڑوں کا چھوٹوں کو سلام کرنا تواضع کی دلیل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى النِّسَاءِ

باب ۹: عورتوں کو سلام کرنے کا بیان

(۲۶۲۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمًا وَعُصْبَةٌ مِنَ النِّسَاءِ قُعُودٌ فَأَلَوِي بَيْدَهُ بِالتَّسْلِيمِ وَأَشَارَ عَبْدُ الْحَمِيدُ بِيَدِهِ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ مسجد میں سے گزرے اس وقت کچھ خواتین وہاں بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارے کے ذریعے انہیں سلام کیا۔ عبد الحمید نامی راوی نے اپنے ہاتھ کے ذریعے اشارہ کر کے یہ بات بتائی۔

تشریح: جس طرح مردوں کے لئے ضروری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں، اور سلام کو خوب رواج دیں، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے انکو بھی چاہئے کہ آپس میں ایک دوسرے کو خوب سلام کریں، رہا مردوں کا عورتوں کو، اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا تو یہ دو صورتوں میں جائز ہے۔

ایک: مردوزن محرم ہوں یا میاں بیوی ہوں، یا عورت بہت بوڑھی ہو یا چھوٹی بچی ہو تو ایک دوسرے کو سلام کرنا جائز ہے۔
دوم: عورت اجنبی ہو مگر اس کو سلام کرنے میں، یا اس کے سلام کرنے میں کوئی تہمت کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً عورتوں کا مجمع ہو اور ان کو کوئی مرد سلام کرے، یا محرم کی موجودگی میں اجنبی عورت سلام کرے، یا کوئی عورت مردوں کے مجمع کو سلام کرے تو یہ جائز ہے، کیونکہ ان صورتوں میں فساد کا کوئی اندیشہ نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ

باب ۱۰: جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرے

(۲۶۲۲) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ أَنَسُ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ تَكُونَ بَرَكَهَ عَلَيْهِ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ.

ترجمہ: سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا میرے بیٹے جب تم اپنے گھر جاؤ تو سلام کرو یوں تمہارے اوپر بھی برکت ہوگی اور تمہارے گھر والوں پر بھی برکت ہوگی۔
تشریح: اگر گھر میں کوئی ہے تو اس کو سلام کرے، اور اگر گھر خالی ہے تو کہے: السلام علی عباد اللہ الصالحین: اللہ کے نیک بندوں پر سلام! اور گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا ذکر سورۃ النور (آیت ۶۱) میں ہے:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ﴾ (النور: ۶۱)

”جب تم اپنے گھروں میں داخل ہوؤ تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے مقرر ہے، اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔“

پس آئندہ حدیث کے ضعف سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ یہ مسئلہ قرآن کریم میں ہے۔

بَابُ السَّلَامِ قَبْلَ الْكَلَامِ

باب ۱۱: گفتگو سے پہلے سلام

(۲۶۲۳) السَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سلام (بات شروع) کرنے سے پہلے ہوگا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّسْلِيمِ عَلَى الذِّمِّيِّ

باب ۱۲: ذمی (غیر مسلم) کو سلام کرنا مکروہ ہے

(۲۶۲۴) لَا تَبْدَأُ وَالْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَأُظْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو جب تم ان میں سے کسی سے راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے کی جانب جانے پر مجبور کرو۔

(۲۶۲۵) إِنَّ رَهْطًا مِنَ الْيَهُودِ دَخَلُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ قَدْ قُلْتُ عَلَيْكُمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کچھ یہودی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے السام علیک (یعنی آپ کو موت آئے) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وعلیکم (تمہیں بھی آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت بھی ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی آپ ﷺ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے بھی وعلیکم (تمہیں بھی آئے) کہہ دیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث اسی سند سے ابواب السیر باب ۴۰ باب ما جاء في التسليم على اهل الكتاب میں گزر چکی ہے، اور وہاں اسکی شرح کی گئی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّلَامِ عَلَى مَجْلِسٍ فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَغَيْرُهُمْ

باب ۱۳: ایسے مجمع کو سلام کرنا جس میں مسلم اور غیر مسلم ہوں

(۲۶۲۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسٍ وَفِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ایک محفل کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو سلام کیا۔

تشریح: علماء نے لکھا ہے: ایسی صورت میں مسلمانوں کی نیت سے سلام کرے، اور اگر غیر مسلم کو سلام کرے تو محافظ فرشتوں کی نیت سے سلام کرے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَسْلِيمِ الرَّكَبِ عَلَى الْمَاشِي

باب ۱۴: سوار کا پیدل کو سلام کرنا

(۲۶۲۷) يُسَلِّمُ الرَّكَبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ وَزَادَ ابْنُ الْمُثَنَّى فِي حَدِيثِهِ وَيُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں سوار شخص پیدل کو سلام کرے اور پیدل شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

(۲۶۲۸) يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں چھوٹا بڑے کو سلام کرے گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

(۲۶۲۹) يُسَلِّمُ الْفَارِسُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَائِمِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ.

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سوار شخص پیدل کو سلام کرے اور پیدل کھڑے ہوئے سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

تشریح: مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے چار قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جنہیں پہلے سلام کرنا چاہیے۔
(۱) جو شخص کسی جانور یا گاڑی وغیرہ پر سوار ہو تو اسے پیادہ آدمی کو سلام کرنا چاہیے تاکہ اس کے دل میں بڑائی اور تکبر کے بجائے تواضع اور انکساری پیدا ہو۔

(۲) پیدل چلنے والا کھڑے ہوئے آدمی کو سلام کرے، قائم، سے وہ شخص مراد ہے جو ایک ہی جگہ پر برقرار ہو خواہ وہ بیٹھا ہو، کھڑا ہو یا لیٹا ہو اور مثلاً پیدل چلنے والے کو گویا اس آدمی کے ساتھ مشابہت حاصل ہے جو گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو جس طرح گھر میں داخل ہونے والا پہلے سلام کرتا ہے اسی طرح پیادہ آدمی کو بھی پہلے سلام کرنا چاہیے۔

(۳) جو لوگ کم تعداد میں ہوں اور ایسے لوگوں سے ملیں جو زیادہ تعداد میں ہوں تو انہیں زیادہ لوگوں پر پہلے سلام کرنا چاہیے ایک تو جماعت کی فضیلت کی وجہ سے اور دوسرا اس لیے کہ تھوڑے لوگوں کے لیے سلام کرنے میں آسانی ہے بنسبت کثیر لوگوں کے سلام کرنے کے۔

فقہ ابو الیث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک جماعت کچھ لوگوں کے پاس جائے تو انہیں چاہیے کہ سلام کریں اگر کوئی بھی سلام نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں گے اور جماعت میں سے ایک آدمی بھی سلام کر دے تو یہ سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اگر ان لوگوں سے میں کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب گناہ گار ہوں گے ایک نے بھی جواب دے دیا تو یہ سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص اپنی کسی ضرورت کے لیے بازار جائے تو وہ ہر شخص کو سلام نہ کرے صرف بعض کو سلام کرے کیونکہ ہر شخص کو سلام کرنے کی وجہ سے اس کے کام میں حرج پیدا ہوتا ہے۔

(۴) اور چھوٹے کو چاہیے کہ اپنے سے بڑے آدمی کو سلام کیا کرے اس کے ادب و احترام اور تعظیم، کی خاطر کیونکہ حدیث میں بڑوں کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے

سلام کرنے میں پہل کون کرے؟

اس سلسلہ کی روایات میں تعارض ہے، مثلاً فرمایا چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو سلام کرے، دوسری طرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بچوں کو سلام کرتے تھے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے اس تعارض کا جواب یہ دیا ہے: دنیا کا عام دستور یہ ہے کہ گھر میں آنے والا گھر والوں کو سلام کرتا ہے، اور ادنیٰ آدمی بڑے کو سلام کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رواج کو بحالہ باقی رکھا چنانچہ چھوٹوں کو حکم دیا کہ بڑوں کو سلام کریں، اور گزرنے والے کو۔ جو گھر میں آنے والے کے مشابہ ہے۔ حکم دیا کہ وہ بیٹھے ہوؤں کو سلام کرے، اور تھوڑوں کو۔ جو تھوڑے ہونے کی وجہ سے ادنیٰ ہیں۔ حکم دیا کہ وہ زیادہ کو سلام کریں۔

نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اگر آدمی اپنے بڑے اور اشرف کی قدر پہچانے گا، اس کی توقیر کرے گا، اور بڑھ کر اس کو سلام کرے گا تو اس سے سوسائٹی کی شیرازہ بندی ہوگی، اور لوگ باہم مربوط ہونگے، ورنہ بڑوں کا چھوٹوں سے رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ سلام لینے میں ایک طرح کی خود پسندی ہے، چھوٹا جب بڑے کو سلام کرتا ہے تو اس کو فخر محسوس ہوتا ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے بڑوں کو تواضع اور خاکساری کی تعلیم دی کہ ان کو سلام کرنے میں پہل کرنی چاہیے، کیونکہ بڑھ کر سلام کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۶۶) اور سوار کو جو حکم دیا ہے کہ وہ پیادے کو سلام کرے: اس میں خصوصیت سے یہ بات ملحوظ ہے، کیونکہ سوار لوگوں کے نزدیک بڑی اہمیت والا سمجھا جاتا ہے اور وہ بھی خود کو بڑا سمجھتا ہے، اس لئے اس کو تاکید کی کہ وہ اپنے اندر تواضع پیدا کرے، اور پیادے کو سلام کرے۔

بَابُ التَّسْلِيمِ عِنْدَ الْقِيَامِ وَالْفُعُودِ

باب ۱۵: آتے وقت اور جاتے وقت سلام کرنا

(۲۶۳۰) إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَإِنْ بَدَأَهُ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلْيُسَلِّمِ الْأُولَى بِأَحَقِّ مِنَ الْآخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی محفل میں آئے تو وہ سلام کرے اگر اسے بیٹھنا مناسب لگے تو بیٹھ جائے پھر جب وہ کھڑا ہو تو پھر سلام کرے پہلے والا سلام دوسرے والے کے مقابلے میں زیادہ حقدار نہیں ہے۔ (یعنی دونوں مرتبہ ایسا کرنا چاہیے)۔

تشریح: اسی طرح مجلس سے رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور رائج قول کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے کیونکہ

ملاقات کے وقت کا سلام دوسرے سلام سے زیادہ بہتر نہیں ہے یعنی دونوں موقعوں پر سلام کرنا سنت اور جواب دینا ضروری ہے البتہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ رخصت ہونے کے وقت جو سلام کیا جائے یہ چونکہ محض ایک دعا ہے اس لیے اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے صرف مستحب ہے

سلام رخصت میں تین مصلحتیں ہیں:

پہلی مصلحت: سلام کر کے جانے سے: ناراض ہو کر ناگواری سے چل دینے، اور کسی ضرورت کے لئے جانے اور پھر ایسی ہی صحبت کی طرف لوٹنے کے درمیان امتیاز ہوتا ہے، اگر سلام کر کے گیا ہے تو خوش گیا ہے، ورنہ دوسری بات کا اندیشہ ہے۔
دوسری مصلحت: سلام کر کے رخصت ہوگا تو صاحب مجلس کو اس سے کوئی بات کہنی ہوگی تو کہہ سکے گا، اور چپکے سے چلا گیا تو بات رہ جائے گی۔

تیسری مصلحت: ایک جانا کھسک جانا ہے، جس کی سورۃ النور آیت ۲۳ میں مذمت آئی ہے، پس جو سلام کر کے جائے گا وہ اس عیب سے محفوظ رہے گا۔

بَابُ الْإِسْتِئْذَانِ قُبَالَةَ الْبَيْتِ

باب ۱۶: گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنا

(۲۶۳۱) مَنْ كَشَفَ سِتْرًا فَأَدْخَلَ بَصَرَ لَهُ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ فَرَأَى عَوْرَةَ أَهْلِهِ فَقَدْ آتَى حَدًّا لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ لَوْ أَنَّ هُجْرًا أَدْخَلَ بَصَرَ هُوَ اسْتَقْبَلَهُ رَجُلٌ فَفَقَّا عَيْنَيْهِ مَا عَيَّرَتْ عَلَيْهِ وَإِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلَى بَابٍ لَا سِتْرَ لَهُ غَيْرِ مُغْلَقٍ فَتَنَظَّرَ فَلَا حَاطِيَّةَ عَلَيْهِ إِثْمًا لِحَاطِيَّةٍ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ.

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص پردہ ہٹا کر گھر کے اندر نگاہ ڈالے اس سے پہلے کہ اسے اجازت دی گئی ہو تو اس شخص نے پوشیدہ چیز کو دیکھ لیا اور اس نے اس جرم کا ارتکاب کیا جو اس کے لیے درست نہیں ہے اگر اس وقت جب وہ گھر کے اندر دیکھ رہا ہو کوئی شخص اس کے سامنے آئے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو میں اس کو کوئی بدلہ نہ دلواتا لیکن اگر کوئی شخص کسی دروازے کے پاس سے گزرے جس پر کوئی پردہ بھی نہ ہو پھر وہ اندر دیکھ لے تو اس شخص کا کوئی قصور نہیں ہے قصور گھر والوں کا ہے۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ باب غیر واضح ہے، درحقیقت امام صاحب کو یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب نہیں کرنی چاہئے، بلکہ دروازے کی دائیں بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنی چاہئے، مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب کسی دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کرتے تو سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے، پس اگر دروازے پر کواڑ یا پردہ نہ ہو، یا دروازہ بند نہ ہو تو اجازت لینے والے کو ایک طرف کھڑے ہو کر اجازت مانگنی چاہئے، تا کہ اجازت سے پہلے گھر میں نظر نہ پڑے، اور اگر دروازہ بند ہو تو سامنے کھڑے ہو کر بھی اجازت مانگ سکتے ہیں، البتہ

دروازے کی درزوں (سوراخوں) سے جھانکنا نہیں چاہئے، ورنہ اجازت طلبی بے فائدہ ہوگی۔

بَابُ مَنْ الطَّلَعَ فِي دَارِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ

باب ۱۷: اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں جھانکنا

(۲۶۳۲) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي بَيْتِهِ فَأَطْلَعَ عَلَيْهِ رَجُلٌ فَأَهْوَى إِلَيْهِ بِمَشْقَصٍ فَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اپنے گھر میں موجود تھے ایک شخص نے اندر جھانکا تو آپ ﷺ نے تیر اس کی طرف بڑھایا تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔

(۲۶۳۳) إِنَّ رَجُلًا أَطْلَعَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ جُحْرٍ فِي حُجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِذْرَاقًا يُحْكُ بِهَا رَأْسَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعَنْتُ بِهَا فِي عَيْنِكَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِسْتِثْنَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کے ایک حجرہ مبارک کے سوراخ میں سے اندر جھانکا آپ ﷺ کے پاس اس وقت ایک کنگھی موجود تھی جس کے ذریعے آپ ﷺ سر کو کھجارہے تھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ تم اس طرح دیکھ رہے ہو تو میں اسے تمہاری آنکھ کے اندر چھو دیتا اجازت لینے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ (گھر والوں) پر نظر نہ پڑے۔

لغات: اطلع على الشيء: جھانکنا، جاننا، واقف ہونا۔ المشقص: چوڑے پھل کا نیزہ، جمع مشاقص۔ المدري: کنگھا، کڑی کا ہویا لوہے کا، یا کیس اور چیز کا۔

بَابُ التَّسْلِيمِ قَبْلَ الْإِسْتِثْنَانِ

باب ۱۸: اجازت طلبی سے پہلے سلام کرنا

(۲۶۳۴) أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ بَعَثَهُ بِلَبْنٍ وَلِبَاءٍ وَضَعَا يَدَيْهِمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّبِيُّ ﷺ بِأَعْلَى الْوَادِي قَالَ قَدْ خَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أَسْتَأْذِنْ وَلَمْ أُسَلِّمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْجِعْ فَقُلْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ.

ترجمہ: عمرو بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں حضرت کلدہ بن ضبل نے انہیں یہ بات بتائی ہے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے دودھ بولی اور ککری کے ٹکڑوں کے ہمراہ انہیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ ﷺ اس وقت بالائی حصے میں موجود تھے راوی بیان کرتے ہیں میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ ﷺ سے اجازت نہیں لی اور میں نے سلام بھی نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور السلام علیکم کہو اور یہ کہو کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ راوی بیان کرتے ہیں یہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے اس اسلام قبول کرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔

(۲۶۳۵) اسْتَأْذَنْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَى أَبِي فَقَالَ مَنْ هَذَا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ أَنَا كَأَنَّكَ كَرِهَ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے قرض کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے ہاں اندر آنے کی اجازت مانگی وہ قرض جو میرے والد کے ذمے تھا نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کون ہے؟ میں نے عرض کی میں ہوں آپ ﷺ نے فرمایا میں (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) گویا آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا (کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنا نام کیوں نہیں بتایا)۔

تشریح: فی دین کان علی ابی: اس قرض کے بارے میں گفتگو کرنی تھی جو میرے والد پر تھا میرے والد عبداللہ انصاری غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے قرض خواہوں نے جب مجھے زیادہ تنگ کیا تو میں حضور ﷺ سے مدد حاصل کرنے کے لیے خدمت میں حاضر ہوا تا کہ اس قرض کی ادائیگی کے بارے میں کوئی بندوبست کیا جاسکے میرے پاس تھوڑی سی کھجوروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کھجوروں کے مختلف ڈھیر لگا دو پھر آپ ﷺ خود تشریف لائے بڑے ڈھیر کے آس پاس تین چکر لگائے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ وہ آتے گئے اور آپ ﷺ ان تمام لوگوں کو اپنے ہاتھ سے بڑے ڈھیر سے کھجوریں دیتے رہے یہاں تک کہ تمام قرض خواہ ختم ہو گئے اور اس ڈھیر کی کھجوریں جوں کی توں باقی رہیں۔ ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی یہ نبی کریم ﷺ کے معجزے کی برکت تھی کہ ان کھجوروں سے نہ صرف یہ کہ قرض ادا ہو گیا بلکہ تمام کھجوریں اسی طرح بیچ گئیں جیسے وہ پہلے تھیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں وہ تمام کھجوریں اپنی بہنوں کے لیے لے آیا۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۱/۳۶، کتاب الفضائل والشمائل)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ ظُرُوقِ الرَّجُلِ أَهْلَهُ لَيْلًا

باب ۱۹: سفر سے رات میں اچانک گھر پہنچنا ممنوع ہے

(۲۶۳۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَنَّهُمْ أَنْ يَظُرُقُوا النِّسَاءَ لَيْلًا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو اس بات سے منع کیا تھا (کہ وہ طویل سفر سے واپس پر) رات کے وقت اپنے گھر جائیں۔

تشریح: یہ اتفاق تھا کہ دونوں نے اپنی بیویوں کے پاس کسی آدمی کو پایا، اور نبی ﷺ کے زمانے میں ایسے متعدد واقعات پیش آئے ہیں، جن سے لوگ ارشاد نبوی کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، ان واقعات سے بھی لوگوں کی سمجھ میں آ گیا کہ بے خبری میں گھر نہیں پہنچنا چاہئے، اسکا واضح نقصان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، مگر حقیقت میں حکم کی یہ علت نہیں، دوسری حدیثوں میں اس حکم کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لمبے سفر سے لوٹتے وقت بیویوں کو صفائی کا موقع دینا چاہئے، جب شوہر گھر پر نہیں ہوتا تو بیوی صفائی کا اہتمام نہیں کرتی، نہ اچھے کپڑے پہنتی ہے، اس لئے اگر شوہر رات میں اچانک گھر آ جائے گا تو ممکن ہے اس کو بیوی کی بوسیدہ حالت ناپسند آئے۔ ممانعت کا یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب گھر والوں کو واپسی کے وقت کا پتہ نہ ہو لیکن اگر گھر والوں کو پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں وقت واپسی ہے تو پھر رات کے وقت بھی گھر میں آنا بغیر کسی کراہت کے درست ہے خواہ اس کا سفر لمبا ہو یا مختصر جیسا کہ

موجودہ دور میں انسان جب سفر سے واپس آتا ہے تو اہل خانہ کو موبائل وغیرہ کے ذریعہ پہلے سے اطلاع ہوتی ہے ایسے میں رات کے وقت آنا بھی درست ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَثْرِيْبِ الْكِتَابِ

باب ۲۰: لکھے ہوئے پر مٹی چھڑکنے کا بیان

(۲۶۳۷) إِذَا كَتَبَ أَحَدُكُمْ كِتَابًا فَلْيُتَرَّبْهُ فَإِنَّهُ أَنْجَحٌ لِلْعَاجَةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص خط لکھے تو اسے مٹی میں ملا دے (یعنی اس پر کچھ مٹی چھڑک دے) کیونکہ یہ ضرورت کو زیادہ بہتر طور پر پورا کرتا ہے (یعنی سیاہی پختہ ہو جاتی ہے)۔

تشریح: اس تریب سے کیا مراد ہے؟ (۱) تحریر کے بعد اس کاغذ کو یوں ہی مٹی پر ڈال دیا جائے، اللہ پر اعتماد کر کے وہی اسے اپنی منزل تک پہنچا دیں گے آج کل کے عرف کے مطابق اس کی مثال لیوڈکس سے دی جاسکتی ہے کہ اس میں انسان خط ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۲) اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کاغذ پر مٹی چھڑک کر جھاڑو دو تا کہ روشنائی خشک ہو جائے اور حروف مٹ نہ سکیں تاکہ پڑھنے والا اسے صحیح طریقے سے پڑھ سکے۔

(۳) بعض کے نزدیک تریب سے تو وضع و انکساری مراد ہے کہ خط میں ایسی تحریر لکھی جائے جس میں عجز و انکساری اور تواضع کا انداز ہو انداز تحریر ہٹ دھرمی اور متکبرانہ نہ ہو کیونکہ مہذب تحریر کا انسان پر اچھا اثر پڑتا ہے

سند کا حال: اس حدیث کا راوی حمزہ ابی حمزہ جعفی جزری نصیبی متروک، متہم بالوضع ہے، اور اس کے باپ کے نام میں اختلاف ہے، کوئی عمر و کہتا ہے، اور کوئی میمون اور ایسی نہایت ضعیف حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ منکر کہتے ہیں۔

بَاب

باب: کان پر قلم رکھنے کا فائدہ

(۲۶۳۸) قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبَيْنَ يَدَيْهِ كَاتِبٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ ضَعْ الْقَلَمَ عَلَى أُذُنِكَ فَإِنَّهُ أَذْكُرُ لِلْمُنَى.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ کے سامنے لکھنے والا بیٹھا ہوا تھا آپ ﷺ نے فرمایا قلم کو اپنے کان پر رکھو کیونکہ اس سے مضمون زیادہ بہتر سمجھ میں آتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث نہایت ضعیف ہے، اس کا راوی عنبہ بن عبد الرحمن اموی متروک ہے، ابو حاتم نے اس پر حدیثیں گڑھنے کا الزام دھرا ہے، اور دوسرا راوی محمد بن زاذان مدنی بھی متروک ہے۔

بَابُ فِي تَعْلِيمِ السَّرْيَانِيَّةِ

باب ۲۱: سریانی زبان سیکھنے کا بیان

(۲۶۳۹) أَمَرَني رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ كَلِمَاتٍ مِنْ كِتَابِ يَهُودٍ وَقَالَ إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَمَنْ يَهُودَ عَلَى كِتَابِي قَالَ فَمَا مَرَّبِي نِصْفُ شَهْرٍ حَتَّى تَعَلَّمْتَهُ لَهُ قَالَ فَلَمَّا تَعَلَّمْتَهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہ ہدایت کی تھی میں آپ ﷺ کی خاطر یہودیوں کی کتاب کے کچھ کلمات (یعنی ان کی زبان) سیکھ لوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کی قسم مجھے یہودیوں کے بارے میں اطمینان نہیں تھا کہ وہ مجھے ٹھیک سکھا رہے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نصف مہینہ گزرنے کے بعد میں ان کی زبان سیکھ چکا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب میں نے اس زبان کو سیکھ لیا تو جب نبی اکرم ﷺ یہودیوں کو کوئی تحریر بھجواتے تھے تو میں لکھ کر ان کی طرف بھیجتا تھا اور جب یہودی کوئی بات لکھ کر آپ ﷺ کی طرف بھیجتے تو میں آپ ﷺ کے سامنے تحریر پڑھ کر سنا تا تھا۔

تشریح: دنیا کی ہر زبان دینی یا دنیوی مقاصد سے سیکھنا جائز ہے، اور آزادی کے زمانہ میں علماء کرام نے جو انگریزی سیکھ کر حرمت کا فتویٰ دیا تھا وہ ترک موالات کے قبیل سے تھا، یعنی انگریزوں سے بے تعلقی ظاہر کرنے کے لئے یہ فتویٰ دیا گیا تھا۔ پس یہ ایک وقتی بات تھی، دائمی حکم نہیں تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُكَاتَبَةِ الْمُشْرِكِينَ

باب ۲۲: مشرکین کے ساتھ خط و کتابت

(۲۶۴۰) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَتَبَ قَبْلَ مَوْتِهِ إِلَى كِسْرَى وَإِلَى قَيْصَرَ وَإِلَى النَّجَاشِيِّ وَإِلَى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے کسری، قیصر، نجاشی اور ہر حکمران کو خطوط بھجوائے تھے آپ ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی تھی یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی آپ نے نماز جنازہ ادا کی تھی۔

تشریح: مشرکین کی طرف خط و کتابت:

نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے بہت سے کفار کی طرف خطوط روانہ فرمائے جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ قیصر و کسریٰ نجاشی اور ہر اس حاکم کی طرف جو ظالم و جابر تھا دعوت اسلام کے خطوط بھیجے گئے تاکہ وہ نعمت اسلام سے سرفراز ہو جائیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسریٰ ملک فارس کے بادشاہوں کا قیصر روم کے بادشاہوں کا نجاشی ملک حبشہ کے بادشاہوں کا خاقان ترکی کے بادشاہوں کا فرعون قبطیوں کے بادشاہ کا عزیز مصر کے بادشاہ کا اور تیج ملک حمیر کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔

والی کل جبار:

چنانچہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کی طرف سلیط بن عمرو کو یمامہ کے ہوزہ بن علی کی طرف علاء بن حضری کو ہجر کے منذر بن ساوی کی طرف وحیہ کو قیصر کی طرف عمرو بن امیہ کو نجاشی کی طرف سائب کو مسیلہ کی طرف اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف بھیجا تھا۔

نجاشی کا تذکرہ:

ملک حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت ایک عیسائی عالم بادشاہ تھا اس کا نام اصمہ بن ابجر یا ابجر تھا اور عربی نام عطیہ تھا انہیں جب اسلام کا پتہ چلا تو اپنے طور پر ہی اسلام قبول کر لیا لیکن نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کر کے حالات کی وجہ سے نہ آ سکے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ بہت محبت کرنے والے تھے مکہ مکرمہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کفار کی طرف زندگی گزارنا دشوار ہو گیا تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے جہاں اس نجاشی بادشاہ نے ان کی بہت ہی آؤ بھگت اور خدمت کی تھی اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس خط کا یوں جواب دیا تھا:

الی محمد رسول اللہ ﷺ من اصحابہ النجاشی: سلام علیک یا رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاتہ فأشهد انک رسول اللہ ﷺ صدوقاً وقد بايعتک.

”محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نجاشی اصمہ کی طرف سے: آپ پر سلامتی اے اللہ کے رسول اور اس کی برکتیں نازل ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور تحقیق میں نے آپ سے بیعت کی۔“

کیا ہر قتل نے اسلام قبول کر لیا تھا؟

اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ہر قتل نے اسلام قبول کر لیا تھا یا نہیں چنانچہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہر قتل مسلمان ہے لیکن جمہور کے نزدیک ہر قتل مسلمان نہیں ہوا تھا اس پر متعدد احادیث شاہد ہیں۔ اس نے غزوہ تبوک اور موتہ میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی تھی اس میں بڑی شدید لڑائی ہوئی بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے لہذا اگر یہ ہر قتل مسلمان ہو گیا ہوتا غزوہ تبوک اور موتہ میں اس طرح مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آتا ایک صریح روایت مسند احمد میں منقول ہے کہ جب نبی کریم ﷺ تبوک میں مقیم تھے تو آپ ﷺ نے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے لکھا کہ میں مسلمان ہوں نبی کریم ﷺ کے پاس جب اس کا جواب پہنچا پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کذب ہو علی نصرانیۃ۔ وہ جھوٹا ہے ابھی تک وہ اپنے نصرانی مذہب پر قائم ہے اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صراحتاً اس کے اسلام کے دعویٰ کی تکذیب فرمادی اور یہ کہ ابھی تک وہ اپنے عیسائی مذہب پر قائم ہے۔

بَابُ كَيْفَ يُكْتَبُ إِلَى أَهْلِ الشِّرْكِ

باب ۲۳: مشرک کو خط کیسے لکھا جائے

(۲۶۴۱) أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا مُتَجَارًا بِالشَّامِ فَأَتَوْهُ

فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَرَأَ فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هَذَا قَلَّ عَظِيمِ الرُّومِ السَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى آمَنَّا بَعْدُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بات بتائی ہے ہر قل نے انہیں قریش کے کچھ دیگر افراد کے ہمراہ بلوایا یہ لوگ اس وقت شام میں تجارت کی غرض سے موجود تھے یہ لوگ اس کے پاس آئے اس کے بعد انہوں نے پوری حدیث ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں پھر ہر قل نے نبی اکرم ﷺ کا خط منگوا یا اسے پڑھا گیا (تو اس کی عبارت اس طرح تھی) اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے جو رحمن اور رحیم ہے یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے خاص رسول محمد ﷺ کی طرف سے روم کے حکمران ہر قل کے نام ہے ہر وہ شخص سلامت رہے جو ہدایت کی پیروی کرے (اما بعد)۔

تشریح: اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوئیں: (۱) خط اور تحریر کے شروع میں پوری بسم اللہ لکھی جائے، اگرچہ وہ خط یا تحریر غیر مسلم کے نام ہو، ۷۸۶ لکھنے کا جو دستور چل پڑا ہے اس کی کچھ اصل نہیں، اور یہ کہنا کہ خط میں بسم اللہ لکھنے میں بے احتیاطی ہے: بے دلیل بات ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے غیر مسلموں کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں بسم اللہ لکھی ہے، جبکہ یہ یقین نہیں تھا کہ وہ اس تحریر کی حفاظت کریں گے۔

(۲) خط وغیرہ تحریرات میں کاتب اور مکتوب الیہ کا تعارف بھی ہونا چاہئے، نبی ﷺ نے اپنا بھی پورا تعارف کرایا ہے اور مکتوب الیہ کا بھی، اور ضرورت ہو تو اپنے القاب بھی لکھے جائیں اور مکتوب الیہ کے القاب بھی۔

(۳) السَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى: سلام کا پیرایہ ایسا اختیار کیا جائے کہ نہ سانپ بچے نہ لاشی ٹوٹے، موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جس طرح سلام کیا تھا (طہ: ۴۷) نبی ﷺ نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَتْمِ الْكِتَابِ

باب ۲۴: خط پر مہر لگانے کا بیان

(۲۶۴۲) لَمَّا أَرَادَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيلَ لَهُ إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا قَالَ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ نے عجمی (حکمرانوں) کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو یہ بتایا گیا عجمی (حکمران) لوگ صرف اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر لگی ہو تو نبی اکرم ﷺ نے ایک مہر بنوائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کی ہتھیلی میں اس کی سفیدی کا منظر آج بھی میری نگاہ میں ہے۔

کبھی اعتماد کے لئے تحریر پر مہر لگانی پڑتی ہے، کیونکہ الخط يشبه الخط: خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، اس لئے تحریر میں دھوکا ہو سکتا ہے، مگر جب تحریر پر مہر لگ جائے تو دھوکہ کا اندیشہ صفر کے درجہ میں رہ جاتا ہے۔

بَابُ كَيْفِ السَّلَامِ

باب ۲۵: سلام کرنے کا طریقہ

(۲۶۳۳) أَقْبَلْتُ أَنَا وَصَاحِبَانِ إِلَى قَدْ ذَهَبَتْ أَسْمَاعُنَا وَأَبْصَارُنَا مِنَ الْجُهْدِ فَجَعَلْنَا نَعْرِضُ أَنْفُسَنَا عَلَى أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَيْسَ أَحَدٌ يَقْبَلُنَا فَاتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَأَتَى بِنَا أَهْلَهُ فَإِذَا ثَلَاثَةُ أَعْدُو فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ احْتَلِبُوا هَذَا اللَّبَنَ بَيْنَنَا فَكُنَّا نَحْتَلِبُهُ فَيَسْرِبُ كُلُّ إِنْسَانٍ نَصِيبَهُ وَتَرْفَعُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَصِيبُهُ فَيَجِيئُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيمًا لَا يُوقِظُ النَّائِمَ وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّي ثُمَّ يَأْتِي شَرَابَهُ فَيَسْرِبُهُ.

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اور میرے دو ساتھی آرہے تھے ہماری سماعت اور بصارت بھوک کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی ہم نے نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کے سامنے آنا شروع کیا لیکن کسی نے ہمیں قبول نہیں کیا پھر ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ ہمیں لے کر اپنے گھر چلے گئے وہاں تین بکریاں موجود تھیں آپ ﷺ نے فرمایا ان کا دودھ نکالو ہم نے انکا دودھ دوہنا شروع کیا ہر شخص نے اپنے حصے کا دودھ پی لیا ہم نے آپ ﷺ کے حصے کا دودھ رکھ دیا رات کے وقت جب نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سلام کیا اس طرح کہ سویا ہوا شخص جاگ جائے اور جاگتا ہوا شخص اسے سن لے پھر آپ ﷺ مسجد (جائے نماز کے پاس) تشریف لے گئے وہاں آپ ﷺ نے نماز ادا کی پھر آپ ﷺ اپنے مشروب کے پاس تشریف لائے اور آپ نے اسے پی لیا۔

اگر کوئی سویا ہوا ہو اور کوئی بیدار ہو تو آہستہ سلام کرنا چاہئے، تاکہ سونے والا بیدار نہ ہو جائے، یہی حکم اس وقت ہے جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو، اور کوئی خالی ہو، تو اس طرح سلام کرے کہ نمازی کو تشویش نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّسْلِيمِ عَلَيْهِ، مَنْ يَبُولُ

باب ۲۶: استنجاء کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے

(۲۶۳۴) أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَبُولُ فَلَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ يَعْزِي السَّلَامَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا نبی اکرم ﷺ اس وقت پیشاب کر رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

تشریح: بعض مواقع پر سلام کرنا مکروہ ہے: اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو نماز تلاوت اور اذان و اقامت کہہ رہا ہے دینی گفتگو کر رہا ہے یا سن رہا ہے یا طبعی حاجت میں مشغول ہو جیسے کھانا اور قضاء حاجت وغیرہ ایسے تمام موقعوں پر سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کر دے تو اس کا جواب دینا بھی درست نہیں اور نہ ہی اس پر لازم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَقُولَ عَلَيْكَ السَّلَامُ مُبْتَدَأً

باب ۲۷: عليك السلام کے الفاظ سے سلام کرنا مکروہ ہے

(۲۶۳۵) طَلَبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهِ فَجَلَسْتُ فَإِذَا نَفَرُ هُوَ فِيهِمْ وَلَا أَعْرِفُهُ وَهُوَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فَلَبَّيَّا فَرَّغَ قَامَ مَعَهُ بَعْضُهُمْ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَلَبَّيَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنْ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةَ الْمَيْتِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيَّ فَقَالَ إِذَا لَقِيَ الرَّجُلُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَلْيَقُلْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ وَ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ.

ترجمہ: ابوتیمہ اپنی قوم کے ایک فرد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلا میں آپ ﷺ تک نہیں پہنچ سکا میں بیٹھ گیا کچھ لوگ آئے جن میں نبی اکرم ﷺ بھی موجود تھے میں آپ ﷺ کو پہچانتا نہیں تھا نبی اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان صلح کروارہے تھے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو کچھ لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ تو مجھے پتا چلا کہ یہ آپ ﷺ ہیں جب میں نے یہ دیکھا تو کہا علیک سلام یا رسول اللہ علیک سلام یا رسول اللہ علیک سلام یا رسول اللہ (آپ ﷺ کو سلام یا رسول اللہ ﷺ) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا علیک سلام مردے کو سلام کرنے کا طریقہ ہے یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی پھر آپ ﷺ میری متوجہ ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے بھائی کو سلام کرے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر نبی اکرم ﷺ نے مجھے سلام کا جواب دیا وعلیک ورحمۃ اللہ (یعنی تین مرتبہ جواب) دیا۔

(۲۶۳۶) أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ فَقَالَ لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَلَكِنْ قُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَذَكَرَ قِصَّةَ طَوِيلَةَ.

ترجمہ: حضرت ابوتیمہ بھی حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے علیک السلام کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا علیک السلام نہ کہو بلکہ السلام علیکم کہو اس کے بعد انہوں نے طویل قصہ نقل کیا ہے۔

(۲۶۳۷) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب سلام کرتے تھے تو تین مرتبہ سلام کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کوئی بات کرتے تھے تو اسے تین مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔

تشریح: (۱) سلام کے مسنون الفاظ السلام وعلیک ورحمۃ وبرکاتہ ہیں خواہ زندہ لوگوں کو سلام کیا جائے یا مردوں کو کیا جائے حدیث

میں نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا علیک السلام تحیۃ الموتی (علیک السلام مردوں کا سلام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کہ مردوں کو اس انداز سے سلام کیا جائے بلکہ اس سے زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کو بیان فرمایا ہے کہ اسلام سے پہلے شعراء اور دیگر لوگ علیک السلام کے الفاظ سے مردوں کو سلام کیا کرتے تھے جبکہ اسلام میں یہ کوئی تخصیص نہیں اسلام میں سلام کے مسنون کلمات زندہ اور مردہ دونوں قسم کے لوگوں کے لیے السلام وعلیکم ہی ہیں ان میں کوئی تفریق نہیں۔

(۲) حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تین مرتبہ سلام کرنے کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ مجمع کی ابتداء میں داخل ہوتے وقت دوسری مرتبہ مجمع کے درمیان میں اور تیسری مرتبہ مجمع کے آخر میں سلام فرماتے تاکہ سب لوگوں کو سلام ہو جائے۔

(۳) علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے: نبی ﷺ کا یہ طریقہ بڑے مجمع کو سلام کرنے کی صورت میں تھا، جبکہ ایک سلام سب کو نہیں پہنچ سکتا تھا، تو آپ ﷺ سامنے اور دائیں بائیں الگ الگ سلام کرتے تھے، پھر علامہ نے یہ بھی لکھا ہے: من تأمل ہدیہ: علم ان الامر ليس كذلك، وان تكرر السلام منه كان امرا عارضا في بعض الاحيان.

”جو شخص سیرت پاک میں غور کرے گا وہ جان لے گا کہ تین مرتبہ سلام کرنا معمول نبوی نہیں تھا، اور کبھی آپ ﷺ کا مکرر سلام کرنا عارضی بات تھی۔“

اسی طرح جب آپ ﷺ بڑے مجمع سے خطاب فرماتے تھے تو سامنے، دائیں اور بائیں ایک ہی بات کر فرماتے تھے، تاکہ لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں، اور محفوظ کر لیں۔

(۴) نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے تو ٹھہر ٹھہر کر ارشاد فرماتے اور کبھی اسے تین بار دہراتے تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ سکیں اس لیے جب انسان گفتگو اور بیان کرے تو ٹھہر ٹھہر کر بولے اس قدر عجلت کے ساتھ نہ بولے کہ جس سے سننے والے کو سمجھ ہی نہ آئے اور نہ ان کے ذہن نشین ہو سکے۔

باب: ۲۸ دینی مجلس میں بیٹھنا!

(۲۶۳۸) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةٌ نَفَرٌ فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ فَلَبَّيَّا وَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَلَامًا فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحُلُقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَذْبَرَ ذَاهِبًا فَلَبَّيَّا فَرَّغَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللَّهِ فَأَوَاهُ اللَّهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللَّهُ مِنْهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے تین لوگ آئے ان میں سے دو نبی اکرم ﷺ کی طرف بڑھ آئے اور ایک واپس چلا گیا جب وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس آکر ٹھہرے تو ان میں سے ایک نے

حلقے میں تھوڑی گنجائش دیکھی تو وہ وہیں بیٹھ گیا اور دوسرا شخص سب لوگوں سے پیچھے بیٹھا تیسرا شخص منہ پھیر کر واپس چلا گیا جب آپ ﷺ (اپنی بات سے) فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں ان تین آدمیوں کے بارے میں تمہیں بتاؤں جہاں تک پہلے شخص کا تعلق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کی طرف آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے پناہ دی جہاں تک دوسرے شخص کا تعلق ہے تو اس نے حیاء کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیاء کی جہاں تک تیسرے شخص کا تعلق ہے تو اس نے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

(۲۶۳۹) كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو ہر شخص وہاں بیٹھتا تھا جہاں جگہ مل جاتی تھی۔

تشریح: مجلس میں بیٹھنے کے آداب: مذکورہ احادیث میں مندرجہ ذیل آداب اور امور ثابت ہوتے ہیں:
(۱) عالم دین اور استاذ ضرورت کی بناء پر عام مجمع سے ذرا بلند اور ممتاز جگہ پر بیٹھ جائے تو یہ بہتر ہے تاکہ پورے مجمع کو بات سننے کا صحیح موقع مل جائے۔

(۲) مسجد میں علم دین سیکھنے اور وعظ و نصیحت کے حلقے لگانا جائز ہے۔

(۳) دینی حلقوں میں شریک ہونا نہایت اجر و ثواب کا باعث ہے۔

(۴) انسان اگر کسی مجلس میں بیٹھنا چاہے تو اس میں کوئی خالی جگہ ہو کہ وہاں تک آسانی سے کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر پہنچا جاسکتا ہو تو اس جگہ میں بیٹھنا سب سے بہتر ہے اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں حدیث میں اسے ادی الی اللہ سے ذکر کیا ہے کہ اس نے داعظ کے قریب بیٹھ کر گویا اللہ کے ہاں پناہ لی ہے یعنی اس پر اسے بہت اجر و ثواب ملتا ہے اور اگر مجمع کچھ بھرا ہوا ہو تو پھر مجلس کے آخر میں جہاں بھی مناسب جگہ ہو وہاں پر بیٹھ جائے ایسی صورت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آنا جائز نہیں ہے۔

(۵) جب کوئی شخص اچھا کام کر لے یا کوئی خاص کارنامہ سرانجام دے تو اس پر اس کی حوصلہ افزائی کرنا سنت ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان دو آدمیوں کی حوصلہ افزائی فرمائی جو مجلس میں باقاعدہ شریک ہوئے۔

او اہ اللہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول فرما لیتے ہیں اور اس یا اپنے ہاں مقام قرب عطا فرما دیتے ہیں اور بعض نے یہ معنی مراد لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل جنت میں لکھ دیتے ہیں۔

فَاعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ: اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا بلکہ اس سے ناراض ہوئے خاص طور پر اس صورت میں کہ جب وہ تیسرا آدمی بغیر کسی عذر اور وجہ کے وہاں چلا گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جانے والا شخص منافق ہو اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع دے دی ہو اس لیے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض کیا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ عَلَى الْجَالِسِ فِي الطَّرِيقِ؟

باب ۲۹: راستے پر بیٹھنے والے کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۲۶۵۰) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِعَاسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُمْ جُلُوسٌ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ إِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ فَاعِلِينَ فَرُدُّوا السَّلَامَ وَاعِينُوا الْمَظْلُومَ وَاهْدُوا السَّبِيلَ.

ترجمہ: ابوالحق حضرت براء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے یہ حدیث ان سے نہیں سنی ہے نبی اکرم ﷺ انصار سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد کے پاس سے گزرے جو راستے میں بیٹھے ہوئے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم نے ایسا ضرور کرنا ہے تو سلام کا جواب دو مظلوم کی مدد کرو اور راستے کے بارے میں رہنمائی کرو۔
راستے پر بیٹھنے کو شریعت نے پسند نہیں کیا، مگر کبھی راستوں پر بیٹھنا ناگزیر ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی اجازت ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَصَافْحَةِ

باب ۳۰: مصافحہ کا بیان

(۲۶۵۱) مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب بھی دو مسلمان مل کر ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ مصافحہ کرتے ہیں ان دونوں کے الگ ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر دیتا ہے۔

(۲۶۵۲) قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ مِمَّا يَلْقَى أَخَاهُ أَوْ صَدِيقَهُ أَيْتَحْنِي لَهُ قَالَ لَا قَالَ أَفِيَلْتَزِمُهُ وَيُقْبِلَهُ قَالَ لَا قَالَ أَفِيَا أَخْذُ بِبِدِّهِ وَيُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی شخص جب اپنے بھائی یا دوست سے ملتا ہے تو کیا وہ اس کے سامنے جھکے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس نے عرض کی وہ اس کو ساتھ لگا کر اس کا بوسہ لے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں اس نے عرض کی کیا وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس سے مصافحہ کرے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا جی ہاں۔

(۲۶۵۳) قُلْتُ لَا نَسِبَ بِنِ مَالِكٍ هَلْ كَانَتْ الْمَصَافْحَةُ فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ: قتادہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کے درمیان مصافحہ کرنے کا رواج تھا؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔

(۲۶۵۴) مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْأَخْذُ بِالْيَدِ.

تَوَجَّهْتُمْ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ہاتھ کو تھامنا (یعنی مصافحہ کرنا) سلام کی تکمیل کا حصہ ہے۔

(۲۶۵۵) تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ أَنْ يَضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ أَوْ قَالَ عَلَى يَدِهِ فَيَسْأَلَهُ كَيْفَ هُوَ وَتَمَامُهُ تَحِيَّاتُكُمْ بَيْنَكُمْ الْمُصَافَحَةُ.

تَوَجَّهْتُمْ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بیمار کی عیادت میں یہ بات بھی شامل ہے آدمی اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اس کے ہاتھ پر رکھے اور اس سے دریافت کرے وہ کیسا ہے؟ اور سلام کی تکمیل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مصافحہ کیا جائے۔

تَشْرِيح: صفحة الودق کے معنی ہیں: پتے کا ایک رخ، پس ہاتھ کے دور رخ ہیں: ایک: ہتھیلی کی جانب کا، دوسرا: پشت کی جانب کا۔ اور صافحہ مصافحہ (مفاعلہ) کے معنی ہیں: اپنے ہاتھ کے رخ کو دوسرے کے ہاتھ کے رخ کے ساتھ ملانا، اور یہ آدھا مصافحہ ہے، پھر جب ہر ایک دوسرا ہاتھ رکھے گا تو دونوں کے ہاتھ کا دوسرا رخ بھی مل جائے گا۔ اب مصافحہ کامل ہوا، کیونکہ ہر ایک کے ہاتھ کے دونوں رخ دوسرے کے ہاتھ کے دونوں رخوں کے ساتھ مل گئے۔

اس کی احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں: آپس میں ملاقات کے وقت اور رخصت ہوتے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مصافحہ کرنے والوں کے صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں، البتہ اجنبی عورت اور بے ریش خوبصورت لڑکے سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض لوگ ہر نماز کے بعد اہتمام کے ساتھ امام سے اور نمازیوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور اسے انتہائی ضروری سمجھتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں علماء نے اسے بدعت قرار دیا ہے لیکن اگر اسے ضروری قرار نہ دیا جائے بس ویسے ہی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے انسان امام سے یا کسی نمازی سے نماز کے بعد مصافحہ کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح معانقہ بھی مفاعلہ کا مصدر ہے، اور عنق: (گردن) سے ماخوذ ہے، پس اگر دو شخصوں کی دائیں طرف کی گردنیں ملیں تو یہ آدھا معانقہ ہوا۔ پھر جب بائیں طرف کی گردنیں بھی ملیں تو پورا معانقہ ہوا، کیونکہ ہر ایک کی گردن کی دونوں جانبیں دوسرے کی گردن کی دونوں جانبوں کے ساتھ مل گئیں، اور جو لوگ تیسری مرتبہ گردنیں ملاتے ہیں وہ زم زم کا پانی پیتے ہیں، اور جو لوگ پہلی مرتبہ بائیں طرف کی گردنیں ملاتے ہیں وہ غلط طریقہ پر معانقہ کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ معانقہ میں گردنیں نہیں ملاتے، صرف سینہ ملاتے ہیں وہ معانقہ نہیں کرتے، بلکہ صدر سے مصادرہ کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ سینہ بھی نہیں ملاتے، صرف گال ملاتے ہیں وہ خد سے مخادرہ کرتے ہیں، اور اگر دونوں کے پیٹ بڑے ہوں اور وہی ملیں تو وہ بطن سے مباطنہ ہے۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے مسنون ہے یا دونوں ہاتھوں سے؟

اور غیر مقلدین جو مصافحہ کے مسئلہ میں مصر ہیں کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ ہونا چاہئے یہ ان کی بے جا ضد ہے، اور اہل حق جو اصرار کرتے ہیں کہ دو ہاتھ ہی سے مصافحہ ہوتا ہے، یہ بھی احادیث کی روشنی میں صحیح نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ ایک کا مصافحہ ناقص مصافحہ ہے، اگر کوئی اس پر اکتفا کرے تو گنجائش ہے، اور اصل مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہئے یہی کامل سنت ہے۔

فائدہ: ملاقات کے وقت سلام کے بعد اگر مصافحہ اور معافقہ بھی کیا جائے اور آنے والے کو خوش آمدید کہا جائے تو اس سے مودت و محبت اور فرحت و سرور میں اضافہ ہوتا ہے، اور وحشت و نفرت اور قطع تعلق کا اندیشہ دور ہوتا ہے، یعنی یہ باتیں سلام کے مقصد کی تکمیل کرتی ہیں۔

علاوہ ازیں: حدیث میں ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں، اور مصافحہ کریں، اور دونوں اللہ کی حمد کریں، اور دونوں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں تو دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے، کیونکہ مسلمانوں کے درمیان بشارت، باہم محبت و ملاطفت، اور ذکر الہی کی اشاعت رب العالمین کو پسند ہے، اسی لئے مصافحہ کرنے والے مغفرت کے حق دار ہوتے ہیں۔ لیکن مغفرت کا استحقاق اس وقت ہوتا ہے جب ملاقات کے وقت پہلے سلام کیا جائے، حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں ملتے تھے تو جب تک سلام نہیں کر لیتے تھے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد ۸: ۳۶)

پھر مصافحہ کے ساتھ ہر ایک سلام کی طرح زور سے کہے: یغفر اللہ لنا ولکم: اللہ میری اور آپ کی مغفرت فرمائیں، پھر مزاج پرسی کے وقت دونوں اللہ کی تعریف کریں، اور ہر حال میں اللہ کا شکر بجالائیں، تو دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے، مسند احمد وغیرہ میں روایت ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں، یعنی مصافحہ کریں، پس اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ دونوں کی دعا میں حاضر ہوں، اور دونوں کی جدانہ کریں یہاں تک کہ دونوں کو بخش دیں۔ (مجمع الزوائد ۸: ۳۶)

ملاحظہ: لوگوں میں مصافحہ کی دعا کے سلسلہ میں غفلت پائی جاتی ہے، لوگ سلام ہی کو مصافحہ کی دعا سمجھتے ہیں، بلکہ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جو مسنون دعائیں چھیٹی ہیں ان میں مصافحہ کی دعا نہیں ہے۔

آداب ملاقات:

جب ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے ملاقات ہو تو سب سے پہلے سلام کرنا چاہئے، یہ تحیۃ السلام ہے، یعنی ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دوسرے مسلمان کو سلامتی کی دعا دے، خواہ اس کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو، بس اتنا معلوم ہونا چاہئے کہ وہ مسلمان ہے۔ پھر اگر معرفت یا عقیدت ہے تو سلام کے بعد مصافحہ بھی کرنا چاہئے، اور یہ تحیۃ المعرفۃ ہے، اس سے سلام کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر غایت درجہ معرفت ہے تو مصافحہ کے بجائے معافقہ کرنا چاہئے۔

معافقہ: مصافحہ کا نعم البدل ہے اور معافقہ کی دعا بھی وہی ہے جو مصافحہ کی ہے، اور اس دعا کے ساتھ کوئی اور دعا بھی کر سکتے ہیں۔

فائدہ: محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی درجہ معافقہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جب موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی برائی یا شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، مذکورہ حدیث میں معافقہ اور تقبیل کی ممانعت ہے اس کا مطلب دوسری حدیثوں کی روشنی میں یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ورنہ بہت سے واقعات سے نبی ﷺ کا معافقہ فرمانا اور چومنا ثابت ہے۔

تشریح: یہ حدیث اتنی مشہور ہو گئی کہ مصافحہ سے دعا رخصت ہو گئی، حالانکہ حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی سے یہ اور اس کی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَعَانِقَةِ وَالْقُبْلَةِ

باب ۳۱: معانقہ اور چومنے کا بیان

(۲۶۵۶) قَالَتْ قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِينَةَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِي فَأَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عُرْيَانًا يَجْرُ ثَوْبُهُ وَاللَّهُ مَا رَأَيْتُهُ عُرْيَانًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ فَأَعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینے منورہ آئے تو نبی اکرم ﷺ میرے گھر میں موجود تھے زید آپ ﷺ کے پاس آئے انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ ﷺ اٹھ کر اوپری جسم پر کچھ اوڑھے بغیر ان کی طرف بڑھے آپ ﷺ اپنے تہبند کو کھینچ رہے تھے اللہ کی قسم اس سے پہلے یا اس کے بعد میں نے نبی اکرم ﷺ کو (اوپری جسم پر) اوڑھے بغیر کسی سے ملتے ہوئے نہیں دیکھا نبی اکرم ﷺ نے انہیں گلے لگایا اور بوسہ دیا۔

تشریح: عریان: ننگے یعنی کھلے بدن، یعنی کرتے کی جگہ جو چادر آپ ﷺ زیب تن فرماتے تھے وہ نہیں تھی اوپر کا آدھا بند کھلا تھا، اسی حال میں آپ ﷺ نے معانقہ فرمایا۔ اور کپڑا گھسیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی گھر میں جس بے تکلف حالت میں ہو، اسی حال میں باہر نکل آئے، تو کہتے ہیں: کپڑا گھسیٹتا ہوا نکلا یہ ایک محاورہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھا کر یہ فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو اس طرح برہنہ حالت میں نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ اس کے بعد جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی طویل صحبت حاصل رہی اور ایک بستر اور ایک لحاف میں سونا ثابت ہے تو پھر یہ کیسے کہا ہے کہ میں نے اس برہنہ آپ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا؟

جواب ①: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کسی کے استقبال کے لیے اس طرح بغیر چادر کے اس موقع کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور اختصار کے یہ جملہ ذکر فرمایا: فواللہ ما رأیتہ عریاناً قبلہ ولا بعدہ۔ (اللہ کی قسم میں نے آپ ﷺ کو نہ اس سے پہلے برہنہ دیکھا اور نہ اس کے بعد) اور مراد اس سے مذکورہ طریقے سے استقبال ہے۔

جواب ②: کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ میں نے کمرے سے باہر کبھی آپ ﷺ کو اس طرح برہنہ حالت میں نہیں دیکھا کمرے کے اندر دیکھنے کی نفی مراد نہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ ایک جائز اور مسنون عمل ہے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گزشتہ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معانقہ مشروع اور مسنون نہیں ہے بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان سفر سے واپس آئے یا طویل عرصے کے بعد ملاقات ہو تو اس وقت معانقہ کرنا اور گلے لگا کر مسنون ہے جبکہ آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی آمد پر معانقہ فرمایا، اور جب انسان کسی سفر سے واپس نہ آئے تو پھر صرف مصافحہ کرنا مسنون ہے، معانقہ نہ کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قُبْلَةِ الْيَدِ وَالرَّجْلِ

باب ۳۲: ہاتھ اور پاؤں چومنا

(۲۶۵۷) قَالَ يَهُودِيٌّ لِّصَاحِبِهِ اذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهُ لَوْ سَمِعَكَ كَانَ لَهُ اَرْبَعَةٌ اَعْيُنٌ فَاتَّيَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنْ تَسْبِيحِ آيَاتِ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ لَهُمْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تُشْرِكُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوا بِبَرِّيْ اِلَى ذِي سُلْطَانٍ لِّيَقْتُلَكُمْ وَلَا تَسْحَرُوا وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْذِفُوا مُحْصَنَةً وَلَا تُولُوا الْفِرَارَ يَوْمَ الرَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةٌ الْيَهُودُ اَنْ لَا تَعْتَدُوا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبِلُوا يَدَيْهِ وَرَجْلَيْهِ وَقَالُوا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تَتَّبِعُونِيْ قَالَ قَالُوا اِنَّ دَاوُدَ دَعَا رَبَّهُ اَنْ لَا يَزَالَ مِنْ دُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ وَاِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُودُ.

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا تم میرے پاس ان نبی کے پاس چلو اس کے ساتھی نے کہا تم نبی نہ کہو کیونکہ اگر انہوں نے تمہیں نبی کہتے ہوئے سن لیا تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی پھر وہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سے نو واضح نشانیوں کے بارے میں دریافت کیا آپ ﷺ نے انہیں جواب دیا تم کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ چوری نہ کرو زنا نہ کرو اس شخص کو قتل نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو البتہ حق (کے ساتھ قتل کیا جاسکتا ہے) اور تم بے قصور شخص پر (جھوٹا الزام لگا کر) حاکم کے پاس نہ لے کر جاؤ تاکہ وہ اسے قتل کر دے تم جادو نہ کرو سود نہ کھاؤ پاک دامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ میدان جنگ سے فرار اختیار نہ کرو بطور خاص تم لوگ اے یہودیو تم ہفتے کے دن کے بارے میں زیادتی نہ کرو راوی بیان کرتے ہیں ان لوگوں نے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو بوسہ دیا اور بولے ہم یہ گواہی دیتے ہیں آپ ﷺ نبی ہیں نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا پھر کیا وجہ ہے تم لوگ میری پیروی کیوں نہیں کرتے؟ راوی کہتے ہیں انہوں نے جواب دیا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگی تھی ہمیشہ ان کی اولاد میں سے نبی ہوں ہمیں یہ اندیشہ ہے اگر ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی تو یہودی ہمیں مروادیں گے۔

تشریح: امام مالک رحمہ اللہ ہاتھ پاؤں کی تقبیل کا انکار کرتے ہیں، اور اس سلسلہ کی روایات کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

قول فیصل: قدم بوسی کی تو بالکل اجازت نہیں کیونکہ وہ ہندوؤں کے فعل کے مشابہ ہے، ہندو اپنے بڑوں کے پاؤں پڑتے ہیں، اور وہ اس کو انتہائی تعظیم خیال کرتے ہیں۔ اور دست بوسی کو اگرچہ جائز، مگر پسندیدہ نہیں کیونکہ دست بوسی کے وقت جھکنا پڑتا ہے، اور آدمی رکوع کے مشابہ ہو جاتا ہے، پس وہ سلامی کے سجدہ کی طرح ہو گیا، اس لئے اگر کسی کو چومنا ہے تو پیشانی چومے، نبی ﷺ سے یہی بات ثابت ہے۔

تسع آیات سے کیا مراد ہے؟

ایک دن دو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے بطور امتحان کے سوال کیا کہ ”تسع آیات بینات“ سے کیا مراد ہے؟

اس سے وہ نو معجزات مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت عطاء فرمائے گئے جب ان کی قوم سرکشی اور انسانیت کی تمام سرحدیں عبور کر گئی تو مختلف اوقات میں ان پر یہ عذاب اتارے جاتے رہے پھر بھی وہ باز نہ آئے تو بالآخر انہوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا تو وہ سب بحر قلزم کا لقمہ بن گئے یہ نو معجزات یہ ہیں: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) پانی کا طوفان (۴) مٹیوں کا عذاب (۵) غلے میں گھن کے کیڑے اور سر کے بال اور کپڑوں میں جوؤں کی کثرت (۶) مینڈک (۷) خون (۸) قحط سالی (۹) پھلوں کی پیداوار میں کمی۔

ان داود دعا ربہ ان لایزال من ذریتہ: نبی یہودیوں یہ کہنا کہ ہم آپ پر اس وجہ سے ایمان نہیں لا رہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ہمیشہ میری اولاد میں ایک نبی ہوا کرے اور نبی کی دعا قبول ہوتی ہے تو محالاً ان کی اولاد میں نبی ضرور آئے گا۔

ایک غلط بات کی نسبت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کی جا رہی ہے انہوں نے اس قسم کی کوئی دعا نہیں کی تھی وہ اس طرح کی دعا کیسے کر سکتے تھے جبکہ ان پر نازل ہونے والی کتاب زبور، میں یہ موجود تھا کہ محمد ﷺ نبی آخر الزماں تشریف لائیں گے ان کی یہ صفات ہوں گی اور وہ خاتم النبیین ہوں گے اور ان کا دین سابقہ تمام دینوں کو منسوخ کر دے گا۔ (الکوکب الدرر ۳/ ۳۹۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَرْحَبَا

باب ۳۳: خوش آمدید کہنا

(۲۶۵۸) ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ بِغُثَيٍّ قَالَتْ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هَذِهِ قُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِي فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِي قَالَ فَذَكَرَ فِي الْحَدِيثِ قِصَّةَ طَوِيلَةً.

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں فتح مکہ کے موقع پر حاضر ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کو غسل کرتے ہوئے پایا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ تان رکھا تھا حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کون خاتون ہے؟ میں نے جواب دیا میں ام ہانی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ام ہانی کو خوش آمدید۔ انہوں نے اس حدیث میں پورا واقعہ بیان کیا ہے۔

(۲۶۵۹) يَوْمَ جِئْتُهُ مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ.

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس دن میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں (اسلام قبول کرنے کے لیے) حاضر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا ہجرت کر کے آنے والے سوار کو خوش آمدید۔

تشریح: فتح مکہ کے موقع پر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مکہ چھوڑ کر چل دیئے تھے، ان کی بیوی نے ان کے لئے پناہ مانگی، آپ ﷺ نے پناہ دیدی، اور اپنا عمامہ علامت کے طور پر عنایت فرمایا، اور حکم دیا کہ وہ عکرمہ کو بلا لائیں، وہ ساحل پر پہنچیں، عکرمہ جہاز پر سوار ہونے ہی والے تھے، وہ ان کو مکہ واپس لائیں، جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ ﷺ چادر کے بغیر ان کی طرف بڑھے، اور ان کو

خوش آمدید کہا اور وہ بھاگ کر جہاں تک پہنچے تھے وہاں سے نبی ﷺ کے پاس لوٹنے کو ہجرت قرار دیا۔
ادھر اتفاق سے حضرت عکرمہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب وہ یمن کے ساحل سے کشتی پر سوار ہوئے تو سمندر میں ان کی کشتی سخت ہواؤں میں پھنس گئی تو کشتی کے سوار آپس میں کہنے لگے کہ آج اللہ کی طرف رجوع کرو کیونکہ تمہارے خدا اس مشکل کو حل نہیں کر سکتے اس موقع پر حضرت عکرمہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ اگر اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دی تو میں مکہ مکرمہ میں محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں گا چنانچہ اللہ نے انہیں ان سمندری ہواؤں سے بچا لیا تو وہ حاضر خدمت ہوئے اسلام قبول کر لیا جب انہیں نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: مرحبا بالراکب المهاجر۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ابو جہل کے لیے انگور کا گچھا دیکھا ہے جب حضرت عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا تو آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جنت کے اس گچھے سے مراد یہ ہے کہ ابو جہل کی نسل سے حضرت عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ بعد میں یہ مختلف معرکوں میں شریک ہوتے رہے بالآخر یرموک کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ (الاصابة ۴/۴۴۳، العین بعدها الکاف البدایة والنہایة: ۴/۲۹۸)
اس حدیث کی سند صحیح نہیں، موسیٰ بن مسعود ضعیف راوی ہے۔

باب ا:

(۲۶۶۰) لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَبِّحُهُ إِذَا عَطَسَ وَيَعُودُهُ إِذَا مَرَضَ وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں جب وہ اس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے جب وہ اس کی دعوت کرے تو قبول کرے جب وہ چھینکے تو اس کا جواب دے وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس کے لیے اسی چیز کو پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(۲۶۶۱) لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتٌّ خِصَالٍ يَعُودُهُ إِذَا مَرَضَ وَيَشْهَدُ لَهُ إِذَا مَاتَ وَيُحِبُّهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهِ وَيُسَبِّحُهُ إِذَا عَطَسَ وَيَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے جب وہ اس کی دعوت کرے تو اس کو قبول کرے جب وہ اس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے جب وہ چھینکے تو اس کو چھینک کا جواب دے جب وہ موجود نہ ہو یا موجود بھی ہو تو اس کے لیے خیر خواہی کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ

باب ۲: چھینکنے والے کو دعا دینا

(۲۶۶۲) إِنَّ رَجُلًا عَطَسَ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَيْسَ هَكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَّمَنَا أَنْ نَقُولَ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ.

ترجمہ: نافع بیان کرتے ہیں ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں چھینکا اور الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ جملہ میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ لیکن نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے ہم (چھینکنے پر) یہ کہیں۔ الحمد للہ علی کل حال (ہر حال میں ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے)۔

جب کسی کو چھینک آئے تو الحمد للہ کہے، اور اس کے جواب میں اسکا مسلمان بھائی یا رحمہ اللہ کہے، پھر چھینکنے والا یہدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے، کیونکہ چھینک آنا ایک قسم کی شفاء ہے، اس کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے انجریے دماغ سے نکلتے ہیں کہ اگر وہ نکلیں تو کیسی تکلیف یا بیماری کا اندیشہ پیدا ہو جائے، پس صحت کی حالت میں چھینک آنا اللہ کا فضل ہے، اور اس پر حمد ضروری ہے، نیز چھینک آنے پر حمد کرنا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت اور اسلامی شعار ہے، حمد کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ چھینکنے والا ملت انبیاء کا تابع اور ان کی سنتوں پر عمل کرنے کا پختہ عزم رکھتا ہے۔ اور حمد کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا اس وجہ سے مشروع کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تحمید کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا تھا نیز تحمید کرنے والے کی دین پر اور سنن انبیاء پر استقامت کا یہ حق ہے کہ اس کو یہ دعا دی جائے، اس وجہ سے جواب دینے کو حقوق اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔ پھر یرحمک اللہ کا جواب اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ وہ نیکی کا بدلہ نیکی کے سے ہے اور نبی ﷺ کو جب چھینک آتی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے یا کپڑے سے منہ ڈھانک لیتے تھے اور پست آواز میں چھینکتے تھے کیونکہ چھینکتے وقت کبھی چہرے کے پٹھے سکر جاتے ہیں اور شکل بدنما ہو جاتی ہے، اس لئے اس وقت منہ ڈھانک لینا چاہئے۔

بَابُ مَا يَقُولُ الْعَاطِسُ إِذَا عَطَسَ؟

باب ۳: جب کسی کو چھینک آئے تو کیا کہے؟

(۲۶۶۳) كَانَ الْيَهُودُ يَتَعَاطَسُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَرْجُونَ أَنْ يَقُولَ لَهُمْ يَرْحَمُكُمُ اللَّهُ فَيَقُولُ يَهْدِيكُمْ اللَّهُ وَيُصْلِحْ بَالَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یہود نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں چھینکا کرتے تھے ان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ نبی اکرم ﷺ انہیں یرحمک اللہ (اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے) لیکن نبی اکرم ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے یہدیکم اللہ

و یصلح بالکم (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے احوال درست کرے)۔

(۲۶۶۳) عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ مَعَ الْقَوْمِ فِي سَفَرٍ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ فَكَانَ الرَّجُلُ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَقُلْ إِلَّا مَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلْيَقُلْ لَهُ مَنْ يَزِدُّ عَلَيْهِ يَزِدُّ حَمْدُ اللَّهِ وَلْيَقُلْ يَغْفِرُ اللَّهُ لِي وَلَكُمْ.

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں وہ کچھ لوگوں کے ساتھ سفر میں شریک تھے حاضرین میں ایک صاحب کو چھینک آگئی تو انہوں نے السلام علیکم کہا انہوں نے جواب دیا علیک و علی امک (یعنی تمہیں بھی سلام ہو اور تمہاری ماں کو بھی اس آدمی کو بڑی الجھن محسوس ہوئی تو ان صاحب نے کہا میں نے تو وہی بات کی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی آپ ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص کو چھینک آگئی انہوں نے السلام علیکم کہا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا علیک و علی امک (تم پر بھی اور تمہاری ماں پر بھی) جب کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ الحمد للہ رب العالمین کہے اور جب تم نے اسے جواب دینا ہو تو یرحمک اللہ کہے پھر پہلا شخص یہ کہے یغفر اللہ لی ولکم (یعنی اللہ میری بھی مغفرت کرے اور تمہاری بھی مغفرت کرے)۔

(۲۶۶۵) إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَلْيَقُلِ الَّذِي يَزِدُّ عَلَيْهِ يَزِدُّ حَمْدُ اللَّهِ وَلْيَقُلْ هُوَ يَهْدِيكُمْ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص چھینکے تو وہ الحمد للہ علی کل حال (ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ کے لئے) کہے اور جس شخص نے اسے جواب دینا ہو وہ یرحمک اللہ کہے تو پہلا شخص یہ کہے یہ ہدیکم اللہ و یصلح بالکم۔ (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت پر ثابت قدم رکھے اور تمہارے معاملات درست کرے)۔

تشریح: احادیث میں چھینکنے کے وقت کی دعا کے بارے میں تین طرح کے الفاظ منقول ہیں: (۱) الحمد للہ (۲) الحمد للہ رب العالمین (۳) الحمد للہ علی کل حال۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ چھینکنے کے وقت آدمی الحمد للہ کہے اور اگر الحمد للہ رب العالمین کہے تو یہ اس سے بہتر ہے اور اگر الحمد للہ علی کل حال کہے تو یہ سب سے افضل ہے کیونکہ اللہ کی حمد و ثناء پر مشتمل کلمات جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر ان کی عظمت اور فضیلت بھی بڑھ جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ يُشَمَّتُ الْعَاطِسُ؟

باب ۴: چھینکنے والے کو کیا دعا دی جائے؟

(۲۶۶۶) أَنَّ رَجُلَيْنِ عَطَسَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَمَّتْ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ فَقَالَ الَّذِي لَمْ يُشَمِّتْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ

اللَّهُ ﷻ شَمَّكَ هَذَا وَلَمْ يُشَمِّتْنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ حَمْدُ اللَّهِ وَإِنَّكَ لَمْ تَحْمِدِ اللَّهَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں دو آدمیوں کو نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں چھینک آئی آپ ﷺ نے ان میں سے ایک کو جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہیں دیا تو جس کو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا تھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ان صاحب کو جواب دیا اور مجھے چھینک کا جواب نہیں دیا آپ ﷺ نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی تھی اور تم نے حمد بیان نہیں کی تھی۔

تشریح: (۱) اگر کوئی کافر چھینک مارے اور قریب میں مسلمان ہو تو وہ یرحمک اللہ نہ کہے کیونکہ رحمت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے بلکہ ان کی ہدایت کے لیے دعا کرے ان الفاظ سے یہ دیکھ اللہ ویصلح بالکم چنانچہ یہود آپ ﷺ کی مجلس میں چھینک مارتے تھے تاکہ حضور ﷺ ان کے لیے یرحمک اللہ کے ذریعہ دعا دیں لیکن آپ ﷺ ایسا نہیں فرماتے بلکہ یہ دیکھ اللہ ویصلح بالکم ہی ارشاد فرماتے۔

(۲) چھینکنے والے کو جب یرحمک اللہ سے جواب دیا جائے تو اس کے بعد چھینکنے والا کیا کہے؟ احادیث میں اس موقع کے لیے دو طرح کے الفاظ منقول ہیں: (۱) یہ دیکھ اللہ ویصلح بالکم (۲) یغفر اللہ لی ولکم۔

جمہور علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی مرضی ہے کہ ان دو الفاظ میں سے جو بھی کہہ لے سنت ادا ہو جائے گی اور اگر بیک وقت دونوں طرح کے الفاظ کہہ دے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

مَا جَاءَ فِي إِيْجَابِ التَّشْمِيْتِ بِحَمْدِ الْعَاطِسِ

باب ۵: جب چھینکنے والا تحمید کرے تو تشمیت واجب ہے

(۲۶۶۷) عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا شَاهِدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَرْحَمُكَ اللَّهُ ثُمَّ عَطَسَ الثَّانِيَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷻ هَذَا رَجُلٌ مَزْكُومٌ.

ترجمہ: ایسا بن سلمہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایک صاحب کو چھینک آئی میں اس وقت وہاں موجود تھا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ان صاحب کو دوسری مرتبہ چھینک آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان صاحب کو زکام ہے۔

(۲۶۶۸) يُشَمِّتُ الْعَاطِسُ ثَلَاثًا فَإِنْ زَادَ فَإِنْ شِئْتُ فَشِئْتُ وَإِنْ شِئْتُ فَلَا.

ترجمہ: عمر بن ابیہ والدہ کے حوالے سے ان کے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم چھینکنے والے کو تین مرتبہ جواب دو اگر اسے اور چھینک آئے تو اگر تم چاہو تو اسے جواب دو اور اگر چاہو تو نہ دو۔

تشریح: اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ چھینک کا جواب یرحمک اللہ سے انسان پر اس وقت واجب علی الکفایہ ہوتا ہے جب چھینکنے والا بلند آواز سے الحمد للہ کہے جسے دوسرا انسان سن سکے لہذا اگر وہ الحمد للہ نہ کہے یا بلند آواز سے نہ کہے کہ جس سے

دوسرا آدمی سن سکے تو پھر چھینک کا جواب دینا لازم نہیں ہوتا۔ طرانی کی روایت میں ہے کہ یہ دو شخص حضرت عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے تھے۔

اعتراف: حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ چھینک کا جواب دینے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے زکام ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے دوسرے طریق میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ چھینک کا جواب دیا اور پھر فرمایا کہ اسے زکام ہے بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟

اس لیے یوں تطبیق دی ہے کہ حدیث سلمہ میں ایک مرتبہ چھینک کا جواب دینے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اسے زکام ہے اس لیے پھر آپ ﷺ نے مزید جواب نہیں دیے لیکن اگر پہلی مرتبہ چھینک کے جواب کے بعد آدمی کو زکام کا پتہ چل سکے تو پھر تین بار تک ضرور چھینک کا جواب دے اس کے بعد آدمی کی مرضی ہے چاہے تو جواب دے اور چاہے تو نہ دے۔ جب اندازہ ہو جائے کہ چھینکنے والا مریض ہے تو دعا دینا ضروری نہیں، خواہ یہ اندازہ ایک ہی مرتبہ میں ہو جائے یا دو مرتبہ میں، اور تین مرتبہ میں تو چھینکنے والے کا بیمار ہونا یقینی ہے، اور بیمار کو دعا دینا ضروری نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَفْضِ الصَّوْتِ وَتَخْمِيرِ الْوَجْهِ عِنْدَ الْغَطَاسِ

باب ۶: جب چھینک آئے تو آواز پست کرے، اور چہرہ ڈھانک لے

(۲۶۶۹) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا عَطَسَ غَطَّى وَجْهَهُ بِيَدِهِ أَوْ بِشَوْبِهِ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو جب چھینک آتی تھی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ کے ذریعے یا کپڑے کے ذریعے اپنے چہرہ مبارک کو ڈھانپ لیتے تھے اور اپنی آواز کو پست رکھتے تھے۔

تشریح: چھینک مارنے کے آداب: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چھینک مارنے کے دو آداب ذکر فرمائے ہیں ایک چھینکنے وقت ہاتھوں سے یا کسی کپڑے سے چہرے کو ڈھانپ دیا جائے اور دوسرے یہ کہ بلند آواز سے نہ چھینکا جائے۔ بسا اوقات کوئی بلغم وغیرہ بھی نکل آتی ہے اگر چہرے کو نہ ڈھانپا گیا تو ساتھ میں بیٹھے انسان کو تکلیف ہوگی اسی طرح بلند آواز کے ساتھ چھینک مارنے سے لوگ خوف زدہ بھی ہو جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْغَطَّاسَ وَيَكْرَهُ التَّشَاؤُبَ

باب ۷: اللہ کو چھینک پسند ہے، اور جما ہی ناپسند

(۲۶۷۰) الْعَطَّاسُ مِنَ اللَّهِ وَالتَّشَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَشَأَّبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ وَإِذَا قَالَ أَهُ أَهُ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَضْحَكُ مِنْ جَوْفِهِ وَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَطَّاسَ وَيَكْرَهُ التَّشَاؤُبَ فَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ أَهُ أَهُ تَشَأَّبَ

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَضْحَكُ مِنْ جَوْفِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تو جب کسی شخص کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے کیونکہ جب وہ آہ کہتا ہے تو شیطان اس کے منہ کے اندر ہنستا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے جب آدمی آہ آہ کہتا ہے یعنی جب جمائی لیتا ہے تو شیطان اس کی اس حرکت پر ہنستا ہے۔

تشریح: چھینک اللہ کو اس لئے پسند ہے کہ وہ صحت کی علامت ہے، اس کے ذریعہ دماغ سے ایسی رطوبت اور ابخرے خارج ہوتے ہیں کہ اگر وہ نہ نکلیں تو کسی تکلیف کا یا بیماری کا پیش خیمہ بن جائیں اور جمائی اللہ تعالیٰ کو ناپسند اس لئے ہے کہ وہ طبیعت کے کسل اور غلبہ ملال پر دلالت کرتی ہے اور جب آدمی جمائی لینے کے لئے منہ کھولتا ہے تو شیطان ہا ہا کرتا ہے، یعنی آدمی کی ہیئت مکروہ ہو جاتی ہے، اس لئے شیطان ہنستا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْعَطَاسَ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ

باب ۸: نماز میں چھینک آنا شیطانی فعل ہے

(۲۶۷۲) الْعَطَاسُ وَالتَّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيْئُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ.

ترجمہ: عدی بن ثابت اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا سے مرفوع روایت کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں نماز کے دوران چھینک اونگھ حیض قے نکسیر پھوٹنا شیطان کی طرف سے ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَقَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ

باب ۹: کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا مکروہ ہے

(۲۶۷۳) لَا يَقُمُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے۔

(۲۶۷۴) لَا يَقُمُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں پر خود نہ بیٹھے۔
تشریح: اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرکت تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے صادر ہوتی ہے اور اس سے دوسرے کے دل میں میل آتا ہے، اور کینہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے البتہ اگر بیٹھا ہوا شخص کسی کے لئے ایثار کرے اور وہ اپنی جگہ خالی کر دے تو وہ

اجر کا مستحق ہوگا، کیونکہ یہ ایک مسلمان کا اکرام اور بڑے کی تعظیم ہے جو پسندیدہ امر ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما احتیاطاً نہیں بیٹھتے تھے، یا سداً مقصود تھا، کیونکہ اٹھنے والا واقعی خوشی سے اٹھا ہے یا شر ماضی میں اٹھا ہے اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

باب ۱۰: کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھے، پھر واپس آئے، تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے

(۲۶۷۵) الرَّجُلُ أَحَقُّ بِمَجْلِسِهِ وَإِنْ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ عَادَ فَهُوَ أَحَقُّ بِمَجْلِسِهِ.

ترجمہ: حضرت وہب بن حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آدمی اپنی جگہ کا سب سے زیادہ حقدار ہے اگر وہ کسی کام سے جائے اور پھر واپس آئے تو وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ کا زیادہ حقدار ہوگا۔

تشریح: جو شخص کسی مباح جگہ میں مثلاً مسجد، سرائے، درسگاہ یا کسی اور جگہ میں آکر بیٹھ جاتا ہے تو اس جگہ کے ساتھ اس کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اس لئے جب تک وہ اس جگہ سے بے نیاز نہ ہو جائے، اس کو اس جگہ سے بے دخل نہیں کرنا چاہئے، یہ اس کی حق تلفی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْجُلُوسِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ بَغَيْرِ إِذْنِهِمَا

باب ۱۱: دو شخصوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا مکروہ ہے

(۲۶۷۶) لَا يَجْلُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی بھی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے دو آدمیوں کو علیحدہ کر دے البتہ ان کی اجازت کے ساتھ (ان کے درمیان بیٹھ سکتا ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعُقُودِ وَسَطِ الْحَلَقَةِ

باب ۱۲: حلقہ کے بیچ میں بیٹھنا مکروہ ہے

(۲۶۷۷) أَنَّ رَجُلًا قَعَدَ وَسَطَ الْحَلَقَةِ فَقَالَ حَذِيفَةُ مَلْعُونٌ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ أَوْ لَعَنَ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَنْ قَعَدَ وَسَطَ الْحَلَقَةِ.

ترجمہ: ابو جہلؓ بیان کرتے ہیں ایک شخص حلقے کے درمیان میں بیٹھا تھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے نبی اکرم ﷺ کی زبانی ملعون قرار دیا گیا ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی زبانی اس شخص کو ملعون قرار دیا گیا ہے جو حلقے کے درمیان بیٹھتا ہے۔

تشریح: جو شخص مجمع کے درمیان گھس جائے تو اس پر لعنت کی گئی ہے یعنی وہ شخص اللہ جل شانہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے یہ

لعت کس وجہ سے کی گئی ہے شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں لکھی ہیں:

(۱) مجمع کے درمیان میں جانے کے لیے چونکہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا جس سے انہیں اذیت ہوگی اس لیے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر عمل کو باعث لعنت قرار دیا ہے۔

(۲) بسا اوقات مجمع کے درمیان میں ایسی جگہ میں بیٹھ جاتا ہے جہاں بعض لوگ دوسرے لوگوں کو نہیں دیکھ سکتے اور انہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) بعض علماء کے نزدیک اس آدمی سے وہ مسخرہ شخص مراد ہے جو حلقہ کے درمیان اس لیے جاتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر ہنسیں، ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ قِيَامِ الرَّجُلِ لِلرَّجُلِ

باب ۱۳

(۲۶۷۸) لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا إِلَيْهَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِدَلِيلِكَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں لوگوں کے نزدیک کوئی بھی شخصیت نبی اکرم ﷺ سے زیادہ محبوب نہیں تھی لیکن جب وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تھے تو وہ کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ بات پسند نہیں ہے۔

(۲۶۷۹) خَرَجَ مُعَاوِيَةُ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ صَفْوَانَ حِينَ رَأَوْهُ فَقَالَ اجْلِسَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: ابو مجاز بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بیٹھے رہو میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے (تعظیم کے طور پر) بت کی شکل میں کھڑے ہوں وہ شخص جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے۔
تشریح: کسی کا کسی کے لئے کھڑا ہونا دو طرح پر ہوتا ہے: ایک تعظیم کے لئے۔ دوسرا: انبساط و فرحت کے طور پر، پھر قیام تعظیمی کی دو صورتیں ہیں:

ایک: مسلسل کھڑا رہنا، یعنی جب تک بڑا مجلس میں رہے، لوگ کھڑے رہیں۔

دوم: کھڑے ہو کر بیٹھ جانا، یعنی جب بڑا آئے تو لوگ کھڑے ہو جائیں، پھر جب وہ بیٹھ جائے تو لوگ بھی بیٹھ جائیں، یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں، پہلی صورت مکروہ تحریمی ہے اور دوسری صورت اس سے کم مکروہ ہے، رہا انبساط و فرحت کے طور پر کھڑا ہونا اور آنے والے کو خوش آمدید کہنا تو یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اس کو نا پسند کرتے ہیں۔

عرض: عجمیوں کی طرح کھڑا رہنا جائز نہیں، ان کا طریقہ یہ تھا کہ نوکر آقا کی خدمت میں، اور رعایا بادشاہ کی خدمت میں کھڑی رہتی تھی، ان کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی اور یہ انتہائی درجہ کی تعظیم سمجھی جاتی تھی، جس کی سرحدیں شرک سے ملی ہوئی تھیں، اس لئے اس کی ممانعت کی گئی۔

اسی طرح بڑے کے آنے پر تعظیم کے لئے کھڑا ہونا، پھر بیٹھ جانا بھی ممنوع ہے اور کسی کے آنے پر فرحت و سرور سے کھڑے ہونے کی، اس کے لئے جھوم جانے کی اور اس کے اکرام اور اس کی خوش دلی کے لئے اٹھنے کی، پھر بیٹھ جانے کی گنجائش ہے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو نبی ﷺ کھڑے ہو کر ان کو چومتے تھے، اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے، اسی طرح جب آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی یہی عمل کرتی تھیں۔ اور ہمارے اکابر بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کو سخت ناپسند کرتے تھے، البتہ کسی مہمان وغیرہ کے آنے پر فرحت و سرور اور اعزاز و اکرام کے طور پر کھڑے ہونے کو جائز کہتے تھے۔

فائدہ: قیام تعظیمی کے جواز بلکہ استحسان پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے قیام تعظیمی کے جواز پر استدلال درست نہیں، کیونکہ حدیث میں قوموا السید کہہ نہیں ہے بلکہ قوموا الی سید کہہ ہے۔ یعنی ان کے تعاون کے لئے اٹھو، وہ بیمار تھے، ان کو سواری سے اترنے کے لئے مدد کی ضرورت تھی البتہ لفظ سید سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید آپ ﷺ نے لوگوں کا قیام تعظیمی کا حکم دیا تھا اور یہ شبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا، مسند احمد کی مذکورہ روایت میں ہے: فقال عمر: سیدنا اللہ عز وجل! قال انزلوه فانزلوه: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے آقا اللہ عز وجل ہیں! نبی ﷺ نے فرمایا: ان کو اتارو، چنانچہ لوگوں نے ان کو اتارا اس میں اشارہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لفظ سید سے قیام تعظیمی سمجھا تھا، نبی ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ تعظیم کے لئے نہیں بلکہ تعاون کے لئے اٹھنا ہے۔ ابن حارج مالکی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہونے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ حضرت سعد بیمار تھے وہ سواری سے اتنے پر قادر نہیں تھے تو آپ ﷺ نے اہل قریظہ سے فرمایا کہ اٹھو اور اپنے سردار کو سواری سے اتارو چنانچہ بعض روایات میں اس کی تصریح منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قوموا الی سید کہہ فانزلوه کھڑے ہو کر اپنے سردار کو سواری سے اتارو اس لیے اس روایت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ صاحب علم و فضل کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوا جائے ضعیف اور مخدوش ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص بالکل نہ چاہے، مگر دوسرے اکرام و عقیدت و محبت میں کھڑے ہوں تو ان کو منع کرنا چاہئے، کیونکہ نبی ﷺ کو یہ کھڑا ہونا پسند نہیں تھا، میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے: جب حضرت تشریف لاتے تھے، اور کوئی طالب علم کھڑا ہوتا تھا تو حضرت وہیں رک جاتے تھے، اس کو ڈانٹتے تھے، اور جب تک وہ بیٹھ نہیں جاتا تھا حضرت آگے نہیں بڑھتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ

باب ۱۴: ناخن تراشنے کا بیان

(۲۶۸۰) خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ الْإِسْتِحْدَادُ وَالْحِجَابُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پانچ چیزیں فطرت کا حصہ ہیں زیر ناف بال صاف کرنا ختنہ کروانا مونچھیں کتروانا بغل کے بال صاف کرنا اور ناخن تراشنا۔

(۲۶۸۱) عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاعْفَاءُ اللَّحْيَةِ وَالسَّوَاكِ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمُبْضَضَةُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت کا حصہ ہیں: (۱) مونچھیں چھوٹی کروانا۔ (۲) داڑھی بڑی رکھنا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی ڈالنا (۵) ناخن تراشنا (۶) بغل کے بال صاف کرنا (۷) زیر ناف بال صاف کرنا (۸) پانی سے استنجاء کرنا (۹) انگلیوں کی پشت کو دھونا۔ ذکر یا نامی راوی بیان کرتے ہیں معصب نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے دسویں چیز میں بھول گیا ہوں لیکن وہ کلی کرنا ہوگی۔

تشریح: ناخن کاٹنے کے بعد یا تو پانی میں بہا دیا جائے یا زمین میں دفن کر دیا جائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دفن کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ نبی کریم ﷺ زائد بال اور ناخن کو دفن کرنے کا حکم دیتے تھے تاکہ جادوگران کے ذریعہ اپنا کوئی عمل نہ کر سکیں۔
لغات: تقلیم: کاٹنا تراشنا۔ اظفار: ظفر کی جمع ہے، ناخن۔ الاستحداد: استرے سے ناف بال صاف کرنا۔ قص الشارب: مونچھیں تراشنا۔ نتف: اکھاڑنا نوچنا۔ ربط: بغل۔ اعفاء: بڑھانا۔ استنشاق: ناک میں پانی ڈال کر اسے اچھی طرح صاف کرنا۔ براجم: برجۃ کی جمع ہے: انگلیوں کے جوڑ۔ حلق العانة: زیر ناف بال صاف کرنا۔ انتقاص الماء: استنجاء کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَقُّيْتِ تَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَآخِذِ الشَّارِبِ

باب ۱۵: کتنی مدت میں ناخن کاٹنا اور مونچھ لینا ضروری ہے؟

(۲۶۸۲) أَنَّهُ وَقَّتْ لَهُمْ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً تَقْلِيمَ الْأَظْفَارِ وَآخِذَ الشَّارِبِ وَحَلْقَ الْعَانَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے لوگوں کے لیے ناخن تراشنے مونچھیں چھوٹی کروانے اور زیر ناف بال صاف کرنے کی (زیادہ سے زیادہ) مدت چالیس روز مقرر کی تھی۔

(۲۶۸۳) وَقَّتْ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ وَنَتْفِ الْإِبْطِ أَنْ لَا نَتْرَكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مونچھیں چھوٹی کروانے ناخن تراشنے زیر ناف بال صاف کرنے بغل کے بال صاف کرنے کے لیے ہمارے لیے مدت متعین کی تھی کہ ہم چالیس دنوں سے زیادہ اسے ترک نہ کریں۔

تشریح: مستحب یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار مذکورہ کام کرے، اور افضل جمعہ کا دن ہے، پندرہ بیس روز میں ایک بار یہ کام کر لے تو بھی جائز ہے اور چالیس دن سے زیادہ صفائی نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، جس کی وجہ سے گہنگار ہوگا، شامی میں ہے: کراہت کہ تحویما: نیز اس کی نماز بھی مکروہ ہوگی، اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھ درست فرماتے تھے، اور بیسویں روز زیر ناف اور چالیسویں روز بغل کے بال صاف کرتے تھے۔ (التعلیق الصبیح ۴/۴۵)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جسم کے زائد بال اور ناخن کاٹنے سے مقصود نظافت اور صفائی ہے نبی کریم ﷺ نے عرب ممالک کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن بیان فرمائی ہے ہمارے ان علاقوں کے اعتبار سے مناسب یہ ہے کہ بیس دن سے زیادہ تک یہ بال نہ چھوڑے جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَصِّ الشَّارِبِ

باب ۱۶: مونچھ کاٹنے کا بیان

(۲۶۸۳) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْقُصُ أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ قَالَ وَكَانَ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ ابْنُ أَرْهَيْمُ يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اپنی مونچھیں چھوٹی کر دیا کرتے تھے (حدیث کے ایک لفظ کے بارے میں راوی کو شک ہے کہ لفظ يققص استعمال ہوا ہے یا لفظ ياخذ استعمال ہوا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(۲۶۸۵) مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص مونچھیں چھوٹی نہیں کرواتا اس کا ہم سے تعلق نہیں ہے۔
تشریح: مونچھوں کے بارے میں پانچ لفظ آئے ہیں: (۱) جزوا الشوارب: مونچھیں کاٹو، (۲) قص الشارب: مونچھ کترنا (۳) احقوا الشوارب: مونچھیں پست کرو (۴) انھکوا الشوارب: مونچھوں کو خوب پست کرو (۵) اخذ الشارب: مونچھ لینا۔ مونڈنے کا ذکر کسی حدیث میں نہیں اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مونڈنا منع ہے، اور احناف کے یہاں بھی مونڈنے کے بدعت ہونے کا ایک قول ہے۔ (در مختار ۵/۳۵۸، حظر و اباحہ فصل فی البیع)

اور احناف کے یہاں دوسرا قول مونڈنے کے سنت ہونے کا ہے۔ ملتقی البحر میں اسی کو لیا ہے، لیکن در مختار نے اس کو قیل سے ذکر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، اور مجتبیٰ میں امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہ اللہ کی طرف مونڈنے کے سنت ہونے کا قول منسوب کیا ہے۔

اور اختلاف اقوال کی وجہ یہ ہے کہ مونچھوں کے سلسلہ میں احادیث میں جو پانچ الفاظ آئے ہیں، ان میں سے احناء اور انھاک کی دلالت مبالغہ پر ہے، اور کامل مبالغہ منڈنے میں ہے، اس لئے بعض علماء نے منڈنے کو سنت کہا ہے، لیکن قابل غور یہ پہلو ہے کہ اگر مونڈنا مطلوب ہوتا تو اس کے لئے عربی میں لفظ حلق موجود تھا، اس کو نہ استعمال کرنا اور اس کی جگہ دوسرے الفاظ استعمال کرنا اس

طرف مشیر ہے کہ مونڈنا پسندیدہ نہیں، اس لئے احناف کے نزدیک مونڈنے کے سنت ہونے کا قول مرجوح ہے۔ پھر راجح اور افضل صورت کے متعلق احناف کے یہاں تین قول ہیں:

- (۱) مونچھیں اتنی کاٹی جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے، یہ صورت بالا جماع سنت ہے۔
 - (۲) مونچھیں بھوؤں کے مانند بنائی جائیں، صاحب ہدایہ نے التختیس والمزید میں یہی مناسب طریقہ لکھا ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی کو لیا ہے۔
 - (۳) مونچھیں کتر کر بالکل پست کر دی جائیں، کیونکہ پانچوں لفظوں کی دلالت مبالغہ پر ہے، اور امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے امام مزنی رحمہ اللہ کو مونچھ پست کراتے دیکھا ہے، اور اپنے علماء کو بھی ایسا کرتے دیکھا ہے۔ لہذا قول فیصل یہ ہے کہ مونڈنا بدعت تو نہیں، البتہ سنت کترنا ہے، اور وہ بھی مبالغہ کے ساتھ اس طرح کہ تمام بال پست کر دیئے جائیں۔
- شیخ مولانا زکریا صاحب نے خصائل نبوی میں لکھا ہے:،، ایک جماعت علماء کی اس طرف گئی ہے کہ مونچھوں کا منڈانا سنت ہے، لیکن اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ کتر وانا سنت ہے، لیکن کتر وانا میں ایسا مبالغہ ہو کہ مونڈنے کے قریب ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ مِنَ الْحَيَةِ

باب ۱۷: ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کاٹنے کا بیان

(۲۶۸۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لَحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوڑائی اور لمبائی کی سمت میں ڈاڑھی تراش کرتے تھے۔

تشریح: ڈاڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے، اس سے کم کرنا حرام ہے۔ اور ایک مشت سے بہت زیادہ لمبی ڈاڑھی رکھنا خلاف سنت ہے، امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ڈاڑھی کو چھوڑے رکھنا، یہاں تک کہ وہ گھنی ہو جائے اور بڑھ جائے: یہ ڈاڑھی بڑھانے کا مصداق ہے، اور ڈاڑھی کا قصر کرنا سنت ہے، اور قصر یہ ہے کہ ڈاڑھی کو مٹھی میں لے، جو مٹھی سے بڑھ جائے اس کو کاٹ دے (مگر مٹھی ٹھوڑی کے نیچے سے بھرے، بعض لوگ ٹھوڑی کو بھی مٹھی میں بھر لیتے ہیں یہ صحیح نہیں) کیونکہ ڈاڑھی زینت ہے، اور اس کا بھر پور ہونا کمال زینت ہے، اور اس کا غیر معمولی دراز ہونا خلاف سنت ہے۔

(اختیار شرح مختار ۴/۱۶۷، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۳/۲۱۵)

ایک مشت سے زیادہ ڈاڑھی اس قدر بڑھ جائے کہ بد نما نظر آنے لگے تو ایسی صورت میں زائد بال تراش دیئے کو بعض علماء نے ضروری اور بعض نے مستحب کہا ہے، ہاں ایک مشت ڈاڑھی رکھنے پر اجماع ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۸، ۷)

فائدہ: ڈاڑھی کے بارے میں حدیثوں میں چھ لفظ آئے ہیں: (۱) اعفوا: یہ افعال سے امر ہے جس کے معنی ہیں: ڈاڑھی کو بڑھاؤ تا آنکہ بال زیادہ ہو جائیں اور دراز ہو جائیں۔ (۲) اوفوا: یہ بھی افعال سے امر ہے جس کے معنی ہیں: کاٹ کرنا تام کرنا پورا

کرنا۔ یہ لفظ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ (۳) ارخوا: یہ بھی افعال سے امر ہے، ارخاء: کے معنی ہیں: کسی چیز کو وسیع اور لمبا کرنا، چھوڑ دینا، اور لگانا، یہ لفظ بھی مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ (۴) ادجوا: یہ بھی افعال سے امر ہے، ارجاء کے معنی ہیں: موخر کرنا، یعنی بالکل نہ لینا پورا باقی رہنے دینا، چھوڑ دینا۔ (۵) وفروا: یہ تفعیل سے امر ہے، نیز افعال سے او فروا بھی آیا ہے، دونوں کے معنی ہیں: زیادہ کرنا، پورا کرنا۔ (۶) دعوا: یہ فتح سے امر ہے اور اس کے معنی ہیں: چھوڑ دو۔

ان تمام لفظوں کا حاصل یہ ہے کہ لمبی ڈاڑھی رکھنا مامور بہ ہے، اس لئے واجب ہے، پس جس طرح ڈاڑھی منڈوانا حرام ہے: کترنا اور ختنشی ڈاڑھی رکھنا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ وجوب کے منافی ہے، اور اس سے حکم شرعی کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا، اور ان سبھی الفاظ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ ڈاڑھی جتنی بڑھے بڑھنے دی جائے، اس کا کاٹنا اور ہاتھ لگانا منع ہے، اور یہی رائے غیر مقلدین کی ہے، مگر حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول و عرض سے لیتے تھے، پس فعل مبارک سے قول مبارک کی شرح کی جائے گی، اور قولی احادیث کو ایک مشت کے ساتھ خاص کیا جائے گا، اور غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے: صحیح نہیں، آپ نے ابھی دیکھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے عمر بن ہارون کی توثیق کی ہے پس یہ روایت اگرچہ اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں، مگر حسن ہے، اس لئے قابل استدلال ہے، اور اس کے زریعہ قولی احادیث کو مقید کرنا درست ہے

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ حدیث میں ڈاڑھی بڑھانے کا حکم اور تاکید آئی ہے اور اس کی مقدار بتلانے کے لیے کوئی قولی روایت نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں ہاں فعلی روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل مروی ہے کہ ایک مشت سے زیادہ ڈاڑھی کو کتر وادیتے تھے اور ایک مشت کے اندر کتر وادنے کی کوئی سند نہیں ہے اس لیے فقہاء کرام نے ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے اور اس سے کم رکھنے والے کو تارک واجب ہونے کی بناء پر فاسق کہا ہے۔

(کفایت المفتی ۹/۱۷۶ کتاب الخطر والاباحۃ بال اور ڈاڑھی کے احکام)

بخاری شریف میں روایت (حدیث ۵۸۹۲) ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جن کا خاص ذوق اتباع سنت تھا: جب حج یا عمرہ کرتے اور احرام کھولتے تو اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیتے اور جواز اند ہوتی اس کو کٹوا دیتے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح ۱۰/۳۵۰) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل نقل کیا ہے۔ صحابہ کے اس عمل سے کی مرفوع روایت کی تائید ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْفَاءِ اللَّحْيَةِ

باب ۱۸: ڈاڑھی کو بڑھانے کا بیان

(۲۶۸۷) أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللَّحْيَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مونچھیں چھوٹی رکھو اور ڈاڑھی بڑھاؤ۔

(۲۶۸۸) إِنْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ تَابَ إِحْفَاءُ الشَّوَارِبِ وَأَعْفَاءُ اللَّحْيِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مونچھیں چھوٹی رکھنے کا اور ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الرَّجُلَيْنِ عَلَى الْأُخْرَى مُسْتَلْقِيَا

باب ۱۹: چت لیٹنے کی حالت میں ایک پیر کو دوسرے پر رکھنا

(۲۶۸۹) أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَلْقِيَا فِي الْمَسْجِدِ وَاضْعًا أَحَدِي رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى.

ترجمہ: عباد بن تمیم اپنے چچا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا ہے آپ ﷺ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ فِي ذَلِكَ

باب ۲۰: باب اس کی کراہت کے بارے میں

(۲۶۹۰) إِذَا اسْتَلْقَى أَحَدُكُمْ عَلَى ظَهْرِهِ فَلَا يَضَعُ أَحَدِي رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی کر کے بل چت لیٹا ہوا ہو تو وہ اپنا پاؤں دوسرے پاؤں پر نہ رکھے۔

(۲۶۹۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ اسْتِمَالِ الصَّمَاءِ وَالْإِحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَأَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ أَحَدِي رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلَى ظَهْرِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اشتمال صماء (کے طور پر) اور احتباء (کے طور پر) ایک ہی کپڑا لپیٹنے سے منع کیا ہے اور اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ آدمی جب کر کے بل چت لیٹا ہوا ہو اس وقت ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے۔
تشریح: چت لیٹنے کی دو صورتیں ہیں:

① دونوں پیر سیدھے ہوں اور ایک کو دوسرے پر رکھ کر لیٹے، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس صورت میں ستر کھلنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، بلکہ پیر پر پیر رکھنے سے ستر کھلنے سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

② ایک ٹانگ کھڑی کر کے اس پر دوسری ٹانگ رکھنا، یہ ممنوع ہے، کیونکہ اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہے البتہ اگر پا جامہ پہن رکھا ہو تو پھر کراہیت نہیں۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں دو قائل کئے ہیں پہلے میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں، انہوں نے نبی ﷺ کو مسجد نبوی میں اس طرح چت لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنا ایک پیر دوسرے پیر پر رکھے ہوئے تھے (یہ حدیث متفق علیہ ہے، اور اس کا مصداق پہلی صورت ہے) اور دوسرے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں لائے ہیں، پہلی روایت پر کوئی حکم نہیں لگایا اور دوسری روایت حسن صحیح ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأُضْطِجَاعِ عَلَى الْبَطْنِ

باب ۲۱: پیٹ کے بل اوندھا لیٹنے کی ممانعت

(۲۶۹۲) رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا مُضْطِجِعًا عَلَى بَطْنِهِ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ خُبْرَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو پیٹ کے بل (اوندھا) لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔
تشریح: لیٹنے کا یہ طریقہ اس لئے ممنوع ہے کہ یہ مکروہ اور منکر ہیئت ہے، دوزخیوں کے ساتھ مشابہت اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي حِفْظِ الْعَوْرَةِ

باب ۲۲: ستر کی حفاظت کا بیان

(۲۶۹۳) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَوْرَ اثْنَا مَآ تَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ قَالَ احْفَظْ عَوْرَ تَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ قَالَ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاَهَا أَحَدٌ فَافْعَلْ قُلْتُ فَالرَّجُلُ يَكُونُ خَالِيًا قَالَ فَإِنَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَخْلَى مِنْهُ.

ترجمہ: بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول ﷺ ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اپنی بیوی اور اپنی کنیز کے علاوہ ہر ایک سے اپنے ستر کی حفاظت کرو تو انہوں نے عرض کی بعض اوقات آدمی صرف کسی مرد کے ساتھ ہی ہوتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کرو کہ کوئی بھی شخص اسے نہ دیکھ سکے میں نے عرض کی بعض اوقات بندہ تنہائی میں ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیاء کی جائے۔

تشریح: دو شرم گاہیں (بول و براز کی جگہیں) دوفوطے، زیر ناف اور دونوں رانوں کی جڑیں جو زیر ناف سے متصل ہیں: بالا جماع ستر ہیں، اور متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ران بھی ستر ہے (یہ روایات آگے آرہی ہیں) اور گھٹنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ستر میں داخل نہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ستر میں شامل ہے، کیونکہ اس میں بھی روایات مختلف ہیں، پس احتیاط اس کو ستر میں شامل کرنے میں ہے۔

اور عورت کا ستر وہی ہے جو مرد کا ہے اس لئے ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بدن کے اس حصہ کو بے ضرورت نہیں کھول سکتی، باقی بدن کھول سکتی ہے، البتہ عورت کے لئے ستر کے علاوہ حجاب بھی ہے جو مرد کے لئے نہیں ہے اس لئے مرد کا باقی بدن ہر کوئی دیکھ سکتا ہے، اجنبی عورت بھی دیکھ سکتی ہے، جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ مرد کا جسم پر کشش نہیں ہوتا اور مرد کے مشاغل باقی بدن کھولنے

پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے اگر اس کو دیکھنے کی ممانعت کی جائے گی تو حرج واقع ہوگا۔

اور عورت کے لئے چونکہ ستر کے ساتھ حجاب بھی ضروری ہے اس لئے اسکے احکام مرد سے مختلف ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) عورت کا اپنے میاں سے نہ کوئی ستر ہے نہ حجاب مگر بے ضرورت ایک دوسرے کے اعضائے نہانی کو دیکھنا پسندیدہ نہیں، ابن ماجہ (حدیث ۶۶۲، ۱۹۲۲) اور مسند احمد (۶: ۱۹۰) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: ما رأیت فرج رسول اللہ ﷺ قط: میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کا ستر نہیں دیکھا۔

(۲) محارم سے پیٹ اور اس کے مقابل پیٹھ کا حجاب ہے، اور چہرہ، سر، بال، گردن، کان، بازو، ہاتھ، پاؤں، پنڈلی اور گردن سے متصل سینہ کا بالائی حصہ اور اس کے مقابل کی پیٹھ حجاب سے خارج ہے، جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور سینہ کا بالائی حصہ اس لئے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کے لئے یہ حصہ محارم کے سامنے کھولنا پڑتا ہے، اور جب یہ حصہ مستثنیٰ کیا گیا تو اس کے مقابل پیٹھ کا حصہ بھی مستثنیٰ کیا گیا۔

(۳) نماز میں چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پیر (مخنوں سے نیچے) حجاب سے خارج ہیں، باقی سارا بدن ڈھانک کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔

(۴) اور اجانب سے خوف فتنہ کے وقت تمام جسم کا حجاب ہے، اور بوقت ضرورت چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا جائز ہے، اور برہنہ ہونا جائز نہیں، اگرچہ تنہائی ہو مگر ایسی ضرورت کے وقت جائز ہے جس سے چارہ نہ ہو، جیسے قضاء حاجت کے وقت ستر کھولنا، اور یہ ممانعت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اچانک آ جاتا ہے پس اگر آدمی نگاہ ہوگا تو اس کے ستر پر دوسرے کی نظر پڑے گی، اور عار لاحق ہوگا۔

دوسری وجہ: اعمال و اخلاق میں دو طرفہ تعلق ہے یعنی جیسے اخلاق ہوتے ہیں ویسے ہی اعمال صادر ہوتے ہیں، اور اخلاق خود اعمال سے پیدا ہوتے ہیں: مثلاً جو شخص حیا دار ہے اس کے نفس پر احتیاط و استحکام کا غلبہ ہوتا ہے، وہ بے شرم اور بے لگام نہیں ہوتا، اس لئے وہ ضرور پردہ کا اہتمام کرتا ہے اور پردہ کے اہتمام ہی سے حیا کی صفت آدمی میں پیدا ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِتِّكَاءِ

باب ۲۳: ٹیک لگانے کا بیان

(۲۶۹۴) رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلَى وَسَادَةٍ عَلَى يَسَارِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے بائیں جانب ٹیکے کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی۔

(۲۶۹۵) رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلَى وَسَادَةٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو تکبے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے اجازت کے بغیر کسی کی مخصوص نشست گاہ پر بیٹھنا ممنوع ہے

(۲۶۹۶) لَا يُؤْمَرُ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يُجْلَسُ عَلَى تَكْرِ مَتْنِهِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کسی بھی شخص کو اس کی حاکمیت میں مقتدی نہ بنایا جائے اور کسی شخص کے گھر میں اس کے بیٹھنے کی مخصوص جگہ پر کسی دوسرے کو نہ بٹھایا جائے البتہ اس کی اجازت کے ساتھ ایسا کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الرَّجُلَ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِهِ

باب ۲۴: جانور پر آگے بیٹھنے کا زیادہ حق مالک کا ہے

(۲۶۹۷) بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَمْشِي إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ وَمَعَهُ جِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ارْكَبْ وَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا أَنْتَ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ إِلَّا أَنْ تَجْعَلَهُ لِي قَالَ قَدْ جَعَلْتُهُ لَكَ قَالَ فَرَكِبَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ تشریف لے جا رہے تھے ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اس کے ساتھ اس کا گدھا تھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ سوار ہو جائیے وہ پیچھے ہٹا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اپنی سواری پر آگے بیٹھنے کے زیادہ حق دار ہو البتہ اگر یہ حق تم مجھے دیدو (تو تمہاری مرضی) ہے اس نے عرض کی یہ میں آپ ﷺ کو دیتا ہوں راوی بیان کرتے ہیں آپ ﷺ سوار ہو گئے۔

فتاخر الرجل: (وہ آدمی پیچھے ہٹ گیا) اس کے دو مطلب ہیں: ۱۔ وہ شخص سواری میں پیچھے میں ہو گیا کہ آگے حضور ﷺ بیٹھیں اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے بیٹھ جائے۔ ۲۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ اس سواری سے ہی پیچھے ہو گئے کہ میں سوار نہیں ہوتا حضور ﷺ ہی اس پر تشریف فرما ہو جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي اتِّخَاذِ الْأَنْمَاطِ

باب ۲۵: پلنگ پوش غالیچے کا استعمال جائز ہے

(۲۶۹۸) هَلْ لَكُمْ أَنْمَاطٌ قُلْتُ وَآتَى تَكُونُ لَنَا أَنْمَاطٌ قَالَ أَمَا إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ أَنْمَاطٌ قَالَ فَأَنَا أَكُونُ لِأَمْرٍ آتٍ أَخِيرَتِي عَنِّي أَنْمَاطٌ فَتَقُولُ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ أَنْمَاطٌ قَالَ فَأَدْعُهَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہارے پاس قالین ہے میں نے عرض کی ہمارے پاس قالین کہاں سے آسکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب تمہیں قالین مل جائیں گے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (جب فتوحات نصیب ہوئیں) تو میں اپنی بیوی سے کہا قالین نہ لگاؤ تو اس نے جواب دیا کیا نبی اکرم ﷺ نے نہیں فرمایا تھا عنقریب تم

لوگوں کو قالین ملیں گے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تو میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔
تشریح: پلنگ پوش اور غالیچہ کا استعمال مباح ٹھاٹھ میں سے ہے اور ایسی چیزیں اگر فخر و مباہات کے طور پر نہ ہوں تو جائز ہیں، اور اگر ان کے ذریعہ بڑائی اور غرور کا مظاہرہ کرنا مقصود ہو تو وبال جان ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي زُكُوبِ ثَلَاثَةِ عَلَى دَابَّةٍ

باب ۲۶: ایک سواری پر تین آدمیوں کا سوار ہونا

(۲۶۹۹) لَقَدْ قُدْتُ بِنَبِيِّ اللَّهِ ﷺ وَالْحُسَيْنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَى بَعْلَتِهِ الشَّهْبَاءَ حَتَّى أَدْخَلْتُهُ حُجْرَةَ النَّبِيِّ ﷺ هَذَا قَدَامَهُ وَهَذَا خَلْفَهُ.

ترجمہ: حضرت ایاس بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے خچر کو چلا کر لے جا رہا تھا نبی اکرم ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اس پر سوار تھے یہاں تک کہ میں اسے نبی اکرم ﷺ کے گھر کے اندر لے آیا ان میں سے ایک (صاحبزادے) آپ کے آگے تھے اور دوسرے آپ کے پیچھے تھے۔

تشریح: روایات میں ایک سواری پر تین آدمیوں کے بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے، اور یہ روایت جواز کی ہے، پس قول فیصل یہ ہے کہ اگر سواری تین شخصوں کی متحمل ہو تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ اور حضرت ایاس رضی اللہ عنہ کی روایت میں چونکہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ابھی بچے تھے اس لئے خچر تین کے لئے متحمل تھا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي نَظَرَةِ الْمَفَاجَاةِ

باب ۲۷: اچانک نظر پڑنے کا بیان

(۲۷۰۰) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ نَظَرَةِ الْمَفَاجَاةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اچانک نظر پڑنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے مجھے ہدایت کی میں اپنی نگاہ کو پھیر لوں؟

(۲۷۰۱) قَالَ يَا عَلِيُّ لَا تُتَّبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ.

ترجمہ: ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اس روایت کو مرفوع حدیث کے طور پر نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اے علی تم ایک مرتبہ (اچانک نگاہ پڑ جانے کے بعد دوسری مرتبہ نظر نہ ڈالو کیونکہ پہلی مرتبہ قابل معافی ہے لیکن دوسری مرتبہ کا حق تمہیں نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِيْتَابِ عَنِ النِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ

باب ۲۸: عورتوں کا مردوں سے پردہ کرنا

(۲۷۰۲) اَتَمَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَيْمُونَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ فَبَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَهُ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا أُمِرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِخْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يُبْصِرُ نَاوَلَا يَغْرِفُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَفَعَمِيَا وَإِنْ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِ

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہم آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس دوران حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے وہ آپ ﷺ کے ہاں تشریف لائے یہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کی بات ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم دونوں اس سے پردہ کرو میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ تو ہمیں دیکھ ہی نہیں سکتے اور ہمیں پہچان ہی نہیں سکتے تو نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا کیا تم دونوں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔

تشریح: عام حالات میں پردہ کرنا: عورتوں پر واجب ہے، مردوں پر واجب نہیں، اور اس کی تین وجوہ ہیں: پہلی وجہ: پردہ کرنا عورت کی حالت سے ہم آہنگ ہے، اور مرد کے موضوع کے خلاف ہے، مرد کے ذمے دنیا بھر کے کام ہوتے ہیں وہ پردہ کر کے اپنے کام انجام نہیں دے سکتا، اور عورت باہری کاموں سے فارغ ہوتی ہے، اس لئے وہ پردہ کر سکتی ہے۔ دوسری وجہ: پرکشش عورت کا بدن ہے اس لئے کو چھپانا ضروری ہے اور مرد کے بدن میں کوئی کشش نہیں اس لئے اگر اس کو عورت بھی دیکھے گی تو کوئی فتنہ نہیں ہوگا۔

تیسری وجہ: دنیا قیمتی چیز کو چھپاتی ہے، اور عورت متاع گراں مایہ ہے، پس اسی کو چھپانا چاہئے۔ اور عورتوں کو دیکھنا: مردوں میں عشق و فریفتگی پیدا کرتا ہے، اور مردوں کو دیکھنا بھی عورتوں میں یہی کام کرتا ہے، اور بار بار دیکھنا ناجائز تعلق کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے شریعت نے عورتوں کو بھی منع کیا کہ وہ مردوں کو دیکھیں خواہ مرد نابینا ہی کیوں نہ ہو۔ سورۃ النور (آیت ۳۰) میں مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور آیت ۳۱ میں یہی حکم عورتوں کو دیا ہے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

عورتوں کا غیر مردوں کو دیکھنے کا مسئلہ: عورت کا اپنے محرم رشتہ داروں کے علاوہ کسی مرد کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟ مذاہب فقہاء: (۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے غیر محرم مرد کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ خواہ شہوت اور بری نیت سے دیکھے یا بغیر کسی نیت شہوت کے دونوں صورتیں حرام ہیں ان حضرات کا استدلال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے۔ جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس میں ذکر کیا ہے اور اس روایت میں تصریح ہے کہ ان کا یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا۔

(۲) جمہور علماء کے نزدیک اگر کوئی عورت کسی ضرورت کی وجہ سے شہوت کے بغیر کسی مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنے کے نیچے والے حصہ

سے دیکھ لے تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ان حضرات کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے جس میں ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نو جوان عید کے دن اپنا سپاہیانہ کھیل دکھا رہے تھے رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھنے لگے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ ﷺ کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک کہ خود ہی اس سے اکتا گئیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے نہیں روکا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عورتیں مساجد میں آ جاتیں بازار اور سفر پہ جاتیں ان تمام صورتوں میں انہیں حکم تھا کہ وہ پردہ کریں تاکہ مرد انہیں دیکھ نہ سکیں لیکن مردوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ عورتیں انہیں نہ دیکھ پائیں اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت شہوت کے بغیر کسی مرد کو ضرورت کی وجہ سے دیکھ سکتی ہے اگرچہ اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ شہوت کے بغیر بھی کسی مرد کو نہ دیکھے۔

جمہور علماء حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں افضل امر کا ذکر ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کسی غیر محرم مرد کی طرف بالکل نہ دیکھے یہ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے لہذا اس حدیث سے عدم جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الدُّخُولِ عَلَى النِّسَاءِ إِلَّا بِإِذْنِ أَرْوَاجِهِنَّ

باب ۲۹: شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کے پاس جانا ممنوع ہے

(۲۷۰۳) أَنَّ عُمَرَو بْنَ الْعَاصِ أَرْسَلَهُ إِلَى عَلِيٍّ يَسْتَأْذِنُهُ عَلَى أَسْمَاءَ ابْنَةِ عُمَيْسٍ فَأَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ سَأَلَ الْمُؤَلَّى عُمَرَو بْنَ الْعَاصِ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْخُلَ عَلَى النِّسَاءِ بِغَيْرِ إِذْنِ أَرْوَاجِهِنَّ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے غلام بیان کرتے ہیں نبی اللہ ﷺ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں جانے کی ان سے اجازت لے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دے دی جب انہوں نے اپنا کام ختم کر لیا تو اس غلام نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے۔ (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) آپ ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے ہم کسی عورت کے شوہر کی اجازت کے بغیر اس سے ملیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْذِيرِ فِتْنَةِ النِّسَاءِ

باب ۳۰: عورتوں کا فتنہ سنگین فتنہ ہے

(۲۷۰۴) مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِي النَّاسِ فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید اور حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میں اپنے بعد لوگوں میں جو آزمائشیں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ ان میں مردوں کے لیے خواتین سے زیادہ نقصان دہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ اتِّخَاذِ الْقَصَّةِ

دوسرے کے بال اپنے بالوں میں ملانا مکروہ ہے

(۲۷۰۵) أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ خَطْبَ بِالْمَدِينَةِ يَقُولُ أَيُّنَ عُلَمَاءِ كُمْ يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَنْهَى عَنْ هَذِهِ الْقِصَّةِ وَيَقُولُ إِنَّمَا هَلَكْتُ بَنُؤِ اسْرِ آيِيلَ حِينَ اتَّخَذَهَا نِسَاءُ وَهُمْ.

ترجمہ: حمید بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے یہ بیان کرتے ہوئے سنا اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس طرح گھجے بنانے (یعنی وگ استعمال کرنے) سے منع کرتے ہوئے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے بنی اسرائیل ہلاکت کا شکار ہو گئے تھے جب ان کی عورتوں نے اسے اختیار کیا تھا۔
تشریح: القصۃ کے معنی ہیں: بالوں کا گچھا۔ وہ عورتیں جن کے بال ہلکے ہوتے ہیں وہ دوسرے انسان کے بال اپنے بالوں میں ملاتی ہیں، حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منکر پر تکبیر کرنے کی ذمہ داری ہے، کیونکہ دین کے دو بازو ہیں: دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، پہلا کام داعیوں کا ہے اور دوسرا علماء کا، پس ہر ایک کو اپنا فریضہ انجام دینا چاہئے، اور ہر ایک کو دوسرے کی قدر پہچانی چاہئے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْوَاصِلَةِ وَالْمُسْتَوْصِلَةِ وَالْوَاشِمَةِ وَالْمُسْتَوْشِمَةِ

باب ۳۲: بالوں میں بال ملانے والی، ملوانے والی، اور بدن گودنے والی، اور گدوانے والی ملعون ہیں

(۲۷۰۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَبِّصَاتِ مُبْتَغِيَاتِ لِلْحُسْنِ مُغَيِّرَاتِ خَلْقِ اللَّهِ. ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے جسم گودنے والی جسم گدوانے والی (ابروؤں کے) بال اکھیرنے والی، حسن کی طلب گار اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔

(۲۷۰۷) لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ. قَالَ نَافِعُ أَلَوْ شُمْتُ فِي اللَّثَةِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے نقلی بال لگانے والی نقلی بال لگوانے والی جسم گودنے والی جسم گدوانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے نافع کہتے ہیں لفظ وشم کا تعلق مسوڑھوں سے ہے۔
تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخری حج سن اکادون ہجری کے موقع میں مدینہ منورہ میں خطاب فرمایا اور اپنے سپاہی کے ہاتھ سے بالوں کا وہ گچھا لیا جو انہوں نے مدینہ کے بازار سے لیا تھا اور فرمایا کہ تمہارے علماء کہاں ہیں جو لوگوں کو ان چیزوں سے منع نہیں کرتے گویا علماء کرام کو وعظ و نصیحت کی تاکید کی جا رہی ہے کہ وہ لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں۔
اسی طرح گودنے اور گدوانے کا طریقہ بھی قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے اسے عربی میں وشم کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ جسم کے

کسی حصہ کی جلد سوئی یا اسی طرح کی کوئی اور چیز چھوئی جائے یہاں تک کہ خون بہنے لگے پھر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جاتا ہے اس طریقے سے لوگ اپنے بازوؤں پر اپنا نام یا جسم پر مختلف جانوروں یا دیگر چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں افسوس یہ ہے کہ مسلم معاشرہ میں بھی یہ رسم موجود ہے نبی کریم ﷺ نے اس طرح کرنے والی اور کروانے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی ہے۔

اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو اپنے بال دوسروں سے اکھڑواتی اور نوچواتی ہے عموماً خواتین چہرے اور بھنوں کو بنانے اور باریک کرنے کے لیے بال اکھڑواتی ہیں حدیث کی وجہ سے اس طرح کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی خاتون کے چہرے پر داڑھی نکل ائے چہرے پر زائد بال پیدا ہو جائیں مونچھیں اور تھوڑی پر بال آجائیں یا دو بھنوں کے درمیان بال اس طرح بڑے اور گھنے ہو جائیں کہ بدنما معلوم ہوں تو یہ اس وعید میں داخل نہیں بلکہ انہیں صاف کرنا مستحب ہے۔

لعن اللہ الواصلة: اس حدیث ہوتا ہے کہ کوئی خاتون اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور کے بال جوڑ لے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور باعث لعنت ہے فقہاء کرام کا اس مسئلہ کے حکم کی تعمیل میں اختلاف ہے

مذہب فقہاء: ① مالکیہ اور اکثر شوافع کے نزدیک بال کے ساتھ کسی اور کے بال ملانا مطلقاً ممنوع ہے چاہے انسان کے بال ہوں یا غیر انسان کے یا کوئی ریشم اور کپڑے کے دھاگے ہوں بالوں کے ساتھ اس طرح کی کوئی بھی چیز جوڑنا بالکل ممنوع ہے۔

② حنابلہ حنفیہ اور بعض شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی انسان کے بال جوڑنا تو بالکل جائز نہیں اسی طرح انسان کے علاوہ کسی اور چیز کے ناپاک بال جوڑنا بھی جائز نہیں۔ البتہ انسان کے علاوہ دوسرے پاک بال یا مصنوعی بال جوڑنا جائز ہے۔

گودنے والے عضو کی طہارت کا حکم:

(۱) امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جسم کے جس حصے پر گودا گیا ہے وہ ناپاک ہو جاتا ہے لہذا اس میں جو رنگ وغیرہ بھرا گیا ہے اسے صاف کرنا واجب ہے ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ اسے صاف کرنے کی صورت میں وہ عضو تلف یا شل ہو جائے گا یا اس کی افادیت ختم ہو جائے گی تو پھر اس رنگ کو زائل کرنا واجب نہیں یہ شوافع کا مسلک ہے۔

(۲) احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب خون جم جائے اور زخم مندمل ہو جائے صرف رنگ کا سبز یا سرخ نشان رہ جائے تو اب اسے زائل کرنا واجب نہیں یہ جسم کا جزو بن چکا ہے لہذا اس کے اوپر پانی ڈال دیا جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی جس طرح داڑھی میں خضاب لگایا جائے تو طہارت کا حکم حاصل ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ

باب ۳۳: مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر، اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے

والے مردوں پر لعنت

(۲۷۰۸) لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهِينَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی خواتین اور خواتین کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت کی ہے۔

(۲۷۰۹) لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُخْتَلِثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کی وضع قطع اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی وضع قطع اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو صنفیں بنائی ہیں: مرد و زن، اور ہر صنف کے لئے کچھ امتیازات گردانے ہیں، اس کے کچھ حقوق رکھے ہیں اور کچھ فرائض، شریعت ان امتیازات کو باقی رکھنا چاہتی ہے، اور ان حقوق و فرائض کا لحاظ کرتی ہے، پس اگر مرد، جڑے بن جائیں یا عورتیں مردانی بن جائیں تو یہ ان امتیازات کو رایگاں کرنا ہے۔ اس لئے دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مخنث کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ مخنث ہے جس میں پیدائشی طور پر عورتوں کی صفات غالب ہوں وہ بتکلف عورتوں کی طرح اپنے آپ کو نہیں بناتا ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں وہ لعنت کی اس وعید میں داخل نہیں کیونکہ وہ معذور ہے لیکن اگر وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت والے امور رفتہ رفتہ ترک کر سکتا ہے تو پھر اس پر ان امور کا ترک کرنا شرعاً لازم ہوگا۔

(۲) دوسرا وہ مخنث ہے جس میں مردوں کی صفات غالب ہوں لیکن وہ بتکلف اپنی ظاہری شکل و صورت بول چال اور حرکات میں اپنے آپ کو عورت ظاہر کرتا ہے اس کا یہ عمل قابل مذمت ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث میں لعنت کی وعید آئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوجِ الْمَرْأَةِ مُتَعَطِّرَةً

باب ۳۴: عورت کا خوشبودار ہو کر گھر سے نکلنا ممنوع ہے

(۲۷۱۰) كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٍ وَالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَّالُو كَذَّائِعِي زَانِيَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ہر آنکھ زناء کرتی ہے اور جو عورت خوشبودار ہو کر (مردوں کی) محفل کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی ہے اور ویسی ہے۔ (نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ تھی وہ زناء کرنے والی عورت کی طرح ہے)۔

تشریح: عورت کی ذات خود پر کشش ہے، پھر اگر وہ معطر ہو کر گھر سے نکلے گی تو فتنہ بالائے فتنہ ہوگا، اور جو شخص نہیں دیکھنا چاہے گا وہ بھی دیکھے گا، اس لئے عورت بوقت ضرورت ہی گھر سے نکلے اور ایسا انداز اختیار نہ کرے کہ مردوں کی منظور نظر بن جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر ایسا عمل کہ جس سے کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کسی غیر محرم مرد سے رابطہ کرے۔ وہ ممنوع ہے، لہذا ایسے مرد و عورت کے لیے موبائل کا استعمال کسی بھی طرح جائز نہیں جو اسے غیر شرعی اور غیر اخلاقی کاموں کے لیے استعمال کرتے ہوں جو اس کے ذریعہ اپنی جنسی خواہشات کو غیر شرعی مقام پر پورا کرنے کی تگ و دو میں رہتے ہوں اور موبائل تو اس زمانے کا بہت بڑا فتنہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَيْبِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

باب ۳۵: مردوں اور عورتوں کی خوشبوؤں کا بیان

(۲۷۱۱) طَيْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطَيْبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مردوں کی خوشبو وہ ہوتی ہے جس کی خوشبو ظاہر ہو اس کا رنگ پوشیدہ رہے اور عورتوں کی خوشبو وہ ہوتی ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور اس کی خوشبو پوشیدہ رہے۔

(۲۷۱۲) قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ خَيْرَ طَيْبِ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَخَيْرَ طَيْبِ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ وَنَهَى عَنِ الْمَيْثَرَةِ الْأَرْجَوَانِ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا مردوں کی سب سے بہترین خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ظاہر ہو اور اس کا رنگ پوشیدہ رہے اور عورتوں کی سب سے بہترین خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور اس کی خوشبو پوشیدہ رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَدِّ الطَّيِّبِ

باب ۳۶: خوشبو لوٹانا مکروہ ہے

(۲۷۱۳) كَانَ أَنَسُ لَا يَرُدُّ الطَّيِّبَ وَقَالَ أَنَسُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَرُدُّ الطَّيِّبَ.

ترجمہ: ثمامہ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو (کا تحفہ) واپس نہیں کرتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ بھی خوشبو (کا تحفہ) واپس نہیں کرتے تھے۔

(۲۷۱۴) ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالذَّهْنُ وَاللَّبَنُ الذَّهْنُ يَعْنِي بِهِ الطَّيِّبُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تین چیزوں (کو تحفے کے طور پر پیش کیا جائے تو) انہیں واپس نہیں کیا جاسکتا تکیہ خوشبو اور دودھ۔

(۲۷۱۵) إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمْ الرِّيحَانَ فَلَا يَرُدُّهُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: ابو عثمان نہدی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص کو (تحفے کے طور پر) خوشبودی جائے تو وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ یہ جنت سے نکلی ہے۔

تشریح: خوشبو فرحت پیدا کرتی ہے، اور اس کا استعمال نبیوں کی سنت ہے۔ ابو داؤد اور نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے: عرض علیہ طیب فلا یردہ فأنہ خفیف المحمل، طیب الرائحة: جس کے سامنے کوئی خوشبو پیش کی جائے

وہ اس کو واپس نہ کرے، کیونکہ وہ ہلکے بوجھ والی یعنی کم قیمت عمدہ خوشبو ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مُبَاشَرَةِ الرِّجَالِ الرِّجَالِ وَالْمَرْأَةِ الْمَرْأَةِ

باب ۳۷: مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے بغیر حائل کے جسم لگانا ممنوع ہے

(۲۷۱۶) لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ حَتَّى تَصِفَهَا لِزَوْجِهَا كَمَا تَنْظُرُ إِلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے اس طرح ساتھ نہ ہو کہ پھر وہ اپنے شوہر کے سامنے اس کی خوبیاں بیان کرے تو یوں ہو جیسے وہ مرد اس عورت کو دیکھ رہا ہے۔

(۲۷۱۷) لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا تَنْظُرُ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي الثُّوبِ الْوَاحِدِ وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثُّوبِ الْوَاحِدِ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابوسعید اپنے والد (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ساتھ ایک ہی کپڑے میں (برہنہ ہو کر) نہ رہے۔

تشریح: مباشرت یعنی جسم کا جسم سے لگنا شہوت بھڑکانے میں نہایت زور اثر ہے، جو طبق زنی اور اغلام کی خواہش پیدا کرتا ہے، اور گویا وہ اس کو دیکھ رہا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا عورت سے جسم لگانا بھی مکنون محبت کا سبب بن جاتا ہے، پس بے ساختہ اس لطف اندوزی کا تذکرہ شوہر یا کسی رشتہ دار کے سامنے زبان پر آ جاتا ہے، اور وہ ان کی فریفتگی کا سبب بن جاتا ہے۔

ستر دیکھنا شہوت کو بھڑکانا ہے، غیر جنس کا ستر دیکھنے میں تو یہ بات ظاہر ہے، اور ہم جنس میں بھی کبھی اس کی نوبت آ جاتی ہے، عورتیں بھی کبھی ایک دوسرے پر فریفتہ ہوتی ہیں اور مرد بھی کبھی ایک دوسرے پر عاشق ہوتے ہیں۔

دوسری وجہ: ستر چھپانا تہذیب کی بنیادی اینٹ ہے۔ دنیا جہاں کے لوگ اعضاء مستورہ کو شرم گاہ کہتے ہیں یعنی ان کا کھولنا یا دیکھنا بے حیائی کی بات ہے، اس لئے ممنوع ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو مرد یا عورتیں ایک ساتھ برہنہ حالت میں ایک چادر میں نہ لیٹیں کہ یہ بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے اور یہ مزید کسی بڑے گناہ کا بھی باعث بن سکتا ہے البتہ میاں بیوی اس سے مستثنیٰ ہیں یہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو سکتے ہیں نیز یہ معلوم ہوا کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کے ستر کی طرف یا ایک عورت کا دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ الْعَوْرَةِ

ستر کی حفاظت ضروری ہے

(۲۷۱۸) قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَنْذَرُ قَالَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ

يَمِينُكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ قَالَ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاكَ أَحَدٌ فَلَا يَرَاكَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَإِنَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ.

ترجمہ: بہر بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی! ہم اپنے ستر کو کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ستر کو اپنی بیوی اور اپنی کنیز کے علاوہ ہر ایک سے چھپاؤ وہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر کچھ لوگ ایک ساتھ ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم سے ہو سکے تو کوئی بھی شخص اسے (یعنی تمہاری ستر کو) نہ دیکھے وہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی! کوئی شخص تنہا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے حیاء کی جائے۔

تشریح: حدیث ابھی (حدیث ۲۷۷۳) پر گزری ہے: حضرت معاویہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! ہمارے ستر کیا آئیں ہم ان میں سے اور کیا چھوڑیں؟ یعنی کہاں ستر کھول سکتے ہیں اور کہاں چھپانا ضروری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ستر کی حفاظت کرو، مگر اپنی بیوی سے یا اپنی باندی سے، ان کا دوسرا سوال تھا: جب لوگ ایک جگہ اکٹھا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیرے بس میں ہو کہ ستر کو کوئی نہ دیکھے تو ہرگز ستر نہ دکھلا، ان کا تیسرا سوال تھا: جب کوئی شخص تنہائی میں ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان سے شرم کی جائے، یعنی تنہائی میں بھی بے ضرورت ستر نہیں کھولنا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْفَخْدَ عَوْرَةٌ

باب ۳۹: ران بھی ستر ہے

(۲۷۱۹) مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِمَجْرٍ هَدِيٍّ فِي الْمَسْجِدِ وَقَدْ انْكَشَفَ فَخْدُهُ فَقَالَ إِنَّ الْفَخْدَ عَوْرَةٌ.

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی ران سے کپڑا ہٹا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ران ستر میں داخل ہے۔

(۲۷۲۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِهِ وَهُوَ كَاشِفٌ عَنْ فَخْدِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ غَطِّ فَخْدَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ.

ترجمہ: ابن جریر رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ان کے پاس سے گزرے اس وقت انہوں نے اپنی ران سے کپڑا ہٹایا ہوا تھا آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تم اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ یہ ستر کا حصہ ہے۔

(۲۷۲۱) الْفَخْدُ عَوْرَةٌ.

ترجمہ: عبد اللہ بن جرید اسلمی اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں ران ستر کا حصہ ہے۔

(۲۷۲۲) الْفَخْدُ عَوْرَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ران ستر میں شامل ہے۔

تشریح: متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ران بھی ستر ہے، اور یہی امام ابو حنیفہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کا مسلک ہے، اور امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ ننگا پا صرف آگے اور پیچھے کی شرم گاہ ہیں اور یہی اہل ظاہر کا مسلک ہے۔

ران ستر ہے: اس سلسلہ میں چار روایتیں ہیں، اور چاروں ضعیف ہیں، مگر سب مل کر حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں، اس لئے قابل استدلال ہیں، ان میں سے دو روایتیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں، اور دو کا حوالہ دیا ہے: اور اختلاف روایات کی صورت میں احتیاط کی بات یہ ہے کہ ران کو ستر قرار دیا جائے، یہی بات شریعت کے قواعد سے ہم آہنگ ہے، جب محرم و منہج دلائل جمع ہوتے ہیں تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے، یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (کتاب الصلاة ۱۲. ما یذکر فی الفخذ)

فائدہ: گھٹنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ستر میں شامل نہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ستر ہے، کیونکہ اس میں بھی روایات مختلف ہیں، ابھی روایت گزری ہے، ہرگز نہ دیکھے کوئی اس حصہ کو جو ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر ہے یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ گھٹنے ستر نہیں، اور سنن دارقطنی (۲۳۱:۱) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ضعیف روایت ہے کہ گھٹنے ستر میں شامل ہے، اور بخاری شریف (حدیث ۳۶۹۵) میں واقعہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ پانی کی جگہ میں تشریف فرما تھے، اور دونوں یا ایک گھٹنے کھلا ہوا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے، آپ ﷺ نے ان کو ڈھانک لیا، اس لئے احتیاط کی بات یہ ہے کہ گھٹنے کو بھی ستر میں شامل کیا جائے۔

آج کل بعض لوگ گرمی، کھیل یا ورزش کے وقت اتنا مختصر لباس پہنتے ہیں کہ جس سے ان کی رانیں نظر آ رہی ہوتی ہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے، ایسا لباس ہرگز نہ پہنا جائے، جو مرد و عورت اس لباس میں انہیں قصد و ارادہ سے دیکھیں گے وہ بھی گنہگار ہوں گے البتہ ضرورت کے موقع پر ران یا اس کا کچھ حصہ کھولا جاسکتا ہے جیسے جنگ و جدال اور مرض کی حالت میں، اس کے علاوہ اسے کھولنا جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَافَةِ

باب ۴۰: نظافت و صناعی کا بیان

(۲۷۲۳) إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ فَتَعَزَّظُوا أَرَاهُ قَالَ أَفَنِيَّتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.

ترجمہ: سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے وہ نظیف ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے وہ کریم ہے اور کرم کو پسند کرتا ہے وہ جواد (سخی) ہے اور جود (سخاوت) کو پسند کرتا ہے تو تم صفائی اختیار کرو (راوی کہتے ہیں) میرا خیال ہے انہوں نے یہ الفاظ استعمال کئے تھے اپنی عمارتوں کو صاف رکھو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِسْتِثْنَانِ عِنْدَ الْجَمَاعِ

باب ۴۱: صحبت کے وقت پردہ کرنا

(۲۷۲۴) يَا كُفُّمُ وَالْتَعَرِّي فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى أَهْلِهِ

فَاسْتَحْيُوهُمْ وَأَكْرَمُوهُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے برہنہ ہونے سے پرہیز کرو کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں جو تم سے صرف اس وقت جدا ہوتے ہیں جب کوئی شخص قضائے حاجت کرتا ہے یا جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو تم ان سے حیاء کرو اور ان کی عزت افزائی کرو۔

تشریح: میاں بیوی میں کسی عضو کا پردہ نہیں، زوجین ایک دوسرے کے جسم کے ہر حصہ کو دیکھ سکتے ہیں، مگر سلیقہ مندی کی بات یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں، نہ ننگے ہو کر صحبت کریں، بلکہ کوئی چادر وغیرہ اوڑھ کر مباشرت کریں۔

اعتراض: حدیث کا سے کیا تعلق ہے؟ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بوقت صحبت ننگا ہونا جائز ہے، جیسے بڑے استنجے کے وقت ننگا ہونا جائز ہے اور میں یہ بات ہے کہ اس وقت پردہ کرنا چاہئے۔

جواب: حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بوقت جماع ننگا ہونا جائز ہے، بلکہ حدیث میں فرشتوں کے علیحدہ ہونے کی دو مثالیں دی ہیں: ایک بڑے استنجے کی حالت دوسری جماع کی حالت۔ ان میں سے پہلی حالت مجبوری کی حالت ہے اور دوسری حالت مجبوری کی حالت نہیں، اس لئے دونوں حالتوں کا حکم مختلف ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ الْحَمَامِ

باب ۴۲: نہانے کے ہوٹل میں جانا

(۲۷۲۵) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلُ حَلِيلَتَهُ الْحَمَامَ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلُ الْحَمَامَ بَغِيرِ إِزَارٍ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسُ عَلَى مَا يَدَّ يَدَارُ عَلَيْهِمُ الْخَمْرُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ جانے دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔

(۲۷۲۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى الرِّجَالَ وَالنِّسَاءَ عَنِ الْحَمَامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ فِي الْمَيَازِرِ.

ترجمہ: ابو عزرہ جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ اقدس پایا ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں پہلے نبی اکرم ﷺ نے مردوں اور خواتین کو حمام میں جانے سے منع کیا تھا پھر آپ ﷺ نے مردوں کو تہبند باندھ کر جانے کی اجازت دی تھی۔

(۲۷۲۷) أَنَّ نِسَاءً مِنْ أَهْلِ حِمَصٍ أَوْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ دَخَلْنَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقَالَتْ أَنْتُنَّ اللَّاتِي يَدْخُلْنَ نِسَاءُ كُنَّ الْحَمَامَاتِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ امْرَأَةٍ تَضَعُ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا هَتَكَتِ السِّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا.

ترجمہ: ابولیح ہذلی فرماتے ہیں حمص کی خواتین (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) شام کی کچھ خواتین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تم وہی خواتین ہو کہ تمہاری عورتیں حمام میں جاتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے جو عورت اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اپنے کپڑے اتارے گی تو وہ اپنے پروردگار کے درمیان موجود پردے کو فاش کر دے گی۔

تشریح: جن ملکوں میں پانی کی قلت ہے، وہاں نہانے کے ہوٹل ہوتے ہیں، سب لوگ مرد اور عورتیں وہاں جا کر نہاتے ہیں اس لئے وہاں بے پردگی بہت ہوتی ہے، پس عورتوں کو تو وہاں جانا ہی نہیں چاہئے، وہ اپنے گھروں میں نہائیں اور مرد لنگی باندھ کر جائیں، صرف جاگیکہ چڑی پہن کر اور لنگی کندھے پر ڈال کر نہ جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ

باب ۴۳: جس گھر میں جاندار کی تصویر ہو یا کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

(۲۷۲۸) لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ تَمَثَّلُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر موجود ہو۔

(۲۷۲۹) دَخَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ تَمَثَّلُ أَوْ صُورَةٌ شَكَ اسْحَاقُ لَا يَدْرِي أَيُّهُمَا قَالَ.

ترجمہ: رافع بن اسحاق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اور عبد اللہ بن ابو طلحہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ بات بتائی ہے فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں (یہاں پر حدیث کے ایک لفظ کے بارے میں راوی کو شک ہے لفظ تماثل استعمال ہوا ہے یا صورت استعمال ہوا ہے)؟ اسحاق نامی راوی کو یہ شک ہے اس میں سے کون سا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۲۷۳۰) أَتَانِي جَبْرِيلُ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ أَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَكُونَ دَخَلْتُ عَلَيْكَ الْبَيْتَ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فِي بَابِ الْبَيْتِ تَمَثَّلُ الرِّجَالِ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامٌ سِتْرٌ فِيهِ تَمَثَّلُ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ فَمُرَبَّرٌ أَيْسَ التَّمَثَّلِ الَّذِي بِالْبَابِ فَلْيُقْطَعْ فَيَصِيرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرَبَّرٌ فَلْيُقْطَعْ وَيُجْعَلَ مِنْهُ وَسَادَتَيْنِ مُنْتَبِذَتَيْنِ تُوَطَّانِ وَمُرَبَّرٌ بِالْكَلْبِ فَيُخْرِجُ فَفَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ ذَلِكَ الْكَلْبُ جَزْوَ الْلَحْسَيْنِ أَوْ لِلْحَسَنِ تَحْتَ نَصْدِلِهِ فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے بتایا گزشتہ

رات آپ ﷺ کے پاس آنا چاہتا تھا لیکن میں آپ ﷺ کے گھر میں اس لیے داخل نہیں ہوا کیونکہ اس میں کچھ مردوں کی تصویریں موجود تھیں راوی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے گھر میں پردے پر یہ تصویریں بنی ہوئی تھیں اور اس گھر میں کتا بھی موجود تھا (حضرت جبریل نے عرض کی) آپ ﷺ تصویروں کے بارے میں حکم دیں کہ ان کا سر کاٹ دیا جائے اس طرح یہ درخت کی شکل میں ہو جائیں گی اور پردے کے بارے میں یہ حکم دیں کہ اسے کاٹ کر اس کے ٹکے بنائے جائیں جنہیں نیچے رکھا جائے اور انہیں روندنا جائے اور کتے کے بارے میں حکم دیں کہ اسے باہر نکال دیا جائے تو آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا وہ کتے کا پلا تھا جو حضرت امام حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا تھا اور آپ ﷺ کے پلنگ کے نیچے تھا آپ ﷺ کے حکم کے تحت اسے نکال دیا گیا۔

تشریح: جانداروں کی تصویروں میں صورتوں کے معنی ہیں، یعنی وہ پرستش کی چیز ہیں اور فرشتوں کو شرک اور مشرکین سے شدید نفرت ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تصویروں سے فرشتے نفرت کریں، چنانچہ وہ کسی ایسی جگہ میں داخل نہیں ہوتے جہاں کسی جاندار کی تصویر ہوتی ہے اور جاہلیت کے لوگ کتا پالنے کے شوقین تھے، جب کہ کتا ایک ملعون جانور ہے، فرشتوں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے، اور کتے کو شیاطین سے مناسبت ہے، اس لیے بے ضرورت کتا پالنے کو حرام قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں حل ہو گئیں: ①: صاحبزادوں نے کتے کا پلا کیوں پالا تھا، جبکہ کتا گھر میں رکھنا ممنوع ہے؟ ②: آپ ﷺ کے گھر کے دروازے پر پردے میں مردوں کی تصویر کیوں تھی جبکہ تصویر حرام ہے؟ ان دونوں باتوں کا جواب یہ نکلا کہ یہ واقعات ممانعت سے پہلے کے ہیں، کتوں کے قتل کا حکم اس واقعہ کے بعد دیا گیا ہے، اس سے پہلے بھی لوگوں کے یہاں کتے تھے، پس اگر صاحبزادوں نے کتے کا پلا پالا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، اسی طرح پردے میں اگر تصویریں تھیں تو یہ بھی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة تماثيل: کون سے فرشتے داخل نہیں ہوتے اس بارے میں دو قول ہیں:

(۱) اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ان سے رحمت کے فرشتے مراد ہیں کہ وہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے لہذا موت کے فرشتے اور وہ فرشتے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں کیونکہ وہ انسان سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتے۔

(۲) علامہ قرطبی رحمہ اللہ اور دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ ملائکہ حدیث میں عام ہے اس میں اس طرح کی کوئی تخصیص نہیں۔

اعتراض ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے میں ہے یعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثل یہاں تماثل کی تفسیر تصویروں سے کی گئی ہے اگر شرعاً تصویر جائز نہیں تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات کیوں تصویر بناتے تھے؟ اس شبہ کے دو جواب دیے گئے ہیں:

(۱) ان کی شریعت میں اس گنجائش تھی جبکہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ تماثل سے جاندار کی تصویر مراد نہ ہو بلکہ غیر جاندار چیزوں کی تصویریں اور نقشے مراد ہوں

(فتح الباری ۱۰/۴۶۶ کتاب اللباس)

کتے کا بچہ گھر میں چھپا ہوا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کو معلوم نہیں تھا اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ضرور آپ ﷺ کو بچہ کا علم ہوتا اس سے ثابت ہوا کہ علم غیب صرف اللہ جل جلالہ کی صفت

ہے کسی بھی رسول کے لیے یہ صفت ثابت کرنا یہ اس نبی کی تعظیم نہیں حقیقت میں اس کی توہین ہے کہ اسے اللہ کے برابر درجہ دیا جا رہا ہے۔
لعنات: تمثال کی جمع ہے، مجسمہ پتھر کا تراشا ہوا یا تانبے پیتل وغیرہ کا ڈھالا ہوا مجسمہ جو کسی حیوان یا انسان کی عکاسی کرتا ہو تصویر جو کاغذ وغیرہ پر بنی ہوئی ہو۔ بازحہ: گزشتہ رات۔ قیرام: سرخ پردہ مختلف رنگوں کا موٹا اونٹنی کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا ہے اور قرام ستر کے معنی ہیں پردے کا کپڑا یعنی پردہ۔ منتبذتین: وہ دونوں تکیے پڑے رہیں نہ کھجے رہیں۔ توطان: جنہیں قدموں سے رونداجائے۔ جزو: کتے کا پلا، کتے کا بچہ، ہر درندہ کا چھوٹا بچہ۔ نضد: تہ بہ تہ رکھا ہوا سامان۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ لُبْسِ الْمُعَصْفَرِ لِلرَّجُلِ وَالْقِسِيِّ

باب ۴۴: مردوں کے لئے گیروا (گہرا گلابی) کپڑا مکروہ ہے

(۲۷۳۱) قَالَ مَرْزُجُلٌ وَعَلَيْهِ تَوْبَانِ أَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُرَدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص آیا اس نے سرخ رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(۲۷۳۲) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ خَاتِمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْقِسِيِّ وَعَنِ الْمِثْثَرَةِ وَعَنِ الْجُعَةِ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشمی کپڑا پہننے، ریشمی زین پر بیٹھنے اور جمعہ سے منع کیا ہے۔

(۲۷۳۳) أَمَرَ نَارِسُ بْنُ أَبِي ذَعْبَانَ بِسَبْعِ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعِ أَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَتَشْيِيتِ الْعَاطِسِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِي وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعِ عَنْ خَاتِمِ الذَّهَبِ أَوْ حَلَقَةِ الذَّهَبِ وَأَنِيبَةِ الْفِصَّةِ وَلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالْدِّيْبَاجِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالْقِسِيِّ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا ہے اور سات چیزوں سے منع کیا ہے آپ ﷺ نے ہمیں جنازے کے ساتھ جانے بیمار کی عیادت کرنے چھینکنے والے کو جواب دینے دعوت قبول کرنے مظلوم کی مدد کرنے قسم پوری کروانے اور سلام کا جواب دینے کا حکم دیا ہے جبکہ آپ ﷺ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے سونے کا چھلا پہننے چاندی کے برتن استعمال کرنے حریر دیباج استبرق اور قسی (ریشم کی مختلف قسموں کو) استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ ابواب اللباس ۵ اور کتاب الصلوٰۃ ۸۲ میں گزر چکا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تیز سرخ رنگ مردوں کے لئے ناپسندیدہ ہے، یعنی مکروہ تہذیبی ہے، اور ہلکا سرخ رنگ اور سیاہی مائل سرخی یعنی براؤن رنگ بغیر کراہیت کے جائز ہے۔ (تفصیل ابواب اللباس ۴) میں گزر چکی ہے۔

لعنات: معصفر: وہ کپڑا جسے کسم سے رنگا گیا ہو اور کسم زرد رنگ کا ایک پودا ہے جسے پانی میں ڈال کر کپڑے رنگے جاتے ہیں

اس کپڑے کا رنگ عموماً سرخ ہو جاتا ہے۔ (۱) عربوں میں اس کا خاصا رواج تھا قیسی کی تشدید کے ساتھ مصر کا ایک کپڑا جو ریشم اور کتان سے بنایا جاتا تھا اور قس کی طرف منسوب تھا جو ساحل بحر کا ایک گاؤں تھا جہاں یہ کپڑا تیار ہوتا تھا چونکہ اس میں ریشم بھی ملایا جاتا تھا اس لیے اس کا ترجمہ ریشمی کپڑے سے کر دیا جاتا ہے بعض نے کہا کہ قس اصل میں قزی ہے جو قز کی طرف منسوب ہے جو ایک قسم کا ریشم ہے پھر اس زاء کو سین سے بدل دیا تو قسی ہو گیا۔ میثوقہ: زین پوش یعنی وہ کپڑا جس میں روئی بھردی جاتی ہے اور اسے گھوڑے وغیرہ کی زین پر ڈال کر بیٹھا جاتا ہے اسے مند زین بھی کہتے ہیں عموماً یہ کپڑا ریشم کا ہوتا تھا عیش و عشرت میں مبتلی دنیا دار اسے فخر و غرور کے طور پر استعمال کیا کرتے ہیں۔ جعۃ: وہ شراب جسے جو سے تیار کیا جاتا ہے۔ ابرار المقسم: قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا۔ حریو: ریشم خواہ باریک ہو یا موٹا۔ دیباج: باریک ریشم۔ استبدوق: موٹا ریشم بدر: گیر و ایک قسم کی لال مٹی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْبَيَاضِ

باب ۴۵: سفید کپڑا پہننے کا بیان

(۲۷۳۴) اَلْبَسُوا الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفَيْتُمْ فِيهَا مَوْتَاكُمْ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہوتے ہیں اور انہیں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

تشریح: اس حدیث میں سفید کپڑے کے دو فائدے ذکر کئے ہیں: ایک اس کا زیادہ پاکیزہ ہونا دوسرا اس کا زیادہ سہرا ہونا سفید کپڑے پر داغ جلدی نظر آتا ہے، اس لئے اگر کوئی ناپاکی یا کوئی گندگی یا کوئی میل کچیل لگے گا تو فوراً محسوس ہوگا، اور آدمی اس کو دھو ڈالے گا۔ اور رنگین کپڑے میں گندگی محسوس نہیں ہوتی، اور آدمی گندہ کپڑا پہن رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخَصَةِ فِي لُبْسِ الْحُمْرَةِ لِلرِّجَالِ

باب ۴۶: مردوں کے لئے سرخ کپڑا پہننا جائز ہے

(۲۷۳۵) رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي لَيْلَةِ إِضْحِيَّانٍ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَآلِ الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حُمْرَاءُ فَإِذَا هُوَ عِنْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے ایک مرتبہ چاندنی رات میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو کبھی میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا تھا آپ ﷺ نے سرخ حلہ پہنا ہوا تھا اور اس وقت آپ ﷺ مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت لگ رہے تھے۔

(۲۷۳۶) رَأَيْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حُلَّةً حُمْرَاءَ.

ترجمہ: شعبہ اور ثوری نے اسے ابواسحاق کے حوالے سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے آپ ﷺ کو سرخ حلتہ پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الثُّوبِ الْأَخْضَرِ

باب ۴۷: سبز کپڑے کا بیان

(۲۷۳۷) رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ.

ترجمہ: حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اس وقت آپ ﷺ نے دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے۔
تشریح: سبز رنگ جنت کا رنگ ہے، سورۃ الدھر (آیت ۲۱) میں ہے: ﴿عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ خُضْرٌ وَاسْتَبْرَقٌ﴾ جنتیوں کے اوپر کے کپڑے: باریک سبز ریشم اور دبیز ریشم کے ہوں گے، اور سورۃ الرحمن (آیت ۷۶) میں ہے: ﴿مُتَّكِئِينَ عَلَى رَفْرَفٍ خُضِرٍ وَعَبَقَرٍ حِجَاسٍ﴾ وہ لوگ سبز شجر (وہ کپڑا جس پر درختوں کی تصویریں بنی ہوئی ہوں اور عجیب خوبصورت کپڑوں کے فرشوں) پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الثُّوبِ الْأَسْوَدِ

باب ۴۸: کالے کپڑے کا بیان

(۲۷۳۸) خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِّنْ شَعْرِ أَسْوَدَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ باہر نکلے تو آپ ﷺ نے سیاہ رنگ کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔
لغات: بردان: برد کا تثنیہ ہے دو چادریں۔ مِرْط: چادر خواہ وہ اون کتان ریشم کی ہو یا بولوں سے بنی ہوئی ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الثُّوبِ الْأَصْفَرِ

باب ۴۹: پیلے کپڑے کا بیان

(۲۷۳۹) قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَتِ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ حَتَّى جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَعَلَيْهِ تَعْنِي النَّبِيُّ ﷺ أَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتَا وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ عُسَيْبُ نَحْلَةٍ

ترجمہ: حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اس کے بعد انہوں نے طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں) ایک شخص آیا اس وقت سورج چڑھ چکا تھا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ تو نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ (سیدہ قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں) اس وقت نبی اکرم ﷺ نے دو پرانے اور بغیر سلبے ہوئے کپڑے پہن رکھے تھے جو زعفران کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ان کا رنگ ہلکا پڑ چکا تھا اور آپ ﷺ کے پاس کھجور کی ایک شاخ بھی تھی۔

لعنات: اُسمال: ستمل کی جمع ہے یہاں اس سے تشبیہ مراد ہے: دو پرانے کپڑے، ملیتین: ملیہ ملائۃ کا تشبیہ ہے اور ملیہ ملائۃ کی تصغیر ہے نہ بندوہ چادر جو ایک ہی طرز پر بنی گئی ہو اور اس میں کوئی جوڑ نہ ہو بڑی چادر یہ دونوں کپڑے چونکہ ان سلبے ہوئے تھے اس لیے بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ بغیر سلبی ہوئی چادروں کے کیا ہے۔ نفصتا: ان دونوں کپڑوں سے زرد رنگ اُڑ چکا تھا۔ ومعہ: اور حضور ﷺ کے پاس۔ عسیب: کی تصغیر ہے، کھجور کی چھوٹی سی شاخ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّزَعُّفِ وَالْخُلُوقِ لِلرِّجَالِ

باب ۵۰: مردوں کے لئے زعفرانی خوشبو مکروہ ہے

(۲۷۴۰) تَمَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ التَّزَعُّفِ لِلرِّجَالِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مرد کو زعفرانی (رنگ کا کپڑا) استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

(۲۷۴۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَبْصَرَ رَجُلًا مُتَخَلِّقًا قَالَ إِذْ هَبْ فَأَغْسِلْهُ ثُمَّ لَا تَعُدْ.

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے خلو (نامی خوشبو) لگائی ہوئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اسے دھو لو اور پھر دوبارہ نہ لگانا۔

مذہب فقہاء: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کر کے حضرات حنفیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ مرد کے لیے زعفران کے استعمال کو مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں کہ اس کا استعمال نہ جسم میں جائز ہے اور نہ ہی کپڑوں اور بالوں میں لہذا خوشبو کے طور پر بھی زعفران کا استعمال جائز نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بدن میں اس کا استعمال ممنوع ہے لیکن کپڑوں میں اس کے استعمال کی گنجائش ہے امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال سنن ابی داؤد کی حدیث سے ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتے جس کے جسم میں خلو خوشبو ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ خوشبو جسم پر نہ ہو بلکہ کپڑوں پر ہو تو یہ جائز ہے لیکن جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ممانعت پر مشتمل روایات زیادہ صحیح ہیں لہذا انہی کا اعتبار ہوگا جبکہ ابوداؤد کی اس حدیث کا ایک راوی ابو جعفر رازی ہے جس بارے میں کلام ہے اس وجہ سے اس حدیث کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اعتراض: ہوتا ہے کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر ہے کہ وہ شادی کے بعد نبی کریم ﷺ کی مجلس میں آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ان پر زعفران تھا آپ ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بظاہر اس واقعہ سے مردوں کے لیے زعفران کا استعمال جائز معلوم ہو رہا ہے۔ لہذا اس حدیث اور حدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف جوابات ذکر کئے ہیں:

جواب ①: حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا واقعہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے لیکن اس جواب کے درست ہونے کے لیے تاریخی اعتبار سے دلیل کی ضرورت ہے۔

جواب ②: حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے خلوٰق خوشبو استعمال نہیں کی تھی ان کی بیوی نے استعمال کی تھی اس سے ان کے کپڑوں پر بغیر کسی قصد و ارادے کے لگ گئی امام نووی رحمہ اللہ نے اس جواب کو رائج قرار دیا ہے۔

لغات: خلوٰق ایک خوشبو ہے جو زعفران اور دوسری چیزوں سے بنائی جاتی ہے لیکن اس کا اکثر حصہ زعفران ہوتا ہے عموماً اس کا رنگ سرخ اور زرد ہوتا ہے خواتین اس خوشبو کو استعمال کرتی ہیں۔ ابصر: آپ ﷺ نے دیکھا۔ متخلقا: خلوٰق خوشبو لگائے ہوئے۔ ثم لا تعد: پھر تو نہ لوٹنا یعنی آئندہ ایسا نہ کرنا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَرِيرِ وَالذِّبَاجِ

باب ۵۱: ریشم اور دیا کی ممانعت

(۲۷۴۲) مَنْ لَبَسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص دنیا میں ریشمی لباس پہنے گا وہ آخرت میں اسے نہیں پہنے گا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْقُبَاءِ

قبا (چوغے) کا بیان

(۲۷۴۳) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَسَمَ أَقْبِيَّةً وَلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةً شَيْئًا فَقَالَ مَخْرَمَةٌ يَا بُنَيَّ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَاِنْ طَلَقْتُ مَعَهُ قَالَ ادْخُلْ فَاَدْعُهُ لِي فَدَعَا لَهُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَعَلَيْهِ قُبَاءٌ مِنْهَا فَقَالَ خَبَأْتُ لَكَ هَذَا قَالَ فَتَنَظَّرَ إِلَيْهِ فَقَالَ رَضِيَ مَخْرَمَةٌ.

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کچھ قبائیں تقسیم کیں تو آپ ﷺ نے حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں دیا حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ بولے اے میرے بیٹے تم میرے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں چلو حضرت مسور بیان کرتے ہیں میں ان کے ساتھ چل پڑا انہوں نے فرمایا اندر جاؤ اور آپ ﷺ کو بلا کر لاؤ میں آپ ﷺ کو بلا کر لایا نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے پاس ایک قبا موجود تھی آپ ﷺ نے فرمایا یہ میں نے تمہارے لیے سنبھال کر رکھی تھی راوی بیان کرتے ہیں حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھا تو خوش ہو گئے۔

یہ مسئلہ ابواب اللباس میں گزر چکا ہے، وہاں تفصیل ہے، دیکھ لی جائے۔

تشریح: اگر یہ جبہ ریشمی تھا تو یہ واقعہ حرمت ریشم سے پہلے کا ہے، اور اگر بعد کا ہے تو یہ جبہ فائدہ اٹھانے کے لئے دیا ہے، پہننے کے لئے نہیں دیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ ریشمی نہ ہو۔

اس میں حضرت مخرمہ بن نوفل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے قبائقسیم فرمائے مخرمہ کو عام تقسیم کے وقت نہیں دیا حضرت مخرمہ چونکہ نابینا تھے۔ اس لیے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ ہمیں حضور ﷺ کے پاس لے چلو وہاں پہنچے تو آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے پاس ان قابوں میں سے ایک قاب تھی حضور ﷺ نے مخرمہ سے فرمایا کہ یہ قاب میں نے تمہارے لیے محفوظ کر کے اور چھپا کر رکھی تھی مسور کہتے ہیں کہ میرے والد مخرمہ نے اسے لے کر فرمایا کہ مخرمہ راضی ہے۔

فقال: رضى مخرمه: قال کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے چنانچہ راوی نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ قال کا فاعل مخرمہ جبہ لے کر کہنے لگے کہ مخرمہ راضی ہو گیا۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ

باب ۵۲: اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندے پر اللہ کی نعمت کا اثر دیکھیں

(۲۷۴۴) إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے اس کی دی ہوئی نعمت کا اثر اس کے بندے پر نظر آئے۔

تشریح: بعض لوگ بڑائی کے اظہار کے لئے یافیشن کے طور پر بہت عمدہ لباس پہنتے ہیں، اور اس مد میں بے جا اسراف کرتے ہیں: جو ممنوع ہے۔ اور بعض کنجوسی کی وجہ سے یا گنوار پن کی وجہ سے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود پھٹے حال میں رہتے ہیں: یہ بھی ٹھیک نہیں۔ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اسے اس حال میں رہنا چاہئے کہ اللہ کی نعمت کا اثر اس پر ظاہر ہو۔

تشریح: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سادگی اور خستہ حالی ایمان کا شعبہ ہے، ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب یہ ہے کہ حدیث میں ترک زینت اور سادگی اختیار کرنے کا حکم اس وقت ہے جب انسان میں عمدہ لباس وغیرہ کی استطاعت نہ ہو، ان حالات میں اسے اپنے لباس اور رہن سہن میں تکلف نہیں اختیار کرنا چاہیے بس صبر و استقامت کے ساتھ سادگی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اعلیٰ طرز زندگی کی ہمت دی ہو تو وہ عمدہ لباس اور اچھا رہن سہن اختیار کر سکتا ہے اس کے باوجود اپنے جسم پر اچھا لباس وغیرہ کے ذریعہ ان نعمتوں کا اظہار نہیں کرتا تو یہ ناپسندیدہ ہے یہ انتہائی بخل اور خست کی علامت ہے اسے اس انداز سے قناعت کر کے زندگی نہیں گذارنی چاہیے۔

جواب دونوں حدیثوں کا مصداق الگ الگ ہے، جو لوگ اللہ کی دی ہوئی مالی وسعت کے باوجود محض کنجوسی سے یا طبیعت کے لاابالی پن کی وجہ سے پھٹے حال میں رہتے ہیں، ان کے لئے فرمایا ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اس کے رہن سہن اور اس کے

لباس میں اس کا اثر محسوس ہونا چاہئے، اور جن حدیثوں میں سادگی کی تعلیم دی گئی ہے اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو لباس کی بہتری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، وہ آدمی کی قدر و قیمت کا معیار اور پیمانہ اس کو سمجھتے ہیں ان سے کہا گیا ہے کہ اچھے لباس کا اہتمام نہ کرنا اور معمولی کپڑوں میں خستہ حالوں کی طرح رہنا ایمان کی ایک شان ہے۔ اور یہی اصلاح و تربیت کا طریقہ ہے، جو لوگ افراط اور غلو میں مبتلا ہیں ان سے ان کے حال کے مطابق کلام کیا جائے اور جو تفریط کے شکار ہیں ان سے ان کے حسب حال کلام کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُفِّ الْأَسْوَدِ

باب ۵۳: سیاہ موزے کا بیان

(۲۷۴۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ ﷺ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ: ابن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں موزوں کا ایک جوڑا بھیجا تھا جو سیاہ رنگ کا تھا اور اس پر کوئی نقش نہیں بنا ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں پہنا پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور ان پر مسح کر لیا۔ جو حکم سیاہ عمامے کا ہے وہی سیاہ لباس کا اور سیاہ موزے کا ہے۔ جبکہ سیاہ لباس میں روافض کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ نَتْفِ الشَّيْبِ

باب ۵۴: سفید بالوں کو چننا ممنوع ہے

(۲۷۴۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ نَتْفِ الشَّيْبِ وَقَالَ إِنَّهُ نُورُ الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سفید بال اکھاڑنے سے منع کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے یہ مسلمان کا نور ہے۔

تشریح: سریا ڈاڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑنا یا قینچی سے چن کر نکالنا مکروہ ہے، نبی ﷺ نے بڑھاپے کے سفید بالوں کو نوچنے سے منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ وہ مسلمان کا نور ہیں۔

حدیث میں ہے کہ انسانوں میں سب سے پہلے سفید بال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی داڑھی میں دیکھے تو عرض کیا کہ میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ جواب آیا کہ یہ وقار ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار میرے وقار میں اضافہ فرما۔

وقار: ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو گناہ اور بے حیائی کی باتوں سے روکتا ہے آخرت نیکی اور توبہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اس لحاظ سے یہ وصف انسان میں اس نور کو پیدا کرتا ہے جو میدان حشر میں ظلمت و تاریکیوں کو چیرتا ہوا آگے آگے چلے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

اس آیت میں فرمایا: ﴿يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾ (الحمد: ۱۲) اس توجیہ کی روشنی میں گویا اس نور سے قیامت کے دن کا نور مراد ہے چنانچہ ایک روایت میں اس کی تصریح ہے۔

اور اگر نور سے یہ معنی مراد لیے جائیں کہ سفید بالوں کی وجہ سے اس آدمی کا چہرہ نورانی اور خوبصورت ہو جاتا ہے تو یہ بھی درست

ہے اور حقیقت میں تو دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں کہ ایسے آدمی کا چہرہ دنیا میں خوشنما بھی ہو جاتا ہے اور آخرت میں یہ نور اس کے لیے ظلمت و تاریکیوں میں ایک مینارہ روشنی ثابت ہوگا۔

اعتراض: یہ ہوتا ہے کہ جب بالوں کی سفیدی دنیا اور آخرت دونوں میں نورانیت کا باعث ہے تو پھر سفید بالوں پر خضاب کی اجازت نہیں ہونی چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خضاب میں اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنا لازم نہیں آتا جبکہ سفید بال نوچنے میں اللہ تعالیٰ تخلیق میں تبدیلی کرنا لازم آتا ہے اس لیے سفید بالوں کو نوچنے سے منع کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں مسلم شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس بات کو با پسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنے سر یا ڈاڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑے، اور ابو داؤد میں ہے کہ سفید بال نہ اکھاڑو جو شخص بحالت اسلام بوڑھا ہوا: وہ بڑھاپا اس مسلمان کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا، اور دیلمی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو شخص سفید بال اکھاڑے گا۔ قیامت کے دن وہ بال نیزہ بن جائے گا، جس سے اس کو بھونکا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ إِنْ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ

باب ۵۵: جس سے مشورہ لیا جاتا ہے اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے

(۲۷۴۷) الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

(۲۷۴۸) الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔
تشریح: المستشار: (اسم مفعول) وہ شخص جس سے مشورہ لیا جائے۔ مؤتمن (اسم مفعول) بھروسہ کیا ہوا۔ آدمی اسی سے مشورہ لیتا ہے جس کو اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے، اور اس اعتماد پر مشورہ کرتا ہے کہ وہ اس کو صحیح بات بتائے گا، پس اس کے اعتماد کو نہیں پہنچانی چاہئے، جو بات اس کے لئے مفید ہو وہی بتانی چاہئے اور اس کے بھید کا افشاء بھی نہیں کرنا چاہئے، اور ایک روایت میں ہے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کو کوئی ایسا مشورہ دے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ اس کی بھلائی اس کے علاوہ میں ہے تو یقیناً اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّؤْمِ

باب ۵۶: بدشگونی (نحوست) کا بیان

(۲۷۴۹) الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةِ فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالْذَّائِبَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے عورت رہائش گاہ

(۲۷۵۰) لَا شُومَ وَقَدْ يَكُونُ الْيَمْنُ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے نحوست کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی البتہ کبھی گھر میں عورت میں یا گھوڑے میں برکت ہوتی ہے۔

تشریح: (۱) امام مالک رحمہ اللہ نے احادیث کو اپنے ظاہری معنی پر محمول فرمایا ہے کہ ان چیزوں یعنی گھر عورت اور گھوڑے سے بدشگونی اور نحوست آتی ہے بسا اوقات ان کی وجہ سے ضرور نقصان اور ہلاکت و بربادی ہو جاتی ہے لہذا ان تین چیزوں میں نحوست کی احادیث اس عام قانون سے مستثنیٰ ہیں کہ بدشگونی اور بدفالی نہیں ہوتی۔

(۲) بعض علماء کے نزدیک یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ﴾ (الحید: ۲۲) سے منسوخ ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز میں کوئی نحوست اور شوم نہیں بس جو مصیبت و آفت وغیرہ آتی ہے تو وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کی وجہ سے ہے۔

(۳) بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ کلام حرف شرط کے ساتھ ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ان کا ان الشوم کی تصریح ہے مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر کسی چیز میں نحوست ہو سکتی ہے تو وہ عورت گھر اور گھوڑے میں ہو سکتی ہے لیکن چونکہ نحوست کسی چیز میں نہیں ہوتی اس لیے ان تین چیزوں میں بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تو اس حدیث یعنی ان کا ان الشوم کے معنی یہ ہیں کہ اگر نحوست اور بدشگونی کی کوئی حقیقت اور اس کا ثبوت ہوتا تو ان تین چیزوں میں ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ نحوست اور شوم ثابت نہیں تاہم جسے دنیا میں نیک بیوی اچھی رہائش اور سکون سواری مل گئی تو یہ اس کی سعادت ہے اور جو ان میں آزمائش میں مبتلا ہو گیا تو یہ اس کی بد نصیبی اور بد بختی کی علامت ہے۔

(۴) بعض علماء فرماتے ہیں کہ شوم کی دو قسمیں ہیں ایک شوم بمعنی نحوست ہے اور دوسرا شوم بمعنی عدم موافقت ہے اس کی احادیث میں شوم سے عدم موافقت کے معنی مراد ہیں اور لاعدوی ولا طیرۃ میں شوم سے نحوست کے معنی مراد ہیں اس صورت میں گھر میں شوم کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ گھر تنگ ہو پڑوسی اچھے نہ ہوں یا وہاں کی آب و ہوا مزاج کے موافق نہ ہو اسی طرح عورت میں شوم کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو زبان دراز ہو عفت و پاکدامنی کا خیال نہ رکھتی ہو اور گھوڑے میں عدم موافقت کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہاد میں کام نہ آئے سرکش ہو یا اس کی قیمت برداشت سے باہر ہو۔

دو مسئلوں میں روایات متعارض ہیں:

ایک: مرض کا تعدیہ، اس میں لاعدوی کی روایت بھی ہے، اور ﴿فَرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ﴾ کی روایت بھی ہے پہلی روایت سے چھوٹ چھات کی نفی ہوتی ہے، اور دوسری روایت سے اثبات ہوتا ہے۔

دوم: نحوست کا مسئلہ اس میں لا شوم کی روایت بھی ہے اور الشوم فی ثلاثہ (نحوست تین چیزوں میں ہوئی) کی بھی، اور ایک تیسری روایت بین بین ہے، یعنی ان کا ان الشوم فی شئی (اگر نحوست کسی چیز میں ہوئی) پہلی روایت سے نحوست کی نفی ہوتی

ہے، اور دوسری روایت سے اثبات ہوتا ہے، اور تیسری روایت سے احتمال پیدا ہوتا ہے۔

اور دونوں مسئلوں میں تطبیق ایک ہے، یعنی فی نفسہ دونوں باتیں منتهی ہیں اور لغیرہ دونوں باتیں ثابت ہیں، یعنی کوئی بیماری بذاتِ خود دوسرے کو نہیں لگتی، مگر بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط من جملہ اس مرض ہے، اس لئے ایسے مریضوں سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اسی طرح نحوست کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام کسی چیز میں فی نفسہ نحوست نہیں مانتا، مگر موافق ناموافق آنے کے اعتبار سے بعض چیزوں میں خوبی اور خرابی ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: نحوست تین چیزوں میں ہے: عورت میں گھر میں اور چوپائے (گھوڑے) میں یہ تین چیزیں بطور مثال ذکر کی ہیں، چونکہ یہ تین چیزیں انسان سے قریبی تعلق رکھتی ہیں اس لئے اگر یہ تین چیزیں موافق آئیں تو زہر ہے نصیب! اور اگر ناموافق ہوئیں تو پریشانی کی کوئی حد نہیں رہے گی، اور دوسری حدیث میں ہے، اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو عورت، چوپائے اور گھر میں ہوتی، یعنی جن چیزوں کے ساتھ مزاولت وقتی ہوتی ہے ان میں موافقت ناموافقت کا بہت زیادہ خیال کرنا ضروری نہیں، مگر جن چیزوں سے ہمیشہ کا ساتھ ہوتا ہے ان میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور تیسری حدیث میں ہے: لا شوم: نحوست کا عقیدہ غلط ہے۔ وقد یكون الیمن فی الدار والمرأة والفرس: البتہ کبھی گھر، عورت اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے، یعنی یہ چیزیں کبھی موافق آتی ہیں۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ یہ چیزیں کبھی ناموافق بھی ہوتی ہیں، پس اس حدیث میں دونوں باتوں کا ایک ساتھ اثبات ہے، اول: اسلام کسی چیز میں نحوست کا قائل نہیں۔ دوم: موافق و ناموافق ہونے کے اعتبار سے برکت و نحوست ہو سکتی ہے، اور ہر چیز میں ہو سکتی ہے، مگر جن چیزوں کے ساتھ بکثرت مزاولت رہتی ہے ان میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے، اگر گھر عورت اور گھوڑا ناموافق ثابت ہوں تو ان کو بدل دینا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَتَنَاجَى اِثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ

باب ۵۷: تیسرے کو چھوڑ کر دو شخص سرگوشی نہ کریں

(۲۷۵۱) إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اِثْنَانِ دُونَ صَاحِبِهِمَا وَقَالَ سُفْيَانُ فِي حَدِيثِهِ لَا يَتَنَاجَى اِثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ فَإِنَّ ذَلِكَ يَحْزَنُهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب تم تین افراد موجود ہو تو دو آدمی اپنے تیسرے ساتھی کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی میں بات نہ کرو۔

تشریح: اگر کسی جگہ تین شخص ہوں، اور ان میں سے دوسرگوشی کرنے لگیں تو تیسرا پریشان ہوگا، اس لئے حدیث میں ایسا کرنے کی ممانعت آئی ہے، البتہ اگر چار چار یا زیادہ آدمی ہوں تو ان میں سے دو شخص سرگوشی کر سکتے ہیں، کیونکہ جو باقی بچیں گے وہ آپس میں باتیں کریں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِدَّةِ

باب ۵۸: وعدے کا بیان

(۲۷۵۲) رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَبْيَضَ قَدْ شَابَ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشَبِّهُهُ وَأَمَرَ لَنَا بِغَلَاثَةِ عَشَرَ قُلُوصًا فَذَهَبْنَا نَقْبِضُهَا فَأَتَانَا مَوْتُهُ فَلَمْ يُعْطَوْا شَيْئًا فَلَبَّأْنَا قَامَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عِدَّةٌ فَلْيَجِئْ فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَأَخْبَرْتُهُ فَأَمَرَ لَنَا بِهَا.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے آپ ﷺ کا رنگ سفید تھا اور بالوں میں بھی کچھ سفیدی آچکی تھی حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے نبی اکرم ﷺ نے ہمیں تیرہ جوان اونٹنیاں دینے کا حکم دیا پھر ہم انہیں وصول کرنے کے لیے گئے تو اس وقت آپ کا انتقال ہو چکا تھا آپ ہمیں کوئی چیز نہیں دے سکے جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے جانشین ہوئے تو انہوں نے فرمایا جس شخص کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے کوئی وعدہ کیا تھا وہ آگے آئے تو میں ان کے پاس گیا اور میں نے انہیں اس بارے میں بتایا تو انہوں نے ہمیں وہ اونٹنیاں دینے کا حکم دیا۔

(۲۷۵۳) رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشَبِّهُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

تشریح: وعدہ ایک اخلاقی قرض ہے، اس لئے اگر کسی سے کوئی وعدہ کیا ہے تو اس کو پورا کرنا چاہئے۔ اسی طرح اگر کسی نے کوئی وعدہ کیا ہو اور وہ شخص اپنی زندگی میں اس کو پورا نہ کر سکا ہو تو اس کے پسماندگان اور جانشینوں کو چاہئے کہ وہ مرحوم کا وعدہ پورا کریں، اور یہ بھی اخلاقی بات ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالنے کے بعد نبی ﷺ کے لئے ہوئے تمام وعدے پورے کئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي

باب ۵۹: نبی ﷺ کا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کہنا

(۲۷۵۴) مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَجْعَلُ أَبَوَيْهِ لِأَحَدٍ غَيْرِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نبی اکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا (میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں)۔

(۲۷۵۵) مَا يَجْعَلُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبَاكَ وَأُمَّهُ لِأَحَدٍ إِلَّا لِسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ لَهُ يَوْمَ أُحُدٍ اذِمَّ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي وَقَالَ لَهُ اذِمَّ أَيُّهَا الْغُلَامُ الْخُزُورُ.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے اپنے والدین کو جمع نہیں (یعنی یہ الفاظ استعمال نہیں کئے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں) نبی اکرم ﷺ نے غزوہ اُحد کے دن ان سے یہ فرمایا تم تیر اندازی جاری رکھو میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں (راوی کو شک ہے یا یہ الفاظ ہیں) آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اے بہادر جوان تم تیر اندازی جاری رکھو۔

(۲۷۵۶) جَمَعَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبَوَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ قَالَ إِزِمِ فِدَاكَ ابْنِي وَأُحْيِي.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے نبی اکرم ﷺ نے غزوہ اُحد کے دن اپنے والدین کو میرے لیے جمع کیا تھا آپ ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں تم تیر اندازی جاری رکھو۔
تَشْرِیْح: فداک ابی و اُحی: میرے ماں باپ آپ پر قربان!۔ المفدی: جس پر جان قربان کی گئی، محبوب خلاق۔ جان نثار کرنا آخری درجہ کا جذبہ ہے، اس کا مطلب ہے: جو مصیبت مخاطب پر آنے والی ہے وہ متکلم پر آئے، مخاطب بچ جائے، یا وہ مصیبت متکلم کے ماں باپ پر آئے اور مخاطب بچ جائے، یہ بہت بڑا ایثار ہے، نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کے احوال معلوم کرنے کے لئے بھیجا، جب وہ لوٹ کر آئے اور احوال بتائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: فداک ابی و اُحی: میرے ماں باپ آپ رضی اللہ عنہ پر قربان! اسی طرح جنگ اُحد کے موقع پر بھی آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تیر چلاؤ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! اور دوسری روایت میں ہے: آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ارم ایہا الغلام الحزور: اے طاقت ور لڑکے! تیر چلا، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے لئے نبی ﷺ نے ماں باپ دونوں کو جمع نہیں فرمایا۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے بہت بڑی فضیلت ہے۔

فائدہ: ایک غزوہ اُحد کے موقع پر دوسرا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے اور تیسرا غزوہ خندق کے دن حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے لیے، روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے کہا ہے بظاہر تعارض ہے۔
جواب ①: واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے علم اور سماع کے مطابق کہی ہے ورنہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام کے لیے بھی یہ جملہ استعمال فرمایا ہے

جواب ②: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ غزوہ اُحد کے دن حضرت محمد ﷺ نے یہ جملہ صرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے استعمال فرمایا ہے کسی اور صحابی کے لیے استعمال نہیں فرمایا۔ اس جواب کے لحاظ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي يَابُنْيَ!

باب ۶۰: نبی ﷺ کا: اے میرے پیارے بچے! کہنا

(۲۷۵۷) قَالَ لَهُ يَابُنْيَ.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا اے میرے بیٹے۔

تشریح: بنی: ابن کی تصغیر ہے، اور پیار کے لئے ہے، اور اپنے بچہ کے علاوہ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو یا بنی کہہ کر پکارا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ اسْمِ الْمَوْلُودِ

باب ۶۱: نومولود کا نام جلدی رکھنا

(۲۷۵۸) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِتَسْوِيَةِ الْمَوْلُودِ يَوْمَ سَابِعِهِ وَوَضَعَ الْأَذَى عَنْهُ وَالْعَقِي.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ساتویں دن بچے کا نام رکھنے اس کے بال مونڈنے اور اس کا عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

تشریح: بچے کا نام پیدائش سے پہلے بھی رکھا جاسکتا ہے، بعض بزرگوں کے واقعات میں ہے کہ انھوں نے پیدائش سے پہلے ہی نام رکھا تھا، اور پیدائش کے دن بھی نام رکھا جاسکتا ہے، اور بعد میں بھی رکھا جاسکتا ہے، مگر بہت زیادہ تاخیر نہیں کرنی چاہئے، ساتویں دن تو نام رکھ ہی لینا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْأَسْمَاءِ

باب ۶۲: اچھے نام کون سے ہیں؟

(۲۷۵۹) أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔

(۲۷۶۰) إِنَّ أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہے۔

تشریح: اور جس نام میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں وہ نام اللہ کو زیادہ پسند ہے، پھر عبد اللہ اور عبد الرحمن اگر بطور مثال ہیں تو عبد الرحیم اور عبد القیوم وغیرہ نام بھی پسندیدہ ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ یہی دو نام مراد ہیں، اور یہ نام اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب دو وجہ سے ہیں:

پہلی وجہ: شریعت نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے جو تدابیر اختیار کی ہیں ان میں سے ایک تدبیر یہ ہے کہ دنیوی معاملات میں ذکر الہی شامل کیا جائے، تاکہ وہ دعوت حق کا ذریعہ بن جائے۔ پس جب بچہ کا نام عبد اللہ یا عبد الرحمن ہوگا اور اس نام سے پکارا جائے گا تو توحید کی یاد تازہ ہوگی۔

دوسری وجہ: عرب و عجم میں اپنے معبودوں کے نام سے نام رکھنے کا رواج ہے، پس جب نبی ﷺ کی بعثت نشان ہائے توحید کو قائم کرنے کے لئے ہوئی تو ضروری ہوا کہ ناموں میں بھی اس کا لحاظ کیا جائے، اور ایسے نام رکھے جائیں جن سے توحید کا اعلان ہو۔
اعتراض: ان دو ناموں کے علاوہ اور بھی نام ہیں، جن میں عبد کی اضافت اللہ کی کسی صفت کی طرف کی جاتی ہے، جیسے عبد الرحیم، عبد الحلیم، عبد السمیع وغیرہ، اور ان سے توحید کا اعلان ہوتا ہے، پھر مذکورہ دو نام ہی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کیوں ہیں؟
جواب: یہ دو نام اللہ کے مشہور نام ہیں اللہ تو اسم علم (ذاتی نام) ہے اور الرحمن: صفت خاصہ ہے، غیر اللہ پر ان دونوں کا اطلاق نہیں ہوتا، اور دیگر صفات کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے، اس لئے یہی دو نام اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يَكْرَهُ مِنَ الْأَسْمَاءِ؟

باب ۶۳: ناپسندیدہ نام کون سے ہیں؟

(۲۷۶۱) لَا تُهَيِّنَنَّ أَنْ يُسَمَّى رَافِعٌ وَبَرْكَةٌ وَيَسَارٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں اس بات سے منع کرتا ہوں کہ رافع برکہ اور یسار نام رکھا جائے۔

(۲۷۶۲) لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَّاحٌ وَلَا أَفْلَحٌ وَلَا يَسَارٌ وَلَا نَجِيحًا يُقَالُ أَتَمَّ هُوَ فَيُقَالُ لَا.

ترجمہ: حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تم اپنے بچے کا نام رباح یسار فلاح اور نجیح نہ رکھو کیونکہ جب اس کے بارے میں پوچھا جائے گا کیا وہ ہے؟ تو جواب دیا جائے گا نہیں ہے۔

(۲۷۶۳) أَخْنَحُ اسْمٌ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ تُسَمَّى بِمِلْكٍ الْأَمْلَاكِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہیں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پتہ چلا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برے نام والا وہ شخص ہوگا جس کو دنیا میں ملک الاملاک کہا جائے گا۔
تشریح: ان مذکورہ احادیث میں چند ایسے ناموں کو بیان کیا گیا ہے جنہیں کسی انسان کے لیے رکھنا ناپسندیدہ قرار دیا ہے مثلاً: یسار، فلاح وغیرہ، اور حدیث شمرہ میں یہ کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اس طرح کے نام والے شخص کو مثلاً یسار کو بلایا کہ گھر میں موجود ہے، جواب ملا کہ نہیں ہے، یہ جواب اگرچہ اس خاص انسان کے اعتبار سے تو درست ہے مگر لفظ ”یسار“، کے حقیقی معنی مالدار یا تو نگری کے اعتبار سے درست نہیں ہوگا کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ گھر میں غناء و مالدار اور خوشحالی نہیں ظاہر ہے کہ اس طرح کا جواب دینا برا ہے اور بدشگونی بھی ہے مذکورہ دیگر اسماء کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارادہ کیا کہ یعلیٰ، برکہ، فلاح، یسار اور نافع وغیرہ نام رکھنے سے منع کر دیں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس سے خاموش رہے آپ ﷺ کی وفات ہو گئی اور منع نہیں فرمایا۔

سب سے ناپسندیدہ نام:

اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ نام اور ذلیل ترین نام یا لقب شہنشاہ ہے جس شخص کا یہ نام ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی ذلیل اور ناپسند ہوتا ہے کیونکہ یہ صفت اللہ جل جلالہ کی ہے وہ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے ”ملک الاملاک“ کی تفسیر ”شاہان شاہ“ (جس کو آسانی کے لیے شہنشاہ بھی پڑھتے ہیں اور بولتے ہیں) سے کی ہے چونکہ عجمیوں اور خاص کر فارسی بولنے والوں میں اس نام کا رواج تھا اس لیے سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر کر کے بتلادیا کہ ممانعت کا یہ حکم صرف عربی زبان کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس مفہوم کا نام رکھا جائے گا تو وہ بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔

رفع تعارض: ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، پہلی حدیث ان ناموں کے جواز پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کا ارادہ فرمایا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک ان سے نہیں روکا، اور دوسری حدیث میں صریح ممانعت وارد ہے، اور مدلل ہے۔

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ دوسری روایت میں نہی شرعی نہیں، بلکہ ارشادی ہے، یعنی شرعی نام ناجائز نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھے جائیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک مشورہ دیا ہے، اور ان کو بھلائی کی بات بتائی ہے، اور یہ توجیہ اس لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثرت سے یہ نام رکھتے تھے، اگر ناجائز ہوتے کیوں رکھتے؟

نہایت بیہودہ نام

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْأَسْمَاءِ

باب ۶۴: برے ناموں کو بدل دینا

(۲۷۶۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَيَّرَ اسْمَ عَاصِيَةَ وَقَالَ أَنْتِ جَمِيلَةٌ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیہ کا نام تبدیل کر دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جمیلہ ہو۔

(۲۷۶۵) أَنَّ النَّبِيَّ كَانَ يُغَيِّرُ الْأَسْمَ الْقَبِيحَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ بْنُ نَافِعٍ وَرُبَّمَا قَالَ عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔

تشریح: اولاد کے باپ پر تین حق ہیں:

- ① نیک عورت سے شادی کرنا، تاکہ اس کی کوکھ سے نیک اولاد پیدا ہو، کیونکہ ماں کے صلاح و فساد کا اولاد پر اثر پڑتا ہے۔
- ② جب اولاد پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھنا، کیونکہ حدیث میں ہے: ہر نام کا حصہ ہے، یعنی جیسا نام ہوگا ویسا مسمیٰ ہوگا۔ عاقل نام ہو گا اور اس کو بار بار اس نام سے پکارا جائے گا تو اس میں عقلمندی پیدا ہوگی اور اگر بدھونا نام رکھا جائے گا اور اس کو بار بار اس نام سے پکارا جائے گا تو وہ نا سمجھ بن جائے گا۔
- ③ اولاد کی اچھی تربیت کرنا۔ حدیث میں ہے: کسی باپ نے اچھی تربیت سے بہتر اولاد کو کوئی ہدیہ نہیں دیا۔ یعنی اولاد کے لئے مال

چھوڑنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کی دینی تربیت پر مال خرچ کیا جائے اس سے بہتر اولاد کے لئے کوئی گفت نہیں۔
پس اگر کسی بچہ کا برانام چل پڑے تو اس کو روکنا چاہئے، جیسے: گڈو، پپو وغیرہ، اسی طرح اگر کسی وجہ سے نامناسب نام رکھ دیا تو علم ہونے پر اس کو بدل دینا چاہئے، نبی ﷺ نے ایک لڑکی جس کا نام عاصیۃ (نافرمان) تھا اس کو بدل کر جمیلۃ (خوبصورت) کر دیا تھا، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ ہر برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ النَّبِيِّ ﷺ

باب ۶۵: نبی ﷺ کے ناموں کا بیان

(۲۷۶۶) إِنْ لِي أَسْمَاءَ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ فِي الْكُفْرِ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدْحِي وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدِي نَبِيٌّ.

ترجمہ: محمد بن جبیر اپنے والد (حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میرے چند نام ہیں میں محمد ہوں میں احمد ہوں میں ماحی (مٹانے والا) ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر (ہوں اکٹھا کرنے والا) کہ لوگوں کو میرے قدموں میں اکٹھا کیا جائے گا اور میں عاقب (بعد میں آنے والا ہوں) کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔
دبظ: ناموں کے ابواب کے سلسلہ میں یہ اس لئے لائے ہیں کہ محمد اور احمد پسندیدہ نام ہیں، کیونکہ لوگ قابل احترام اسلاف کے ناموں پر نام رکھتے ہیں، اور یہ دونوں نام سرور کونین ﷺ کے ہیں، نیز ان ناموں سے بھی دین اسلام کا تعارف ہوتا ہے، اور اس کی شان بلند ہوتی ہے، کیونکہ یہ نام رکھنے میں اس بات کا اعتراف ہے کہ نام رکھنے والے اور جس کا نام رکھا گیا ہے: سب حضرت خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے دین کو ماننے والے ہیں۔

نام دو طرح کے ہیں: ذاتی اور وصفی: اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نام دو طرح کے ہیں: ایک اسم علم یعنی ذاتی نام جو شخصیت کی تعیین کے لئے ہوتا ہے، دوسرا وصفی نام جو خوبیوں کے اظہار کے لئے ہوتا ہے، اور اسم علم تو ایک ہوتا ہے مگر اسم وصف متعدد ہو سکتے ہیں، کیونکہ کبھی کسی ذات میں اتنی خوبیاں جمع ہوتی ہیں کہ ایک لفظ ان کی ترجمانی کے لئے کافی نہیں ہوتا، اس لئے متعدد اسمائے اوصاف استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے حضرت اقدس (بڑے حضرت) قطب الارشاد (دینی راہنمائی کا مرکز) محدث کبیر مصلح اعظم، داعی سنت، ماحی بدعت، مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب قدس سرہ اس میں رشید احمد اسم علم ہے، باقی سب اسمائے اوصاف ہیں، جو حضرت گنگوہی رضی اللہ عنہ کی خوبیوں کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

نبی ﷺ کے پانچ خاص نام:

پہلا نام: محمد (ﷺ) یہ حمد (تفعل: بار بار تعریف کرنا) سے اسم مفعول ہے، جس کے معنی ہیں: ستودہ، تعریف کیا ہوا، یہ خاندانی نام ہے، اور اس میں معنی کا لحاظ بھی ہے، یعنی وہ شخصیت جس کی ہر کسی نے تعریف کی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی تعریف کی ہے، نبیوں نے بھی تعریف کی ہے، اپنوں نے بھی تعریف کی ہے، اور پرایوں نے بھی تعریف کی ہے۔

دوسرا نام: احمد (رَضِیَ اللہُ عَنْہُ) اسم تفضیل بروزن اکبر ہے: سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، یعنی اللہ کی کائنات میں ایسا کوئی نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کی اتنی تعریف کی ہو جتنی آپ ﷺ نے کی ہے، انبیائے بنی اسرائیل کی کتابوں میں آپ ﷺ کی پیش خبری اسی نام سے تھی، حضرت عیسیٰ نے بھی اسی نام سے بشارت دی ہے، جس کا تذکرہ سورۃ الصف (آیت ۶) میں ہے۔

تیسرا نام: ماجی (مٹانے والا) یعنی دنیا سے کفر کا خاتمہ کرنے والا، اس نام کی وجہ تسمیہ حدیث میں یہ آئی ہے: الذی یمحو اللہ بی الکفر۔ یعنی میرا نام ماجی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو مٹائیں گے، جو سورۃ القف (آیت ۹) میں آیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (القف: ۹)

چوتھا نام: حاشر (جمع کرنے والا) اس نام کی وجہ تسمیہ حدیث میں یہ آئی ہے: الذی یحشر الناس علی قدھی: میرا نام حاشر اس لئے ہے کہ لوگ میرے دونوں قدموں پر جمع کئے جائیں گے، یعنی آپ ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کے زمانہ میں قیامت قائم ہوگی، اور لوگ میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں۔

پانچواں نام: عاقب (پیچھے آنے والا) عقبہ کے معنی ہیں: پیچھے آنا، اور اس نام کی وجہ تسمیہ حدیث میں یہ آئی ہے: الذی لیس بعدی نبی: میرا نام عاقب اس لئے ہے کہ میرے بعد نبی نہیں، یعنی آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آنے والے ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، اس لئے آپ ﷺ عاقب ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْجَمْعِ بَيْنَ اسْمِ النَّبِيِّ ﷺ وَكُنْيَتِهِ

باب ۶۶: نبی ﷺ کے نام اور کنیت کو جمع کرنے کی ممانعت

(۲۷۶۷) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يَجْمَعَ أَحَدٌ بَيْنَ اسْمِهِ وَكُنْيَتِهِ وَيُسَمِّيَ مُحَمَّدًا أَبَا الْقَاسِمِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کے نام اور آپ ﷺ کی کنیت کو اپنے لیے ایک ساتھ استعمال کرے اور وہ ابو القاسم محمد نام رکھے۔

(۲۷۶۸) رَوَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا فِي السُّوقِ يُنَادِي يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ لَهُ أَعْنِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَكُنْ وَأَبْكَ كُنْيَتِي.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات منقول ہے آپ ﷺ نے بازار میں ایک شخص کو بلند آواز میں ابو القاسم کہتے ہوئے سنا نبی اکرم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے عرض کی میں نے آپ ﷺ کو نہیں بلایا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا میری کنیت کے مطابق کنیت اختیار نہ کرو۔

(۲۷۶۹) إِذَا سَمَّيْتُمْ فِي فَلَا تَكُنْ تُؤَابِي.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب تم میرے نام حبیب (اپنے بچوں کا) نام رکھو تو میری کنیت

جیسی کنیت اختیار نہ کرو۔

(۲۷۷۰) أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتَ أَنْ وَلَدَ لِي بَعْدَكَ أَسْمِيهِ مُحَمَّدًا وَأُكْنِيهِ بِكُنْيَتِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَكَانَتْ رُحْصَةً لِي.

ترجمہ: محمد بن حنفیہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے اگر آپ ﷺ کے بعد میرے گھر کوئی بیٹا ہو تو میں اس کا نام محمد رکھ سکتا ہوں اور آپ کی کنیت استعمال کر سکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ اجازت میرے لیے تھی۔

تشریح: نبی ﷺ کا نام پاک محمد (ﷺ) تھا اور کنیت ابو القاسم (ﷺ) تھی، اور دونوں کو جمع کرنے کی ممانعت آپ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی، وجہ بعد میں آرہی ہے۔

پہلی تین روایتوں میں جو ممانعت ہے وہ دور نبوی کے ساتھ خاص ہے، تاکہ نبی ﷺ کے لئے یہ بات باعث الجھن نہ بنے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ابو القاسم کنیت رکھنے کی ممانعت کی تین وجوہ اور بھی بیان کی ہیں۔ کیونکہ صحابہ وغیرہ آپ ﷺ کو نام سے نہیں پکارتے تھے، مسلمان یا رسول اللہ! کہہ کر خطاب کرتے تھے، اور یہود وغیرہ ابو القاسم کہتے تھے، اس لئے نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں تھا، مگر ابو القاسم کنیت رکھنے میں اشتباہ کا اندیشہ تھا، جیسا کہ تیسری حدیث میں آیا ہے، اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایسا کوئی اندیشہ باقی نہ رہا اس لئے آخری حدیث میں آپ ﷺ نے دونوں کو جمع کرنے کی اجازت دے دی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ یہ اجازت میرے لئے تھی: علماء کا خیال ہے کہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ یہ اجازت عام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِنْ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةٌ

باب ۶۷: بعض اشعار پر حکمت ہوتے ہیں

(۲۷۷۱) إِنْ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةٌ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بیا کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

(۲۷۷۲) إِنْ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

تشریح: اشعار کے میں روایات مختلف آئی ہیں، ایک حدیث میں آدمی کا پیٹ ایسی پیپ سے بھر جائے جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے، اس سے بہتر ہے کہ وہ (گندے) اشعار سے بھر جائے (متفق علیہ، مشکوٰۃ حدیث ۷۹۲۷ یہ حدیث آگے آرہی ہے حدیث ۲۸۶۰) اور اشعار کی تعریف میں درج ذیل روایات ہیں۔

رفع تعارف: ان حدیثوں کے مصداق الگ الگ ہیں، کیونکہ اشعار: کلام ہیں، پس اچھا کلام اچھا ہے، اور برا کلام برا ہے،

سنن دارقطنی میں سند حسن سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے اشعار کا تذکرہ کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہو کلام: فحسنہ حسن، وقبیحہ قبیح: اشعار بھی ایک کلام ہیں، پس جو اچھے اشعار ہیں وہ اچھے ہیں، اور جو برے اشعار ہیں وہ بُرے ہیں۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۸۰۷)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنْشَادِ الشَّعْرِ

باب ۶۸: زور سے اشعار پڑھنا

(۲۷۷۳) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَضَعُ لِحْسَانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُخَرِّعُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَوْ قَالَتْ يُنَافِخُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَيَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ حَسَانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا يُفَاخِرُ أَوْ يُنَافِخُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے وہ اس پر کھڑے ہو جاتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نثریہ اشعار پیش کیا کرتے تھے۔ (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے کفار کے اعتراضات کے جوابات دیا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ، روح قدس کے ذریعے حسان کی تائید کرتا رہتا ہے جب تک یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف نثریہ کلام کہتا ہے یا اعتراضات کے جوابات دیتا ہے۔

(۲۷۷۴) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْهِ يَمْشِي وَهُوَ يَقُولُ -
خَلُّوا بَيْنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ أَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ
ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ
فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَرَمِ اللَّهِ تَقُولُ الشَّعْرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ فَلَهَايَ أَسْرَعَ فِيهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عمرہ قضاء کے موقع پر نبی اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے آگے چل رہے تھے اور وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

”اے کفار کی اولاد! آپ ﷺ کے راستے کو خالی کر دو آج کے دن ان کی تشریف آوری پر ہم تمہیں اس طرح ماریں گے جو مار دماغ کو اس کی جگہ سے ہلا دے گی اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے ابن رواحہ کیا تم نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں اس طرح کے شعر سنارہے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا عمر اسے رہنے دو یہ ان (کفار) کے لیے تیروں سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔“

(۲۷۷۵) قِيلَ لَهَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَمَثَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ الشَّعْرِ قَالَتْ كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشَعْرِ بْنِ رَوَاحَةَ وَيَقُولُ
وَيَا تَيْتِكَ بِأَلَا خُبَارٍ مَنْ لَمْ تَزُودِ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات منقول ہے ان سے دریافت کیا گیا نبی اکرم ﷺ مثال کے طور پر کوئی شعر بھی پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا نبی اکرم ﷺ حضرت ابن رواحہ کا یہ شعر مثال کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔ وہ تمہارے پاس ان چیزوں کی اطلاع لے کر آئے گا جس کی تم نے تیار نہیں کی۔

(۲۷۷۶) أَشْعُرُ كَلِمَةً تَكَلَّمْتُ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةً لَبِيدٍ إِلَّا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کسی بھی عرب شاعر نے جو کلمات کہے ہیں ان میں سب سے بہتر شعر لبید کا یہ مصرعہ ہے۔ جان لو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے فانی ہے۔

(۲۷۷۷) جَالَسْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ فَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشِدُونَ الشَّعْرَ وَيَتَذَكَّرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ فَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ایک سو سے زیادہ مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوں آپ ﷺ کے اصحاب شعر سنایا کرتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتے تھے نبی اکرم ﷺ خاموش رہتے تھے بعض اوقات آپ ﷺ ان کے ساتھ مسکرا دیا کرتے تھے۔

تشریح: کفار کے شعراء: اسلام کی مسلمانوں کی اور نبی ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس کا جواب دیتے تھے، اور وہ اشعار مسجد نبوی میں سنائے جاتے تھے، تاکہ مجمع سن کر اشعار منتقل کرے، اور وہ اشعار مکہ تک پہنچیں، اس زمانہ میں بات پھیلانے کا یہی طریقہ تھا۔

وهذا أصح عند بعض أهل الحديث لان عبد الله بن رواحة قتل يوم موته

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ سے سہو ہوا ہے کیونکہ عمرۃ القضاء غزوہ موتہ سے پہلے واقع ہوا ہے اس موقع پر حضرت عبد اللہ بن رواحہ موجود نہ تھے یہ ذی قعدہ ۷ھ میں پیش آیا جبکہ غزوہ موتہ کے لیے آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں سریہ روانہ فرمایا ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ غزوہ موتہ پہلے اور عمرۃ القضاء بعد میں پیش آیا ہے۔ درست نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَأَنْ يَمْتَلِيَّ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيَّ شِعْرًا

باب ۶۹: اشعار سے پیٹ بھرنے سے بہتر ہے پیپ سے پیٹ بھرنا

(۲۷۷۸) لَأَنْ يَمْتَلِيَّ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيَّ شِعْرًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی بھی شخص کے دماغ کا پیپ سے بھر جانا جو اس کو کھا رہی

ہو اس کے لیے اس چیز سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔

(۲۷۷۹) لَأَنْ يُمْتَلَى جَوْفُ أَحَدٍ كُمْ قَيْحًا يَرِيهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يُمْتَلَى بِشَعْرًا.

ترجمہ: محمد بن سعد اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی بھی شخص کے دماغ کا پیپ سے بھر جانا اس شخص کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔
لغات: قیح: پیپ جوف پیٹ۔ ان یمتلی: کہ وہ بھر لے یریه وہ پیپ جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے بعض نے کہا وہ بیماری جو پھیپھڑے تک پہنچ جائے اور اسے خراب اور زخمی کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَيَانِ

باب ۷۰: فصاحت و بیان کا بیان

(۲۷۸۰) إِنَّ اللَّهَ يَبْغِضُ الْبَلِغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا تَتَخَلَّلُ الْبَقَرَةُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے بلیغ شخص کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی زبان کے ذریعے اس طرح باتوں کو لپیٹتا ہے جیسے گائے چارے کو لپیٹتی ہے (یعنی بے معنی اور لالی یعنی گفتگو کرتا ہے)۔
تشریح: کلام میں بناوٹ کرنا، بہ تکلف فصاحت کا مظاہرہ کرنا، گلا پھاڑ پھاڑ کر بولنا، اشعار کی بہتات کرنا اور اس قسم کی دوسری باتوں میں وقت برباد کرنا ایک طرح کا سامان تفریح ہے، جو دین و دنیا سے غافل کرتا ہے، اور تفاخر اور نام و نمود کا باعث بنتا ہے، اس لئے شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا۔

تشریح: فطری اور خداوند فصاحت و بلاغت نعمت خداوندی ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: انا افصحکم: میں تم میں فصیح ترین ہوں اور آگے روایت آرہی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی فصاحت و بلاغت میں کمال حاصل تھا، مگر بناوٹ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اس حدیث میں اسی کی برائی ہے۔

حدیث میں تشبیہ کے طور پر صرف گائے کا ذکر کیا کیونکہ دوسرے جانور اپنے دانتوں کے ذریعہ کھاتے ہیں جبکہ گائے اپنی زبان کو لپیٹ کر چارہ کھاتی ہے اس تشبیہ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح گائے اپنے چارے میں اچھے اور برے میں کوئی فرق نہیں کرتی بلکہ جو کچھ اس کے سامنے ہو اسے وہ جلدی سے کھا لیتی ہے اسی طرح زبان دراز شخص اپنے مخصوص مقصود کو حاصل کرنے کے لیے ہر انداز اور ہر قسم کی خوشامد پر مبنی کلام کرتا ہے تاکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے اور تجربہ یہ ہے کہ ایسا بندہ زبان کی بہت سی بے اعتدالیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لیے اپنی بات دوسروں سے اچھے انداز سے ضرور کی جائے اور بغیر کسی تکلف کے اگر اس میں فصاحت و بلاغت کا استعمال ہو جائے تو یہ بھی مذموم نہیں اور نہ ہی اس وعید میں داخل ہے لیکن اپنی تحریر و بیان اور کلام میں ضرورت سے زیادہ فصاحت و بلاغت سے گریز کیا جائے کہ یہ ناپسندیدہ ہے۔

لغات: یبغض: مبغوض اور ناپسند کرتا ہے یتخلل بلسانہ: اپنی زبان کو لپیٹ کر باتیں کرتا ہے یعنی منہ پھاڑ پھاڑ

کرباتیں کرتا ہے۔ البلیغ: اپنے کلام و بیان میں زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرنے والا ہے۔ يتخلل البقرة: جس طرح گائے اپنی زبان سے لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنے چارے کو کھاتی ہے۔

چند آداب زندگی جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے

(۲۷۸۳) خَمَرُوا الْأَنْيَةَ وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَاجْتَفُوا الْأَبْوَابَ وَأَطْفُوا الْمَصَابِيحَ فَإِنَّ الْفَوَيْسِقَةَ رُبَّمَا جَزَّتِ الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (سوتے وقت) برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو کچھ چیزوں کا منہ بند کر دیا کرو دروازے بند کر دیا کرو چراغ بجھا دیا کرو کیونکہ بعض اوقات کوئی چوہا جتنی کو گھسیٹ کر لے جاتا ہے اور پورے گھر والوں کو جلا دیتا ہے۔

۲۷۸۵۔ ابواب الاطعمہ ۱۵، حدیث ۱۸۰۶ میں یہ حدیث تفصیل سے آئی ہے۔

خوش حالی اور خشک سالی میں سفر کرنے کا طریقہ

(۲۷۸۵) إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْحَصْبِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نَقِيئَهَا وَإِذَا عَرَّسْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ فَإِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب تم سبزے کی فردانی کے دنوں میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین میں سے ان کا حصہ دو اور جب تم خشک سالی کے موقع پر سفر کرو تو تیزی کے ساتھ سفر پورا کرنے کی کوشش کرو اور جب تم رات کے وقت پڑاؤ کرو تو راستے سے ایک طرف ہو جاؤ چونکہ یہ رات کے وقت جانوروں اور حشرات الارض کے گزرنے کی جگہ ہے۔ تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سفر سے متعلق تین آداب ذکر فرمائے ہیں:

(۱) سبزے اور چارے کی کثرت و فراوانی ہو تو دوران سفر سواری کے جانور کو وقفے وقفے سے چارہ کھانے کا موقع دیا کہ اس سے اس میں مزید قوت پیدا ہوگی۔

(۲) جب خدا نخواستہ خشک سالی اور قحط کا زمانہ ہو راستے میں چارہ وغیرہ نہ ہو تو پھر جلدی سے اس کے ذریعہ اپنا سفر پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جب تک کہ اس کی ہڈیوں میں گودا اور طاقت ہو ایسے میں سفر میں تاخیر کی وجہ سے اس کی ہمت جواب دے گئی تو پھر سفر کی تکمیل مشکل ہو سکتی ہے۔

آج کل عموماً گاڑیوں کے ذریعہ سفر ہوتا ہے تو اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس میں پانی پٹرول اور ڈیزل اور جو چیزیں گاڑی سے متعلق ضروری ہوں ان تمام امور کا ہر وقت خیال رکھا جائے۔

(۳) رات کے آخری حصے میں اگر کھلی فضا میں کسی جگہ آرام کے لیے ٹھہریں تو ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے کہ جس سے صحیح طریقے سے آرام ہو سکے اور زہریلے جانوروں سے بھی بچا جاسکے اس کے لیے راستے اور گزرگاہ کا انتخاب نہ کیا جائے کہ ان جگہوں میں عموماً

رات کے وقت حشرات الارض آجاتے ہیں جو کسی انسان کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔

لعنات: خضب: سبزے اور چارے کی کثرت و فراوانی۔ حظها: ان کا حصہ۔ سنة: خشک سالی قحط نقيها ان کا گودا یعنی طاقت باقی ہو عرستم تم رات کے آخری حصے میں آرام کے لیے اترو پڑاؤ ڈالو۔ بادرو بها: تم اس سواری کے ذریعہ سفر مکمل کرنے کی جلدی جلدی کوشش کرو مَطْرُق طریق کی جمع ہے، راستے ماویٰ ٹھکانہ۔ هوام هامة کی جمع ہے زہریلے جانور۔

سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت

(۲۷۸۱) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَتَأَمَّ الرَّجُلُ عَلَى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَخْجُورٍ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے آدمی ایسی چھت پر سونے جس کے آس پاس دیوار نہ ہو۔

تشریح: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر رات میں سونے جس پر رکاوٹ نہ ہو تو اللہ کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۸۲۰) اور منڈیر بغیر کی چھت پر رات میں سونے کی ممانعت اس اندیشہ سے ہے کہ آدمی کی آنکھ کھلے اور وہ چل دے، اور رات کی تاریکی اور نیند کی غفلت میں وہ چھت سے نیچے گر جائے، پس اس نے خود کو ہلاک کیا۔

وعظ کہنے میں لوگوں کے نشاط کا خیال رکھا جائے

(۲۷۸۲) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْآيَامِ فَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ہمیں (دنوں میں) وقفے وقفے کے ساتھ وعظ کیا کرتے تھے اس اندیشے کے تحت کہ کہیں ہم اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔

تشریح: اس وجہ سے علماء کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص وعظ و نصیحت کرتا ہو اس کو بھی اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کبھی کبھار مناسب موقع دیکھ کر وعظ کرے ہر وقت نہ کرے کہ اس طرح اس بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے اکتانے لگتے ہیں یوں اس بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہے جو مسلسل کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو

(۲۷۸۳) مَا دِيمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ.

ترجمہ: ابوصالح بیان کرتے ہیں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا نبی اکرم ﷺ کو کون سا عمل زیادہ محبوب تھا تو ان دونوں نے یہ جواب دیا جسے باقاعدگی سے کیا جائے اگرچہ وہ کم ہو۔



أَبْوَابُ الْأَمْثَالِ

مثالوں کے بیان میں

امثال: (بفتحتین) کی جمع ہے، یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال کیا جاتا ہے:

(۱) بمعنی مثل (بکسر فسکون) یعنی مانند، جیسے: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (الانعام: ۱۶۰) ”جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کا دس گنا بدلہ ملے گا۔“

(۲) حالت اور حالت عجیبہ، جیسے: ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ﴾ (سورہ محمد: ۱۵)

(۳) معقول کو محسوس بنا کر پیش کرنا (تقریب المعقول من المحسوس) قرآن و حدیث میں عام طور پر یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، قرآن کریم میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، اور ان ابواب کی تمام حدیثوں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔

معنویات کو محسوس کر کے پیش کرنا مشکل امر ہے، قرآن کریم میں بے شمار حقائق کو محسوس مثالوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔

اور حدیث کی کتابوں میں ابواب الامثال علحدہ کر کے اس لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ وارثین انبیاء یعنی علماء یہ فن سیکھیں، وہ بھی معنویات کو محسوس طور پر بیان کریں، تاکہ دقیق مضامین عام لوگوں کے لئے بھی قابل فہم بن جائیں۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ابواب بہتر مختصر لکھے ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ ان ابواب میں صرف وہ حدیثیں لائے ہیں جن میں لفظ مثل یا اس کی جمع امثال آئی ہے، حالانکہ معقول کو محسوس بنانے کے لئے اس لفظ کا استعمال ضروری نہیں، جیسے: دارقطنی کی روایت ہے: ایا کھ و خضراء الدمن: کوڑی کے سبزہ سے بچو! پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوڑی کا سبزہ کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: المראה الحسناء فی المنبت السوء: بُرے خاندان کی گوری عورت! برسات میں کوڑی پر سبزہ لہلہاتا ہے، مگر اس کے نیچے گندگی ہوتی ہے، یہی حال نیک خاندان کی گوری عورت کا ہے، پس اگر لفظ مثل اور امثال سے قطع نظر کر کے روایات جمع کی جائیں تو یہ ابواب بہت طویل ہو سکتے ہیں۔



بَابُ مَا جَاءَ فِي مَثَلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لِعِبَادِهِ

باب ۱: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ایک مثال بیان فرمائی

(۲۷۸۶) إِنَّ اللَّهَ ضَرَبَ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا عَلَى كَنَفِي الصِّرَاطِ زُرَّانٍ لَّهُمَا أَبْوَابٌ مُفْتَحَةٌ عَلَى الْأَبْوَابِ

سُئِرُوا دَاعٍ اَيَّدَعُو عَلَى رَاسِ الصِّرَاطِ وَدَاعٍ يَدْعُو فَوْقَهُ (وَاللَّهُ يَدْعُو اِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) وَالْآبِوَابُ الَّتِي عَلَى كَتَفِي الصِّرَاطِ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا يَقَعُ أَحَدٌ فِي حُدُودِ اللَّهِ حَتَّى يُكْشَفَ السِّتْرُ وَالَّذِي يَدْعُو مِنْ فَوْقِهِ وَاعِظْ رَبَّهُ.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال اس طرح بیان کی ہے وہ ایسا راستہ ہے جس پر دونوں طرف دیواریں ہیں جن میں مختلف دروازے لگے ہوئے ہیں اور ان پر پردے لٹک رہے ہیں پھر ایک دعوت دینے والا شخص اس پل کے سرے پر (کھڑا) ہو کر دعوت دیتا ہے اور ایک دعوت دینے والا اس پر دعوت دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتا ہے وہ دروازے جو پل کے دونوں طرف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں (یعنی حرام کردہ اشیاء ہیں) اور کوئی بھی شخص اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حدود میں مبتلا نہیں ہوتا جب تک اس پردے کو ہٹایا نہ جائے اور وہ شخص اس پر دعوت دے رہا ہے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے وعظ و نصیحت کرنے والا ہے۔ (یعنی اس کا رسول ہے)۔

تشریح: مثال: ایک سیدھا راستہ ہے، اس کی دونوں جانبوں میں دیواریں ہیں، اور دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں، اور دروازوں پر منقش پردے پڑے ہوئے ہیں، یہ سیدھا راستہ اسلام ہے اور اس کی دونوں جانبوں میں کھڑی دیواریں حدود اللہ (اللہ کے دین کی سرحدیں) ہیں، اور ان میں گمراہی کے دروازے ہیں، یعنی خواہشات میں بہہ جانے کے مواقع ہیں، اور ان پر منقش پردے پڑے ہوئے ہیں، یعنی وہ خواہشات دل لبھانے والی ہیں، جب مومن بندہ اس راستہ میں داخل ہوتا ہے تو راستہ کے سرے (چیک پوسٹ) پر ایک شخص نصیحت کرتا ہے کہ سیدھے چلے جاؤ، دائیں بائیں نہ مڑنا، اور کوئی پردہ نہ اٹھانا، ورنہ آپ گمراہ ہو جائیں گے، یہ ناصح اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے، جو اس مومن کو جو صراط مستقیم پر چلنا چاہتا ہے واضح طور پر سمجھا دیتا ہے۔

پھر جب بندہ اس راستہ میں داخل ہوتا ہے تو راستہ کے دوسرے سرے پر ایک اور شخص ہے جو پکار کر کہتا ہے: اے بندہ خدا سیدھا چلا آ، دائیں بائیں نہ دیکھ، ورنہ گمراہ ہو جائے گا، یہ شخص جو راستہ کے دوسرے سرے پر کھڑا پکار رہا ہے یہ مومن کا ضمیر، ہے۔ پھر بندہ راستہ سے پار ہو جاتا ہے تو آگے جنت کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔

فرشتوں نے نبی ﷺ کی ایک مثال بیان کی

(۲۷۸۷) خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَانَ جِبْرِئِيلُ عِنْدَ رَأْسِي وَمِيكَائِيلُ عِنْدَ رِجْلِي يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ اضْرِبْ لَهُ مَثَلًا فَقَالَ اسْمَعْ سَمِعْتَ أَذُنُكَ وَاعْقِلْ عَقْلَ قَلْبِكَ إِنَّمَا مَثَلُكَ وَمَثَلُ أُمَّتِكَ كَمَثَلِ مَلِكٍ اتَّخَذَ دَارًا ثُمَّ بَنَى فِيهَا بَيْتًا ثُمَّ جَعَلَ فِيهَا مَائِدَةً ثُمَّ بَعَثَ رَسُولًا يَدْعُو النَّاسَ إِلَى طَعَامِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَجَابَ الرَّسُولَ وَمِنْهُمْ مَنْ تَرَكَهُ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَلِكُ وَالِدَارُ الْإِسْلَامُ وَالْبَيْتُ الْجَنَّةُ وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ رَسُولُ مَنْ أَجَابَكَ دَخَلَ الْإِسْلَامَ دَخَلَ وَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَكَلَ مَا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں نے گزشتہ رات خواب میں دیکھا جبریل علیہ السلام میرے سرہانے موجود ہیں اور میکائیل علیہ السلام میرے پاؤں کی طرف موجود ہیں ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا ان صاحب (یعنی نبی اکرم ﷺ) کے کان سنتے ہیں اور آپ ﷺ کا ذہن اس کو سمجھتا ہے آپ ﷺ کی امت کی مثال اس بادشاہ کی طرح ہے جو ایک محل بنواتا ہے یہ پھر اس محل میں ایک گھر بناتا ہے پھر اس میں ایک دسترخوان رکھواتا ہے پھر ایک پیغام رساں کو بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو کھانے کی دعوت دے تو ان میں سے کچھ لوگ پیغام رساں کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ اسے ترک کر دیتے ہیں تو وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے وہ محل اسلام ہے وہ گھر جنت ہے اور وہ پیغام رساں حضرت محمد ﷺ آپ ہیں اور جو شخص آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اسلام میں داخل ہوگا اور جو اسلام میں داخل ہوگا اور جو جنت میں داخل ہوگا وہ وہاں موجود چیزوں کو کھاپی لے گا۔

(۲۷۸۸) صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَاتَّخَذَ بَيْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ حَتَّى إِذَا خَرَجَ بِهِ إِلَى بَطْحَاءَ مَكَّةَ فَأَجْلَسَهُ ثُمَّ خَطَّ عَلَيْهِ خَطًّا ثُمَّ قَالَ لَا تَبْرَحَنَّ خَطُّكَ فَإِنَّهُ سَيَنْتَهِي إِلَيْكَ رَجُلٌ فَلَا تُكَلِّمُهُمْ فَإِنَّهُمْ لَنْ يُكَلِّمُوكَ ثُمَّ مَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَيْثُ أَرَادَ فَبَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ فِي خُطْبِي إِذْ أَتَانِي رَجُلٌ كَأَنَّهُمُ الرُّطْبُ أَشْعَارُهُمْ وَأَجْسَامُهُمْ لَا أَرَى عَوْرَةً وَلَا أَرَى قِشْرًا أَوْ يَنْتَهُونَ إِلَيَّ وَلَا يُجَاوِزُونَ الْحُطَّ ثُمَّ يَصْدُرُونَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ لَكِنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ جَاءَنِي وَأَنَا جَالِسٌ فَقَالَ قَدْ أَرَانِي مِنْذُ اللَّيْلَةِ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ فِي خُطْبِي فَتَوَسَّدَ فِجْدِي وَرَقَدَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَقَدَ نَفَخَ فَبَيْنَمَا أَنَا قَاعِدٌ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُتَوَسِّدٌ فِجْدِي إِذَا أَنَا بِرَجَالٍ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ بَيْضُ اللَّهِ أَعْلَمُ مَا بِهِمْ مِنَ الْجَهَالِ فَانْتَهَوْا إِلَيَّ فَجَلَسَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَطَائِفَةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالُوا أَبَيْنَهُمْ مَا رَأَيْنَا عَبْدًا قَطُّ أَوْتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هَذَا النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ عَيْنِيهِ تَنَامَانِ وَقَلْبُهُ يَقْظَانُ اضْرِبُوا لَهُ مِثْلًا مِثْلَ سَيِّدِ بَنِي قَصْرٍ ثُمَّ جَعَلَ مَا يَدَّ فَدَعَا النَّاسَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرِبِهِ فَمَنْ أَجَابَهُ أَكَلَ مِنْ طَعَامِهِ وَشَرِبَ مِنْ شَرِبِهِ وَمَنْ لَمْ يُجِبْهُ عَاقَبَهُ أَوْ قَالَ عَذَّبَهُ ثُمَّ ارْتَفَعُوا وَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ مَا قَالُوا هَؤُلَاءِ وَهَلْ تَنْدِرُنِي مَنْ هُمْ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ هُمُ الْمَلَائِكَةُ فَتَنْدِرُنِي مَا الْمِثْلُ الَّذِي ضَرَبُوهُ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ الْمِثْلُ الَّذِي ضَرَبُوهُ الرَّحْمَنُ بَنَى الْجَنَّةَ وَدَعَا إِلَيْهَا عِبَادَهُ فَمَنْ أَجَابَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَمْ يُجِبْهُ عَاقَبَهُ أَوْ عَذَّبَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے قریب وادی بٹحا میں چلے گئے انہیں وہاں بیٹھا دیا اور پھر ایک لکیر کھینچ کر فرمایا اس لکیر سے آگے نہ بڑھنا تمہارے پاس کچھ لوگ آئیں گے تم ان کے ساتھ کوئی بات نہ کرنا وہ بھی

تمہارے ساتھ کوئی بات نہیں کریں گے پھر نبی اکرم ﷺ نے جہاں تک جانا تھا وہاں تشریف لے گئے میں اس دوران اس دائرے کے اندر بیٹھا رہا اس دوران کچھ لوگ وہاں آئے یوں لگتا تھا کہ وہ بڑے بھاری بھر کم لوگ ہیں ان کے بال اور جسم اس طرح تھے کہ نہ میں ان کی شرمگاہ کو دیکھا اور نہ ہی میں نے انہیں لباس پہنے ہوئے دیکھا وہ میری طرف آئے لیکن اس لکیر کو پار نہیں کر سکتے پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ گزرا تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں وہاں بیٹھا ہوا تھا آپ ﷺ نے فرمایا میں رات بھر سو نہیں سکا پھر آپ ﷺ اس لکیر کے اندر میرے پاس آئے آپ ﷺ نے میرے زانوں کو تکیہ بنایا اور سو گئے نبی اکرم ﷺ جب سوتے تھے تو آپ ﷺ خراٹے لیا کرتے تھے اسی دوران جب میں بیٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ میرے زانوں پر سر رکھ کر سو رہے تھے تو وہاں کچھ لوگ آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے ان لوگوں کے حسن و جمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ لوگ میرے پاس آئے پھر ایک جماعت نبی اکرم ﷺ کے سرہانے کی طرف بیٹھ گئی اور دوسری جماعت آپ ﷺ کے پاؤں کی طرف بیٹھ گئی پھر انہوں نے یہ کہا ہم نے ایسا کوئی بندہ نہیں دیکھا جسے وہ کچھ عطا کیا گیا ہو جو ان نبی کو عطا کیا گیا ہے ان کی دونوں آنکھیں سو رہی ہوتی ہیں لیکن ان کا ذہن بیدار ہوتا ہے تم ان کے لیے مثال بیان کرو ان کی مثال اس سردار کی طرح ہے جو ایک محل بناتا ہے پھر اس میں دسترخوان رکھواتا ہے اور لوگوں کو کھانے اور پینے کی دعوت دیتا ہے تو جو شخص اس دعوت کو قبول کر لے گا وہ کھانے کو کھالے گا اور اس مشروب کو پی لے گا اور جو اس دعوت کو قبول نہیں کرے گا وہ سردار اس پر ناراض ہوگا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اسے سزا دے گا پھر وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے تو آپ ﷺ بیدار ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے سنا؟ جو ان لوگوں نے کہا کیا تم جانتے ہو یہ کون لوگ تھے؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہ فرشتے تھے کیا تم جانتے ہو کہ انہوں نے جو مثال بیان کی تھی اس سے کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے جو مثال بیان کی تھی اس کا مفہوم یہ ہے رحمن نے جنت بنائی اور اپنے بندوں کو اس کی طرف دعوت دی تو جو شخص اس کی دعوت کو قبول کر لے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو اس کی دعوت قبول نہیں کرے گا رحمن اس کو سزا دے گا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اسے عذاب دے گا۔

تشریح: مثال: آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کی امت کا حال اس بادشاہ جیسا ہے جس نے کوئی حویلی بنائی، پھر اس میں ایک ہال تیار کیا، پھر اس ہال میں دعوت کا انتظام کیا، پھر ایک قاصد روانہ کیا، جو لوگوں کو کھانے پر بلائے، پس کچھ لوگوں نے قاصد کی بات مانی، اور کچھ لوگوں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔

تطبیق: پس اللہ تعالیٰ: بادشاہ ہیں، اور حویلی: دین اسلام ہے، اور ہال: جنت ہے، جس میں دسترخوان بچھا ہوا ہے، اور آپ ﷺ اللہ کے قاصد ہیں، جو شخص آپ ﷺ کی بات پر لبیک کہے گا: دائرۃ اسلام میں آئے گا، اور جو اسلام میں داخل ہوگا جنت میں جائے گا، اور جو جنت میں جائے گا جنت کی نعمتیں کھائے گا۔

لیلیۃ الجن کا واقعہ اور فرشتوں کی بیان کی ہوئی مثال:

مثال: آپ ﷺ کا حال اس آقا کے حال جیسا ہے جس نے کوئی حویلی بنائی، پھر دعوت کا انتظام کیا، اور لوگوں کو اپنے کھانے اور پینے کی طرف بلایا، پس جس نے اس کی دعوت پر لبیک کہا اس نے اس کے کھانے میں سے کھایا اور اس کے پینے میں سے پیا، اور جس نے

اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا، تو آقا نے عاقبت: اس کو سزا دی، یا فرمایا: عذبه: اس کو سزا دی، پھر وہ حضرات چلے گئے۔ اور اس وقت نبی ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے وہ باتیں سنیں جو ان حضرات نے کہیں، اور کیا تم جانتے ہو: وہ لوگ کون تھے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے، اور کیا تم جانتے ہو اس مثال کو جو ان حضرات نے بیان کی؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مثال جو ان حضرات نے بیان کی (یہ ہے)۔

تطبیق: اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی، اور اس کی طرف اپنے بندوں کو دعوت دی، پس جس نے اس دعوت پر لبیک کہا: وہ جنت میں آیا اور جس نے اس دعوت پر لبیک نہیں کہا: عاقبت: اللہ نے اس کو سزا دی، یا فرمایا: عذبه: اللہ نے اس کو سزا دی۔

لغات: امثال مَثَل ایک چیز کو حکم کے اعتبار سے دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دینا۔ کنفی الصراط: راستہ کی دونوں جانب زوران زور کا تشبیہ ہے دود یواریں اور ایک دوسری حدیث میں سوران ہی تھا پھر اس کو سین کو زاء سے بدل دیا معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ ستور: بستو کی جمع ہے پردے۔ لا تبوجن: تم مسلسل اسی خط کے اندر رننا سیتھی پہنچیں گے زط زطی کی جمع ہے جٹ لوگ پاکستان اور ہندوستان میں ایک قوم ہے جسے جٹ کہا جاتا ہے جو اپنے بالوں اور جسم میں تہذیب کا لحاظ نہیں کرتے۔ قشیر: چیز کا ڈھکن چھلکا یہاں اس سے لباس مراد ہے۔ ولقد رانی منذ الليلة: میں پوری رات نہیں سو سکا۔ یصدرون: وہ واپس چلے جاتے لوٹ جاتے۔ توسد: تکیہ بنایا۔ فخذی: میری ران نفع خرائے مارتے۔ یقظان: بیدار۔ قاقبه: وہ اس کو سزا دیتے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَثَلِ النَّبِيِّ وَالْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

نبی ﷺ نے اپنی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال بیان فرمائی

(۲۷۸۹) اِمَّا مَثَلِيَّ وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَرَجُلٍ بَلَى دَارًا فَأَكْمَلَهَا وَ أَحْسَنَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبْنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ مِنْهَا وَيَقُولُونَ لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبْنَةِ

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری اور دیگر انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو گھر بناتا ہے اسے مکمل کر لیتا ہے اور آراستہ کرتا ہے صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دیتا ہے لوگ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں اس سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اس اینٹ کی جگہ کو کیوں خالی رکھا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سلسلہ نبوت کے وہ آخری نبی ہیں کہ جن کے بعد اور کوئی نبی قیامت تک نہیں آئے گا چنانچہ ختم نبوت قطعی اور متواتر دلائل سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے جو آدمی اس کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

تطبیق: وہ شخص جس نے حویلی بنائی: اللہ تعالیٰ ہیں، اور حویلی: دین اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اور اس کی اینٹیں انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک شخصیات ہیں، لوگ یہ قصر نبوت دیکھتے تھے، اور حیرت زدہ رہ جاتے تھے، اور تبصرہ کرتے تھے کہ

حوالی بڑی شاندار ہے! مگر جب وہ دیکھتے کہ ابھی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو وہ کہتے: یہ جگہ کیوں نہیں بھری گئی؟ کاش یہ بھی بھر جاتی! نبی ﷺ نے فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں، مجھ پر سلسلہ نبوت پورا ہو گیا، اب قصر نبوت میں کسی اینٹ کی گنجائش نہیں، اب اگر کوئی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ قصر نبوت کی شان گھٹاتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ مَثَلِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ

باب ۳: شرک، نماز، روزہ، صدقہ اور ذکر اللہ کی مثالیں

(۲۷۹۰) إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ يُحْيِي بَنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بِنِي إِسْرَئِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَإِنَّهُ كَادَ أَنْ يُنْطِقَ بِهَا فَقَالَ عِيسَى إِنَّ اللَّهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بِنِي إِسْرَئِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا فِيمَا أَنْ تَأْمُرُهُمْ وَإِمَّا أَنْ أَمَرَهُمْ فَقَالَ يُحْيِي أَخْشَى أَنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يُخَسَفَ بِي أَوْ أُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسُ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَأَمْتَلًا وَقَعَدُوا عَلَى الشَّرَفِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ فِي خَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَ وَأَمَرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَ أَوْ لَهُنَ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَإِنْ مَثَلُ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصٍ مَالِهِ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هَذِهِ دَارِي وَهَذَا عَمَلِي فَأَعْمَلَ وَأَدَّى إِلَى فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللَّهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لَوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ وَأَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ فَإِنْ مَثَلُ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عَصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ فَكُلُّهُمْ يُعْجَبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا وَإِنْ رَجَعَ الصَّائِمُ أَطْيَبَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَأَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَإِنْ مَثَلُ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسْرَهُ الْعَدُوُّ فَأَوْثَقُوا يَدَيْهِ إِلَى عُنُقِهِ وَقَدَّمُوهُ لِيَضْرِبُوهُ عُنُقَهُ فَقَالَ أَنَا أَفْدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ فَقَدَى نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَأَمَرَكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللَّهَ فَإِنْ مَثَلُ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي آثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْزَرَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذَلِكَ الْعَبْدُ لَا يُخْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا أَمُرُكُمْ بِخَمْسِ أَلْفِ كَلِمَةٍ اللَّهُ أَمَرَ فِي بَيْنِ السَّجْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْجِهَادِ وَالْهَجْرَةِ وَالْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قَبِيلٌ شَرٌّ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرْجِعَ وَمَنْ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُلَى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ فَقَالَ إِنْ صَلَّى وَصَامَ فَادْعُوا بِدَعْوَى اللَّهِ الدِّينِ سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ وہ خود ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو یہ ہدایت کریں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں انہوں نے ایسا کرنے میں کچھ تاخیر کی تو حضرت عیسیٰ نے یہ کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے آپ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی اس کا حکم دیں کہ وہ اس پر عمل کریں یا تو آپ ان کو حکم دے دیں وگرنہ میں انہیں یہ حکم دیتا ہوں تو یحییٰ بن زکریا علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے

مجھے اندیشہ ہے اگر آپ نے مجھ سے پہلے ایسا کر دیا تو مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے گا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) مجھے عذاب دیا جائے گا پھر انہوں نے بیت المقدس میں لوگوں کو جمع کیا وہ بھر گیا اور لوگ اس کے کناروں تک بیٹھ گئے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تم لوگوں کو بھی یہ ہدایت کروں کہ تم ان پر عمل کرو ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ وہ شخص جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو خالص اپنے میں سے سونے یا چاندی کے عوض میں ایک غلام خریدتا ہے اور یہ کہتا ہے یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تم یہ کام کرو اور اس کا منافع مجھے ادا کرو تو وہ غلام کام کرنے کے بعد اس کا منافع اپنے آقا کی بجائے کسی اور کو ادا کرتا ہے تو تم بتاؤ کون شخص اس بات پر راضی ہوگا کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو؟

اللہ تعالیٰ تمہیں نماز ادا کرنے کا حکم دیتا ہے جب تم نماز ادا کرو تو ادھر ادھر منہ نہ کرو کیونکہ جب بندہ نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کے مد مقابل ہوتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر تو جہنم نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کچھ دوسرے لوگوں کے ہمراہ ہو اس شخص کے پاس ایک تھیلی ہو جس میں مشک موجود ہو جس کی خوشبو ہر کسی کو اچھی لگتی ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اسے اچھی لگتی ہے روزہ دار شخص کی بواللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے دشمن قید کر لیتا ہے اس کے ہاتھ گردن پر باندھ دیتا ہے اور اس کی گردن اڑانے کے لیے اسے لے کر جاتا ہے وہ شخص یہ کہتا ہے تھوڑا یا زیادہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے وہ میں تمہیں فدیے کے طور پر دیتا ہوں تو وہ اپنا فدیہ ادا کر کے (خود کو ان سے چھڑوا لیتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے دشمن لگا ہوا ہے وہ تیز رفتاری سے جاتے ہوئے ایک ٹیلے تک پہنچ جاتا ہے اور اس میں داخل ہو کر اپنے آپ کو ان سے بچا لیتا ہے اسی طرح بندہ اپنے آپ کو شیطان سے اسی وقت بچا سکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں تم لوگوں کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا حکم دیا (حاکم وقت کی) اطاعت و فرمانبرداری کرنا جہاد کرنا ہجرت کرنا اور (مسلمانوں کی) جماعت کے ساتھ رہنا کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھرا لگ ہو گا وہ اپنی گردن سے اسلام کے پٹے کو اتار دے گا تا وقتیکہ وہ اس میں واپس آجائے اور جو شخص زمانہ جاہلیت کی طرح دعویٰ کرے گا تو وہ جہنم کا ایندھن ہوگا۔

ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو روزے رکھتا ہے تم وہ والا دعویٰ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رکھا ہے یعنی مسلمان مومن اللہ تعالیٰ کے بندے۔

مؤمن کی دو مثالیں

تشریح: مثال کے طور پر گیسوں کے کھیت کو ہوائیں الٹی پلٹی رہتی ہیں، جب مشرق کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو سارے پودے مغرب کی طرف جھک جاتے ہیں، پھر جب مغرب کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو سارا کھیت مشرق کی طرف جھک جاتا ہے، اسی طرح

مؤمن بندہ بھی مختلف حالات سے گزرتا ہے، اور اس کے گناہ دھلتے رہتے ہیں، اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت جیسی ہے، آپ لوگوں نے صنوبر کا درخت نہیں دیکھا، میں نے بھی نہیں دیکھا، یہ ایک قسم کا سرو ہے جس سے معشوق کے قد اور اس کے خرام کو تشبیہ دی جاتی ہے، پس آپ اس کے بجائے سفیدے کی مثال لے لیں سڑکوں کے کنارے نیل گری کے درخت کھڑے ہیں، ہوائیں ان پر اثر انداز نہیں ہوتیں، وہ کسی طرف نہیں جھکتے، مگر جس دن گرتے ہیں جڑ سے اکھڑ کر گرتے ہیں، اسی طرح منافق کی جب پکڑ ہوتی ہے تو یکبارگی ہوتی ہے۔

تشریح: علماء نے اس حدیث سے چند مسائل نکالے ہیں:

(۱) استاذ کو چاہئے کہ طلبہ کی استعداد کو جانچتا رہے، اور کبھی کبھی ان سے ذرا پیچیدہ سوال کرے، اور دیکھے کہ کس کا مبلغ علم کیا ہے؟
(۲) ایسا سوال کرے کہ جواب تک پہنچنے کا کوئی قرینہ موجود ہو، جیسے نبی ﷺ نے کھجور کا گوند کھاتے ہوئے یہ سوال کیا تھا، جو صحابہ کی جواب کی طرف راہنمائی کر رہا تھا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ذہن میں اسی قرینہ سے جواب آیا تھا، اور حدیث میں جو غلطیات سے معن کیا گیا ہے۔

(۳) طالب علم کو چاہئے کہ جو بھی جواب ذہن میں آئے، پیش کرے، اگر جواب غلط ہوگا تو استاذ تنبیہ کرے گا، اگر وہ خاموش رہے گا تو اس کی صلاحیت کا اندازہ کیسے ہوگا؟

(۴) بیٹے کی ترقی باپ کے لئے خوشی کا سبب ہوتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا اظہار کیا ہے کہ اگر تم صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ جواب دیتے تو میرا سر فخر سے اونچا ہو جاتا، قرآن میں بھی ہے: (ونین شھودا) یعنی اگر بیٹے ایسے قابل ہوں کہ وہ باپ کے ساتھ محفل میں شریک ہوں تو یہ بات باپ کے لئے قابل فخر اور لائق عزت ہے۔

لعنات: شرف شرفۃ کی جمع ہے بلکہ جگہ نصب۔ وجہ لوجد عبدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ اپنے بندے کے چہرے کی طرف کیا ہوا ہے یعنی دوران نماز اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت انسان کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ عصابة: جماعت گروپ صوۃ تشدید پر تھیل بیگ۔ جصور کلہم یعجب: ان میں سے ہر ایک پسند کر رہا تھا اس کو قید کر لیا اور ثقوا انہوں نے باندھ دیا جکڑ دیا انا افدی منکم میں تمہیں فدیہ دے کر جان چھڑاتا ہوں۔ سیدین: تیز رفتار۔ حصن حصین: محفوظ قلعہ۔ احرز نفسه: اس نے اپنی جان کو بچا لیا محفوظ کر لیا۔ قید شبیر: ایک بالشت کے برابر۔ جئی: جثوۃ کی جمع ہے انگارے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الْقَارِئِ الْقُرْآنَ وَغَيْرِ الْقَارِئِ

باب ۴: باب قرآن پڑھنے اور قرآن نہ پڑھنے والے مؤمن کی مثال

(۲۷۹۱) مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلُوٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرِّيحِ خَالٍ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحُمُطَلَةِ رِيحُهَا مُرٌّ وَطَعْمُهَا مُرٌّ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ مؤمن جو قرآن پاک پڑھتا ہے اس کی مثال اس ناشپاتی کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور ذائقہ بھی پاکیزہ ہوتا ہے اور جو مؤمن قرآن پاک نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں ہوتی لیکن ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن پاک پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ نامی پھل کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن پاک نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظلہ نامی پھل (یا بوٹی) کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی بری ہوتی ہے اور ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔

(۲۷۹۲) مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّيحُ تُفْقِئُهُ وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصِيبُهُ بَلَاءٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْأَرْزِ لَا تَهْتَدُ حَتَّى تُسْتَحْصَدَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مؤمن کی مثال کھیت کی طرح ہے جسے ہوا مسلسل جھکاتی رہتی ہے کبھی دائیں طرف کر دیتی ہے کبھی بائیں طرف کر دیتی ہے اسی طرح مؤمن ہمیشہ آزمائش میں مبتلا رہتا ہے اور منافق شخص کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے جو ڈولتا (لہراتا) نہیں ہے یہاں تک کہ (ایک ہی مرتبہ) اسے جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے۔

(۲۷۹۳) إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ حَدَّثُونِي مَا هِيَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هِيَ فَاسْتَحْيَيْتُ يَعْنِي أَنْ أَقُولَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَخَدَّثْتُ عَمْرٍاءَ الْبَدِيِّ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي فَقَالَ لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ایک درخت ایسا ہے موسم خزاں میں بھی اس کے پتے نہیں جھڑتے اور اس کی مثال مؤمن کی طرح ہے تم مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں لوگ جنگل کے مختلف درختوں کے بارے میں سوچنے لگے میرے ذہن میں آیا یہ کھجور کا درخت ہوگا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے تو مجھے اس بات پر حیا آئی (یعنی میں یہ بات بیان کرتا)۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بعد میں میں نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہی جو مجھے خیال آیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم اس وقت یہ بات کہہ دیتے تو یہ میرے نزدیک فلاں فلاں چیز کے ملنے سے زیادہ محبوب ہوتا۔

تشریح: امت محمدیہ کی مثال بارش سے: اس حدیث میں امت مسلمہ کو بارش کے مشابہ قرار دیا کہ جس طرح باران رحمت ساری کی ساری خیر و برکت اور نفع کا ذریعہ ہوتی ہے اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خیر بارش کے کس حصے میں ہے اسی طرح اس امت کے پہلے لوگ اور بعد کے لوگ خیر اور نفع پہنچانے کے اعتبار سے سب برابر ہیں گویا لفظ خیر اس معنی کے اعتبار سے اسم تفضیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔

لغات: اُتْرُجَہ: مالٹا سگریہ نارنگی طمعھا اس کا ذائقہ (ریحانہ نازبو ہر خوشبو پودا مرشدید) کڑوا تلخ۔ حنظلہ: ایلوا تُفْقِئُهُ: تشدید کے ساتھ ہوائیں اس کھیت کو ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہیں۔ آرز درخت صنوبر۔ لا تہتد: وہ حرکت نہیں کرتا ہلتا نہیں، وقع الناس: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوچنے لگے فی شجر البوادی جنگلات کے درختوں کے بارے میں فاستحیت میں نے شرم محسوس کی۔

بَاب مَا جَاءَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ

باب ۵: پانچ نمازوں کی مثال

(۲۷۹۳) اَرَأَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرْنِهِ شَيْءٌ قَالُوا لَا يَبْقَى مِنْ دَرْنِهِ شَيْءٌ قَالَ فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی شخص کے دروازے پر نہر موجود ہو اور وہ اس سے پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہے گا؟ تو لوگوں نے عرض کی اس کا کوئی میل باقی نہیں رہے گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پانچ نمازوں کی مثال بھی اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔
تشریح: فقد خلع ربقة الاسلام: اس کے دو مطلب ہیں۔ اس نے اسلام کا پھندا اور کڑا اتار دیا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی حدود احکام اور امور ممنوع چیزوں کا لحاظ نہیں کیا۔

(۲) بعض کے نزدیک اس سے اللہ کا عہد مراد ہے کہ اس جماعت کو چھوڑنا گویا اس عہد کو توڑ دینا ہے جو اسلام کی وجہ سے اس کے او ر اللہ کے درمیان ہوا تھا۔

الا ان يراجع: یعنی اگر دوبارہ وہ اس جماعت کی طرف لوٹ آئے تو پھر اس نے اپنے اسلام کو بچا لیا۔
فائدہ: حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ دونوں آپس میں رشتہ دار تھے بنی اسرائیل کی طرف ایک وقت میں مختلف قوموں کی طرف مختلف انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جاتا رہا چنانچہ اس حدیث میں بھی ان دونوں حضرات کی نبوت کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے حضرت یحییٰ کو یہ پانچ باتیں پہنچانے کا حکم کیسے دیا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا نائب کیسے بنایا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مقابلے میں زیادہ ہے؟ حضرت گنگوہی صاحب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ بلند ہے لیکن اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی کتاب نہیں اتاری گئی تھی جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کوئی مستقل کتاب نازل نہیں کی گئی بلکہ وہ سابقہ شریعت کے مطابق لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے اس لحاظ سے یہ دونوں نبی اس وقت برابر تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو پانچ چیزوں کا حکم دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی حضرت یحییٰ سے فرمایا کہ آپ یہ باتیں جلدی سے بنی اسرائیل تک پہنچا دیں۔

اس امت کی مثال

(۲۷۹۵) مَثَلُ امَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرِي اَوَّلُهُ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے جس میں یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ اس کا ابتدائی حصہ زیادہ بہتر تھا یا آخری حصہ زیادہ بہتر ہے؟

تشریح: علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے صرف اس بات کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس دین کو پھیلانے اور لوگوں

تک پہنچانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے اس سے بعد کے لوگوں کی صدراول کے لوگوں پر فضیلت ثابت کرنا مقصود نہیں۔ اسی طرح قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ جس طرح بارش کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کون سا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اسی طرح یہ امت خیر پہنچانے میں یکساں اور برابر ہے اس سے درحقیقت بعد کے لوگوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں آگے بڑھیں کیونکہ اللہ کے فیض کا دروازہ کشادہ ہے اس سے بعد کے لوگوں کے لیے پہلے لوگوں پر فضیلت ثابت کرنا درست نہیں کیونکہ بالاتفاق پہلے لوگ افضل ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امت کو بارش کے ساتھ تشبیہ علم اور ہدایت کے اعتبار سے دی گئی ہے چنانچہ ایک اور حدیث میں بارش کو علم اور ہدایت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اس لیے زیر بحث حدیث میں بھی امت سے علماء کامل مراد ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں اس تشریح کے اعتبار سے خیر سے نفع کے معنی مراد ہوں گے اور اس صورت میں افضلیت میں پوری امت کا یکساں اور برابر ہونا لازم نہیں آتا۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ یہ امت اپنے کسی دور میں خیر سے خالی نہیں ہوگی جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو امت مرحومہ ارشاد فرمایا ہے کیونکہ اس امت کا نبی ”نبی رحمت“ ہے جبکہ دوسری امتوں کے ہاں خیر کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا اور پھر بعد والوں میں شر آ گیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا ان میں اپنی منشاء کے مطابق تحریف کر کے اپنے دین کا حلیہ ہی مسخ کر دیا۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱۱/ ۴۱۷ کتاب المناقب) (شرح الطیبی ۱۱/ ۳۷۴)

بَابُ مَا جَاءَ مِثْلَ ابْنِ آدَمَ وَاجْلِهِ وَأَمَلِهِ

باب ۶: آدمی اس کی موت اور اس کی آرزو کی مثال

لوگوں کی صلاحیتوں کی مثال

(۲۷۹۶) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ تَذَرُونَ مِثْلَ هَذِهِ وَهَذِهِ وَرَظِي بِمِصَاتَيْنِ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ هَذَا الْاَمَلُ وَهَذَا الْاَجَلُ.

ترجمہ: عبداللہ بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کیا تم یہ جانتے ہو کہ اس کی اور اس کی کیا مثال ہے آپ نے دو کنکریاں پھینک کر یہ بات ارشاد فرمائی لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امید (زندگی) ہے اور یہ موت ہے۔

لغات: الدواب: دواہ کی جمع ہے کیڑے مکوڑے فراش پر وانے تتلیاں یقعن فیہا وہ اس میں گرنے لگے حُجْز: حُجْزۃ کی جمع ہے ازار اور پاجامہ باندھنے کی جگہ تقصمون تم اس میں داخل ہو رہے ہو گرتے چلے جا رہے ہو فیما خلا من الاممہ گزشتہ امتیں۔ اجل: اس کے دو معنی ہیں (۱) پوری زندگی کی مدت (۲) موت استعمال: اس نے کام پر لگایا۔ عمل: عامل کی جمع ہے مزدور کام کرنے والے۔ قیواط: وزن اور پیمائش کی ایک مقدار جو مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہے اور اب وزن میں گندم کے چار دانے

کے مساوی ہے بعض نے کہا: یہ نصف دانق ہے اور دانق درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔ اب ابواب الامثال کے آخر میں کچھ متفرق حدیثیں ہیں، جن پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب قائم نہیں کئے۔

امت کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال

یہود و نصاریٰ اور اس امت کی مثال

(۲۷۹۷) اِنَّمَا اَجَلُكُمْ فِيمَا خَلَا مِنَ الْاُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَوةِ الْعَصْرِ اِلَى مَغَارِبِ الشَّمْسِ وَ اِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَلًا فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي اِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيَرَاطٍ قِيَرَاطٍ فَعَمَلَتِ الْيَهُودُ عَلَى قِيَرَاطٍ قِيَرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلَى صَلَوةِ الْعَصْرِ عَلَى قِيَرَاطٍ قِيَرَاطٍ فَعَمَلَتِ النَّصَارَى عَلَى قِيَرَاطٍ قِيَرَاطٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تَعْمَلُونَ مِنْ صَلَوةِ الْعَصْرِ اِلَى مَغَارِبِ الشَّمْسِ عَلَى قِيَرَاطَيْنِ قِيَرَا طَيْنِ فَعْضَبَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى قَالُوا نَحْنُ اَكْثَرُ عَمَلًا وَاَقْلُ عَطَاءً فَقَالَ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ فَإِنَّهُ فَضَّلَ اَوْ تَبَيَّنَ مِنْ اَشَاءٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے مقابلے میں تمہاری عمر کی مثال اس طرح ہے جیسے عصر سے لے کر سورج غروب ہونے کا وقت ہے تمہاری اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کچھ لوگوں کو مزدور رکھتا ہے اور یہ کہتا ہے کون شخص دوپہر تک میرے لیے کام کرے گا؟ ایک قیراط کے عوض میں؟ یہودیوں نے ایک قیراط کے عوض میں یہ کام کر لیا پھر اس شخص نے کہا دوپہر سے لے کر عصر کی نماز کے وقت تک ایک قیراط کے عوض میں کون میرے لیے کام کرے گا؟ تو عیسائیوں نے ایک قیراط کے عوض میں یہ کام کر لیا پھر تم لوگ آگئے تم نے عصر کی نماز سے لے کر سورج غروب ہونے تک دو قیراط کے عوض میں یہ کام کیا تو یہودی اور عیسائی غضب ناک ہو گئے اور بولے ہم نے زیادہ کام کیا ہے اور ہمیں کم معاوضہ ملا ہے تو پروردگار نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق کے حوالے سے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے وہ جواب دیں گے نہیں تو پروردگار نے فرمایا یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں عطا کردوں۔

(۲۷۹۸) اِنَّمَا النَّاسُ كَاِبِلٍ مِائَةٍ لَا يَجِدُ الرَّجُلُ فِيهَا رَاحِلَةً.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی مثال ان ۱۰۰ اونٹوں کی طرح ہے جن میں آدمی کو ایک بھی سواری کے لیے (قابل) نہیں ملتا۔

(۲۷۹۹) اِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ اُمَّتِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَنَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَالْفَرَاشُ يَقْعُنُ فِيهَا فَانَا اخِذٌ بِحُجْزِكُمْ وَاَنْتُمْ تَقْعَمُونَ فِيهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور میری امت کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو آگ جلاتا ہے تو کیڑے مکوڑے اور پروانے اس پر گرنے لگتے ہیں تو میں تمہاری کمر سے پکڑ کر اس سے بچاتا ہوں اور تم اس پر گرنے کی

کوشش کر رہے ہو۔

تشریح: اس حدیث میں اس امت کی دو مثالیں ہیں، پہلی مثال اس بات کی ہے کہ اس امت کی مدت عمل یہود و نصاریٰ کے اعتبار سے تھوڑی ہے، اور دوسری مثال اس بات کی ہے کہ یہ امت اجر و ثواب میں گزشتہ امتوں سے بڑھی ہوئی ہے، کیونکہ اس امت کے لئے نیکی دس گنا بڑھائی جاتی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے لئے یہ ضابطہ نہیں تھا۔ اور دونوں مثالوں کی تفصیل یہ ہے کہ کسی کو کوئی تعمیر کروانی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ کام دوپہر تک منٹ جائے گا، اس لئے وہ آدھے دن کے مزدور لایا، اور ان کی مزدوری ایک ایک قیراط (درہم کا چھٹا حصہ) طے کی، مگر جب دوپہر ہوئی تو دیکھا: کام ابھی باقی ہے، اور مالک کو ان مزدوروں کا کام پسند بھی نہیں آیا، اس لئے اس نے ان کو مقررہ مزدوری دے کر رخصت کر دیا، پھر وہ دوسرے مزدور لایا، اس کا خیال تھا کہ عصر تک کام منٹ جائے گا، اس نے ان کی مزدوری بھی ایک ایک قیراط مقرر کی، مگر انھوں نے بھی کچھ ڈھنگ سے کام نہیں کیا، عصر کا وقت آ گیا، اور کام ابھی باقی تھا، چنانچہ اس نے مزدوروں کو مقررہ مزدوری دے کر رخصت کر دیا، پھر وہ تیسرے مزدور لایا، اور ان سے کہا سورج ڈوبنے سے پہلے کام مکمل کرنا ہے، اور میں تمہیں ڈبل مزدوری دوں گا، یعنی دو دو قیراط دوں گا، چنانچہ ان مزدوروں نے لگ لپٹ کر سورج ڈوبنے سے پہلے کام تمام کر دیا، مالک نے خوش ہو کر ان کو دو دو قیراط دیئے، پس پہلے دونوں مزدور لڑنے کے لئے آگئے کہ ہم نے کام زیادہ کیا، اور ہمیں اجرت کم ملی، آقا نے ان سے پوچھا: میں نے تم سے جو مزدوری طے کی تھی وہ پوری دی یا اس میں کچھ کمی کی؟ انھوں نے کہا: نہیں، ہمیں آپ نے پوری مزدوری دی، پس مالک نے کہا: میں نے تیسرے مزدوروں کو جو زائد مزدوری دی ہے وہ میرا انعام ہے، میں اپنی خوشی سے جس کو جو چاہوں دوں، تمہاری میرے جیب پر کچھ اجارہ داری تو نہیں!

اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا یہ کلام کہاں ہوگا؟

(۱) یہ کلام قیامت کے دن ہوگا جب وہ امت محمدیہ کا اجر و ثواب زیادہ دیکھیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ یہ امر ضرور واقع ہوگا۔

(۲) اس طرح کی بات اس وقت انہوں نے کہی ہوگی جب ان کو اپنے اپنے زمانے میں اپنی آسمانی کتابوں کے اپنے رسولوں کی زبان سے اس امت کی یہ خصوصیت اور فضیلت معلوم ہوئی ہوگی۔

فائدہ: اس حدیث سے یہود و نصاریٰ کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے انبیاء پر ایمان لایا ان کی باتوں پر عمل کیا اور اپنی کتابوں پر کسی قسم کی تبدیلی اور تحریف نہیں کی کیونکہ جو ایسے نہ ہوں بلکہ انہوں نے کتابوں میں تحریف کر دی ہو تو وہ اجر و ثواب کے سرے سے مستحق ہی نہیں۔



أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ

قرآن کریم کے فضائل کا بیان

اللہ رب العزت نے ایک سو چار (۱۰۴) کتابیں نازل کی ہیں سوائے قرآن کریم کے کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں کہ اللہ رب العزت قرآن کریم کے خود محافظ ہیں۔ فقط الفاظ ہی کے نہیں بلکہ الفاظ و معانی کے بھی۔ ہر دور میں اللہ رب العزت نے ایسے علماء پیدا کیے جن کو قرآن کریم کی صحیح سمجھ عطاء کی فوقی باطلہ میں سے اگر کوئی قرآن کے معنی و مفہوم میں فرق لگاتا ہے تو اللہ رب العزت علماء کی زبانوں سے حق جاری کر دیتے ہیں۔ اور یہ قرآن کا اعزاز ہے کہ جو آدمی قرآن کو سمجھنا شروع کرتا ہے اللہ پاک اس کے لئے قرآن کی سمجھ آسان فرما دیتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝﴾ (القر: ۱۷)

کا مفہوم یہی ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ یاد کرنا آسان ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان اطہر کے مطابق انسان کی بہتری قرآن کریم کے سیکھنے سکھانے میں ہے۔

اور یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ تمام کتب سماویہ میں سے سب سے آسان کتاب قرآن کریم ہے۔ سمجھنا، سمجھانا، پڑھنا، پڑھانا آسان ہے مگر شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو۔

قرآن کریم اور اس کے متعلقات کے فضائل کا بیان

قرآن کریم آسمانی کتابوں میں وہ واحد اور منفرد کتاب ہے جس میں تحریف اور تبدیلی نہیں ہو سکتی جس میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ بعثت نبوی سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے جامع ہدایات عطا کی ہیں جس کی پہلے سے کی گئی پیش گوئیوں کو بعد میں آنے والے وقت نے صحیح ثابت کر دیا اور قیامت تک اس کی پیش گوئیاں تسلسل اور تواتر سے پوری ہو کر قرآن مجید کی صداقت کو ہر زمانہ میں دنیا والوں پر آشکارا کرتی رہیں گی یہ وہ واحد اور منفرد کتاب ہے جس کو یاد کرنے اور زبانی پڑھنے والے تمام دنیا میں موجود ہیں۔

یہ وہ واحد کتاب ہے جو دنیا میں بکثرت چھپتی ہے سب زیادہ سب سے زیادہ پڑھی اور سنی جاتی ہے اور جس کی تعلیمات پر دنیا میں سب سے زیادہ عمل کیا جاتا ہے یہ وہ منفرد کتاب ہے جس نے اپنے نبی کے علاوہ انبیاء سابقین کی تعظیم کو بھی واجب کیا اور ان پر

ایمان لانے کو ضروری قرار دیا۔

دوسری آسمانی کتاب کے ماننے والے یہ دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں کہ ان کی کتاب آج ان کے ہاتھوں میں بعینہ اسی طرح موجود ہے جس طرح وہ نازل ہوئی تھی اور اس میں کوئی کمی بیشی یا تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی اس کے برخلاف قرآن مجید نے دعویٰ کیا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

لا ریب ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کی کسی آیات میں تحریف نہیں ہو سکتی قرآن کریم کی کسی آیت کو دوسرے الفاظ میں بدل نہیں جاسکتا:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (حم السجدة: ۴۲)

غیر قرآن مجید قرآن میں شامل نہیں ہو سکتا نہ آگے نہ پیچھے۔

چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد کوئی بڑے سے بڑا منکر اسلام بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ قرآن کریم کی فلاں آیت پہلے اس طرح تھی اور اب اس طرح ہے قرآن مجید میں چھ ہزار چھ سو سولہ آیات ستر ہزار نو سو چونتیس کلمات اور تین لاکھ تیس ہزار چھ سو اکہتر حروف ہیں اور کسی آیت کسی کلمہ بلکہ کسی حرف کے بارے میں بھی کمی بیشی یا تبدیلی اور تحریف کا کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے اور یہ کتنا بڑا اعجاز ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے ساتھ رخصت ہو گئے لیکن آپ کی نبوت کا معجزہ قیامت تک قائم رہے گا

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ماننے والوں سے اگر کوئی پوچھے کہ تمہارے نبی علیہ السلام کی نبوت پر کیا دلیل ہے تو کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا اور اگر ہم سے پوچھے کہ تمہارے نبی کی نبوت پر کیا دلیل ہے تو ہم سرکار کی نبوت پر ایک دو نہیں چوبیس ہزار سے زیادہ دلیلیں پیش کر سکتے ہیں اسی طرح اگر کسی دین کا پیروکار اپنے دین کے بارے میں مشکوک ہو تو اس کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے اور اگر خدا نخواستہ کوئی مسلمان اپنے دین سے مشکوک ہو تو اس کو مطمئن کرنے کے لیے چوبیس ہزار سے زیادہ وجوہات ہیں۔ واللہ الحمد علی ذلک

کلام اللہ ہے: قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے یہاں تک کہ زمینی مخلوقات میں کعبۃ اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں اور عالم بالا و عالم غیب کی مخلوقات میں عرش کرسی لوح و قلم جنت اور جنت کی نعمتیں اور اللہ کے مقرب ترین فرشتے یہ سب اپنی معلوم و مسلم عظمت کے باوجود غیر اللہ اور مخلوق ہیں لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس سے الگ کی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذات عالی کے ساتھ قائم ہے یہ اللہ پاک کا بے انتہاء کرم اور اس کی عظیم تر نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے وہ کلام ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔

قرآن کریم کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے، اور صفت اور موصوف کا درجہ ایک ہوتا ہے، پس قرآن کریم کے لئے اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی، اور اس لئے حکمت الہی نے چاہا کہ قرآن کریم کی تلاوت

کی ترغیب دی جائے، اس کی تلاوت کے فضائل بیان کئے جائیں، نیز بعض مخصوص سورتوں اور آیتوں کے بھی فضائل بیان کئے جائیں۔ اور احادیث میں خاص سورتوں اور آیتوں کی فضیلت بیان کی، جیسے سورہ کہف، سورہ الملک، سورہ الفاتحہ، سورہ البقرہ اور سورہ آل عمران وغیرہ کے فضائل بیان کئے، اور آیت الکرسی، سورہ الاخلاص، معوذتین وغیرہ کا امتیاز بیان کیا تاکہ لوگ ان کو وظیفہ بنائیں۔ یہ تفاضل چند وجوہ سے ہے:

اول: وہ سورت یا آیت جو صفات الہیہ میں غور و فکر کے لئے زیادہ مفید ہے، اور اس میں صفات الہیہ کے تعلق سے جامعیت اور ہمہ گیری کی صفت پائی جاتی ہے، جیسے آیت الکرسی، سورہ الحشر کی آخری تین آیتیں اور سورہ الاخلاص وغیرہ ان آیتوں کا درجہ قرآن کریم میں ایسا ہے جیسا اسمائے الہیہ میں اسم اعظم کا درجہ ہے۔

دوم: کوئی سورت ایسی ہے جس کا نزول بندوں کے ورد (وظیفہ) کے لئے ہوا ہے یعنی اس کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ لوگ جانیں کہ وہ اپنے پروردگار کا تقرب کیسے حاصل کریں؟ جیسے سورہ فاتحہ، اس کا درجہ قرآن کی دوسری سورتوں کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا عبادات میں فرائض کا درجہ ہے۔

سوم: وہ سورتیں جو جامع ترین ہیں، جیسے زہرا دین یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران۔ سورہ بقرہ میں اسلام کے اصول و عقائد اور احکام شریعت کا جتنا تفصیلی تذکرہ ہے اتنا کسی دوسری سورت میں نہیں ہے، اسی لئے اس سورت کو قرآن میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے، اور اس کو قرآن کی کوہان، قرار دیا گیا ہے۔ اور حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے اس گھر میں شیطان نہیں آسکتا، اور سورہ آل عمران میں مجادلات اور جنگی معاملات کی جتنی تفصیل ہے اتنی کسی دوسری سورت میں نہیں ہے۔

—*—

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

باب ۱: سورۃ الفاتحہ کی فضیلت

(۲۸۰۰) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَبِیُّ وَهُوَ يُصَلِّي قَالَ تَفَتَّ أَبِیُّ فَلَمْ يُجِبْهُ وَصَلَّى أَبِیُّ فَتَحَفَّفَ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ مَا مَنَعَكَ يَا أَبِیُّ أَنْ تُجِيبَنِي إِذْ دَعَوْتُكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي كُنْتُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ أَفَلَمْ تُحَدِّثْنِي أَوْحَى اللَّهُ إِلَيَّ أَنْ (اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ) قَالَ بَلَى وَلَا أَعُوذُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ قَالَ أَسْأَلُكَ أَنْ تُعَلِّمَنِي سُورَةً لَمْ يُنْزَلْ فِي التَّوْرَةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلُهَا قَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ فَقَرَأَ أَمَّ الْقُرْآنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعُ مِثَالَيْنِ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُعْطِيَتْهُ.

تَرْجِمَتُہَا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لے گئے نبی اکرم ﷺ نے آواز دی اے ابی وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے توجہ کی لیکن جواب نہیں دیا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے رہے انہوں نے نماز مختصر کی پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی السلام علیک یا رسول اللہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں بھی سلام ہو تم نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟ اے ابی جب میں نے تمہیں بلایا تھا انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری طرف جو کلام وحی کیا ہے کیا تم نے اس میں یہ بات نہیں پائی جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہیں بلائیں تو تم انہیں جواب دو۔، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جی ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں اس سورت کی تعلیم دوں تو رات میں انجیل میں زبور میں اور قرآن میں اس کی مانند اور کوئی سورۃ نازل نہیں ہوئی؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تم نماز میں کیا قرأت کرتے ہو؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تو رات انجیل زبور اور قرآن میں اس کی مانند اور کوئی سورۃ نازل نہیں کی گئی یہی سبع مثانی ہے اور وہ عظیم قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

تَشْرِیْح: سورۃ الفاتحہ ایک بیش بہا دولت ہے، جو اس امت کے علاوہ کسی امت کو نہیں ملی، مسلمان اس کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے، اس میں صرف دینی فائدے ہی نہیں، دنیوی پریشانیوں، بیماریوں اور بلاؤں کا علاج بھی ہے، حدیث میں ہے: سورۃ الفاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے (رواہ الدارمی) پس اس مبارک سورت کا جس قدر در رکھا جائے باعث خیر و برکت ہے، اور وہ اسی مقصد سے عطا فرمائی گئی ہے، چنانچہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

(۱) یہ مسئلہ علماء کے نزدیک طے شدہ ہے کہ اگر نبی ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں کسی کو پکاریں اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو فوراً جواب دینا ضروری ہے، پھر رہی یہ بات کہ جواب دینے سے نماز باقی رہے گی یا ٹوٹ جائے گی؟ یہ الگ مسئلہ ہے،

مذہب فقہاء: اس میں حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ کے دو دوقول ہیں مالکیہ حنابلہ اور شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک رائج یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی جبکہ حنفیہ رحمہم اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی امام طحاوی رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے ملا علی قاری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بلانے پر لازماً اسے حاضر ہو جانا چاہیے جبکہ وہ بندہ نماز میں ہو آیا اس حاضری سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں حدیث خاموش ہے اور عام دلائل کہ اس طرح نماز کو توڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں بھی اس شخص کی نماز فاسد ہو جائے گی جو نماز توڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ اسے نماز توڑنے کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (اوجز المسالک ۲/۸۸ ما جاء فی القرآن)

(۲) اور سورۃ الانفال میں جو حکم ہے اس کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جانتے تھے، مگر یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا عموم نماز تک ہے، نماز پڑھتے ہوئے بھی نبی ﷺ کی ندا کا جواب دینا چاہئے: یہ بات آج حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے آئی، چنانچہ انھوں نے کہا: میں آئندہ یہ غلطی نہیں کروں گا۔

(۳) سورۃ الحجر آیت ۸۷ میں ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپ

ﷺ کو بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی آیتوں میں سے سات آیتیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے۔

سورۃ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سورۃ فاتحہ کے تین نام ذکر فرمائے ہیں ام القرآن سبع مثانی اور قرآن عظیم اس سورت کے یہ نام کس وجہ سے رکھے گئے ہیں۔

مثانی جمع ہے ثنی کی اس کے معنی ہیں دو دو سورۃ فاتحہ کو مثانی کہنے کی مختلف وجہیں ذکر کی گئی ہیں:

نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے۔ اس میں اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء بیان کی گئی ہے۔ یہ سورت خاص طور پر اس امت کو استثنائی طریقے سے عطاء کی گئی ہے اس سے پہلے کسی امت پر نازل نہیں ہوئی۔

اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری بار مدینہ منورہ میں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم آپ کو سورۃ الفاتحہ عطا فرمائی ہے، بلکہ فرمایا: سات آیتیں عطا فرمائیں، اس میں دو حکمتیں ہیں: پہلی حکمت: سات آیتیں کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا یاد کرنا کچھ مشکل نہیں، سات ہی تو آیتیں ہیں، پس جن کا حافظہ نہایت کمزور ہے وہ بھی ہمت نہ ہاریں!

دوسری حکمت: نماز میں اس سورت کو سات وقفوں میں پڑھنا چاہئے، نبی ﷺ اسی طرح پڑھتے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات بیان فرمائی ہے (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث آگے آرہی ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ ایک دعا ہے، اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی ایک صدا ہے، اور اس کے پڑھنے کا قدرتی طریقہ سوال کا انداز ہے، جب کوئی سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح و ثنا کر کے مطلب عرض کرتا ہے۔

سائل ان میں سے ہر بول بھڑ بھڑ کر کہتا ہے، اور حدیث کے آخری جزء والقرآن العظیم: الذی اعطیتہ کے دو مطلب ہیں: پہلا مطلب: جو زیادہ صحیح ہے: یہ ہے کہ قرآن عظیم سے مراد وہ پوری کتاب ہے جس میں سورۃ فاتحہ بھی شامل ہے اور قرآن کی سات آیتوں (سورۃ فاتحہ) کی تخصیص ان کی اہمیت کی وجہ سے کی گئی ہے۔

کیف تقرأ فی الصلاة؟ قال: فقرأ ام القرآن.

”تو نماز میں کیسے پڑھتا ہے؟ فرماتے ہیں پھر ام القرآن یعنی سورۃ فاتحہ پڑھی۔“

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر حدیث کے ان الفاظ کے اعتبار سے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہاں سوال اور جواب میں مطابقت نہیں ہے کیونکہ سوال میں قراءت کی حالت اور کیفیت کا ذکر ہے۔

اور یہاں جواب میں نفس قراءت کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ سوال اس کے بارے میں نہیں تھا؟

جواب کہ ہو سکتا ہے کہ یہاں جواب میں کچھ الفاظ مقدر ہوں اصل عبارت اس طرح ہو: قرأ ام القرآن مر تلاً و مجوداً کہ

حضرت ابی نے سورۃ فاتحہ کو ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھا ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي سُورَةِ الْبَقَرَةِ وَآيَةِ الْكُرْسِيِّ

باب ۲: سورة البقرہ اور آیت الکرسی کی فضیلت

(۲۸۰۱) بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعْثًا وَهُمْ ذُو وَعَدٍ فَاسْتَقْرَأَهُمْ فَاسْتَقْرَأَ كُلَّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ يَعْزِي مَامَعَهُ مِنَ الْقُرْآنِ فَأَتَى عَلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ مِنْ أَحَدِهِمْ سِنًا فَقَالَ مَامَعَكَ يَا فُلَانُ فَقَالَ مَعِيَ كَذَا وَكَذَا وَسُورَةُ الْبَقَرَةِ فَقَالَ أَمَعَكَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ إِذْ هَبْتَ فَأَنْتَ أَمِيرُهُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ أَشْرَافِهِمْ وَاللَّهِ مَا مَنَعَنِي أَنْ أَتَعَلَّمَ الْبَقَرَةَ إِلَّا خَشْيَةً أَنْ لَا أَقُومَ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاقْرَؤُوهَ فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَهُ فَقَرَأَهُ وَقَامَ بِهِ كَمَثَلِ جَرَابٍ مَّخْشُوٍّ مُسْكَيًا يَفُوحُ رِيحُهُ فِي كُلِّ مَكَانٍ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَيَرْقُدُ وَهُوَ فِي جَوْفِهِ كَمَثَلِ جَرَابٍ أَوْ كَى عَلَى مِسْكِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک مہم روانہ کی جس میں کئی افراد تھے آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا ان میں سے کس کو کتنا قرآن پاک آتا ہے؟ تو ہر شخص نے بتایا اسے کتنا قرآن پاک آتا ہے پھر آپ ﷺ نے ان میں سے ایک فرد کے پاس تشریف لائے جس کی عمر سب سے کم تھی آپ ﷺ نے دریافت کیا اے فلاں تمہیں کتنا قرآن پاک آتا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے فلاں فلاں سورتیں آتی ہیں اور سورۃ البقرہ بھی آتی ہے آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہیں سورۃ البقرہ آتی ہے اس نے جواب دیا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تم جاؤ تم ان کے امیر ہو تو ان لوگوں میں سے ایک بڑی عمر کے صاحب نے عرض کی اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تو اس وجہ سے اس سورت کو یاد نہیں کیا (میں قیام کی حالت میں اس کی قرأت نہیں کر سکوں گا) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم قرآن پاک کو سیکھو اور اس کو پڑھا کرو کیونکہ جو شخص قرآن پاک کا علم حاصل کرنے کے بعد اس کی قرأت بھی کرے اور قیام کی حالت میں اسے پڑھے بھی اس کی مثال اس تھیلی کی طرح ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو اور اس کی خوشبو ہر جگہ پھیلی ہو اور جو شخص قرآن پاک کا علم حاصل کر کے سو جائے اور قرآن پاک اس کے ذہن میں ہو تو اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی طرح ہے جس کے منہ کو باندھ دیا گیا ہو۔

(۲۸۰۲) لَا تَجْعَلُوا أَبْيُوتَكُمْ مَقَابِرَ وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ الْبَقَرَةُ فِيهِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ جس گھر میں سورۃ البقرہ کی تلاوت ہوتی ہو وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

(۲۸۰۳) لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ أَيِّ الْقُرْآنِ هِيَ آيَةُ الْكُرْسِيِّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر شخص کی ایک کوہان (ریڑھ کی ہڈی یا بلندی) ہوتی ہے اور

قرآن پاک کی کوہان سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن پاک کی تمام آیتوں کی سردار ہے وہ آیت الکرسی ہے۔

(۲۸۰۴) مَنْ قَرَأَ لَحْمَ الْمُؤْمِنِ إِلَى إِلَهِهِ الْمَصِيرُ وَآيَةُ الْكُرْسِيِّ حِينَ يُصْبِحُ حِفْظُهَا حَتَّى يُمَسِّيَ وَمَنْ قَرَأَهَا حِينَ يُمَسِّيَ حِفْظُهَا حَتَّى يُصْبِحَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ جو شخص سورہ حم المؤمن کو الیہ المصیر تک پڑھے اور پھر آیت الکرسی پڑھ لے تو ان آیات کی برکت کی وجہ سے شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جو شخص اسے شام کے وقت پڑھ لے تو صبح تک اس کی حفاظت کی جائے گی۔

(۲۸۰۵) أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ سَهْوَةٌ فِيهَا تَمَرٌ فَكَانَتْ تَجِيئُ الْغُولُ فَتَأْخُذُ مِنْهُ فَشَكَا ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِذْهَبْ فَإِذَا رَأَيْتَهَا فَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ أَجِيبِي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَاتَّخَذَهَا فَخَلَفْتُ أَنْ لَا تَعُودَ فَأَرْسَلَهَا فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ قَالَ خَلَفْتُ أَنْ لَا تَعُودَ قَالَ كَذَبْتَ وَهِيَ مُعَاوِدَةٌ لِلْكَذِبِ قَالَ فَاتَّخَذَهَا مَرَّةً أُخْرَى فَخَلَفْتُ أَنْ لَا تَعُودَ فَأَرْسَلَهَا فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ قَالَ فَخَلَفْتُ أَنْ لَا تَعُودَ فَقَالَ كَذَبْتَ وَهِيَ مُعَاوِدَةٌ لِلْكَذِبِ فَاتَّخَذَهَا فَقَالَ مَا أَتَا بِتَارِكِكَ حَتَّى أَذْهَبَ بِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ إِنِّي ذَا كِرَّةٍ لَكَ شَيْئًا آيَةُ الْكُرْسِيِّ اقْرَأْهَا فِي بَيْتِكَ فَلَا يَقْرُبُكَ شَيْطَانٌ وَلَا غَيْرُهُ فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ قَالَ فَاتَّخَذَهَا بِمَا قَالَتْ صَدَقْتَ وَهِيَ كَذُوبٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ان کے ہاں ایک ڈیوڑھی تھی جس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں وہاں ایک جنی آئی اور ان کھجوروں کو چرا لیا میں نے اس بات کی شکایت نبی اکرم ﷺ سے کی آپ ﷺ نے فرمایا تم جاؤ جب تم اسے دیکھو تو یہ پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رسول کو جواب دو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے اسے پکڑ لیا تو اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گی تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت کیا تمہاری قیدی کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے جواب دیا اس نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے جھوٹ کہا ہے کیونکہ جھوٹ بولنا اس کی عادت ہے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے ایک مرتبہ اسے پکڑ لیا تو اس نے پھر یہ قسم اٹھائی کہ وہ اب ایسا نہیں کرے گی انہوں نے پھر اسے چھوڑ دیا پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے دریافت کیا تمہاری قیدی کے ساتھ اب کیا معاملہ ہوا انہوں نے جواب دیا اس نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ اب وہ ایسا نہیں کرے گی آپ ﷺ نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ جھوٹ بولنا اس کی عادت ہے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے پھر اسے پکڑ لیا اور فرمایا اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا بلکہ تمہیں نبی اکرم ﷺ کے پاس لے کر جاؤ گا تو اس نے کہا میں آپ کے سامنے ایک چیز ذکر کرنے لگی ہوں یہ آیت الکرسی ہے آپ اسے اپنے گھر میں پڑھا کرو شیطان آپ کے قریب نہیں آئے گا اور دوسرا بھی کوئی نہیں آئے گا حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت کیا تمہاری قیدی نے کیا معاملہ کیا تو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس بارے میں بتایا جو اس (جن) نے کہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اس سچ کہا ہے ویسے وہ جھوٹ بولتی ہے۔

تشریح: اسلام کے بنیاد اصول و عقائد اور احکام شریعت کا جتنا تفصیلی بیان سورۃ بقرہ میں کیا گیا اتنا اور ایسا قرآن پاک کی کسی دوسری سورت میں نہیں کیا گیا غالباً اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو قرآن میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے اور غالباً اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو اس حدیث میں سنم القرآن کا لقب دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

قرآن مجید کو لوح محفوظ میں کب لکھا گیا؟ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو لوح محفوظ میں اور دیگر تمام چیزوں کی تقدیریں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئی ہیں۔

اعتراض: یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں دو ہزار سال کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایت میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) اس سے طویل مدت اور سابق ہونا مراد ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے قرآن مجید کو لوح محفوظ میں لکھ دیا اور ہر چیز کی تقدیر لکھ دی۔

(۲) کتابت تقدیر کے اوقات مختلف ہیں بعض چیزیں پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئی ہیں اور بعض چیزوں کو آسمان وزمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے لکھا گیا ہے۔

(۳) علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ میں قرآن مجید کی کتابت اور ہر چیز کی تقدیر کو آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا اور ان کے سامنے قرآن مجید کی کتابت کو آسمان وزمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ظاہر فرمایا اس لیے دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

لغات: تقدّمہ: سورۃ بقرہ اور آل عمران کا اجر و ثواب بقیہ قرآن مجید کے اجر و ثواب سے آگے آگے ہوگا۔ غیایتان غیایۃ کا تشبیہ ہے ہر وہ چیز جس سے سایہ حاصل کیا جائے جیسے بادل وغیرہ۔ شَرَق: نور روشنی خلا فرج کشا دگی۔ غمامتان غمامة: کا تشبیہ ہے بادل بدلی۔ ظُلّة: تشدید سائبان۔ صواف صافۃ کی جمع ہے دونوں پر پھیلا کر اڑنے والے پرندے گویا انہوں نے صف باندھی ہوئی ہے۔ تجادلان: وہ دونوں سورتیں جھگڑا اور بحث و مباحثہ کریں گی یعنی سفارش کریں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ

باب ۳: سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

(۲۸۰۶) مَنْ قَرَأَ الْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَا.

تو بیچہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ انصاری بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کے وقت سورہ بقرہ کی آخری دو آیات

کی تلاوت کر لے تو یہ دونوں اس کے لیے کافی ہوں گی۔

(۲۸۰۷) إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْقَمَىٰ عَامٍ أَنْزَلَ مِنْهُ آيَاتٍ خَتَمَ بِهِنَّ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا يُقْرَأُ فِي دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَأُ بِهَا شَيْطَانٌ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے ایک تحریر لکھی جس میں سے دو آیات اس نے نازل کی ہیں جن کے ذریعے سورہ بقرہ ختم ہوتی ہے اور یہ دونوں آیتیں تین دن تک جس بھی گھر میں تلاوت کی جائیں گی شیطان اس کے قریب نہیں جائے گا۔

تشریح: اور کفتاہ: وہ دونوں آیتیں اس کے لئے کافی ہو جائیں گی: اس کے تین مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا مطلب: اگر وہ اس رات میں تہجد اور تہجد میں قرآن کریم نہیں پڑھے گا تو بھی اس کو تہجد کا (اصلی) ثواب مل جائے گا، اس مطلب کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے ہوتی ہے، فرمایا:

مَنْ قَرَأَ خَاتِمَةَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ حَتَّى يَخْتُمَهَا فِي لَيْلَةٍ: اجزات عنہ قیام تلك الليلة.

(رواہ الدیلمی، کنز العمال حدیث ۲۵۷۴)

”جس شخص نے سورہ بقرہ ایک رات میں ختم تک پڑھی اس کے لئے اس رات کے قیام کے لئے کافی ہو جائے گا۔“

یعنی جس نے کسی رات میں سورۃ البقرۃ کی آخری آیتیں پڑھیں، یہاں تک کہ ان کو ختم کیا تو وہ آیتیں اس کی طرف سے اس رات کے نوافل سے کافی ہو جائیں گی۔

دوسرا مطلب: وہ شخص اس رات میں شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا، شیاطین الانس اور شیاطین الجن اس کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اس مطلب کی تائید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث سے ہوتی ہے۔

تیسرا مطلب: حدیث عام ہے، یہ آیتیں ہر برائی اور ہر خطرہ سے بچا لیتی ہیں، اور علم معانی کے قواعد کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حدیث کو عام رکھا جائے، کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ متعلق کا حذف تعمیم پر دلالت کرتا ہے (لیذهب الذہن کل مذهب) پس پہلی دو صورتیں بھی اس مطلب میں شامل ہو جائیں گی۔

حدیث (۲) کی تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے یہ مضمون تفصیل سے بیان کیا ہے کہ تقدیر الہی پانچ مختلف مراحل میں ظاہر ہوئی ہے:

پہلی مرتبہ: اللہ کے علم ازلی میں تمام چیزوں کے اندازے ٹھہرائے گئے ہیں۔

دوسری مرتبہ: تخلیق ارض و سماء سے پچاس ہزار سال پہلے عرش کی قوت خیالیہ میں سب چیزیں موجود ہوئی ہیں۔

تیسری مرتبہ: تخلیق آدم کے بعد جب عہد الست لیا گیا اس وقت تقدیر کا تحقق ہوا ہے۔

چوتھی مرتبہ: شکم مادر میں جب روح پڑنے کا وقت آتا ہے تو تقدیر کا ایک گونہ تحقق ہوتا ہے۔

پانچویں مرتبہ: دنیا میں واقعہ رونما ہونے سے کچھ پہلے تقدیر پائی جاتی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ

سورہ آل عمران کی فضیلت

(۲۸۰۸) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يٰحِبُّوْنَ فِي الدُّنْيَا تَقْدُمُهُ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلُ عِمْرَانَ قَالَتْ نُوَاسٌ وَصَرَبَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ اَمْثَالُ مَا نَسِيْتُهُنَّ بَعْدُ قَالِ يٰۤاَيُّهَا غِيَاثَانِ وَبَيْتُهُمَا شَرْقُ اَوْ كَاتِبُهُمَا غَمَامَتَانِ سَوْدَاوَانِ اَوْ كَاتِبُهُمَا ظُلَّةٌ مِّنْ ظُلُمٍ صَوَافٍ مُّجَادِلَانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) قرآن پاک آئے گا اور اسے پڑھنے والے لوگ آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے ہوں گے جن کے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی۔ حضرت نواس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں پھر نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کی تین مثالیں بیان کی تھیں جو میں کبھی نہیں بھولا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں اس طرح آئیں گی گویا یہ چھتریاں ہیں جن کے درمیان روشنی موجود ہے یا یہ اس طرح آئیں گی جس طرح یہ دو سیاہ بادل ہیں یا یہ اس طرح آئیں گی جیسے صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہیں اور یہ (اپنے پڑھنے والے کی) شفاعت کریں گی۔

(۲۸۰۹) مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ سَمَاءٍ وَّلَا اَرْضٍ اَعْظَمَ مِنْ اٰيَةِ الْكُرْسِيِّ قَالِ سَفِيَّانٌ لِاَنَّ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ وَكَلَامُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ مِنَ السَّمَاءِ وَاَلْاَرْضِ.

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حمیدی کے حوالے سے سفیان بن عیینہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں آیت الکرسی سے بڑی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ سفیان بیان کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے آیت الکرسی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام آسمان اور زمین میں موجود ساری مخلوق سے زیادہ عظیم ہے۔

تشریح: ابھی ابواب فضائل القرآن کی تمہید میں یہ بات گزری ہے شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان کی ہے کہ اس جھگڑے کی حقیقت یہ ہے کہ قاری کی نجات و عذاب کے اس میں تعارض سامنے آئے گا، اس کے گناہ اس کی بربادی کو چاہیں گے، اور زہراوین کی تلاوت نجات کو، اور بالآخر سب نجات یعنی تلاوت زہراوین کو دیگر اس ہلاکت پر ترجیح حاصل ہوگی، اور وہ بندہ ناجی ہوگا۔

فائدہ: کہ قرآن کے اور زہراوین کے قیامت کے دن کا کیا مطلب ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پڑھنے کا ثواب قیامت کے دن آئے گا، یہ معنی اس لیے بیان کئے ہیں تاکہ عام لوگوں کا عقیدہ خراب نہ ہو کہ وہ سورتیں آگے آگے کس طرح آئیں گی جبکہ ان کا جسم تو ہے نہیں۔ اور اسی حدیث میں اس تفسیر کا قرینہ موجود ہے، فرمایا: واهله الذین یعملون بہ فی الدنیا: اور اس کے وہ پڑھنے والے بھی آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، ظاہر ہے پڑھنے والے الگ ہیں اور یہ آنے والے الگ ہیں، اس لئے لامحالہ ان کے عمل کا ثواب مراد لیا جائے گا۔

(۲) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ اس جہاں میں اللہ تعالیٰ ان سورتوں کو ایک جسم اور شکل عطا فرمادیں گے اس لئے وہ آگے آگے ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے پڑھنے اور عمل کرنے والے کے حق میں سفارش کریں

گی۔ (الکوکب الدرۃ ۱۲/۴)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے کہ یہ عالم مثال کے احوال ہیں اس عالم میں تمام معنویات مستعمل ہوں گی، ان کو وہاں پیکر محسوس ملے گا۔ حضرت شاہ صاحب نے عالم المثال میں اپنے اس دعویٰ پر بے شمار دلیلیں پیش کی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی حدیث میں تین آیتوں کا ذکر ہے جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جس شخص اس کی دس آیتیں یاد کر لے گا تو اسے دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا بظاہر دونوں میں تعارض سا ہے؟ تین طرح سے تطبیق دی گئی ہے۔

(۱) جو شخص دس آیتیں یاد کر لے تو وہ دجال کے شر سے بچایا جائے گا اگر وہ اس کا زمانہ پالے اور اس سے ملے اور جو شخص تین آیتیں پڑھے گا تو وہ اس فتنہ سے محفوظ رہے گا جس میں لوگ مبتلا ہوں گے۔

(۲) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ پہلے تو دس آیتوں کے یاد کرنے پر مذکور برکت کی بشارت دی گئی ہو پھر بعد میں اللہ نے محض اپنے فضل سے تین آیتوں کے پڑھنے پر ہی بشارت عطا فرمادی ہو اس لیے پہلے آپ دس آیتوں کو یاد کرنے کا اور پھر تین آیتیں پڑھنے کا بیان فرمایا۔ (تحفۃ الاحوذی ۸/۱۹۷)

ایک دوسری حدیث کی تفصیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ما خلق الله من سماء ولا ارض.

اعظم من آية الكرسي: الله تعالى نے آیت الکرسی سے بڑی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، نہ آسمان نہ زمین۔

سفیان بن عیینہ نے اس حدیث کی تفسیر یہ کی ہے کہ آیت الکرسی اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے، پس وہ ہر مخلوق سے بڑی ہے، آسمان سے بھی اور زمین سے بھی (مگر اس تفسیر پر اعتراض۔)

اعتراض: یہ ہے کہ یہ بات آیت الکرسی کے ساتھ خاص نہیں، سارے ہی قرآن کا یہ حال ہے، پھر حدیث میں آیت الکرسی کے تعلق سے یہ بات کیوں فرمائی گئی؟ اس لئے یہاں بھی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ ہی چلے گی کہ آیت الکرسی کو عالم مثال میں جو پیکر محسوس ملے گا وہ آسمان و زمین سے بڑا ہوگا۔

فائدہ: یہ ذہن میں رہے کہ ان فضائل سے سورۃ ملک کا سورۃ فاتحہ اور بقرہ سے افضل ہونا لازم نہیں کیونکہ سب سے افضل سورۃ سورۃ فاتحہ اور پھر سورۃ بقرہ ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ باقی سورت میں ایسی کوئی خصوصیت اور فضیلت پائی جائے جو ان دو سورتوں میں نہ ہو اس کے باوجود ان کی فضیلت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (مرقاۃ المفاتیح ۵/۶۳، کتاب الفضائل القرآن)

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورَةِ الْكَهْفِ

باب ۵: سورۃ الکہف کی فضیلت

(۲۸۱۰) بَيْنَمَا رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ إِذْ رَأَى دَابَّةً تَرْكُضُ فَتَنَظَّرَ فَإِذَا مِثْلُ الْغَمَامَةِ وَالسَّحَابَةِ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تِلْكَ السَّكِينَةُ تَزَلَّتْ مَعَ الْقُرْآنِ أَوْ نَزَلَتْ عَلَى الْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت براء بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک صحابی سورہ کہف پڑھ رہے تھے اسی دوران انہوں نے اپنی سواری کو اچھلتے ہوئے دیکھا جب انہوں نے توجہ کی تو انہیں ایک بادل نظر آیا (بعد میں) وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ سکینت تھی جو قرآن پاک کے ہمراہ نازل ہو رہی تھی (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) قرآن پاک پر نازل ہو رہی تھی۔

(۲۸۱۱) مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ الْكَهْفِ عَصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ.

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی تین آیات پڑھتا رہے وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت قتادہ سے امام شعبہ روایت کرتے ہیں، اس میں سورۃ الکہف کی شروع کی تین آیتوں کا تذکرہ ہے، اور مسلم شریف میں اسی سند سے سورہ کہف کی آخری آیتوں کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح قتادہ کے دوسرے تلامذہ کی روایتوں میں بھی اختلاف ہے، پس جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ اول و آخر دونوں کو مراد لیا جائے، اور اس سورت کا پہلا اور آخری رکوع ہر شخص یاد کرے، اور روزانہ نماز میں ایک بار اس کو پڑھے، اور نماز میں موقع نہ ملے تو سوتے وقت یا کسی دوسرے وقت ایک بار پڑھے، ان شاء اللہ وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي يَسٍ

باب ۶: یس شریف کی فضیلت

(۲۸۱۲) أَنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يَسٌ وَمَنْ قَرَأَ يَسَ قَرَأَ اللَّهُ لَهُ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن پاک کا دل سورہ یسین ہے جو شخص سورہ یسین کی تلاوت کرے گا اس کی قرأت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس شخص کے حق میں دس مرتبہ قرآن پاک پڑھنے کا ثواب لکھ دے گا۔

تشریح: سورہ یسین شریف کو قرآن کا دل تین وجوہ سے کہا گیا ہے؟

پہلی وجہ: دل سے اشارہ درمیان کی طرف ہوتا ہے، اور یس مثنائی میں سے ہے جو معین اور سبع طول سے چھوٹی اور مفصلات سے بڑی ہے، اس طرح وہ قرآن کا درمیان اور دل ہے (قرآن پاک کی سورتیں آیات کی تعداد وغیرہ کے اعتبار سے چار حصوں میں منقسم ہیں: (۱) طول: لمبی سورتیں (۲) معین: جس میں سویا کچھ زیادہ یا کچھ کم آیتیں ہیں (۳) مثنی: جن میں سو سے کافی کم آیتیں ہیں (۴) مفصلات: جن میں بہت کم آیتیں ہیں، اور یس شریف میں ترسی آیتیں ہیں اور اس کا شمار مثنائی میں ہے۔

دوسری وجہ: دل سے اشارہ جسم کے اہم جز کی طرف ہوتا ہے، اور اس سورت میں شہر انطاکیہ کے ایک بزرگ حبیب نجار کی جو تقریر آئی

ہے: اس میں توکلِ تقویٰ اور توحید کی تعلیم ہے، یہ مضامین آیات (۲۲-۲۵) میں ہیں، ان اہم مضامین کی وجہ سے اس کو قرآن کا دل کہا ہے۔

تیسری وجہ: دل پر حیات کا مدار ہے، وہی مایہ زندگی ہے، اور اس سورت میں تدبر و تفکر کی جملہ انواع موجود ہیں، اس لئے اس کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَمِّ الدُّخَانِ

باب ۷: سورہ دخان کی فضیلت

(۲۸۱۳) مَنْ قَرَأَ لَحْمَ الدُّخَانِ فِي لَيْلَةٍ أَصْبَحَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص رات کے وقت سورہ دخان کی تلاوت کر لے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

(۲۸۱۴) مَنْ قَرَأَ لَحْمَ الدُّخَانِ فِي لَيْلَةٍ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص شب جمعہ میں سورہ حم دخان کی تلاوت کر لے اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

سورہ الدخان قرآن کریم کی چوالیسویں سورت ہے، اور پچیسویں پارہ میں ہے، اس میں کل تین رکوع ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورَةِ الْمَلِكِ

باب ۸: سورہ الملک کی فضیلت

(۲۸۱۵) ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خَبَاءَهُ عَلَى قَبْرِ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَرَبْتُ خَبَائِي عَلَى قَبْرِ وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی نے قبر پر خیمہ لگا لیا انہیں یہ پتہ نہیں تھا یہاں پر قبر موجود ہے لیکن وہاں ایک قبر موجود تھی اس میں ایک شخص سورہ الملک کی تلاوت کر رہا تھا اس نے اس سورہ کو پورا پڑھ لیا بعد میں وہ صحابی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ واقعہ سنایا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ روکنے والی ہے یہ سورت نجات دلانے والی ہے یہ اس شخص کو قبر کے عذاب سے نجات دلائے گی۔

(۲۸۱۶) إِنَّ سُورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّى غُفِرَ لَهُ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قرآن پاک میں تیس آیات پر مشتمل ایک سورہ ہے جو آدمی کی شفاعت کرے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے گا وہ سورہ الملک ہے۔

(۲۸۱۷) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ آيَةَ تَنْزِيلٍ وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورہ الم تنزیل اور سورہ ملک کی تلاوت نہیں کر لیتے تھے۔

سورہ الملک انیسویں پارے کی پہلی سورت ہے، اس کی فضیلت میں درج ذیل حدیثیں آئی ہیں۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا راوی یحییٰ ضعیف ہے، اور اس کا باپ معمولی راوی ہے، وہ حدیثوں میں غلطیاں کرتا تھا۔

حدیث (۴) کی تشریح: یہ ان دونوں سورتوں کا انعامی ثواب ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سورہ البقرہ سے افضل ہوں کیونکہ سورہ البقرہ کا انعامی ثواب بے حد ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک تابعی کا قول ہے، حدیث مرفوع نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورَةِ الْإِخْلَاصِ، وَفِي سُورَةِ إِذَا زُلْزِلَتْ

باب ۹: سورۃ الاخلاص اور سورۃ الزلزال کی فضیلت

(۲۸۱۸) مَنْ قَرَأَ إِذَا زُلْزِلَتْ عُدِلَتْ لَهُ بِنِصْفِ الْقُرْآنِ وَمَنْ قَرَأَ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ عُدِلَتْ لَهُ بِرُبُعِ الْقُرْآنِ وَمَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ عُدِلَتْ لَهُ بِثُلُثِ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص سورہ زلزال کی تلاوت کر لے تو یہ اس کے لیے نصف قرآن پاک پڑھنے کے برابر ہوگا اور جو شخص سورہ کافرون کی تلاوت کر لے تو یہ اس کے لیے ایک چوتھائی قرآن پاک پڑھنے کے برابر ہوگا جو شخص سورت اخلاص کی تلاوت کر لے تو یہ اس کے لیے ایک تہائی قرآن پاک پڑھنے کے برابر ہوگا (یعنی اتنا ثواب ملے گا)۔

(۲۸۱۹) إِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْآنِ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سورہ زلزال نصف قرآن پاک کے برابر ہے اور سورہ اخلاص ایک تہائی قرآن پاک کے برابر ہے اور سورہ کافرون ایک چوتھائی قرآن پاک کے برابر ہے۔

(۲۸۲۰) لِرَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ هَلْ تَرَوْجَتِ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَلَا عِنْدِي مَا أَتَرَوْجُ بِهِ قَالَ أَلَيْسَ مَعَكَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ قَالَ بَلَى قَالَ ثَلَاثُ الْقُرْآنِ قَالَ أَلَيْسَ مَعَكَ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ قَالَ بَلَى

فائدہ: یہ دوسرا مطلب مشہور ہے اور پہلا مطلب اصح ہے، کیونکہ دوسرا مطلب لینے کی صورت میں سورۃ الزلزال کا سورۃ الاخلاص سے افضل ہونا لازم آئے گا کیونکہ سورۃ الزلزال کو نصف قرآن کہا گیا ہے، اور سورۃ الاخلاص کو تہائی قرآن، اور اس افضلیت کا کوئی قائل نہیں، اس لئے پہلا مطلب اصح ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورَةِ الْإِخْلَاصِ

باب ۱۰: سورة الاخلاص کی فضیلت

(۲۸۲۱) اَيَعِجُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثُ الْقُرْآنِ مَنْ قَرَأَ اللَّهُ الْوَاحِدَ الصَّمَدَ فَقَدْ قَرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ رات کے وقت ایک تہائی قرآن پاک کیوں نہیں پڑھتے؟ جو شخص سورہ اخلاص کی تلاوت کر لے گا تو گویا اس نے ایک تہائی قرآن پاک کی تلاوت کی۔

(۲۸۲۲) أَقْبَلْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آ رہا تھا آپ ﷺ نے کسی شخص کو سورہ اخلاص کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی میں نے عرض کی کیا چیز واجب ہوگئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا (اس پڑھنے والے کے لیے جنت)۔

(۲۸۲۳) مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَتِي مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ مُحِي عَنْهُ ذُنُوبُ خَمْسِينَ سَنَةً إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَلَيْهِ دَيْنٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص روزانہ دو سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے گا اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے البتہ اگر اس کے ذمے قرض ہو (تو وہ معاف نہیں ہوگا)۔

(۲۸۲۴) قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثُ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سورہ اخلاص ایک تہائی قرآن پاک کے برابر ہے۔

(۲۸۲۵) أَحْشَدُوا فَإِنِّي سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ قَالَ فَحْشَدَ مَنْ حَشَدَ ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ثُمَّ دَخَلَ فَقَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَإِنِّي سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ إِنِّي لَا أَرَى هَذَا خَبَرًا جَاءَ لَنَا مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ خَرَجَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنِّي قُلْتُ سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ إِلَّا وَائْتَهَا تَعْدِلُ بِثُلُثِ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم لوگ اکٹھے ہو جاؤ تاکہ میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پاک کی تلاوت کروں گا راوی بیان کرتے ہیں کچھ لوگ اکٹھے ہو گئے پھر آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے سورہ اخلاص کی تلاوت کی پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس بارے میں ایک دوسرے سے کچھ کہا نبی اکرم ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پاک کی تلاوت کروں گا تو ہمارا یہ خیال ہے شاید آپ ﷺ پر

وحی نازل ہونے لگی ہے اسی لیے (آپ ﷺ) اندر تشریف لے گئے ہیں) پھر آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا میں نے یہ کہا تھا میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پاک کی تلاوت کروں گا یاد رکھنا (سورۃ اخلاص) ایک تہائی قرآن پاک کے برابر ہے۔

(۲۸۲۶) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَوْمُهُمْ فِي مَسْجِدِ قَبَاءَ فَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُورَةً يُقْرَأُ لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ يَقْرَأُ بِهَا افْتَتَحَ يَقُولُ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يَقْرَأُ بِسُورَةٍ أُخْرَى مَعَهَا وَكَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ فَقَالُوا إِنَّكَ تَقْرَأُ بِهَذِهِ السُّورَةِ ثُمَّ لَا تَرَى أَنَّهَا تُجْزِيكَ حَتَّى تَقْرَأَ بِسُورَةٍ أُخْرَى فَأَمَّا أَنْ تَقْرَأَ بِهَا وَإِنَّمَا أَنْ تَدْعَهَا وَتَقْرَأَ بِسُورَةٍ أُخْرَى قَالَ مَا أَنَا بِتَارِكِهَا إِنِّي أَحْبَبْتُكُمْ أَنْ أَوْمَكُم بِهَا فَعَلْتُ وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ وَكَانُوا يَرَوْنَهُ أَفْضَلَهُمْ وَكَرِهُوا أَنْ يَوْمَهُمْ غَيْرُهُ فَلَمَّا آتَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ مِنِّي يَا مُرْبِيهِ أَصْحَابَكَ وَمَا يَجْعَلُكَ أَنْ تَقْرَأَ هَذِهِ السُّورَةَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي أُحِبُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنِّي أُحِبُّهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک انصاری صحابی مسجد قباء میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے وہ نماز کے دوران جس بھی سورت کی تلاوت کرتے تھے اس کے ساتھ سورۃ اخلاص ضرور پڑھا کرتے تھے پھر بعد میں دوسری سورت پڑھتے تھے وہ ہر رکعت میں اسی طرح کیا کرتے تھے ان کے ساتھیوں نے اس بارے میں ان سے بات کی اور ان سے یہ کہا آپ یہ (سورت خلاص پڑھتے ہیں) پھر شاید یہ سمجھتے ہیں اس کی تلاوت کافی نہیں ہے اور کوئی دوسری سورت بھی پڑھنے لگ جاتے ہیں یا تو آپ اسی پر اکتفاء کیا کریں یا پھر اسے پڑھنا چھوڑ دیں اور دوسری سورت پڑھ لیا کریں تو ان صحابی نے کہا میں اسے پڑھنا نہیں چھوڑوں گا اگر تم پسند کرو تو میں اس کی تلاوت کے ہمراہ تمہاری امامت کرتا ہوں اور اگر تمہیں یہ پسند نہیں ہے تو میں تمہیں نماز نہیں پڑھاؤں گا انصار ان صاحب کو اپنے درمیان سب سے افضل سمجھتے تھے اور اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی بجائے کوئی اور ان کی امامت کرے جب آپ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ کو اس بارے میں بتایا کہ آپ ﷺ نے دریافت کیا اے فلاں تمہارے ساتھی تمہیں جو کہتے ہیں تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور تم ہر رکعت میں اسی سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اس کے ساتھ تمہاری محبت تمہیں جنت میں داخل کرے گی۔

تشریح: سورۃ اخلاص کے تہائی قرآن ہونے کا مطلب؟ مذکورہ احادیث میں سورۃ اخلاص کی فضیلت میں مذکور ہے کہ سورۃ تہائی قرآن کے مساوی ہے اس سے کیا مراد ہے؟

علماء کرام نے اس کی مختلف وجوہ لکھی ہیں: (۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس مفہوم کی احادیث کو اپنے ظاہر پر محمول کر کے یہ فرمایا ہے کہ سورۃ اخلاص قرآن کریم کے معانی کے اعتبار سے تہائی قرآن ہے کیونکہ قرآن کریم تین قسم کے مضامین پر مشتمل ہے: احکام قصص و اخبار اور توحید سورۃ اخلاص ان امور میں سے صرف تیسرے امر یعنی توحید پر مشتمل ہے اس بناء پر اسے تہائی قرآن کہا گیا ہے۔ (فتح الباری ۸/۷۴ کتاب فضائل القرآن)

(۲) ابو العباس بن سرج فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں تین امور کا ذکر ہے احکام وعدہ عہد اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سورۃ اخلاص ان میں سے تیسرے امر پر مشتمل ہے اس لیے اس کو تہائی قرآن کے مساوی قرار دیا علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس وجہ کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔

(۳) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں سب سے اہم تین چیزیں ہیں اللہ کی معرفت، آخرت کی معرفت اور صراط مستقیم کی معرفت یہ تین چیزیں سب سے اہم اور اصل ہیں ان کے علاوہ بقیہ چیزیں ان کے تابع ہیں سورۃ اخلاص ان میں سے ایک یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہے اس لیے اسے تہائی قرآن مجید کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۷/۱۰۴-۱۲۲) لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس بارے میں جتنی بھی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں سب جمع ہو سکتی ہیں۔ اور سورۃ اخلاص کو تہائی قرآن مجید کے مساوی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب تہائی قرآن کی تلاوت کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔ (یہ حدیث ضعیف ہے، یمان بن المغیرہ ضعیف راوی ہے، اس راوی کی روایتیں صرف ترمذی میں ہیں)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَعْوِذَتَيْنِ

باب ۱۱: پناہ میں رکھنے والی دو سورتوں کی فضیلت

(۲۸۲۷) قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ آيَاتٍ لَّهُمْ يَوْمَئِذٍ مِثْلَهُنَّ (قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) إِلَىٰ آخِرِ السُّورَةِ وَ (قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ) إِلَىٰ آخِرِ السُّورَةِ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جنہی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل کی ہیں جن کی مثل کوئی آیات دکھائی نہیں دیں وہ سورہ الفلق اور سورہ الناس ہیں۔

(۲۸۲۸) أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَقْرَأَ بِالْمَعْوِذَتَيْنِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ہدایت کی میں ہر نماز کے بعد معوذتین کی تلاوت کیا کروں۔

تشریح: دنیا و آخرت کی تمام آفات سے محفوظ رہنے کا اصل ذریعہ ایک ہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دے اور اپنے عمل سے اس کی پناہ میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرے ان دونوں سورتوں میں سے پہلی یعنی سورۃ فلق میں دنیاوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور دوسری سورت یعنی سورۃ ناس میں اخروی آفات سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں اس لیے ہر نماز کے بعد اور صبح و شام انہیں پڑھنے کا معمول رکھنا چاہئے تاکہ یہ فضائل حاصل ہو سکیں۔

تنبیہ: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن مجید کا حصہ نہیں مانتے تھے یہ ایک غلط بات ان کی

طرف منسوب کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں ان میں معوذتین شامل ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو پھر ثقہ راویوں نے ایسی بے اصل بات کیوں کر روایت کر دی؟

جواب یہ ہے کہ ان روایتوں کی حقیقت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن کا جزء تو مانتے ہوں لیکن کسی وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہ لکھا ہو۔ اور نہ لکھنے کی دودھیں بہت سی ہو سکتی ہیں؟ علامہ زاہد الکوثری نے فرمایا ہے کہ انہوں نے معوذتین کو اس لیے نہیں لکھا تھا کہ ان کے بھولنے کا کوئی ڈر نہ تھا کیونکہ یہ دوسورتیں ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف میں سورۃ فاتحہ بھی نہیں لکھی تھی۔

(تفسیر قرطبی ۱/ ۱۱۳، مقالات الکوثری ص ۱۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ قَارِي الْقُرْآنِ

باب ۱۲: قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کی فضیلت

(۲۸۲۹) الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَا هَرَبَ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَّةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ قَالَ هِشَامٌ وَهُوَ شَدِيدٌ عَلَيْهِ قَالَ شُعْبَةُ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ فَلَهُ أَجْرَانِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہو اور وہ اسے پڑھنے میں ماہر ہو وہ معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص اس کی تلاوت کرتا ہو (ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں) یہ تلاوت کرنا اس کے لیے مشکل ہو (ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں) اس کے لیے مشقت کا باعث ہو تو اسے دو اجر ملیں گے۔

(۲۸۳۰) مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشْرَةِ مَنَ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَّهَتْ لَهُ النَّارُ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص قرآن پاک پڑھے اسے یاد کرے اس کے حلال کو حلال سمجھے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھے تو اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی وجہ سے اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا اور اسے اس کے گھر والوں میں سے دس افراد کے بارے میں شفاعت کا منصب دے گا جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

تشریح: قرآن مجید وہ بیش بہا خزانہ ہے جس کو اللہ رب العزت نے انسانی مخلوقات کے لئے بھیجا۔ اور اس کا مقصد کہ مخلوقات کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ بن جائے یہ تعلق اللہ رب العزت کے پہچانے کے بغیر نہیں حاصل ہوتا۔ یہ تعلق اللہ کی معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تو اس لئے قرآن مجید میں معرفت کا تذکرہ ہے۔ اس معرفت الہی کو اگر معرفت کا نام دیا جائے تو یا توحید کا نام دیا جائے، یا ایمان کا نام دیا جائے، یا ”الْعِبَادَةُ لِلَّهِ الْوَاحِدِ“ کا نام دیا اس کا مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ رب العزت کو پہچانا جائے اور اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے حقوق ادا کئے جائیں اسی مقصد کیلئے اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو اتارا۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ کو اس کا معلم بنا کر بھیجا کہ اس کے ذریعے لوگوں کو اللہ رب العزت کا تعارف کروائیں۔ نبوت سے پہلے وہ اس بات کے انتہائی مشتاق

تھے کہ کوئی طریقہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ اللہ رب العزت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ ان کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ کس طرح جوڑا جائے اس پر وگرام کے لئے آپ ﷺ انتہائی مشتاق تھے۔ ﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضَيِّقُ ۖ وَكَوْلُكُمْ تَمَسُّهُ نَارٌ﴾ (النور: ۳۵) جناب رسول اللہ ﷺ کا اصلاح فکر اور اصلاح سوچ مخلوق کا درد اور غم اتنا زیادہ تھا کہ اگر وحی نہ مل جائے تو پھر بھی لوگوں کی اصلاح کر سکتا تھے اخلاص کے ذریعے لیکن اللہ رب العزت نے وحی اتاری جب سوچ و فکر بھی انتہائی اعلیٰ تھی اور ساتھ وحی بھی مل گئی تو نور علی نور ہو گیا۔ ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ (الضحیٰ: ۷) اور پایا آپ کو حیران و پریشان اصلاح مخلوقات کے لئے۔ آپ کی پریشانی کو ضال کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور ضلالت سے کہ غم و درد انتہائی زیادہ کہ ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ کہ آپ اس مشن کو معلوم کرنے کے لئے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ کبھی پہاڑوں پر چڑھتے کہ اور غار حرا میں بیٹھ کر یہ سوچتے کہ ان لوگوں کا کیا بنے گا۔

﴿مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا انكِتَبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنِي نُورًا﴾ (الشوریٰ: ۵۲) قرآن مجید کہ نزول سے پہلے ایمان کے بیان کو نہیں جانتے تھے۔ کہ لوگوں کو ایمان کس طرح سکھایا جائے۔ تو اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو اتارا۔ لیکن ایک جھلکی سے آئی فرمایا: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ (علق: ۱، ۲) پانچ آیات اتری اور طریقہ کار بھی بتایا کہ ”اقراء“ کام آپ کا قراءت ہوگا اور معرفت الہی کو پہچاننا ہے تو فرمایا کہ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ اللہ کو پہچانا جاتا ہے۔

تشریح: اور قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، پس جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرے گا یا کسی اور طرح سے اس سے مزاوت رکھے گا: اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے محبت ہو جائے گی، آگے یہ حدیث قدسی آرہی ہے، جس کو قرآن پاک میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھے، میں اس کو مانگنے والوں کو جو دیتا ہوں اس سے بہتر دیتا ہوں اور اللہ کے کلام کی برتری دوسرے کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ کی برتری اللہ کی مخلوق پر۔

تشریح: حدیث ①: ماہر قرآن کو جو اصلی اور فضلی ثواب ملتا ہے وہ عام ناظرہ خواں کے دو ثوابوں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس لئے اس حدیث سے دوم کی اول پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

مع السفرة: سافر کی جمع ہے اس سے کون مراد ہے؟ متعدد اقوال ہیں: (۱) سفرة سے وہ مقرب فرشتے مراد ہیں جو لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ کی کتابیں نقل کرتے ہیں یا کرام کا تبین یعنی انسانوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں۔

(۲) اس سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں کیونکہ یہ حضرات بھی اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

(۳) اس سے وحی لکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور علماء امت بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ وہ بھی رسول ﷺ اور امت کے درمیان سفیر اور قاصد ہیں۔

لغات: ماہر: امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جسے قرآن مجید خوب اچھے طریقے سے یاد ہو بغیر کسی انکس کے پوری روانی سے پڑھتا ہو اور اس کے لیے قرآن پڑھنا کوئی مشکل اور دشوار نہ ہو۔ السفرة: سافر کی جمع ہے: لکھنے والے نمائندے بار کی جمع ہے نیک صالح ہو شدید علیہ و هو علیہ شاق وہ قرآن مجید اس پر سخت یعنی مشکل سے پڑھتا ہے روانی سے نہیں بلکہ انک انک کر پڑھتا ہے۔ استظرہ: اس نے قرآن مجید کو یاد کیا۔ احل: اس نے حلال جانا حرم اس نے حرام جانا شفعہ (تفہیل سے) اللہ تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرمائیں گے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْقُرْآنِ

باب ۱۳: قرآن کریم کی فضیلت

(۲۸۳۱) مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ يُحْضِرُونَ فِي الْأَحَادِيثِ فَدَخَلْتُ عَلَى عَلِيٍّ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
 أَلَا تَرَى النَّاسَ قَدْ خَاضُوا فِي الْأَحَادِيثِ قَالَ أَوْ قَدْ فَعَلُوا هَاقُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
 يَقُولُ إِلَّا إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةً فَقُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ
 وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ وَهُوَ الْفَضْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللَّهُ وَمَنْ ابْتَغَى
 الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللَّهُ وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينِ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ هُوَ الَّذِي لَا
 تَزِيغُ بِهِ إِلَّا هَوَاءٌ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ إِلَّا لِسَنَةٌ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقُضُ عَجَائِبُهُ
 هُوَ الَّذِي لَمْ تَنْتَهُ الْجَنُّ إِذْ سَمِعَتْهُ حَتَّى قَالُوا (إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَأَمْنًا بِهِ) مَنْ قَالَ بِهِ
 (صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ) عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هَدَى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ خُذْهَا إِلَيْكَ يَا أَعُورُ.

ترجمہ: حارث اعور بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں مسجد میں آیا تو وہاں لوگ بات چیت میں مصروف تھے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی اے امیر المؤمنین کیا آپ نے لوگوں کو ملاحظہ فرمایا ہے وہ بات چیت میں مصروف ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا وہ لوگ ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا جی ہاں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے عنقریب ایک فتنہ آئے گا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس سے بچنے کا راستہ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد والوں کی بھی خبریں ہیں اور جو لوگ تمہارے زمانے کے ہیں ان کے بارے میں حکم ہے اور یہ فصل ہے کوئی مذاق نہیں جو شخص تکبر کی وجہ سے اسے ترک کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور جو شخص اس کی بجائے کہیں اور سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ رہنے دے گا یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یہ حکمت والا تذکرہ ہے اور یہ صراط مستقیم ہے جسے نفسانی خواہشات میڑھا نہیں کر سکتیں اور زبانیں اس میں التباس پیدا نہیں کر سکتی ہیں اور اہل علم اس سے سیر نہیں ہوتے اور بکثرت تلاوت کرنے سے بھی یہ پرانا نہیں ہوتا اس کے عجائبات ختم نہیں ہوں گے۔ یہ وہی ہے جسے سننے کے بعد جن یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔

ہم نے قرآن پاک کو سنا ہے یہ حیرت انگیز چیز ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو شخص اس کے مطابق بات کرے گا سچ کہے گا جو شخص اس پر عمل کرے گا اسے اجر دیا جائے گا اور جو شخص اس کے مطابق فیصلہ دے گا وہ انصاف سے کام لے گا اور جو شخص اس کی طرف دعوت دے گا اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی گئی تم اسے حاصل کر لو۔

تشریح: قولہ: هو الذی لایزیغ بہ الاھواء: قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس سے خیالات میں کجی نہیں آتی، جیسے بعض کتابیں جو گمراہ لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں خیالات کو کج کر دیتی ہیں، ان کے پڑھنے سے ذہن بگڑ جاتا ہے، مگر قرآن کریم ایک ایسی

کتاب ہے جس سے کوئی غلط اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اور سورۃ الرعد میں جو ہے:

﴿قُلْ إِنْ اللَّهُ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَى اللَّهِ مَنْ أُنَابَ ۖ﴾ (الرعد: ۲۷)

آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں (نازل کردہ آیات سے) گمراہ کر دیتے ہیں، اور جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی اپنی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔“

اس کا جواب سورۃ ابراہیم میں:

﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۖ﴾ (ابراہیم: ۲۷)

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات (کلمہ طیبہ) کے ذریعے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتے ہیں، اور ظالموں کو یعنی اپنے پیروں پر کھلاڑی مارنے والوں کو پھسلا دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔“
یعنی گمراہی قرآن سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ انسان کی بے راہ روی اس کا سبب بنی ہے، جو شخص اپنا نفع نقصان نہیں سوچتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

قولہ: لا تلتبس به الا للسنة: قرآن کے ساتھ زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں، یعنی اللہ کے کلام اور غیر کے کلام میں، حتیٰ کہ نبی ﷺ کے کلام میں بھی امتیاز کرنا آسان ہے، قرآن کریم کا اپنا انداز ہے، اور لوگوں کا کلام اس سے مختلف ہے۔

من تر کہ من جبار: جو شخص تکبر و غرور کی وجہ سے قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اسے ہلاکت و برباد کر دے گا علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کی کسی ایسی آیت پر تکبر و انکار کی وجہ سے عمل کرنا چھوڑ دے جس پر عمل کرنا واجب ہے یا تکبر کی وجہ سے اس آیت کی تلاوت نہ کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ایک شخص کے دل میں قرآن کی عظمت و تقدس موجود ہے لیکن محض سستی یا کسی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے تلاوت نہیں کرتا تو اس پر کوئی گناہ نہیں البتہ وہ تلاوت کے اجر سے محروم رہتا ہے۔

ولا تلتبس به الأهواء: اس جملے کے دو مطلب ہیں: (۱) قرآن مجید کی تلاوت مومنین کی زبانوں پر دشوار اور مشکل نہیں ہوتی اگرچہ ان کی زبان عربی نہ بھی ہو پھر بھی ان کی زبان آسانی سے قراءت کر لیتی ہے۔

(۲) قرآن کریم اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اس بلند مقام پر ہے کہ دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی فصیح و بلیغ عبارت اور زبان مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ولا يشبع منه العلماء: مطلب یہ ہے کہ قرآن کے علوم و معارف اتنے وسیع اور ہمہ گیر ہیں کہ بڑے سے بڑا عالم بھی اس کے تمام علوم اور باریکیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ علماء کرام جب قرآنی علوم میں سے کسی مفہوم پر مطلع ہو جاتے ہیں تو ان کا شوق اور بڑھ جاتا ہے اور ان کی جستجو اور خواہش ہوتی ہے کہ اس سے بھی زیادہ کوئی بات معلوم ہو جائے یوں اس طلب خواہش اور تلاش و جستجو کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

ولا تنقصى عجائبه: اس کے عجائب یعنی انوکھی اور حیرت و تعجب میں ڈال دینے والی چیزیں ختم نہیں ہوتیں جیسے عطف تفسیری ہے کہ اس کی باریکیوں اور حکمتوں کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں نیز قرآن کے معنی و مفہوم کا احاطہ نہ کر سکتا علماء کا اس کے علوم سے سیر نہ ہونا

اور کثرت تلاوت سے اس کا پرانا نہ ہونا یعنی اس کی لذت سرور اور حلاوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ مزید اضافہ ہوتا ہے کہ یہ سب قرآن کے عجائب ہیں۔

پس لا یخلق اور لا یخلق دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم خواہ کتنا ہی پڑھا جائے: ہر مرتبہ وہ نیا کلام معلوم ہوتا ہے، اور اس میں جو حکم و نکات پوشیدہ ہیں وہ بے انتہا ہیں، قیامت تک علماء اس میں غور کرتے رہیں گے، اور نئی نئی باتیں نکالتے ہیں گے۔

لعنات: اعور: کافی آنکھ والا۔ ینوضون فی الأحادیث: لوگ باتوں میں مشغول تھے۔ نبأ ما کان قبلکم: ان لوگوں کے حالات جو تم سے پہلے تھے وہ حکم مابینکم وہ احکام قرآن میں ہیں جو تمہارے درمیان ضروری ہے یعنی ایمان و کفر طاعت و معصیت حلال و حرام اور معاملات وغیرہ یہ تمام تفصیل اس میں موجود ہے۔ هو الفصل: وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے، من جبار تکبر و سرکشی کی وجہ سے۔ قصہ: اللہ تعالیٰ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ حبل: رسی۔ المتین: مضبوط و مستحکم۔ الذکر: ایسی چیز جس سے اللہ تعالیٰ یاد آئیں یا جس سے لوگ وعظ و نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ لا تزیغ بہ: قرآن کی اتباع کی وجہ سے حق سے مائل نہیں ہوتیں کجروی اختیار نہیں کرتیں الا ہواء: ہوی کی جمع ہے نفسانی خواہشات لا تلتبسن مخلوط نہیں ہوتیں ہلتی نہیں الا لسانہ کی جمع ہے زبانیں لا یشبع سیر نہیں ہوتے لا یخلق پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا عن کثرة الرد زیادہ پڑھنے اور دہرانے سے لا تنقضی ختم نہیں ہوتے عجائبہ: عجیبہ کی جمع ہے حیرت انگیز اشیاء باعث تعجب امور۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ

باب ۱۴: قرآن کریم کی تعلیم کا اجر

(۲۸۳۲) خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔

(۲۸۳۳) خَيْرُكُمْ أَوْ أَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا شخص وہ ہے جو قرآن پاک کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔

(۲۸۳۴) خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن پاک کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ مَالَهُ مِنَ الْأَجْرِ؟

باب ۱۵: جو شخص قرآن کا ایک حرف پڑھے اس کے لئے کتنا ثواب ہے؟

(۲۸۳۵) مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُولُ الْم حَرْفٌ وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَا م حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک حرف پڑھے اسے اس کے عوض میں ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس گنا کے برابر ہوتی ہے میں یہ نہیں کہتا الم ایک حرف ہے بلکہ الف، ایک حرف ہے ل ایک حرف ہے اور م ایک حرف ہے۔

(۲۸۳۸) يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ قَرَأَ وَاقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتَّلْ كَمَا كُنْتَ تُرْتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قرآن پاک کے حافظ سے کہا جائے گا تم تلاوت شروع کرو اور (جنت کے درجات) پر چڑھنا شروع کرو اور اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر جیسے تم دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے تمہاری منزل وہ ہوگی جب تم آخری آیت کو تلاوت کرو گے۔

(۲۸۳۹) يَجِيئُ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ حَلِّهِ فَيَلْبَسُ تاجَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُولُ يَا رَبِّ زِدْهُ فَيَلْبَسُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُولُ يَا رَبِّ ارْضَ عَنْهُ فَيَرْضَى عَنْهُ فَيُقَالُ لَهُ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَتَرَادُّ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن قرآن پاک کا حافظ آئے گا وہ قرآن پاک عرض کرے گا اے میرے پروردگار اسے خلعت فاخرہ سے نواز تو اس حافظ قرآن کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا پھر وہ (قرآن پاک) عرض کرے گا اے میرے پروردگار اس میں اضافہ فرما تو اس شخص کو کرامت کا جوڑا پہنایا جائے گا پھر قرآن پاک عرض کرے گا اے میرے پروردگار تو اس سے راضی ہو جا تو اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہو جائے گا پھر اس (حافظ قرآن کو) کہا جائے گا تم قراءت کرنا شروع کرو اور (جنت کے درجات پر) چڑھنا شروع کرو (اور اس تلاوت کے دوران) ہر آیت کے عوض میں ایک نیکی مزید ملے گی۔

۲۸۴۱- مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلَيْسَ أَلِ اللَّهِ بِهِ فَإِنَّهُ سَيَجِيئُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ.

ترجمہ: حسن نامی راوی بیان کرتے ہیں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا گزر ایک قاری کے پاس سے ہوا جو تلاوت کر رہا تھا تو اس نے (یہ قرأت سنا کر) کچھ مانگا تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ارشاد فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص قرآن پاک پڑھے تو وہ اس کے عوض میں صرف اللہ تعالیٰ سے مانگے عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن پاک پڑھیں گے اور قرآن پاک کے عوض میں لوگوں سے مانگیں گے۔

قرآن کریم اللہ کے تقرب کا بہترین ذریعہ ہے

(۲۸۳۶) مَا أَذِنَ اللَّهُ لِعَبْدٍ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ رُكْعَتَيْنِ يُصَلِّيْهِمَا وَإِنَّ الْبِرَّ لَيَذُرُّ عَلَيْكَ رَأْسَ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِي صَلَاتِهِ وَمَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ قَالَ أَبُو النَّضْرِ يَغْنَى الْقُرْآنُ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بندے کی کسی بھی بات کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا وہ دو رکعات (میں کی گئی تلاوت) کو سنتا ہے بندہ وہ دو رکعات ادا کرتا ہے اور اس دوران نیکی بندے کے سر پر چھڑکی جاتی ہے جب تک وہ اس نماز میں مصروف رہتا ہے اور بندہ کسی بھی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا اتنا تقرب حاصل نہیں کرتا جتنا اس چیز کے ذریعے کرتا ہے جو اس کی ذات کی طرف سے آئی ہے۔ ابو النضر نامی بیان کرتے ہیں اس سے مراد قرآن پاک ہے۔

جو پیٹ قرآن سے خالی ہے وہ اجڑا ہوا گھر ہے

(۲۸۳۷) إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جس شخص ذہن میں قرآن پاک کا کوئی بھی حصہ نہ ہو اس کی مثال اجڑے ہوئے گھر کی طرح ہے۔

قرآن کریم کو بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے

(۲۸۴۰) عُرِضَتْ عَلَى أَجُورٍ أُمِّيَّةٍ حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَى ذُنُوبٍ أُمِّيَّةٍ فَلَمْ أَرِ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ تَبَيَّنَ رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میرے سامنے میری امت کے اجر پیش کئے گئے یہاں تک کہ اس تکے کو بھی پیش کیا گیا جو کسی شخص نے مسجد میں سے نکالا تھا پھر میرے سامنے میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں دیکھا کہ قرآن پاک کی کوئی سورت یا آیت جس کا علم کسی شخص کو دیا گیا ہو پھر وہ شخص اسے بھول گیا جائے۔

تشریح: قرآن کی کسی سورت کو حفظ کرنے کے بعد بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن مجید کے بھول جانے سے کیا مراد ہے؟ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء احناف رحمہم کے نزدیک بھول جانے سے مراد یہ ہے کہ نہ زبانی پڑھ سکے اور نہ دیکھ کر پڑھ سکے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے قرآن مجید حفظ کیا پھر اسے بھول گیا کہ اب وہ زبانی نہیں پڑھ سکتا اگرچہ دیکھ کر پڑھ سکتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۵/۸۱، کتاب فضائل القرآن)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ معراج کی رات میں جہاں نبی کریم ﷺ کو اور بہت سے مناظر اور عذاب میں مبتلا لوگ دکھلائے گئے ہیں ان میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ امت کے نیک اعمال کے اجر و ثواب اور برے اعمال اور گناہ بھی آپ کے سامنے پیش کئے

گئے ہیں اگر کسی نے مسجد سے ایک تنکا بھی نکالا تھا تو اس نیکی کو بھی دکھایا گیا اور فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان نے پہلے حفظ کیا اور پھر اسے بھلا دیا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آدمی نے مسجد سے تنکا نکالا جو بظاہر ایک معمولی سی چیز ہے لیکن اس نے یہ عمل چونکہ اللہ کے گھر کی تعظیم اور عظمت کی وجہ سے سرانجام دیا اس لیے اللہ کی نظر میں یہ عمل بھی عظیم ہو گیا اور قرآن کے بھلا دینے کو گناہ کبیرہ میں شمار فرمایا کیونکہ اس شخص نے اللہ کے کلام کی ناقدری کی گویا اپنے عمل سے ایک عظیم چیز کو حقیر سمجھا تو اس کا یہ عمل سب سے بڑا گناہ قرار پایا۔

قرآن کریم کے ذریعہ سوال نہ کیا جائے

(۲۸۳۲) مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحْلَلَ مُحَارِمَةً.

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص قرآن پاک کی حرام کی ہوئی اشیاء کو حلال سمجھے تو اس نے قرآن پاک پر ایمان نہیں رکھا۔

تشریح: مَنِ اسْتَحْلَلَ مُحَارِمَةً: جو کوئی شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کا حلال جانے اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو چیزیں حرام قرار دی ہیں اگر کوئی شخص انہیں حلال اور جائز سمجھے تو اس نے قرآن پر ایمان نہیں لایا وہ کافر ہے۔

(۲) ایک شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال تو نہیں سمجھتا حرام ہی جانتا ہے لیکن کبھی اس ممنوع اور حرام چیز کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ایمان تو ہے لیکن کامل نہیں اگر ایمان کامل ہوتا تو پھر اس طرح کی غلطی نہ کرتا گویا مسلمان کو اس بات کی تاکید کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر زندگی گزارے قرآن مجید کی کامل اتباع اور پیروی کرے کہ اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

قرآن کریم جہراً پڑھنا افضل ہے یا سرا؟

(۲۸۳۳) أَجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَأَجَاهِرٍ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے بلند آواز میں تلاوت کرنے والا اعلانیہ طور پر صدقہ کرنے والے کی مانند ہے اور پست آواز میں تلاوت کرنے والا چھپ کر صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سرا قرآن کریم پڑھنا جہراً پڑھنے سے افضل ہے، کیونکہ پوشیدہ خیرات کرنا اعلانیہ خیرات کرنے سے افضل ہے، اور اس کی وجہ اہل علم کے نزدیک یہ ہے کہ سرا قرآن کریم پڑھنے والا خود پسندی سے بچا رہتا ہے۔ جو پوشیدہ عمل کرتا ہے اس کے حق میں خود پسندی کا اتنا خطرہ نہیں جتنا برملا عمل کرنے والے کے حق میں ہے (امام ترمذی رحمہ اللہ کی بات پوری ہوئی)۔

مگر پوشیدہ خیرات کرنا ہر حال میں افضل نہیں، کبھی برملا خیرات کرنا بھی افضل ہوتا ہے، سورۃ البقرہ (آیت ۲۷۱) میں ہے:

﴿إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَبِعَيْنَاهُمْ ۖ وَإِنْ تَخْفَوْهَا وَتُوْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۷۱)

تَوْجِیْہًا: ”اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھی بات ہے، اور اگر ان کا اخفا کرو اور فقیروں کو دو تو یہ اخفاء تمہارے لئے بہتر ہے۔“ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احادیث دونوں طرح کی منقول ہیں بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلند آواز سے تلاوت کرنا افضل ہے جبکہ دیگر بعض سے آہستہ آواز سے قرآن پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے بظاہر تعارض ہے؟

جواب: دونوں قسم کی احادیث میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ آہستہ آواز سے قرآن پڑھنا اس شخص کے حق میں بہتر ہے جسے ریا کا اندیشہ ہو اور بلند آواز سے قرأت کرنا اس شخص کے حق میں افضل ہے جسے ریا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو بشرطیکہ بلند آواز سے قرأت کی وجہ سے کسی نمازی سونے والے یا کسی اور کو تکلیف نہ پہنچے اور اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے افضل ہے کہ اس میں دوسرے لوگوں کے لیے بہت سے فوائد ہیں مثلاً دوسرے لوگ سن سن کر سیکھ سکتے ہیں قرآن سننے سے انہیں ثواب ہوگا دوسروں کو عبادت کا شوق پیدا ہوگا پڑھنے والے کا دل بیدار رہتا ہے اس کی توجہ یکجا رہتی ہے۔

سونے سے پہلے کون سی سورتیں پڑھے؟

(۲۸۴۴) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَنَامُ عَلَى فِرَاشِهِ حَتَّى يَقْرَأَ آيَةَ إِسْرَائِيلَ وَالزُّمَرِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی تلاوت نہیں کر لیتے تھے۔

(۲۸۴۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ أَنْ يَزُقُّ قَدْ يَقُولُ إِنَّ فِيْهِنَّ آيَةً خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ آيَةٍ.

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سُبْح سے شروع ہونے والی سورتوں کو سونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے آپ فرماتے تھے ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔

تشریح: ان فیہن ایتہ خیر من الف ایتہ: جس میں چند اقوال ہیں:

(۱) اس سے سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ ...﴾ مراد ہیں، اس صورت میں ﴿فِيْهِنَّ﴾ سے ”فی“

مجموعہن“ مراد ہے کہ ان تمام سورتوں کے مجموعے میں ایک روایت ہے۔

(۲) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے سورۃ حدید کی آیت ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ﴾ (الحدید: ۳) مراد ہے۔

(۳) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے وہ آیت مراد ہے جو تسبیح کے مادے سے شروع کی گئی ہے چنانچہ ﴿سُبْحَانَ

الَّذِيْ اَسْمٰى بِعَبْدِهِ﴾ (الاسراء: ۱۰۰) ... ﴿سَبِّحْ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الحدید: ۱) ... ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ﴾ (الجمعة: ۱) یہ تمام

آیتیں اس فضیلت کی حامل ہیں۔

(۴) علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام سورتوں میں سے کسی ایک آیت کو متعین کرنا مشکل ہے یہ بھی ایک مخفی آیت ہے جس طرح

لیلیۃ القدر اور جمعہ کے دن کی ساعت مقبول پوشیدہ رکھی گئی ہے تاکہ ہر مسلمان ذرا محنت اور کوشش کر کے اسے تلاش کرے اسی

طرح ان سات سورتوں میں لا علی التبعین ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے اور مقصد یہاں بھی یہی ہے کہ اس آیت کو

حاصل کرنے کے لیے ان تمام سورتوں کی تلاوت کی جائے کسی ایک کو متعین نہ کیا جائے۔ (شرح طیبی: ۲/۲۵۶، مرقاۃ: ۵/۲۷۷)

سورة الحشر کی آخری تین آیتوں کی فضیلت

(۲۸۴۶) مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَقَرَأَ ثَلَاثَ آیَاتٍ مِّنْ اٰخِرِ سُورَةِ الْحُسْرِ وَكَلَّمَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِیْنَ اَلْفَ مَلَكٍ یُّصَلُّوْنَ عَلَیْهِ حَتّٰی یُمِیْسَ وَاِنْ مَاتَ فِیْ ذٰلِكَ الْیَوْمِ مَاتَ شَهِیْدًا وَّمَنْ قَالَهَا حِیْنَ یُمِیْسُ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ.

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت ”اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ“ تین مرتبہ پڑھنے کے بعد سورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتے ہیں۔ جو اس کے لئے شام تک مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ ہیں اور اگر وہ اس دن مر جائے تو اس کا شمار شہیدوں میں ہوتا ہے۔ نیز اگر کوئی شام کو پڑھے گا تو اسے بھی یہی مرتبہ عطاء کیا جائے گا۔

مَا جَاءَ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ؟

نبی ﷺ کس طرح قرآن پڑھتے تھے؟

قرآن کریم کی تسبیح ضروری ہے:

تشریح: نبی ﷺ اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے بعد پہلے طائف گئے تھے، اور قبیلہ ثقیف کو دعوت دی تھی کہ وہ آپ ﷺ کو ٹھکانہ دیں، مگر انھوں نے انکار کر دیا، آپ ﷺ مکہ واپس آئے اور حج کے موسم میں عرب کے قبائل کے سامنے خود کو پیش کیا، مگر کوئی تیار نہ ہوا کہ وہ آپ ﷺ کو اپنے قبیلہ میں لے جائے، اور آپ ﷺ کی حمایت و نصرت کرے، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے انصار نے ہامی بھری، اور انھوں نے منیٰ کی گھاٹی میں آپ ﷺ سے بیعت کی، اور وہ آپ ﷺ کو مدینہ منورہ لے گئے اسی لئے آپ ﷺ نے ان کا نام انصار رکھا۔ اور یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ ان ابواب میں شاید اس لئے لائے ہیں کہ جب آپ ﷺ لوگوں (غیر مسلموں) کے سامنے قرآن پڑھتے تھے تو ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے تاکہ وہ قرآن میں غور کریں، اور قرآن کے مضامین سے فائدہ اٹھائیں۔

باب ۱۶: قرآن کریم کی دو خاص فضیلتیں

(۲۸۴۷) اَنَّهُ سَأَلَ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَصَلَاتِهِ فَقَالَتْ مَا لَكُمْ وَصَلَاتُهُ كَانَ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَتَاَمَّ قَدْ رَمَا صَلَّی ثُمَّ يَنَامُ قَدْ رَمَا صَلَّی حَتّٰی یُصْبِحُ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهُ فَاِذَا هِيَ تَنَعَّتْ قِرَاءَتَهُ مُفَسِّرَةً حَرْفًا حَرْفًا.

ترجمہ: یعلیٰ بن مملک بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی قرأت اور (نفل) نماز کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا انہوں نے جواب دیا تمہارا نبی ﷺ کی نماز سے کیا واسطہ؟ آپ ﷺ نوافل بھی ادا کرتے

تھے اور اتنی دیر کے لیے سو بھی جایا کرتے تھے جتنی دیر آپ ﷺ نے نوافل ادا کئے ہوتے تھے پھر آپ ﷺ اتنی دیر نوافل ادا کرتے تھے جتنی دیر آپ ﷺ سوئے رہتے تھے پھر آپ ﷺ اتنی دیر سو جاتے تھے جتنی دیر آپ ﷺ نے نوافل ادا کئے ہوتے تھے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔

(۲۸۴۸) سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ وَثْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ كَانَ يُؤْتِرُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ أَوْ مِنْ آخِرِهِ فَقَالَتْ كُلُّ ذَلِكَ قَدْ كَانَ يَصْنَعُ رُبَّمَا أَوْتَرُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا أَوْتَرُ مِنْ آخِرِهِ قُلْتُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً فَقُلْتُ كَيْفَ كَانَ قِرَاءَتُهُ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ قَالَتْ كُلُّ ذَلِكَ كَانَ يَفْعَلُ قَدْ كَانَ رُبَّمَا أَسَرَّ وَرُبَّمَا جَهَرَ قَالَ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قَالَ قُلْتُ فَكَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِي الْجَنَابَةِ أَكَانَ يَغْتَسِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ أَمْ يَنَامُ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ قَالَتْ كُلُّ ذَلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فَنَامَ وَرُبَّمَا تَوَضَّأَ فَنَامَ قُلْتُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً.

ترجمہ: عبد اللہ بن ابوقیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی وتر کی نماز کے بارے میں دریافت کیا نبی اکرم ﷺ کس وقت وتر ادا کرتے تھے؟ رات کے ابتدائی حصے میں یا آخری حصے تو انہوں نے جواب دیا ہر وقت میں کر لیا کرتے تھے بعض اوقات آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں ادا کر لیتے تھے اور بعض اوقات رات کے آخری حصے میں وتر ادا کر لیتے تھے تو میں نے کہا ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ جس نے اس معاملے میں کشادگی رکھی ہے پھر میں نے دریافت کیا نبی اکرم ﷺ کی قرأت کس طرح ہوتی تھی؟ آپ ﷺ پست آواز میں قرأت کرتے تھے؟ یا بلند آواز میں کرتے تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا ہر طرح کر لیتے تھے تو راوی کہتے ہیں میں نے کہا ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جس نے اس معاملے میں بھی کشادگی رکھی ہے راوی کہتے ہیں پھر میں نے دریافت کیا نبی اکرم جنابت کی صورت میں کیا کرتے تھے؟ کیا آپ ﷺ سونے سے پہلے غسل کر لیتے تھے یا غسل کیے بغیر ہی سو جایا کرتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ہر طرح کر لیتے تھے بعض اوقات آپ ﷺ پہلے غسل کرتے تھے اور پھر سوتے تھے بعض اوقات صرف وضو کر کے سو جایا کرتے تھے میں نے کہا ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اس معاملے میں کشادگی رکھی ہے۔

(۲۸۴۹) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ يَعْرِضُ نَفْسَهُ بِالْمَوْقِفِ فَقَالَ أَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِي إِلَى قَوْمِهِ فَإِنْ قَرِئْنَا مَنَعُونِي أَنْ أَبْلِغَ كَلَامَ رَبِّي.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (ابتداءً اسلام میں تبلیغ کے لیے) نبی اکرم ﷺ میدان عرفات میں لوگوں کے سامنے جاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کیا کوئی شخص مجھے اپنی قوم کے پاس لے کر جائے گا کیونکہ قریش نے مجھے اس بات سے روکنے کی کوشش کی ہے میں اپنے پروردگار کے کلام کی تبلیغ کروں۔

(۲۸۵۰) يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي آعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ

السَّائِلِينَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس شخص کو قرآن پاک میرا ذکر کرنے سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھے میں اسے زیادہ افضل عطا کروں گا جو مانگنے والوں کو عطا کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو تمام کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق پر حاصل ہے۔



أَبْوَابُ الْقِرَاءَةِ

قراءتوں کے بیان میں

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَأَقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے لہذا ان میں سے جو تمہارے لیے آسان ہو اس طریقہ سے پڑھ لو۔ اس میں سات حروف سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں محقق علماء کرام کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو قراءتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں ہیں ان میں باہمی فرق اور اختلاف سات نوعیتوں پر مشتمل ہے ان نوعیتوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اسما کا اختلاف جس میں افراد ثنیہ جمع مذکر مؤنث کا اختلاف داخل ہے۔ مثلاً ایک قرأت میں تَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّكَ ہے اور دوسری قرأت میں تَمَّتْ کَلِمَاتُ رَبِّكَ ہے۔

(۲) افعال کا اختلاف ہے کہ کسی قرأت میں صیغہ ماضی ہے کسی میں مضارع اور کسی میں امر ہے مثلاً ایک قرأت میں رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا ہے اور دوسری قرأت میں اس جگہ رَبَّنَا بَعْدُ بَيْنَ أَسْفَارِنَا ہے۔

(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف: جس میں اعراب یا زیر زبر اور پیش کا فرق پایا جاتا ہے مثلاً لَا يُضَارُّ كَاتِبٌ اور دُؤَالْعَرْشِ الْمَجِيدُ کی جگہ دُؤَالْعَرْشِ الْمَجِيدِ

(۴) الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف: کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلاً ایک قرأت میں تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ہے اور دوسری میں تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ہے۔

(۵) تقدیم و تاخیر کا اختلاف کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم ہے اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً: ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ (قی: ۱۹) ہے اور دوسری قرأت میں وجاءت سكرة الحق بالموت ہے۔

(۶) بدلیت کا اختلاف ہے کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قرأت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے مثلاً نُنشِرُهَا اور نُنشِرُهَا نِيز فَتَثْبِتُوهَا اور طَلَحَ اور طَلَعُ۔

(۷) لہجوں کا اختلاف: جس میں تغیم ترقیق، امالہ، مد قصر، ہمز، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلاف داخل ہیں یعنی اس میں لفظ تو نہیں بدلتا لیکن اس کے پڑھنے کا طریقہ بدل جاتا ہے مثلاً لفظ موسیٰ کو ایک قراءت میں موسیٰ کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

بہر حال اختلاف قراءت کی ان سات نوعیتوں کے تحت بہت سی قراءتیں نازل ہوئی تھیں اور ان کے باہمی فرق سے معنی میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہوتا تھا صرف تلاوت کی سہولت کے لیے ان کی اجازت دی گئی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تلاوت قرآن کے معاملے میں غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے اپنے عہد خلافت میں قرآن کریم کے سات نسخے تیار کرائے اور ان سات نسخوں میں تمام قراءتوں کو اس طرح سے جمع فرمایا کہ قرآن کریم کی آیتوں پر نقطے اور زبر زیر اور پیش نہیں لگائے تاکہ انہی مذکورہ قراءتوں میں سے جس قراءت کے مطابق چاہیں پڑھ سکیں یوں اکثر قراءتیں اس رسم الخط میں سما گئیں اور جو قراءتیں اس رسم الخط میں نہ سما سکیں ان کو محفوظ رکھنے کا طریقہ آپ نے یہ اختیار فرمایا کہ ایک نسخہ آپ نے ایک قراءت کے مطابق لکھا اور دوسرا دوسری قراءت کے مطابق امت نے ان نسخوں میں جمع شدہ قراءتوں کو یاد رکھنے کا اس قدر اہتمام کیا کہ علم قراءت ایک مستقل علم بن گیا اور سینکڑوں علماء قراء اور حفاظ نے اس کی حفاظت میں اپنی عمریں خرچ کر دیں۔

سات قراء؟ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ کے اس عمل سے جو سات قاری سب سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں وہ یہ ہیں

(۱) عبد اللہ بن کثیر الداری (متوفی ۱۲۰ھ) آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت انس بن مالک، عبد اللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی زیارت کی تھی۔ آپ کی قراءت مکہ مکرمہ میں زیادہ مشہور ہوئی اور آپ کی قراءت کے راویوں میں بزی اور قنبل زیادہ مشہور ہیں۔

(۲) نافع بن عبد الرحمن بن ابی نعیم (متوفی ۱۶۹ھ) آپ نے ستر ایسے تابعین سے استفادہ کیا تھا جو براہ راست حضرت ابی بن کعب عبد اللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے آپ کی قراءت مدینہ طیبہ میں زیادہ مشہور ہوئی اور آپ کے راویوں میں ابو موسیٰ قالون اور ابو سعید ورش زیادہ مشہور ہیں۔

(۳) عبد اللہ حصی جو ابن عامر کے نام سے معروف ہیں (متوفی ۱۱۸ھ) آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت وائلہ بن اسحق رضی اللہ عنہ کی زیارت کی تھی اور قراءت کافن حضرت مغیرہ بن شہاب مخزومی سے حاصل کیا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے آپ کی قراءت کا زیادہ رواج شام میں رہا اور آپ کی قراءت کے راویوں میں ہشام اور ذکوان زیادہ مشہور ہیں۔

(۴) ابو عمرو بن زبان بن علاء (متوفی ۲۵۴ھ) آپ نے حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ کی قراءت بصرہ میں زیادہ مشہور ہوئی آپ کی قراءت کے راویوں میں ابو عمرو والدوری اور ابو شعیب سوئی زیادہ مشہور ہیں۔

(۵) حمزہ بن حبیب الزیات مولیٰ عکرمہ بن ربیع الیتی (متوفی ۱۸۸ھ) آپ سلیمان اعش کے شاگرد ہیں وہ یحییٰ بن وثاب کے وہ زرین بن حبیش کے اور انہوں نے حضرت عثمان، حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا تھا آپ کے راویوں میں خلف بن ہشام اور خالد بن زیادہ مشہور ہیں۔

(۶) عاصم بن ابی النجود الاسدی (متوفی ۱۲۷ھ) آپ زرین حبیش کے واسطے سے حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں آپ کی قراءت کے راویوں میں شعبہ بن عیاش اور حفص بن سلیمان زیادہ مشہور ہیں آج کل عموماً تلاوت انہیں حفص بن سلیمان کی روایت کے مطابق ہوتی ہے۔

(۷) ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی نحوی (متوفی ۱۸۹ھ) ان کے راویوں میں ابو الحارث مروزی اور ابو عمر الدوری زیادہ مشہور ہیں مؤخر الذکر تینوں حضرات کی قراءتیں زیادہ تر کوفہ میں رائج ہوئیں۔ لیکن جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے ان سات کے علاوہ اور بھی کئی قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں چنانچہ جب بعد میں یہ غلط فہمی پیدا ہونے لگی کہ صحیح قراءتیں ان سات ہی میں منحصر ہیں تو متعدد علماء نے سات کے بجائے دس قراءتیں ایک قراءت میں جمع فرمائیں اسی سے قراءت عشرہ کی اصطلاح مشہور ہو گئی ان دس قراءتوں میں مندرجہ بالا سات قراء کے علاوہ ان تین حضرات کی قراءتیں بھی شامل کی گئیں۔

- (۱) یعقوب بن اسحاق حضرمی (متوفی ۲۰۵ھ) آپ کی قراءت زیادہ تر بصرہ میں مشہور ہوئی۔
- (۲) خلف بن ہشام (متوفی ۲۰۵ھ) جو حمزہ کی قراءت کے بھی راوی ہیں آپ کی قراءت کوفی میں زیادہ رائج تھی۔
- (۳) ابو جعفر یزید بن قعقاع (متوفی ۱۳۰ھ) ان کی قراءت مدینہ طیبہ میں زیادہ مشہور ہوئی دس قراءتیں صحیح قول کے مطابق متواتر ہیں اور ان کے علاوہ شاذ ہیں۔



مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ

باب ۱: مالک اور ملک کی قراءتیں

(۲۸۵۱) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْطَعُ قِرَاءَةً يَقْرَأُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ثُمَّ يَقِفُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ثُمَّ يَقِفُ وَكَانَ يَقْرَأُهَا مَلِكُ يَوْمِ الدِّينِ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ قرات میں وقف کیا کرتے تھے آپ ﷺ پہلے (الحمد لله رب العالمين) پڑھتے تھے پھر ٹھہر جاتے تھے پھر (الرحمن الرحيم) پڑھتے تھے پھر ٹھہر جاتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے (ملك يوم الدين)۔

(۲۸۵۲) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَأُرَاةُ قَالَ وَعُثْمَانُ كَانُوا يَقْرَأُونَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ (راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی تذکرہ کیا ہے) یہ آیت اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: سورہ فاتحہ کی تیسری آیت ہے: (مالك يوم الدين): عاصم اور کسائی رحمہما نے اس کو مالک (الف کے ساتھ) اور باقی قراء نے ملک (الف کے بغیر اور ل کے زیر کے ساتھ) پڑھا ہے، ابو عبید قاسم بن سلام بغدادی رحمہما بھی ملک پڑھتے تھے، اور اسی کو ترجیح دیتے تھے، آپ لغت حدیث کے امام ہیں اور فن قراءت میں آپ کی تصنیف ہے، مگر آپ کا شمار قراء سبعہ میں نہیں۔ اور ملک کے معنی ہیں: بادشاہ، اور بادشاہ مالک ہوتا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ روایتیں اگرچہ دونوں قراءتوں کی مضبوط نہیں، مگر مسئلہ کا مدار روایات پر نہیں، بلکہ نقل و تواتر اور تعامل پر ہے،

اور قراء سبعہ سے دونوں قراءتیں متواتر منقول ہیں، اس لئے دونوں صحیح ہیں۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: الْعَيْنِ بِالْعَيْنِ

باب ۲: العين (مرفوع) کی قراءت

(۲۸۵۳) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی (ان النفس بالنفس والعين بالعين بالعین)۔

تشریح: سورۃ المائدہ آیت ۴۵ اس طرح ہے: ﴿وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فَأَنَّا نَفْسٌ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُورُوحَ قِصَاصٌ﴾ اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) پر اس (تورات) میں یہ بات لکھ دی کہ جان کے بدلے میں جان، آنکھ کے بدلے میں آنکھ، ناک کے بدلے میں ناک، کان کے بدلے میں کان، دانت کے بدلے میں دانت، اور زخموں میں برابری ہے۔

مذکورہ احادیث میں چند قراءتوں کا ذکر ہے۔

اس آیت میں العین اور الانف وغیرہ النفس پر معطوف ہیں، اس لئے سب منصوب ہیں، اور دوسری قراءت میں یہ سب مرفوع ہیں، وہ ان کے اسم کے محل پر عطف کرتے ہیں، ان: جملہ اسمیہ خبریہ پر داخل ہوتا ہے، اور اس کا اسم درحقیقت مبتدا ہوتا ہے، اس لئے محل مرفوع ہوتا ہے، چنانچہ اس پر عطف کر کے بعد کے سب الفاظ مرفوع پڑھے گئے ہیں، کنائی نے والجروح تک سب کو مرفوع پڑھا ہے، اور ابن کثیر، ابو عمرو اور ابو عامر نے صرف الجروح کو مرفوع پڑھا ہے اور باقی سب قراء نے سب کو منصوب پڑھا ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

باب ۳: هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبُّكَ کی قراءت

(۲۸۵۴) أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبُّكَ).

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ (هل تستطيع ربك)۔

تشریح: سورۃ المائدہ آیت ۱۱۲ ہے: ﴿إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ وہ وقت قابل ذکر ہے جب حواریین نے عرض کیا: اے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام! کیا آپ کے پروردگار ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا اتاریں؟ آپ نے جواب دیا: خدا سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو، یعنی بے ضرورت معجزات کی فرمائش مت کرو۔

(۲) سورۃ مائدہ آیت نمبر ۱۱۲ میں ہے: ﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ﴾ یعنی خطاب کا صیغہ ہے شروع میں تا ہے اور ربک کی باء پر زبر ہے

یہ امام کسائی کی قراءت ہے اور مشہور قراءت میں ﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ﴾ ہے یعنی غائب کا صیغہ ہے اور لفظ ربک کی باء پر پیش ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

باب ۴: ﴿إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ کی قراءت

(۲۸۵۵) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُهَا ﴿إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ یہ آیت یوں پڑھتے تھے: ﴿إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾۔

(۲۸۵۶) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ یہ آیت یوں پڑھتے تھے: ﴿إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾۔
تشریح: (۳) سورہ ہود (آیت نمبر ۴۶) میں ہے ﴿إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ اس میں امام کسائی اور یعقوب رحمہما کے نزدیک لفظ عمل فعل ماضی کا صیغہ ہے یعنی عین پرزبر اور میم کے نیچے زیر کے ساتھ اور لفظ غیر پرزبر ہے اور باقی تمام قراء کے نزدیک لفظ عمل اسم ہے یعنی عین اور میم پرزبر اور لام پر تونین ہے اور لفظ غیر پرزبر ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: مِنْ لَدُنِّي عَذْرًا

باب ۵: مِنْ لَدُنِّي عَذْرًا کی قراءت

(۲۸۵۷) أَنَّهُ قَرَأَ ﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عَذْرًا﴾ مُثْقَلَةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عَذْرًا﴾ (الکہف: ۷۶) یعنی آپ ﷺ نے اس میں شد پڑھی۔
تشریح: (۴) سورۃ کہف (آیت نمبر ۷۶) میں ہے ﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عَذْرًا﴾ اس میں لفظ لدنی میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءت میں نون تشدید ہے یہی مشہور قراءت ہے اور امام نافع کی قراءت میں نون تخفیف کے ساتھ ہے اس میں تشدید نہیں ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ

باب ۶: ﴿فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ کی قراءت

(۲۸۵۸) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ ﴿فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت یوں پڑھی: ﴿فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾۔

تشریح: سورۃ کہف (آیت نمبر ۸۶) میں ہے ﴿فِي عَيْنِ حَمِئَةٍ﴾ اس میں دو قراءتیں ہیں اور دونوں ہی مشہور ہیں ایک حمۃ ہے (یعنی حاء پر زبر میم کے نیچے زیر اور ہمزے پر زبر کے ساتھ) اور دوسری قراءت حامیہ ہے یعنی حا اور میم کے درمیان الف کے ساتھ معنی دونوں قراءتوں میں ایک ہی ہے یعنی کچھ سڑی ہوئی کالی مٹی۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: غَلَبَتِ الرُّومُ

باب ۷: غلبت الروم کی قراءت

(۲۸۵۹) لَمَّا كَانَ يَوْمٌ بَدُرَ ظَهَرَتِ الرُّومُ عَلَى فَارِسَ فَأَعْجَبَ ذَلِكَ الْمُؤْمِنِينَ فَانْزَلَتْ ﴿الْمَدَّةُ غَلَبَتِ الرُّومُ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ﴾ قَالَ فَفَرِحَ الْمُؤْمِنُونَ بِظُهُورِ الرُّومِ عَلَى فَارِسَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں غزوہ بدر کے موقع پر یہ اطلاع ملی اہل روم اہل فارس پر غالب آ گئے ہیں اہل ایمان کو یہ بات اچھی لگی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿الْمَدَّةُ غَلَبَتِ الرُّومُ﴾ یہ آیت یہاں تک ہے ﴿يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ﴾ راوی بیان کرتے ہیں مسلمان اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ اہل روم ایرانیوں پر غالب آ گئے ہیں۔

تشریح: (۶) سورۃ روم میں ہے: ﴿الْمَدَّةُ غَلَبَتِ الرُّومُ﴾..... ﴿سَيَغْلِبُونَ﴾ فِي بَضْعِ سِنِينَ اس میں غلبت میں دو قراءتیں ہیں قراءت میں غین پر پیش اور لام کے نیچے زیر ہے اور یہی مشہور قراءت ہے مطلب یہ ہے کہ اہل فارس رومیوں پر غالب آ گئے اور رومی مغلوب ہو گئے اور دوسری قراءت میں یہ صیغہ معروف ہے یعنی غین اور لام دونوں پر زبر ہے۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ غلبت اگر معروف پڑھا جائے تو پھر بعد میں لفظ سیغلبون کو صیغہ مجہول پڑھا جائے گا معنی یہ ہیں کہ رومی لوگ شام پر غالب آ گئے ہیں لیکن عنقریب یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد سالوں میں رومیوں کے بہت سے علاقے مسلمانوں نے فتح کر لیے تھے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: مِنْ ضَعْفٍ

باب ۸: من ضعف کی قراءت

(۲۸۶۰) أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ﴾ فَقَالَ ﴿مِنْ ضَعْفٍ﴾

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ﴾ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ﴿مِنْ ضَعْفٍ﴾ پڑھو۔

تشریح: - سورۃ روم (آیت نمبر ۵۴) میں ہے ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ﴾ اس میں لفظ ضعف کی دو طرح سے پڑھا گیا ہے ضاد پر زبر اور پیش کے ساتھ۔ نسفی فرماتے ہیں کہ امام عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ضاد پر زبر ہے اور باقی حضرات کے ہاں ضاد پر پیش ہے یہی رائج قراءت ہے اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے

سامنے لفظ ضَعْفِ کو زبر کے ساتھ پڑھا تو نبی کریم ﷺ نے مجھے پیش کے ساتھ پڑھایا۔
 بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ضعف پیش کے ساتھ قریش کی لغت ہے اور زبر کے ساتھ لغت تمیم ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ

۹: ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾ کی قراءت

(۲۸۶۱) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ یہ آیت یوں پڑھا کرتے تھے ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾۔
 تشریح: سورہ قمر (آیت نمبر ۳۲) میں ہے کہ ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾ اس میں لفظ مدکر میں دو قراءتیں ہیں قراءت حفص میں دال کے ساتھ ہے دوسری قراءت میں ذال کے ساتھ ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾ ذال کے ساتھ پڑھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾ (دال کے ساتھ)۔ مد کو اصل میں مذکر ہے تاہم افتعال کو دال سے بدل دیا پھر اس کی وجہ سے ذال کو دال سے بدل کر ادغام کر دیا تو مدکر ہو گیا۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: فَرَوْحٌ وَرِيحَانٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ

۱۰: فَرَوْحٌ (بضم الراء) کی قراءت

(۲۸۶۲) كَانَ يَقْرَأُ ﴿فَرَوْحٌ وَرِيحَانٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ﴾.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ یہ آیت یوں پڑھا کرتے تھے۔ ﴿فَرَوْحٌ وَرِيحَانٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ﴾۔
 تشریح: سورہ واقعہ (آیت نمبر: ۸۹) میں ہے ﴿فَرَوْحٌ وَرِيحَانٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ﴾ اس میں لفظ روح میں دو قراءتیں ہیں۔ مشہور قراءت راپر زبر کی ہے اور دوسری قراءت راپر پیش کی ہے۔ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام یعقوب رحمہ اللہ نے راپر پیش کے ساتھ اور باقی قراءت نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پیش کی صورت میں اس کے معنی روح کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس کی روح گل ریحان میں جائے گی قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی رستم کے ہیں اور امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ روح راپر زبر کے ساتھ آرام و راحت کے معنی میں ہیں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کے معنی فرحت و خوشی اور امام اسحاق کے نزدیک اس کے معنی مغفرت و رحمت کے ہیں۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: وَالذِّكْرُ وَالْأُنْثَى

۱۱: ﴿وَالذِّكْرُ وَالْأُنْثَى﴾ کی قراءت

(۲۸۶۳) قَدِ مَنَّا الشَّامَ فَأَتَانَا أَبُو الدَّرْدَاءِ فَقَالَ أَمَّا أَنْتُمْ أَحَدُ يَقْرَأُ عَلَى قِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ فَأَشَارُوا إِلَيَّ

فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ كَيْفَ سَمِعْتَ عَبْدَ اللَّهِ يَقْرَأُ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿وَالْيَلِ إِذَا يَغْشَى﴾ قَالَ قُلْتُ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُهَا ﴿وَالْيَلِ إِذَا يَغْشَى... الذِّكْرَ وَالْأُنْثَى﴾ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَأَنَا وَاللَّهِ هَكَذَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يَقْرَأُهَا وَهُوَ لَا يُرِيدُ وَنَبِيَّ أَنْ أَقْرَأُهَا ﴿وَمَا خَلَقَ﴾ فَلَا أَتَابِعُهُمْ.

ترجمہ: علامہ بیان کرتے ہیں ہم لوگ شام آئے تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لے آئے انہوں نے دریافت کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص ہے؟ جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق تلاوت کر سکتا ہو؟ علامہ بیان کرتے ہیں لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو میں نے جواب دیا جی ہاں تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ آیت کیسے پڑھتے ہوئے سنا ہے ﴿وَالْيَلِ إِذَا يَغْشَى﴾۔ راوی بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا میں نے تو انہیں اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے ﴿وَالْيَلِ إِذَا يَغْشَى... الذِّكْرَ وَالْأُنْثَى﴾ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے بھی اسے نبی اکرم ﷺ کی زبانی اسی طرح سنا ہے نبی اکرم ﷺ نے اس کی اس طرح تلاوت کی تھی اور یہ (شام) کے لوگ مجھ سے یہ چاہتے ہیں اب میں اسے دوسری طرح پڑھوں اور یہ لفظ پڑھوں تو میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ دونوں حضرات سورۃ اللیل میں ﴿الذِّكْرَ وَالْأُنْثَى﴾ پڑھتے تھے ان کو اس قراءت کے نسخ کا علم نہیں ہوا حالانکہ صحیح قراءت ﴿وَمَا خَلَقَ الذِّكْرَ وَالْأُنْثَى﴾ (اللیل: ۳) ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: اِنِّى اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ

۱۲۔ اِنِّى اَنَا الرَّزَّاقُ کی قراءت

(۲۸۶۲) اَقْرَأْنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِنِّى اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت مجھے یوں پڑھائی تھی: اِنِّى اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ.

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں سورۃ الذاریات کی یہ آیت اِنِّى اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ ہے یعنی لفظ انا کے ساتھ جبکہ متواتر قراءت میں لفظ ہو ہے یعنی ﴿اِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذاریات: ۳)

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: سَكَزَى

۱۳۔ سَكَزَى کی قراءت

(۲۸۶۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَزَى وَمَا هُمْ بِسُكَزَى﴾.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کو اس طرح پڑھا ہے۔ ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَزَى وَمَا هُمْ بِسُكَزَى﴾ (الحج: ۲)

تشریح: سورہ الحج (آیت نمبر ۲) میں ہے ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ﴾ اس میں لفظ سُكَرَىٰ میں متواتر قراءت سین پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ ہے اور حمزہ اور کسائی کی قراءت میں سین پر زبر اور کاف کے سکون کے ساتھ ہے جیسے لفظ عطشی ہے۔

۱۴۔ قرآن کریم کو یاد رکھنے کی تاکید

(۲۸۲۶) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا حَدِيْثٌ لَّكُمْ اَوْ لَا حَدِيْثٌ لَّكُمْ اَنْ يَقُوْلَ نَسِيْتُ آيَةً كُنْتُ وَكُنْتُ بَلْ هُوَ نَسِيْتُ فَاَسْتَدْكُرُوْا الْقُرْاٰنَ فَاَلَّذِيْنَ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَهٗوَ اَشَدُّ تَفَضُّيًّا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ مِنْ عَقْلِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کسی بھی شخص کا یہ کہنا بہت ہی برا ہے میں فلاں آیت بھول گیا اسے یہ کہنا چاہیے وہ مجھے بھلا دی گئی تم قرآن پاک کو یاد کرتے رہو اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس طرح چوپایہ رسی (کھلنے پر) بھاگتا ہے قرآن اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ انسان کے دل سے نکلتا ہے۔

اب ابواب القراءۃ کے آخر میں پانچ ہیں، ایک کے علاوہ باقی ابواب کا ابواب القراءۃ سے کوئی قریبی تعلق نہیں، ان کو ابواب فضائل القرآن میں آنا چاہئے تھا۔

مَا جَاءَ أَنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْزَفٍ

۱۵: قرآن کریم سات حرفوں پر اتارا گیا ہے

(۲۸۲۷) مَرَرْتُ بِهَٰشِمِ بْنِ حَكِيمٍ بْنِ جَزَامٍ وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَاسْتَبَعْتُ قِرَاءَتَهُ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يَقْرَأْنِيهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاذْكُرْتُ أَسَاوِرَهُ فِي الصَّلَاةِ فَتَنَظَّرْتُهَا حَتَّى سَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ لَبِثْتُ بِرِ دَائِهِ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هَذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُهَا فَقَالَ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قُلْتُ لَهُ كَذَبْتَ وَاللَّهِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَهٗوَ أَقْرَأَنِي هَذِهِ السُّورَةَ الَّتِي تَقْرَأُهَا فَاَنْطَلَقْتُ أَقُوْدُهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَّمْ تُقْرَأْنِيهَا وَأَنْتَ أَقْرَأْتَنِي سُورَةَ الْفُرْقَانِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَرْسَلَهُ يَا عُمَرُ أَقْرَأُ يَاهِشَامُ فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْرَأُ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ الْقِرَاءَةَ الَّتِي أَقْرَأَنِي النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْزَفٍ فَأَقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب بن حفصہ بن ابی سفیان بن ہشام بن حکیم بن حزام کے پاس سے گزرا وہ سورت فرقان کی تلاوت کر رہے تھے یہ نبی اکرم ﷺ کی ظاہری زندگی کی بات ہے جب میں نے غور سے ان کی تلاوت کو سنا تو وہ کئی مقامات پر اس قرأت سے مختلف تھی جو نبی اکرم ﷺ نے مجھے سکھائی تھی پہلے تو میں ان کی نماز کے دوران ان پر حملہ کرنے لگا لیکن پھر میں نے انہیں موقع دیا اور جب انہوں نے سلام پھیر لیا تو میں نے ان کو ان کی چادر سے پکڑا اور دریافت کیا تمہیں یہ سورت کس نے پڑھنی

سکھائی ہے جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا آپ ﷺ نے مجھے یہ سورت پڑھنی سکھائی ہے میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم تم نے غلط کہا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے خود مجھے یہ سورت سکھائی ہے وہ جس کی تم تلاوت کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر میں ان کو پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لے گیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسے سورہ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے ہوئے سنا ہے جو طریقہ آپ ﷺ نے مجھے سکھایا تھا حالانکہ آپ ﷺ نے خود یہ سورت پڑھنی سکھائی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا عمر اسے چھوڑ دے ہشام تم تلاوت شروع کرو پھر انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے اسی طرح تلاوت کی جیسے میں نے ان کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عمر اب تم تلاوت کرو پھر میں نے اسی طرح قرأت شروع کی جو آپ ﷺ نے مجھے سکھائی تھی آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے تو جسے جو آسان لگے اس کے مطابق تلاوت کر لے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْزَابٍ

باب: اس بارے میں قرآن سات قراءتوں پر نازل ہوا

(۲۸۶۸) لَقِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَبْرِئِيلَ فَقَالَ يَا جَبْرِئِيلُ إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيَّةٍ مِنْهُمْ الْعَجُوزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْعُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِي لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی ملاقات حضرت جبریل علیہ السلام سے ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام مجھے ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے جن میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں ہے ان میں بوڑھی عورتیں بھی ہیں اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہیں لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے کبھی زندگی میں تحریر نہیں پڑھی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔

تشریح: سات کا عدد عربی میں تکمیل کے لئے آتا ہے، قرآن کریم کو شروع میں متعدد طریقوں پر پڑھنے کی اجازت تھی، بعد میں جب اس توسع کی ضرورت باقی نہ رہی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو لغت قریش پر جمع کر دیا جس میں قرآن نازل ہوا تھا، اور جس کو نزول کے ساتھ لکھ کر محفوظ کر لیا گیا تھا۔

(۲) اس حدیث کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں، تقریباً پینتیس تفسیریں مروی ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قد اختلف العلماء في البراد بالأحرف السبعة على أقوال كثيرة، بلغها أبو حاتم بن حبان إلى خمسة وثلاثين قولاً، وقال المنذري: أكثرها غير مختار. (فتح الباي ۹/۶)

ترجمہ: علماء میں اختلاف ہے کہ، سات حروف،، سے کیا مراد ہے؟ ان کے بہت سے اقوال ہیں، ابو حاتم بن حبان نے ان کی تعداد ۳۵ تک پہنچائی ہے اور منذری کہتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر اقوال غیر پسندیدہ ہیں۔

ان ۳۵ اقوال میں سے ایک مشہور قول یہ ہے کہ ان سے مراد سات متواتر قراءتیں ہیں، مگر یہ قول بھی صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر

رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال ابو شامة: ظن قوم ان القراء ان السبع الموجودة الان هي التي اريدت في الحديث، وهو خلاف اجماع اهل العلم قاطبة، وانما يظن ذلك بعض اهل الجھل. (فتح الباری ۳۰/۹)

ترجمہ: ”ابو شامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آج جو سات قراءتیں پائی جاتی ہیں وہی حدیث کی مراد ہیں، یہ بات تمام اہل علم کے اجماع کے خلاف ہے، اور یہ بات بعض بادانوں ہی کا گمان ہے۔ اور اس قول کے فساد کی ایک دلیل یہ ہے کہ قراءتیں سات میں منحصر نہیں، دس تو متواتر ہیں، باقی چار غیر متواتر بھی ہیں، پس وہ اس حدیث کا مصداق کیسے ہو سکتے ہیں؟“

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم کا حفظ کرنا نزول کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، اور اہل لسان کے لئے دشواری یہ ہے کہ وہ رٹے بغیر کسی کلام کو ایک سچ پر نہیں پڑھ سکتے، اور عرب ذہین قوم تھی، رٹنا اس کے بس کی بات نہیں تھی، اور ناخواندہ بھی تھی، لکھا ہوا قرآن سامنے رکھ کر سب لوگوں کے لئے پڑھنا بھی دشوار تھا، نیز اس وقت قرآن کے نسخے بھی عام نہیں ہوئے تھے، اس لئے مضمون کی حفاظت کرتے ہوئے الفاظ بدل کر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، حضرت عمر اور حضرت ہشام رحمہ اللہ کا یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے، یہ دونوں حضرات قریشی تھے، ان میں نہ لہجوں کا اختلاف تھا، نہ لغات کا نہ قواعد کا پھر بھی دونوں حضرات اپنے اپنے انداز پر سورۃ الفرقان پڑھ رہے تھے، یعنی ان کے الفاظ مختلف تھے، اور دونوں ہی کی نبی ﷺ نے تصویب فرمائی اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب معنی کی حفاظت کرتے ہوئے الفاظ میں تبدیلی کی اجازت ہو، اس کے علاوہ اس حدیث کا اور کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

علاوہ ازیں: عرب کے بعض قبائل کچھ حروف کا تلفظ نہیں کر سکتے تھے، آج بھی بعض مصری ج کا تلفظ نہیں کر سکتے وہ گ پڑھتے ہیں، اور بعض قبائل کے لہجے مختلف تھے، کوئی امالہ کرتا تھا کوئی نہیں کرتا تھا، اور بعض قبائل کے قواعد الگ تھے، کوئی معرفہ بنانے کے لئے ال لگاتا تھا اور کوئی م، جیسے الرجل اور مرجل۔ اسی طرح اور بھی اختلاف تھے۔

قال الطحاوی كان السبعة في اول الامر لضرورة اختلافهم لغة، فلما ارتفعت بكثرة الناس: عادت الی واحد (مجمع البحار) امام طحاوی فرماتے ہیں: سات (متعدد) طرح سے قرآن کریم پڑھنے کی اجازت شروع میں تھی، عربوں کے لہجوں کے اختلاف ختم ہو گیا تو وہ سات طریقے ایک طریقہ کی طرف لوٹ گئے۔

چنانچہ سب قبائل کو ابتداء میں لغت قریش پر جمع کرنا دشوار تھا، اور قرآن لغت قریش میں نازل ہوا تھا، اور اسی کو لکھ کر محفوظ کیا گیا تھا، مگر جب پہلی امت کے لئے اس کو یاد کرنے میں دشواری محسوس کی گئی تو نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے گنجائش طلب کی، جس کا ذکر کی پہلی روایت میں آیا ہے، چنانچہ شروع میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معنی کی حفاظت کرتے ہوئے الفاظ میں تبدیلی کی اجازت دی گئی، پھر جب تمام قبائل ایک امت بن گئے اور وہ لغت قریش سے آشنا بھی ہو گئے اور لکھے ہوئے قرآن کریم بھی عام ہو گئے اور نئی نسل نے قرآن حفظ کرنا شروع کیا تو یہ عارضی اجازت ختم کر دی گئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایسے تمام مصاحف جلادئے جو مختلف طرح سے لکھے گئے تھے، اور مسلمانوں کو لغت قریش پر جمع کر دیا، اس لئے اب وہ گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب مختلف الفاظ سے قرآن پڑھنا جائز نہیں، بلکہ مصحف میں جس طرح لکھا گیا ہے اسی طرح قرآن پڑھنا ضروری ہے۔

مثال سے وضاحت: سورة الفرقان کی پہلی آیت ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۝۱﴾

اس آیت میں اگر کوئی نزل کی جگہ انزل پڑھے یا الفرقان کی جگہ القرآن پڑھے یا علی عبدہ کی جگہ علی محمد پڑھے، یا للعالمین کی جگہ للناس پڑھے یا نذیرا کی جگہ بشیرا پڑھے تو شروع میں اس کی گنجائش تھی، کیونکہ ذہین اہل لسان جنہوں نے تلمیق کے ذریعہ قرآن یاد کیا ہو ان سے ایسی تبدیلی ممکن تھی، اس لئے اس کی اجازت دی گئی، بعد میں جب اس گنجائش کی ضرورت نہ رہی تو یہ اجازت ختم کر دی گئی۔

حدیث کا مطلب امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول سے سمجھا ہے جو مجمع البحار سے حاشیہ میں نقل کیا ہے:

فائدہ: اور جو سات یا دس متواتر قراءتیں مروی ہیں وہ اسی مصحف عثمانی میں پڑھی جاتی ہیں، جو لغت قریش میں لکھا گیا ہے، اور ان کا ثبوت تعادل (اجماع) سے ہے، جو اصول شرع میں سے ایک اصل ہے، پس یہ سب قراءتیں معتبر ہیں۔ مگر ان متواتر قراءتوں کا کی حدیث سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ یہ سب قراءتیں مصحف عثمانی میں پڑھی جاتی ہیں، ان میں لہجوں کا اختلاف، طریق ادا کا اختلاف اور طرق تحسین کا اختلاف ملحوظ ہے البتہ ابواب القراءۃ میں جو دوسری روایتیں ہیں ان کو کی حدیث سے جوڑا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ مالک کو ملک پڑھنے کی گنجائش بھی ابتداء میں تھی، بعد میں یہ اجازت ختم کر دی گئی، اسی طرح دما خلقی کے بغیر والذکو والانی پڑھنے کا معاملہ ہے۔

۱۶: قرآن پڑھنے پڑھانے کی فضیلت

(۲۸۶۹) مَنْ نَفَسَ عَنْ أَخِيهِ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ يَسَّرْ عَلَى مُعْسِرٍ يَسِّرْ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا قَعَدَ قَوْمٌ فِي مَسْجِدٍ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَعَشِيَتْ لَهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَقَّتْ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَمَنْ أَبْطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص اپنے بھائی سے کسی دنیوی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی مصیبت کو دور کرے گا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا جو شخص کسی تنگ دست کو آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اسے آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے جس میں وہ علم کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستہ کو آسان کر دے گا جب کبھی کچھ لوگ مسجد میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں ایک دوسرے کو درس دیتے ہیں تو ان پر سکینت نازل اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں جس شخص کا عمل سستی کا شکار ہو اس کا نسب اسے تیز نہیں کر سکتا۔

۱۷: قرآن کریم کتنے دن میں ختم کیا جائے؟

(۲۸۷۰) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي كَمْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ قَالَ اخْتِمْهُ فِي شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ اخْتِمْهُ فِي عَشْرِينَ قُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ اخْتِمْهُ فِي خَمْسَةِ عَشَرَ قُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ اخْتِمْهُ فِي عَشْرِ قُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ اخْتِمْهُ فِي خَمْسٍ قُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ فَمَا رَخَّصَ لِي.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں کتنے عرصے میں قرآن پورا پڑھ لیا کروں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اسے ایک مہینے میں ختم کر لیا کرو میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے بیس دن میں ختم کر لیا کرو میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے دس دن میں ختم کر لیا کرو تو میں نے عرض کی میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے پانچ دن میں ختم کر لیا کرو میں نے عرض کی میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس بارے میں اجازت نہیں دی۔

(۲۸۷۱) لَهُ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَرْبَعِينَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تم چالیس دن میں قرآن مکمل کیا کرو۔

(۲۸۷۲) قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَيْ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَيَّ اللَّهُ قَالَ الْحَالُ الْمُرْتَحِلُ قَالَ وَمَا الْحَالُ الْمُرْتَحِلُ قَالَ الَّذِي يَضْرِبُ مِنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ إِلَى آخِرِهِ كُلِّمَا حَلَّ رَدَّ تَحَلَّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حال مرتحل اس نے دریافت کیا حال مرتحل سے مراد کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا یعنی جب آدمی شروع سے لے کر آخر تک قرآن مجید پورا پڑھ لے تو پھر شروع سے پڑھنا شروع کر دے۔

(۲۸۷۳) لَهُ يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص تین دن سے کم عرصے میں پورا قرآن پڑھ لے اس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں

تشریح: قرآن مجید کتنی مدت میں ختم کرنا چاہیے؟

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابو عبیدہ قاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا استدلال اس کی آخری روایت سے ہے کہ جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید

ختم کیا تو اس نے قرآن نہیں سمجھا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ثواب کی نفی نہیں بلکہ سمجھنے کی نفی مراد ہے کہ اس قلیل مدت میں وہ آدمی قرآن کے ظاہری معنی بھی نہیں سمجھ سکتا چہ جائے کہ اس کے علوم و معارف اور باریک نکات تک اس کی رسائی ہو۔
(۲) جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس میں شریعت کی طرف سے وقت کی کوئی تحدید اور تعیین نہیں ہے۔

اس کا مدار تلاوت کرنے والے کی ہمت قوت اس کے نشاط اور تازگی پر ہے اگر کوئی آدمی تین دن سے کم میں تازگی کے ساتھ ختم قرآن کر سکتا ہے اور وہ حروف کی ادائیگی میں تجوید کے اصول کی رعایت کے ساتھ تلاوت جاری رکھ سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو آدمی سال میں دو مرتبہ قرآن مجید ختم کرے تو وہ قرآن مجید کا حق ادا کرنے والا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے سال میں حضرت جبرائیل سے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا تھا۔ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اقرأ فی سبع ولا تزودہ علی ذلک۔ یعنی سات دن میں ختم قرآن کیا کریں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول سات دن میں ختم قرآن کا تھا قرآن کریم کے سات احزاب ہیں ان سات احزاب کی ترتیب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک جملے فی بشوق میں اس طرح منقول ہے کہ فاء سے فاتحہ میم سے ماندہ یاء سے یونس باء سے بنی اسرائیل شین سے شعراء واو سے والصفات اور قاف سے سورۃ ق اور آخر قرآن کی طرف اشارہ ہے قرآن کریم کو اس طرح سات احزاب میں تقسیم کر کے ایک حزب کو روزانہ پڑھا جائے تو ہفتہ میں قرآن کریم کا ختم مکمل ہو جایا کرے گا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸۲/۵، کتاب فضائل القرآن اداہ التلاوة)

بہت سے ایسے باہمت لوگ گزرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جو روزانہ ایک قرآن ختم کرتے ہیں، اور ایک دو دن نہیں بلکہ زندگی بھر کا ان کا یہ معمول ہے، اور ایسے لوگ بھی کچھ کم نہیں جو منزل فیل کا ورد رکھتے ہیں، یعنی تین دن میں قرآن ختم کرتے ہیں، پہلی منزل سورۃ فاتحہ سے، دوسری سورۃ یونس سے اور تیسری لقمان سے شروع ہوتی ہے، چوتھی سورۃ بنی اسرائیل سے، پانچویں سورۃ الشعراء سے، چھٹی والصف سے اور ساتویں سورۃ ق سے آخر قرآن تک ہے اور یہی منزلیں قرآن پاک میں لکھی ہوئی ہیں، پس قرآن ختم کرنے کا سب سے افضل یہی طریقہ ہے۔

